فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف

شرح ھدایہ

جلد چہاردہم

کتاب الذبائح الی الرہن

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

استاذ الفقہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	مئی 2013ء/رجب المرجب 1434ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر 0322-7202212
قیمت	روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

کتاب الذبائح

فَصْلٌ فِيمَا يُؤْكَلُ وَمَا لَا يُؤْكَلُ

كتاب الاضحيه

كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ

فَصْلٌ فِی اللُّبْسِ

فَصْلٌ فِی الْوَطْیءِ وَالنَّظَرِ وَاللَّمْسِ

فَصْلٌ فِی الْاِسْتِبْرَاءِ وَغَیْرِہٖ

فَصْلٌ فِی الْبَیْعِ

مسائل متفرقہ

كتاب إحياء الموات

فُصُولٌ فِی مَسَائِلِ الشُّرْبِ

فَصْلٌ فِی الْمِیَاهِ

فَصْلٌ فِی کَرْیِ الْاَنْهَارِ

فَصْلٌ فِی الدَّعْوَی وَالْاِخْتِلَافِ وَالتَّصَرُّفِ فِیْهِ

کِتَابُ الْاَشْرِبَةِ

فَصْلٌ فِی طَبْخِ الْعَصِیْرِ

کِتَابُ الصَّیْدِ

فَصْلٌ فِی الْجَوَارِحِ

فَصْلٌ فِی الرَّمْیِ

کِتَابُ الرَّهْنِ

بَابُ مَا یَجُوزُ ارْتِهَانُهُ وَالارْتِهَانُ بِهِ وَمَا لَا یَجُوزُ

فصل

بَابُ الرَّهْنِ يُوضَعُ عَلَى يَدِ الْعَدْلِ

بَابُ التَّصَرُّفِ فِي الرَّهْنِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ وَجِنَايَتِهِ عَلَى غَيْرِهِ

فصل

مقدمه رضويه

الحمدُ لله الذى جعل العلماءَ ورثة الأنبياء ، وخلاصةَ الأولياء ، الذين يدعو لهم ملائكةُ السماء ، والسَّمَكُ فى الماء ، والطيرُ فى الهواء . والصلاةُ والسلامُ الأتمَّان الأعمَّان على زُبدةِ خُلاصة الموجودات، وعُمدة سُلالة المشهودات، فى الأصفياءِ الأزكياء ، وعلى آله الطيبينَ الأطهارِ الأتقياء ، واصحابه الأبرار نجومِ الاقتداءِ والاهتداء .اما بعد فيقول العبد الضعيف الى حرم ربه البارى ،محمد لياقت على الحنفى الرضوى البريلوى غفرله والوالديه ، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر .اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية . احرر شرح الهدايه باسم "فيوضات الرضويه فى تشريحات الهدايه" بتوفق الله تعالى و بوسيلة النبى الكريم ﷺ . ومن علوم فقهاء الصحابة والتابعين وائمة المجتهدين فى الامة المسلمة ،(رضى الله عنهم)

عظمت فقہ

صاحب الاشباہ والنظائر نے فقہ کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الفقة أشرف العلوم قدراً وأعظمها أجرا وأتمها عائدة وأعمها فائدة وأعلاها مرتبه يملا العيون نوراً والقلوب سروراً والصدور انشراحاً" . (الاشباه والنظاء مقدمه)

علم فقہ تمام علوم میں قدر ومنزلت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے اور اجر کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ اونچا ہے، علم فقہ اپنے مقام ورتبہ کے اعتبار سے بھی بہت بلند ہے اور وہ آنکھوں کو نور اور جلا بخشتا ہے، دل کو سکون اور فرحت بخشتا ہے اور اس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔اور صاحب درمختار نے علم فقہ کی عظمت کا یوں تذکرہ کیا ہے۔"وخير علوم علم فقه ؛لانه يكون الى العلوم توسلاً ؛فان فقيها واحداً متورعاً على الف ذى زهدِ تفضل واعتلىٰ ،تفقه فان الفقه افضل قائد الى البر والتقوى واعدل قاصد وكن مستفيدا كل يوم زيادة من الفقه واسبح فى بحور الفوائد . (مقدمه در مختار)

تمام علوم میں قدر ومنزلت اور مقام ورتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر علم فقہ ہے، اس لیے کہ علم فقہ تمام علوم تک پہونچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اسی وجہ سے ایک متقی فقیہ ہزار عابدوں پر بھاری ہوتا ہے، علم فقہ کو حاصل کرنا چاہیے، اس لیے کہ علم فقہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہوتے رہنا چاہیے، اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرنا چاہیے۔

کتاب الذبائح

﴿یہ کتاب ذبائح کے بیان میں ہے﴾

کتاب ذبائح کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب ذبائح سے پہلے کتاب مزارعت ومساقات کو بیان کیا ہے کیونکہ ان کتب میں کسی چیز کو ختم کر کے مستقبل میں اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور ذبائح میں بھی اسی طرح جانور کو تلف کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کے گوشت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ پس یہ موافقت کے پیش نظر ان کتابوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب ذبائح، ج ۱۴، ص ۱۳۱، بیروت)

ذبح کا لغوی وفقہی مفہوم

یہ ذبح اور ذکاۃ اسلام کے اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان سے مراد حلق کا اتنا حصہ کاٹ دینا ہے جس سے جسم کا خون اچھی طرح خارج ہو جائے۔ جھٹکا کرنے یا گلا گھونٹنے یا کسی اور تدبیر سے جانور کو ہلاک کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ خُون کا بیشتر حصہ جسم کے اندر ہی رُک کر رہ جاتا ہے اور وہ جگہ جگہ جم کر گوشت کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ برعکس اس کے ذبح کرنے کی صُورت میں دماغ کے ساتھ جسم کا تعلق دیر تک باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے رگ رگ کا خُون کھنچ کر باہر آ جاتا ہے اور اس طرح پُورے جسم کا گوشت خُون سے صاف ہو جاتا ہے۔ خون کے متعلق ابھی اُوپر ہی یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ حرام ہے، لہٰذا گوشت کے پاک اور حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خُون اس سے جُدا ہو جائے۔

ذبح کرنے کا طریقہ

اور ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاٹا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذبح کے علاوہ نحر بھی مشروع ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لبے پر چھری ماری جائے (اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے) جس سے نرخرہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہے اور سارا خون بہہ جاتا ہے۔

جانور ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جانور کو پانی پلا کر بائیں پہلو پر لٹائیں (اس طرح کہ سر جنوب اور منہ قبلہ کی طرف رہے) یا اسی ترتیب سے ہاتھ میں پکڑیں پھر دائیں ہاتھ میں تیز چھری لے کر بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر قوت وتیزی کے ساتھ

گلے پر کانشی سے نیچے چھری چلائیں اس انداز پر کہ چاروں رگیں کٹ جائیں لیکن سر جدا نہ ہو۔ (کاٹنا ختم ہوتے ہی جانور کو چھوڑ دیں)۔

کتاب ذبائح کے شرعی ماخذ کا بیان

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(المائدہ، ۳)

تم پر حرام ہے مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلہ گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا اور جو گر کر مرا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا اور جسے کوئی درندہ کھا گیا مگر جنہیں تم ذبح کرلو اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا اور پانسے ڈال کر بانٹا کرنا یہ گناہ کا کام ہے۔

آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی۔ تو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے۔ تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آیت " اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ " میں جو استثناء ذکر فرمایا گیا تھا یہاں اس کا بیان ہے اور گیارہ چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے، ایک مُردار یعنی جس جانور کے لئے شریعت میں ذبح کا حکم ہو اور وہ بے ذبح مر جائے، دوسرے بہنے والا خون، تیسرے سور کا گوشت اور اس کے تمام اجزاء، چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو وہ حرام نہیں جیسے کہ عبداللہ کی گائے، عقیقے کا بکرا، ولیمہ کا جانور یا وہ جانور جن سے اولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچانا منظور ہو، ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے، وہ حلال وطیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو ، وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے اور خود آیت ان کے معنی کو بننے نہیں دیتی کیونکہ " مَآ اُهِلَّ بِهٖ " کو اگر وقتِ ذبح کے

[illegible] "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے [illegible]
[illegible] "وَ مَا ذَكَّيْتُمْ" سے حلال ہوگا، غرض وہاں کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں، پانچواں گلا گھونٹ کر مارا ہوا جانور، چھٹے وہ جانور جو لاٹھی، پتھر، ڈھیلے، گولی، چھرے یعنی بغیر دھار دار چیز سے مارا گیا ہو، ساتویں جو گر کر مرا ہو خواہ پہاڑ سے یا کنویں وغیرہ میں،

آٹھویں وہ جانور جسے دوسرے جانور نے سینگ مارا ہو اور وہ اس کے صدمے سے مرگیا ہو، نویں وہ جسے کسی درندے نے تھوڑا سا کھایا ہو اور وہ اس کے زخم کی تکلیف سے مرگیا ہو لیکن اگر یہ جانور مر نہ گئے ہوں اور بعد ایسے واقعات کے زندہ بچ رہے ہوں پھر تم انہیں باقاعدہ ذبح کرلو تو وہ حلال ہیں، دسویں وہ جو کسی تھان پر عبادۃً ذبح کیا گیا ہو جیسے کہ اہل جاہلیت نے کعبہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب کئے تھے جن کی وہ عبادت کرتے اور ان کے لئے ذبح کرتے تھے اور اس ذبح سے ان کی تعظیم و تقرب کی نیت کرتے تھے، گیارھویں حصہ اور حکم معلوم کرنے کے لئے پانسہ ڈالنا، زمانہ جاہلیت کے لوگوں کو جب سفر یا جنگ یا تجارت یا نکاح وغیرہ کام درپیش ہوتے تو وہ تین تیروں سے پانسے ڈالتے اور جو نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے اور اس کو حکمِ الٰہی جانتے، ان سب کی ممانعت فرمائی گئی۔

یہ آیت حجۃ الوداع میں عرفہ کے روز جو جمعہ کو تھا بعدِ عصر نازل ہوئی، معنی یہ ہیں کہ کفار تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہوگئے۔

اور امورِ تکلیفیہ میں حرام و حلال کے جو احکام ہیں وہ اور قیاس کے قانون سب مکمل کردیئے، اسی لئے اس آیت کے نزول کے بعد بیانِ حلال و حرام کی کوئی آیت نازل نہ ہوئی اگرچہ " وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ "نازل ہوئی مگر وہ آیت موعظت و نصیحت ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ دین کامل کرنے کے معنی اسلام کو غالب کرنا ہے جس کا یہ اثر ہے کہ حجۃ الوداع میں جب یہ آیت نازل ہوئی کوئی مشرک مسلمانوں کے ساتھ حج میں شریک نہ ہوسکا۔ ایک قول یہ ہے کہ معنی یہ ہیں کہ میں نے تمہیں دشمن سے امن دی۔ ایک قول یہ ہے کہ دین کا اکمال یہ ہے کہ وہ پچھلی شریعتوں کی طرح منسوخ نہ ہوگا اور قیامت تک باقی رہے گا۔

شانِ نزول: بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یہودی آیا اور اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم روزِ نزول کو عید مناتے فرمایا کون سی آیت؟ اس نے یہی آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ " پڑھی آپ نے فرمایا میں اس دن کو جانتا ہوں جس میں یہ نازل ہوئی تھی اور اس کے مقامِ نزول کو بھی پہچانتا ہوں وہ مقام عرفات کا تھا اور دن جمعہ کا، آپ کی مراد اس سے یہ تھی کہ ہمارے لئے وہ دن عید ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ سے بھی ایک یہودی نے ایسا ہی کہا آپ نے فرمایا کہ جس روز یہ نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں جمعہ و عرفہ۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا جائز اور صحابہ سے ثابت ہے ورنہ حضرت عمر و ابنِ عباس

رضی اللہ عنہم صاف فرما دیتے کہ جس دن کوئی خوشی کا واقعہ ہو اس کی یادگار قائم کرنا اور اس روز کو عید منانا ہم بدعت جانتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ عید میلاد منانا جائز ہے کیونکہ وہ اعظم نعم الہیہ کی یادگار و شکرگزاری ہے۔

مکہ مکرمہ فتح فرما کر۔ کہ اس کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں۔

معنی یہ ہیں کہ اوپر حرام چیزوں کا بیان کر دیا گیا ہے لیکن جب کھانے پینے کو کوئی حلال چیز میسر ہی نہ آئے اور بھوک پیاس کی شدت سے جان پر بن جائے اس وقت جان بچانے کے لئے قدر ضرورت کھانے پینے کی اجازت ہے اس طرح کہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو یعنی ضرورت سے زیادہ نہ کھائے اور ضرورت اسی قدر کھانے سے رفع ہو جاتی ہے جس سے خطرہ جان جاتا رہے۔

(خزائن العرفان، مائدہ، ۳)

ذبیحہ کے حلال ہونے میں ذبح شرط ہونے کا بیان

قَالَ (الذَّكَاةُ شَرْطُ حِلِّ الذَّبِيحَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ) وَلِأَنَّ بِهَا يَتَمَيَّزُ الدَّمُ النَّجِسُ مِنْ اللَّحْمِ الطَّاهِرِ. وَكَمَا يَثْبُتُ بِهِ الْحِلُّ يَثْبُتُ بِهِ الطَّهَارَةُ فِي الْمَأْكُولِ وَغَيْرِهِ، فَإِنَّهَا تُنْبِءُ عَنْهَا.

وَمِنْهَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (ذَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا) وَهِيَ اخْتِيَارِيَّةٌ كَالْجُرْحِ فِيمَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ، وَاضْطِرَارِيَّةٌ وَهِيَ الْجُرْحُ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ مِنْ الْبَدَنِ. وَالثَّانِي كَالْبَدَلِ عَنْ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ لَا يُصَارُ إِلَيْهِ إِلَّا عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ الْأَوَّلِ.

وَهَذَا آيَةُ الْبَدَلِيَّةِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَوَّلَ أَعْمَلُ فِي إِخْرَاجِ الدَّمِ وَالثَّانِي أَقْصَرُ فِيهِ، فَاكْتَفَى بِهِ عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ الْأَوَّلِ، إِذْ التَّكْلِيفُ بِحَسَبِ الْوُسْعِ.

وَمِنْ شَرْطِهِ أَنْ يَكُونَ الذَّابِحُ صَاحِبَ مِلَّةِ التَّوْحِيدِ إِمَّا اعْتِقَادًا كَالْمُسْلِمِ أَوْ دَعْوَى كَالْكِتَابِيِّ، وَأَنْ يَكُونَ حَلَالًا خَارِجَ الْحَرَمِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ

فرمایا اور حلت ذبیحہ کیلئے ذبح شرط ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''لیکن جس کو تم نے ذبح کر لیا'' کے سبب سے شرط ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ ذبح کرنا یہ نجس خون کو گوشت سے الگ کرنے والا ہے۔ لہذا جس طرح ذبح کرنے کے سبب حلت ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ذبح کرنے کے سبب ماکول اور غیر ماکول چیزوں میں طہارت ثابت ہو جاتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ ذبح کرنا یہ طہارت کی خبر دینے والا ہے اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ زمین کا پاک ہونا اس کا خشک ہو جانا ہے یہ بھی اسی علت کے پیش نظر ہے

اور اسی طرح کبھی یہ ذبح اختیاری ہوتا ہے جس طرح سینے اور جبڑوں کے درمیان زخم کرنا ہے اور کبھی یہ ذبح اضطراری ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جسم کے کسی حصے کو زخمی کر دیا جائے۔ اور اس میں دوسرا پہلے کے بدل کی طرح ہے۔ کیونکہ اول میں عاجزی کے سبب اسی کی جانب رجوع کیا جاتا ہے اور یہی بدلیت کی نشانی ہے۔ کیونکہ یہی پہلا طریقہ خون نکالنے میں زیادہ فائدے مند ہے۔ جبکہ دوسرے میں کمی کا اثر ہے۔ پس پہلے میں عاجز نہ ہونے کی صورت میں دوسرے کو اپنایا جائے گا۔ کیونکہ جس قدر وسعت ہو اسی کے مطابق مکلف کیا جاتا ہے۔

اور اسی طرح ذبح کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے والا دین توحید والوں سے ہو۔ اگرچہ عقیدے کے اعتبار سے ہو جس طرح مسلمان ہے یا دعویٰ میں ہو جس طرح کتابی ہے۔ اور اسی طرح ذبح کرنے والے کا حلالی اور حرم سے باہر ہونا بھی شرط ہے۔ اور یہ اسی وضاحت کے مطابق ہے جس کو ہم ان شاء اللہ بیان کر دیں گے۔

ذبح کی اقسام کا بیان

ذبح کی دو اقسام ہیں ا۔ ذبح اختیاری ۲۔ ذبح اضطراری

ذبح اختیاری کی تعریف

وہ جگہ جو دو جبڑوں اور سینہ کی بلائی حصہ کی درمیانی جگہ مذبح ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے اور وہاں پر ذبح کرنے کو ذبح اختیاری کہتے ہیں۔

ذبح اضطراری کی تعریف

اور جب جانور کو مذبح کی جگہ پر ذبح کرنا مشکل ہو تو پھر جانور کی کسی جگہ کو بھی زخمی کر دینا ذبح کے قائم مقام ہو جائے گا اسے ذبح اضطراری کہتے ہیں۔ جس طرح شکاری جانوروں کا حال ہوتا ہے کہ تیر وغیرہ جہاں بھی لگ جائے وہ شکار درست ہوتا ہے (المبسوط، ج ۱۱، ص ۲۲۱، مطبوعہ بیروت)

ذبح کے لیے تذکیہ کی شرط کا بیان

دوسری قید قرآن مجید یہ بیان کرتا ہے کہ صرف وہی جانور حلال ہیں جس کا تذکیہ کیا گیا ہو۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے حرام کیا گیا تم پر مرا ہوا جانور اور گلا گھونٹا ہوا اور چوٹ کھایا ہوا اور گرا ہوا اور ٹکر کھایا ہوا اور جس کو درندے نے پھاڑا ہو، بجز اس کے جس کا تم نے تزکیہ کیا ہو۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس جانور کی موت تذکیہ سے واقع ہوئی ہو صرف وہی حرمت کے حکم سے مستثنیٰ ہے، باقی تمام وہ صورتیں جن میں تذکیہ کے بغیر موت واقع ہو جائے، حرمت کا حکم ان سب پر جاری ہوگا۔ تزکیہ کے مفہوم کی کوئی تشریح قرآن میں نہیں کی گئی ہے اور نہ لغت اس کی صورت متعین کرنے میں زیادہ مدد کرتی ہے۔ اس لیے لامحالہ اس کے معنی متعین کرنے کے لیے ہم

کو سنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ سنت میں اس کی دو شکلیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک شکل یہ ہے کہ جانور ہمارے قابو میں نہیں ہے، مثلاً جنگلی جانور ہے جو بھاگ رہا ہے یا اُڑ رہا ہے یا وہ ہمارے قابو میں تو ہے مگر کسی وجہ سے ہم اس کو باقاعدہ ذبح کرنے کا موقع نہیں پاتے۔ اس صورت میں جانور کا تزکیہ یہ ہے کہ ہم کسی تیز چیز سے اس کے جسم کو اس طرح زخمی کردیں کہ خون بہہ جائے اور جانور کی موت ہمارے پیدا کردہ زخم کی وجہ سے خون بہنے کی بدولت واقع ہو۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ اس صورت کا حکم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں جس چیز سے چاہو خون بہادو (ابوداود۔نسائی)

دوسری شکل یہ ہے کہ جانور ہمارے قابو میں ہے اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ذبح کرسکتے ہیں۔ اس صورت میں باقاعدہ تذکیہ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ سنت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اونٹ اور اس کے مانند جانور کو نحر کیا جائے اور گائے بکری یا اس کے مانند جانوروں کو ذبح۔ نحر سے مراد یہ ہے کہ جانور کے حلقوم میں نیزے جیسی تیز چیز زور سے چبھوئی جائے تاکہ اس سے خون کا فوارہ چھوٹے اور خون بہہ کر جانور بالاخر بے دم ہو کر گر جائے۔ اونٹ ذبح کرنے کا یہ طریقہ عرب میں معروف تھا قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے (فصل لربک وانحر) اور سنت نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔

کہ نبی کریم ﷺ اسی طریقہ سے اونٹ ذبح کیا کرتے تھے۔ رہا ذبح تو اس کے متعلق احادیث میں حسب ذیل احکام وارد ہوئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حج کے موقع پر بدیل بن ورقاخزاعی کو ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر بھیجا تاکہ منیٰ کے پہاڑی راستوں پر یہ اعلان کردیں کہ ذبح کی جگہ حلق اور لبلبہ کے درمیان ہے (یعنی گردن کے اوپر سے نہیں کہ پہلے نخاع کٹ جائے بلکہ اندرونی حصہ سے جہاں نرخرہ واقعہ ہے۔ مصنف) اور ذبیحہ کی جان جلدی سے نہ نکال دو۔ (دارقطنی)

گردن کی رگوں کو کاٹنے میں مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے سختی سے منع فرمایا کہ ذبح کرتے ہوئے آدمی نُخاع تک کاٹ ڈالے۔ (طبرانی)

اسی مضمون کی روایت امام محمد نے سعید بن المسیب سے بھی روایت کی ہے جس کے الفاظ ہیں نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا کہ بکری کو ذبح کرتے وقت نخاع تک کاٹ ڈالا جائے۔ ان احادیث کی بنا پر، اور عہد نبوی وعہد صحابہ کے معمول بہ عمل کی شہادتوں پر حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ذبح کے لیے حلقوم اور مری (غذا کی نالی) کو اور مالکیہ کے نزدیک حلقوم اور ودجین (گردن کی رگوں) کو کاٹنا چاہیے (الفقہ علی المذاہب اربعہ۔جلد اول، ص ۴۲۵)

اضطراری اور اختیاری ذکات کی یہ تینوں صورتیں جو قرآن کے حکم کی تشریح کرتے ہوئے سنت میں بتائی گئے ہیں اس امر میں مشترک ہیں کہ ان میں جانور کی موت یکلخت واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے دماغ اور جسم کا تعلق آخری سانس تک باقی رہتا ہے، تڑپنے

اور پھڑ پھڑانے سے اس کے جسم کے ہر حصہ کا خون کھچ کر باہر آ جاتا ہے اور صرف سیلان خون ہی اس کی موت کا سبب ہوتا ہے۔ اب چونکہ قرآن نے اپنے حکم کی خود کوئی تشریح نہیں کی ہے اور صاحب قرآن سے اس کی یہی تشریح ثابت ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ الا ما ذکیتم سے یہی ذکات مراد ہے اور جس جانور کو یہ شرط ذکات پوری کیے بغیر ہلاک کیا ہو وہ حلال نہیں ہے۔

کتابی کے ذبیحہ ہونے میں شرعی حکم کا بیان

قَالَ (وَذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ وَالْكِتَابِيِّ حَلَالٌ) لِمَا تَلَوْنَا. وَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ) وَيَحِلُّ إذَا كَانَ يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ وَالذَّبِيحَةَ وَيَضْبِطُ وَإِنْ كَانَ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا أَوْ امْرَأَةً، أَمَّا إذَا كَانَ لَا يَضْبِطُ وَلَا يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ وَالذَّبِيحَةَ لَا تَحِلُّ لِأَنَّ التَّسْمِيَةَ عَلَى الذَّبِيحَةِ شَرْطٌ بِالنَّصِّ وَذَلِكَ بِالْقَصْدِ. وَصِحَّةُ الْقَصْدِ بِمَا ذَكَرْنَا.

وَالْأَقْلَفُ وَالْمَخْتُونُ سَوَاءٌ لِمَا ذَكَرْنَا، وَإِطْلَاقُ الْكِتَابِيِّ يَنْتَظِمُ الْكِتَابِيَّ وَالذِّمِّيَّ وَالْحَرْبِيَّ وَالْعَرَبِيَّ وَالتَّغْلِبِيَّ، لِأَنَّ الشَّرْطَ قِيَامُ الْمِلَّةِ عَلَى مَا مَرَّ.

ترجمہ

مسلمان اور اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اسی آیت کے سبب سے جس کو ہم نے تلاوت کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔ کہ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ بھی دلیل ہے اور ذبیحہ کی شرط میں سے یہ ہے کہ ذبح کرنے والا بسم اللہ کہنے اور اس کے طریقے کو جانتا ہو۔ اور اس کو ذبح کی شراط یاد ہوں خواہ وہ بچہ یا مجنون یا عورت ہے۔ مگر جب وہ شرائط ذبح کو یاد کرنے والا نہیں ہے اور اسی طرح تسمیہ اور اس کے طریقے کو بھی نہیں جانتا تو اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ نص کے سبب تسمیہ ذبیحہ پر شرط ہے اور یہ شرط ارادے اور ارادے کے صحیح ہونے سے مکمل ہوگی۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اس میں مختون وغیر مختون دونوں برابر ہیں۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور کتابی سے مراد ذمی، حربی، اور تغلبی سب کو شامل ہے کیونکہ اس میں دین توحید کا ہونا شرط ہے۔ جس طرح اس کو بیان کر دیا گیا ہے۔

شرح

اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، مگر اس میں چند اُمور کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اوّل: ذبح کرنے والا واقعتاً صحیح اہلِ کتاب بھی ہو، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قومی حیثیت سے یہودی یا عیسائی کہلاتے ہیں، مگر عقیدۃً دہریئے ہیں اور وہ کسی دین و مذہب کے قائل نہیں، ایسے لوگ شرعاً اہلِ کتاب نہیں، اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

دوم: بعض لوگ پہلے مسلمان کہلاتے تھے، پھر یہودی یا عیسائی بن گئے، یہ لوگ بھی اہلِ کتاب نہیں بلکہ شرعاً مرتد ہیں، اور مرتد کا ذبیحہ مردار ہے۔

سوم: یہ بھی ضروری ہے کہ ذبح کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر (بسم اللہ کے ساتھ) ذبح کیا ہو، اس کے بغیر بھی حلال نہیں، چہ جائیکہ کسی کتابی کا۔

چہارم: ذبح کرنے والے نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہو، آج کل مغربی ممالک میں مشین سے جانور کاٹے جاتے ہیں اور ساتھ میں بسم اللہ اللہ اکبر کی ٹیپ لگادی جاتی ہے، گویا بسم اللہ کہنے کا کام آدمی کے بجائے ٹیپ کرتی ہے، اور ذبح کا کام آدمی کے بجائے مشین کرتی ہے، ایسے جانور حلال نہیں بلکہ مردار کے حکم میں ہیں۔

یہودی کا ذبیحہ جائز ہونے کی شرائط

یہودی اگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہو اور اپنی کتاب کو مانتا ہو تو وہ اہلِ کتاب ہے، اس کا ذبیحہ جائز ہے، بشرطیکہ اللہ کے نام سے ذبح کرے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت میں تحقیقی بیان

حلال وحرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں، پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔

حضرت ابن عباس، ابوامامہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی، مقاتل بن حیان یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے، جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے، علماء اسلام کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے، کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کیلئے ذبح کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی، میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دونگا، اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرمارہے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، تینوں مذہب کے فقہاء نے مالکیوں پر اپنی سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو یہ غلط ہے کیونکہ چربی کو یہودی حرام جانتے ہیں لیکن مسلمان کیلئے حلال ہے لیکن یہ ایک شخص کا انفرادی واقعہ ہے۔ البتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی، اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں

نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شانے کا گوشت پسند ہے، چنانچہ آپ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا، مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔

آپ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ گیا، آپ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور بھی تھے، جو اسی کے اثر سے راہی بقاء ہوئے، جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا، جس کا نام زینب تھا، وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حلال جانتے ہو اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی، حضرت مکحول فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے جانور حلال کر دئے یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام الٰہی نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے تھے بلکہ جس گوشت کو کھاتے تھے اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے لیکن سامرہ اور صابیہ اور ابراہیم وشیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی اس سے مستثنیٰ تھے، جیسے کہ علماء کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب، تنوخ بہرا، جذام لخم، عاملہ کے ایسے اور بھی ہیں کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ، اس لئے کہ انہوں نے تو نصرانیت سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی، ہاں سعید بن مسیب اور حسن بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

مجوسی کا ذبیحہ کھانے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ الْمَجُوسِيِّ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ) وَلِأَنَّهُ لَا يَدَّعِي التَّوْحِيدَ فَانْعَدَمَتْ الْمِلَّةُ اعْتِقَادًا وَدَعْوَى.

قَالَ (وَالْمُرْتَدُّ) لِأَنَّهُ لَا مِلَّةَ لَهُ. فَإِنَّهُ لَا يُقَرُّ عَلَى مَا انْتَقَلَ إلَيْهِ، بِخِلَافِ الْكِتَابِيِّ إذَا تَحَوَّلَ إلَى غَيْرِ دِينِهِ لِأَنَّهُ يُقَرُّ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فَيُعْتَبَرُ مَا هُوَ عَلَيْهِ عِنْدَ الذَّبْحِ لَا مَا قَبْلَهُ. قَالَ (وَالْوَثَنِيُّ) لِأَنَّهُ لَا يَعْتَقِدُ الْمِلَّةَ.

ترجمہ

اور مجوسی کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجوسیوں سے اہل کتاب کی طرح سلوک کرو

البتہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور ان کا ذبیحہ بھی نہ کھاؤ۔ اسلئے کہ مجوسی توحید کا دعویٰ کرنے والا نہیں ہے۔ پس اس میں دعویٰ اور عقیدہ یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں:

اور اسی طرح مرتد کا ذبیحہ بھی نہ کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس کی بھی کوئی ملت نہیں ہے۔ پس اس کو ملت پر باقی نہ رکھا جائے گا۔ خواہ وہ کسی جانب بھی توجہ کیوں نہیں کرتا۔ جبکہ کتابی میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دین سے کسی دوسرے دین کی جانب پھرنے والا ہے۔ لہذا ہمارے نزدیک اس کو بدلی ہوئی صورت پر باقی رہنے دیا جائے گا۔ پس ذبح کے وقت موجودہ حالت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس سے پہلے والی حالت کا اعتبار ہوگا۔ اور اسی طرح بت پرست کا ذبیحہ بھی نہیں کھایا جائے گا کیونکہ وہ بھی بے دین ہے۔

مجوسیوں کے ذبیحہ کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

اور مجوسی ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ میں ملا دیا گیا ہے اور ان کا ہی تابع کر دیا گیا ہے، لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔

ہاں ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کے خلاف ہیں، جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی ہے۔

یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے تو فرمایا کہ ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ، ممکن ہے ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہو جس میں حکم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں دوسرے یہ روایت مرسل ہے،

ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں، تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے، پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوسکتا ہے، پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کیلئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کیلئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھا سکتا ہے بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو، لیکن زیادہ باوزن بات پہلی ہی ہے۔ یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کیے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا اول بدل کے طور پر ہے،

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے ہیں کفن دیا جس کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس کو اپنا کرتا دیا تھا جب وہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کسی کو نہ کھلا اسے

اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو، فقہاء احناف کا مؤقف ہدایہ کے متن میں ہم نے بیان کردیا ہے۔

شکار محرم سے کھانے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَالْمُحْرِمُ) يَعْنِي مِنَ الصَّيْدِ (وَكَذَا لَا يُؤْكَلُ مَا ذُبِحَ فِي الْحَرَمِ مِنَ الصَّيْدِ) وَالْإِطْلَاقُ فِي الْمُحَرَّمِ يَنْتَظِمُ الْحِلَّ وَالْحَرَمَ ، وَالذَّبْحُ فِي الْحَرَمِ يَسْتَوِي فِيهِ الْحَلَالُ وَالْمُحْرِمُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الذَّكَاةَ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ وَهَذَا الصَّنِيعُ مُحَرَّمٌ فَلَمْ تَكُنْ ذَكَاةً ، بِخِلَافِ مَا إذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ غَيْرَ الصَّيْدِ أَوْ ذَبَحَ فِي الْحَرَمِ غَيْرَ الصَّيْدِ صَحَّ لِأَنَّهُ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ ، إذْ الْحَرَمُ لَا يُؤَمِّنُ الشَّاةَ ، وَكَذَا لَا يَحْرُمُ ذَبْحُهُ عَلَى الْمُحْرِمِ .

ترجمہ

اور جب محرم نے شکار کیا تو اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا۔ اور ایسے ہی اس شکار کو بھی نہیں کھایا جائے گا جس کو حرم میں ذبح کیا گیا ہے۔ جبکہ محرم کا اطلاق حل وحرم دونوں کو شامل ہے اور حرم کے ذبیحہ میں حلالی اور محرم دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ ذبح ایک مشروع فعل ہے اور یہ کام حرام ہے پس یہ ذبح نہ ہوگا، ہاں البتہ جب محرم نے غیر شکار کو ذبح کیا ہے یا پھر اس نے حرم میں ہی شکار کے سوا کسی دوسری چیز کو ذبح کیا ہے تو درست ہے۔ کیونکہ یہ عمل مشروع ہے۔ کیونکہ حرم بکری کو امن دینے والا نہیں ہے۔ پس محرم پر بکری کو ذبح کرنا حرام نہ ہوگا۔

شکار کیلئے حرم سے باہر ہونے کے لزوم کا بیان

اور ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان جو حالت احرام اور حرم میں نہ ہو۔ شرط ہے، اور شکار ہو تو ضروری ہے کہ حرم سے باہر ہو کیونکہ حرم کا شکار ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا مطلقا ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو اگر چہ ذبح کرنے والا مجنون ہو۔ ملخصا۔ مجنون سے مراد معتوہ (ابتدائی جنون) ہو جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے نقل کیا ہے کیونکہ کامل جنون والا قصد اور نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنا منصوص شرط ہے اور وہ قصد کے بغیر ممکن نہیں اور قصد کی صحت ہمارے ذکر کردہ سے ہوتی ہے یعنی اس کا قول کہ وہ بسم اللہ اور ذبح اور ضبط کو سمجھتا ہو، (درمختار، کتاب الذبائح، مطبع مجتبائی دہلی)

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقا حلال ہے اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعد ذبح حلال ہے۔ اس کے دانت جسم میں پیوست ہو جانا وجہ ممانعت نہیں ہوسکتا، قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کئے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کر کے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے بدن کو نجس کردے گا، دو وجہ سے غلط ہے۔

اولا شکار حالت غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔ ولـذا فرق جمع من العلماء فی اخذہ طرف الثوب ملا طفا فینجس او غضبان فلا۔ اس لئے علماء کی ایک جماعت نے کتے کے پاک کپڑے کو پیار سے منہ میں لینے اور غصہ کی حالت میں لینے میں فرق کیا ہے کہ جانور پیار سے منہ میں لے تو ناپاک اور غصہ میں لے تو پاک ہے۔

ثانیا اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرم کے شکار سے ممانعت کا بیان

حضرت صعب رضی اللہ عنہ بن جثامہ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حمار وحشی (گورخر) بطور ہدی کے بھیجا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابواء یا ودان میں کہ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس کر دیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وجہ سے ان کے چہرہ پر غم وافسوس کے آثار محسوس کیے تو فرمایا کہ ہم نے تمہارا ہدیہ اس لئے واپس کر دیا ہے کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1244)

بظاہر یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو مطلق شکار کا گوشت کھانے کو محرم کے لئے حرام قرار دیتے ہیں اور چونکہ حنفیہ کا مسلک جو باب کی ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ زندہ گورخر بطور شکار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور چونکہ شکار قبول کرنا محرم کے لئے درست نہیں ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس کر دیا۔ لیکن پھر ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک روایت میں وضاحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ گورخر کا گوشت بھیجا گیا تھا، ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گورخر کی ران بھیجی گئی تھی، اسی طرح ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ایک ٹکڑا بھیجا گیا تھا۔

لہٰذا ان روایتوں کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ گورخر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ یہاں حدیث میں بھی گورخر سے اس کا گوشت ہی مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں زندہ گورخر ہی بھیجا گیا ہوگا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں کیا، پھر بعد میں دوسرے گورخر کی ران بھیجی گئی اسی کو کسی نے تو گوشت سے تعبیر کیا اور کسی نے اسے اس کا ٹکڑا کہا۔

اس بارے میں حنفیہ کی بڑی دلیل یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گورخر پیش کیا گیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام عرف میں تشریف فرما تھے اور احرام باندھے ہوئے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے رفقاء میں تقسیم کر دو۔ مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اس گورخر کو اس گمان کی بناء پر واپس کر دیا کہ بطور خاص میرے لئے شکار کیا گیا ہے۔

حضرت ابوقتادہ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے تو وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے جو عمرہ کے لئے احرام باندھے ہوئے تھے لیکن خود ابوقتادہ حالت احرام میں نہیں تھے! چنانچہ راستہ میں ایک جگہ ان کے ساتھیوں نے گورخر دیکھا مگر ابوقتادہ کی نظر اس پر نہیں پڑی، ان کے ساتھیوں نے اس گورخر کو دیکھ کر صرف نظر کر لیا، آخر کار ابوقتادہ نے بھی اس گورخر کر دیکھ لیا اور اس کو شکار کرنے کی غرض سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے اپنا چابک مانگا مگر انہوں نے اس وجہ سے کہ اس شکار میں ہماری اعانت کسی درجہ میں بھی شامل نہ ہو چابک دینے سے انکار کر دیا ابوقتادہ نے گھوڑے سے اتر کر خود چابک اٹھایا اور گورخر پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ اسے مار لیا، پھر اس کے گوشت کو تیار کر کے خود انہوں نے بھی کھایا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کھایا، مگر ان کے ساتھی اس کا گوشت کھا کر پشیمان ہوئے کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ محرم کے لئے مطلق شکار کا گوشت کھانا درست نہیں ہے۔ چنانچہ جب وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا حکم پوچھا کہ آیا اس گورخر کا گوشت کھانا ہمارے لئے درست تھا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا پاؤں باقی رہ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پاؤں لیا اور اس کو تیار کرا کر کھایا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر فرمایا کہ اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے درست تھا (بخاری و مسلم) بخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب وہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارہ میں مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ گورخر پر حملہ آور ہوں یا تم میں سے کسی نے گورخر کی طرف اشارہ کر کے اس کے شکار پر متوجہ کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس کے گوشت میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے کھالو۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1245)

اس حدیث کے بارہ میں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تو بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گورخر میں سے بچا ہوا پاؤں تیار کرا کر کھایا جب کہ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھایا نہیں؟ لہٰذا اس اشکال کو دور کرنے کے لئے علماء ان دونوں روایتوں میں یہ مطابقت پیدا کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خود حالت احرام میں تھے اس لئے ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ گمان کیا ہوگا کہ اس گورخر کے شکار میں کسی محرم کے حکم یا اس کی اعانت کو دخل رہا ہوگا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھانے سے انکار کر دیا ہوگا مگر جب صحیح صورت حال سامنے آ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ اس کے شکار میں کسی محرم کے حکم یا اس کی اعانت کا کوئی دخل نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھایا۔

محرم کے لئے جس طرح یہ ممنوع ہے کہ وہ شکار کے لئے کسی کو حکم دے اسی طرح دلالت اور اشارت بھی ممنوع ہے دلالت اور

اشارت میں فرق یہ ہے کہ دلالت کا تعلق زبان سے ہوتا ہے مثلاً محرم کو کسی ہاتھ کے اشارہ سے شکار کی طرف توجہ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دلالت کا تعلق اس شکار سے ہوتا ہے جو نظر کے سامنے نہ ہو اور اشارت کا تعلق اس شکار سے ہوتا ہے جو نظر کے سامنے ہو۔

اس موقع پر یہ بات جان لیجئے کہ محرم کے لئے تو دلالت حدود حرم میں بھی حرام اور حدود حرم سے باہر بھی لیکن غیر محرم کے لئے حدود حرم میں تو حرام ہے اور حدود حرم سے باہر نہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تو خود اس کے لئے کیا ہو اور نہ اس شکار میں اس کی دلالت اشارت اور اعانت کا قطعاً دخل ہو، چنانچہ یہ حدیث حنفیہ کے اس مسلک کی دلیل ہے، اور ان حضرات کے مسلک کی تردید کرتی ہے جو محرم کو مطلق شکار کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔

محرم کے شکار سے مراد ماکول لحم ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

امام شافعی نے اس سے مراد، صرف ان جانوروں کا قتل لیا ہے جو ماکول اللحم ہیں یعنی جو کھانے کے کام آتے ہیں۔ دوسرے برے جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر علماء کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں۔ البتہ ان موذی جانوروں کا قتل جائز ہے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا (صحیح مسلم) حضرت نافع سے سانپ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کے قتل میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔

اور امام احمد اور امام مالک اور دیگر علماء نے بھیڑیے، درندے، چیتے اور شیر کو کلب عقور میں شامل کر کے حالت احرام میں ان کے قتل کی بھی اجازت دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر احرام میں شکار پکڑا تو فرض ہے کہ چھوڑ دے۔ اگر مار دیا تو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگوائی اسی قدر قیمت کا مویشی میں سے ایک جانور لے کر (مثلاً بکری، گائے، اونٹ وغیرہ) کعبہ کے نزدیک یعنی حدود حرم میں پہنچا کر ذبح کرے، اور خود اس میں سے نہ کھائے یا اسی قیمت کا غلہ لے کر محتاجوں کو فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یا جس قدر محتاجوں کو پہنچتا، اتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لے۔

ذابح کے ترک تسمیہ کے سبب ذبیحہ کے مردار ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمْدًا فَالذَّبِيحَةُ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ وَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَ)

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: أُكِلَ فِي الْوَجْهَيْنِ.

وَقَالَ مَالِكٌ: لَا يُؤْكَلُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَالْمُسْلِمُ وَالْكِتَابِيُّ فِي تَرْكِ التَّسْمِيَةِ سَوَاءٌ،

وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إذَا تَرَكَ التَّسْمِيَةَ عِنْدَ إرْسَالِ الْبَازِي وَالْكَلْبِ، وَعِنْدَ الرَّمْيِ،

وَهٰذَا الْقَوْلُ مِنَ الشَّافِعِيِّ مُخَالِفٌ لِلْإِجْمَاعِ فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَهُ فِي حُرْمَةِ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا ، وَإِنَّمَا الْخِلَافُ بَيْنَهُمْ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ نَاسِيًا .
فَمِنْ مَذْهَبِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ يَحْرُمُ ، وَمِنْ مَذْهَبِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنَّهُ يَحِلُّ ، بِخِلَافِ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا ، وَلِهٰذَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالْمَشَايِخُ رَحِمَهُمُ اللَّهُ : إِنَّ مَتْرُوكَ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا لَا يَسَعُ فِيهِ الِاجْتِهَادُ ، وَلَوْ قَضَى الْقَاضِي بِجَوَازِ بَيْعِهِ لَا يَنْفُذُ لِكَوْنِهِ مُخَالِفًا لِلْإِجْمَاعِ .لَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْمُسْلِمُ يَذْبَحُ عَلَى اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى سَمَّى أَوْ لَمْ يُسَمِّ) وَلِأَنَّ التَّسْمِيَةَ لَوْ كَانَتْ شَرْطًا لِلْحِلِّ لَمَا سَقَطَتْ بِعُذْرِ النِّسْيَانِ كَالطَّهَارَةِ فِي بَابِ الصَّلَاةِ ، وَلَوْ كَانَتْ شَرْطًا فَالْمِلَّةُ أُقِيمَتْ مَقَامَهَا كَمَا فِي النَّاسِي ، وَلَنَا الْكِتَابُ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ) الْآيَةَ ، نَهْيٌ وَهُوَ لِلتَّحْرِيمِ .وَالْإِجْمَاعُ وَهُوَ مَا بَيَّنَّا .وَالسُّنَّةُ وَهُوَ حَدِيثُ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ فِي آخِرِهِ (فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبِ غَيْرِكَ) عَلَّلَ الْحُرْمَةَ بِتَرْكِ التَّسْمِيَةِ .

ترجمہ

اور جب ذبح کرنے والے نے جان بوجھ کر بسم اللہ کو ترک کر دیا ہے تو وہ ذبیحہ مردار ہے اور اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اور اگر اس نے بھول کر بسم اللہ چھوڑی تھی تو اس کا ذبیحہ کھالیا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں نہیں کھایا جائے گا۔ اور ترک بسم اللہ میں مسلمان اور کتابی یہ دونوں ایک حکم میں ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی اسی اختلاف کے مطابق ہے کہ جب کسی شخص نے باز کو یا کتے کو چھوڑتے وقت یا تیر چلاتے وقت بسم اللہ کو چھوڑ دیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے کیونکہ ان سے قبل یہ اختلاف یعنی ترک بسم اللہ والا فقہاء میں سے کسی نے نہیں کیا۔ جبکہ ان کے درمیان بھول کر ترک تسمیہ میں اختلاف تھا۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔ جبکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ وہ حلال ہے۔ جبکہ جان بوجھ کر ترک تسمیہ میں ایسا نہیں ہے۔

اور اسی دلیل کے سبب سے امام ابو یوسف اور دوسرے مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص جان بوجھ کر تسمیہ کو ترک کرے تو اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور جب قاضی اس کی بیع کو فیصلہ کر دے اور خلاف اجماع ہونے کی وجہ سے وہ نافذ نہ ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرنے والا ہے اگرچہ اس نے تسمیہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ کیونکہ تسمیہ اگر شرط حلت ہوتی تو یہ بھول جانے کے سبب ساقط نہ ہوتی۔ جس طرح نماز کے احکام میں طہارت کا شرط ہونا ہے۔ اور جب تسمیہ شرط ہے تو ملت توحید اسی کے قائم مقام ہوگی۔ جس طرح بھول جانے والے کے بارے میں ہے۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا اور وہ بیشک حکم عدولی ہے" ہماری دلیل وہ اجماع ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور سنت میں سے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس کے آخر میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم نے صرف اپنے کتے پر تسمیہ کہی ہے اور اس کے سوا نہیں کہا۔ اور حدیث میں تسمیہ کو ترک کرنا یہ علت حرمت کے طور پر بیان ہوئی ہے۔

ترک تسمیہ میں سہو کی صورت حلت وحرمت پر اختلاف ائمہ اربعہ

مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ لیتا تو اللہ کا نام ہی لیتا۔ اس کی مضبوطی دار قطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ ذکر کرے تو کھا لیا کرو کیونکہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے،

اسی مذہب کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش ہو سکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نو مسلموں کے ذبیحہ کے کھانے کی جس میں دونوں احتمال تھے آپ نے اجازت دی تو اگر بسم اللہ کا کہنا شرط اور لازم ہوتا تو حضور تحقیق کرنے کا حکم دیتے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کہنا بوقت ذبح بھول گیا ہے تو ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ کہی جائے وہ حرام ہے اسی لئے امام ابو یوسف اور مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم اسے بیچنے کا حکم بھی دے تو وہ حکم جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ اجماع کے خلاف ہے۔

امام ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ بھول کر نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ حرام کہا ہے انہوں نے اور دلائل سے اس حدیث کی بھی مخالفت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم کو اس کا نام ہی کافی ہے اگر وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا بھول گیا تو اللہ کا نام لے اور کھا لے۔

یہ حدیث بیہقی میں ہے لیکن اس کا مرفوع روایت کرنا خطا ہے اور یہ خطا معقل بن عبید اللہ خرزمی کی ہے، ہیں تو یہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے مگر سعید بن منصور اور عبد اللہ بن زبیر حمیری اسے عبد اللہ بن عباس سے موقوف روایت کرتے ہیں۔ بقول امام بیہقی یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ شعبی اور محمد بن سیرین اس جانور کا کھانا مکروہ جانتے تھے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو گو بھول سے

ہی رہ گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ سلف کراہیت کا اطلاق حرمت پر کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

ہاں یہ یاد رہے کہ امام ابن جریر کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان دو ایک قولوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جو جمہور کے خلاف ہوں اور اسے اجماع شمار کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بہت سے پرند ذبح شدہ آئے ہیں ان سے بعض کے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور بعض پر بھول سے رہ گئی ہے اور سب خلط ملط ہو گئے ہیں آپ نے فتویٰ دیا کہ سب کھالو، پھر محمد بن سیرین سے یہی سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جن پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا انہیں نہ کھاؤ۔

اس تیسرے مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطاء کو بھول کو اور جس کام پر زبردستی کی جائے اس کو معاف فرما دیا ہے لیکن اس میں ضعف ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ بتایئے تو ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا نام ہر مسلمان کی زبان پر ہے (یعنی وہ حلال ہے) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے،

مروان بن سالم ابو عبداللہ شامی اس حدیث کا راوی ہے اور ان پر بہت سے ائمہ نے جرح کی ہے، واللہ اعلم، میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس میں تمام مذاہب اور ان کے دلائل وغیرہ تفصیل سے لکھے ہیں اور پوری بحث کی ہے، بظاہر دلیلوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے لیکن اگر کسی مسلمان کی زبان سے جلدی میں یا بھولے سے یا کسی اور وجہ سے نہ نکلے اور ذبح ہو گیا تو وہ حرام نہیں ہوتا۔

عام اہل علم تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں لیکن بعض حضرات کہتے ہیں اس میں اہل کتاب کے ذبیحہ کا استثناء کر لیا گیا ہے اور ان کا ذبح کیا ہوا حلال جانور کھالینا ہمارے ہاں حلال ہے تو گو وہ اپنی اصطلاح میں اسے نسخ سے تعبیر کریں لیکن دراصل یہ ایک مخصوص صورت ہے پھر فرمایا کہ شیطان اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر سے جب کہا گیا کہ مختار گمان کرتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے۔ شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ اس وقت مختار حج کو آیا ہوا تھا۔ ابن عباس کے اس جواب سے کہ وہ سچا ہے اس شخص کو سخت تعجب ہوا اس وقت آپ نے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک تو اللہ کی وحی جو آنحضرت کی طرف آئی اور ایک شیطانی وحی ہے جو شیطان کے دوستوں کی طرف آتی ہے۔ شیطانی وساوس کو لے کر لشکر شیطان اللہ والوں سے جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارا ہوا جانور تو کھالیں اور جسے اللہ مار دے یعنی اپنی موت آپ مر جائے اسے نہ کھائیں؟ اس پر یہ آیت اتری اور بیان فرمایا کہ وجہ حلت اللہ کے نام کا ذکر ہے لیکن ہے یہ قصہ غور طلب اولاً اس وجہ سے کہ یہودی از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں جانتے تھے دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہودی تو مدینے میں تھے اور یہ پوری سورت مکہ میں اتری ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث ترمذی میں مروی تو ہے لیکن مرسل طبرانی میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ جس پر اللہ کا

نام لیا گیا ہوا سے کھالو اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہوا سے نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریشیوں سے کہلوا بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ جھگڑیں اور کہیں کہ جسے تم اپنی چھری سے ذبح کرو وہ تو حلال اور جسے اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے خود ذبح کرے وہ حرام؟ یعنی میتہ از خود مرا ہوا جانور۔ اس پر یہ آیت اتری، پس شیاطین سے مراد فارسی ہیں اور ان کے اولیا قریش ہیں اور بھی اس طرح کی بہت سی روایتیں کئی ایک سندوں سے مروی ہیں لیکن کسی میں بھی یہود کا ذکر نہیں پس صحیح یہی ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہود مدینے میں تھے اور اس لئے بھی کہ یہودی خود مردار خوار نہ تھے۔ ابن عباس فرماتے ہیں جسے تم نے ذبح کیا یہ تو وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور جو از خود مر گیا وہ وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، انعام ۱۲۱)

عبارت ہدایہ پر حافظ ابن کثیر کی رائے

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں لیکن صاحب ہدایہ کا یہ قول محض غلط ہے، امام شافعی سے پہلے بھی بہت سے ائمہ اس کے خلاف تھے چنانچہ اوپر جو دوسرا مذہب بیان ہوا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے یہ امام شافعی کا ان کے سب ساتھیوں کا اور ایک روایت میں امام احمد کا اور امام مالک کا اور اشہب بن عبدالعزیز کا مذہب ہے اور یہی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ حضرت عطاء بن ابی رباح کا اس سے اختلاف ہے۔ پھر اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کی مستدل حدیث کی سند کا بیان

قال العلامة علي بن سلطان محمد الحنفي عليه الرحمة في شرح الوقايه، (وَ) لا (تَارِكَ التَّسْمِيَةِ عَمْداً) مسلماً كان أو كتابياً؛ (وبه قال مالك) وقال الشافعيّ رحمه الله: يحلّ متروك التسمية عمداً لأنها عنده سنة، ولما رواه الدَّارَقُطْنِيّ عن مروان بن سالم، عن الأَوْزَاعِيّ، عن يحيى بن (أبي) كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هُرَيْرَةَ قال: سأل رجل النبيّ صلى الله عليه وسلم: الرجل منا يذبح وينسى أن يسمّي الله؟ فقال النبيّ صلى الله عليه وسلم: اسم الله على كل مسلم. وفي لفظ: على فم كل مسلم. قلنا: مروان بن سالم ضعيفٌ ضعّفه الدَّارَقُطْنِيّ وابن القطّان وابن عدي وأحمد والنّسائي على ما في المحيط، وأمّا ما رواه أبو داود في المراسيل عن عبد الله بن داود، عن ثور بن يزيد، عن الصَّلت عن النبيّ صلى الله عليه وسلم قال: ذبيحة المسلم حلال ذكر اسم الله أولم يذكر. فقد قال ابن القطّان فيه مع الإرسال: إنّ الصَّلْت السَّدُوسِيّ لا يُعْرَف له حال ولا يعرف بغير هذا الحديث، ولا روى عنه غير

ثور بن یزید.

ولنا: إطلاق قوله تعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ أي وإن الذي لم يذكر اسم الله عليه حرام، لأنّ الفسق هو الخروج عن الطاعة، وإنّ مطلق النهي يقتضي التّحريم. وما أخرجه أصحاب الكتب الستة عن عَدِيّ بن حاتم قال: قلت: يا رسول الله إني أُرْسِلُ كلبي وأجد معه كلباً آخرَ لا أدري أيّهما أخذه قال: لا تأكل فإنك إنما سمّيت على كلبك ولم تسمّ على الكلب الآخر. ووجه الدّلالة على أنه علّل الحرمة بترك التسمية عمداً. (شرح الوقايه فى مسائل الهدايه)

امام بخاری علیہ الرحمہ سے مذہب احناف کی تائید کا بیان

عمداً اللہ کا نام جس جانور پر نہ لیا گیا، اس کا کھانا فسق اور ناجائز ہے، حضرت ابن عباس نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ بھول جانے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا اور امام بخاری کا رجحان بھی یہی ہے تاہم امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ دونوں صورتوں میں حلال ہے چاہے وہ اللہ کا نام لے یا چھوڑ دے۔

وقت ذبح غیر خدا کا نام لینے کے سبب حرمت ذبیحہ پر مذاہب اربعہ

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اہل کتاب میں سے کوئی شخص ذبح کے وقت مسیح کا نام لے تو اسکا کھانا حلال نہیں ہے۔ مالکیہ ذبیحہ کی حلت کے لیے شرط لگاتے ہیں کہ اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

شافعیہ مسلمان کے ذبیحہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور ذبح کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے لے اور اس سے اس کی نیت شرک کی ہو تو اسکا ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نصرانی اگر ذبح کے وقت مسیح کا نام لے لے تو اسکا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذاہب اربعہ اس کی حرمت پر متفق ہیں تو وہ کن علما کی اکثریت ہے جو اسے حلال قرار دیتی ہے؟

ترک تسمیہ بطور سہو کی صورت میں حلت پر فقہی اختلاف

وہ مطلق حرام ہے جیسا کہ آیت و لا تاکلو الخ کے عموم سے واضح ہوتا ہے جو کہ تینوں شکلوں کو شامل ہے۔ مطلق حلال ہے۔ یہ امام شافعی کا مسلک ہے ان کے نزدیک متروک التسمیہ ذبیحہ ہر صورت میں حلال ہے، تسمیہ کا ترک خواہ عمداً ہوا ہو یا نسیاناً۔ بشرطیکہ اسے اہل الذبح نے ذبح کیا ہو۔ امام موصوف آیت کے عموم کو المیۃ اور اھل لغیر اللہ بہ والی آیات کے ساتھ خصوص میں تبدیل کر کے اس کی دلالت کو صرف اول الذکر دو شکلوں تک محدود کرتے ہیں،

تیسری شکل کے جواز میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہر مومن کے دل میں ہر حالت میں اللہ کا ذکر بھی موجود ہ۔اس پر عدم ذکر کی کبھی حالت طاری نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کا ذبیحہ بھی ہر صورت میں حلال ہے۔اس کی حلت اس وقت حرمت میں تبدیل ہوگی جب کہ ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ بغیر تسمیہ کو فسق فرمایا ہے۔

بہر حال اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ جس جانور کو مسلمان نے ذبح کیا ہو اور اس پر ذکر اللہ ترک کر دیا ہو اس کا گوشت کھانا فسق کے حکم میں نہیں ہے۔ کیونکہ آدمی کسی اجتہادی حکم کی خلاف ورزی سے فسق کا مرتکب نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ بمالم یذکر اسم اللہ کا اطلاق صرف پہلی دو شکلوں پر ہوگا۔اس کی تائید اگلی آیت شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں اعتراضات القا کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑیں سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اولیا الشیاطین کا مجادلہ صرف دو مسلوں پر تھا۔

پہلا مردار کے مسئلہ پر تھا۔ جس کے بارے میں وہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ جسے باز اور کتا مارے اُسے تم کھا لیتے ہو اور جسے اللہ مارے اُسے تم نہیں کھاتے۔

اس ارشاد کی رُو سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اطاعت کفار و مشرکین متروک التسمیہ طعام کھا لینے سے نہیں ہوگی بلکہ مردار کو مباح ٹھہرانے اور بتوں پر جانوروں کی قربانی دینے اور ذبح کرنے سے ہوگی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام عمداً ترک کیا تو اسکا ذبیحہ حرام ہے اور اگر اس سے سہواً ترک ہوا ہے تو ذبیحہ حلال ہے۔امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ آیت ولا تاکو میں تینوں شکلیں داخل ہیں اور تینوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے لیکن سہواً۔ متروک التسمیہ ذبیحہ اس آیت کے حکم سے دو وجوہ سے خارج ہے۔ اولا اس لیے کہ انہ لفسق کی ضمیر لم یذکر اسم اللہ کی جانب راجع ہے۔ کیونکہ یہ قریب ہے اور ضمیر کو قریبی مرجع کی جاب لوٹانا اولیٰ ہے۔ پس بلاشبہ تسمیہ کو قصداً نظر انداز کرنے والا فاسق ہے۔ لیکن جو سہو کا شکار ہو گیا ہو وہ غیر مکلف ہے اور خارج از حکم ہے۔ اس لیے ایت کے یہ معنی ہوں گے کہ جس جانور پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھائیں اور ناسی خود بخود حکم سے مستثنٰی قرار پائے گا۔

دوسری دلیل امام صاحب یہ دیتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ اگر جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اُس کا گوشت کھا لو۔ اللہ کا نام ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔

فقہ مالکیہ کا فقہ حنفیہ سے کرنے کا استدلال کرنے کا بیان

وَمَالِكٌ يَحْتَجُّ بِظَاهِرِ مَا ذَكَرْنَا ، إِذْ لَا فَصْلَ فِيهِ وَلَكِنَّا نَقُولُ : فِي اعْتِبَارِ ذَلِكَ مِنْ الْحَرَجِ مَا لَا يَخْفَى ،لِأَنَّ الْإِنْسَانَ كَثِيرُ النِّسْيَانِ وَالْحَرَجُ مَدْفُوعٌ وَالسَّمْعُ غَيْرُ مُجْرًى عَلَى ظَاهِرِهِ ، إذْ لَوْ أُرِيدَ بِهِ لَجَرَتْ الْمُحَاجَّةُ وَظَهَرَ الِانْقِيَادُ وَارْتَفَعَ الْخِلَافُ فِي

الصَّدْرِ الْأَوَّلِ .

وَالْإِقَامَةُ فِي حَقِّ النَّاسِي وَهُوَ مَعْذُورٌ لَا يَدُلُّ عَلَيْهَا فِي حَقِّ الْعَامِدِ وَلَا عُذْرَ ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ النِّسْيَانِ .

ترجمہ

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے ہمارے بیان کردہ دلائل سے استدلال کیا ہے لہذا ان کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ہم بطور جواب کہیں گے کہ اس طرح اس میں ایک پوشیدہ خرابی ہے کیونکہ انسان بھول جانے والا ہے پس اس حرج کو دور کیا جائے گا۔ جبکہ نقلی دلائل کو اپنے ظاہر پر محمول نہ کریں گے۔ کیونکہ اگر ان کا ظاہری مفہوم مراد ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اس پر بحث ہو جاتی اور اسی وقت اختلاف کو دور کر دیا جاتا۔ جبکہ بھول جانے والے کے عذر کے سبب اس کے حق میں ملت توحید کو تسمیہ کے قائم مقام کرتے ہوئے اس میں عامد کے حق میں قائم مقام ہونے کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ کیونکہ بطور عمد کرنے والا عذر والا نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایات بھولنے پر محمول ہیں۔

کتے کو چھوڑنا چھری چلانے کے حکم میں ہونے کا بیان

حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "جب تم اپنے کتے کو چھوڑو تو اللہ کا نام ذکر کرو (یعنی جب تم شکار کے لئے اپنے سکھائے ہوئے کتے کو چھوڑنے کا ارادہ کرو تو اس کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو) اور پھر اگر اس کتے نے تمہارے لئے شکار کو پکڑ لیا ہو اور وہ شکار تم کو زندہ ملے تو اس کو ذبح کر لو، (اگر اس کو قصداً ذبح نہیں کرو گے تو اس کا کھانا حرام ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مردار ہوگا) اور اگر تم اس شکار کو اس حالت میں پاؤ کہ کتے نے اس کو مار ڈالا ہے لیکن اس نے اس میں سے کچھ کھایا نہیں ہے تو اس (شکار) کو کھاؤ لیکن اگر کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہے تو پھر تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ اس صورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کتے نے اس شکار کو اپنے لئے پکڑا ہوگا (جو اس بات کی علامت ہوگی کہ کتا سکھایا ہوا نہیں ہے جب کہ اس کتے کا پکڑا ہوا شکار حلال ہے جو سکھایا ہوا ہو) اور اگر تم شکار کے پاس) اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کا کتا بھی پاؤ، درآنحالیکہ (ان دونوں میں سے کسی ایک کتے نے) اس شکار کو مار ڈالا ہو تو اس صورت میں بھی اس شکار کو مت کھاؤ کیونکہ تمہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس شکار کو ان دونوں کتوں میں سے کس نے مارا ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ سکھایا ہوا نہ ہو یا اس کو چھوڑنے والے نے چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ کہی ہو اور یا اس کو کسی ایسے شخص نے چھوڑا ہو جس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہوتا جیسے مجوسی یا بت پرست وغیرہ) اور جب تم (کسی شکار پر) اپنا تیر چلاؤ تو (اس وقت) اللہ کا نام ذکر کرو یعنی بسم اللہ کہہ کر تیر چلاؤ اور پھر اگر وہ شکار ایک دن تک تم سے اوجھل رہا (اور اس کے بعد تمہیں ملا) تو تم چاہو تو اس کو کھا لو بشرطیکہ تم نے اس شکار میں اپنے تیر کے نشان کے علاوہ اور کوئی نشان نہ پایا ہو اور اگر وہ شکار تمہیں پانی میں ڈوبا ہوا ملے (اور اس میں تمہارے تیر کا نشان بھی موجود ہو) تو تم اس کو نہ کھاؤ

(یہ تو ممکن ہے وہ تمہارے تیر سے نہ مرا ہو بلکہ پانی میں ڈوب کر مرا ہو۔" (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 2
)

"اللہ کا نام ذکر کرو" کا مطلب یہ ہے کہ کتے کا چھوڑنا بمنزلہ چھری چلانے کے ہے اس لئے جس طرح چھری کے ذریعہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس طرح شکار پر سکھایا ہوا کتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا جانا یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے بھول کر بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا تو اس صورت میں اس شکار کو کھانا حلال ہوگا اور اگر یہ صورت ہے کہ کتا چھوڑتے وقت قصداً بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا پھر اس نے کتے کو ڈانٹا کتا جہاں تھا وہیں رک گیا، اب (کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا مگر اس نے شکار کو زندہ پایا اور ذبح کر لیا تو وہ شکار کے حکم میں نہیں رہے گا۔

جس طرح سکھائے ہوئے ذی ناب جانوروں جیسے کتے اور چیتے وغیرہ کا پکڑا ہوا شکار حلال ہے اسی طرح سکھائے ہوئے ذی مخلب جانوروں جیسے باز اور شاہین وغیرہ کا پکڑا ہوا شکار بھی حلال ہے۔

ذی مخلب جانور کے سکھائے ہوئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ تین دفعہ شکار کو پکڑ کر چھوڑ دے خود نہ کھائے اور ذی مخلب جانور کے سکھائے ہوئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کو چھوڑنے کے بعد بلایا جائے تو فوراً واپس آ جائے، لہٰذا اگر ذی مخلب جانور یعنی باز وغیرہ نے شکار میں سے کچھ خود کھا لیا تو بھی وہ شکار حلال رہے گا اور اس کو کھانا درست ہوگا جب کہ اگر ذی ناب جانور یعنی کتا وغیرہ شکار میں سے کچھ خود کھا لے تو وہ شکار حلال نہیں رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی سکھائے ہوئے کتے وغیرہ نے تین بار شکار کو پکڑ کر چھوڑ دینے کے بعد ایک بار بھی شکار میں سے کچھ کھا لیا تو وہ بے سیکھے ہوئے کتے کے حکم میں ہے یہاں تک کہ وہ دوبارہ سکھا ہوا ہو جائے۔

اور پھر وہ شکار ایک دن تک تم سے اوجھل رہا الخ" حنفی علماء کے نزدیک تیر کے ذریعہ مارے گئے شکار کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ تیر پھینکتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہا گیا ہو اس تیر نے شکار کو زخمی کر دیا ہو اور یہ کہ اگر وہ شکار اس تیر کے ذریعہ زخمی ہو کر شکاری کی نظر سے غائب ہو گیا تو اس کو تلاش کرنے سے بیٹھ نہ رہا جائے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں ابورزین سے یہ روایت نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعل ہوام الارض قتلہ نیز عبدالرحمٰن نے بھی اسی طرح کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق مرفوع نقل کی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شکار پر کوئی کتا یا چیتا یا باز وغیرہ چھوڑا گیا اور اس نے شکار کو مار ڈالا تو وہ (شکار) حلال ہوگا بشرطیکہ وہ کتا وغیرہ معلم یعنی سکھا ہوا ہو۔ غیر معلم کتے وغیرہ کا مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا۔

شکاری جانور کے کچھ کھا لینے حکم میں مذاہب اربعہ

اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر شکاری جانور نے، خواہ وہ درندہ ہو یا پرندہ شکار میں سے کچھ کھا لیا تو وہ حرام ہوگا کیونکہ اس کا کھا لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے شکار کو مالک کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پکڑا۔ یہی مسلک

امام شافعی کا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تب بھی وہ حرام نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر ایک تہائی حصہ بھی وہ کھا لے تو باقی دو تہائی حلال ہے، اور اس معاملے میں درندے اور پرندے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ شکاری درندے نے اگر شکار میں سے کھا لیا ہو تو وہ حرام ہوگا، لیکن اگر شکاری پرندے نے کھایا ہو تو حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ شکاری درندے کو ایسی تعلیم دی جا سکتی ہے کہ وہ شکار کو مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم قبول نہیں کرتا۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شکاری پرندے کا شکار سرے سے جائز ہی نہیں ہے، کیونکہ اسے تعلیم سے یہ بات سکھائی نہیں جا سکتی کہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ مالک کے لیے پکڑ رکھے۔

ذبح اختیاری میں تسمیہ کے شرط ہونے کا بیان

ثُمَّ التَّسْمِيَةُ فِي ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ تُشْتَرَطُ عِنْدَ الذَّبْحِ وَهِيَ عَلَى الْمَذْبُوحِ .وَفِي الصَّيْدِ تُشْتَرَطُ عِنْدَ الْإِرْسَالِ وَالرَّمْيِ وَهِيَ عَلَى الْآلَةِ ،لِأَنَّ الْمَقْدُورَ لَهُ فِي الْأَوَّلِ الذَّبْحُ وَفِي الثَّانِي الرَّمْيُ وَالْإِرْسَالُ دُونَ الْإِصَابَةِ فَتُشْتَرَطُ عِنْدَ فِعْلٍ يَقْدِرُ عَلَيْهِ ، حَتَّى إذَا أَضْجَعَ شَاةً وَسَمَّى فَذَبَحَ غَيْرَهَا بِتِلْكَ التَّسْمِيَةِ لَا يَجُوزُ .

وَلَوْ رَمَى إلَى صَيْدٍ وَسَمَّى وَأَصَابَ غَيْرَهُ حَلَّ ، وَكَذَا فِي الْإِرْسَالِ ، وَلَوْ أَضْجَعَ شَاةً وَسَمَّى ثُمَّ رَمَى بِالشَّفْرَةِ وَذَبَحَ بِالْأُخْرَى أُكِلَ ، وَلَوْ سَمَّى عَلَى سَهْمٍ ثُمَّ رَمَى بِغَيْرِهِ صَيْدًا لَا يُؤْكَلُ .

ترجمہ

اس کے بعد تسمیہ ذبح کے وقت ذکاۃ اختیاری میں شرط ہے۔اور یہ تسمیہ ذبح کردہ جانور پر ہوگا اور شکار میں چھوڑنے اور تیر چلانے کے وقت تسمیہ شرط ہے جو اس آلہ پر ہوگا۔ کیونکہ اول میں جو مقدور کیا گیا ہے وہ ذبح ہے جبکہ دوسرے میں تیر پھینکنا اور ارسال ہے اور شکار کو پکڑنا نہیں ہے۔ پس تسمیہ ایسے عمل کے وقت مشروط ہوگا جس پر ذبح کرنے والا قدرت رکھنے والا ہو۔حتیٰ کہ جب کسی شخص نے بکری کو لٹاتے ہوئے اس پر بسم اللہ پڑھی اور کے بعد اس نے اسی تسمیہ کے ساتھ دوسری بکری کو ذبح کیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔

اور جب کسی شخص نے شکار کی طرف تیر چلایا اور تسمیہ کو پڑھا اور وہی تیر کسی دوسرے شکار کو جا لگا تو وہ حلال ہوگا اور ارسال میں بھی اسی طرح ہے۔اور جب کسی بندے نے بکری کو لٹا کر تسمیہ پڑھا اور اس کے بعد اس نے چھری کو پھینک کر دوسری چھری سے اس کو ذبح کردیا تو ایسا ذبیحہ کھایا جائے گا۔اور جب اس نے ایک تیر پر تسمیہ پڑھا اور اس کے بعد دوسرے تیر سے اس نے شکار کیا تو ایسا شکار نہیں کھایا جائے گا۔

شرح

حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تربیت یافتہ (یعنی سکھائے ہوئے) کتوں کو (شکار کے پیچھے) چھوڑتے ہیں!؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تمہارے کتے تمہارے لئے جو شکار پکڑ کر رکھیں۔ "میں نے عرض کیا" اگر چہ وہ کتے شکار کو مار ڈالیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہاں اگر چہ مار ڈالیں!" پھر میں نے عرض کیا کہ "ہم شکار پر بغیر پر کا تیر چلاتے ہیں (اور اس کے ذریعہ شکار کر لیتے ہیں تو کیا وہ شکار کھانا درست ہے؟)" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شکار کو وہ تیر زخمی کر دے (یعنی اگر وہ تیر سیدھا جا کر نوک کی جانب سے شکار کو لگے اور وہ مر جائے) تو اس کو کھالو اور اگر وہ تیر (نوک کی جانب سے نہیں بلکہ) عرض یعنی چوڑائی کی جانب سے جا کر اس شکار کو (اس طرح) لگے (کہ وہ شکار کو زخمی نہ کرے) اور وہ مر جائے تو وہ وقیذ ہے اس کو نہ کھاؤ۔" (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 3)

معراض" اس تیر کو کہتے ہیں جو بے پر کا ہو۔ ایسا تیر سیدھا جا کر نوک کی طرف سے نہیں بلکہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے۔" وہ وقیذ ہے"۔ اصل میں وقیذ اور موقوذ اس جانور کو کہتے ہیں جو غیر دھار دار چیز سے مارا جائے خواہ وہ لکڑی ہو یا پتھر یا اور کوئی چیز۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معراض یعنی بغیر پر کے تیر کے ذریعہ شکار کرنے کی صورت میں اگر وہ (معراض) اس شکار کو اپنی دھار کے ذریعہ مار ڈالے تو وہ حلال ہوگا اور اگر معراض نے اس کو اپنی چوڑائی کے ذریعہ مارا ہے تو وہ حلال نہیں ہوگا، نیز علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث معراض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ شکار حلال نہیں ہے جس کو بندقہ یعنی گولی اور غلہ کے ذریعہ مار ڈالا گیا ہو۔

اور وہ شکار جو معراض کے چوڑان کی طرف سے (چوٹ کھا کر) مرا ہو اس لئے حلال نہیں ہوتا کہ مذکورہ صورت میں شکار کا زخمی ہونا ضروری ہے تا کہ ذبح کے معنی متحقق ہو جائیں جب کہ معراض کا چوڑان شکار کو زخمی نہیں کرتا اسی لئے وہ شکار بھی حلال نہیں ہوتا، جو موٹی دھار کے بندقہ کے ذریعہ مار ڈالا گیا ہو۔ کیونکہ بندقہ ہڈی کو توڑ دیتا ہے زخمی نہیں کرتا اس لئے وہ معراض کے حکم میں ہوتا ہے ہاں اگر بندقہ میں ہلکی دھار ہو اور شکار اس کے ذریعہ مر گیا ہو تو وہ حرام نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں اس کی موت زخم کے ساتھ محقق ہوئی ہے۔

اگر کسی شخص نے شکار پر چھری یا تلوار پھینک کر ماری اور وہ شکار مر گیا تو وہ حلال ہوگا بشرطیکہ وہ چھری یا تلوار دھار کی طرف سے جا کر لگی ہو ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر شکار کے کوئی ایسا ہلکا پتھر پھینک کر مارا گیا ہو جس میں دھار ہو اور شکار کو زخمی کر دے تو اس شکار کو بھی کھایا جا سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس شکار کی موت زخم کے ذریعہ متیقن ہوگی جب کہ اگر شکار کو بھاری پتھر پھینک کر مارا گیا ہو تو اس کو کھانا جائز نہیں ہوگا اگر چہ وہ زخمی بھی کر دے کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ شکار اس پتھر کی چوٹ کے ذریعہ (جیسے ہڈی وغیرہ ٹوٹنے کی وجہ سے) مرا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اگر شکار کی موت اس کے زخمی ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی ہو اور اس کا یقین بھی ہو تو اس کو کھایا جا سکتا ہے اور اگر اس کی موت چوٹ کے اثر سے واقع ہوئی اور اس کا یقین ہو تو اس شکار کو قطعا نہ کھایا جائے اور اگر شک کی صورت ہو (کہ اس کا مرنا زخمی ہونے کی وجہ سے بھی محتمل ہو اور چوٹ کے اثر سے بھی محتمل ہو) تو بھی احتیاطا اس کو نہ کھایا جائے۔

اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کا نام لینے کی کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَذْكُرَ مَعَ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْئًا غَيْرَهُ .وَأَنْ يَقُولَ عِنْدَ الذَّبْحِ : اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ) وَهَذِهِ ثَلَاثُ مَسَائِلَ : إحْدَاهَا أَنْ يَذْكُرَ مَوْصُولًا لَا مَعْطُوفًا فَيُكْرَهُ وَلَا تَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ .وَهُوَ الْمُرَادُ بِمَا قَالَ .وَنَظِيرُهُ أَنْ يَقُولَ : بِاسْمِ اللَّهِ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ,لِأَنَّ الشِّرْكَةَ لَمْ تُوجَدْ فَلَمْ يَكُنْ الذَّبْحُ وَاقِعًا لَهُ .إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِوُجُودِ الْقِرَانِ صُورَةً فَيُتَصَوَّرُ بِصُورَةِ الْمُحَرَّمِ .

ترجمہ

اور ذبح کرتے وقت اللہ تعالی کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کا نام لینا مکروہ ہے۔اور یہ کہنا کہ اے اللہ فلاں کی جانب سے قبول فرما۔اور اس میں تین مسائل ہیں۔

(۱) کسی دوسری چیز کو بطور موصول ذکر کیا جائے اور اس کو معطوف بنا کر ذکر نہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔مگر وہ ذبیحہ حرام نہ ہوگا۔ اور مذکورہ متن میں حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے یہی مراد لیا ہے۔اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے" بِاسْمِ اللَّهِ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ" تو اس میں عدم شرکت کے سبب ذبح کا واقع ہونا نبی کریم ﷺ کی جانب سے نہ ہوا البتہ بطور صورت قرآن کے پائے جانے کے سبب یہ مکروہ ہے پس اس کو حرام تصور کیا جائے گا۔

اللہ کے دیگر ناموں سے ذبیحہ کے حلال ہو جانے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب وہ تنہا نام ہی ذکر کرے یا نام کے ساتھ صفت بھی ذکر کرے دونوں صورتوں میں جانور حلال ہو جاتا ہے مثلاً اللہ اکبر ،اللہ اعظم،اللہ اجل ،اللہ الرحمن،اللہ الرحیم، یا صرف اللہ یا الرحمن یا الرحیم کہے اسی طرح سُبْحَانَ اللہ یا الحمد للہ یا لآالہ الا اللہ پڑھنے سے بھی حلال ہو جائے گا۔اللہ عزوجل کا نام عربی کے سوا دوسری زبان میں لیا جب بھی حلال ہو جائے گا۔)

(۱) خود ذبح کرنے والا اللہ عزوجل کا نام اپنی زبان سے کہے اگر یہ خود خاموش رہا دوسروں نے نام لیا اور اسے یاد بھی تھا بھولا نہ تھا تو جانور حرام ہے،

(۲) نام الٰہی (عزوجل) لینے سے ذبح پر نام لینا مقصود ہو اور اگر کسی دوسرے مقصد کے لیے بسم اللہ پڑھی اور ساتھ لگے ذبح کر دیا اور اس پر بسم اللہ پڑھنا مقصود نہیں ہے تو جانور حلال نہ ہوا مثلاً چھینک آئی اور اس پر الحمد للہ کہا اور جانور ذبح کر دیا اس پر نام الٰہی (عزوجل) ذکر کرنا مقصود نہ تھا بلکہ چھینک پر مقصود تھا جانور حلال نہ ہوا () ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہ لے۔

(۳) جس جانور کو ذبح کیا جائے وہ وقت ذبح زندہ ہو اگرچہ اوس کی حیات کا تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہو۔ذبح کے بعد خون

نکلنا یا جانور میں حرکت پیدا ہونا یوں ضروری ہے کہ اوس سے اوس کا زندہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور بکری ذبح کی اور خون نکلا مگر اوس میں حرکت پیدا نہ ہوئی اگر وہ ایسا خون ہے جیسے زندہ جانور میں ہوتا ہے حلال ہے۔ بیار بکری ذبح کی صرف اوس کے مونہہ کو حرکت ہوئی اور اگر وہ حرکت یہ ہے کہ مونہہ کھول دیا تو حرام ہے اور بند کرلیا تو حلال ہے اور آنکھیں کھول دیں تو حرام اور بند کرلیں تو حلال اور پاؤں پھیلا دیے تو حرام اور سمیٹ لیے تو حلال اور بال کھڑے نہ ہوئے تو حرام اور کھڑے ہوگئے تو حلال یعنی اگر صحیح طور پر اوس کے زندہ ہونے کا علم نہ ہو تو ان علامتوں سے کام لیا جائے اور اگر زندہ ہونا یقیناً معلوم ہے تو ان چیزوں کا خیال نہیں کیا جائے گا بہر حال جانور حلال سمجھا جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب ذبائح، بیروت)

موصول کی صورت ثانی وثالث کا بیان

وَالثَّانِيَةُ أَنْ يَذْكُرَ مَوْصُولًا عَلَى وَجْهِ الْعَطْفِ وَالشَّرِكَةِ بِأَنْ يَقُولَ : بِاسْمِ اللَّهِ وَاسْمِ فُلَانٍ ، أَوْ يَقُولَ : بِاسْمِ اللَّهِ وَفُلَانٍ .
أَوْ بِاسْمِ اللَّهِ وَمُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ بِكَسْرِ الدَّالِ فَتَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ لِأَنَّهُ أَهَلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ .
وَالثَّالِثَةُ أَنْ يَقُولَ مَفْصُولًا عَنْهُ صُورَةً وَمَعْنًى بِأَنْ يَقُولَ قَبْلَ التَّسْمِيَةِ وَقَبْلَ أَنْ يُضْجِعَ الذَّبِيحَةَ أَوْ بَعْدَهُ ، وَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ لِمَا رُوِيَ عَنْ (النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ بَعْدَ الذَّبْحِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ هَذِهِ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ مِمَّنْ شَهِدَ لَكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَلِي بِالْبَلَاغِ)

ترجمہ

اور اسی مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ جب کسی نے غیر کو عطف وشرکت کے ساتھ ذکر کیا ہے یعنی اس نے یہ کہا "بِاسْمِ اللَّهِ وَاسْمِ فُلَانٍ ، أَوْ يَقُولَ : بِاسْمِ اللَّهِ وَفُلَانٍ ۔" تو ان احوال میں ذبیحہ حرام ہوگا۔ کیونکہ اس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا گیا ہے۔

اور اسی مسئلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب کسی شخص نے غیر کو صورت ومعنی دونوں طرح سے جدا کہہ دے اور وہ اس طرح کہ جانور کو لٹانے سے پہلے یا بعد میں غیر کا نام لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یا اے اللہ! امت محمد ﷺ میں سے جو لوگ تیری توحید اور میری رسالت ﷺ کی شہادت دیتے ہیں یہ ان کی جانب سے قبول فرما۔

ذبح کرتے وقت عطف وبغیر عطف کے دوسرا نام ملانے کا بیان

ذبح کرتے وقت بسم اللہ کے ساتھ غیر خدا کا نام بھی لیا اس کی دو صورتیں ہیں اگر بغیر عطف ذکر کیا ہے مثلاً یوں کہا بسم اللہ محمد رسول اللہ یا بسم اللہ اللّٰھم تقبل من فلان ایسا کرنا مکروہ ہے مگر جانور حرام نہیں ہوگا۔ اور اگر عطف کے ساتھ

دوسرے کا نام ذکر کیا مثلاً یوں کہا بسم اللہ واسم فلاں اس صورت میں جانور حرام ہے کہ یہ جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ذبح سے پہلے مثلاً جانور کو لٹانے سے پہلے اس نے کسی کا نام لیا یا ذبح کرنے کے بعد نام لیا تو اس میں حرج نہیں جس طرح قربانی اور عقیقہ میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور قربانی میں اون لوگوں کے نام لیے جاتے ہیں جن کی طرف سے قربانی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام بھی لیے جاتے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ جو حرام ہے اوس کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کے وقت جب غیر خدا کا نام اس طرح لیا جائے گا اوس وقت حرام ہوگا اور وہابیہ یہ کہتے ہیں کہ آگے پیچھے جب کبھی غیر خدا کا نام لے دیا جائے حرام ہو جاتا ہے بلکہ یہ لوگ تو مطلقاً ہر چیز کو حرام کہتے ہیں جس پر غیر خدا کا نام لیا جائے اون کا یہ قول غلط اور باطل محض ہے اگر ایسا ہو تو سب ہی چیزیں حرام ہو جائیں گی۔ کھانے پینے اور استعمال کی سب چیزوں پر لوگوں کے نام لے دیے جاتے ہیں اور ان سب کو حرام قرار دینا شریعت پر افترا اور مسلم کو زبردستی حرام کا مرتکب بنانا ہے معلوم ہوا کہ بعض مسلمان گائے، بکرا، مرغ جو اس لیے پالتے ہیں کہ ان کو ذبح کر کے کھانا پکوا کر کسی ولی اللہ کی روح کو ایصال ثواب کیا جائے گا یہ جائز ہے اور جانور بھی حلال ہے اس کو ما اُھِلَّ لِغَیْرِ اللہ میں داخل کرنا جہالت ہے کیونکہ مسلمان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اوس نے تَقَرُّب اِلٰی غَیْرِ اللہ کی نیت کی، ہٹ دھری اور سخت بدگمانی ہے مسلم ہرگز ایسا خیال نہیں رکھتا۔ عقیقہ اور ولیمہ اور ختنہ وغیرہ کی تقریبوں میں جس طرح جانور ذبح کرتے ہیں اور بعض مرتبہ پہلے ہی سے متعین کر لیتے ہیں کہ فلاں موقع اور فلاں کام کے لیے ذبح کیا جائے گا جس طرح یہ حرام نہیں ہے وہ بھی حرام نہیں۔

دوسروں کے ایصال ثواب کیلئے قربانی کرنے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قربانی کے لیے) ایک ایسے سینگ دار دنبہ کے لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی اس کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (-ں اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب) آپ کے لیے قربانی کے واسطے ایسا دنبہ لایا گیا (تو) فرمایا کہ "عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری لائی تو) پھر فرمایا کہ اسے پتھر پر (رگڑ کر) تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ نے چھری لی اور دنبے کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا کہ **اللھم تقبل من محمد و ال محمد و من امة محمد** (یعنی اے اللہ! اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما) پھر اسے ذبح کر دیا۔" (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1428)

جب جانور کو ذبح کیا جا رہا ہو، اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک ایسے آدمی کو درے سے مارا تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرتے وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے مراد صرف ثواب میں امت کو شریک کرنا تھا نہ

یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی طرف سے قربانی کی تھی کیونکہ ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کل آدمیوں کی طرف سے درست نہیں ہے۔

یہی حدیث اصل ہے کہ اہل سنت و جماعت اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کی جانب سے ایصال ثواب کا عقیدہ رکھتے ہیں اور عملی طور پر قل خوانی، دسواں، چہلم، گیارھویں شریف اور فوت ہونے والوں کیلئے دیگر کئی طریقوں سے ختم پاک دلواتے ہیں۔ اور قبرستان میں قرآن خوانی کرواتے ہیں۔ لہذا اہل سنت و جماعت کے یہ معمولات عین احکام اسلام اور فقہ حنفی کی توجیہات کے مطابق درست ہیں۔

بعض لوگوں جو نام نہاد سکالری اور سیکولر قسم کے ہوتے ہیں ان کو اس قسم کی احادیث کی سمجھ نہیں آتی اور عوام میں خواہ مخواہ شور وشرابہ کر کے منافقت پھیلا کر لوگوں میں فرقہ واریت کو رائج کرنے میں وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ لوگوں کے شر سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔

بزرگان دین کے نام سے بکرے وغیرہ کا صدقہ دینے کا بیان

سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا ہے کہ یہ کنواں ام سعد کے لیے ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کنواں سعد کی ماں رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایصال ثواب کے لیے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا گائے یا بکرے وغیرہ کو بزرگوں کی طرف منسوب کرنا مثلاً یہ کہنا کہ "یہ سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بکرا ہے" اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ یہ بکرا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایصال ثواب کے لیے ہے اور قربانی کے جانور کو بھی تو لوگ ایک دوسرے ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں، مثلاً کوئی اپنی قربانی کی گائے لئے چلا آ رہا ہو اور اگر آپ اس سے پوچھیں کہ یہ کس کی ہے تو اس نے یہی جواب دینا ہے "میری گائے ہے" جب یہ کہنے والے پر اعتراض نہیں تو "غوث پاک کا بکرا" کہنے والے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں ہر شے کا مالک اللہ عزوجل ہی ہے اور قربانی کی گائے ہو یا غوث پاک کا بکرا ہر ذبیحہ کے ذبح کے وقت اللہ عزوجل کا نام لیا جاتا ہے،

اسی سے بھی ثابت ہوا کہ اللہ کے نیک بندے اللہ کی عطا کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے والے ہیں اور ان کی مدد کے سبب مسلمان کی بخشش یا اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا، وسیلہ

اللہ عزوجل کے قادر مطلق ہونے کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، یقیناً وہ ہر چاہت پر قادر ہے، اگر چاہے تو تمام کائنات کو بغیر کسی وسیلے کے چلا سکتا ہے لیکن یہ اس کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے ہر کام کی تکمیل کیلئے کوئی نہ کوئی وسیلہ ضرور بنایا ہے مثلاً وحی پہنچانے، بارش برساتے ہوا چلانے، روزی پہنچانے، ماں کے پیٹ میں بچے کی صورت بنانے، بدنِ انسان میں تصرف، دشمنوں سے حفاظت، نامہ اعمال لکھنے، مُردوں سے سوال کرنے، درود و سلام بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک لانے، عذابِ الٰہی دینے صور

پھونکنے اور دیگر بے شمار کاموں کیلئے فرشتوں کو مقرر فرمایا
تبلیغ دین فرمانے ،لوگوں کو دولت ایمان سے نوازنے ،اللہ تعالیٰ سے ملانے اور دیگر بہت سے پاکیزہ کاموں کیلئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔
دنیا میں ملک چلانے کیلئے لیڈر ،امراض کی تشخیص کیلئے ڈاکٹر اور حکیم بیماریاں دور کرنے کیلئے دوائیاں حاجات پوری کرنے کیلئے مال ودولت سردی گرمی سے محفوظ رہنے کیلئے لباس سایہ وفضا کو درست رکھنے کیلئے درخت زندگی کی بقاء کیلئے کھانا ہوا اور پانی علم کے حصول کیلئے کتابیں اور اساتذہ اور ملکی دفاع اور جنگیں لڑنے کیلئے ہتھیاروں کو وسیلہ بنایا، جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ ذات پاک ہر چاہت پر قادر ہونے کے باوجود تقریباً ہر کام کیلئے وسیلہ قائم کرنا ہی پسند فرماتی ہے،تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ غیر اللہ کی طرف رجوع کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہے اور ان سے مدد حاصل کرنا دراصل اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا ہے کیونکہ یہ اسی کی عطا سے اور اسی کی طرف سے اس کام کیلئے مقرر کیے گئے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے!

فان الله هو مولاه وجبريل وصالح المومنين ،والملائكة بعد ذالك ظهير (پ 28 التحريم (4)

تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

شرط کا ذکر خاص ہونے کا بیان

وَالشَّرْطُ هُوَ الذِّكْرُ الْخَالِصُ الْمُجَرَّدُ عَلَى مَا قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَرِّدُوا التَّسْمِيَةَ حَتَّى لَوْ قَالَ عِنْدَ الذَّبْحِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي لَا يَحِلُّ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ وَسُؤَالٌ ، وَلَوْ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْ سُبْحَانَ اللَّهِ يُرِيدُ التَّسْمِيَةَ حَلَّ ، وَلَوْ عَطَسَ عِنْدَ الذَّبْحِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا يَحِلُّ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ ؛لِأَنَّهُ يُرِيدُ بِهِ الْحَمْدَ عَلَى نِعَمِهِ دُونَ التَّسْمِيَةِ .
وَمَا تَدَاوَلَتْهُ الْأَلْسُنُ عِنْدَ الذَّبْحِ وَهُوَ قَوْلُهُ بِاسْمِ اللَّهِ وَاَللَّهُ أَكْبَرُ مَنْقُولٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْله تَعَالَى (فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ)

ترجمہ

اور شرط اس خاص ذکر کو کہتے ہیں جو خالی ہو۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم تسمیہ کو خالی کردو۔یہاں تک کہ جب کسی نے ذبح کے وقت ''اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي '' کہا تب بھی ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔اس لئے کہ یہ دعا ہے اور سوال ہے۔اور جب

کسی شخص نے تسمیہ کی نیت سے الحمد للہ یا سبحان اللہ کہا ہے تو وہ حلال ہے اور جب کسی شخص کو ذبح کے وقت چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا ہے تو دونوں روایات میں سے صحیح روایت کے مطابق وہ حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا ارادہ ایک نعمت پر الحمد للہ کہنا ہے پس وہ تسمیہ نہ ہوا۔ اور ذبح کے وقت لوگوں کے ہاں جو تسمیہ پڑھا جاتا ہے وہ یہ ہے، بسم اللہ واللہ اکبر، اور اسی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر ''(فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ'' سے نقل کیا گیا ہے۔

بسم اللہ واللہ اکبر کہنے کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عید گاہ میں موجود تھا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو منبر سے اترے اور آپ کے پاس ایک مینڈھا لایا گیا۔ آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے ذبح کیا اور فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1044)

صواف کے فقہی مفہوم کا بیان

صواف کے معنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ کو تین پیروں پر کھڑا کر کے اس کا بایاں ہاتھ باندھ کر دعا (بسم اللہ واللہ اکبر لاالہ الا اللھم منك ولك) پڑھ کر اسے نحر کرنے کے کئے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو قربان کرنے کے لئے بٹھایا ہے تو آپ نے فرمایا اسے کھڑا کر دے اور اس کا پیر باندھ کر اسے نحر کر یہی سنت ہے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے ہی نحر کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد شریف)

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نحر کیا کرو۔ حجۃ الوداع کا بیان کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کئے آپ کے ہاتھ میں حربہ تھا جس سے آپ زخمی کر رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں صوافن ہے یعنی کھڑے کر کے پاؤں باندھ کر صواف کے معنی خالص کے بھی کئے گئے ہیں یعنی جس طرح جاہلیت کے زمانے میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے تم نہ کرو، صرف اللہ واحد کے نام پر ہی قربانیاں کرو۔

پھر جب یہ زمین پر گر پڑیں یعنی نحر ہو جائیں ٹھنڈے پڑ جائیں تو خود کھاؤ اوروں کو بھی کھلاؤ نیزہ مارتے ہی ٹکڑے کاٹنے شروع نہ کرو جب تک روح نہ نکل جائے اور ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ روحوں کے نکالنے میں جلدی نہ کرو صحیح

مسلم کی حدیث میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ سلوک کرنا لکھ دیا ہے دشمنوں کو میدان جنگ میں قتل کرتے وقت بھی نیک سلوک رکھو اور جانوروں کو ذبح کرتے وقت بھی اچھی طرح سے نرمی کے ساتھ ذبح کرو چھری تیز کرلیا کرو اور جانور کو تکلیف نہ دیا کرو۔ فرمان ہے کہ جانور میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔

ذبح کا حلق وسینہ کے درمیان ہونے کا بیان

قَالَ (وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : لَا بَأْسَ بِالذَّبْحِ فِي الْحَلْقِ كُلِّهِ وَسَطِهِ وَأَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الذَّكَاةُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ)، وَلِأَنَّهُ مَجْمَعُ الْمَجْرَى وَالْعُرُوقِ فَيَحْصُلُ بِالْفِعْلِ فِيهِ إنْهَارُ الدَّمِ عَلَى أَبْلَغِ الْوُجُوهِ فَكَانَ حُكْمُ الْكُلِّ سَوَاءً.

ترجمہ

فرمایا کہ ذبح حلق اور سینے کے درمیان ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ ذبح میں سارے حلق کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو اس کے درمیان ہے اور جو اوپر ہے اور جو نیچے ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ذبح سینے اور دونوں جبڑوں کے درمیان ہے۔ کیونکہ حلق یہ کھانے پینے والی نالیوں اور رگوں سے ملانے کا نام ہے۔ پس اسی سے مکمل طریقے سے خون بہانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا پس حکم میں سارے برابر ہوئے۔

شرح

فقہاء احناف کے نزدیک تین رگوں کا کاٹنا ضروری ہے بہتر چار رگوں کا کاٹنا ہے۔ مگر کم از کم تین ضروری ہیں۔ تیز دھار آلہ سے کاٹنا۔ جمہور علماء کے نزدیک سینہ کے بالائی اور جبڑوں کے درمیان سے کاٹنا۔

ذبح میں کاٹی جانے والی عروق اربعہ کا بیان

قَالَ (وَالْعُرُوقُ الَّتِي تُقْطَعُ فِي الذَّكَاةِ أَرْبَعَةٌ : الْحُلْقُومُ، وَالْمَرِيءُ، وَالْوَدَجَانِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَفْرِ الْأَوْدَاجَ بِمَا شِئْتَ).

وَهِيَ اسْمُ جَمْعٍ وَأَقَلُّهُ الثَّلَاثُ فَيَتَنَاوَلُ الْمَرِيءَ وَالْوَدَجَيْنِ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي الِاكْتِفَاءِ بِالْحُلْقُومِ وَالْمَرِيءِ، إلَّا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ قَطْعُ هَذِهِ الثَّلَاثَةِ إلَّا بِقَطْعِ الْحُلْقُومِ فَيَثْبُتُ قَطْعُ الْحُلْقُومِ بِاقْتِضَائِهِ، وَبِظَاهِرِ مَا ذَكَرْنَا يَحْتَجُّ مَالِكٌ وَلَا يَجُوزُ الْأَكْثَرَ مِنْهَا بَلْ يَشْتَرِطُ قَطْعَ جَمِيعِهَا (وَعِنْدَنَا إنْ قَطَعَهَا حَلَّ الْأَكْلُ، وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَهَا فَكَذَلِكَ عِنْدَ

أَبِي حَنِيفَةَ) وَقَالَا : لَا بُدَّ مِنْ قَطْعِ الْحُلْقُومِ وَالْمَرِيءِ وَأَحَدِ الْوَدَجَيْنِ .

ترجمہ

اور ذبح میں چار رگوں کو کاٹ دیا جاتا ہے۔(۱) حلقوم (۲) نرخرہ (۳،۴) گردن کی دونوں رگیں۔اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تم جس چیز سے چاہو اوداج کو کاٹ دو۔اور لفظ اوداج یہ جمع ہے جس کی کم از کم مقدار تین ہے۔پس یہ مری اور دو جان کو شامل ہوگا۔اور یہی مری اور اکتفائے حلقوم والی حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ حجت ہے۔لیکن حلقوم کو کاٹنے کے بغیر ان تینوں رگوں کو کاٹنا ممکن نہیں ہے۔پس سنت کا تقاضہ یہ ہوا کہ حلقوم کو کاٹا جائے اور ہماری بیان کردہ دلیل کے ظاہر سے امام مالک علیہ الرحمہ نے استدلال کیا ہے۔اور وہ اکثر رگوں کو کاٹنا جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے نزدیک تمام رگوں کو کاٹنا شرط ہے اور ہمارے نزدیک بھی جب کسی نے ساری رگوں کو کاٹ دیا ہے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔اور جب اس نے اکثر کو کاٹ دیا ہے تو امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک حلال ہے۔جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ مری اور ایک ودج کا کاٹنا لازم ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو رگیں ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔حلقوم یہ وہ ہے جس میں سانس آتی جاتی ہے، مری اس سے کھانا پانی اترتا ہے ان دونوں کے اغل بغل اور دو رگیں ہیں جن میں خون کی روانی ہے ان کو، ودجین کہتے ہیں۔

پورا حلقوم ذبح کی جگہ ہے یعنی اوس کے اعلی، اوسط، اسفل جس جگہ میں ذبح کیا جائے جانور حلال ہوگا۔آج کل چونکہ چمڑے کا نرخ زیادہ ہے اور یہ وزن یا ناپ سے فروخت ہوتا ہے اس لیے قصاب اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح چمڑے کی مقدار بڑھ جائے اور اس کے لیے یہ ترکیب کرتے ہیں کہ بہت اوپر سے ذبح کرتے ہیں اور اس صورت میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ذبح فوق العقدہ ہو جائے اور اس میں علما کو اختلاف ہے کہ جانور حلال ہوگا یا نہیں۔اس باب میں قول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں اگر تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہے ورنہ نہیں۔(درمختار، ردالمحتار، کتاب ذبائع، بیروت)

اور علماء کا یہ اختلاف اور رگوں کے کٹنے میں احتمال دیکھتے ہوئے احتیاط ضروری ہے کہ یہ معاملہ حلت وحرمت کا ہے۔اور ایسے مقام پر احتیاط لازم ہوتی ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور ذبح کی چار رگوں میں سے تین کا کٹ جانا کافی ہے یعنی اس صورت میں بھی جانور حلال ہو جائے گا کہ اکثر کے لیے وہی حکم ہے جو کل کے لیے ہے اور اگر چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ جائے گا جب بھی حلال ہو جائے گا اور اگر آدھی آدھی ہر رگ کٹ گئی اور آدھی باقی ہے تو حلال نہیں ہے۔(فتاویٰ ہندیہ، کتاب ذبائع، بیروت)

اوداج وحلقوم کے نصف کاٹنے پر ذبیحہ حلال نہ ہونے کا بیان

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : هَكَذَا ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ الِاخْتِلَافَ فِي مُخْتَصَرِهِ .وَالْمَشْهُورُ فِي

كُتُبِ مَشَايِخِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ أَنَّ هٰذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَحْدَهُ .وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : إِنْ قَطَعَ نِصْفَ الْحُلْقُومِ وَنِصْفَ الْأَوْدَاجِ لَمْ يُؤْكَلْ .وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَ الْأَوْدَاجِ وَالْحُلْقُومِ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ أُكِلَ .وَلَمْ يَحْكِ خِلَافًا فَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِيهِ .

وَالْحَاصِلُ أَنَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا قَطَعَ الثَّلَاثَ : أَيَّ ثَلَاثٍ كَانَ يَحِلُّ ، وَبِهِ كَانَ يَقُولُ أَبُو يُوسُفَ أَوَّلًا ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرْنَا .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ أَكْثَرَ كُلِّ فَرْدٍ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ،لِأَنَّ كُلَّ فَرْدٍ مِنْهَا أَصْلٌ بِنَفْسِهِ لِانْفِصَالِهِ عَنْ غَيْرِهِ وَلِوُرُودِ الْأَمْرِ بِفَرْيِهِ فَيُعْتَبَرُ أَكْثَرُ كُلِّ فَرْدٍ مِنْهَا

وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ قَطْعِ الْوَدَجَيْنِ إِنْهَارُ الدَّمِ فَيَنُوبُ أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ ، إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَجْرَى الدَّمِ .أَمَّا الْحُلْقُومُ فَيُخَالِفُ الْمَرِيءَ فَإِنَّهُ مَجْرَى الْعَلَفِ وَالْمَاءِ ، وَالْمَرِيءُ مَجْرَى النَّفَسِ فَلَا بُدَّ مِنْ قَطْعِهِمَا .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَكْثَرَ يَقُومُ مَقَامَ الْكُلِّ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَحْكَامِ ، وَأَيَّ ثَلَاثٍ قَطَعَهَا فَقَدْ قَطَعَ الْأَكْثَرَ مِنْهَا وَمَا هُوَ الْمَقْصُودُ يَحْصُلُ بِهَا هُوَ إِنْهَارُ الدَّمِ الْمَسْفُوحِ وَالتَّوْحِيَةُ فِي إِخْرَاجِ الرُّوحِ ،لِأَنَّهُ لَا يَحْيَا بَعْدَ قَطْعِ مَجْرَى النَّفَسِ أَوِ الطَّعَامِ ، وَيَخْرُجُ الدَّمُ بِقَطْعِ أَحَدِ الْوَدَجَيْنِ فَيُكْتَفَى بِهِ تَحَرُّزًا عَنْ زِيَادَةِ التَّعْذِيبِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَطَعَ النِّصْفَ لِأَنَّ الْأَكْثَرَ بَاقٍ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَقْطَعْ شَيْئًا احْتِيَاطًا لِجَانِبِ الْحُرْمَةِ .

ترجمہ

اور صاحب قدوری نے اپنی قدوری میں اسی اختلاف کوذکر کیا ہے۔اور ہمارے مشائخ فقہاء کی کتب میں یہی مشہور ہے کہ یہ صرف امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں اس طرح لکھا ہے اور جب حلقوم اور اودج کو نصف نصف کاٹ دیا جائے تو وہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔اور جب جانور کے مرنے سے قبل اودج اور حلقوم کو کاٹ دیا گیا ہے تو وہ ذبیحہ کھایا جائے گا۔اور انہوں نے اس میں کسی اختلاف کوذکر نہیں کیا اور اس مسئلہ میں اختلاف روایات ہے۔

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب تین رگیں کٹ جائیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ بھی پہلے اسی کے قائل تھے اس کے بعد انہوں نے بھی ہمارے بیان کردہ قول کی جانب رجوع کیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس میں ہر فرد کے اکثر کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ رگ کا ہر فرد خود ایک اصل ہے اس لئے کہ وہ دوسرے سے الگ ہے۔ اور اس کو کاٹنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ پس رگوں کے ہر جز کے اکثر حصے کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ ودجین کو کاٹنے کا مقصد یہ ہے کہ خون بہہ جائے پس ایک کو کاٹنا یہ دوسرے کے قائم مقام ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک خون کی نالی ہے جبکہ حلقوم کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ مری سے الگ ہے کیونکہ حلقوم یہ گھاس اور پانی کی نالی ہے۔ جبکہ مری سانس کی نالی ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے مسائل میں اکثر مقام کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ لہذا جس تین کو بھی ذبح کرنے والے نے کاٹا ہے اس نے اکثر کو کاٹ دیا ہے۔ اور اس سے ذبح کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ دم مفسوح کو بہانا ہے اور روح کو جلدی جدا کرتا ہے تو یہ تین سے ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ سانس یا کھانے کی نالی کاٹ دینے کے بعد کوئی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور ودجین میں سے ایک کو کاٹنے کی وجہ سے خون خارج ہو جاتا ہے۔ پس زائد تکلیف پہنچانے سے بچنے کیلئے یہ کافی ہو گا۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب ذبح کرنے والے نے نصف نصف کو کاٹا ہو کیونکہ اس میں ابھی اکثر باقی ہے۔ پس اس نے کچھ بھی نہ کاٹا ہے۔ اور جانب حرمت احتیاط کے سبب ثابت کی جائے گی۔

ذبح میں کٹنے والی چار رگوں کی تفصیل کا بیان

چار رگوں کی تفصیل یہ ہے۔ 1۔ حلقوم ایسی رگ جس میں سانس جاتی ہے۔ حلقوم پورا یعنی اوپر، درمیان اور نیچے والا حصہ شامل ہے۔ 2۔ مری۔ اس کھانا پانی اترتا ہے۔ 4-3 حلقوم اور مری کے ساتھ دو رگیں اور ہوتی ہیں جن میں خون کی روانی ہوتی ہے۔ ذبح میں چھری حرام مغز تک پہنچ جائے۔ ذبح کی شرائط میں مندرجہ ذیل چیزوں کو مدنظر رکھا جائے۔ عاقل۔ ذبح کرنے والا عاقل ہو، مجنون نہ ہو۔ مسلم یا کتابی ہو۔ اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو حلال ہے۔ البتہ مشرک اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے۔ ذبح کرنے والا خود اللہ کا نام لے، اگر یہ خاموش رہے یا دوسروں نے نام لیا اسے یاد بھی تھا، بھولا نہ تھا اس کے باوجود نہ لینے کی صورت میں ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ اللہ کا نام ذبح کے مقصد سے ہی پڑھے۔ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہ لے جس جانور کو ذبح جائے وہ ذبح کے وقت زندہ ہو۔ ذبح سے پہلے اس بات کو مدنظر رکھے کہ آلہ ذبح یعنی چھری کند نہ ہو بلکہ خوب تیز کی جائے۔ ذبح کے وقت جانور کا منہ قبلہ رخ کیا جائے۔ ایسا نہ کرنا مکروہ ہے۔

ذبح کی اصل دم مسفوح بہانے کا بیان

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی حارثہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (ایک دن) اونٹنی کو جو بیانے کے

قریب تھی احد پہاڑ کے ایک درہ میں چرا رہا تھا کہ اس نے اونٹنی میں موت کے آثار پائے یعنی اس نے دیکھا کہ اونٹنی کسی وجہ سے مرا ہی چاہتی ہے، (اس وقت) اس کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہو سکی جس کے ذریعہ وہ اونٹنی کو نحر کرتا، آخر کار اس نے ایک میخ اٹھائی اور اس کو نوک کی طرف سے) اس کو اونٹنی کے سینے میں گھوپ دیا، تا آنکہ اس کا خون بہا دیا، پھر اس نے (اس واقعہ کو) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا (اور اس کے گوشت کے بارہ میں دریافت کیا کہ اس صورت میں اس کا کھانا کیسا ہے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس (کے گوشت) کے کھانے کی اجازت دی (ابوداؤد، مالک) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "آخر کار اس نے ایک دھاردار لکڑی سے ذبح کر دیا۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 33)

"وتد" لکڑی کی اس میخ یا کھونٹی کو کہتے ہیں جو زمین یا دیوار میں گاڑی جاتی ہے۔ اور "شظاظ" اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے دونوں کنارے نوکدار ہوتے ہیں اس کو دونوں تھیلوں کے درمیان اڑا کر اونٹ پر لادتے ہیں تا کہ وہ دونوں تھیلے الگ الگ ہو کر گریں نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرعی طور پر ذبح یا نحر کا اصل مفہوم یہ ہے کہ جراحت کے ساتھ خون بہایا جائے، اور یہ بات جس چیز سے بھی حاصل ہو جائے اس کے ذریعہ جانور کو ذبح یا نحر کیا جا سکتا ہے خواہ وہ لوہے کی چھری وغیرہ ہو، یا کوئی دھاردار اور نوکدار لکڑی وغیرہ ہو۔

ناخن، دانت اور سینگ کے ذریعے ذبح کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِالظُّفُرِ وَالسِّنِّ وَالْقَرْنِ إذَا كَانَ مَنْزُوعًا حَتَّى لَا يَكُونَ بِأَكْلِهِ بَأْسٌ، إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ هَذَا الذَّبْحُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْمَذْبُوحُ مَيْتَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (كُلُّ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَأَفْرَى الْأَوْدَاجَ مَا خَلَا الظُّفُرُ وَالسِّنُّ فَإِنَّهُمَا مُدَى الْحَبَشَةِ) وَلِأَنَّهُ فِعْلٌ غَيْرُ مَشْرُوعٍ فَلَا يَكُونُ ذَكَاةً كَمَا إذَا ذُبِحَ بِغَيْرِ الْمَنْزُوعِ، وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَنْهِرِ الدَّمَ بِمَا شِئْت) وَيُرْوَى (أَفْرِ الْأَوْدَاجَ بِمَا شِئْت) وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى غَيْرِ الْمَنْزُوعِ فَإِنَّ الْحَبَشَةَ كَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ، وَلِأَنَّهُ آلَةٌ جَارِحَةٌ فَيَحْصُلُ بِهِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ إخْرَاجُ الدَّمِ وَصَارَ كَالْحَجَرِ وَالْحَدِيدِ، بِخِلَافِ غَيْرِ الْمَنْزُوعِ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ بِالثِّقَلِ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى الْمُنْخَنِقَةِ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ لِأَنَّ فِيهِ اسْتِعْمَالَ جُزْءِ الْآدَمِيِّ وَلِأَنَّ فِيهِ إعْسَارًا عَلَى الْحَيَوَانِ وَقَدْ أُمِرْنَا فِيهِ بِالْإِحْسَانِ.

ترجمہ

فرمایا کہ ناخن، دانت اور سینگ کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے لیکن ان میں شرط یہ ہے کہ وہ الگ ہوں اور ان سے کیے گئے ذبیحہ

کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر یہ ذبح کرنا مکروہ ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایسا ذبیحہ مردار ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جن جانوروں کو رگوں کو کاٹ خون کو نکال دیا جائے ان کو کھاؤ۔ جو ناخن اور دانت کے سوا ہو۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں حبشیوں کیلئے چھری ہیں اور یہ بھی دلیل ہے کہ غیر مشروع عمل ہے پس درست نہ ہوگا۔ جس طرح اس مسئلہ میں ہے کہ جب اس کو بغیر اکھڑے ہوئے دانت کے ساتھ ذبح کیا جائے۔

اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز سے چاہو خون بہا دو (عدی بن حاتم والی بخاری ومسلم کی روایت سے ہے) اور ایک روایت میں اس طرح چیز سے دل چاہے تم رگوں کو کاٹ دو۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث ان ناخنوں کے بارے میں ہے جو غیر منزوع ہوں۔ کیونکہ حبشہ والے اسی طرح ذبح کیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ ناخن وغیرہ یہ ذبح کرنے کیلئے بطور آلہ ہیں۔ تو خون کو خارج کرنے والا مقصد ان سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ پتھر اور لوہے کی طرح ہو جائیں گے۔ بہ خلاف ان غیر منزوع ناخنوں کے کیونکہ ان میں ذبح کرنے والا بوجھ سے جانوروں کو ذبح کرے گا۔ پس وہ گلہ گھونٹ دیئے گئے جانور کی طرح ہو جائے گا۔ اور وہ مکروہ اس سبب سے ہے کہ اس میں ایک آدمی کا حصہ استعمال ہوا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس کی وجہ سے حیوان پر سختی کی گئی ہے حالانکہ ذبح کے بارے میں ہماری نرمی کرنے اور احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شرح

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کل دشمن (یعنی کفار) سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں (یعنی ہوسکتا ہے کہ جنگی ہنگاموں کی وجہ سے ہمارے پاس چھریاں موجود نہ رہیں اور ہمیں جانوروں کو ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس صورت میں) کیا ہم کھپچ (کھپچی) سے ذبح کر سکتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو (یعنی اس جانور کو کھانا جائز ہے جو کسی بھی ایسی چیز سے ذبح کیا گیا ہو جس سے خون بہہ جائے خواہ وہ لوہا ہو یا کوئی اور چیز) مگر دانت اور ناخن کے ذریعہ (ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور میں تمہیں ان دونوں کے بارے میں بتاتا ہوں (کہ ان کے ذریعہ ذبح کرنا کیوں جائز نہیں ہے) تو (سنو کہ) دانت تو ہڈی ہے اور جہاں تک ناخن کا تعلق ہے تو وہ حبشیوں کی چھری ہے۔ (حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دشمن کے) کچھ اونٹ اور بکریاں لوٹ میں ہمارے ہاتھ آئیں، ان میں سے ایک اونٹ (بھڑک کر) بھاگ نکلا، لیکن (ہم میں سے) ایک شخص نے تیر مار کر اس کو روک دیا (یعنی وہ اونٹ تیر کھا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ دیکھ کر) فرمایا "ان اونٹوں میں بعض اونٹ بھی اس طرح انسانوں سے بھڑکنے والے ہوتے ہیں جس طرح جنگلی جانور۔ انسانوں سے بھڑکتے ہیں، لہٰذا اگر ان اونٹوں میں سے کوئی اونٹ تمہارے قبضے سے نکل بھاگے تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو۔" (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد

چہارم: حدیث نمبر (۴)

"دانت تو ہڈی ہے" یعنی دانت چونکہ ہڈی ہے اور ہڈی سے ذبح کرنا درست نہیں ہے اس لئے دانت کے ذریعہ ذبح کیا ہوا جانور کھانا جائز نہیں ہوگا۔

شیخ ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس موضوع پر بہت زیادہ تحقیق وتفتیش اور غور وفکر کے باوجود میں یہ جاننے میں ناکام رہا ہوں کہ ہڈی کے ذریعہ ذبح کرنے کی ممانعت کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا وجہ ہے! شیخ عبدالسلام سے بھی اس طرح کی بات منقول ہے، جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس میں بھی صرف یہی فرمایا گیا ہے کہ دانت سے ذبح کرنا اس لئے درست نہیں کہ وہ ہڈی ہے اس کے علاوہ اور کسی ظاہری علت وسبب کی طرف اشارہ نہیں ہے لیکن حضرت امام نووی نے ہڈی سے ذبح کرنے کی ممانعت کی یہ علت بیان کی ہے کہ اگر ہڈی سے ذبح کیا جائے گا تو وہ ہڈی، ذبیحہ کے خون سے نجس ہو جائے گی اور ہڈی کو نجس وناپاک کرنے کی ممانعت منقول ہے کیونکہ () (ہڈی) کو جنات کی خوراک بتایا گیا ہے۔

ناخنوں سے ذبح کرنے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

وہ حبشیوں کی چھری ہے یہ گویا ناخن سے ذبح کرنے کی علت ہے، یعنی اگر ناخن کے ذریعہ ذبح کیا جائے گا تو اس میں حبشیوں کی مشابہت اختیار کرنا لازم آئے گا کیونکہ ناخن کے ذریعہ جانوروں کو چیر پھاڑ کر کھانا حبشیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ حبشی غیر مسلم ہیں، جب کہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے طور طریقوں کو اختیار نہ کریں بلکہ ان کے خلاف کریں!

واضح رہے کہ دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے کی ممانعت تینوں آئمہ کے نزدیک مطلق ہے، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ان دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کرنا تو جائز نہیں ہے جو اپنی جگہ پر یعنی منہ اور انگلیوں میں ہوں ہاں جو دانت اور ناخن اپنی جگہ سے اکھڑ کر (منہ اور انگلیوں سے) الگ ہو چکے ہوں ان کے ذریعہ ذبح کرنا جائز ہے لیکن یہ جواز کراہت کے ساتھ ہے تاہم اس ذبیحہ کا گوشت کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تینوں آئمہ کی دلیل مذکورہ حدیث ہے جس میں دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے کی ممانعت کسی قید اور کسی استثناء کے بغیر منقول ہے، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ انھر الدم بما شئت اور وافر الاوداج۔ اور جہاں تک حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حضرت امام اعظم کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث بغیر اکھڑے ہوئے دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے پر محمول ہے کیونکہ حبشیوں کا یہی طریقہ تھا۔

"تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ اگر گھر کا پالتو کوئی جانور جیسے اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ بھاگ کھڑا ہو تو وہ ذبح کے معاملہ میں وحشی جانور کے شکار کی مانند ہوگا کہ جس طرح وحشی جانور پر بسم اللہ پڑھ کر مثلا تیر چلایا جائے تو وہ تیر اس جانور کے جسم کے جس حصہ پر بھی لگ کر اس کو ختم کردے گا وہ ذبیحہ کے حکم میں ہو جائے گا، اسی طرح اس بھاگنے والے پالتو جانور کا سارا جسم اور اس کے سارے اعضاء بھی "ذبح کی جگہ" ہوں گے، چنانچہ بسم اللہ پڑھ کر اس پر چلایا جانے والا تیر اس کے جسم کے جس

حصے میں لگ کر اس کو ختم کر دے گا اس کا گوشت حلال ہوگا۔اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اونٹ وغیرہ کنوئیں یا اس طرح کے کسی اور کھڈ وغیرہ میں گر پڑیں! یہاں خاص طور پر صرف اونٹ کا ذکر شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ اس میں توحش بہت زیادہ ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ "ذبح" کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم تو اختیاری ہے اور دوسری قسم اضطراری ہے اختیاری کی ایک صورت تو جانور کے لیے اور لحیین کے درمیان کسی دھار دار چیز جیسے چھری وغیرہ سے جراحت کے ساتھ رگوں کو کاٹنے کی ہوتی ہے اور دوسری صورت نحر کے ساتھ یعنی اونٹ کے سینے میں نیزہ وغیرہ مارنے کی ہوتی ہے، اور اضطراری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جانور کے جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کر کے مار دیا جائے۔

ناخن ودانت سے ذبح کی ممانعت میں احناف کی مؤید حدیث

حضرت عبایہ بن رافع اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس چھری نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو، بشرطیکہ ناخن اور دانت نہ ہو، ناخن تو حبشیوں کی چھری ہے، اور دانت ہڈی ہے، ایک اونٹ بھاگ گیا، جسے (تیر مار کر کسی نے) روکا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چوپایوں کی عادت بھی جنگلی جانوروں کی طرح ہے، اس لئے اگر تم پر ان میں سے کوئی غالب آجائے تو اس کے ساتھ یہی کرو۔
(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 471)

رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ یعنی (اس چیز سے ذبح کیا ہوا جانور) جو خون بہادے، مگر دانت اور ناخن نہ ہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 474)

دھاری دار پتھر سے ذبح کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِاللِّيطَةِ وَالْمَرْوَةِ وَكُلِّ شَيْءٍ أَنْهَرَ الدَّمَ إلَّا السِّنَّ الْقَائِمَ وَالظُّفْرَ الْقَائِمَ) فَإِنَّ الْمَذْبُوحَ بِهِمَا مَيْتَةٌ لِمَا بَيَّنَّا ، وَنَصَّ مُحَمَّدٌ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ عَلَى أَنَّهَا مَيْتَةٌ لِأَنَّهُ وَجَدَ فِيهِ نَصًّا .

وَمَا لَمْ يَجِدْ فِيهِ نَصًّا يَحْتَاطُ فِي ذَلِكَ ، فَيَقُولُ فِي الْحِلِّ لَا بَأْسَ بِهِ وَفِي الْحُرْمَةِ يَقُولُ يُكْرَهُ أَوْ لَمْ يُؤْكَلْ .

ترجمہ

دھاری دار پتھر اور سرکنڈے کے چھلکے کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے اور غیر منزوع ناخن اور دانت کے سوا ہر ایسی چیز کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے جو خون کو بہا دینے والی ہو۔ کیونکہ غیر منزوع ناخن اور دانت کا ذبیحہ مردار ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم

بیان کر آئے ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں یہ تصریح کی ہے کہ اس طرح کا ذبیحہ مردار ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں انہیں کوئی نص نہیں ملی اور جس حکم کے بارے میں وہ نص کو نہ پائیں وہ اس میں حکم صادر کرنے میں احتیاط کرتے ہیں پس وہ حلت پر "کوئی حرج نہیں" اور حرمت پر "مکروہ ہے یا نہیں کھایا جائے گا" اس طرح ارشاد فرماتے ہیں۔

شرح

حضرت ابن کعب بن مالک نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ آپ کے والد نے بیان کیا کہ ان کی ایک لونڈی مقام سلع میں بکریاں چرایا کرتی تھی، اس نے ریوڑ میں ایک بکری کو دیکھا کہ مرنے کے قریب ہے، چنانچہ اس نے ایک پتھر توڑا اور اس بکری کو ذبح کر ڈالا، تو کعب نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب تک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خود جا کر یا کسی کو بھیج کر دریافت نہ کرالوں تم لوگ اس کو نہ کھاو، چنانچہ کعب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہوئے یا کسی کو بھیج کر دریافت کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 469)

تیز دھاری دار چیز سے ذبح ہو جانے کا بیان

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصاری اپنی اونٹنی چرا رہا تھا احد میں، یکا یک وہ مرنے لگی تو اس نے ایک دھاری دار لکڑی سے ذبح کر دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اندیشہ نہیں اس کا گوشت کھاؤ۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 943)

ذبح میں چھری کو تیز کرنے کے استحباب کا بیان

قَالَ (وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُحِدَّ الذَّابِحُ شَفْرَتَهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ) وَيُكْرَهُ أَنْ يُضْجِعَهَا ثُمَّ يُحِدَّ الشَّفْرَةَ لِمَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا أَضْجَعَ شَاةً، وَهُوَ يُحِدُّ شَفْرَتَهُ فَقَالَ : لَقَدْ أَرَدْت أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ ، هَلَّا حَدَدْتهَا قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا)

ترجمہ

فرمایا کہ ذبح کرنے والے کیلئے مستحب ہے کہ وہ چھری کو تیز کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے کرو۔ اور جب تم ذبح کرو تو بھی اچھے طریقے سے کرو۔ اور تم میں سے ہر شخص کو اپنی چھری کو تیز کر لینا چاہیے۔ اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچانا چاہیے۔ اور جانور کو لٹانے کے سوا چھری کو تیز کرنا مکروہ ہے

کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ذبح کرنے والے کو بکری کو لٹا دینے کے بعد چھری کو تیز کرتے ہوئے دیکھا تو اس طرح فرمایا کہ تم اس بکری کو کئی موتوں میں مارنا چاہتے ہو اور تم نے اس کو لٹا دینے سے پہلے چھری کو تیز کیوں نہ کیا

جانور کے سامنے چھری کو تیز کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قربانی کے لیے) ایک ایسے سینگ دار دنبہ کے لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھا ہو (یعنی اس کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب) آپ کے لیے قربانی کے واسطے ایسا دنبہ لایا گیا (تو) فرمایا کہ "عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری لائی تو) پھر فرمایا کہ اسے پتھر پر (رگڑ کر) تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ نے چھری لی اور دنبے کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا کہ اللھم تقبل من محمد و ال محمد و من امۃ محمد (یعنی اے اللہ! اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما) پھر اسے ذبح کر دیا۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1428)

جب جانور کو ذبح کیا جا رہا ہو، اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک ایسے آدمی کو درے سے مارا تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرتے وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے مراد صرف ثواب میں امت کو شریک کرنا تھا نہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی طرف سے قربانی کی تھی کیونکہ ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کئی آدمیوں کی طرف سے درست نہیں ہے۔

مشینی ذبیحہ سے متعلق بحث ونظر کا بیان

اہل عراق کے علماء جدید میں سے ایک معروف عالم دین کا یہ فتویٰ ہے کہ مشینی ذبیحہ حلال ہے۔ ذبیحہ اہل کتاب کے بارے میں آپ کے استفسار کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کا کھانا حلال کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے

(و طعام الذین اُوتُو الکتاب حل لکم)۔

اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے پادری اور اہل دین جو کھانا بھی کھاتے ہیں بجز لحم خنزیر وہ مسلمانوں کے لیے حلال

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذبیحہ پر یہ شرط عائد نہیں کی گئی کہ اُس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا وہ اہل اسلام کے طریقے پر ذبح کیا گیا ہو۔ سورہ المائدہ (رکوع 1) میں آتا ہے

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین کو مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے واضح ہے کہ

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ۔

اس سلسلے میں لطیف بات یہ ہے کہ جس آیت میں طعام اہل کتاب کی اباحت کا حکم دیا گیا ہے وہ مذکورہ تکمیل دین والی آیت سے صرف چند سطور کے فاصلہ پر وارد ہے، جس کا قریبی تعلق یہ بتاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا دین مکمل اور دائمی ہے اور اس کے دوسرے احکام ابدی اور ناقابل تنسیخ وتغیر ہیں اسی طرح طعام اہل کتاب کی حلت کا حکم بھی اٹل ہے۔

اسے اللہ تعالیٰ نے کسی خاص زمانے کے ساتھ وابستہ نہیں رکھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حکم نازل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آئندہ چل کر اہل کتاب کے ہاں جانوروں کو سر میں میخ مار کر ذبح کرنے کا طریقہ جاری ہوگا

علاوہ ازیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے کہ ایک بار ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر آلود بکری دعوت میں پیش کی۔ اور آپ نے یہ دریافت کیے بغیر اُسے تناول فرمالیا کہ اس بکری کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں یا اس کے ذبح کرنے میں کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں آپ کا ارشاد ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس چیز کو حلال ٹھہرادیا وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دے دیا وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے، جس کی ذات نسیاں سے پاک ہے، محض اپنی رحمت سے سکوت فرمایا ہے تم اس کے متعلق قیاس مت کرو

نیز آپ نے

جس چیز کی صراحت میں نے تم سے نہیں کی اس کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ بھی انبیا سے بکثرت سوالات کرنے اور اختلافات کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ پس جب میں کسی چیز سے تم کو روک دوں تم اس سے رک جاؤ اور جب کسی کام کا حکم دوں تو اُسے جہاں تک کرسکتے ہو کرو۔

امام ابن العزی المعافری نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ اگر عیسائی مرغی کی گردن تلوار سے اڑادیتا ہے تو مسلمان کے لیے اس کا کھالینا جائز ہے۔ یہی حکم ان بندڈبوں کے گوشت کے بارے میں اختیار کیا جائے گا جنہیں یہودی اور عیسائی تیار کرتے ہیں۔

یہود نصاریٰ کے بارے میں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ ان کے جن افراد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کی حجت تمام ہوچکی ہے وہ اگر خدا کا ذکر بھی کریں تو ان کا ذکر اللہ اس وقت تک مقبول نہیں ہوگا جب تک وہ اسلام قبول نہ کرلیں۔ اس لیے ذبح کرتے وقت ایسے افراد کا اللہ کا نام لینا یا نالینا یکساں ہے۔ البتہ جن تک دعوت نہیں پہنچی اور حجت قائم نہیں ہوئی وہ اپنے

پہلے دین پر قائم ہیں اور وہ صحیح ہے۔

جس جانور کو مشرک ذبح کرے، جو یہودی یا عیسائی نہیں ہے، تو اس نے بوقت ذبح خواہ ہزار مرتبہ بھی اللہ کا نام لیا ہو، اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ اس کے برعکس مسلمان کا وہ ذبیحہ جس پر اللہ کا نام لینا اُسے یاد نہ رہا ہو حلال ہے۔ اور اسکا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ ہر مومن کے دل میں اللہ کا ذکر ہر حالت میں موجود ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے گوشت کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اہل بادیہ لے کر آتے تھے اور جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ انہوں نے جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تم خود اللہ کا نام لے لو اور اُسے کھالو)۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے رومی پنیر کے بارے میں دریافت کیا گیا اور آپ کو بتایا گیا کہ اس پنیر کو اہل روم خنزیر کے بچوں کے چستے سے بناتے ہیں۔ آپ نے جواب میں صرف اتنا فرمایا کہ میں ایک حلال چیز کو حرام نہیں کرسکتا

اس موضوع پر فقہا نے جو قواعد مستنبط کیے ہیں ان میں سے ایک قائدہ یہ ہے کہ

محض شک کی بنا پر طعام کو رد نہیں کیا جائے گا۔ نیز یہ قاعدہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اللہ کے دین میں آسانی ہے تم اسے آسان ہی رکھو۔ سخت نہ بناؤ اور لوگوں کو اس سے متنفر نہ کرو

ابوداؤد کتاب الاطعمہ میں جو روایت آئی ہے اس میں صرف اتنا ذکر ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صل اللہ علیہ وسلم کے لیے پنیر لایا گیا اور آپ نے چھری منگوا کر اللہ کا نام لیا اور اسے کاٹ کر نوش فرمالیا۔

خطابی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ پنیر چستے سے جمایا جاتا تھا یعنی جانور کے دودھ پیتے بچے کو کاٹ کر اس کا معدہ نکال لیا جاتا اور اس کے ذریعہ سے پنیر بنانے کے لیے دودھ جمایا جاتا تھا۔ اور یہ صنعت کفار اور مسلمانوں کی مشترکہ تھی۔

ابوداؤد نے یہ روایت اس لیے نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے مباح سمجھا کیونکہ بظاہر اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آرہی تھی۔

مسند احمد میں ایک روایت ابن عباس سے آئی ہے کہ ایک لڑائی میں حضور کے پاس پنیر کا ایک ٹکرا لایا گیا۔ آپ نے پوچھا کہاں کا بنا ہوا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ایران کا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ یہ مردار سے بنا ہے (یعنی ایسے جانور کے چستے سے جسے غیر اہل الذبح یعنی مجوسی ذبح کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اللہ کا نام لے کر کاٹو اور کھالو۔

لیکن اس قصے کو ابن عباس کے شاگرد عکرمہ کے حوالہ سے روایت کرنے والا شخص مشہور کذاب جابر جعفی ہے اس لیے یہ روایت قابل قبول نہیں۔

عکرمہ ہی کی دوسری روایت جو ابوداؤد طیاسی نے عمرو بن ابی عمرو کے واسطے سے نقل کی ہے اس میں مردار کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایران کے بنے ہونے کا ذکر ہے۔ اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ یہ روایت جس میں پنیر جمانے کے لیے بچہ خنزیر کے چستے کا

[illegible] ہے

[illegible] کا بیان

[illegible]

[illegible] شریعت کے مطابق ذبح کیا جاتا ہے تو اس کا گوشت حلال ہے۔ اور اس کا [illegible]

[illegible] جائز ہے۔ (فتاویٰ نوریہ، ج ۳، ص ۳۰۸، مطبوعہ [illegible])

اور [illegible] کے عظیم محقق علامہ غلام رسول سعیدی نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ اور عصر کے کئی علماء نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

ذبح میں گردن کی ہڈی کو کاٹنے کی کراہت کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّينِ النُّخَاعَ أَوْ قَطَعَ الرَّأْسَ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ وَتُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ) وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: قَطَعَ مَكَانَ بَلَغَ.

وَالنُّخَاعُ عِرْقٌ أَبْيَضُ فِي عَظْمِ الرَّقَبَةِ، أَمَّا الْكَرَاهَةُ فَلِمَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَنَّهُ نَهَى أَنْ تُنْخَعَ الشَّاةُ إِذَا ذُبِحَتْ) وَتَفْسِيرُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَقِيلَ مَعْنَاهُ: أَنْ يَمُدَّ رَأْسَهُ حَتَّى يَظْهَرَ مَذْبَحُهُ، وَقِيلَ أَنْ يَكْسِرَ عُنُقَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْكُنَ مِنْ الِاضْطِرَابِ، وَكُلُّ ذَلِكَ مَكْرُوهٌ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ وَفِي قَطْعِ الرَّأْسِ زِيَادَةَ تَعْذِيبِ الْحَيَوَانِ بِلَا فَائِدَةٍ وَهُوَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ مَا فِيهِ زِيَادَةُ إِيلَامٍ لَا يُحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الذَّكَاةِ مَكْرُوهٌ.

وَيُكْرَهُ أَنْ يَجُرَّ مَا يُرِيدُ ذَبْحَهُ بِرِجْلِهِ إِلَى الْمَذْبَحِ، وَأَنْ تُنْخَعَ الشَّاةُ قَبْلَ أَنْ تَبْرُدَ: يَعْنِي تَسْكُنَ مِنْ الِاضْطِرَابِ، وَبَعْدَهُ لَا أَلَمَ فَلَا يُكْرَهُ النَّخْعُ وَالسَّلْخُ، إِلَّا أَنَّ الْكَرَاهَةَ لِمَعْنًى زَائِدٍ وَهُوَ زِيَادَةُ الْأَلَمِ قَبْلَ الذَّبْحِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا يُوجِبُ التَّحْرِيمَ فَلِهَذَا قَالَ: تُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ.

ترجمہ

اور جس شخص نے گردن کی ہڈی کو کاٹ دیا یا اس نے ذبیحہ کے سر کو کاٹ دیا ہے تو ذبح کرنے والے کیلئے ایسا کرنا مکروہ ہے اور بعض نسخوں میں بلغ کی جگہ پر قطع ہے۔ اور نخاع گردن کی ہڈی میں ایک سفید کلر کی رگ کو کہتے ہیں۔ اور اس میں کراہت اس سبب سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ذبح کرتے وقت نخاع تک پہنچنے سے منع کیا ہے اور نخاع کی وضاحت

وہی ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا حکم یہ ہے کہ ذبیحے کا سر کھینچا جائے۔یہاں تک کہ اس کا مذبح ظاہر ہو جائے۔اور ایک قول یہ ہے کہ ذبیحے کے مضطرب ہونے سے پہلے پرسکون حالت میں اس کی گردن کو الگ کر دیا جائے۔اور یہ تمام صورتیں مکروہ ہیں۔کیونکہ ان تمام صورتوں میں اس طرح ذبیحے کے سر کو کاٹے بغیر جانور کو زیادہ تکلیف دینا ہے اور تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔

اس مسئلہ سے حاصل یہ ہوا ہے کہ جس طرح ذبح کرنے میں ضرورت کے سوا کوئی تکلیف ہو وہ مکروہ ہے۔(قاعدہ فقہیہ) اور جس جانور کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کے پاؤں کو پکڑ کر مذبح تک کھینچتے ہوئے لے جانا مکروہ ہے۔اور اسی طرح جانور کے ٹھنڈے ہونے سے قبل اور پریشانی میں اس کے پرسکون ہونے سے قبل بکری کے سر کو جدا کرنا مکروہ ہے۔کیونکہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد تکلیف نہیں رہتی۔اور اب سر کو الگ کرنا اور کھال کو اتارنا مکروہ نہیں ہے۔جبکہ کراہت ایک زائد حکم کی وجہ سے ہے اور وہ ذبح سے قبل یا اس کے بعد جانور کو تکلیف پہنچانا ہے۔پس یہ حرمت کو واجب کرنے والی نہیں ہے۔اسی دلیل کے سبب امام قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس ذبیحہ کو کھا لیا جائے گا۔

ذبح میں چکیاں اور کوہانوں کو کاٹنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کے کوہان اور زندہ دنبوں کی چکیاں کاٹتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا زندہ جانور سے جو حصہ کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1525)

اگر ذبح کر لیا اور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے۔غرض مدار کا اس پر ہے کہ ذبح کر لیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خوں دے حلال ہو جائے گا، ورنہ حرام،

اور جب کسی شخص نے مریض بکری ذبح کی تو اس نے حرکت نہ کی اور خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا نہ معلوم ہو سکا اور اگر زندہ ہونا یقیناً معلوم ہے تو مطلقاً حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کرے، اور خون نہ نکلے یہ صورت گلا گھونٹنے، اوپر سے گرنے والے اور سینگ زدہ میں متحقق ہوتی ہے اور جس کا پیٹ بھیڑیئے نے پھاڑ دیا ہو وہاں یہ صورت ہو سکتی ہے تو ایسے جانور کا ذبح ہونا حلال کر دے گا اگرچہ ان کی خفیف زندگی معلوم ہے، اسی پر فتوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الا ما ذکیتم یعنی جس کو تم نے ذبح کر دیا، بلا تفصیل یہ حکم ہے۔اور ردالمحتار میں بزازی سے انھوں اسبیجابی سے انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محض خون نکلنا حیات کی دلیل نہیں مگر ایسا نکلے جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو حیات کی دلیل ہے۔اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔

(درمختار، کتاب الذبائح، بیروت)

جانور کو کھینچتے ہوئے مذبح کی جانب لے جانے کی کراہت کا بیان

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو لازم کیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کو حسن وخوبی اور نرمی کے ساتھ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ سزاء" کسی کو قتل کرنے یا جانوروں کو ذبح کرنے میں بھی مہربانی ونرم دلی اور خوبی ونرمی کا طریقہ اختیار کرنا لازم ہے) لہٰذا جب تم (کسی شخص کو قصاص یا حد کے طور پر) قتل کرو تو اس کو نرمی وخوبی کے ساتھ قتل کرو (تا کہ اس کو ایذاء نہ ہو جیسے تیز تلوار استعمال کرو اور قتل کرنے میں جلدی کرو) اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو خوبی ونرمی کے ساتھ ذبح کرو لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص (جو جانور کو ذبح کرنا چاہتا ہو) اپنی چھری کو (خوب تیز کرلے اور ذبح کئے جانے والے جانور کو آرام دے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 11)

آرام دے کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد اس جانور کو چھوڑ دے تا کہ اس کا دم نکل جائے اور وہ ٹھنڈا ہو جائے! گویا اوپر کی عبارت اور یہ جملہ اصل میں "ذبح کرنے میں احسان کرنے" کی توضیح ہے کہ خوبی ونرمی کے ساتھ ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس جانور کو تیز چھری سے ذبح کرے اور جلدی ذبح کر ڈالے نیز ذبح کے بعد اس کو اچھی طرح ٹھنڈا ہو جانے دے۔

حنفی علماء فرماتے ہیں کہ ذبح کئے ہوئے جانور کی کھال اتارنا اس وقت تک مکروہ ہے جب تک کہ وہ اچھی طرح ٹھنڈا نہ ہو جائے! نیز مستحب یہ ہے کہ جس جانور کو ذبح کیا جانے والا ہے اس کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے، اگر ایک سے زائد جانور ذبح کئے جانے والے ہیں تو ان کو ایک دوسرے کے سامنے ذبح نہ کیا جائے اور ذبح کئے جانے والے جانور کے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہوئے ذبح کی جگہ نہ لے جایا جائے،

گردن کی پشت کی جانب سے ذبح کرنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهَا فَبَقِيَتْ حَيَّةً حَتَّى قَطَعَ الْعُرُوقَ حَلَّ) لِتَحَقُّقِ الْمَوْتِ بِمَا هُوَ ذَكَاةٌ، وَيُكْرَهُ لِأَنَّ فِيهِ زِيَادَةَ الْأَلَمِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَصَارَ كَمَا إذَا جَرَحَهَا ثُمَّ قَطَعَ الْأَوْدَاجَ (وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوقِ لَمْ تُؤْكَلْ) لِوُجُودِ الْمَوْتِ بِمَا لَيْسَ بِذَكَاةٍ فِيهَا

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے پشت کی جانب سے بکری کو ذبح کیا اور وہ اس کے بعد زندہ رہی حتیٰ کہ ذبح کرنے والے نے اس کی رگوں کو کاٹ دیا ہے تو وہ حلال ہے کیونکہ موت ذبح سے واقع ہوئی ہے اور البتہ یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ اس میں بغیر کسی سبب تکلیف کو زائد کرنا ہے۔ پس یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی شخص نے بکری کو زخمی کرنے کے بعد اس کی رگوں کو کاٹ دیا ہو۔ اور اگر وہ

بکری رگوں کو کاٹنے سے قبل مرگئی ہے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ اب موت ایسی چیز سے واقع ہوئی ہے جو اس بکری میں ذبح نہیں ہے۔

ذبح کرنے والے جانوروں کو تکلیف دینے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں یحیی بن سعید کے پاس گیا اور یحیی کی اولاد میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ مرغی باندھ کر اس کو پتھر سے مار رہا ہے، ابن عمر اس مرغی کے پاس پہنچے اور اس کو کھول دیا، پھر اس کی مرغی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ساتھ والے لڑکے سے فرمایا کہ اپنے بچوں کو پرندوں کے قتل کے لئے باندھ کر مارنے سے روکو، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوپائے وغیرہ کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 482)

مانوس شکار میں ذکاۃ ذبح ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَا اسْتَأْنَسَ مِنْ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ ، وَمَا تَوَحَّشَ مِنْ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ وَالْجُرْحُ) لِأَنَّ ذَكَاةَ الِاضْطِرَارِ إنَّمَا يُصَارُ إلَيْهِ عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ عَلَى مَا مَرَّ ، وَالْعَجْزُ مُتَحَقِّقٌ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي دُونَ الْأَوَّلِ (وَكَذَا مَا تَرَدَّى مِنْ النَّعَمِ فِي بِئْرٍ وَوَقَعَ الْعَجْزُ عَنْ ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ) لِمَا بَيَّنَّا .

وَقَالَ مَالِكٌ : لَا يَحِلُّ بِذَكَاةِ الِاضْطِرَارِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ ذَلِكَ نَادِرٌ . وَنَحْنُ نَقُولُ : الْمُعْتَبَرُ حَقِيقَةُ الْعَجْزِ وَقَدْ تَحَقَّقَ فَيُصَارُ إلَى الْبَدَلِ ، كَيْفَ وَإِنَّا لَا نُسَلِّمُ النُّدْرَةَ بَلْ هُوَ غَالِبٌ . وَفِي الْكِتَابِ أَطْلَقَ فِيمَا تَوَحَّشَ مِنْ النَّعَمِ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ الشَّاةَ إذَا نَدَّتْ فِي الصَّحْرَاءِ فَذَكَاتُهَا الْعَقْرُ ، وَإِنْ نَدَّتْ فِي الْمِصْرِ لَا تَحِلُّ بِالْعَقْرِ لِأَنَّهَا لَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا فَيُمْكِنُ أَخْذُهَا فِي الْمِصْرِ فَلَا عَجْزَ ، وَالْمِصْرُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ فِي الْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ لِأَنَّهُمَا يَدْفَعَانِ عَنْ أَنْفُسِهِمَا فَلَا يَقْدِرُ عَلَى أَخْذِهِمَا ، وَإِنْ نَدَّا فِي الْمِصْرِ فَيَتَحَقَّقُ الْعَجْزُ ، وَالصِّيَالُ كَالنَّدِّ إذَا كَانَ لَا يَقْدِرُ عَلَى أَخْذِهِ ، حَتَّى لَوْ قَتَلَهُ الْمَصُولُ عَلَيْهِ وَهُوَ يُرِيدُ الذَّكَاةَ حَلَّ أَكْلُهُ .

ترجمہ

اور جو شکار مانوس ہو جائے اس میں ذکاۃ کا حکم ذبح ہے جبکہ جانوروں میں جو وحشی ہو جائیں تو ان کی ذکاۃ کوچوں کو کاٹ دینا اور زخم پہنچانا ہے۔ کیونکہ جب ذکاۃ اختیاری سے عاجز ہونے کی وجہ سے ذبح اضطراری کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔ (قاعدہ

ہے جس طرح اس کو بیان ذکر کیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں عاجز ہونا یہ دوسری صورت میں ثابت ہوا ہے پہلی صورت میں ثابت نہیں ہوا۔

اور اسی طرح جو جانور کنویں میں گر کر مرجائے اور اس کو اختیاری طور پر ذبح کرنا ممکن نہ ہو سکے تو یہ بھی اسی دلیل سے واقع ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں ذبح اضطراری جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شاذ و نادر واقع ہوتا ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں اعتبار عاجز آنے کی حقیقت ہے اور یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے پس اس کے بدل کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ (قاعدہ فقہیہ) ہم اس کو کس طرح نادر مان لیں حالانکہ یہ کثیر واقع ہونے والا ہے۔

اور قدوری میں وحشی جانوروں کے بارے میں حکم کو علی الاطلاق بیان کیا گیا ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب کوئی بکری جنگل میں بھاگ جائے تو اس کا ذبح عقر ہے اور اگر وہ شہر میں بھاگی ہے تو وہ عقر یعنی کونچوں کو کاٹ دینے سے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ شہر میں وہ اپنے آپ کا دفاع کرنے والی نہیں ہے۔ پس شہر میں اس کو پکڑ لینا ممکن ہے۔ پس یہ عجز نہ ہوگا۔

گائے اور اونٹ میں شہر وغیر شہر دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے آپ کا دفاع کرنے والے ہیں۔ پس انہیں پکڑنے پر کوئی شخص قدرت رکھنے والا نہ ہوگا۔ خواہ یہ دونوں شہر میں بدک جائیں تو ان کیلئے عجز ثابت ہو جائے گا۔ اور ان کا حملہ کرنا یہ بھی بدک جانے کی مثل ہے۔ جب اس جانور کو پکڑنا ممکن نہ ہو حتیٰ کہ جب حملہ میں پھنس جانے والے شخص نے اگر ذبح کے ارادے سے جانور کو قتل کر دیا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔

شرح

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ذوالحلیفہ میں جو کہ تھامہ میں ہے رفاف عرق نامی جگہ کے پاس لوگوں نے اونٹ اور بکریاں حاصل کیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کے پیچھے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے پیچھے رہتے تھے (تاکہ سب کے حالات سے باخبر رہیں اور جو شخص تھک جائے اس کو سوار کر لیں) تو جو حضرات آگے تھے تو انہوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں جلدی کی اور مال غنیمت تقسیم ہونے سے قبل جانوروں کو ذبح کیا اور انہوں نے دیگیں چڑھا دیں۔ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو وہ دیگیں الٹ دی گئیں۔

پھر جانوروں کو تقسیم کیا تو دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر مقرر و متعین کیں اتنے میں ایک اونٹ بھاگ نکلا اور لوگوں کے پاس گھوڑے بھی کم تعداد میں تھے (ورنہ لوگ اس بھاگے ہوئے اور بگڑے ہوئے اونٹ کو پکڑنے کی کوشش کرتے) اور وہ لوگ اس اونٹ کو پکڑنے کے واسطے دوڑے لیکن وہ ہاتھ نہیں آیا یہاں تک کہ اس نے سب کو تھکا دیا۔

آخرکار اس کے ایک آدمی نے ایک تیر مارا تو اللہ نے اس اونٹ کو روک دیا (یعنی تیر کھانے کے بعد اسی جگہ ٹھہر گیا) اس پر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ جانور (جو کہ ایک طریقہ سے پالتو جانور ہیں جیسے اونٹ گائے بیل بکری دنبہ وغیرہ) بھی وحشی ہوجاتے ہیں جیسے کہ جنگلی جانور تو جو تم لوگوں کے ہاتھ نہ آئے تو تم اس کے ساتھ اس طریقہ سے کرو (یعنی تم اس کے تیر مارو پھر اگر وہ جانور مرجائے تو تم اس کو کھالو اس لیے کہ اگر اپنے اختیار سے کسی وجہ سے باقاعدہ جانور ذبح نہ کرسکو تو مذکورہ طریقہ سے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر تیر مارنے سے بھی وہ جانور حلال ہوجاتا ہے اس آخری صورت کو شریعت کی اصطلاح میں زکوۃ اضطراری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 601)

بھاگ جانے والے جانوروں کو ذبح کرنے کا بیان

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم کل دشمن سے مقابلہ کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلدی کرو یا یہ فرمایا کہ ہلاک کردو، جو چیز خون بہادے اور اللہ کا نام اس پر لیا گیا ہو، تو اس کو کھاؤ، لیکن دانت اور ناخن نہ ہو، اور میں تم سے اس کی وجہ بیان کردوں کہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے (ایک بار) مال غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ہمارے ہاتھ آئیں، ان میں سے ایک اونٹ بھاگ نکلا، ایک آدمی نے اس کی طرف تیر پھینکا جس سے وہ رک گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اونٹوں میں سے بعض وحشی جانوروں کی طرح (ہوجاتے) ہیں، جب وہ تم پر غالب آجائیں (ان پر قابو نہ پاسکو) تو ان کے ساتھ ایسا ہی کرو۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 477)

آلہ ذبح کے سوا جانور کی موت کے سبب عدم حلت کا بیان

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب تم تیر چلاؤ تو بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لیا کرو۔ پھر اگر شکار اس سے مرجائے تو اسے کھاؤ لیکن اگر وہ شکار پانی میں مردہ حالت پاؤ تو نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے تیر سے ہلاک ہوا یا پانی میں گرنے کی وجہ سے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1512)

آلہ ذبح کے سوا دوسرے سبب سے موت واقع ہونے پر مذاہب فقہاء

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سکھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا جب تم بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر اپنا سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑ دو تو جو کچھ تمہارے لیے اٹھا لائے اسے کھاؤ اور اگر وہ خود (یعنی کتا) اس میں سے کھانے لگے تو مت کھاؤ کیونکہ اس نے شکار اپنے لیے پکڑا ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر ہمارے کتے کے ساتھ کچھ اور کتے بھی شامل ہوجائیں تو کیا کیا جائے۔ فرمایا تم نے اپنے کتے کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ پڑھی تھی دوسرے کتوں پر نہیں۔

سفیان کہتے ہیں کہ اس شکار کا کھانا صحیح نہیں۔ بعض صحابہ اور دوسرے علماء اس پر عمل ہے کہ جب شکار اور ذبیحہ پانی میں گر

جائیں تو اسے کھانا صحیح نہیں۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کئے جانے والے جانور کا حلقوم کٹ جانے کے بعد وہ پانی میں گر کر مرے تو اس کا کھانا جائز ہے۔

ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ کتا شکار سے کچھ کھائے تو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اگر کتا شکار سے کچھ کھائے تو اب اسے نہ کھاؤ۔ سفیان ثوری بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم نے اس کی اجازت دی اگرچہ کتے نے اس سے کھایا ہو۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1513)

اونٹ میں نحر کے مستحب ہونے کا بیان

قَالَ (وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ ، فَإِنْ ذَبَحَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ .وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَإِنْ نَحَرَهُمَا جَازَ وَيُكْرَهُ) أَمَّا الِاسْتِحْبَابُ فَلِمُوَافَقَةِ السُّنَّةِ الْمُتَوَارَثَةِ وَلِاجْتِمَاعِ الْعُرُوقِ فِيهَا فِي الْمَنْحَرِ وَفِيهِمَا فِي الْمَذْبَحِ ، وَالْكَرَاهَةُ لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ وَهِيَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهِ فَلَا تَمْنَعُ الْجَوَازَ وَالْحِلَّ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ مَالِكٌ إنَّهُ لَا يَحِلُّ .

ترجمہ

فرمایا کہ اونٹ میں نحر مستحب ہے۔ مگر جب کسی نے اس کو ذبح کر دیا ہے تو جائز ہے۔ لیکن مکروہ ہے اور بکری اور گائے میں ذبح کرنا مستحب ہے۔ مگر جب کسی نے ان کو نحر کر دیا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن یہ بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں مستحب ہونے کا حکم یہ سنت متوارثہ سے ثابت ہے۔ اور اسی طرح اونٹ کو نحر کرنے کی صورت میں نحر کی جگہ والا خون رگوں میں جمع ہونے میں اور گائے بکری میں مذبح میں رگوں کے جمع ہونے کے سبب مستحب ہے۔ اور کراہت اسی سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کراہت ایک ایسے معنی کے سبب سے ہے جو نحر اور ذبح کے سوا ہے پس یہ کراہت حلت و جواز کیلئے مانع نہ بن سکے گی۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ امام مالک اس کو حلال نہیں کہتے۔

شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انہوں نے اس سے فرمایا کہ اس اونٹ کو کھڑا کر دو اور اس کا بایاں پاؤں باندھو اور اس طرح اونٹ کو نحر کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرو۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1184)

نحر کرنے کا فقہی مفہوم

اونٹ کے سینہ میں برچھی مارنے کو "نحر" کہتے ہیں اور گائے وغیرہ کا گلا چھری سے کاٹنا "ذبح" کہلاتا ہے لہذا اونٹ کو تو نحر کرنا

افضل ہے اور گائے بیل، بھینس، بھیڑ اور بکری کو ذبح کرنا افضل ہے۔

نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا افضل ہے اور اگر کھڑا نہ کیا جا سکے تو پھر بٹھا کر نحر کرنا لٹا کر نحر کرنے سے افضل ہے۔ جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں ان کو بائیں پہلو پر لٹا کر ذبح کرنا چاہیے۔

قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہے کہ اونٹ کو نحر کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ آیت (فصل لربك وانحر) الکوثر۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے نماز پڑھو اور نحر کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں اونٹ کو نحر کرنا لکھا گیا ہے۔ ذبح کرنے کے بارے میں یہ آیت کریمہ ہے۔ (اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً) 2۔ البقرۃ: 67)۔ یہ کہ گائے کو ذبح کرو۔

اونٹ کو ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ کھڑے کھڑے اس کے سینہ میں خنجر مار دیتے ہیں اس کا نام نحر ہے اور یہی مسنون ہے۔ اونٹ کی ٹانگوں کو چاروں ٹانگوں کو بینڈ کر کے رسی باندھ دی جاتی ہے، آٹو میٹکلی وہ بیٹھ جاتا ہے اور اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ پھر اُس کی ناک میں جو رسی بندگی ہوتی ہے اُس کو پکڑ کر اُس ہی دُم کے ساتھ باندھ دیتے ہیں جس سے اُس کی گردن ایک طرف چلی جاتی ہے اور وہ حرکت نہیں کر پاتا ہے۔ اُس کے بعد تین مختلف جگہوں سے چھری پھیر دیتے ہیں بچپن سے یہی طریقہ کار سُنا اور دیکھا لیکن اب معلومات میں اضافہ ہوا تو کسی کو بتانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوگی۔

ذبح ونحر کا مسنون طریقے کا بیان

پہلے چھری کو خوب تیز کر لیا جائے تا کہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ (صحیح مسلم) اور چھری جانور کی آنکھوں کے سامنے تیز نہ کی جائے بلکہ اس سے کہیں چھپا کر تیز کریں تا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے چھری تیز ہوتے دیکھ کر وہ اذیت نہ پائے۔

(مستدرک حاکم، معجم طبرانی کبیر واوسط، بیہقی، مصنف عبدالرزاق)

اُونٹ کو نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے تین ٹانگوں پر قبلہ رو (بخاری تعلیقاً و مالک و بیہقی موصولاً) کھڑا کیا جائے (الج: وبخاری عن ابن عباس : قیاماً) اگلی بائیں ٹانگ اور ران کو باہم باندھ دیا جائے اور بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ کر اسکے سینے اور گردن کی جڑ کے درمیان والی، گڑھا نما جگہ میں نیزہ یا بَر چھا مارا جائے، جس سے اس کی رگِ جان کٹ جائے۔ (بخاری ومسلم) اور وہ زمین پر لگ جائے۔ (الج)

اُونٹ میں مستحب تو نحر ہی ہے، لیکن اگر کوئی اسے ذبح کرتا ہے تو بھی جائز ہے۔

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین امام نووی، المرعاۃ)

گائے (بھینس اور بھیڑ بکریوں) کو ذبح کیا جائے گا۔ (البقرہ:) لیکن اگر کوئی گائے بھینس کو نحر کرتا ہے تو بھی حرج نہیں (المرعاۃ)

ہر جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رو کر لیں، اسے دائیں پہلو پر لٹا لینا چاہیئے۔ (بخاری تعلیقاً موقوفاً، موطا مالک وبیہقی موصولاً موقوفاً، ابوداود، ابن ماجہ، دارمی، ابن خذیمہ، مسند احمد، بیہقی، مرفوعاً) اور اسکے اوپر والے پہلو پر اپنا پاوں رکھیں۔ (بخاری ومسلم)

جنین کا ذبح میں داخل ہونے یا نہ ہونے کا بیان

قال (ومن نحر ناقة أو ذبح بقرة فوجد في بطنها جنينا ميتا لم يؤكل أشعر أو لم يشعر) وهذا عند أبي حنيفة . وهو قول زفر والحسن بن زياد رحمهما الله .

وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله : إذا تم خلقه أكل وهو قول الشافعي لقوله عليه الصلاة والسلام (ذكاة الجنين ذكاة أمه) ولأنه جزء من الأم حقيقة لأنه متصل بها حتى يفصل بالمقراض ويتغذى بغذائها ويتنفس بتنفسها ، وكذا حكما حتى يدخل في البيع الوارد على الأم ويعتق بإعتاقها .

وإذا كان جزءا منها فالجرح في الأم ذكاة له عند العجز عن ذكاته كما في الصيد .

وله أنه أصل في الحياة حتى تتصور حياته بعد موتها وعند ذلك يفرد بالذكاة ، ولهذا يفرد بإيجاب الغرة ويعتق بإعتاق مضاف إليه ، وتصح الوصية له وبه ، وهو حيوان دموي ، وما هو المقصود من الذكاة وهو الميز بين الدم واللحم لا يتحصل بجرح الأم ، إذ هو ليس بسبب لخروج الدم عنه فلا يجعل تبعا في حقه ، بخلاف الجرح في الصيد لأنه سبب لخروجه ناقصا فيقام مقام الكامل فيه عند التعذر .

وإنما يدخل في البيع تحريا لجوازه كي لا يفسد باستثنائه ، ويعتق بإعتاقها كي لا ينفصل من الحرة ولد رقيق .

ترجمہ

اور جس شخص نے اونٹ کو نحر کیا یا اس نے گائے کو ذبح کیا ہے اور اس کے بعد اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ پیدا ہوا ہے تو اگر چہ اس کے بال اگ چکے ہوں یا نہ ہوں اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسی طرح ہے اور امام زفر اور امام حسن بن زیاد علیہما الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ صاحبین نے کہا ہے کہ اگر اس کی خلقت مکمل ہو چکی ہے تو اس کو کھایا جائے گا۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنین کا ذبح کرنا اس کی ماں کو ذبح کرنا ہے۔ کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے جنین ماں کا حصہ ہے کیونکہ وہ اسی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کو قینچی کے ذریعے الگ کیا جاتا ہے۔ اور جنین بھی ماں کی غذا سے غذا حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔ اور یہ سانس بھی اسی کے سانس لینے سے لینے والا ہے۔ اور اسی طرح وہ حکمی طور پر بھی ماں کے تابع ہے یہاں تک کہ

ماں پر منعقد ہونے والی بیع میں بھی وہ شامل ہوتا ہے۔ اور ماں کی آزادی کے سبب وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ لہذا جب جنین ماں کا حصہ ہوا تو ماں کو زخم دینا اس کیلئے بھی ذبح بن جائے گا۔ اور یہ حکم شکار کی طرح جنین کے ذبح سے عاجزی کے وقت ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جنین زندگی میں اصل ہے کیونکہ ماں کی موت کے بعد اس کی زندگی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور تب اس کو علیحدہ ذبح کیا جاتا ہے۔ اسی دلیل کے سبب جنین تاوان میں الگ ہوتا ہے۔ اور اس کی جانب منسوب آزادی سے وہ آزاد ہونے والا ہے۔ پس اس کیلئے یا کسی دوسرے کیلئے اس کی وصیت درست ہوتی ہے۔ اور وہ خون والا جانور ہے۔ جبکہ ذبح کا مقصد خون اور گوشت کو الگ الگ کرنا ہوتا ہے۔ جو ماں کو زخمی کرنے کی وجہ سے حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ ماں کو زخمی کرنا جنین سے خون نکلنے کا سبب نہیں بن سکے گا۔ پس خون نکلنے کے حق میں جنین کو ماں کے تابع نہ کیا جائے گا۔ جبکہ زخمی شکار میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہاں زخم معمولی خون نکلنے کی وجہ سے ہے پس عذر کے سبب اس کو کل کے قائم مقام کر دیا جائے گا۔ اور بیع کے جواز کے سبب جنین کو ماں کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ کہ کہیں اس کے استثناء کے سبب بیع فاسد نہ ہو جائے۔ اور ماں کی آزادی کے سبب بچہ اس لئے آزاد ہوتا ہے کہ کہیں رقیق ماں سے اس کا بچہ الگ نہ ہو۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنین (پیٹ کا بچہ) کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اگر چاہو تو کھالو مسدد کی روایت یوں ہے کہ۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں اور گائے بکری کو ذبح کرتے ہیں تو (کبھی کبھی) ہمیں ان کے پیٹ میں بچہ ملتا ہے۔ ہم اس کو پھینک دیں یا کھالیں؟ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو کھالو کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا خود اس کا ذبح کرنا ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1061)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنین کا ذبح کرنا اسکی ماں کا ذبح کرنا ہے۔ (یعنی اس کی ماں کا ذبح کرنا خود اس کے ذبح کرنے کے قائم مقام ہے لہذا اس کو ذبح کیے بغیر کھایا جا سکتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1062)

ذبح کے سبب جنین کی حلت میں مذاہب فقہاء کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ماں کے ذبح کرنے سے اس کے پیٹ کا بچہ (جنین) بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اس باب میں جابر ابوامامہ، ابودرداء اور ابوہریرہ سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں نے ابوسعید سے منقول ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ ابووداک کا نام جبیر بن نوف ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1520)

جنین کے اعضاء مکمل ہونے یا نہ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے: جب کوئی حاملہ اونٹنی تو اس کے پیٹ کے بچے کی بھی ذکاۃ ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس بچے کے تمام اعضا پورے ہو گئے ہوں اور بال بالکل نکل آئے ہوں اگر وہ بچہ پیٹ سے زندہ نکل آئے تو اس کا ذبح کرنا ضروری ہے تاکہ خون اس کے پیٹ سے نکل جائے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 948)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا" یارسول اللہ جب ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں یا گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں تو (بسا اوقات) ہم اس ذبیحہ کے پیٹ میں مردہ بچہ پاتے ہیں، آیا ہم اس بچہ کو پھینک دیا کریں یا کھا لیا کریں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر تم چاہو تو اس کو کھا لیا کرو کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کا بھی ذبح کرنا ہے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 30)

مفہوم کے اعتبار سے یہ روایت بھی وہی ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں ائمہ کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو بھی اوپر ہی ذکر کیا جا چکا ہے۔

نحر اور ذبح کی تفصیل: پہلے صفحات میں بتایا گیا تھا کہ "ذبح" کرنے کی دو قسمیں ہیں ایک تو اختیاری اور دوسری اضطراری، پھر اختیاری کی بھی دو صورتیں ہیں ایک تو "نحر" اور دوسری "ذبح" چنانچہ نحر تو یہ ہے کہ اونٹ کے سینہ میں نیزہ مارا جائے (یعنی اس کے سینے کو نیزہ سے چیر دیا جائے) اور اونٹ میں مستحب نحر کرنا ہے اگرچہ اس کو ذبح کرنا جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

اور ذبح یہ ہے کہ جانور کی حلق کی رگ کو کاٹا جائے، ذبح کی صورت میں جانور کی حلق کی جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔ ایک تو نرخرہ کہ جس کے ذریعہ سانس کی آمد و رفت ہوتی ہے، دوسری مری یعنی وہ رگ جس سے منہ سے پانی جاتا ہے اور دو شہ رگیں جو نرخرہ کے دائیں بائیں ہوتی ہیں۔ ان چاروں رگوں کو کاٹنا ہی شرعی طور پر "ذبح" کہلاتا ہے، اگر ان چاروں میں سے تین ہی رگیں کٹ جائیں تب بھی ذبح درست ہے اور اس جانور کا کھانا حلال ہے اور اگر دو ہی رگیں کٹیں تو وہ جانور مردار ہو جائے گا جس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔

جس طرح اونٹوں میں نحر کرنا مستحب ہے اسی طرح گائے اور بکریوں وغیرہ میں ذبح کرنا مستحب ہے لیکن اگر کسی نے ان کو نحر کر لیا تب بھی جائز ہوگا مگر کراہت کے ساتھ۔

اگر کسی شخص نے بکری وغیرہ کو گدی کی طرف سے ذبح کیا تو اگر وہ اتنی دیر تک زندہ رہی کہ اس شخص نے اس کی رگیں کاٹ دیں تو اس کا کھانا جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ کیونکہ اس طرح ذبح کرنا سنت کے خلاف ہے اور اگر وہ رگوں کے کٹنے سے پہلے ہی مر گئی تو اس کا کھانا جائز نہیں۔

اگر کسی شخص نے کسی جانور مثلاً مرغی کو ذبح کرتے ہوئے چھری کو حرام مغز تک پہنچا دیا اور سر کٹ کر جدا ہو گیا تو اس کا کھانا جائز ہے اور مکروہ بھی نہیں ہے لیکن اتنا زیادہ ذبح کرنا یا اس طرح ذبح کرنا کہ سر جدا ہو جائے مکروہ ہے۔

فصل فیما یؤکل وما لا یؤکل

﴿یہ فصل حلال وحرام جانوروں کے بیان میں ہے﴾

فصل حلال وحرام جانوروں کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ذبائع ایسی چیز کا ذریعہ ہے جو مقصود ہے اور مقصود حیوانات کے گوشت کو حلال کرنا ہے۔ پس مصنف علیہ الرحمہ نے ذبائع کے احکام کے بعد ان حیوانات کو بیان کر رہے ہیں کہ جن کے گوشت کو کھایا جائے گا یا نہیں کھایا جائے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب ذبائع، بیروت)

فصل غیر ماکول لحم کے شرعی ماخذ کا بیان

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ .(البقرہ،۱۷۳)

اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سُور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو، نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، (کنزالایمان)

آیت حرمت حیوانات میں حصر کے اضافی ہونے کا بیان

اس آیت میں چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے لیکن اسے کلمہ حصر (انما) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چار چیزیں ہیں جبکہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں ہیں جو حرام ہیں۔ اس لئے اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حصر ایک خاص سیاق میں آیا ہے یعنی مشرکین کے اس فعل کے ضمن میں کہ وہ حلال جانوروں کو بھی حرام قرار دے لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں حرام تو صرف یہ ہیں۔ اس لئے یہ حصر اضافی ہے یعنی اس کے علاوہ بھی دیگر محرمات ہیں جو یہاں مذکور نہیں۔

دوسرا حدیث میں دو اصول جانوروں کی حلت وحرمت کے لئے بیان کر دیئے گئے ہیں وہ آیت کی صحیح تفسیر کے طور پر سامنے رہنے چاہئیں۔ درندوں میں ذوناب (وہ درندہ جو دانتوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذومخلب (جو پنجے سے شکار کرے) حرام ہیں تیسرے جن جانوروں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے مثلاً گدھا کتا وغیرہ وہ بھی حرام ہیں جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح دین کا ماخذ اور دین میں حجت ہے اور دین دونوں کے ماننے سے مکمل ہوتا ہے نہ کہ حدیث کو نظر انداز کر کے صرف قرآن سے۔ مردہ سے مراد وہ حلال جانور ہے جو بغیر ذبح کیے طبعی طور پر یا کسی حادثے سے مر گیا ہو یا شرعی طریقے کے خلاف اسے ذبح کیا گیا ہو مثلاً گلا گھونٹ دیا جائے یا پتھر اور لکڑی وغیرہ سے مارا جائے یا جس طرح آجکل مشینی ذبح

کا طریقہ ہے اس میں جھٹکے سے مارا جاتا ہے۔

البتہ حدیث میں دو مردار جانور حلال قرار دیئے گئے ہیں ایک مچھلی دوسری ٹڈی وہ اس حکم عام سے مستثنیٰ ہیں خون سے مراد دم مسفوح ہے یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلتا اور بہتا ہے گوشت کے ساتھ جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ حلال ہے یہاں بھی دو خون حدیث کی رو سے حلال ہیں کلیجی اور تلی۔ خنزیر یعنی سور کا گوشت۔ سور بے غیرتی میں بدترین جانور ہے اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیت میں حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کر کے بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشیائے مذکورہ کے سوا کوئی جانور حرام نہیں حالانکہ جملہ درندے اور گدھا اور کتا وغیرہ سب کا کھانا حرام ہے اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ اس حصر سے حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ میں منحصر کرنا ہرگز مراد نہیں کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو بلکہ حکم حرمت کو صحت وصداقت کے ساتھ مخصوص فرما کر اس حکم کی جانب مخالف کا بطلان منظور ہے یعنی بس بات یہی ہے کہ یہ چیزیں اللہ پاک نے تم پر حرام فرمادیں اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں یعنی ان کا حلال سمجھنا بالکل باطل اور غلط ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حکم حرمت کو اشیائے مذکورہ ہی میں منحصر مانا جائے مگر اس حصر کو اضافی یعنی خاص انہی چیزوں کے لحاظ سے تسلیم کیا جائے جن کو مشرکین نے اپنی طرف سے حرام کرلیا تھا جیسے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جن کا ذکر آئندہ آئیگا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تو تم پر فقط میتہ اور خنزیر وغیرہ کو حرام کیا تھا تم جو سانڈ وغیرہ کی تحریم اور تعظیم کے قائل ہو یہ محض تمہارا افتراء ہے باقی رہے درندے اور خبیث جانوران کے حرام ہونے میں مشرکین بھی نزاع نہ کرتے تھے۔ سو یہ حصر انہی جانوروں کے لحاظ سے ہے جن کو مشرکین نے خلاف حکم الٰہی اپنی طرف سے حرام ٹھہرالیا تھا تمام جہان کے جانوروں سے اس کو کیا تعلق جو اعتراض مذکور کی نوبت آئے۔

اشیائے اربعہ کی حرمت میں مذاہب اربعہ

وہ جانور جو گلا گھونٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ لیکن فی الحقیقت یہ بھی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک تشریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور اس طور پر ہلاک ہوئے ہوں وہ بھی مُردار کی تعریف میں آتے ہیں۔

فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حیوانی غذاوں میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں اور ان کے سوا ہر چیز کا کھانا جائز ہے۔

یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عائشہ کا تھا۔ لیکن متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کے کھانے سے یا تو منع فرمایا ہے یا ان پر کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً پالتو گدھے، کچلوں والے درندے اور پنجوں والے پرندے۔

اس وجہ سے اکثر فقہا تحریم کو ان چار چیزوں تک محدود نہیں مانتے بلکہ دُوسری چیزوں تک اسے وسیع قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کے بعد پھر مختلف چیزوں کی حِلت وحُرمت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ مثلاً پالتو گدھے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور

امام شافعی حرام قرار دیتے ہیں۔

لیکن بعض دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں ہے بلکہ کسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اس کی ممانعت دی تھی۔ درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور مردار خور حیوانات کو حنفیہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ مگر امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں۔ لیث کے نزدیک بلی حلال ہے۔

امام شافعی کے نزدیک صرف وہ درندے حرام ہیں جو انسان پر حملہ کرتے ہیں، جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ۔ عکرمہ کے نزدیک کوا اور بجو دونوں حلال ہیں۔ اسی طرح حنفیہ تمام حشرات الارض کو حرام قرار دیتے ہیں، مگر ابن ابی لیلیٰ، امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک سانپ حلال ہے۔

ان تمام مختلف اقوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ دراصل شریعت الٰہی میں قطعی حُرمت اُن چار ہی چیزوں کی ہے، جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ ان کے سوا دوسری حیوانی غذاوں میں مختلف درجوں کی کراہت ہے۔ جن چیزوں کی کراہت صحیح روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ حُرمت کے درجہ سے قریب تر ہیں۔

اور جن چیزوں میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے ان کی کراہت مشکوک ہے۔ رہی طبعی کراہت جس کی بنا پر بعض اشخاص بعض چیزوں کو کھانا پسند نہیں کرتے، یا طبقاتی کراہت جس کی بنا پر انسانوں کے بعض طبقے بعض چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، یا قومی کراہت جس کی بنا پر بعض قومیں بعض چیزوں سے نفرت کرتی ہیں، تو شریعتِ الٰہی کسی کو مجبور نہیں کرتی کہ وہ خواہ مخواہ ہر اس چیز کو ضرور ہی کھا جائے جو حرام نہیں کی گئی ہے۔ اور اسی طرح شریعت کسی کو یہ حق بھی نہیں دیتی کہ وہ اپنی کراہت کو قانون قرار دے اور ان لوگوں پر الزام عائد کرے جو ایسی غذائیں استعمال کرتے ہیں جنھیں وہ ناپسند کرتا ہے۔

مردار کے اجزاء میں حکم حرمت پر فقہی مذاہب

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ مردار کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعی کا بھی مذہب ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے، امام مالک رحمتہ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ تو وہ پاک لیکن میت میں شامل کی وجہ سے جنس ہو جاتا ہے، اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہ کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو بطور اعتراض ان پر ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبی نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بہنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی اور پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو، سور کی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی، دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا

بھی بچی ہے۔ (البقرہ ۱۷۳)

ذوناب و ذومخلب کو کھانے کی حرمت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ أَكْلُ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُورِ) لِأَنَّ (النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُورِ وَكُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ) وَقَوْلُهُ مِنَ السِّبَاعِ ذُكِرَ عَقِيبَ النَّوْعَيْنِ فَيَنْصَرِفُ إلَيْهِمَا فَيَتَنَاوَلُ سِبَاعَ الطُّيُورِ وَالْبَهَائِمِ لَا كُلَّ مَا لَهُ مِخْلَبٌ أَوْ نَابٌ. وَالسَّبُعُ كُلُّ مُخْتَطِفٍ مُنْتَهِبٍ جَارِحٍ قَاتِلٍ عَادٍ عَادَةً.

وَمَعْنَى التَّحْرِيمِ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ كَرَامَةُ بَنِي آدَمَ كَيْ لَا يَعْدُوَ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ الْأَوْصَافِ الذَّمِيمَةِ إلَيْهِمْ بِالْأَكْلِ، وَيَدْخُلُ فِيهِ الضَّبُعُ وَالثَّعْلَبُ، فَيَكُونُ الْحَدِيثُ حُجَّةً عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي إبَاحَتِهِمَا، وَالْفِيلُ ذُو نَابٍ فَيُكْرَهُ، وَالْيَرْبُوعُ وَابْنُ عِرْسٍ مِنَ السِّبَاعِ الْهَوَامِّ قَالَ (وَلَا يُؤْكَلُ الْأَبْقَعُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ، وَكَذَا الْغُدَافُ ((وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْعَقْعَقِ) لِأَنَّهُ يَخْلِطُ فَأَشْبَهَ الدَّجَاجَةَ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّ غَالِبَ أَكْلِهِ الْجِيَفُ

ترجمہ

فرمایا کہ درندوں میں سے ذوناب اور پرندوں میں سے ذومخلب کو کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے پرندوں میں سے ہر ذومخلب اور درندوں میں سے ہر ذوناب کو کھانے سے منع کیا ہے اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی یہ سباع سے ہے یہ ان دونوں کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ پس ان دونوں پر جاری ہونے والا ہے۔ پس یہ پرندوں اور چوپائیوں دونوں کو شامل ہوگا۔ جبکہ ہر ایسی قسم جو پنجہ رکھنے والی ہو یا نوک والے دانت رکھنے والی ہو۔ اور سبع ہر اس حیوان کو کہتے ہیں جو عرف کے مطابق اچک کر کھانے والا اور لوٹ مار کر کے کھانے والا ہو۔ زخمی کرنے والا اور جان سے مار دینے والا اور حملہ کرنے والا ہو۔ اور اللہ ہی سب زیادہ جانتا ہے کہ اس میں حرمت کا سبب بنو آدم کا اس کو مکروہ جاننا ہے۔ کہ کہیں ان میں موجود برے اوصاف انسانوں کی جانب منتقل نہ ہو جائیں۔ اور حرمت میں لومڑی اور بجو بھی داخل ہیں۔ پس یہ حدیث ان دونوں کو جائز قرار دینے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف حجت ہے۔ اور ہاتھی نوکیلے دانتوں والا ہے پس وہ مکروہ ہے اور جنگلی چوہا اور نیولا یہ زمین میں چلنے والے درندوں میں سے ہیں۔ اور فقہاء کرام نے گدھ اور بغاث کو کھانا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ دونوں مردار کھاتے ہیں۔

اور زرعی غراب میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ دانہ کھانے والا ہے وہ مردار کھانے والا نہیں ہے اور وہ پھاڑ کر کھانے والے درندوں میں سے نہیں ہے۔

اور وہ چتکبرا کوا جو گندگی کھانے والا ہے اس کو نہیں کھایا جائے گا اور اسی طرح غداف کو بھی نہیں کھایا جائے گا۔ امام صاحب علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ عقعق نامی کوے کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مکس کرنے والا ہے پس یہ مرغی کے مشابہ ہو جائے گا۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ عقعق مکروہ ہے کیونکہ اس کی عام غذا گندگی ہے۔

لومڑی اور بھیڑیا کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس لیے حاضر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زمین کے کچھ جانوروں کی بابت دریافت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لومڑی کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا لومڑی کون کھاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ بھیڑیئے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا جس میں بھلائی اور خیر ہو وہ بھلا لومڑی کھائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 116)

بجو کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت خزیمہ بن جزر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجو کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کون ہے جو بجو کھائے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 118)

کوے کو کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کون ہے جو کوا کھائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فاسق بتایا۔ بخدا! یہ پاکیزہ جانوروں میں سے نہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 129)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سانپ فاسق ہے اور بچھو فاسق ہے۔ چوہا فاسق ہے اور کوا فاسق ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت قاسم سے پوچھا گیا کہ کیا کوا کھایا جا سکتا ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کو فاسق فرمانے کے بعد کون ہے جو اسے کھائے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 130)

دانہ خور کوا کہ صرف دانہ کھتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غراب زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالباً سرخ، وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خور کوا جسے غراب ابقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا ہے اور موسم گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اس کے بولنے میں آواز عق عق پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اور اصح حل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں،

خشکی پر رہنے والے جانوروں کی حلت وحرمت کے قاعدہ

وہ تمام درندے جو نوک دار دانتوں سے شکار کرتے ہیں اور پھاڑ کر کھاتے ہیں وہ سب حرام ہیں اور اسی طرح وہ تمام پرندے جو ناخنوں سے شکار کرتے ہیں اور کھاتے ہیں وہ سب حرام ہیں۔

اس کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخنوں سے (شکار کرنے) والے پرندے کھانے سے منع فرمایا ہے۔
(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۴۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

گوہ، بجو، کچھوا وغیرہ حشرات الارض کی حرمت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَكْلُ الضَّبُعِ وَالضَّبِّ وَالسُّلَحْفَاةِ وَالزُّنْبُورِ وَالْحَشَرَاتِ كُلِّهَا) أَمَّا الضَّبُعُ فَلِمَا ذَكَرْنَا ، وَأَمَّا الضَّبُّ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حِينَ سَأَلَتْهُ عَنْ أَكْلِهِ .وَهِيَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي إبَاحَتِهِ ، وَالزُّنْبُورُ مِنْ الْمُؤْذِيَاتِ . وَالسُّلَحْفَاةُ مِنْ خَبَائِثِ الْحَشَرَاتِ وَلِهَذَا لَا يَجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِقَتْلِهِ شَيْءٌ ، وَإِنَّمَا تُكْرَهُ الْحَشَرَاتُ كُلُّهَا اسْتِدْلَالًا بِالضَّبِّ لِأَنَّهُ مِنْهَا .

ترجمہ

فرمایا کہ بجو، گوہ، کچھوا، بھڑ اور زمین پر چلنے والے سارے کیڑے مکوڑوں کا کھانا مکروہ ہے۔ اور جو بجو ہے یہ اسی دلیل کے سبب مکروہ ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور گوہ اس لئے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس سے منع کیا تھا۔ جب انہوں نے اس کو کھانے کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور یہ حدیث اباحت میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے۔ اور بھڑ یہ تکلیف پہنچانے والے جانوروں میں سے ہے۔ اور کچھوا یہ حشرات الارض والے خبیث مکوڑوں میں سے ہے اسی دلیل کے سبب اس کو مارنے کی وجہ سے محرم پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اور تمام حشرات الارض کو گوہ پر قیاس کرتے ہوئے مکروہ کہا گیا ہے کیونکہ گوہ انہی میں سے ہے۔

گوہ کھانے کو پسند نہ کرنے کا بیان

حضرت ثابت بن یزید انصاری فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے بہت سی گوہ پکڑ کر بھونیں اور کھانے لگے۔ میں نے بھی ایک گوہ پکڑی اور بھون کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شاخ لی اور اس سے اپنی انگلیوں پر شمار کرنے لگے۔ پھر فرمایا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی صورتیں مسخ کی گئیں اور

زمین کے جانوروں کی صورتیں ان کو دی گئیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ یہی ہو۔ میں نے عرض کیا لوگوں نے تو بھون بھون کر خوب کھائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ خود کھائی نہ منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 119)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ خالد بن ولید نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھنی ہوئی گوہ پیش کی گئی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ گوہ کا گوشت ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ہاتھ اٹھالیا تو حضرت خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا گوہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں احرام تو نہیں لیکن ہمارے علاقہ میں ہوتی نہیں اس لیے مجھے پسند نہیں تو حضرت خالد نے ہاتھ گوہ کی طرف بڑھایا اور گوہ کھائی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 122)

پالتو گدھوں اور خچروں کو کھانے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ أَكْلُ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَالْبِغَالِ) لِمَا رَوَى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُحُومِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ " (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَهْدَرَ الْمُتْعَةَ وَحَرَّمَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ) قَالَ (وَيُكْرَهُ لَحْمُ الْفَرَسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ .
وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ : لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ لِحَدِيثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ (نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ يَوْمَ خَيْبَرَ)

ترجمہ

اور پالتو گدھوں اور خچروں کو کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گھوڑے، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر کے دن متعہ کو باطل کر دیا اور پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے جبکہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی علیہم الرحمہ نے کہا ہے گھوڑے کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔

گھوڑوں، خچروں کا گوشت کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے، کہ گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو نہ کھائیں کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا "اور پیدا کیا ہم نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو سواری اور آرائش کے واسطے"، اور فرمایا باقی چوپاؤں کے حق میں "پیدا کیا ہم نے ان کو تاکہ تم ان پر سوار ہو اور ان کو کھاؤ" اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے "تاکہ لیں نام اللہ کا ان چوپاؤں پر جو دیا اللہ نے ان کو سو کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ فقیر اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 958)

گھوڑے کا گوشت کھانے میں دلیل اباحت کا بیان

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اس وقت ہم لوگ مدینہ میں تھے، پھر ہم لوگوں نے اس کو کھایا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 479)

اعلیٰ منافع کے سبب کھانے کی ممانعت کا بیان

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْله تَعَالَى (وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً) خَرَجَ مَخْرَجَ الِامْتِنَانِ وَالْأَكْلُ مِنْ أَعْلَى مَنَافِعِهَا ، وَالْحَكِيمُ لَا يَتْرُكُ الِامْتِنَانَ بِأَعْلَى النِّعَمِ وَيَمْتَنُّ بِأَدْنَاهَا ، وَلِأَنَّهُ آلَةُ إرْهَابِ الْعَدُوِّ فَيُكْرَهُ أَكْلُهُ احْتِرَامًا لَهُ وَلِهَذَا يُضْرَبُ لَهُ بِسَهْمٍ فِي الْغَنِيمَةِ ، وَلِأَنَّ فِي إبَاحَتِهِ تَقْلِيلَ آلَةِ الْجِهَادِ ، وَحَدِيثُ جَابِرٍ مُعَارَضٌ بِحَدِيثِ خَالِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَالتَّرْجِيحُ لِلْمُحَرِّمِ .ثُمَّ قِيلَ : الْكَرَاهَةُ عِنْدَهُ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ .وَقِيلَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهٍ .وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ .وَأَمَّا لَبَنُهُ فَقَدْ قِيلَ : لَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي شُرْبِهِ تَقْلِيلُ آلَةِ الْجِهَادِ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے "وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً" یہ حکم احسان کو جتلانے والے موقع پر بیان ہوا ہے جبکہ کھانا یہ اس کا سب سے اعلیٰ نفع ہے اور حاکم اعلیٰ نعمتوں کے احسان کو جتلانے کو ترک کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو ادنیٰ نعمت کو بھی ذکر کرتا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ گھوڑا یہ دشمن کو خوف زدہ کرنے کا ایک آلہ ہے پس اس کے محترم ہونے کے سبب اس کو کھانا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے۔ کہ مال غنیمت سے اس کا حصہ بنتا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس کو جائز قرار دینے کی صورت میں جہاد کے آلات میں کمی واقع ہو جائے گی۔ اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ یہ حدیث خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معارضہ کرنے والی ہے پس اس صورت محرم کو ترجیح دی جائے گی۔ (قاعدہ فقہیہ)

شرح

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ،وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ .(النحل،۸)

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے، اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں، (کنزالایمان)

گھوڑے کا گوشت کھانے کے اختلاف پر مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور نعمت بیان فرمارہا ہے کہ زینت کے لئے اور سواری کے لئے اس نے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کیے ہیں بڑا مقصد ان جانوروں کی پیدائش سے انسان کا ہی فائدہ ہے۔انہیں اور چوپایوں پر فضیلت دی اور علیحدہ ذکر کیا اس وجہ سے بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی دلیل اس آیت سے لی ہے۔

جیسے امام ابوحنیفہ اور ان کی موافقت کرنے والے فقہا کہتے ہیں کہ خچر اور گدھے کے ساتھ گھوڑے کا ذکر ہے اور پہلے کے دونوں جانور حرام ہیں اس لئے یہ بھی حرام ہوا۔ چنانچہ خچر اور گدھے کی حرمت احادیث میں آئی ہے اور اکثر علماء کا مذہب بھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان تینوں کی حرمت آئی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں چوپایوں کا ذکر کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہیں تو کھاتے ہو پس یہ تو ہوئے کھانے کے جانور اور ان تینوں کا بیان کرکے فرمایا کہ ان پر تم سواری کرتے ہو پس یہ ہوئے سواری کے جانور۔

مسند کی حدیث میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے خچروں کے اور گدھوں کے گوشت کو منع فرمایا ہے لیکن اس کے راویوں میں ایک راوی صالح ابن یحییٰ بن مقدام ہیں جن میں کلام ہے۔مسند کی اور حدیث میں مقدام بن معدی کرب سے منقول ہے کہ ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں تھے، میرے پاس میرے ساتھی گوشت لائے، مجھ سے ایک پتھر مانگا میں نے دیا۔انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں تھے لوگوں نے یہودیوں کے کھیتوں پر جلدی کردی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کردوں کہ نماز کے لئے آجائیں اور مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آئے پھر فرمایا کہ اے لوگو تم نے یہودیوں کے باغات میں گھسنے کی جلدی کی سنو معاہدہ کا مال بغیر حق کے حلال نہیں اور پالتو گدھوں کے اور گھوڑوں کے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک کچلیوں والا درندہ اور ہر ایک پنجے سے شکار کھیلنے والا پرندہ حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت یہود کے باغات سے شاید اس وقت تھی جب ان سے معاہدہ ہوگیا۔پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو بیشک گھوڑے کی حرمت کے بارے میں تو نص تھی لیکن اس میں بخاری ومسلم کی حدیث کے مقابلے کی قوت نہیں جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو منع فرمادیا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔

اور حدیث میں ہے کہ ہم نے خیبر والے دن گھوڑے اور خچر اور گدھے ذبح کئے تو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر اور گدھے کے گوشت سے تو منع کردیا لیکن گھوڑے کے گوشت سے نہیں روکا۔صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے مدینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ پس یہ سب سے بڑی سب سے قوی اور سب سے زیادہ ثبوت والی حدیث ہے اور یہی مذہب جمہور علماء کا ہے۔ مالک، شافعی، احمد، ان کے سب ساتھی اور اکثر سلف وخلف یہی کہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے گھوڑوں میں وحشت اور جنگلی پن تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے اسے مطیع کر دیا۔ وہب نے اسرائیلی روایتوں میں بیان کیا ہے کہ جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ان تینوں جانوروں پر سواری لینے کا جواز تو قرآن کے لفظوں سے ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر ہدیے میں دیا گیا تھا جس پر آپ سواری کرتے تھے ہاں یہ آپ نے منع فرمایا ہے کہ گھوڑوں کو گدھیوں سے ملایا جائے۔ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ نسل منقطع نہ ہو جائے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم گھوڑے اور گدھی کے ملاپ سے خچر لیں اور آپ اس پر سوار ہوں آپ نے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو علم سے کورے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر نحل ۸)

خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ) لِأَنَّ (النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَكَلَ مِنْهُ حِينَ أُهْدِيَ إلَيْهِ مَشْوِيًّا وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِالْأَكْلِ مِنْهُ) ، وَلِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ السِّبَاعِ وَلَا مِنْ أَكَلَةِ الْجِيَفِ فَأَشْبَهَ الظَّبْيَ

ترجمہ

فرمایا کہ خرگوش کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ کو بھنا ہوا خرگوش ہدیہ کیا گیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس سے کھانے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ خرگوش نہ تو درندوں میں سے ہے اور نہ ہی گندگی کھانے والے جانوروں میں سے ہے پس یہ ہرن کے مشابہ ہو جائے گا۔

خرگوش کو کھانے کی اباحت پر مؤید احادیث کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا، اس وقت ہم لوگ مر الظہران میں تھے، کچھ لوگ اس کے پیچھے دوڑے، لیکن تھک گئے، پھر میں نے اس کو پکڑا اور اس کو ابوطلحہ کے پاس لے کر آیا انہوں نے اس کو ذبح کیا اور اس کی دونوں رانیں یا اس کے دونوں کولہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول فرمالیا۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 503)

حضرت محمد بن صفوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرے، دو خرگوش لٹکائے ہوئے تو عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے یہ دو خرگوش پکڑے۔ مجھے لوہے کی کوئی چیز نہ ملی کہ ذبح کروں۔ تو میں نے سفید تیز

دھار پتھر سے ان کو ذبح کیا۔ کیا میں کھالوں؟ فرمایا کھالو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 125)

غیر ماکول جانوروں کی کھال کے پاک ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا ذُبِحَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ إلَّا الْآدَمِيَّ وَالْخِنْزِيرَ) فَإِنَّ الذَّكَاةَ لَا تَعْمَلُ فِيهِمَا ، أَمَّا الْآدَمِيُّ فَلِحُرْمَتِهِ وَكَرَامَتِهِ وَالْخِنْزِيرُ لِنَجَاسَتِهِ كَمَا فِي الدِّبَاغِ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : الذَّكَاةُ لَا تُؤَثِّرُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّهُ لَا يُؤَثِّرُ فِي إبَاحَةِ اللَّحْمِ أَصْلًا .وَفِي طَهَارَتِهِ وَطَهَارَةِ الْجِلْدِ تَبَعًا وَلَا تَبَعَ بِدُونِ الْأَصْلِ وَصَارَ كَذَبْحِ الْمَجُوسِيِّ .وَلَنَا أَنَّ الذَّكَاةَ مُؤَثِّرَةٌ فِي إزَالَةِ الرُّطُوبَاتِ وَالدِّمَاءِ السَّيَّالَةِ وَهِيَ النَّجِسَةُ دُونَ ذَاتِ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ ، فَإِذَا زَالَتْ طَهُرَ كَمَا فِي الدِّبَاغِ .وَهَذَا الْحُكْمُ مَقْصُودٌ فِي الْجِلْدِ كَالتَّنَاوُلِ فِي اللَّحْمِ وَفِعْلُ الْمَجُوسِيِّ إمَاتَةٌ فِي الشَّرْعِ فَلَا بُدَّ مِنْ الدِّبَاغِ ، وَكَمَا يَطْهُرُ لَحْمُهُ يَطْهُرُ شَحْمُهُ ، حَتَّى لَوْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ لَا يُفْسِدُهُ خِلَافًا لَهُ .وَهَلْ يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ فِي غَيْرِ الْأَكْلِ ؟ قِيلَ : لَا يَجُوزُ اعْتِبَارًا بِالْأَكْلِ .وَقِيلَ يَجُوزُ كَالزَّيْتِ إذَا خَالَطَهُ وَدَكُ الْمَيْتَةِ .وَالزَّيْتُ غَالِبٌ لَا يُؤْكَلُ وَيُنْتَفَعُ بِهِ فِي غَيْرِ الْأَكْلِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ایسے جانوروں کا ذبح کیا جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو انسان اور خنزیر کے سوا تمام مذبوحوں کی کھال اور ان کا گوشت پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ انسان اور خنزیر میں ذبح کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور انسان یہ اپنی مکرم ہونے کی وجہ سے ہے اور خنزیر اس طرح اپنے نجس ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس طرح دباغت والا مسئلہ ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ذبح ان سب میں اثر کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ ذبح کرنا یہ اصل اباحت گوشت میں بن کر آیا ہے۔ جبکہ گوشت اور کھال کی طہارت میں تابع بن کر آیا ہے اور اصل کے سوا تابع کا وجود نہیں ہوا کرتا پس یہ مجوس کے ذبیحہ کی طرح ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ذبح رطوبات اور خون کو ختم کرنے والی چیزوں میں مؤثر ہوتا ہے۔ اور یہی چیزیں نجس ہے جبکہ عین جلد اور گوشت نجس نہیں ہے۔ اور جب یہ رطوبات پاک ہو جائیں گی۔ تو وہ مذبوح پاک ہو جائے گا۔ جس طرح دباغت میں ہوتا ہے اور طہارت ہی چمڑے کے حکم میں مقصد ہے۔ جس طرح گوشت میں کھانا مقصد اصلی ہوتا ہے۔ اور شریعت میں مجوسی کا کام مار ڈالنا ہے پس دباغت لازم ہے۔ اور جس طرح مذبوح کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اسی طرح چربی بھی پاک ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ قلیل

پانی میں گر جائے تو وہ اس کو ناپاک نہ کرے گی۔ اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور اسی طرح کہ کیا نہ کھائے جانے والے کے مذبوح میں نفع اٹھانا جائز ہے اس میں ایک قول کے مطابق کھائے جانے والے پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے جائز ہے۔ جس طرح زیتون کے تیل میں جب چربی مکس ہو جائے۔ اور تیل غالب ہو تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ مگر نہ کھائے جانے والے میں اس سے نفع اٹھایا جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ذبح شرعی سے ان کا گوشت اور چربی اور چمڑا پاک ہو جاتا ہے مگر خنزیر کہ اس کا ہر جز نجس ہے اور آدمی اگر چہ طاہر ہے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ (درمختار، کتاب ذبائح)

ان جانوروں کی چربی وغیرہ کو اگر کھانے کے سوا خارجی طور پر استعمال کرنا چاہیں تو ذبح کر لیں کہ اس صورت میں اوس کے استعمال سے بدن یا کپڑا نجس نہیں ہوگا اور نجاست کے استعمال کی قباحت سے بھی بچنا ہوگا۔

دباغت کے بعد کھال کے پاک ہونے میں فقہی مذاہب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بکری مرگئی رسول اللہ نے اس کے مالکوں سے فرمایا تم اس کا چمڑا اتار کر دباغت کیوں نہیں دیتے تاکہ اس سے نفع حاصل کرو اس باب میں حضرت سلمہ بن محبق، میمونہ، اور عائشہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابن عباس حسن صحیح ہے اور ابن عباس سے کئی سندوں سے مرفوعا نقل ہیں۔ حضرت ابن عباس سے بواسطہ میمونہ اور سودہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے میں نے امام بخاری سے سنا وہ حضرت ابن عباس کی روایت بلا واسطہ اور بواسطہ حضرت میمونہ دونوں کو صحیح قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے بواسطہ میمونہ روایت کیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ بلا واسطہ روایت کیا ہو اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ سفیان ثوری ابن مبارک، شافعی، اور احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1797)

انسان اور خنزیر کے سوا دباغت سے ہر کھال کے پاک ہونے میں فقہی مذاہب

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چمڑے کو دباغت دی گئی وہ پاک ہو گیا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ مردار کا چمڑا دباغت دیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے چمڑے کے علاوہ ہر دباغت دیا ہوا چمڑا پاک ہے۔

بعض صحابہ اور دیگر اہل علم نے درندوں کے چمڑوں کو ناپسند کیا ہے اور انکے پہننے نیز ان میں نماز پڑھنے کے معاملے میں سختی برتی ہے۔ اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب ہے کہ وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے چمڑے دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں نضر بن شمیل نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اھاب سے مراد

ان جانوروں کے چمڑے ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ابن مبارک، احمد، اسحاق، اور حمیدی نے بھی درندوں کی کھالوں سے نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1798)

مچھلی کے سوا پانی کے جانوروں کی حرمت کا بیان

قَالَ (وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ إلَّا السَّمَكَ) وَقَالَ مَالِكٌ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِإِطْلَاقِ جَمِيعِ مَا فِي الْبَحْرِ .وَاسْتَثْنَى بَعْضُهُمْ الْخِنْزِيرَ وَالْكَلْبَ وَالْإِنْسَانَ .
وَعَنْ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ أَطْلَقَ ذَاكَ كُلَّهُ ، وَالْخِلَافُ فِي الْأَكْلِ وَالْبَيْعِ وَاحِدٌ لَهُمْ قَوْله تَعَالَى (أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْبَحْرِ (هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ) وَلِأَنَّهُ لَا دَمَ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ إذْ الدَّمَوِيُّ لَا يَسْكُنُ الْمَاءَ وَالْمُحَرَّمُ هُوَ الدَّمُ فَأَشْبَهَ السَّمَكَ .قُلْنَا : قَوْله تَعَالَى (وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمْ الْخَبَائِثَ) وَمَا سِوَى السَّمَكِ خَبِيثٌ .(وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ دَوَاءٍ يُتَّخَذُ فِيهِ الضُّفْدَعُ) ، وَنَهَى عَنْ بَيْعِ السَّرَطَانِ وَالصَّيْدُ الْمَذْكُورُ فِيمَا تَلَا مَحْمُولٌ عَلَى الِاصْطِيَادِ وَهُوَ مُبَاحٌ فِيمَا لَا يَحِلُّ ، وَالْمَيْتَةُ الْمَذْكُورَةُ فِيمَا رَوَى مَحْمُولَةٌ عَلَى السَّمَكِ وَهُوَ حَلَالٌ مُسْتَثْنًى مِنْ ذَلِكَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ ، أَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالسَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ)

ترجمہ

اور پانی کے جانوروں میں مچھلی کے سوا کچھ نہ کھایا جائے گا۔حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور اہل علم کی جماعت تو علی الاطلاق تمام جانوروں کی اباحت کی قائل ہے۔اور ان میں سے بعض لوگوں نے کتے، خنزیر اور انسان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے مطلق طور پر تمام دریاؤں جانوروں کو مباح قرار دیا ہے۔اور ان کو کھانے اور ان کو بیچنے میں ایک ہی اختلاف ہے۔ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔جو کسی تفصیل کے بغیر ہے۔اور دریا کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ ان چیزوں میں خون نہیں ہوتا۔کیونکہ خون والے جانور کیلئے پانی میں رہنا ممکن نہیں ہے۔اور خون ہی تو حرام ہے۔پس وہ مچھلی کے مشابہ ہو جائے گا۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ وہ تم پر خبائث کو حرام کرتا ہے۔اور مچھلی کے سوا تمام جانور خبیث ہیں۔اور نبی کریم ﷺ

نے ایسی دوائی سے منع کیا ہے جس میں مینڈک کو ڈالا گیا ہو۔ اور نبی کریم ﷺ نے گیلز سے کی خرید وفروخت سے منع کیا ہے۔ اور دوسرے فریق کی جانب سے تلاوت کردہ آیت میں جو ذکر کیا گیا ہے یہ شکار کرنے پر محمول ہے۔ جبکہ شکار حلال نہ ہونے والے جانوروں میں بھی جائز ہے۔ اور اس روایت میں ذکر کردہ مردار سے مراد کو مچھلی پر محمول کیا جائے گا اور مچھلی اس سے مستثنیٰ اور حلال ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ اور دو مرداروں سے مراد مچھلی اور ٹڈی ہے اور جو دو خون ہیں وہ کلیجی اور تلی ہے۔

شرح

حضرت ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ یا سات غزوات میں شریک ہوئے، ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے، اور ابوعوانہ اور اسرائیل نے بواسطہ ابویعفور بن ابی اوفی سے سات غزوات کا لفظ بیان کیا ہے۔
(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 463)

و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث .(اعراف، ۱۵۷)

اور وہ ان کیلئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں

اس آیت مبارکہ میں الطیبات سے یہ مراد لینا واجب ہے کہ جو چیزیں طبیعت کے نزدیک پاکیزہ اور لذیز ہیں وہ حلال ہیں اور نفع بخش چیزوں میں اصل حلت ہے لہذا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کے نزدیک پاکیزہ ہو، اور لذیز ہو، وہ حلال ہے مگر یہ کہ اس پر کوئی شرعی دلیل ہو، جس سے وہ حرام ہو۔ اور اسی طرح الخبائث سے مراد وہ چیز ہے جو نفس اور طبیعت کے نزدیک ناپسندیدہ و نقصان دہ ہو، وہ حرام ہے کیونکہ نقصان دہ اشیاء میں اصل حرمت ہے اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کتا خبیث ہے اور اسکی قیمت خبیث ہے اور جب وہ خبیث ہے تو پھر وہ حرام ہے۔
(ماخوذ من تفسیر الکبیر، ج ۵، ص ۸۲۔۳۸۱، مطبوعہ بیروت)

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے لئے دو مردار حلال کئے گئے ہیں مچھلی، ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۲۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام الائمہ فی الفقہ والحدیث امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں اور خبیث جانوروں کی حرمت نص سے ثابت ہے۔

مینڈک کو مارنے یا دوا میں مکس کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک حکیم (یعنی دوا و علاج کرنے والے) نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مینڈک کو دوا میں استعمال کرنے سے متعلق دریافت کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مارنے سے منع فرمایا۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 659)

دریائی جانوروں کو ذبح کے بغیر کھانے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کا ایسا کوئی جانور نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے ذبح نہ کر دیا ہو۔ (دار قطنی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 34)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دریائی جانوروں کو بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا حلال ہے، ان کو محض شکار کر لینا اور پانی میں سے زندہ نکال لینا ذبح کا حکم رکھتا ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام دریائی جانور حلال ہیں، خواہ وہ خود سے مر جائیں اور خواہ ان کا شکار کیا جائے۔ لیکن جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے وہ یوں نہیں ہے، بلکہ مچھلی کے حلال ہونے پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اور مچھلی کے علاوہ دوسرے جانوروں کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ دریائی جانوروں میں سے مچھلی کے علاوہ اور کوئی جانور حلال نہیں ہے اور وہ مچھلی بھی حلال نہیں ہے جو سردی گرمی کی آفت کے بغیر خود بخود مر کر پانی کے اوپر آ جائے اور الٹی تیرنے لگے۔ اور جو مچھلی سردی و گرمی کی آفت سے مر کر پانی کے اوپر آ جائے تو وہ حلال ہے۔

ذبیحہ سے متعلق چند مسائل کا بیان

جو جانور اور جو پرندے شکار کر کے کھاتے رہتے ہیں یا ان کی غذا صرف گندگی ہے، ان کا کھانا جائز نہیں ہے جیسے شیر، بھیڑیا، گیدڑ، بلی، کتا، بندر، شکرا، باز اور گدھ وغیرہ اور جو جانور اس طرح کے نہ ہوں جیسے طوطا، مینا، فاختہ، چڑیا، بیٹر، مرغابی، کبوتر، نیل گائے، ہرن، بطخ، اور خرگوش وغیرہ ان کا کھانا جائز ہے۔

بجو، گوہ، کچھوا، خچر اور گدھا، گدھی کا گوشت کھانا اور گدھی کا دودھ پینا جائز نہیں ہے، جو حلال جانور (بغیر ذبح کئے ہوئے) خود بخود مر جائے گا وہ مردار ہو گا اس کا کھانا حرام ہے۔

اگر کسی چیز میں چیونٹیاں گر کر مر جائیں تو ان چیونٹیوں کا نکالے بغیر اس چیز کو کھانا درست نہیں ہے، اگر قصداً ایک آدھ چیونٹی کو بھی حلق کے نیچے جانے دیا تو مردار کھانے کا گناہ ہو گا۔

مسلمان کا ذبح کرنا ہر حالت میں درست ہے چاہے عورت ذبح کرے اور چاہے مرد، اسی طرح خواہ پاک ہو یا ناپاک، ہر حال میں اس کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا حلال ہے۔ کافر یعنی مرتد، آتش پرست اور بت پرست وغیرہ کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا حرام ہے۔

اگر کوئی کافر گوشت بیچتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے مسلمان سے ذبح کرایا ہے تو اس سے گوشت خرید کر کھانا درست نہیں، البتہ جس وقت مسلمان نے ذبح کیا ہے اگر اسی وقت سے کوئی مسلمان اس گوشت کے پاس برابر بیٹھا رہا ہے، یا وہ جانے لگا تو کوئی دوسرا مسلمان اس کی جگہ بیٹھ گیا ہے، تب اس گوشت کا کھانا درست ہو گا۔

اگر کسی ایسے جانور کو ذبح کیا گیا جس کا کھانا حلال نہیں ہے تو اس کی کھال اور گوشت پاک ہو جاتے ہیں (کہ ان کو کھانے کے

علاوہ کسی اور استعمال میں لانا بلا کراہت درست ہوتا ہے) علاوہ آدمی اور سور کے کہ ان دونوں میں ذبح کرنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا، آدمی کی کھال کا ناپاک ہونا تو اس کی عزت و حرمت کی وجہ سے ہے اور سور کی کھال وغیرہ کا ناپاک ہونا اس کے نجس ہونے ہی کی وجہ سے ہے کہ وہ پاک کرنے سے بھی ہرگز پاک نہیں ہوسکتی۔

جو مرغی، گندی اور پلید چیزیں کھاتی پھرتی ہو، اس کو تین دن بند رکھ کر ذبح کرنا چاہئے، اس کو بغیر بند کئے ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔

جانور کو کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ اس میں جانور کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔اسی طرح ذبح کے بعد ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال کھینچنا، ہاتھ پاؤں توڑنا کاٹنا، اور ذبح میں جن چار رگوں کو کاٹنا چاہئے ان کے کٹ جانے کے بعد بھی گلا کاٹے جانا، یہ سب مکروہ ہے۔ٹڈی کو کھانا جائز ہے اور مچھلی کی طرح اس کو بھی ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جن کا نہیں کھایا جاتا، شکار دونوں کا کرنا جائز ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ شکار کا مقصد محض لہو ولعب اور تفریح طبع نہ ہو بلکہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی نیت ہو، جو جانور حلال ہیں ان کا گوشت کھانا ہی ان سے سب سے بڑا نفع حاصل کرنا ہے، ہاں جو جانور حلال نہیں ہیں انکا شکار اگر اس مقصد سے کیا جائے کہ ان کی کھال وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حاصل یہ کہ جانوروں کی جان کی بھی قدر کرنی چاہئے، ان کو خواہ مخواہ کے لئے مار ڈالنا اور بلا ضرورت و بلا مقصد کے ان کا شکار کرتے پھرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

ذبح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے تیز چھری ہاتھ میں لے کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے اس کے گلے کو کاٹا جائے، یہاں تک کہ چاروں رگیں کٹ جائیں۔

طافی مچھلی کی کراہت میں فقہی اختلاف کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَكْلُ الطَّافِي مِنْهُ) وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ مَيْتَةَ الْبَحْرِ مَوْصُوفَةٌ بِالْحِلِّ بِالْحَدِيثِ .وَلَنَا مَا رَوَى جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ .

النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ (مَا نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلُوا ، وَمَا لَفَظَهُ الْمَاءُ فَكُلُوا ، وَمَا طَفَا فَلَا تَأْكُلُوا) وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ مِثْلُ مَذْهَبِنَا ، وَمَيْتَةُ الْبَحْرِ مَا لَفَظَهُ الْبَحْرُ لِيَكُونَ مَوْتُهُ مُضَافًا إلَى الْبَحْرِ لَا مَا مَاتَ فِيهِ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ .

ترجمہ: فرمایا کہ طافی مچھلی (جو طبعی موت میں مر کر پانی کے اوپر آجائے) مکروہ ہے۔جبکہ امام مالک اور امام شافعی علیہ الرحمہ

نے کہا ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل ہماری بیان کردہ روایت کا مطلق ہونا ہے۔ کیونکہ دریا کا مردار حدیث کے سبب حلت کے متصف ہونے والا ہے۔

اس مسئلہ میں ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس مچھلی سے پانی خشک ہو جائے اس کو کھاؤ۔ اور جس کو دریا نے پھینک دیا ہے اس کو بھی کھاؤ۔ اور خود مر کر سطح پر آ جائے اس کو نہ کھاؤ۔

ہمارے مذہب کی تائید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ اور دریا کا مردار وہ ہے جس کو دریا نے پھینک دیا ہے۔ کہ اس کی موت دریا کی جانب منسوب کی جائے اور اس سے مراد وہ مردار نہیں ہے جو کسی مصیبت کے سبب دریا میں مر گیا ہے۔

شرح

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو دریا کنارہ پر ڈال دے یا پانی کم ہونے سے مر جائے وہ تم کھا سکتے ہو اور جو دریا میں مر کر اوپر تیرنے لگے (اور اس کا پیٹ اوپر کی طرف ہو یعنی طافی ہو) تو اسے مت کھاؤ۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 128)

مچھلی تر ہو یا خشک، مطلقا حلال ہے۔ سوائے طافی کے جو خود بخود بغیر کسی سبب ظاہر کے دریا میں مر کر اترا آتی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے: السمك يحل اكله الاماطفا منه ۔ مچھلی کھانا حلال ہے ماسوائے پانی پر تیر کر مرنے والے کے کیونکہ وہ طبعی موت میں مری ہوئی ہے۔

گھونسلے میں پائی جانے والی مچھلی کے کھانے میں مذاہب اربعہ

معراج الدرایہ میں ہے اگر پرندے کے گھونسلے میں مچھلی پائی جائے کھائی جائے، اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے کیونکہ پرندے کی بیٹھ کی طرح ہے، اور ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے اور ہم کہتے ہیں بیٹھ تب بنے گی جب متغیر ہو جائے گی، اور چھوٹی مچھلی جس کو بغیر چاک کئے بھون لیا جاتا ہے شافعی حضرات فرماتے ہیں حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی ائمہ حلال کہتے ہیں۔ (ردالمحتار کتاب الذبائح، داراحیاء التراث العربی بیروت)

جواہر الاخلاطی میں تصریح ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔ حیث قال السمك الصغار كلها مكروهة كراة التحريم هو الاصح ۔ جہاں کہیں کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں یہی صحیح ہے۔

(جواہر الاخلاطی، کتاب الذبائح)

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدا اور کنکھجے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے۔ اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے ماہی سقنقور، حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ریگ ماہی کہ قطعا حشرات الارض

اور اس سے ... علت رو یہاں ہیں کوئی نہیں معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں سے ... ہیں ان پر ہوا ... کی وضع وارد ہوئی، بہر حال ایسے ... سے بے ضرورت ... جاتی ہے۔

مچھلی کی تمام اقسام اور ٹڈی کو بغیر ذبح کھانے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْجِرِّيثِ وَالْمَارْمَاهِيِّ وَأَنْوَاعِ السَّمَكِ وَالْجَرَادِ بِلَا ذَكَاةٍ) وَقَالَ مَالِكٌ: لَا يَحِلُّ الْجَرَادُ إلَّا أَنْ يَقْطَعَ الْآخِذُ رَأْسَهُ أَوْ يَشْوِيَهُ لِأَنَّهُ صَيْدُ الْبَرِّ، وَلِهَذَا يَجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِقَتْلِهِ جَزَاءٌ يَلِيقُ بِهِ فَلَا يَحِلُّ إلَّا بِالْقَتْلِ كَمَا فِي سَائِرِهِ.

وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا. وَسُئِلَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ الْجَرَادِ يَأْخُذُهُ الرَّجُلُ مِنْ الْأَرْضِ وَفِيهَا الْمَيِّتُ وَغَيْرُهُ فَقَالَ: كُلْهُ كُلَّهُ.

وَهَذَا عُدَّ مِنْ فَصَاحَتِهِ، وَدَلَّ عَلَى إبَاحَتِهِ وَإِنْ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ، بِخِلَافِ السَّمَكِ إذَا مَاتَ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ لِأَنَّا خَصَصْنَاهُ بِالنَّصِّ الْوَارِدِ فِي الطَّافِي، ثُمَّ الْأَصْلُ فِي السَّمَكِ عِنْدَنَا أَنَّهُ إذَا مَاتَ بِآفَةٍ يَحِلُّ كَالْمَأْخُوذِ، وَإِذَا مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ لَا يَحِلُّ كَالطَّافِي، وَتَنْسَحِبُ عَلَيْهِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ بَيَّنَّاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى.

وَعِنْدَ التَّأَمُّلِ يَقِفُ الْمُبَرِّزُ عَلَيْهَا: مِنْهَا إذَا قَطَعَ بَعْضَهَا فَمَاتَ يَحِلُّ أَكْلُ مَا أُبِينَ وَمَا بَقِيَ، لِأَنَّ مَوْتَهُ بِآفَةٍ وَمَا أُبِينَ مِنْ الْحَيِّ وَإِنْ كَانَ مَيِّتًا فَمَيْتَتُهُ حَلَالٌ. وَفِي الْمَوْتِ بِالْحَرِّ وَالْبَرْدِ رِوَايَتَانِ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ

اور اسی طرح جریث، بام اور مچھلی کی تمام اقسام اور ٹڈی کو ذبح کیے بغیر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ٹڈی اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک اس کو پکڑنے والا شخص اس کا سر کاٹ کر نہ لائے۔ اور پھر اس کو بھون لے۔ کیونکہ ٹڈی خشکی کا جانور ہے۔ اسی دلیل کے سبب ٹڈی کو مارنے والے محرم پر اس کی مثل جزاء واجب ہو جاتی ہے۔ پس مارنے کے سوا ٹڈی حلال نہ ہوگی جس طرح خشکی کے تمام دوسرے جانوروں میں ہوتا ہے۔ اور ان کے خلاف ہماری جانب سے وہی روایت ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا کہ انسان زمین میں اس کو پکڑ لیتا ہے جس میں مردہ اور زندہ دونوں قسم کی ٹڈیاں ہوتی ہیں۔ تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سب کو کھاؤ۔ اور یہ کلام ان کی فصاحت میں سمجھا جاتا

ہے۔ اور ان کا یہ فرمان ٹڈی کے مباح ہونے پر دلیل ہے۔ خواہ وہ اپنی موت سے مرنے والی ہے۔ بہ خلاف مچھلی کے کہ جب وہ کسی مصیبت کے سوا مر جائے اسی لئے ہم نے طافی کے بارے میں مذکورہ نص کے سبب اس کو خاص کر دیا ہے۔

اور مچھلی کے بارے میں ہمارے نزدیک قانون یہ ہے کہ جو مچھلی کسی مصیبت کے سبب مر جائے تو وہ پکڑی ہوئی مچھلی کی طرح حلال ہے اور جو مچھلی کسی مصیبت کے بغیر خود بہ خود ہی مر جائے تو وہ طافی کی طرح حلال نہ ہوگی۔ (قاعدہ فقہیہ)

اسی قاعدہ کے مطابق کئی تفریعی مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ جو ہم نے کفایہ منتہی میں بیان کر دیئے ہیں۔ اور ضرورت کے پیش نظر کوئی قابل آدمی ان کو سمجھ لے گا۔ اور انہی تفریعات میں سے ایک یہ ہے کہ جب مچھلی کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے تو بقیہ اور کٹا ہوا حصہ دونوں کو کھانا حلال ہے۔ کیونکہ اس کی موت کی مصیبت کے سبب واقع ہوئی ہے۔ اور جس حصہ کو مچھلی سے الگ کر دیا جائے خواہ وہ مچھلی مر جائے تو بھی اس کا مردار حلال ہے جبکہ گرمی یا سردی کے سبب مرنے والی مچھلیوں کے بارے میں دو روایات ہیں۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ حق کو جاننے والا ہے۔

شرح

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ یہ دوسری مچھلی بھی نہ مار ماہی ہے۔ نہ مار ماہی جریث مار ماہی گول نہیں بلکہ لمبی بالکل سانپ کی شکل پر ہوتی ہے۔ عربی میں اسے جری بکسر وتشدید را، اور جری بالفتح اور جریت بتائے فوقانیہ بروزن جریث اور صلور وسلور اور انقلیس وانکلیس، بفتح ہمزہ ولام ہر دو انقلیس وانکلیس بکسر ہر دو اور فارسی میں مار ماہی اور ہندی میں بام کہتے ہیں، جاحظ نے کہا وہ پانی کا سانپ ہے یعنی صورۃ نہ کہ حقیقۃ، بعض نے کہا وہ سانپ اور مچھلی کے جوڑے سے پیدا ہے، قزوینی نے اسی پر جزم کا، اور صحیح یہ کہ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ وہ سانپ سے جدا ایک خاص نوع ماہی ہے۔ اہل فن نے ان اسمائے مذکورہ اعنی جری وصلور وانقلیس میں بہت اختلاف کیا۔ بہت نے انھیں مار ماہی کا غیر جانا، کسی نے کہا جری بے سنے کی مچھلی کو کہتے ہیں، کسی نے کہا ایک قسم ماہی ہے جس کے سر دم باریک اور پشت چوڑی ہوتی ہے۔ کسی نے کہا انکلیس چھوٹی مچھلی کی شکل پر ایک جانور ہے جس کی دم کے پاس مینڈک کے پاؤں کے مثل دو پاؤں ہوتے ہیں، اور ہاتھ نہیں ہوتے، بصرہ کی نہروں میں پایا جاتا ہے۔ بعض نے کہا بحرین کی مچھلی ہے۔ اس جانور کو شلق بالکسر یا شلق مثل کشف کہتے ہیں، کسی نے کہا شلق بھی انکلیس اور انکلیس جریث ہے، کسی نے کہا انکلیس مار ماہی اور صلور جریث ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ مار ماہی ایک معروف مشہور مچھلی مستطیل الخلقۃ مشابہ مار ہے نہ کہ مدور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کی خوراک میتہ ہے مگر کچھ بھون لی جاتی ہے اور جری کو یہودی نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں، اور آپ نے فرمایا جری جیم اور راء کے کسرہ اور دو مشدد یاء اور جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے، اور جریث آخر میں ثاء سے پہلے یاء ہے، اور یہ مچھلی سانپ کی طرح ہوتی ہے، اور بعض نے کہا کہ اس پر چھلکا نہیں ہوتا اور بعض نے بتایا کہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصید، قدیمی کتب خانہ کراچی)

"انکلیس" ہمزہ اور لام پر فتح اور کسرہ بھی یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے جس کی غذا ردی ہے اس ک نام جری اور مار ماہی ہے۔ زمخشری نے کہا کہ بعض نے شلق کہا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا یہ عام مچھلی کی طرح ہوتی ہے اور ضفدع (مینڈک) کے پاؤں کے طرح اس کی دم کے نیچے دو پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے، بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے۔ (حیاۃ الحیوان، باب الھمزۃ ، مصطفی البابی مصر)

قاموس وتاج میں ہے شلق کسرہ کے ساتھ یا کتف کے وزن پر ہے۔ یہ چھوٹی مچھلی ہے یا مچھلی کے مشابہ مخلوق ہے۔ اس کی دم کے نیچے مینڈک کے پاؤں کی طرح پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے بعض نے کہا کہ یہ بحری مچھلی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے۔ یا یہ انکلیس ہے جو مچھلی کی قسم ہے۔ اور اس کو جرّی کہتے ہیں اور جریث بھی، یہ ابن اعرابی سے منقول ہے۔ (القاموس المحیط فصل الشین)

جری کے متعلق عیاض نے کہا وہ مچھلی ہے جس پر چھلکا نہیں ہے۔ اور ابن تین نے کہا اس کو جریث بھی کہتے ہیں اور ازہری نے کہا جریث مچھلی قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو مار ماہی بھی کہتے ہیں اور سلور بھی، بعض نے کہا یہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، منیریہ بیروت)

جریث مچھلی کا سانپ کی مانند ہونے کا بیان

جریث یہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کی جمع جراثی ہے۔ اس کو جری بھی کہتے ہیں کسرہ اور شد کے ساتھ، وہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مار ماہی کہتے ہیں، اور ہمزہ کی بحث میں گزرا کہ یہ انکلیس ہیجاحظ نے کہا یہ جردان کھاتی ہے۔ اور یہ پانی کا سانپ ہے اس کا یہ حکم ہے کہ وہ حلال ہے۔ (حیاۃ الحیوان، باب الجیم الجریث، مصطفیٰ البابی مصر)

مگر فقہائے کرام جسے جریث کہتے ہیں وہ یقیناً مار ماہی کے سواء دوسری مچھلی ہے کہ متون وشروح وفتاوٰی میں تصریحا دونوں کا نام جدا جدا ذکر فرمایا۔ لاجرم مغرب میں کہا :ھو غیر المار ماھی (وہ مار ماہی کا غیر ہے۔ (المغرب)

علامہ ابن کمال باشا اصلاح وایضاح میں فرماتے ہیں کہ جریث مچھلی کی قسم ہے جو مار ماہی کا غیر ہے۔ یہ مغرب میں مذکور ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا کہ ان کے مچھلی ہونے میں خفا ہے۔ نیز ان کے حکم میں محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے اس کو صاحب مغرب نے بیان کیا ہے۔ (اصلاح وایضاح علامہ ابن کمال پاشا)

حاشیۃ الکمشری علی الانور میں ہے: الجریث نوع من السمك غیر مار ماھی۔ جریث مچھلی کی قسم ہے جو مار ماہی کا غیر ہے۔ (حاشیۃ الکمثری علی انوار الاعمال)

یہ ایک سیاہ رنگ گول مچھلی ڈھال کی مانند ہے اسے فارسی میں ماہی کول کہتے ہیں۔ درمختار میں ہے (جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔ (مار ماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف بھی ہے۔ (درمختار، کتاب الذبائح، بیروت)

﴿یہ کتاب قربانی کے بیان میں ہے﴾

کتاب اضحیہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ کتاب ذبائع کے بعد کتاب اضحیہ کو لائے ہیں کیونکہ ذبائع یہ عموی طور پر ذبح کرنا ہے جبکہ قربانی خاص ذبیحہ کو کہتے ہیں۔اور یہ اصول ہے کہ خاص عام کے بعد ہوتا ہے۔لہذا اسی فقہی مطابقت کے پیش نظر کتاب اضحیہ کو ذبائع کے بعد بیان کیا گیا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۴، ص ۱۷۳، بیروت)

اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف

اضحیہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے عیدالاضحیٰ کے دن ذبح کیا جاتا ہے۔اضحیہ کے شرعی معنی ہیں: مخصوص جانور کا مخصوص وقت میں عبادت کی نیت سے ذبح کرنا۔(تعریفات، ص ۸)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی واجب ہے اور اسی پر فتوی ہے،اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔(بدائع الصنائع، کتاب اضحیہ)

وجوب اضحیہ کے شرعی مأخذ کا بیان

حضرت مخنف بن سلیم سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع کے موقعہ پر) عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے اور عتیرہ ہے۔اور کیا تم کو معلوم ہے کہ عتیرہ کس کو کہتے ہیں؟ یہ وہی ہے جس کو لوگ رجبیہ کہتے ہیں۔(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1022)

قربانی کے وجوب وعدم وجوب میں مذاہب اربعہ

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ اس کی نظریں تمہارے مال پر ہیں بلکہ اس کی نگاہیں تمہارے دلوں پر اور تمہارے اعمال پر ہیں۔اور حدیث میں ہے کہ خیرات وصدقہ سائل کے ہاتھ میں پڑے اس سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔قربانی کے جانور کے خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے اس سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے۔اس کا مطلب یہی ہے کہ خون کا قطرہ الگ ہوتے ہی قربانی مقبول ہو جاتی ہے۔

عامر شعبی سے قربانی کی کھالوں کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا اللہ کو گوشت وخون نہیں پہنچتا اگر چاہو بیچ دو، اگر چاہو خود رکھ لو، اگر

چاہو اور اللہ دے دو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قبضے میں دیا ہے۔ کہ تم اللہ کے دین اور اس کی شریعت کی راہ پا کر اس کی مرضی کے کام کرو اور نامرضی کے کاموں سے رک جاؤ۔ اور اس کی عظمت و کبریائی بیان کرو۔ جو لوگ نیک کار ہیں، حدود اللہ کے پابند ہیں، شریعت کے عامل ہیں، رسولوں کی صداقت تسلیم کرتے ہیں وہ مستحق مبارکباد اور لائق خوشخبری ہیں۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، ثوری کا قول ہے کہ جس کے پاس نصاب زکوٰۃ جتنا مال ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ وہ اپنے گھر میں مقیم ہو۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جسے وسعت ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ اس روایت میں غرابت ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے منکر بتاتے ہیں۔ ابن عمر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دس سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ قربانی واجب و فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور کوئی فرضیت نہیں۔ یہ بھی روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام امت کی طرف سے قربانی کی پس وجوب ساقط ہو گیا۔

حضرت ابوشریحہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ یہ دونوں بزرگ قربانی نہیں کرتے تھے اس ڈر سے کہ لوگ ان کی اقتدا کریں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں قربانی سنت کفایہ ہے، جب کہ محلے میں سے یا گلی میں سے یا گھر میں سے کسی ایک نے کر لی باقی سب نے ایسا نہ کیا۔ اس لئے کہ مقصود صرف شعار کا ظاہر کرنا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں فرمایا ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی ہے اور عتیرہ ہے جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ وہی جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنے پورے گھر کی طرف سے ایک ہی راہ للہ ذبح کر دیا کرتے تھے اور خود بھی کھاتے، اوروں کو بھی کھلاتے۔ پھر لوگوں نے اس میں وہ کر لیا جو تم دیکھ رہے ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

قربانی کے دنوں میں وجوب قربانی کا بیان

قَالَ (الْأُضْحِيَّةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ مُوسِرٍ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى عَنْ نَفْسِهِ وَعَنْ وَلَدِهِ الصِّغَارِ) أَمَّا الْوُجُوبُ فَقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ .وَعَنْهُ أَنَّهَا سُنَّةٌ ، ذَكَرَهُ فِي الْجَوَامِعِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ .

وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَاجِبَةٌ ، وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ سُنَّةٌ

مُؤَكَّدَةٌ ، وَهَكَذَا ذَكَرَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ الِاخْتِلَافَ .

وَجْهُ السُّنَّةِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (مَنْ أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ مِنْكُمْ فَلَا يَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ شَيْئًا) وَالتَّعْلِيقُ بِالْإِرَادَةِ يُنَافِي الْوُجُوبَ ، وَلِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ وَاجِبَةً عَلَى الْمُقِيمِ لَوَجَبَتْ عَلَى الْمُسَافِرِ لِأَنَّهُمَا لَا يَخْتَلِفَانِ فِي الْوَظَائِفِ الْمَالِيَّةِ كَالزَّكَاةِ وَصَارَ كَالْعَتِيرَةِ .

وَوَجْهُ الْوُجُوبِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا) وَمِثْلُ هَذَا الْوَعِيدِ لَا يَلْحَقُ بِتَرْكِ غَيْرِ الْوَاجِبِ ، وَلِأَنَّهَا قُرْبَةٌ يُضَافُ إلَيْهَا وَقْتُهَا .

يُقَالُ يَوْمَ الْأَضْحَى ، وَذَلِكَ يُؤْذِنُ بِالْوُجُوبِ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ لِلِاخْتِصَاصِ وَهُوَ بِالْوُجُودِ ، وَالْوُجُوبُ هُوَ الْمُفْضِي إلَى الْوُجُودِ ظَاهِرًا بِالنَّظَرِ إلَى الْجِنْسِ ، غَيْرَ أَنَّ الْأَدَاءَ يَخْتَصُّ بِأَسْبَابٍ يَشُقُّ عَلَى الْمُسَافِرِ اسْتِحْضَارُهَا وَيَفُوتُ بِمُضِيِّ الْوَقْتِ فَلَا تَجِبُ عَلَيْهِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ ، وَالْمُرَادُ بِالْإِرَادَةِ فِيمَا رُوِيَ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ مَا هُوَ ضِدُّ السَّهْوِ لَا التَّخْيِيرُ .

ترجمہ

فرمایا کہ قربانی کرنا ہر آزاد مسلمان، مقیم اور مالدار پر قربانی کے دنوں میں اپنی اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے واجب ہے۔
اور وجوب کا یہ قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد، امام حسن، امام زفر علیہم الرحمہ اور دونوں روایات میں سے ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دوسری روایت جس کو انہوں نے جوامع میں بیان کیا ہے اس میں یہ ہے کہ قربانی سنت ہے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔

حضرت امام طحاوی حنفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قربانی کرنا واجب ہے۔ جبکہ صاحبین کے قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے اور بعض مشائخ فقہاء نے بھی اسی طرح کا اختلاف ذکر کیا ہے۔

قربانی کے سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص قربانی کرنا چاہے تو وہ اپنے بال اور ناخن میں کچھ بھی نہ کاٹے۔ اور قربانی کو ارادے کے ساتھ معلق کر دینا یہ وجوب کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر قربانی مقیم پر واجب ہوتی تو یہ مسافر پر بھی واجب ہوتی۔ کیونکہ مقیم و مسافر (وجوب) والی عبادت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوا کرتے۔ کیونکہ یہ

دونوں اضافات مالیہ میں مختلف ہونے والے نہیں ہیں۔ پس یہ زکوٰۃ، عشر وغیرہ کی طرح ہو جائے گا۔

اور قربانی کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ جبکہ اس طرح کی وعید واجب کے سوا نہیں کی بیان کی جاتی اور یہی دلیل ہے کہ قربانی ایک ایسی عبادت ہے جس کی جانب اس کا وقت مضاف ہوتا ہے اور اس کو یوم الاضحیٰ کہتے ہیں۔ اور یہ اضافت وجوب کی خبر دینے والی ہے کیونکہ اضافت کا مقصد خاص بنانا ہے۔ اور خاص ہونا یہ کسی وجود کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور مکلف حضرات کی جانب ظاہری جنس کے مطابق واجب ہونا ہی وجود تک پہنچانے والا ہے۔ اور جہاں تک اس کی ادائیگی کا تعلق ہے یہ ایسے ذرائع کے ساتھ خاص ہے کہ مسافر سے اس کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اور وقت کے گزر جانے کے سبب قربانی فوت ہو جاتی ہے۔ پس جمعہ کی طرح قربانی بھی مسافر پر واجب نہ ہوگی۔ اور جو روایت میں بیان کیا گیا ہے وہاں ارادے سے مراد سہو کی ضد ہے اختیار کی ضد مراد نہیں ہے۔

وجوب قربانی کی شرائط کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی واجب ہونے کے شرائط یہ ہیں۔ اسلام یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں،

اقامت یعنی مقیم ہونا، مسافر پر واجب نہیں،

تونگری یعنی مالک نصاب ہونا یہاں مالداری سے مراد وہی ہے جس سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے وہ مراد نہیں جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے،

حریت یعنی آزاد ہونا جو آزاد نہ ہو اوس پر قربانی واجب نہیں کہ غلام کے پاس مال ہی نہیں لہٰذا عبادت مالیہ اوس پر واجب نہیں۔ مرد ہونا اس کے لیے شرط نہیں۔ عورتوں پر واجب ہوتی ہے جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے اس کے لیے بلوغ شرط ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور نابالغ پر واجب ہے تو آیا خود اوس کے مال سے قربانی کی جائے گی یا اوس کا باپ اپنے مال سے قربانی کریگا۔ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نہ خود نابالغ پر واجب ہے اور نہ اوس کی طرف سے اوس کے باپ پر واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اور مسافر پر اگرچہ واجب نہیں مگر نفل کے طور پر کرے تو کر سکتا ہے ثواب پائے گا۔ حج کرنے والے جو مسافر ہوں اون پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے جیسے کہ مکہ کے رہنے والے حج کریں تو چونکہ یہ مسافر نہیں ان پر واجب ہوگی۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب اضحیہ، بیروت)

وجوب قربانی میں فقہی تصریحات کا بیان

خلاصہ یہ کہ اس پر قربانی کو واجب کرنے والی روایات کثیرہ متفق ہیں اور یہی متون اور شروح کے اطلاق کے موافق ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان جب اپنی رہائش لباس، ضروری سامان سے زائد مقدار نصاب کا مالک گھوڑے، ہتھیار اور غلام وغیرہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو تو قربانی واجب ہے، اور وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے۔

اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہ باعث احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، اگر تو اعتراض کرے کہ فقہاء کرام

نے قربانی کے معیار وجوب کو صدقہ فطر کے معیار وجوب کی طرف پھیرا ہے اور تنویر میں قربانی کو صدقہ واجبہ کی حرمت کے معیار پر لاگو کیا ہے جہاں انھوں نے کہا کہ صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہے جو اپنی اصل حاجت سے زائد نصاب والا ہو اگر چہ وہ نصاب نامی نہ ہو اور اسی نصاب سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہو جاتا ہے۔

اور درمختار میں مصارف زکوٰۃ کے باب میں کہا کہ زکوٰۃ غنی پر صرف نہ کی جائے غنی وہ ہے کہ اپنی اصلی حاجت سے فارغ قدر نصاب کا مالک ہو خواہ کوئی بھی مال ہو۔ اور ردالمحتار میں کہا کہ فتاوی میں مذکور ہے ایسے شخص کے متعلق جو دکانوں اور مکانوں کا مالک ہو جن کو کرایہ پر دیا ہو لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہیں کرتا تو وہ فقیر ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زکوٰۃ حلال ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال نہیں ہے۔ اور یونہی اگر انگور ہوں اور ان کی آمدن اسے کافی نہ ہو۔

قربانی کے واجب میں دلائل کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اضحیٰ کے دن عید منانے کا حکم ہوا ہے (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے عید قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میرے پاس محض عاریۃً ملی ہوئی اونٹنی یا بکری ہو تو کیا مجھ پر اس کی قربانی بھی واجب ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ تو صرف اپنے بال اور ناخن کترلے اور مونچھیں کم کرادے اور زیر ناف کے بال مونڈ لے۔ بس اللہ کے نزدیک یہی تیری قربانی ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1023)

حنفی مذہب میں قربانی ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو مقیم اور غنی ہو یعنی نصاب کا مالک ہو اگر چہ نصاب نامی نہ ہو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک قربانی سنت موکدہ ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی مشہور اور مختار قول یہی ہے۔

قربانی کے سنت ہونے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز پڑھیے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجئے (سورۃ الکوثر)

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۔ دَلَالَتُهَا عَلٰى وُجُوْبِ صَلٰوةِ الْعِيْدِ وَانْحَرِ الْبُدْنَ بَعْدَهَا ظَاهِرَةٌ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ ،

سے جس طرح نماز عید کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح وَانْحَرْ سے قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۔

ہم نے ہرامت کے لیے قربانی مقرر کردی تا کہ اللہ نے جو چوپائے انہیں دیے ہیں ان پر اللہ کا نام لیا کریں۔ (سورۃ الحج)

عَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا الْاَضَاحِيُّ؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ ۔ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ صحابہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانی کیا ہے؟ (یعنی قربانی کی حیثیت کیا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت (اور طریقہ) ہے۔ صحابہؓ نے کہا کہ ہمیں اس قربانی کے کرنے میں کیا ملے گا؟ فرمایا: ہربال کے بدلے میں ایک نیکی۔ صحابہ کرامؓ نے (پھر سوال کیا) یارسول اللہ ﷺ اون (کے بدلے میں کیا ملے گا؟) فرمایا اون کے ہربال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔ (سنن ابن ماجہ ص 266)

قربانی کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت؟ لیکن احادیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تک مدینہ منورہ رہے قربانی کرتے رہے اور دوسرے مسلمان بھی قربانی کرتے رہے کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے قربانی کے لئے وجوباً حکم دیا ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا: ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی دی اور مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے۔

سائل نے جواب ناکافی سمجھ کر (وجوب وغیرہ کا لفظ نہ دیکھ کر) دوبارہ وہی سوال کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ تم سمجھتے نہیں؟ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ حضور ﷺ نے بھی قربانی دی اور عام مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے۔ مقصد عبداللہ بن عمرؓ کا یہ تھا کہ کوئی حدیث ایسی نہیں، جس میں حکم دیا ہو۔ صرف آپ ﷺ کا عمل ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ قربانی دی۔

چنانچہ دوسری روایت میں فرماتے ہیں: اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ (ترمذی) کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور ہمیشہ قربانی دیتے رہے۔ امام ترمذی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قولِ اول نقل کرکے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الْاُضْحِيَّةَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَلٰكِنَّهَا سُنَّةٌ مِّنْ سُنَنِ النَّبِيِّ ﷺ

کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ قربانی واجب تو نہیں لیکن یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ عَلٰى كُلِّ اَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ اُضْحِيَّةً ،

(لوگو ہر گھر پر ہر سال میں ایک قربانی ہے۔ لیکن اس حدیث کے راویوں میں امر ابو رملہ مجہول راوی ہے اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ ہر گھر کی طرف سے ایک قربانی کافی ہوگی، نہ یہ کہ ہر شخص کی طرف سے ایک قربانی۔ اس کی تائید ابو

ایوب انصاریؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ عطا بن یسار نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے زمانہ میں قربانی کس طرح دی جاتی تھی؟ انہوں نے کہا کہ ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دیتا، وہ خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تا آنکہ لوگوں نے اس میں فخر وریا شروع کر دی یعنی کثرت سے قربانی دینے لگ گئے۔ یہی قول امام احمدؒ، اسحاق اور امام شافعیؒ کا ہے۔

امام شافعیؒ نے اس حدیث اِذَا دَخَلَتِ الْعَشْرُ فَاَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یُّضَحِّیَ سے بھی استدلال کیا ہے کہ قربانی واجب نہیں کیونکہ اس میں قربانی کو ارادے پر معلق کیا ہے اور وجوب ارادہ کے منافی ہوتا ہے۔

ابن ماجہ کی دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ مَنْ کَانَ لَہٗ سَعَۃٌ وَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا کہ جس کو گنجائش ہو اور پھر قربانی نہ دے وہ ہمارے عیدگاہ میں نہ آئے

عتیرہ کے منسوخ ہونے کا بیان

وَالْعَتِیْرَۃُ مَنْسُوْخَۃٌ، وَھِیَ شَاۃٌ تُقَامُ فِی رَجَبٍ عَلَی مَا قِیْلَ، وَاِنَّمَا اخْتَصَّ الْوُجُوْبُ بِالْحُرِّیَّۃِ لِاَنَّھَا وَظِیْفَۃٌ مَالِیَّۃٌ لَا تَتَأَدَّی اِلَّا بِالْمِلْکِ، وَالْمَالِکُ ھُوَ الْحُرُّ؛ وَبِالْاِسْلَامِ لِکَوْنِھَا قُرْبَۃً، وَبِالْاِقَامَۃِ لِمَا بَیَّنَّا، وَالْیَسَارِ لِمَا رَوَیْنَا مِنْ اشْتِرَاطِ السَّعَۃِ؛ وَمِقْدَارُہٗ مَا یَجِبُ بِہٖ صَدَقَۃُ الْفِطْرِ وَقَدْ مَرَّ فِی الصَّوْمِ، وَبِالْوَقْتِ وَھُوَ یَوْمُ الْاَضْحٰی لِاَنَّھَا مُخْتَصَّۃٌ بِہٖ، وَسَنُبَیِّنُ مِقْدَارَہٗ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی.

ترجمہ

اور عتیرہ منسوخ ہے اور عتیرہ اس بکری کو کہتے ہیں جو رجب کے مہینے میں ذبح کی جاتی تھی۔ اور قربانی میں آزادی کو خاص کرنا اس لئے ہے کہ قربانی ایک مالی عبادت ہے جو ملکیت کے بغیر ادا ہونے والی نہیں ہے۔ اور مالک آزاد ہوا کرتا ہے۔ اور اسلام کے ساتھ وجوب خاص ہے۔ کیونکہ قربانی ایک عبادت ہے اور یہ قائم ہونے کے ساتھ اسی دلیل کے سبب خاص ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اس کا وجوب مالدار ہونے کے ساتھ خاص ہے اسی حدیث کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ یعنی وسعت کا ہونا شرط ہے۔ اور مالدار ہونے کا نصاب وہی ہے جو صدقہ فطر میں ہے۔ اور کتاب صوم میں اس مسئلہ کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اور وجوب وقت کے ساتھ خاص ہے اور وہ یوم اضحیٰ ہے۔ کیونکہ قربانی اسی کے ساتھ خاص ہے اور ہم ان شاء اللہ وقت کی مقدار کو آئندہ بیان کر دیں گے۔

عتیرہ کا دور جاہلیت کی رسم ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" فرع اور عتیرہ (کی) اسلام میں

کوئی حقیقت نہیں۔" ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1450)

ایام جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ کسی کے ہاں جب جانور کے پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اسے بتوں کے نام پر ذبح کرتا تھا۔ ابتداء اسلام میں بھی یہ طریقہ جاری رہا کہ مسلمان اس بچہ کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیتے تھے مگر بعد میں اس طریقہ کو منسوخ قرار دے دیا گیا اور کفار کی مشابہت کے پیش نظر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

عتیرہ کسے فرماتے ہیں؟: نیز ایام جاہلیت میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ لوگ ماہ رجب کے پہلے عشرہ میں اپنے معبود کا تقرب حاصل کرنے کے ایک بکری ذبح کرتے تھے اسی کو عتیرہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی ایسا کرتے تھے مگر کافر تو اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور مسلمان اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے پھر بعد میں اسے بھی منسوخ قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اسی لیے تھی کہ وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بت پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے یہ ممانعت عام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں فرع ہے اور نہ عتیرہ۔ فرع۔ جانور کے پہلے بچے کو کہتے ہیں جسے کافر اپنے بتوں کے لئے ذبح کیا کرتے تھے اس باب میں نبیشہ اور مخنف بن سلیم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عتیرہ وہ جانور جسے رجب کے مہینے میں اس کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جاتا تھا کیونکہ یہ حرمت والے مہینوں میں سب سے پہلا مہینہ ہے۔

حرمت والے مہینے، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں۔ حج کے مہینے شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر حضرات حج کے مہینوں میں اسی طرح مروی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1565)

قربانی کے وجوب میں اپنے اعتبار سے اصل ہونے کا بیان

وَتَجِبُ عَنْ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ أَصْلٌ فِي الْوُجُوبِ عَلَيْهِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَعَنْ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ فَيَلْحَقُ بِهِ كَمَا فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ .وَهَذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَنْ وَلَدِهِ وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ ، بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ لِأَنَّ السَّبَبَ هُنَاكَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ وَهُمَا مَوْجُودَانِ فِي الصَّغِيرِ وَهَذِهِ قُرْبَةٌ مَحْضَةٌ .وَالْأَصْلُ فِي الْقُرَبِ أَنْ لَا تَجِبَ عَلَى الْغَيْرِ بِسَبَبِ الْغَيْرِ وَلِهَذَا لَا تَجِبُ عَنْ عَبْدِهِ وَإِنْ

كَانَ يَجِبُ عَنْهُ صَدَقَةُ فِطْرِهِ ،

ترجمہ

اور قربانی اپنی جانب سے واجب ہے کیونکہ اس کے وجوب میں انسان اپنے آپ میں اصل ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اپنے چھوٹے بچوں کی جانب سے بھی قربانی واجب ہے۔ کیونکہ بچہ انسان کی جان کے حکم میں ہے۔ پس وہ بھی انسان کے ساتھ لاحق ہونے والا ہے۔ جس طرح صدقہ فطر میں ہوتا ہے۔ اور حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ بچے کی جانب سے قربانی واجب نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایت میں بھی اسی طرح ہے۔ جبکہ صدقہ فطر میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ فطرانے میں وجوب ایسی ذات سے ہے جو اس کا نطفہ وولایت کا ذمہ دار ہو۔ اور یہ دونوں چیزیں چھوٹے بچے میں پائی جاتی ہیں۔ اور قربانی خاص قربت کا نام ہے اور قربات میں اصل یہ ہے کہ کسی دوسرے کی وجہ سے قربات واجب نہیں ہوا کرتیں اسی دلیل کے سبب اپنے غلام کی جانب سے قربانی واجب نہیں ہے۔ اگر چہ اس کی جانب سے فطرانہ واجب ہے۔

شرح

ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہوسکتی ہے، نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔ اگر اس کی نابالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہو تو وہ اپنی قربان جدا کرے، یونہی زکوۃ جس جس پر واجب ہے یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوۃ سب کی طرف سے نہیں ہوسکتی، جو چیز واجب شرعی نہیں مثلا صدقہ نفل ومیلاد مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا اگر چہ فرض ہو اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہئے پہنچا سکتا ہے۔

مال صغیر سے قربانی کرنے میں فقہی اختلاف کا بیان

وَإِنْ كَانَ لِلصَّغِيرِ مَالٌ يُضَحِّي عَنْهُ أَبُوهُ أَوْ وَصِيُّهُ مِنْ مَالِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ : يُضَحِّي مِنْ مَالِ نَفْسِهِ لَا مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ ، فَالْخِلَافُ فِي هَذَا كَالْخِلَافِ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ .

وَقِيلَ لَا تَجُوزُ التَّضْحِيَةُ مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ ، فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا ، لِأَنَّ هَذِهِ الْقُرْبَةَ تَتَأَدَّى بِالْإِرَاقَةِ وَالصَّدَقَةُ بَعْدَهَا تَطَوُّعٌ ، وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ أَنْ يَأْكُلَ كُلَّهُ .

وَالْاَصَحُّ اَنْ یُضَحِّیَ مِنْ مَالِهٖ وَیَاْکُلَ مِنْهُ مَا اَمْکَنَهٗ وَیَبْتَاعَ بِمَا بَقِیَ مَا یَنْتَفِعُ بِعَیْنِهٖ

ترجمہ

شیخین کے نزدیک جب چھوٹے بچے کا مال ہو تو اس کے مال میں سے اس کا باپ یا اس کا وصی اس کی جانب سے قربانی کرے۔

حضرت امام محمد، امام زفر اور امام شافعی علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ باپ اپنے مال سے اس کی جانب سے قربانی کرے۔ چھوٹے بچے کے مال سے نہ کرے۔ اور یہ اختلاف فطرانے والے اختلاف کی طرح ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ تمام فقہاء کے مطابق چھوٹے بچے کے مال سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قربت خون بہانے کے سبب ادا ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد صدقہ کرنا احسان ہے۔ پس یہ بچے کے مال سے درست نہ ہوگا اور بچے کیلئے گوشت کو کھانا بھی ممکن نہیں ہے۔ اور صحیح تر قول یہ ہے کہ چھوٹے کے مال سے قربانی کی جائے۔ اور جس قدر ممکن ہو وہ اس میں سے کھائے اور بقیہ سے کوئی چیز خرید لی جائے جس کے عین سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

بچے کے مال سے زکوٰۃ و قربانی کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان حنفی ملا علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کی یہ قید بیان کرنا کہ زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے اس سے مدبر، ام ولد اور مکاتب سے احتراز ہے۔ اور مکلف کی قید سے یہ بیان کیا ہے کہ بچے اور مجنون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت امام مالک و امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ ان دونوں پر زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ جس طرح ان پر بیوی پر نفقہ، فطرانہ اور عشر وغیرہ واجب ہیں اسی طرح زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا کہ تم میں جو یتیم کا ولی ہو تو اس میں صدقہ کھانے کیلئے جاری کرے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے صغیر کے مال سے وجوب سے قول بیان کیا ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے مؤطا میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میری خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولایت میں یتیم تھے تو وہ ہمارے مالوں سے زکوٰۃ نکالا کرتیں تھیں۔

فقہاء احناف کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے۔

ولنا ما روى أبو داود، والنّسائي، وابن ماجه، والحاكم وقال: على شرط مسلم، أَنَّ النبيّ صلى الله عليه وسلم قال: رُفِعَ القلمُ عن ثلاثة: عن النائمِ حتى يستيقظَ، وعن الصبيِّ حتى يَحْتَلِمَ، وعن المجنونِ حتى يَعْقِل.

اس سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ سونے والے جاگنے تک اور بچے کے بالغ ہونے تک اور مجنون کے عقل مند ہونے تک ان سے احکام شرعیہ کا تکلف اٹھالیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس یتیم کے مال کا ولی ہوتو اسے چاہیے کہ اس میں سالوں کا حصہ رکھے اور جب وہ بالغ ہوجائے تو وہ اس کو اطلاع کرے کہ اس پر اتنی مقدار میں زکوٰۃ ہے اگر وہ چاہے تو ادا کرے اور نہ چاہے تو ترک کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی استدلال کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ پہلے نمبر پر جو حدیث بیان ہوئی ہے حضرت امام احمد حنبل کے نزدیک اس کی سند صحیح نہیں ہے اور امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور دوسری دلیل میں انہوں نے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معارض ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اور ترجیح یافتہ قرار پائے گا کیونکہ زکوٰۃ کی شرائط میں نیت ضروری ہے اور بچے اور مجنون کی نیت ثابت نہ ہوگی۔ اور ولی کی نیت اس لئے معتبر نہ ہوگی کیونکہ عبادات واجبہ میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (قاعدہ فقہیہ)

(شرح الوقایہ، ج ا، ص ۳۶۰، مکتبہ مشکاۃ الاسلامیہ)

قربانی کے حصوں کا بیان

قَالَ (وَيَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً أَوْ يَذْبَحُ بَقَرَةً أَوْ بَدَنَةً عَنْ سَبْعَةٍ) وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَجُوزَ إلَّا عَنْ وَاحِدٍ ، لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ وَاحِدَةٌ وَهِيَ الْقُرْبَةُ ، إلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْأَثَرِ وَهُوَ مَا رُوِيَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ (نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ) .وَلَا نَصَّ فِي الشَّاةِ ، فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ .

وَتَجُوزُ عَنْ سِتَّةٍ أَوْ خَمْسَةٍ أَوْ ثَلَاثَةٍ ، ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْأَصْلِ ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ عَنْ السَّبْعَةِ فَعَمَّنْ دُونَهُمْ أَوْلَى ، وَلَا تَجُوزُ عَنْ ثَمَانِيَةٍ أَخْذًا بِالْقِيَاسِ فِيمَا لَا نَصَّ فِيهِ وَكَذَا إذَا كَانَ نَصِيبُ أَحَدِهِمْ أَقَلَّ مِنْ السُّبْعِ ، وَلَا تَجُوزُ عَنْ الْكُلِّ لِانْعِدَامِ وَصْفِ الْقُرْبَةِ فِي الْبَعْضِ ، وَسَنُبَيِّنُهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کی جانب سے ایک بکری ذبح کی جائے یا سات آدمیوں کی جانب سے ایک گائے یا ایک اونٹ کو

ذبح کیا جائے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اونٹ یا گائے بھی صرف ایک آدمی کی جانب سے ہو۔ یعنی خون بہانا قربت وہ ایک ہی ہے۔ لیکن حدیث کی وجہ سے ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربانی میں گائے اور اونٹ کو سات سات بندوں کی جانب سے قربان کیا۔ جبکہ بکری کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے۔ پس وہ اصل پر باقی رہ جائے گی۔

اور گائے یا اونٹ کو پانچ، چھ یا تین کی جانب سے قربان کرنا بھی جائز ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں اس کو ذکر کیا ہے کیونکہ جب گائے سات آدمیوں کی جانب سے جائز ہے تو اس سے کم میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوئی۔

اور گائے کی قربانی آٹھ آدمیوں کی جانب سے کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ غیر منصوص چیزوں میں قیاس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح جب سات شریکوں میں سے کسی ایک کا حصہ ساتویں سے کم ہو تو بعض میں قربت کا وصف نہ ہونے کی وجہ سے کسی کی جانب سے بھی قربانی نہ ہوگی اور ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کردیں گے۔

شرح

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حدیبیہ والے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سات آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ نحر کیا اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربان کی۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1043)

گائے واونٹ میں سات آدمیوں کی شرکت پر مذاہب فقہاء

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی تو گائے اور اونٹ دونوں میں سات سات آدمی شریک ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اسحاق کا بھی یہی قول ہے اسحاق فرماتے ہیں۔ کہ اونٹ دس آدمیوں کے لئے بھی کافی ہے ان کی دلیل حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1555)

اگر اونٹ یا گائے کی قربانی ہو تو اس میں حصہ ڈالا جاسکتا ہے، لیکن اگر بکری اور بھیڑ یا دنبہ کی قربانی کی جائے تو پھر اس میں حصہ نہیں ڈالا جاسکتا، اور ایک گائے یا ایک اونٹ میں سات حصہ دار شریک ہوسکتے ہیں. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حج یا عمرہ کی ھدی میں ایک اونٹ یا گائے میں سات افراد کا شریک ہونا سے ثابت ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ": ہم نے حدیبیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اونٹ اور ایک گائے سات سات افراد کی جانب سے ذبح کی تھی۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (1318.)

اور ایک روایت میں ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ": ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

حج کیا اور ایک اونٹ اور ایک گائے سات افراد کی جانب سے ذبح کی۔ اور ابوداود کی روایت میں ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": گائے سات افراد کی جانب سے ہے، اور اونٹ سات افراد کی جانب سے۔ (سنن ابوداود حدیث نمبر (2808)

امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں رقمطراز ہیں۔ ان احادیث میں قربانی کے جانور میں حصہ ڈالنے کی دلیل پائی جاتی ہے، اور علماء اس پر متفق ہیں کہ بکرے میں حصہ ڈالنا جائز نہیں، اور ان احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک اونٹ سات افراد کی جانب سے کافی ہوگا، اور گائے بھی سات افراد کی جانب سے، اور ہر ایک سات بکریوں کے قائم مقام ہے، حتی کہ اگر محرم شخص پر شکار کے فدیہ کے علاوہ سات دم ہوں تو وہ ایک گائے یا اونٹ نحر کر دے تو سب سے کفائت کر جائیگا۔

امام مالک کے نزدیک ایک بکری کا گھر والوں کی جانب سے قربان کرنے کا بیان

وَقَالَ مَالِكٌ : تَجُوزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَاحِدٍ وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ ، وَلَا تَجُوزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتَيْنِ وَإِنْ كَانُوا أَقَلَّ مِنْهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحَاةٌ وَعَتِيرَةٌ) قُلْنَا : الْمُرَادُ مِنْهُ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ قَيِّمُ أَهْلِ الْبَيْتِ لِأَنَّ الْيَسَارَ لَهُ يُؤَيِّدُهُ مَا يُرْوَى " (عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحَاةٌ وَعَتِيرَةٌ) وَلَوْ كَانَتْ الْبَدَنَةُ بَيْنَ اثْنَيْنِ نِصْفَيْنِ تَجُوزُ فِي الْأَصَحِّ ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ جَازَ نِصْفُ السُّبُعِ تَبَعًا ، وَإِذَا جَازَ عَلَى الشَّرِكَةِ فَقِسْمَةُ اللَّحْمِ بِالْوَزْنِ لِأَنَّهُ مَوْزُونٌ ، وَلَوْ اقْتَسَمُوا جُزَافًا لَا يَجُوزُ إلَّا إذَا كَانَ مَعَهُ شَيْءٌ مِنْ الْأَكَارِعِ وَالْجِلْدِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ

ترجمہ

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ سارے گھر والوں کی جانب سے ایک بکری کو قربان کرنا جائز ہے۔ خواہ وہ گھر والے سات افراد سے بھی زیادہ ہوں جبکہ دو گھروں کی جانب سے جائز نہیں ہے۔ اگر چہ وہ سات سے تھوڑے ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی اور عتیرہ لازم ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں گھر والوں سے مراد گھر کا ناظم اعلیٰ ہے۔ کیونکہ مالدار ہونا اسی کیلئے ہوتا ہے۔ اور ہماری اس تاویل کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ ہر مسلمان پر ہر سال قربانی اور عتیرہ لازم ہے۔ اور جب ایک اونٹ دو آدمیوں کی جانب سے نصف مشترکہ ہو اور زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ درست ہے کیونکہ جب سات میں سے تین حصے جائز ہیں تو سات کا نصف بھی اسی کے تابع ہو کر جائز ہوگا۔ اور جب شرکت کے طور پر قربانی جائز ہوئی تو گوشت کی تقسیم وزن کے اعتبار سے ہوگی۔ کیونکہ اب گوشت موزون ہوگا۔ اور جب شریکوں نے اندازے کے ساتھ تقسیم کیا ہے تو ایسی تقسیم جائز نہ ہوگی۔ ہاں البتہ جب بیع پر قیاس

کرتے ہوئے گوشت کو وہ ساتھ پالے اور کھال سے بھی کچھ حصے میں آئے۔

ایک قربانی کا ایک فرد کی جانب سے ہونے میں فقہی مذاہب

حضرت عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوایوب سے پوچھا کہ رسول اللہ کے زمانے میں قربانیاں کیسے ہوا کرتی تھیں۔انہوں نے فرمایا کہ ایک آدمی اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کیا کرتا تھا۔وہ اس سے خود بھی کھاتے اور لوگوں کو بھی کھلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ فخر کرنے لگے اور اس طرح تم آج کل دیکھ رہے ہو۔(یعنی ایک گھر میں کئی قربانیاں کی جاتی ہیں)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔عمارہ بن عبداللہ مدنی ہیں۔مالک بن انس نے بھی ان سے روایت کی ہے۔بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے ان کی دلیل نبی اکرم کی وہی حدیث ہے کہ آپ نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا یہ میری امت میں سے ہر اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک بکری صرف ایک آدمی کے لئے کافی ہے۔حضرت عبداللہ بن مبارک اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1558)

اپنے لئے خریدے گئے اضحیہ میں دوسرے کو شریک بنانے کا بیان

قَالَ (وَلَوْ اشْتَرَى بَقَرَةً يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ بِهَا عَنْ نَفْسِهِ ثُمَّ اشْتَرَكَ فِيهَا سِتَّةٌ مَعَهُ جَازَ اسْتِحْسَانًا) وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِأَنَّهُ أَعَدَّهَا لِلْقُرْبَةِ فَيُمْنَعُ عَنْ بَيْعِهَا تَمَوُّلًا وَالِاشْتِرَاكُ هَذِهِ صِفَتُهُ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ قَدْ يَجِدُ بَقَرَةً سَمِينَةً يَشْتَرِيهَا وَلَا يَظْفَرُ بِالشُّرَكَاءِ وَقْتَ الْبَيْعِ ، وَإِنَّمَا يَطْلُبُهُمْ بَعْدَهُ فَكَانَتْ الْحَاجَةُ إلَيْهِ مَاسَّةً فَجَوَّزْنَاهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ ، وَقَدْ أَمْكَنَ لِأَنَّ بِالشِّرَاءِ لِلتَّضْحِيَةِ لَا يَمْتَنِعُ الْبَيْعُ ، وَالْأَحْسَنُ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ قَبْلَ الشِّرَاءِ لِيَكُونَ أَبْعَدَ عَنْ الْخِلَافِ ، وَعَنْ صُورَةِ الرُّجُوعِ فِي الْقُرْبَةِ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُكْرَهُ الِاشْتِرَاكُ بَعْدَ الشِّرَاءِ لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی جانب سے قربانی کرنے کیلئے گائے خریدی اور اس کے بعد میں اور چھ آدمیوں کو شریک بنالیا تو بطور استحسان ایسا جائز ہے۔جبکہ بطور قیاس ایسا جائز نہیں ہے۔اور امام زفر علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔کیونکہ پہلے خریدار نے اس جانور کو اپنی قربت کیلئے خریدا ہے۔پس مال لینے کے سبب سے اس کی بیع درست نہ ہوگی۔اور دوسروں کو شریک بنانے میں یہی

وصف پایا جا رہا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ انسان کبھی موٹی گائے سمجھ کر اس کو خرید لیتا ہے اور وہ خریداری کے وقت اس کا کامیاب نہیں ہو پاتا اور پھر وہ خریدنے کے بعد اس کو تلاش کرتا ہے پس اب کو شریک بنانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ پس اسی دلیل کے سبب حرج کو دور کرنے کیلئے ہم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قربانی کرنے کیلئے بیع ممتنع نہیں ہے۔ اور اس میں بہتر یہ ہے کہ وہ خریداری سے قبل ایسا کرے تاکہ وہ اختلاف قربت میں رجوع سے دور ہو جائے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جانور کو خریدنے کے بعد اس میں دوسروں کو شریک بنانا مکروہ ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب سات شخصوں نے قربانی کے لیے گائے خریدی تھی ان میں ایک کا انتقال ہو گیا اس کے ورثہ نے شرکا سے یہ کہہ دیا کہ تم اس گائے کو اپنی طرف سے اور اوس کی طرف سے قربانی کرو انھوں نے کرلی تو سب کی قربانیاں جائز ہیں اور اگر بغیر اجازت ورثہ ان شرکا نے کی تو کسی کی نہ ہوئی۔

گائے کے شرکا میں سے ایک کافر ہے یا ان میں ایک شخص کا مقصود قربانی نہیں ہے بلکہ گوشت حاصل کرنا ہے تو کسی کی قربانی نہ ہوئی بلکہ اگر شرکا میں سے کوئی غلام یا مدبر ہے جب بھی قربانی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ لوگ اگر قربانی کی نیت بھی کریں تو نیت صحیح نہیں۔

شرکا میں سے ایک کی نیت اس سال کی قربانی ہے اور باقیوں کی نیت سال گزشتہ کی قربانی ہے تو جس کی اس سال کی نیت ہے اوس کی قربانی صحیح ہے اور باقیوں کی نیت باطل کیونکہ سال گزشتہ کی قربانی اس سال نہیں ہو سکتی ان لوگوں کی یہ قربانی تطوع یعنی نفل ہوئی اور ان لوگوں پر لازم ہے کہ گوشت کو صدقہ کر دیں بلکہ ان کا ساتھی جس کی قربانی صحیح ہوئی ہے وہ بھی گوشت صدقہ کر دے۔

قربانی کے سب شرکا کی نیت قربت ہو اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی کا ارادہ گوشت نہ ہو اور یہ ضرور نہیں کہ وہ تقرب ایک ہی قسم کا ہو مثلاً سب قربانی ہی کرنا چاہتے ہیں بلکہ اگر مختلف قسم کے تقرب ہوں وہ تقرب سب پر واجب ہو یا کسی پر واجب ہو اور کسی پر واجب نہ ہو ہر صورت میں قربانی جائز ہے مثلاً دم احصار اور احرام میں شکار کرنے کی جزا اور سر منڈانے کی وجہ سے دم واجب ہوا ہو اور تمتع و قران کا دم کہ ان سب کے ساتھ قربانی کی شرکت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح قربانی اور عقیقہ کی بھی شرکت ہو سکتی ہے کہ عقیقہ بھی تقرب کی ایک صورت ہے۔ (درمختار، فتاوی شامی، کتاب اضحیہ، بیروت)

فقیر و مسافر پر قربانی واجب نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَيْسَ عَلَى الْفَقِيرِ وَالْمُسَافِرِ أُضْحِيَّةٌ) لِمَا بَيَّنَّا. وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانَا لَا يُضَحِّيَانِ إذَا كَانَا مُسَافِرَيْنِ، وَعَنْ عَلِيٍّ: وَلَيْسَ عَلَى الْمُسَافِرِ جُمُعَةٌ وَلَا أُضْحِيَّةٌ

ترجمہ

فرمایا کہ فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حالت سفر میں قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ مسافر پر جمعہ اور قربانی واجب نہیں ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں اگر مسافر نے قربانی کی یہ تطوع (نفل) ہے اور فقیر نے اگر نہ منت مانی ہو نہ قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہو اوس کا قربانی کرنا بھی تطوع ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسافر پر اگر چہ واجب نہیں مگر نفل کے طور پر کرے تو کر سکتا ہے ثواب پائے گا۔ حج کرنے والے جو مسافر ہوں اون پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے جیسے کہ مکہ کے رہنے والے حج کریں تو چونکہ یہ مسافر نہیں ان پر واجب ہوگی۔ (درمختار، فتاویٰ شامی، کتاب اضحیہ، بیروت)

اور شرائط کا پورے وقت میں پایا جانا ضروری نہیں بلکہ قربانی کے لیے جو وقت مقرر ہے اوس کے کسی حصہ میں شرائط کا پایا جانا وجوب کے لیے کافی ہے مثلاً ایک شخص ابتدائے وقت قربانی میں کافر تھا پھر مسلمان ہو گیا اور ابھی قربانی کا وقت باقی ہے اوس پر قربانی واجب ہے جبکہ دوسرے شرائط بھی پائے جائیں اسی طرح اگر غلام تھا اور آزاد ہو گیا اوس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ یوہیں اول وقت میں مسافر تھا اور اثنائے وقت میں مقیم ہو گیا اس پر بھی قربانی واجب ہوگئی یا فقیر تھا اور وقت کے اندر مالدار ہو گیا اس پر بھی قربانی واجب ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب اضحیہ، بیروت)

قربانی کے وقت کا بیان

قَالَ (وَوَقْتُ الْأُضْحِيَّةِ يَدْخُلُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ) ، إلَّا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَهْلِ الْأَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتَّى يُصَلِّيَ الْإِمَامُ الْعِيدَ ، فَأَمَّا أَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُونَ بَعْدَ الْفَجْرِ .

وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ ذَبَحَ شَاةً قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ ذَبِيحَتَهُ ؛ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ الصَّلَاةُ ثُمَّ الْأُضْحِيَّةُ) غَيْرُ أَنَّ هَذَا الشَّرْطَ فِي حَقِّ مَنْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَهُوَ الْمِصْرِيُّ دُونَ أَهْلِ السَّوَادِ ، لِأَنَّ التَّأْخِيرَ لِاحْتِمَالِ التَّشَاغُلِ بِهِ عَنْ الصَّلَاةِ ، وَلَا مَعْنَى لِلتَّأْخِيرِ فِي حَقِّ الْقَرَوِيِّ وَلَا صَلَاةَ عَلَيْهِ ، وَمَا رَوَيْنَاهُ حُجَّةٌ

عَلَى مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ فِي نَفْيِهِمَا الْجَوَازَ بَعْدَ الصَّلَاةِ قَبْلَ نَحْرِ الْإِمَامِ ، ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ مَكَانُ الْأُضْحِيَّةِ ، حَتَّى لَوْ كَانَتْ فِي السَّوَادِ وَالْمُضَحِّي فِي الْمِصْرِ يَجُوزُ كَمَا انْشَقَّ الْفَجْرُ ، وَلَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ لَا يَجُوزُ إلَّا بَعْدَ الصَّلَاةِ .وَحِيلَةُ الْمِصْرِيِّ إذَا أَرَادَ التَّعْجِيلَ أَنْ يَبْعَثَ بِهَا إلَى خَارِجِ الْمِصْرِ فَيُضَحِّيَ بِهَا كَمَا طَلَعَ الْفَجْرُ .

ترجمہ

فرمایا کہ قربانی کا وقت قربانی کے دن طلوع فجر سے داخل ہوتا ہے۔لیکن شہر والوں کیلئے امام کے نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔جبکہ گاؤں والے فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں۔اور اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ جس بندے نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا وہ دوبارہ ذبیحہ کرے۔اور جس شخص نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی مکمل ہو چکی ہے۔اور اس نے مسلمانوں والا طریقہ اختیار کیا ہے۔اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس دن ہماری پہلی عبادت نماز ہے اور اس کے بعد قربانی ہے۔

اور یہ شرط اس بندے کے حق میں ہے جس پر عید کی نماز لازم ہے اور وہ اہل شہر والوں سے ہو۔پس یہ اہل دیہات والوں کیلئے یہ شرط نہ ہوگی۔کیونکہ ذبح میں تاخیر کا کرنا یہ نماز میں مصروف ہونے کے سبب سے ہے۔جبکہ دیہاتیوں کے حق میں تاخیر کا کوئی معنی نہیں بنتا۔کیونکہ اس پر عید کی نماز واجب نہیں ہے۔اور ہم نے جو حدیث بیان کی ہے جس میں امام کی نماز کے بعد کا حکم بیان ہوا ہے یہ حدیث امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے خلاف دلیل ہے۔

اس کے بعد قربانی کے بارے میں جگہ کا اعتبار کیا جائے گا۔حتیٰ کہ جب قربانی دیہات میں ہے اور قربانی کرنے والا شہر میں موجود ہے تو اس کیلئے فجر کے پھٹتے ہی قربانی کرنا جائز ہے۔اور جب اس کے برعکس ہے تو جائز نہیں ہے۔اور جب شہری کو کوئی جلدی ہے تو اس کیلئے ذریعہ یہ ہے کہ وہ قربانی کو شہر سے باہر بھیج دے تو طلوع فجر کے فوری بعد اس کی قربانی کر سکے گا۔

یوم نحر میں قربانی کرنے کی فضیلت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن، دو راتیں اور ان دنوں کو ایام نحر کہتے ہیں اور گیارہ سے تیرہ تک تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں لہٰذا بیچ کے دو دن ایام نحر وایام تشریق دونوں ہیں اور پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ صرف یوم النحر ہے اور پچھلا دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ صرف یوم التشریق ہے۔(درمختار، فتاویٰ شامی، کتاب اضحیہ، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ پہلا دن یعنی دسویں تاریخ سب میں افضل ہے پھر گیارہویں اور پچھلا دن یعنی

بارہویں سب میں کم درجہ ہے اور اگر تاریخوں میں شک ہوئی تیس کا چاند مانا گیا ہے اور انتیس کے ہونے کا بھی شبہ ہے مثلاً گمان تھا کہ انتیس کا چاند ہوگا مگر ابر وغیرہ کی وجہ سے نہ دکھایا شہادتیں گزریں مگر کسی وجہ سے قبول نہ ہوئیں ایسی حالت میں دسویں کے متعلق یہ شبہ ہے کہ شاید آج گیارہویں ہو تو بہتر یہ ہے کہ قربانی کو بارہویں تک مؤخر نہ کرے یعنی بارہویں سے پہلے کر ڈالے کیونکہ بارہویں کے متعلق تیرہویں تاریخ ہونے کا شبہ ہوگا تو یہ شبہ ہوگا کہ وقت سے بعد میں ہوئی اور اس صورت میں اگر بارہویں کو قربانی کی جس کے متعلق تیرہویں ہونے کا شبہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ سارا گوشت صدقہ کرڈالے بلکہ ذبح کی ہوئی بکری اور زندہ بکری میں قیمت کا تفاوت ہو کہ زندہ کی قیمت کچھ زائد ہو تو اس زیادتی کو بھی صدقہ کردے۔ (عالم گیری، کتاب اضحیہ، بیروت)

ایام نحر میں قربانی کرنا اتنی قیمت کے صدقہ کرنے سے افضل ہے کیونکہ قربانی واجب ہے یا سنت اور صدقہ کرنا تطوع محض ہے لہٰذا قربانی افضل ہوئی اور وجوب کی صورت میں بغیر قربانی کیے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے اگر شہر میں کرے یعنی نماز پڑھنے کے بعد اگرچہ خطبہ سے قبل ہو، لیکن خطبہ کے بعد مستحب ہے اور اگر عید کی نماز نہ پڑھیں تو نماز کا وقت گزر جانے کے بعد، اور دوسرے اور تیسرے اور تیسرے روز نماز سے قبل کیونکہ دوسرے روز عید کی نماز قضاء ہوگی نہ کہ ادا ہوگی۔

اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد، قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں، تو شہری کے لئے جلدی قربانی کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے باہر لے جائے تو فجر طلوع ہونے کے بعد قربانی کرے۔

اور وہ شہر سے باہر اتنی دور لے جائے جہاں سے مسافر کیلئے قصر شروع ہوتی ہے۔ قہستانی اور اس کے باب صلوٰۃ المسافر میں ہے کہ قصر جائز ہوگی بشرطیکہ وہ اپنے شہر کے توابع سے نکل جائے شہر کے توابع کی مثال ڈیرے وغیرہ اور وہ شہر کے اردگرد کے مکانات ہیں، اور شہر سے متعلق رہائش گاہیں شہر کے حکم میں ہیں، اور یوں وہ دیہات جو شہر کے باڑوں سے متصل ہوں صحیح قول میں شہر کے حکم میں ہیں بخلاف باغات کے اگرچہ وہ عمارت سے متصل ہوں کیونکہ آبادی میں شمار نہیں۔ (امداد الفتاوی)

لیکن فناء شہر وہ ہے جو شہری سہولیات کے لئیے بنائی گئی ہو جیسا کہ جانوروں کے باڑے اور مردے دفن کرنے اور کوڑا وغیرہ ڈالنے کی جگہ اور اگر شہر سے متصل ہوں تو ان سے گزر جانا معتبر ہوگا اور اگر شہر سے فاصلہ پر تیر اندازی یا زراعت تک ہو تو وہاں سے گزر جانا ضروری نہیں ہے۔ (درمختار، کتاب الاضحیہ، بیروت)

قربانی کے وقت کا بیان

حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (یعنی بقرعید کے دن) ہمارے سامنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ "اس دن سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم (عیدالاضحیٰ کی) نماز پڑھیں پھر گھر واپس جائیں اور قربانی کریں، لہٰذا جس آدمی نے اس طرح عمل کیا (کہ قربانی سے پہلے نماز و خطبے سے فراغت حاصل کرلی) اس نے ہماری سنت کو

اختیار کیا اور جس آدمی نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں ہے بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی ذبح کر لیا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1408)

مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے قربانی کر لینے سے قربانی کا ثواب نہیں ملتا بلکہ اس کا شمار اس گوشت میں ہو جاتا ہے جو عام طور پر گھر والے کھاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مشروع یہ ہے کہ پہلے عید قربان کی نماز پڑھی جائے اس کے بعد خطبہ پڑھا جائے اور سنا جائے پھر قربانی کی جائے چونکہ حدیث بالا میں قربانی کا وقت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لیے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید قرباں کے دن طلوع فجر سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ البتہ طلوع فجر کے بعد قربانی کا وقت شروع ہونے کے سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جب آفتاب بقدر نیزہ بلند ہو جائے اور اس کے بعد کم از کم دو رکعت نماز اور دو مختصر خطبے کی بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے اس کے بعد قربانی کرنا جائز ہے خواہ بقرعید کی نماز ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس وقت سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے خواہ قربانی کرنے والا شہر میں رہتا ہو یا دیہات کا رہنا والا ہو، نیز امام شافعی کے نزدیک قربانی کا وقت تیرہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی کا وقت شہر والوں کے لیے عید قربان کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور دیہات والوں کے لیے طلوع فجر کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں قربانی کا آخری وقت بارہویں تاریخ کے آخر تک رہتا ہے۔

قربانی واجب ہے یا سنت: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں قربانی واجب نہیں بلکہ سنت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اگرچہ نصاب نامی نہ ہو۔

وقت سے پہلے قربانی کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس آدمی نے (قربانی کا جانور) نماز سے پہلے ذبح کیا تو گویا اس نے اپنے (محض کھانے کے) واسطے ذبح کیا (اس لئے اسے قربانی کا ثواب حاصل نہیں ہوا) جس آدمی نے نماز کے بعد ذبح کیا تو بلاشبہ اس کی قربانی ادا ہو گئی اور (اس طرح) اس نے مسلمانوں کے طریقے کو اپنایا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1410)

جمہور علماء کا مسلک یہی ہے مگر تعجب ہے کہ اتنی واضح اور صحیح احادیث کے باوجود حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ معلوم کیوں جمہور علماء کے مسلک کے خلاف یہ کہا کہ قربانی کا وقت شروع ہو جانے کی بعد قربانی کر لینی جائز ہے۔ خواہ نماز ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو جیسا کہ ابھی پیچھے ان کا مسلک نقل کیا گیا ہے۔

نماز عید کے بعد قربانی کرنے کا بیان

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میرے خالو حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز سے پہلے قربانی کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو گوشت کی بکری ہوئی حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک چھ ماہ کی بکری کا بچہ ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قربانی کر اور تیرے علاوہ یہ کسی کے لئے کافی نہیں پھر فرمایا جس آدمی نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کرلی تو گویا اس نے اپنے نفس کے لئے ذبح کی اور جس نے نماز کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو اپنالیا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 572)

قربانی کا زکوٰۃ کے مشابہ ہونے کا بیان

وهذا، لِأَنَّهَا تُشْبِهُ الزَّكَاةَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا تَسْقُطُ بِهَلَاكِ الْمَالِ قَبْلَ مُضِيِّ أَيَّامِ النَّحْرِ كَالزَّكَاةِ بِهَلَاكِ النِّصَابِ فَيُعْتَبَرُ فِي الصَّرْفِ مَكَانُ الْمَحَلِّ لَا مَكَانُ الْفَاعِلِ اعْتِبَارًا بِهَا ، بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ لِأَنَّهَا لَا تَسْقُطُ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَمَا طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ وَلَوْ ضَحَّى بَعْدَمَا صَلَّى أَهْلُ الْمَسْجِدِ وَلَمْ يُصَلِّ أَهْلُ الْجَبَّانَةِ أَجْزَأَهُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهَا صَلَاةٌ مُعْتَبَرَةٌ ، حَتَّى لَوْ اكْتَفَوْا بِهَا أَجْزَأَتْهُمْ وَكَذَا عَلَى عَكْسِهِ .وَقِيلَ هُوَ جَائِزٌ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا

ترجمہ

قربانی کا زکوٰۃ کے مشابہ ہونا اس دلیل کے سبب سے ہے کہ قربانی کے ایام گزر جانے سے پہلے مال ہلاک ہونے کی حالت میں قربانی ساقط ہوجاتی ہے۔ جس طرح نصاب ہلاک ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے۔ پس زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے ادائے وجوب کیلئے مقام ذبح کا اعتبار کیا جائے گا۔ جبکہ فاعل کا اعتبار نہ ہوگا۔ جبکہ صدقہ فطر میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عید الفطر کے دن طلوع فجر کے ہلاک ہونے کی صورت میں ساقط نہ ہوگا۔ اور مسجد والوں میں سے کسی شخص نے نماز پڑھنے کے بعد قربانی کی حالانکہ عیدگاہ والوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تو بطور استحسان اس کی قربانی کافی ہوجائے گی۔ کیونکہ وہاں مسجد کی نماز کا اعتبار کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب سب لوگوں نے اسی کو کافی سمجھ کر قربانی کردیں تو وہ نماز ان کی قربانیوں کیلئے کافی ہوگی۔ اور اس کے عکس کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ استحسان اور قیاس دونوں حالتوں میں جائز ہے۔

شرح

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی کا فقیر پر دین تھا اس نے فقیر کو قرض سے بری کردیا تو اس سے زکوٰۃ

ساقط ہو جائے گی خواہ اس سے زکوٰۃ کی اس نے نیت کی ہو یا نہ، اس لیے کہ یہ ہلاک ہونیوالے مال کی طرح ہے اور اگر بعض ساقط کیا تو سابقہ دلیل کی بناپر بعض سے ساقط ہو جائیگی لیکن باقی سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگر چہ باقی سے ادائیگی کی نیت کی ہو کیونکہ جو ساقط ہے مال نہیں اور جو باقی ہے اس کا مال ہونا ممکن ہے تو باقی ساقط سے بہتر ٹھہرا لہٰذا اس سے سقوط نہیں ہوگا۔

(تبیین الحقائق، کتاب الزکوٰۃ)

قربانی کے ایام تین ہونے کا بیان

قَالَ (وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي ثَلاثَةِ أَيَّامٍ : يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : ثَلاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ (أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا أَيَّامُ ذَبْحٍ) وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنَّهُمْ قَالُوا : أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلاثَةٌ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا وَقَدْ قَالُوهُ سَمَاعًا لِأَنَّ الرَّأْيَ لا يَهْتَدِي إلَى الْمَقَادِيرِ ، وَفِي الْأَخْبَارِ تَعَارُضٌ فَأَخَذْنَا بِالْمُتَيَقَّنِ وَهُوَ الْأَقَلُّ ، وَأَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا كَمَا قَالُوا وَلِأَنَّ فِيهِ مُسَارَعَةً إلَى أَدَاءِ الْقُرْبَةِ وَهُوَ الْأَصْلُ إلَّا لِمُعَارِضٍ .

ترجمہ

فرمایا کہ قربانی کرنا تین دنوں میں جائز ہے۔ اور وہ ایک یوم نحر ہے اور دو دن اس کے بعد کے ہیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یوم نحر کے بعد تین دن تک قربانی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ایام تشریق ایام ذبح ہیں۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ قربانی کے ایام تین ہیں۔ اور ان میں سے سب سے افضل دن پہلا ہے۔ اور انہوں نے یہ حکم نبی کریم ﷺ نے سن کر بیان کیا ہے۔ کیونکہ رائے سے مقداروں کو بیان نہیں کیا جاتا۔ اور جب احادیث میں تعارض ہوا تو ہم نے یقینی روایات کے مطابق حکم کو اپنایا ہے۔ اور وہ کم از کم ہے۔ اور ان تین دنوں میں افضل پہلا دن ہے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمادیا ہے۔ کیونکہ اسی میں ادائے قربت کی جانب کوشش ہے۔ اور اصل بھی یہی ہے۔ ہاں البتہ جب کوئی اس سے معارض ہو۔

شرح

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرمایا کرتے تھے: قربانی کے دن تین ہیں اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔

(کنز العمال، حدیث نمبر 12676)

مذکورہ حدیث پاک کی بناء پر فقہاء احناف نے فرمایا ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں 10، 11، 12 ذی الحجہ قربانی کا وقت 10 ذی الحجہ نماز عید الاضحیٰ کے بعد سے 12 ذی الحجہ کی غروب آفتاب تک ہے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے۔ (ذبح حیوان مخصوص بنیۃ القربۃ فی وقت مخصوص۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، ج 5، ص 219)

قربانی کے لئے چاردنوں میں بحث کا بیان

قربانی کے آخری وقت کے متعلق بہت سا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک عید کا روز اور تین روز اس کے بعد یعنی چار دن۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے ایک قول میں قربانی کے تین دن ہیں۔ بعض کے نزدیک صرف ایک دن اور بعض کے نزدیک عید کے دن سے آخر مہینہ ذوالحجہ تک۔

ان چاروں اقوال میں سے تیسرا قول تو صریح آیت لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ کے خلاف ہے اور کوئی آیت اس مضمون کی نہیں ہے کہ صرف عید کا دن قربانی کا دن ہے یا یہ کہ قربانی کا دن ایک ہی ہے چوتھا قول بھی صحیح ہے کیونکہ کوئی مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ہے۔ مراسیل ابی داود میں ایک مرسل روایت ہے لیکن مرسل روایت محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ مرفوع احادیث کے خلاف ہو۔ حافظ صاحب فتح الباری ابوامامہ کی روایت امام احمد کے واسطے سے ذکر کرتے ہیں۔

كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَشْتَرِي أَحَدُهُمُ الْأُضْحِيَّةَ فَيُسَمِّنُهَا وَيَذْبَحُهَا فِي اٰخِرِ ذِي الْحَجَّةِ قَالَ أَحْمَدُ هٰذَا الْحَدِيثُ عَجِيبٌ

مسلمان قربانی کے جانور خرید لیتے اور اس کو خوب موٹا تازہ کرتے اور ذی الحجہ کے آخر میں اس کو ذبح کرتے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عجیب قسم کی ہے۔ بہرحال اس روایت سے بھی مرسل ابی داود کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ تو مرسل بھی نہیں ہے بلکہ یحییٰ بن سعید کا قول ہے۔

دوسرا قول صحیح حدیث کے مطابق ہے یعنی عید کے بعد تین دن اور قربانی کی جاسکتی ہے۔ یہی قول جمہور اہل علم کا ہے۔ حافظ صاحب فتح الباری میں فرماتے ہیں

وَحُجَّةُ الْجُمْهُوْرِ حَدِيثُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَفَعَهُ حَجَّاجٌ وَفِي كُلِّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ لٰكِنْ فِي سَنَدِهِ انْقِطَاعٌ وَوَصَلَهُ الدَّارَ قُطْنِي وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ (فتح الباری)

جمہور کی دلیل جبیر بن مطعم کی مرفوع حدیث ہے کہ تمام ایام تشریق میں ذبح ہوسکتا ہے۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ دار قطنی نے اس کو متصل بیان کیا ہے اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

بعض لوگ قصداً قربانی میں تاخیر کر کے تیرہ ذوالحجہ کو ذبح کرتے ہیں اور تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ دن بھی ایام قربانی میں شامل ہے اور اس دن لوگوں نے قربانی ترک کردی ہے لہٰذا ہم یہ عمل سنت متروکہ کے احیاء کی خاطر کرتے ہیں لیکن چوتھے دن قربانی

کر سنت سے ثابت ہی نہیں تو متبرکہ سنت کیسے ہوئی؟ کیونکہ ایام قربانی تین دن (10، 11، 12، ذوالحجہ) ہیں، تیرہ ذوالحجہ کا دن ایام قربانی میں شامل ہی نہیں۔

قربانی چار دن والی روایت کے منقطع ہونے کا بیان

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔ (مسند احمد) یہ روایت منقطع ہے۔

سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم کو نہیں پایا، امام بیہقی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: مرسل یعنی منقطع ہے۔ (السنن الکبریٰ)

امام ترمذی کی طرف منسوب کتاب العلل میں امام بخاری سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: سلیمان لم یدرك احدا من اصحاب النبی ﷺ

سلیمان نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو بھی نہیں پایا۔ (العلل الکبیر) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم کو پایا ہے۔

روایت نمبر: صحیح ابن حبان (الاحسان) والکامل لابن عدی والسنن الکبریٰ بیہقی، اور مسند البزار (کشف الاستار) وغیرہ میں سلیمان بن موسیٰ عن عبدالرحمٰن بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم کی سند سے مروی ہے کہ (و فی کل ایام التشریق ذبح) سارے ایام تشریق میں ذبح ہے۔ یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے: : حافظ البزار نے کہا ہے: عبدالرحمٰن ابن ابی حسین کی جبیر بن مطعم سے ملاقات نہیں ہوئی (البحر الزخار، نصب الرایہ والتمہید)

عبدالرحمٰن بن ابی حسین کی توثیق ابن حبان (الثقات) کے علاوہ کسی اور سے ثابت نہیں ہے لہذا یہ مجہول الحال ہے۔

روایت نمبر: طبرانی (المعجم الکبیر) بزار (البحر الزخار) بیہقی (السنن الکبریٰ) اور دارقطنی (السنن) وغیرہم نے سوید بن عبدالعزیز عن سعید بن عبد العزیز التنوخی عن سلیمان بن موسی عن نافع بن جبیر بن مطعم عن ابیہ کی سند سے مرفوعاً نقل کیا کہ) (ایام التشریق کلھا ذبح) تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔ اس روایت کا بنیادی راوی سوید بن عبدالعزیز ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب)

حافظ ہیثمی نے کہا: و ضعفه جمهور الائمة اور اسے جمہور اماموں نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد)

روایت نمبر: ایک روایت میں آیا ہے کہ عن سلیمان بن موسی ان عمرو بن دینار حدثه عن جبیر بن مطعم ان رسول الله ﷺ قال: کل ایام التشریق ذبح۔ (سنن دارقطنی ح، والسنن الکبریٰ بیہقی)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے: : اس کا راوی احمد بن عیسیٰ الخشاب مجروح ہے۔ (لسان المیزان)

عمرو بن دینار کی جبیر بن مطعم سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ (الموسوعۃ الحدیثیہ)

ایک روایت میں الولید بن مسلم عن حفص بن غیلان عن سلیمان بن موسی عن محمد بن المنکدر عن جبیر بن مطعم کی سند سے آیا ہے کہ عرفات موقف و ارفعوا عن عرنۃ و المزدلفۃ موقف وارفعوا عن محسر. (مسند الشامیین)

اس روایت کی سند میں ولید بن مسلم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس میں ایام تشریق میں ذبح کا بھی ذکر نہیں ہے۔

خلاصہ التحقیق: ایام تشریق میں ذبح والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔ لہٰذا اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے۔

قربانی کے تین دن ہونے میں آثار کا بیان

آثار صحابہ: روایت مسولہ کے ضعیف ہونے کے بعد آثار صحابہ کی تحقیق درج ذیل ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: الاضحی یومان بعد یوم الاضحی قربانی والے دن کے بعد (مزید) دو دن قربانی (ہوتی) ہے۔ (موطا امام مالک ج ص وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: النحر یومان بعد یوم النحر و افضلھا یوم النحر

قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن طحاوی رح، وسندہ حسن)

سیدنا انس بن مالکؓ نے فرمایا: الاضحی یومان بعدہ

قربانی والے (اول) دن کے بعد دو دن قربانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی رح، وھو صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: النحر ثلاثۃ ایام قربانی کے تین دن ہیں۔ (احکام القرآن للطحاوی رح، وھو حسن)۔

تنبیہ: احکام القرآن میں حماد بن سلمہ بن کھیل عن حجۃ عن علی ہے۔ جبکہ صحیح حماد بن سلمہ بن کھیل عن حجیۃ عن علی ہے جیسا کہ کتب اسماء الرجال سے ظاہر ہے اور حماد سے مراد حماد بن سلمہ ہے۔

ان کے مقابلے میں چند آثار درج ذیل ہیں۔

حسن بصری نے کہا: عید الاضحیٰ کے دن کے بعد تین دن قربانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی رح وسندہ صحیح)

عطا (بن ابی رباح) نے کہا: ایام تشریق کے آخر تک (قربانی ہے)۔ (احکام القرآن رح وسندہ حسن)

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: الاضحی یوم النحر و ثلاثۃ ایام بعدہ۔ قربانی عید کے دن اور اس کے بعد تین دن ہے۔ (السنن الکبریٰ بیہقی رح وسندہ حسن)

امام شافعی اور عام علماء اہل حدیث کا فتویٰ یہی ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔ بعض علماء اس سلسلے میں سیدنا جبیر بن مطعمؓ کی طرف منسوب روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔

ان سب آثار میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول راجح ہے کہ قربانی تین دن ہے، عید الاضحیٰ اور دو دن بعد۔ ابن حزم نے ابن ابی

مجاہد سے نقل ہوئے کہ یہ [illegible] سے فرمایا کہ قربانی تین دن ہیں (المحلی)

اس روایت کی سند [illegible] ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (مطبوع) میں یہ روایت نہیں ملی۔ واللہ اعلم

نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع کیا تھا، بعد میں [illegible]

[illegible] سے کہ قربانی تین [illegible] قول ہی راجح ہے۔

اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے صراحت سے اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے، اور آثار [illegible]

یعنی سیدنا علی اور جمہور صحابہ کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں (عید الاضحی اور دو دن بعد) ہماری تحقیق میں یہی راجح [illegible]

امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔

ایام قربانی کی راتوں میں جواز ذبح کا بیان

وَيَجُوزُ الذَّبْحُ فِي لَيَالِيهَا إلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِاحْتِمَالِ الْغَلَطِ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ ، وَأَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ ثَلَاثَةٌ ، وَالْكُلُّ يَمْضِي بِأَرْبَعَةٍ أَوَّلُهَا نَحْرٌ لَا غَيْرُ وَآخِرُهَا تَشْرِيقٌ لَا غَيْرُ ، وَالْمُتَوَسِّطَانِ نَحْرٌ وَتَشْرِيقٌ ، وَالتَّضْحِيَةُ فِيهَا أَفْضَلُ مِنْ التَّصَدُّقِ بِثَمَنِ الْأُضْحِيَّةِ لِأَنَّهَا تَقَعُ وَاجِبَةً أَوْ سُنَّةً ، وَالتَّصَدُّقُ تَطَوُّعٌ مَحْضٌ فَتَفْضُلُ عَلَيْهِ ، لِأَنَّهَا تَفُوتُ بِفَوَاتِ وَقْتِهَا ، وَالصَّدَقَةُ يُؤْتَى بِهَا فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا فَنَزَلَتْ مَنْزِلَةَ الطَّوَافِ وَالصَّلَاةِ فِي حَقِّ الْآفَاقِيِّ

ترجمہ

اور قربانی کے ایام ان کی راتوں کو ذبح کرنا جائز ہے ہاں البتہ رات کے اندھیرے کے سبب امکان غلطی کے سبب مکروہ ہے۔
اور قربانی کے دن تین ہیں۔ اور ایام تشریق بھی تین ہیں۔ اور ہر ایک چار سے گزرنے والا ہے۔ اور پہلا دن نحر کا ہے تشریق کا نہیں ہے۔ اور آخری دن تشریق ہے قربانی کا نہیں ہے۔ اور درمیان والے دو دن قربانی اور تشریق میں مشترکہ ہیں۔

اور قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا یہ قربانی کی قیمت کو صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ قربانی تو واجب یا سنت ہے جبکہ صدقہ محض نفل ہے۔ پس قربانی صدقہ سے افضل ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے ہے وقت کے فوت ہونے کی وجہ سے قربانی فوت ہو جاتی ہے۔ جبکہ صدقہ سارے اوقات میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ پس قربانی کو آفاقی کے حق میں نماز اور طواف کے حکم میں سمجھا جائے گا۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور دسویں کے بعد کی دونوں راتیں ایام نحر میں داخل ہیں ان میں بھی قربانی ہو سکتی ہے مگر رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری، کتاب اضحیہ، بیروت)

تفویت وقت کے سبب قربانی کوصدقہ کردینے کا بیان

(وَلَوْ لَمْ يُضَحِّ حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ النَّحْرِ إنْ كَانَ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ كَانَ فَقِيرًا وَقَدْ اشْتَرَى الْأُضْحِيَّةَ تَصَدَّقَ بِهَا حَيَّةً وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا تَصَدَّقَ بِقِيمَةِ شَاةٍ اشْتَرَى أَوْ لَمْ يَشْتَرِ) لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ عَلَى الْغَنِيِّ .

وَتَجِبُ عَلَى الْفَقِيرِ بِالشِّرَاءِ بِنِيَّةِ التَّضْحِيَةِ عِنْدَنَا ، فَإِذَا فَاتَ الْوَقْتُ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّصَدُّقُ إخْرَاجًا لَهُ عَنْ الْعُهْدَةِ ، كَالْجُمُعَةِ تُقْضَى بَعْدَ فَوَاتِهَا ظُهْرًا ، وَالصَّوْمِ بَعْدَ الْعَجْزِ فِدْيَةً

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے قربانی نہیں کی حتیٰ کہ قربانی کے دن گزر گئے ہیں اور اگر اس نے خود بہ خود اپنے اوپر قربانی کو لازم کیا تھا یا پھر وہ فقیر تھا اور اس نے قربانی کیلئے بکری کو خریدا تو وہ زندہ بکری کو صدقے میں دیدے۔ اور اگر وہ مالدار تھا اور اس نے قربانی نہیں کی تو وہ بکری کی قیمت کو صدقہ کر دے۔ اگر چہ اس نے بکری کو خریدا ہے یا نہیں خریدا۔ کیونکہ مالدار پر قربانی واجب ہے۔ اور ہمارے نزدیک قربانی کی نیت سے قربانی کا جانور خریدنے پر فقیر پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ لہذا جب وقت گزر چکا ہے تو اپنے آپ کو ذمہ داری سے دور نکالنے کیلئے صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔ جس طرح جمعہ کے فوت ہونے کی وجہ سے نماز ظہر کی قضاء کی جاتی ہے۔ اور اسی طرح عاجز ہونے کے بعد فدیہ دیتے ہوئے روزے کی قضاء دی جاتی ہے۔

ایام نحر کے بعد معین قربانی کا صدقہ کرنے کا بیان

ایام نحر گزر گئے اور جس پر قربانی واجب تھی اس نے نہیں کی ہے تو قربانی فوت ہوگئی اب نہیں ہوسکتی پھر اگر اس نے قربانی کا جانور معین کر رکھا ہے مثلاً معین جانور کے قربانی کی منت مان لی ہے وہ شخص غنی ہو یا فقیر بہرصورت اوسی معین جانور کو زندہ صدقہ کرے اور اگر ذبح کر ڈالا تو سارا گوشت صدقہ کرے اوس میں سے کچھ نہ کھائے اور اگر کچھ کھالیا ہے تو جتنا کھایا ہے اس کی قیمت صدقہ کرے اور اگر ذبح کیے ہوئے جانور کی قیمت زندہ جانور سے کچھ کم ہے تو جتنی کمی ہے اسے بھی صدقہ کرے اور فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہے اور قربانی کے دن نکل گئے چونکہ اس پر بھی اسی معین جانور کی قربانی واجب ہے لہٰذا اس جانور کو زندہ صدقہ کر دے اور اگر ذبح کر ڈالا تو وہی حکم ہے جو منت میں مذکور ہوا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے کہ قربانی ہی کے لیے خریدا ہو اور اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی جانور تھا اور اس نے اس کے قربانی کرنے کی نیت کر لی یا خریدنے کے بعد قربانی کی نیت کی تو اس پر قربانی واجب نہ ہوئی۔ اور غنی نے قربانی کے لیے جانور خرید لیا ہے تو وہی جانور صدقہ کر دے اور ذبح کر ڈالا تو وہی حکم ہے جو مذکور ہوا اور خریدا نہ ہو تو بکری کی

قیمت صدقہ کرے۔ (درمختار، کتاب اضحیہ، بیروت)

عیب زدہ جانوروں کی قربانی کے عدم جواز کا بیان

قَالَ : (وَلَا يُضَحِّي بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِي لَا تَمْشِي إلَى الْمَنْسِكِ وَلَا الْعَجْفَاءِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : (لَا تُجْزِءُ فِي الضَّحَايَا أَرْبَعَةٌ : الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ عَرَجُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا ، وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِي) قَالَ (وَلَا تُجْزِءُ مَقْطُوعَةُ الْأُذُنِ وَالذَّنَبِ) .

أَمَّا الْأُذُنُ فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (اسْتَشْرِفُوا الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ) أَيْ اُطْلُبُوا سَلَامَتَهُمَا .وَأَمَّا الذَّنَبُ فَلِأَنَّهُ عُضْوٌ كَامِلٌ مَقْصُودٌ فَصَارَ كَالْأُذُنِ .

ترجمہ

فرمایا کہ اندھی، کانی اور وہ قربانی کا جانور جو قربان گاہ تک چل کر نہ آسکے یعنی لنگڑا ہے اور بہت کمزور بکری ہے ان کی قربانی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق چار بکریاں ایسی ہیں جن کی قربانی جائز نہیں ہے۔

(۱) وہ اندھی بکری جس کا اندھا پن ظاہر ہو چکا ہے۔ (۲) وہ کانی بکری جس کی نظر کمزور ہو چکی ہے۔ (۳) وہ بیمار جس کی بیماری واضح ہو چکی ہے (۴) وہ کمزور جس میں گودا ہی نہ ہو۔

اور وہ بکری جس کا کان کٹا ہوا ہے یا دم کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی بھی کافی نہ ہوگی۔ اور کان کا مسئلہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کان اور آنکھ کو غور سے دیکھ لیا کرو۔ یعنی ان کی سلامتی کا اندازہ کر لیا کرو۔ جبکہ دم ایک کامل اور با مقصد عضو ہے پس یہ بھی کان کی طرح ہو جائے گا۔

شرح

حضرت عبید بن فیروز سے روایت ہے کہ میں نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا کہ قربانی کے لیے کس طرح کا جانور درست نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا کہ چار طرح کے جانور درست نہیں ہیں۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ میری انگلیاں آپ کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں اور میری انگلیوں کی پوریں بھی آپ کی انگلیوں کی پوروں سے چھوٹی اور حقیر ہیں۔

آپ نے فرمایا قربانی کے لیے چار طرح کے جانور درست نہیں ہیں ایک وہ جس کا کانا پن یا بھینگا پن بالکل ظاہر ہو۔ دوسرے وہ جو دیکھنے سے ہی بیمار لگتا ہو اور تیسرا وہ جس کا لنگڑا پن بالکل ظاہر ہو چوتھا وہ بوڑھا اور کمزور جانور جس کی ہڈی میں گودا نہ ہو۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے تو جانور بھی برا لگتا ہے جس کی عمر کم ہو۔ آپ نے فرمایا جو تجھے برا لگے تو اس کو رہنے

ہے مگر کسی دوسرے کو اس سے منع نہ کر۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1036)

لنگڑے جانور کی قربانی کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گائے کی قربانی سات آدمیوں کے لئے راوی نے عرض کیا اگر وہ خریدنے کے بعد بچہ جنے فرمایا اس کو بھی ساتھ ذبح کرو۔ میں نے عرض کیا لنگڑی گائے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا اگر قربانی گاہ تک پہنچ جائے (تو جائز ہے) میں نے عرض کیا اگر اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ ہمیں حکم دیا گیا یا فرمایا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم کانوں اور آنکھوں کو اچھی طرح دیکھ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سفیان ثوری اسے سلمہ کہیل سے نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1556)

کان اور دم کے اکثر حصے کے کٹ جانے کا بیان

قَالَ (وَلَا الَّتِي ذَهَبَ أَكْثَرُ أُذُنِهَا وَذَنَبِهَا ، وَإِنْ بَقِيَ أَكْثَرُ الْأُذُنِ وَالذَّنَبِ جَازَ) لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ بَقَاءً وَذَهَابًا وَلِأَنَّ الْعَيْبَ الْيَسِيرَ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَجُعِلَ عَفْوًا ، وَاخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي مِقْدَارِ الْأَكْثَرِ .

فَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ عَنْهُ : وَإِنْ قُطِعَ مِنْ الذَّنَبِ أَوْ الْأُذُنِ أَوْ الْعَيْنِ أَوْ الْأَلْيَةِ الثُّلُثُ أَوْ أَقَلُّ أَجْزَأَهُ ، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ لَمْ يُجْزِهِ لِأَنَّ الثُّلُثَ تَنْفُذُ فِيهِ الْوَصِيَّةُ مِنْ غَيْرِ رِضَا الْوَرَثَةِ فَاعْتُبِرَ قَلِيلًا ، وَفِيمَا زَادَ لَا تَنْفُذُ إلَّا بِرِضَاهُمْ فَاعْتُبِرَ كَثِيرًا ، وَيُرْوَى عَنْهُ الرُّبُعُ لِأَنَّهُ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الصَّلَاةِ ، وَيُرْوَى الثُّلُثُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ الْوَصِيَّةِ " (الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : إذَا بَقِيَ الْأَكْثَرُ مِنْ النِّصْفِ أَجْزَأَهُ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ عَلَى مَا تَقَدَّمَ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ اخْتِيَارُ الْفَقِيهِ أَبِي اللَّيْثِ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : أَخْبَرْت بِقَوْلِي أَبَا حَنِيفَةَ ، فَقَالَ قَوْلِي هُوَ قَوْلُك .قِيلَ هُوَ رُجُوعٌ مِنْهُ إلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ ، وَقِيلَ مَعْنَاهُ قَوْلِي قَرِيبٌ مِنْ قَوْلِك .وَفِي كَوْنِ النِّصْفِ مَانِعًا رِوَايَتَانِ عَنْهُمَا كَمَا فِي انْكِشَافِ الْعُضْوِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ،

ترجمہ

فرمایا کہ ایسی بکری کافی نہ ہوگی جس کے کان اور دم کا اکثر حصہ کٹ چکا ہے۔ اور اگر کان اور دم کا اکثر حصہ موجود ہے تو جائز

ہے۔ کیونکہ باقی رہنے اور نہ رہنے میں اکثر کل کے قائم مقام ہوا کرتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور یہ بھی دلیل ہے کہ معمولی عیب سے محفوظ رہنا آسان ہے پس اس کو معاف قرار دیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اکثر سے متعلق مختلف روایات ہیں۔ لہذا جامع صغیر میں نقل کیا گیا ہے کہ جب دم ، کان ، آنکھ یا سرین کا تہائی یا اس سے تھوڑا حصہ کٹ گیا ہے تو جائز ہے۔ اور جب اس سے زیادہ کٹ چکا ہے تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ تہائی میں وصیت وارثوں کی رضا مندی کے سوا بھی نافذ ہو جاتی ہے۔ پس اس کو قلیل سمجھ لیا جائے گا۔ جبکہ تہائی سے زیادہ میں ورثاء کی مرضی کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوا کرتی۔ پس اس کو کثیر سمجھ لیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے چوتھائی کا قول بھی نقل کیا گیا ہے۔ کیونکہ چوتھائی مال کی حکایت کو بیان کرتا ہے جس طرح نماز میں اس کا حکم بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے وصیت کے بارے میں فرمایا کہ تہائی میں وصیت کرو بھی زیادہ ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ جب نصف سے زیادہ باقی ہے تو حقیقت پر قیاس کرتے ہوئے کافی ہو جائے گا۔ جس طرح نماز کے بارے میں بیان گزر چکا ہے۔

فقیہ ابولیث سمرقندی علیہ الرحمہ کا اختیار کردہ قول یہ ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا قول بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارا قول ہی میرا قول ہے۔ اور فقہاء کہتے ہیں کہ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول کی جانب رجوع ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے میرا قول تمہارے قول کے قریب ہے۔ اور نصف کے مانع ہونے میں صاحبین سے دو روایات ہیں۔ جس طرح عضو کھل جانے سے متعلق امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دو روایات ہیں۔

شرح

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ لیں تاکہ کوئی نقص نہ ہو اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں۔ جس کے کان آگے یا پیچھے سے کٹے ہوئے ہوں یا پھٹے ہوئے ہوں یا ان میں سوراخ ہو۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1549)

آنکھ کے عیب کو پہچاننے کا بیان

ثُمَّ مَعْرِفَةُ الْمِقْدَارِ فِي غَيْرِ الْعَيْنِ مُتَيَسِّرٌ ، وَفِي الْعَيْنِ قَالُوا : تُشَدُّ الْعَيْنُ الْمَعِيبَةُ بَعْدَ أَنْ لَا تَعْتَلِفَ الشَّاةُ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ يُقَرَّبُ الْعَلَفُ إلَيْهَا قَلِيلًا قَلِيلًا ، فَإِذَا رَأَتْهُ مِنْ مَوْضِعٍ أُعْلِمَ عَلَى ذَلِكَ الْمَكَانِ ثُمَّ تُشَدُّ عَيْنُهَا الصَّحِيحَةُ وَقُرِّبَ إلَيْهَا الْعَلَفُ قَلِيلًا قَلِيلًا حَتَّى إذَا رَأَتْهُ مِنْ مَكَانٍ أُعْلِمَ عَلَيْهِ .

ثُمَّ يُنْظَرُ إلَى تَفَاوُتِ مَا بَيْنَهُمَا ، فَإِنْ كَانَ ثُلُثًا فَالذَّاهِبُ الثُّلُثُ ، وَإِنْ كَانَ نِصْفًا فَالنِّصْفُ

ترجمہ

اور آنکھ کے سوا دوسری چیزوں میں مقدار کو پہچاننا آسان ہے اور آنکھ کے بارے میں فقہاء نے کہا ہے کہ بکری کا ایک یا دو دن تک گھاس نہ کھانے کی صورت میں اس کی عیب والی آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے۔ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ گھاس اس کے قریب کی جائے۔ اس کے بعد جب بکری گھاس کو کسی جگہ سے دیکھ لے۔ تو اس جگہ نشان بنا دیا جائے اور اس کے بعد اس کی صحیح آنکھ باندھ دی جائے اور آہستہ آہستہ گھاس کو اس کے قریب کیا جائے۔ حتیٰ کہ جب بکری اس کو جس جگہ دیکھ لے تو جگہ پر بھی نشان بنا دیا جائے اور اس کے بعد ان دونوں کے درمیان فرق کو سمجھ لیا جائے پس اگر ان میں تہائی کا فرق ہے تو ختم ہونے والا حصہ تہائی ہے اور اگر نصف کا فرق ہے تو اب ختم ہونے والا حصہ بھی نصف ہوگا۔

اندھے جانور کی قربانی کے جائز نہ ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور بھینگے جانور کی قربانی جائز ہے۔ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں اور کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو اس کی بھی قربانی ناجائز۔ اتنا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو اور لنگڑا جو قربان گاہ تک اپنے پاؤں سے نہ جا سکے اور اتنا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو اور جس کے کان یا دم یا چکی کٹے ہوں یعنی وہ عضو تہائی سے زیادہ کٹا ہو ان سب کی قربانی ناجائز ہے اور اگر کان یا دم یا چکی تہائی یا اس سے کم کٹی ہو تو جائز ہے جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں یا ایک کان نہ ہو اوس کی ناجائز ہے اور جس کے کان چھوٹے ہوں اوس کی جائز ہے۔ جس جانور کی تہائی سے زیادہ نظر جاتی رہی اوس کی بھی قربانی ناجائز ہے اگر دونوں آنکھوں کی روشنی کم ہو تو اس کا پہچاننا آسان ہے۔

اور صرف ایک آنکھ کی کم ہو تو اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو ایک دو دن بھوکا رکھا جائے پھر اوس آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے جس کی روشنی کم ہے اور اچھی آنکھ کھلی رکھی جائے اور اتنی دور چارہ رکھیں جس کو جانور نہ دیکھے پھر چارہ کو نزدیک لاتے جائیں جس جگہ وہ چارے کو دیکھنے لگے وہاں نشان رکھ دیں پھر اچھی آنکھ پر پٹی باندھ دیں اور دوسری کھول دیں اور چارہ کو قریب کرتے جائیں جس جگہ اس آنکھ سے دیکھ لے یہاں بھی نشان کر دیں پھر دونوں جگہوں کی پیمائش کریں اگر یہ جگہ اوس پہلی جگہ کی تہائی ہے تو معلوم ہوا کہ تہائی روشنی کم ہے اور اگر نصف ہے تو معلوم ہوا کہ بہ نسبت اچھی آنکھ کی اس کی روشنی آدھی ہے۔ (درمختار، عالمگیری، کتاب اضحیہ، بیروت)

جماء کی قربانی کے جواز کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ أَنْ يُضَحِّيَ بِالْجَمَّاءِ) وَهِيَ الَّتِي لَا قَرْنَ لَهَا لِأَنَّ الْقَرْنَ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مَقْصُودٌ ، وَكَذَا مَكْسُورَةُ الْقَرْنِ لِمَا قُلْنَا (وَالْخَصِيِّ) لِأَنَّ لَحْمَهَا أَطْيَبُ وَقَدْ صَحَّ " (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوءَيْنِ) (وَالثَّوْلَاءِ) وَهِيَ الْمَجْنُونَةُ

، وَقِيلَ هَذَا إِذَا كَانَتْ تَعْتَلِفُ لِأَنَّهُ لَا يُخِلُّ بِالْمَقْصُودِ ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ لَا تَعْتَلِفُ فَلَا تُجْزِئُهُ . وَالْجَرْبَاءُ إِنْ كَانَتْ سَمِينَةً جَازَ لِأَنَّ الْجَرَبَ فِي الْجِلْدِ وَلَا نُقْصَانَ فِي اللَّحْمِ . وَإِنْ كَانَتْ مَهْزُولَةً لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْجَرَبَ فِي اللَّحْمِ فَانْتَقَصَ .

ترجمہ

فرمایا کہ جماء کی قربانی کرنا جائز ہے اور یہ وہ جانور ہے جس کے سینگ نہ ہوں اگرچہ سینگ کے ساتھ کوئی مقصد متعلق نہیں ہوتا اور اسی طرح جس جانور کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں ان کی قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور خصی کی قربانی کرنا صحیح ہے کیونکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے اور خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔

اسی طرح ثولاء کی قربانی کرنا صحیح ہے وہ مجنونہ جانور ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی قربانی اس وقت تک درست ہے جب وہ مجنونہ گھاس کھاتی ہے۔ کیونکہ اب جنون کے سبب مقصد میں کوئی خلل واقع ہونے والا نہیں ہے۔ مگر جب وہ گھاس کھانے والی نہیں ہے۔ تو وہ کافی نہ ہوگی۔

اور اسی طرح خارش زدہ جانور کی قربانی صحیح ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ موٹا تازہ ہو۔ کیونکہ خارش چمڑے میں ہے اور گوشت میں کوئی نقصان دہ نہیں ہے۔ اور جب خارش زدہ بکری دبلی پتلی ہے تو اس کی قربانی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اب خارش گوشت میں بھی ہوگی۔ پس گوشت میں عیب آچکا ہے۔

سینگ کا ٹوٹنا اگر عیب ہو تو قربانی منع ہونے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹے ہوئے سینگ اور کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا سینگ اگر نصف یا نصف سے زائد ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی ممانعت ہے۔ ورنہ نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1557)

جماء کی قربانی جائز ہے۔ یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں اور یوں عضباء بھی جس کے سینگ کا ٹوٹنا وغیرہ کچھ حصہ میں ہو، اور یہ ٹوٹ مخ سمیت ہو تو نا جائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے اگر ٹوٹنا مشاش تک ہو تو نا جائز ہے۔ مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں ہیں۔ (فتاویٰ شامی، کتاب اضحیہ، بیروت)

جس کے کان کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو لیکن جدا نہ ہو بلکہ لٹکا ہوا ہو، اور مدابرہ جائز ہے یہ وہ ہے جس کے کان کا پچھلا حصہ اس طرح کٹا ہو، یہ صفات بکری کی ہیں، اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا

ہے۔ تو شرقاء مقابلہ اور مدابرہ میں یہ کمی تنزیہ پر محمول ہے بلکہ شرقاء میں اقوال کا اختلاف ہے واضح میں یوں ہے۔

(فتاویٰ شامی، کتاب الاضحیہ، بیروت)

قربانی کے جانوروں میں باہمی فضیلت کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور بکری کی قیمت اور گوشت اگر گائے کے ساتویں حصے کی برابر ہو تو بکری افضل ہے اور گائے کے ساتویں حصہ میں بکری سے زیادہ گوشت ہو تو گائے افضل ہے یعنی جب دونوں کی ایک ہی قیمت ہو اور مقدار بھی ایک ہی ہو تو جس کا گوشت اچھا ہو وہ افضل ہے اور اگر گوشت کی مقدار میں فرق ہو تو جس میں گوشت زیادہ ہو وہ افضل ہے اور مینڈھا بھیڑ سے اور دنبہ دنبی سے افضل ہے جبکہ دونوں کی ایک قیمت ہو اور دونوں میں گوشت برابر ہو۔ بکری بکرے سے افضل ہے مگر خصی بکرا بکری سے افضل ہے اور اونٹنی اونٹ سے اور گائے بیل سے افضل ہے جبکہ گوشت اور قیمت میں برابر ہوں۔

(فتاویٰ شامی، کتاب اضحیہ، بیروت)

ہتماء کی قربانی کرنے کا بیان

وَأَمَّا الْهَتْمَاءُ وَهِيَ الَّتِي لَا أَسْنَانَ لَهَا ؛ فَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْأَسْنَانِ الْكَثْرَةُ وَالْقِلَّةُ ، وَعَنْهُ إنْ بَقِيَ مَا يُمْكِنُهُ الِاعْتِلَافُ بِهِ أَجْزَأَهُ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ .

وَالسَّكَّاءُ وَهِيَ الَّتِي لَا أُذُنَ لَهَا خِلْقَةً لَا تَجُوزُ ، لِأَنَّ مَقْطُوعَ أَكْثَرِ الْأُذُنِ إذَا كَانَ لَا يَجُوزُ فَعَدِيمُ الْأُذُنِ أَوْلَى

(وَهَذَا) الَّذِي ذَكَرْنَا (إذَا كَانَتْ هَذِهِ الْعُيُوبُ قَائِمَةً وَقْتَ الشِّرَاءِ ، وَلَوْ اشْتَرَاهَا سَلِيمَةً ثُمَّ تَعَيَّبَتْ بِعَيْبٍ مَانِعٍ إنْ كَانَ غَنِيًّا عَلَيْهِ غَيْرُهَا ، وَإِنْ فَقِيرًا تُجْزِئُهُ هَذِهِ) لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْغَنِيِّ بِالشَّرْعِ ابْتِدَاءً لَا بِالشِّرَاءِ فَلَمْ تَتَعَيَّنْ بِهِ ، وَعَلَى الْفَقِيرِ بِشِرَائِهِ بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ فَتَعَيَّنَتْ ، وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ ضَمَانُ نُقْصَانِهِ كَمَا فِي نِصَابِ الزَّكَاةِ ، وَعَنْ هَذَا الْأَصْلِ قَالُوا : إذَا مَاتَتْ الْمُشْتَرَاةُ لِلتَّضْحِيَةِ ؛ عَلَى الْمُوسِرِ مَكَانَهَا أُخْرَى وَلَا شَيْءَ عَلَى الْفَقِيرِ ، وَلَوْ ضَلَّتْ أَوْ سُرِقَتْ فَاشْتَرَى أُخْرَى ثُمَّ ظَهَرَتْ الْأُولَى فِي أَيَّامِ النَّحْرِ عَلَى الْمُوسِرِ ذَبْحُ إحْدَاهُمَا وَعَلَى الْفَقِيرِ ذَبْحُهُمَا .

ترجمہ

اور ہتماء وہ بکری ہے جس کے دانت نہ ہوں۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ دانتوں میں قلت و کثرت کا

اعتبار کیا جائے گا۔ اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب دانت اتنی تعداد میں باقی ہیں جن سے گھاس کو لھانا ممکن ہے تو اس کا حاصل ہو جانے کی وجہ سے کافی ہوگا۔

اور سکاء اس بکری کو کہتے ہیں جس کے پیدائشی طور پر دانت نہ ہوں تو وہ جائز نہ ہوگی اور یہ اس لئے کہ جب نصف کان کٹا ہو تو ایسا جانور جائز نہیں ہے تو جس کے کان نہیں ہیں تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔

اور ہماری بیان کردہ وضاحت اس صورت میں ہے کہ جب خریداری کے وقت یہ عیوب موجود ہوں اور جب کسی شخص نے صحیح سلامتی والی بکری کو خریدا ہے اور اس کے بعد مانع اضحیہ سے اس میں کوئی عیب پیدا ہوا ہے تو اس صورت میں اگر خریدار مالدار ہے تو اس پر دوسری بکری کی قربانی کرنا واجب ہے اور جب مشتری فقیر ہے تو اس کی جانب سے یہی عیب والی بکری کی قربانی کافی ہوگی۔ کیونکہ مالدار پر قربانی حکم شرع کے مطابق ابتدائی طور پر واجب ہے پس وہ بکری اس کے حق معین نہ ہو سکے گی جبکہ فقیر پر یہ وجوب اس کا نیت اضحیہ سے خریداری کرنے کی وجہ سے آیا ہے پس اس کے حق میں وہی بکری معین ہو جائے گی۔ اور اس پر نقصان کا کوئی ضمان نہ ہوگا جس طرح زکوٰۃ کے نصاب میں واجب نہیں ہوا کرتا۔

اور اسی قاعدہ فقہیہ کے مطابق فقہاء نے کہا ہے کہ جب قربانی کیلئے خریدی گئی بکری مرجائے تو مالدار پر اس کی جگہ پر دوسری بکری کی قربانی کرنا واجب ہے جبکہ فقیر پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اور جب وہ بکری گم ہو جائے یا چوری ہو جائے اور اس کے بعد خریدار نے کوئی دوسری بکری خرید لی ہے اور اس کے بعد قربانی کے دنوں میں پہلی بکری بھی مل جائے تو مالدار پر ان میں سے کسی ایک بکری کو ذبح کرنا واجب ہے جبکہ فقیر کیلئے ان دونوں کو ذبح کرنا واجب ہے۔

مقطوعہ اعضاء والے جانور کی قربانی کے عدم جواز کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں لیکن اس میں یہ اضافہ ہے (کہ راوی نے کہا) مقابلہ وہ جانور ہے جس کا کان کنارے سے کٹا ہوا ہو مدبرہ وہ ہے جس کے کان کو پچھلی طرف سے کاٹا گیا ہو۔ شرقاء وہ ہے جس کا کان پھٹا ہوا ہو اور خرقاء وہ ہے جس کے کان میں سوراخ ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے شریح بن نعمان صائدی کوفی ہیں اور شریح بن حارث کندی کوفی ہیں اور قاضی ہیں۔ ان کی کنیت ابوامیہ ہے۔ شریح بن ہانی کوفی ہیں۔ اور ہانی کو شرف صحبت حاصل ہے (یعنی صحابی ہیں) یہ تینوں حضرات حضرت علی کے اصحاب ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1550)

ذبح کیلئے لٹائی گئی بکری کے بھاگ جانے کا بیان

(وَلَوْ أَضْجَعَهَا فَاضْطَرَبَتْ فَانْكَسَرَتْ رِجْلُهَا فَذَبَحَهَا أَجْزَأَهُ اسْتِحْسَانًا) عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ، لِأَنَّ حَالَةَ الذَّبْحِ وَمُقَدِّمَاتِهِ مُلْحَقَةٌ بِالذَّبْحِ فَكَأَنَّهُ حَصَلَ بِهِ اعْتِبَارًا وَحُكْمًا (وَكَذَا لَوْ تَعَيَّبَتْ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ فَانْفَلَتَتْ ثُمَّ أُخِذَتْ مِنْ فَوْرِهِ ،

وَكَذَا بَعْدَ فَوْرِهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) لِأَنَّهُ حَصَلَ بِمُقَدِّمَاتِ الذَّبْحِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ذبح کیلئے بکری کولٹایا اس کے بعد بھاگ کھڑی ہوئی اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے تو ہمارے نزدیک بطور استحسان اسی بکری کوذبح کرنا کافی ہوجائے گا۔ جبکہ امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ ذبح کا حال اس کے مقدمات ذبح سے ملا ہوا ہے۔ جو قیاس اور حکم دونوں کے مطابق ذبح سے حاصل ہوا ہے۔ اور اسی طرح جب بکری اسی حالت میں عیب زدہ ہوئی ہے اور اس کے بعد وہ بھاگ جائے تو اس کو فوری طور پر پکڑ لیا جائے گا۔ اور اسی طرح فوری طور پر پکڑنے میں امام محمد اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا اختلاف بھی ہے کیونکہ یہ ذبح کے مقدمارت سے حاصل ہوا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی کرتے وقت جانور اوچھلا کودا جس کی وجہ سے عیب پیدا ہوگیا یہ عیب مضر نہیں یعنی قربانی ہوجائے گی اور اگر اوچھلنے کودنے سے عیب پیدا ہوگیا اور وہ چھوٹ کر بھاگ گیا اور فوراً پکڑ لایا گیا اور ذبح کر دیا گیا جب بھی قربانی ہوجائے گی۔ (فتاوی شامی، کتاب اضحیہ، بیروت)

قربانی کے جانور اور انکی عمروں کا بیان

قَالَ (وَالْأُضْحِيَّةُ مِنْ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ) لِأَنَّهَا عُرِفَتْ شَرْعًا وَلَمْ تُنْقَلْ التَّضْحِيَةُ بِغَيْرِهَا مِنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَلَا مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ .

قَالَ (وَيُجْزِءُ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا إلَّا الضَّأْنَ فَإِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِءُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (ضَحُّوا بِالثَّنَايَا إلَّا أَنْ يُعْسِرَ عَلَى أَحَدِكُمْ فَلْيَذْبَحْ الْجَذَعَ مِنْ الضَّأْنِ) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (نِعْمَتْ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذَعُ مِنْ الضَّأْنِ) قَالُوا : وَهَذَا إذَا كَانَتْ عَظِيمَةً بِحَيْثُ لَوْ خُلِطَتْ بِالثُّنْيَانِ يَشْتَبِهُ عَلَى النَّاظِرِ مِنْ بَعِيدٍ .

وَالْجَذَعُ مِنْ الضَّأْنِ مَا تَمَّتْ لَهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ فِي مَذْهَبِ الْفُقَهَاءِ ، وَذَكَرَ الزَّعْفَرَانِيُّ أَنَّهُ ابْنُ سَبْعَةِ أَشْهُرٍ .

وَالثَّنِيُّ مِنْهَا وَمِنْ الْمَعْزِ سَنَةٌ ، وَمِنْ الْبَقَرِ ابْنُ سَنَتَيْنِ ، وَمِنْ الْإِبِلِ ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ ، وَيَدْخُلُ فِي الْبَقَرِ الْجَامُوسُ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ .وَالْمَوْلُودُ بَيْنَ الْأَهْلِيِّ وَالْوَحْشِيِّ يَتْبَعُ الْأُمَّ لِأَنَّهَا هِيَ الْأَصْلُ فِي التَّبَعِيَّةِ ، حَتَّى إذَا نَزَا الذِّئْبُ عَلَى الشَّاةِ يُضَحَّى بِالْوَلَدِ .

ترجمہ

فرمایا کہ اونٹ گائے اور بکری کی قربانی صحیح ہے کیونکہ شریعت کے مطابق یہی جانور مشروع ہیں اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان جانوروں کے سوا کسی کی قربانی بیان نہیں کی گئی ہے۔

اور سب جانوروں میں بھیڑ کے سواسب کا ثنی ہونا کافی ہے۔ کیونکہ بھیڑ کا جذعہ کافی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ثنیہ کی قربانی کرو مگر جب تم کو مشکل ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ بھیڑ کا جذعہ ذبح کرے۔ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھیڑ کا جذعہ کیا خوب ہے۔

فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جذعہ اس وقت ہوگا جب وہ خوب موٹا اور تندرست ہو۔ کیونکہ جب وہ ثنی میں مل جائے تو وہ دور سے دیکھنے والے پر مشابہ ہو جائے گا۔

فقہاء کے مذہب میں جذعہ بھیڑ کا وہ بچہ ہے جس کو چھ ماہ مکمل ہو چکے ہوں جبکہ زعفرانی نے کہا ہے کہ وہ سات ماہ کا بچہ ہے۔ جبکہ بھیڑ اور بکری کا ثنیہ ایک سال کا ہوتا ہے۔ اور گائے میں دو سال کا ہوتا ہے اور اونٹ پانچ سال میں ثنیہ کہلاتا ہے۔ اور بھینس گائے میں شامل ہے۔ کیونکہ وہ اسی کی جنس میں سے ہے۔ اور حیوانات اہلیہ وحشیہ میں پیدا ہونے والا بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے۔ کیونکہ تبعیت ماں اصل ہوا کرتی ہے۔ حتیٰ کہ بھیڑیا جب بکری پر کود پڑے تو بچے کو ذبح کیا جائے گا۔

شرح

اور بکری، دنبہ بھیڑ، گائے بھینس اور اونٹ یہ جانور خواہ نر ہوں یا مادہ، ان کے علاوہ دوسرے جانور کی قربانی جائز نہیں، اونٹ کے علاوہ بقیہ جانوروں کے حلال کرنے کو "ذبح" کہتے ہیں اور اونٹ کے حلال کرنے کو "نحر" کہتے ہیں نحر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ میں نیزہ مارا جاتا ہے جس سے وہ گر پڑتا ہے۔ اگرچہ اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے لیکن نحر افضل ہے۔

اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک دن مقرر کیا ہے تا کہ اللہ تعالی نے انہیں جو جانور (بھیمۃ الانعام) بطور روزی دیا ہے وہ اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کریں (الحج (34.)

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے کسی صحابی سے بھی ان جانوروں کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی کرنا منقول نہیں ہے۔ (فتح القدیر (9/ 97.)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں": قربانی جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ جانور بھیمۃ الانعام یعنی اونٹ، گائے، بکری، اور بھیڑ میں سے ہو، اس میں اونٹ، گائے اور بکری اور بھیڑ اور دنبے کی سب اقسام برابر ہیں، ان جانوروں کے علاوہ کسی اور وحشی جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں مثلا نیل گائے اور جنگلی گائے اس میں کسی بھی قسم کا اختلاف نہیں، ان جانوروں میں سے چاہے نر ہو یا مادہ اس میں ہمارے نزدیک کسی بھی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

اسی طرح ہرن اور بکری دونوں کو ملا کر جو نسل پیدا ہوا اس کی قربانی کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ بھیمۃ الانعام میں شامل نہیں ہوتی (المجموع للنووی (6/ 364-366))

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کی کلام ذکر کیا ہے جس جنس کی قربانی کی جائیگی وہ صرف بھیمۃ الانعام ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے اور ہم نے ہرامت کے لیے قربانی کا دن مقرر کیا ہے تا کہ اللہ تعالی نے انہیں جو (بھیمۃ الانعام) جانور بطور روزی دیا ہے انہیں اللہ کا نام لے کر ذبح کریں (الحج (34 (المغنی ابن قدامہ (368.()))

اور بھیمۃ الانعام اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ دنبہ، مینڈھے کو کہا جاتا ہے ابن کثیر رحمہ اللہ تعالی نے بالجزم یہی کہا ہے اور ان کا قول ہے کہ: حسن، قتادہ اور اس کے علاوہ کئی ایک اہل علم کا قول بھی یہی ہے.

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور عرب کے ہاں بھی اسی طرح ہے اور اس لیے بھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ": تم دودانتا کے علاوہ کوئی اور جانور ذبح نہ کرو، لیکن اگر تمہیں دودانتا نہ ملے تو پھر بھیڑ کا جذع ذبح کرلو" صحیح مسلم حدیث نمبر (1963).

المسنۃ: اونٹ، گائے، بکری کی جنس سے دوندے یعنی دودانتے کو کہتے ہیں، اہل علم کا یہی قول ہے.

اور اس لیے بھی کہ قربانی بھی حج میں قربان کیے والے جانور جسے ھدی کہا جاتا ہے کی طرح ہی ہے، اس لیے اس میں بھی وہی جانور مشروع ہوگا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ یا گائے، یا بکری کے علاوہ کوئی جانور قربانی کیا ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم (قربانی میں صرف) مسنہ جانور ذبح کرو، ہاں اگر مسنہ نہ پاؤ تو پھر دنبہ بھیڑ کا جزعہ ذبح کرلو۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1429)

مسنہ یا جزعہ کسی خاص جانور کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جو قربانی کے جانور کی عمر کے سلسلہ میں مستعمل ہوتی ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ اونٹوں میں وہ اونٹ مسنہ کہلاتا ہے جو پورے پانچ سال کی عمر کا ہو اور چھٹے برس میں داخل ہو چکا ہو۔ گائے، بھینس اور بیل میں مسنہ اسے فرماتے ہیں جو پورے دو سال کی عمر کا ہو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ بھیڑ اور دنبہ میں مسنہ وہ ہے جو اپنی عمر کو پورا ایک سال گزار کر دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ لہٰذا ان جانوروں میں قربانی کے لیے جانور کا مسنہ ہونا ضروری ہے۔ ہاں دنبہ اور بھیڑ کا اگر جزعہ بھی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ جزعہ بھیڑ یا دنبہ کا وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی عمر ایک برس سے تو کم ہو مگر چھ مہینہ سے زیادہ ہو۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جزعہ کی قربانی اس صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ اتنا فربہ ہو کہ اگر اسے مسنہ کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے تو دور سے دیکھنے والا اسے بھی مسنہ گمان کرے اگر وہ فربہ نہ ہو بلکہ چھوٹا ہو اور دبلا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

بظاہر حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مسنہ بہم نہ پہنچے یا اس کی قیمت میسر نہ ہو تو جزعہ کی قربانی درست ہے ورنہ بصورت دیگر

اس کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ بلکہ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب تو یہی ہے کہ اگر مسنہ مل جائے اور اس کو خریدنے کی استطاعت ہو تو جزعہ کی قربانی نہ کرے۔ ویسے اگر مسنہ ہوتے ہوئے بھی کوئی جزعہ کی قربانی کرے گا تو درست ہوگا۔

بکری وجنس بکری کی عمر ایک سال ہونے کا بیان

حضرت برار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عازب سے روایت ہے کہ ان کے خالو حضرت ابو بردہ بن نیار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی ذبح ہونے سے پہلے اپنی قربانی ذبح کی اور انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ دن ہے کہ جس میں گوشت کی خواہش رکھنا مکروہ ہے اور میں نے اپنی قربانی جلدی کر لی ہے تاکہ میں اپنے گھر والوں اور ہمسایوں کو کھلاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو دوبارہ قربانی کر انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے پاس ایک کم عمر دودھ والی بکری ہے وہ گوشت کی دو بکریوں میں بہتر ہے تو آپ نے فرمایا یہی تیری دونوں قربانیوں میں بہتر ہے اور اب تیرے بعد ایک سال سے کم عمر کی بکری کسی کے لئے جائز نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 573)

قربانی میں گائے اور اونٹ کی عمروں کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مسنہ (یعنی بکری وغیرہ ایک سال کی عمر کی اور گائے دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کی عمر کا ہو) کے سوا قربانی کا جانور ذبح نہ کرو سوائے اس کے کہ اگر تمہیں (ایسا جانور نہ ملے) تو تم ایک سال سے کم عمر کا دنبے کا بچہ ذبح کر لو۔ (اگر چہ وہ چھ ماہ کا کیوں نہ ہو)

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 585)

جذعہ کی قربانی کرنے کا بیان

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیا تاکہ وہ اسے صحابہ کرام میں بطریق قربانی کے تقسیم کر دیں چنانچہ (انہوں نے تقسیم کر دیا) تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا اور انہوں نے اس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کی قربانی تم کر لو" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے ا دنبہ کا ایک بچہ ملا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کی قربانی کر لو۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1430)

عتود بکری کے اس بچہ کو فرماتے ہیں جو موٹا تازہ ہو اور ایک سال کی عمر کا ہو۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کے ایک سال کے بچہ کی قربانی جائز ہے چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "عتود" بکری کے اس بچے کو فرماتے ہیں جو چھ مہینہ سے زیادہ کا ہو اس صورت میں یہ حکم صرف عقبہ ابن عامر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ دوسروں کے لیے عتود کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ "جزعہ" کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے۔

یعنی دنبہ کا وہ بچہ جو چھ مہینے سے زیادہ کا ہو۔

صرف دنبہ کی قربانی کیلئے چھ ماہ پر اجماع کا بیان

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر (قربانی) کے دن خطبہ دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی نماز سے پہلے جانور ذبح نہ کرے۔ براء کہتے ہیں کے میرے ماموں کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایسا دن ہے کہ لوگ اس دن گوشت سے جلدی اکتا جاتے ہیں میں نے یہ سوچ کر اپنی قربانی جلدی کر لی کہ اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو کھلا دوں آپ نے حکم دیا کہ تم دوبارہ قربانی کرو۔ انہوں نے عرض کیا میرے پاس ایک بکری ہے جو دودھ بھی دیتی ہے لیکن اس کی عمر ایک سال سے کم ہے اس کے باوجود وہ گوشت میں دو بکریوں سے بہتر ہے کیا میں اسے ذبح کر دوں آپ نے فرمایا ہاں یہ تیری اچھی قربانی ہے اور تیرے بعد کسی کے لئے (بکری کا) سال سے کم عمر کا بچہ جائز نہیں۔ اس باب میں حضرت جابر، جندب، انس، عویمر بن اشقر، ابن عمر اور ابوزید انصاری سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ شہر میں عید کی نماز ادا کرنے سے پہلے قربانی نہ کی جائے جب کہ بعض علماء گاؤں میں رہنے والوں کو طلوع فجر کے بعد قربانی کی اجازت دیتے ہیں۔ ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ چھ مہینے کا صرف دنبہ ہی قربانی میں ذبح کیا جا سکتا ہے بکری وغیرہ نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1561)

فقیہ زعفرانی کے قول کے مقدم ہونے کا بیان

ظہیریہ سے ہے کہ زمین اور آمدن والی ملکیت ہو تو متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختلاف کیا ہے۔ تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے ان کی قیمت کا اعتبار کیا اور ابوعلی الدقاق وغیرہ نے ان کی آمدن کا اعتبار کیا ہے اور پھر آمدن کے اعتبار والوں کا آپس میں اختلاف ہوا،

ابوعلی الدقاق نے کہا اگر سال بھر کی آمدن حاصل ہو جائے تو قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے مہینے کا قول کیا ہے آمدن میں سے سال بھر میں دوسو درہم فاضل بچ جائیں یا اس سے زائد تو اس پر قربانی واجب ہے۔

اور ردالمحتار میں اسی کی مثل مذکور ہے اور انھوں نے ترجیح کو ذکر نہ کیا، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے، اقول (میں کہتا ہوں) خانیہ میں اس پر جز فطرانہ کے متعلق کیا ہے اور انھوں نے اختلاف کو ذکر نہ کیا، جہاں انھوں نے فرمایا، جو ایک مکان اور تین جوڑے لباس سے زائد ہوں وہ غناء میں شمار ہوگا اھ، پھر فرمایا اگر اس کا مکان ہو جس میں رہائش پذیر نہیں اس کو کرایہ پر دیا ہو یا نہ دیا ہو تو اس کی قیمت کے اعتبار سے غناء میں شمار ہوگا، اور یوں اگر مکان میں رہائش پذیر ہو اور رہائش سے کچھ کمرے زائد ہوں تو زائد کی قیمت کو نصاب میں شمار کیا جائے گا اور اس نصاب سے صدقہ فطر اور قربانی زکوۃ لینے کی حرمت اقارب کا نفقہ کے احکام متعلق ہو جائیں گے۔

اورخزانۃ المفتین میں خانیہ کی اس کلام کواس کی رمز "خ" کے ساتھ ذکر کیااور یوں ہی بزازیہ نے متاخرین سے اقوال ذکر
اور زعفرانی کے قول کو دوسروں پر مقدم کیا کہ قیمت کا اعتبار ہے اور پھر کہا کہ امام ثانی (امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ) سے
زمینوں کی وجہ سے غنی قرار پائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ ،کتاب اضحیہ، بیروت)

جذعہ کے بارے میں بعض فقہی اقوال کا بیان

حضرت عبداللہ بن ہشام اپنی اور اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے۔ (بخاری) اب قربانی کے جانور کی عمر کا بیان ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نہ ذبح کرو مگر مسنہ بجز اس صورت کے کہ وہ تم پر بھاری پڑ جائے تو پھر بھیڑ کا بچہ بھی چھ ماہ کا ذبح کر سکتے ہو۔ زہری تو کہتے ہیں کہ جزعہ یعنی چھ ماہ کا کوئی جانور قربانی میں کام ہی نہیں آ سکتا اور اس کے بالمقابل اوزاعی کا مذہب ہے کہ ہر جانور کا جزعہ کافی ہے۔ لیکن یہ دونوں قول افراط والے ہیں۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اونٹ گائے بکری تو وہ جائز ہے جو ثنی ہو۔ اور بھیڑ کا چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔ اونٹ تو ثنی ہوتا ہے جب پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں لگ جائے۔ اور گائے جب دو سال پورے کر کے تیسرے میں لگ جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین گزار کر چوتھے میں لگ گیا ہو۔ اور بکری کا ثنی وہ ہے جو دو سال گزار چکا ہو اور جذعہ کہتے ہیں اسے جو سال بھر کا ہو گیا ہو اور کہا گیا ہے جو دس ماہ کا ہو۔

ایک قول ہے جو آٹھ ماہ کا ہو ایک قول ہے جو چھ ماہ کا ہو اس سے کم مدت کا کوئی قول نہیں۔ اس سے کم عمر والے کو حمل کہتے ہیں جب تک کہ اسکی پیٹھ پر بال کھڑے ہوں اور بال لیٹ جائیں اور دونوں جانب جھک جائیں تو اسے جذع کہا جاتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۴۴)

مشترکہ قربانی کے اجزاء میں نیت اضحیہ کے معتبر ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا اشْتَرَى سَبْعَةٌ بَقَرَةً لِيُضَحُّوا بِهَا فَمَاتَ أَحَدُهُمْ قَبْلَ النَّحْرِ وَقَالَتْ الْوَرَثَةُ اذْبَحُوهَا عَنْهُ وَعَنْكُمْ أَجْزَأَهُمْ ، وَإِنْ كَانَ شَرِيكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا أَوْ رَجُلًا يُرِيدُ اللَّحْمَ لَمْ يُجْزِ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ) وَوَجْهُهُ أَنَّ الْبَقَرَةَ تَجُوزُ عَنْ سَبْعَةٍ ، وَلَكِنَّ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يَكُونَ قَصْدُ الْكُلِّ الْقُرْبَةَ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ جِهَاتُهَا كَالْأُضْحِيَّةِ وَالْقِرَانِ وَالْمُتْعَةِ عِنْدَنَا لِاتِّحَادِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الْقُرْبَةُ ، وَقَدْ وُجِدَ هَذَا الشَّرْطُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ التَّضْحِيَةَ عَنْ الْغَيْرِ عُرِفَتْ قُرْبَةً ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ضَحَّى عَنْ أُمَّتِهِ عَلَى مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَلَمْ يُوجَدْ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي لِأَنَّ النَّصْرَانِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهَا ، وَكَذَا قَصْدُ اللَّحْمِ يُنَافِيهَا .

وَإِذَا لَمْ يَقَعِ الْبَعْضُ قُرْبَةً وَالْإِرَاقَةُ لَا تَتَجَزَّأُ فِي حَقِّ الْقُرْبَةِ لَمْ يَقَعِ الْكُلُّ أَيْضًا فَامْتَنَعَ الْجَوَازُ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ اسْتِحْسَانٌ.

وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ بِالْإِتْلَافِ فَلَا يَجُوزُ عَنْ غَيْرِهِ كَالْإِعْتَاقِ عَنِ الْمَيِّتِ ، لَكِنَّا نَقُولُ : الْقُرْبَةُ قَدْ تَقَعُ عَنِ الْمَيِّتِ كَالتَّصَدُّقِ ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّ فِيهِ إِلْزَامَ الْوَلَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ

ترجمہ

اور جب سات آدمیوں نے قربانی کیلئے ایک گائے کو خریدا اور قربانی کرنے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک شخص فوت ہو گیا ہے۔ اور اس میت کے وارثوں نے کہا ہے کہ تم میت کی جانب سے اور اپنی جانب سے اس گائے کو ذبح کر دو۔ تو ان سب کی جانب سے قربانی ہو جائے گی۔

اور جب بندوں کی شراکت ہوئی جبکہ ساتواں نصرانی یا محض گوشت کھانے کی نیت سے شامل ہو گیا تو ان میں کسی کی جانب سے بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ گائے تو سات بندوں کی جانب سے جائز ہوئی ہے۔ پس اس میں یہ شرط ہو گیا ہے کہ سات آدمیوں میں سے ہر ایک شریک کا مقصد عبادت ہو۔ خواہ اس کی جہت مختلف ہو جائے۔ جس طرح قربانی، دم قران اور دم تمتع ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک قربت متحد ہوئی ہے۔ اور یہ شرط پہلی صورت مسئلہ میں پائی جارہی ہے کیونکہ دوسرے کی جانب سے قربت مشہور ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کی جانب سے قربانی کی ہے جس طرح اس سے پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔

اور دوسری صورت مسئلہ میں یہ شرط مفقود ہے۔ کیونکہ نصرانی قربت کے لائق نہیں ہے۔ اور اسی طرح محض گوشت کا کھانا یہ بھی قربت نہیں ہے۔ اور جب قربت کا بعض حصہ واقع نہ ہوا۔ جبکہ قربت کے حق میں خون بہانا اس کے کوئی حصے نہیں ہوتے۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح ساری کی ساری قربت واقع نہیں ہوئی ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کا بیان کردہ مسئلہ یہ صورت استحسان میں ہے۔

اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ احسان کو ختم کرنا ہے۔ پس دوسرے کی جانب سے جائز نہ ہوگا۔ جس طرح میت کی جانب سے آزاد کرنا ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ صدقہ کی قربت بھی میت کی جانب سے واقع ہو جاتی ہے۔ جبکہ آزادی میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ اس میں ولاء کو میت پر لازم کرنا آئے گا۔

شرح

اور جب سات شخصوں نے قربانی کے لیے گائے خریدی تھی ان میں ایک کا انتقال ہو گیا اس کے ورثہ نے شرکا سے یہ کہہ دیا کہ

تم اس گائے کو اپنی طرف سے اور اس کی طرف سے قربانی کرواؤ انھوں نے کرلی تو سب کی قربانیاں جائز ہیں اور اگر بغیر اجازت ورثہ ان شرکائنے کی تو کسی کی نہ ہوئی۔

شرکاء کا بچے یا ام ولد کی جانب سے ذبح کرنے کا بیان

(فَلَوْ ذَبَحُوهَا عَنْ صَغِيرٍ فِي الْوَرَثَةِ أَوْ أُمِّ وَلَدٍ جَازَ) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ قُرْبَةٌ (وَلَوْ مَاتَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَذَبَحَهَا الْبَاقُونَ بِغَيْرِ إِذْنِ الْوَرَثَةِ لَا تُجْزِيهِمْ) لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ بَعْضُهَا قُرْبَةً، وَفِيمَا تَقَدَّمَ وُجِدَ الْإِذْنُ مِنَ الْوَرَثَةِ فَكَانَ قُرْبَةً.

ترجمہ

اور جب شرکاء وارثوں نے موجود کسی بچے یا ام ولد کی جانب سے ذبح کیا ہے تو ان کا ایسا کرنا جائز ہے۔اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کرآئے ہیں کیونکہ وہ قربت ہے۔اور جب شریکوں میں سے کوئی شخص فوت ہو چکا ہے۔اس کے بعد وارثوں کی اجازت کے سوا دوسرے لوگوں نے اس کو ذبح کردیا ہے۔تو ان کی جانب سے یہ کفایت نہ کرے گا۔کیونکہ گائے کے بعض حصہ میں قربت واقع نہ ہوئی۔جبکہ اس سے پہلے والی صورت میں وارثوں کی جانب سے اجازت پائی جارہی ہے۔پس وہ قربت ہو چکی ہے۔

قربانی کے گوشت کو کھانے وکھلانے کا بیان

قَالَ (وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْأُضْحِيَّةِ وَيُطْعِمُ الْأَغْنِيَاءَ وَالْفُقَرَاءَ وَيَدَّخِرُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَكُلُوا مِنْهَا وَادَّخِرُوا) وَمَتَى جَازَ أَكْلُهُ وَهُوَ غَنِيٌّ جَازَ أَنْ يُؤْكِلَهُ غَنِيًّا

قَالَ (وَيُسْتَحَبُّ أَنْ لَا يَنْقُصَ الصَّدَقَةَ عَنْ الثُّلُثِ) لِأَنَّ الْجِهَاتِ ثَلَاثَةٌ : الْأَكْلُ وَالِادِّخَارُ لِمَا رَوَيْنَا ، وَالْإِطْعَامُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى " (وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ) فَانْقَسَمَ عَلَيْهِمْ أَثْلَاثًا

ترجمہ

اور وہ قربانی کا گوشت خود بھی کھائے اور مالداروں، فقیروں کو بھی کھلائے۔اور اپنے لیے جمع کرکے رکھ بھی سکتا ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا اب تم اس کو کھاؤ اور اس کو جمع کرو۔اور جب قربانی کرنے والے کیلئے قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے جبکہ وہ مالدار ہے تو اس کیلئے مالدار کو کھلانا بھی جائز ہوگا۔

اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ وہ تیسرے حصے سے کم صدقہ نہ کرے کیونکہ وہ اس میں تین حصے کرے۔ایک کھانا۔اور دوسرے یہ کہ جمع کرے اسی دلیل کے سبب سے جو ہم نے بیان کردی ہے اور تیسرا یہ کھلائے۔اللہ تعالی کا یہ فرمان اس کی دلیل ہے کہ صبر کرنے

والے اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔ پس گوشت انہی تین حصوں میں تقسیم کرے گا۔

تین دنوں کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کھاؤ اور زاد راہ بناؤ اور جمع کرو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 607)

حضرت عبداللہ بن واقد روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ بن ابی بکر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن واقد نے سچ کہا ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو فرماتے ہوئے سنا آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر کچھ دیہاتی لوگ آگئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانیوں کا گوشت تین دنوں کی مقدار میں رکھو پھر جو بچے اسے صدقہ کردو پھر اس کے بعد صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ لوگ اپنی قربانیوں کی کھالوں سے مشکیزے بناتے ہیں اور ان میں چربی بھی پگھلاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور اب کیا ہوگیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ان ضرورت مندوں کی وجہ سے جو اس وقت آگئے تھے تمہیں منع کیا تھا لہذا اب کھاؤ اور کچھ چھوڑ دو اور صدقہ کرو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 606)

قربانی کی کھالوں کو صدقہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا) لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنْهَا (أَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ آلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ) كَالنَّطْعِ وَالْجِرَابِ وَالْغِرْبَالِ وَنَحْوِهَا ، لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِهِ غَيْرُ مُحَرَّمٍ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَشْتَرِيَ بِهِ مَا يَنْتَفِعُ بِعَيْنِهِ فِي الْبَيْتِ مَعَ بَقَائِهِ) اسْتِحْسَانًا ، وَذَلِكَ مِثْلُ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ لِلْبَدَلِ حُكْمَ الْمُبْدَلِ ، (وَلَا يَشْتَرِي بِهِ مَا لَا يَنْتَفِعُ بِهِ إلَّا بَعْدَ اسْتِهْلَاكِهِ كَالْخَلِّ وَالْأَبَازِيرِ) اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ بِالدَّرَاهِمِ .

وَالْمَعْنَى فِيهِ أَنَّهُ تَصَرُّفٌ عَلَى قَصْدِ التَّمَوُّلِ ، وَاللَّحْمُ بِمَنْزِلَةِ الْجِلْدِ فِي الصَّحِيحِ ، فَلَوْ بَاعَ الْجِلْدَ أَوْ اللَّحْمَ بِالدَّرَاهِمِ أَوْ بِمَا لَا يَنْتَفِعُ بِهِ إلَّا بَعْدَ اسْتِهْلَاكِهِ تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ ، لِأَنَّ الْقُرْبَةَ انْتَقَلَتْ إلَى بَدَلِهِ ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَّتِهِ فَلَا

أُضْحِيَّةً لَهُ) يُفِيدُ كَرَاهَةَ الْبَيْعِ ، الْبَيْعُ جَائِزٌ لِقِيَامِ الْمِلْكِ وَالْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ

ترجمہ

اور قربانی کرنے والا قربانی کی کھالوں کو صدقہ کرے کیونکہ کھال قربانی کا حصہ ہے یا پھر وہ کھال سے کوئی ایسی چیز کو بنائے جو گھر میں استعمال ہونے والی ہو۔ جس طرح دسترخوان تھیلا ہے یا چھلنی وغیرہ ہے۔ کیونکہ کھال سے نفع اٹھانا یہ حرام نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور قربانی کرنے والا کھال کے بدلے میں کوئی ایسی چیز کی خرید کرے جس کے عین فائدہ اٹھائے اور اس کا عین گھر میں استعمال کیا جاتا ہو۔ اور یہ حکم دلیل استحسان سے ثابت ہوا ہے۔ اور اس کی مثال وہ مسئلہ ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ بدل کیلئے مبدل کا حکم ہوتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور وہ کھال سے کوئی ایسی چیز نہ خریدے جس کو ہلاک کیے بغیر نفع حاصل نہ کیا جا سکے۔ جس طرح سرکہ اور مصالح ہیں اور اس کو دراہم کے بدلے میں قیاس کیا گیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں تمول کا ارادہ تصرف پر ہے۔ جبکہ صحیح قول کے مطابق قربانی کی کھال قربانی کے گوشت کے حکم میں ہوا کرتی ہے۔ اور جب کسی شخص نے کھال یا گوشت کو دراہم یا کسی ایسی چیز کے بدلے میں بیچ دیا ہے جس کو ہلاک کیے بغیر فائدہ نہ اٹھایا جا سکے تو اس کی قیمت کو صدقہ کرے کیونکہ اب قربت اپنے بدل کی جانب منتقل ہو چکی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے قربانی کو کھال کو بیچ دیا ہے اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ اس سے بیع کی کراہت کا فائدہ حاصل ہوا ہے۔ مگر حوالے کرنے اور ملکیت کے قیام کے سبب بیع درست ہو جائے گی۔

قربانی کی کھالوں کو صدقہ کرنے میں فقہی احکام کا بیان:

ہاں البتہ جہاں تک قربانی کے گوشت کا تعلق ہے، اس کا ذکر تو خود قرآن ہی میں موجود ہے کہ اس کو کھاؤ، کھلاؤ اور غریبوں کو دو:
فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ. (الحج ۲۲:۲۸ (پھر اس میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔"
اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ یہ نکتہ ملحوظ رکھنے کا ہے کہ اس میں فقیر کو دینے کا ذکر 'اٰتُوا' یا 'تَصَدَّقُوا' کے الفاظ کے ساتھ نہیں آیا ہے، بلکہ 'اَطْعِمُوا' کے لفظ کے ساتھ آیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ 'ایتاء' اور 'تصدق' کے الفاظ تملیک شخصی کے مفہوم کے لیے آتے ہیں، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو کیا 'اطعام' کا لفظ بھی تملیک شخصی کے مفہوم کا حامل ہے؟ اگر ایک شخص اپنا قربانی کا گوشت پکا کر بہت سے غریبوں کو بلا کر ایک دعوت عام کی صورت میں کھلا دے تو کیا یہ اطعام نہ ہوگا؟ حالانکہ "فتح القدیر" کی تصریح کے مطابق اس صورت میں تملیک نہیں پائی گئی جس کو صدقات وزکوۃ کی شرط لازم قرار دیا گیا ہے۔

قربانی میں سے اجرت والے کو کچھ نہ دینے کا بیان

قَالَ (وَلَا يُعْطِي أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْ الْأُضْحِيَّةِ) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ

اللَّهُ عَنهُ تَصَدَّقْ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا تُعْطِ أَجْرَ الْجَزَّارِ مِنْهَا شَيْئًا) وَالنَّهْيُ عَنْهُ نَهْيٌ عَنِ الْبَيْعِ أَيْضًا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَيْعِ

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَجُزَّ صُوفَ أُضْحِيَّتِهِ وَيَنْتَفِعَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَهَا) لِأَنَّهُ الْتَزَمَ إقَامَةَ الْقُرْبَةِ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الذَّبْحِ لِأَنَّهُ أُقِيمَتْ الْقُرْبَةُ بِهَا كَمَا فِي الْهَدْيِ ، وَيُكْرَهُ أَنْ يَحْلُبَ لَبَنَهَا فَيَنْتَفِعَ بِهِ كَمَا فِي الصُّوفِ .

ترجمہ

اور قربانی میں سے قصائی کو کچھ اجرت کے طور پر نہ دے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قربانی کی جھول اور رسی کو صدقہ کردو اور اس میں سے قصاب کو بطور اجرت کچھ نہ دو۔ کیونکہ اجرت کی نہی سے بیع کی نہی ہے۔ کیونکہ اجرت بیع کے معنی میں ہے۔

اور ذبح کرنے سے پہلے قربانی والے جانور سے اون کو کاٹ لینا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ قربانی کرنے والے نے قربانی کے تمام حصوں میں قربت کی ادائیگی کو اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ جبکہ ذبح کے بعد ایسا نہیں ہے کیونکہ اب قربت ادا ہو چکی ہے۔ جس طرح ہدی کے جانور میں ہوتا ہے اور دودھ دوہ کر اس سے فائدہ اٹھانا بھی مکروہ ہے جس طرح اون کا فائدہ مکروہ ہے

قربانی کی کھالوں کو اجرت میں دینے کی ممانعت کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کی خبر گیری کروں، ان کے گوشت کو خیرات کردوں اور ان کی کھالیں اور جھولیں بھی صدقہ کردوں، اور یہ کہ قصائی کو ان میں سے کوئی چیز (بطور مزدوری) نہ دوں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (مزدوری) ہم اپنے پاس سے دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

اونٹوں سے مراد وہ اونٹ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں بطور ہدی مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور جن کی تعداد سو تھی، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ہدی کے جانور کی کھال، جھول اور مہار وغیرہ بھی خیرات کردینی چاہئے، ان چیزوں کو قصائی کو مزدوری میں نہ دینا چاہئے ہاں اگر قصائی کو احسانا دیا جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

چاہے تو کھال ہی کسی کو صدقہ وخیرات کردی جائے اور اگر اس کو فروخت کر کے جو قیمت ملے وہ صدقہ کردی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

بکری کا دودھ نہ نکالنا چاہیے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا جائے تا کہ اس کا دودھ اترنا موقوف ہو جائے اور اگر دودھ نہ نکالنے سے جانور کو تکلیف ہو تو پھر دودھ نکال لیا جائے اور اسے خیرات کر دیا جائے۔

قربانی اللہ کی رضا کی لیے دی جاتی ہے اس لیے اس کی کھال اور گوشت وغیرہ بطور اجرت قصاب کو دینا منع ہے۔ اسی طرح کھال کو فروخت کر کے اس کے پیسے خود استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں کھال کا مشکیزہ وغیرہ بنا کر اس کو اپنے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

امام حاکم علیہ الرحمہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی کوئی قربانی نہیں۔ (حاکم، المستدرک، ج ۲، ص ۳۸۹)

اس روایت کے مطابق کھال کو فروخت کر کے اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح قصاب کی اس سے اجرت بھی جائز نہیں۔ سو قربانی کی کھال کو فروخت کرنا سخت ناپسند کیا گیا۔

آج کل بعض لوگ قربانی پر کثیر رقم خرچ کرتے ہیں مگر قصاب یا کسی شخص کو اجرت کے طور پر اس کی کھال یا گوشت دیتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ سو قصاب کو اجرت اپنے پاس سے ادا کرنی چاہیے اور کھال یا اس کی قیمت کو مساکین وفقراء یا فلاحی کاموں میں خرچ کرنا چاہیے۔

قربانی کرنے والے کا اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کی فضیلت کا بیان

قَالَ (وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَذْبَحَ أُضْحِيَّتَهُ بِيَدِهِ إِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ) وَإِنْ كَانَ لَا يُحْسِنُهُ فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَسْتَعِينَ بِغَيْرِهِ ، وَإِذَا اسْتَعَانَ بِغَيْرِهِ يَنْبَغِي أَنْ يَشْهَدَهَا بِنَفْسِهِ (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قُومِي فَاشْهَدِي أُضْحِيَّتَكِ ، فَإِنَّهُ يُغْفَرُ لَكِ بِأَوَّلِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهَا كُلُّ ذَنْبٍ) .

ترجمہ

اور اگر قربانی کرنے والا اچھی طرح قربانی کرنا جانتا ہے تو اس کیلئے اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے۔ اور اس کو بہتر طریقے سے ذبح کرنا نہیں آتا تو اب بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو کسی سے مدد حاصل کرے۔ اور جب وہ کسی دوسرے سے تعاون حاصل کرے تو اس کیلئے مناسب یہ ہوگا۔ کہ وہ خود بھی وہاں پر موجود رہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم اپنی قربانی پاس کھڑی ہو جاؤ کیونکہ قربانی کے خون سے پہلے قطرے کے بہہ جانے سے تمہارے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

شرح

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبوں کی جو سینگوں والے (یعنی جن کے سینگ لمبے تھے یا یہ کہ سینگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور ابلق (یعنی سیاہ رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ و اللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پہلو (یا کلے) پر پاؤں رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1427)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ اگر وہ ذبح کے آداب جانتا ہو تو قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر اپنی طرف سے کسی دوسری آدمی سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود رہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (یعنی بسم اللہ کہنا) حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور تکبیر کہنی (یعنی واللہ اکبر کہنا) علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ ویقول بسم اللہ واللہ اکبر میں اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ کہنا افضل ہے۔ ذبح کے وقت درود پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔

کتابی کا قربانی کو ذبح کرنے میں کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَذْبَحَهَا الْكِتَابِيُّ) لِأَنَّهُ عَمَلٌ هُوَ قُرْبَةٌ وَهُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهَا ، فَلَوْ أَمَرَهُ فَذَبَحَ جَازَ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ ، وَالْقُرْبَةُ أُقِيمَتْ بِإِنَابَتِهِ وَنِيَّتِهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا أَمَرَ الْمَجُوسِيَّ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ فَكَانَ إفْسَادًا .

ترجمہ

اور کتابی کا ذبح کرنا مکروہ ہے کیونکہ ذبح قربت والا عمل ہے اور کتابی قربت کا اہل نہیں ہے۔ اور جب کسی مسلمان نے کسی کتابی کو حکم دیا اور اس نے اس پر ذبح کر دیا ہے تو جائز ہے۔ کیونکہ وہ اہل ذبح میں سے ہے۔ کیونکہ قربانی مسلمان کا قائم مقام بنانے اور مسلمان کی نیت سے واقع ہوئی ہے۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب وہ کسی مجوسی کو حکم دے۔ کیونکہ مجوسی اہل ذبح میں سے نہیں ہے۔ پس اس حکم میں افساد ہو جائے گا۔

شرح

اور قربانی کا جانور مسلمان سے ذبح کرانا چاہیے اگر کسی مجوسی یا دوسرے مشرک سے قربانی کا جانور ذبح کرا دیا تو قربانی نہیں ہوئی بلکہ یہ جانور حرام و مردار ہے اور کتابی سے قربانی کا جانور ذبح کرانا مکروہ ہے کہ قربانی سے مقصود تقرّب اِلَی اللہ ہے۔ اس میں کافر سے مدد نہ لی جائے بلکہ بعض ائمہ کے نزدیک اس صورت میں بھی قربانی نہیں ہوگی مگر ہمارا مذہب وہی پہلا ہے کہ قربانی ہو

جائے گی اور مکروہ ہے۔ (تبیین الحقائق، کتاب اضحیہ، بیروت)

کسی دوسرے کے جانور کو قربانی میں ذبح کردینے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا غَلِطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أُضْحِيَّةَ الْآخَرِ أَجْزَأَ عَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ مَنْ ذَبَحَ أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَا يَحِلُّ لَهُ ذَلِكَ وَهُوَ ضَامِنٌ لِقِيمَتِهَا، وَلَا يُجْزِئُهُ عَنْ الْأُضْحِيَّةِ فِي الْقِيَاسِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَفِي الِاسْتِحْسَانِ يَجُوزُ وَلَا ضَمَانَ عَلَى الذَّابِحِ، وَهُوَ قَوْلُنَا. وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهُ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَيَضْمَنُ، كَمَا إِذَا ذَبَحَ شَاةً اشْتَرَاهَا الْقَصَّابُ.

ترجمہ

اور جب بندوں سے خطاء ہوئی اور ان میں سے ہر کسی نے دوسرے کے جانور کو ذبح کردیا ہے تو ان کیلئے وہی کافی ہوجائے گا اور ان پر کوئی ضمان بھی نہ آئے گا۔ اور یہ استحسان کی دلیل سے ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ جس بندے نے دوسرے کی اجازت کے سوا جانور کو ذبح کیا ہے تو وہ اس کیلئے حلال نہیں ہے۔ اور وہ ذبح کرنے والا اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور قیاس کے مطابق اس کا یہ عمل قربانی کیلئے کفایت نہ کرے گا۔ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ جبکہ استحسان کے مطابق ذبح کرنے والا کا یہ عمل صحیح ہے۔ اور اس پر کوئی ضمان بھی نہ ہوگا اور ہمارا قول بھی اسی طرح ہے۔ جبکہ قیاس کی دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنے والے نے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کی بکری کو ذبح کرڈالا ہے پس وہ اس کا ضامن بنے گا۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی بکری کو قصاب نے خریدا ہے لیکن اس کو کسی دوسرے آدمی نے ذبح کردیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو شخصوں نے غلطی سے یہ کیا کہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کی بکری ذبح کردی یعنی ہر ایک نے دوسرے کی بکری کو اپنی سمجھ کر قربانی کردیا تو بکری جس کی تھی اوسی کی قربانی ہوئی اور چونکہ دونوں نے ایسا کیا لہٰذا دونوں کی قربانیاں ہوگئیں اور اس صورت میں کسی پر تاوان نہیں بلکہ ہر ایک اپنی اپنی بکری ذبح شدہ لے لے اور فرض کرو کہ ہر ایک کو اپنی غلطی اوس وقت معلوم ہوئی جب اوس بکری کو صرف کرچکا تو چونکہ ہر ایک نے دوسرے کی بکری کھا ڈالی لہٰذا ہر ایک دوسرے سے معاف کرالے اور اگر معافی پر راضی نہ ہوں تو چونکہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کا گوشت بلا اجازت کھاڈالا گوشت کی قیمت کا تاوان لے لے اس تاوان کو صدقہ کرے کہ قربانی کے گوشت کے معاوضہ کا یہی حکم ہے۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں کہ ہر ایک دوسرے کے اس فعل پر کہ اوس نے اس کی بکری ذبح کرڈالی راضی ہو تو جس کی بکری تھی اوسی کی قربانی ہوئی اور اگر راضی نہ ہو تو بکری کی قیمت کا تاوان لے گا اور اس صورت میں جس نے ذبح کی اوس کی قربانی ہوئی یعنی

بکری کا سبب تاوان لیا تو بکری ذابح کی ہوگئی اور اسی کی جانب سے قربانی ہوئی اور گوشت کا بھی یہی مالک ہوا۔
دوسرے کی قربانی کی بکری بغیر اوس کی اجازت کے قصداً ذبح کردی اس کی دو صورتیں ہیں مالک کی طرف سے اس نے قربانی کی یا اپنی طرف سے، اگر مالک کی نیت سے قربانی کی تو اوس کی قربانی ہوگئی کہ وہ جانور قربانی کے لیے تھا اور قربان کردیا گیا اس صورت میں مالک اوس سے تاوان نہیں لے سکتا اور اگر اوس نے اپنی طرف سے قربانی کی اور ذبح شدہ بکری کے لینے پر مالک راضی ہے تو قربانی مالک کی جانب سے ہوئی اور ذابح کی نیت کا اعتبار نہیں اور مالک اگر اس پر راضی نہیں بلکہ بکری کا تاوان لیتا ہے تو مالک کی قربانی نہیں ہوئی بلکہ ذابح کی ہوئی کہ تاوان دینے سے بکری کا مالک ہوگیا اور اوس کی اپنی قربانی ہوگئی۔
(درمختار، ردالمحتار، کتاب اضحیہ، بیروت)

تعین اضحیہ کے سبب دلیل استحسان کا بیان

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهَا تَعَيَّنَتْ لِلذَّبْحِ لِتَعَيُّنِهَا لِلْأُضْحِيَّةِ حَتَّى وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُضَحِّيَ بِهَا بِعَيْنِهَا فِي أَيَّامِ النَّحْرِ.

وَيُكْرَهُ أَنْ يُبْدِلَ بِهَا غَيْرَهَا فَصَارَ الْمَالِكُ مُسْتَعِينًا بِكُلِّ مَنْ يَكُونُ أَهْلًا لِلذَّبْحِ آذِنًا لَهُ دَلَالَةً لِأَنَّهَا تَفُوتُ بِمُضِيِّ هَذِهِ الْأَيَّامِ، وَعَسَاهُ يَعْجِزُ عَنْ إقَامَتِهَا بِعَوَارِضَ فَصَارَ كَمَا إذَا ذَبَحَ شَاةً شَدَّ الْقَصَّابُ رِجْلَهَا، فَإِنْ قِيلَ: يَفُوتُهُ أَمْرٌ مُسْتَحَبٌّ وَهُوَ أَنْ يَذْبَحَهَا بِنَفْسِهِ أَوْ يَشْهَدَ الذَّبْحَ فَلَا يَرْضَى بِهِ.

قُلْنَا: يَحْصُلُ لَهُ بِهِ مُسْتَحَبَّانِ آخَرَانِ، صَيْرُورَتُهُ مُضَحِّيًا لِمَا عَيَّنَهُ، وَكَوْنُهُ مُعَجِّلًا بِهِ فَيَرْتَضِيهِ لِعُلَمَائِنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ مِنْ هَذَا الْجِنْسِ مَسَائِلُ اسْتِحْسَانِيَّةٌ، وَهِيَ أَنَّ مَنْ طَبَخَ لَحْمَ غَيْرِهِ أَوْ طَحَنَ حِنْطَتَهُ أَوْ رَفَعَ جَرَّتَهُ فَانْكَسَرَتْ أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَعَطِبَتْ كُلُّ ذَلِكَ بِغَيْرِ أَمْرِ الْمَالِكِ يَكُونُ ضَامِنًا، وَلَوْ وَضَعَ الْمَالِكُ اللَّحْمَ فِي الْقِدْرِ وَالْقِدْرَ عَلَى الْكَانُونِ وَالْحَطَبَ تَحْتَهُ، أَوْ جَعَلَ الْحِنْطَةَ فِي الدَّوْرَقِ وَرَبَطَ الدَّابَّةَ عَلَيْهِ، أَوْ رَفَعَ الْجَرَّةَ وَأَمَالَهَا إلَى نَفْسِهِ أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَسَقَطَ فِي الطَّرِيقِ، فَأَوْقَدَ هُوَ النَّارَ فِيهِ وَطَبَخَهُ، أَوْ سَاقَ الدَّابَّةَ فَطَحَنَهَا، أَوْ أَعَانَهُ عَلَى رَفْعِ الْجَرَّةِ فَانْكَسَرَتْ فِيمَا بَيْنَهُمَا، أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ مَا سَقَطَ فَعَطِبَتْ لَا يَكُونُ ضَامِنًا فِي هَذِهِ الصُّوَرِ كُلِّهَا اسْتِحْسَانًا لِوُجُودِ الْإِذْنِ دَلَالَةً.

ترجمہ

اور اس مسئلہ میں استحسان کی دلیل یہ ہے کہ وہ جانور قربانی کیلئے معین ہو چکا ہے۔ اور وہ جانور ذبح کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایام قربانی میں اس شخص پر وہی معین کردہ جانور کی قربانی واجب ہے۔ حتیٰ کہ اس کے بدلے میں دوسرے کے ساتھ بدلنا بھی مکروہ ہے۔ پس وہ مالک ہر اس آدمی سے مدد حاصل کرنے والا ہے جو ذبح کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ لہذا وہ دلالت کے اعتبار سے اس کی اجازت دینے والا ہے۔ کیونکہ قربانی کے دنوں کے گزر جانے کے سبب وہ فوت ہو جائے گی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مالک بعض عوارض کے سبب اپنی قربانی کو ذبح نہ کر سکتا ہو۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب ایسی بکری کو ذبح کر دیا گیا ہے جس کے پاؤں قصائی نے باندھ دیئے ہیں۔ اور جب مالک پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے ایک مستحب عمل ترک ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ خود ذبح کرتا ہے یا پھر ذبح کے وقت وہ موجود رہتا ہے۔ تو مالک اس سے رضا مند نہ ہوگا۔ تو اس پر ہم جواب دیں گے۔ کہ مالک کو دوسرے دو مستحبات مل رہے ہیں ایک یہ ہے اس کا معین کردہ جانور کو ذبح کرنے والا ہے اور دوسرا یہ ہے ذبح کرنے میں جلدی پائی جارہی ہے۔ پس وہ اس سے خوش ہو جائے گا۔

ہمارے فقہاء کے نزدیک اس جنس سے متعلق کئی استحسانی مسائل موجود ہیں اور وہ یہ بھی ہے کہ جب کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کا گوشت پکا لیا ہے یا اس کی گندم کو پیس لیا ہے یا اس کو مٹکا اٹھا لیا ہے۔ اور وہ اس سے ٹوٹ گیا ہے یا پھر اس نے اس کی سواری پر بار برداری کی ہے۔ اور وہ ہلاک ہو گئی ہے اور جب یہ تمام معاملات مالک کی اجازت کے سوا ہیں تو ایسا کرنے والا ضامن بن جائے گا۔

اور جب مالک نے ہانڈی میں سالن رکھا اور اس کو چولہے پر رکھ کر اس کے نیچے آگ جلائی یا پھر مالک نے دردق میں گندم رکھ دی ہے۔ اور جانور کو اس نے باندھ دیا ہے یا پھر مالک نے گھڑے کو اٹھا کر اس کو اپنی جانب کر لیا ہے یا پھر اس نے اپنے جانور پر بوجھ لادا ہے اور وہ جانور راستے میں گر گیا ہے۔ اور کھانے کے نیچے آگ جلا کر اس کو پکا لیا ہے یا اس نے جانور کو ہانک لیا ہے اور گندم کو پیس دیا ہے یا اس نے گھڑا اٹھانے میں مالک کی مدد کی ہے تو ان دونوں سے ٹوٹ گیا ہے یا اس نے گرا ہوا سامان مالک کے جانور پر لاد ڈالا ہے۔ اس کے بعد وہ ہلاک ہو گیا ہے۔ تو ان تمام صورتوں بطور دلالت اجازت پائی جارہی ہے لہذا استحسان کے مطابق دوسرا آدمی ضامن نہ بن سکے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر بکری قربانی کے لیے معین نہ ہو تو بغیر اجازتِ مالک اگر دوسرا شخص قربانی کر دے گا تو قربانی نہ ہوگی مثلاً ایک شخص نے پانچ بکریاں خریدی تھیں اور اوس کا یہ خیال تھا کہ ان میں سے ایک بکری کو قربانی کروں گا اور اون میں سے کسی ایک کو معیّن نہیں کیا تھا تو دوسرا شخص مالک کی جانب سے قربانی نہیں کر سکتا اگر کریگا تو تاوان لازم ہوگا ذبح کے بعد مالک اوس کی قربانی کی نیت کرے بیکار ہے یعنی اس صورت میں قربانی نہیں ہوئی۔ (ردالمحتار، کتاب اضحیہ، بیروت)

کھال اتاری گئی بکری کا تبادلہ کرنے کا بیان

إِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُولُ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ : ذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ صَرِيحًا فَهِيَ خِلَافِيَّةُ زُفَرَ بِعَيْنِهَا وَيَتَأَتَّى فِيهَا الْقِيَاسُ وَالِاسْتِحْسَانُ كَمَا ذَكَرْنَا ، فَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَسْلُوخَةً مِنْ صَاحِبِهِ ، وَلَا يُضَمِّنُهُ لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ فِيمَا فَعَلَ دَلَالَةً ، فَإِذَا كَانَا قَدْ أَكَلَا ثُمَّ عَلِمَا فَلْيُحَلِّلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ وَيُجْزِيهِمَا ، لِأَنَّهُ لَوْ أَطْعَمَهُ فِي الِابْتِدَاءِ يَجُوزُ ، وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا فَكَذَا لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهُ فِي الِانْتِهَاءِ وَإِنْ ، تَشَاحَّا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُضَمِّنَ صَاحِبَهُ قِيمَةَ لَحْمِهِ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِتِلْكَ الْقِيمَةِ لِأَنَّهَا بَدَلٌ عَنِ اللَّحْمِ فَصَارَ كَمَا لَوْ بَاعَ أُضْحِيَّتَهُ ، وَهٰذَا لِأَنَّ التَّضْحِيَةَ لَمَّا وَقَعَتْ عَنْ صَاحِبِهِ كَانَ اللَّحْمُ لَهُ وَمَنْ أَتْلَفَ لَحْمَ أُضْحِيَّةِ غَيْرِهِ كَانَ الْحُكْمُ مَا ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ

اور جب یہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے تو کتاب میں ذکر کردہ مسئلہ میں ہم اس طرح کہیں گے کہ ان دونوں بندوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی اجازت صریحہ کے سوا قربانی کی ہے تو وہی امام زفر علیہ الرحمہ والا اختلاف ہوا ہے۔ اور اس مسئلہ کی دلیل میں قیاس اور استحسان دونوں میں تقابل آرہا ہے جس طرح ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک کھال اتری ہوئی بکری کا تبادلہ کرلے گا۔ اور ان میں سے کوئی بھی ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ دونوں بطور دلالت اپنے کیے پر اپنے ساتھی کیلئے وکیل ہیں۔

اور جب کھانے کے بعد ان دونوں کا پتہ چلا تو ان میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی کیلئے حلال کر دینی چاہیے اور ان دونوں کے درمیان یہی کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ جب وہ شروع میں گوشت کھلا دیتا تو بھی اس کیلئے جائز تھا خواہ وہ مالدار ہے پس وہ انتہائی حکم کے اعتبار سے حلال کرنے میں حق رکھنے والا ہوگا۔

اور جب ان دونوں نے آپس میں جھگڑا کر لیا ہے تو ان میں سے ہر ایک کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنے ساتھی کو اپنے گوشت کی قیمت کا ضامن بن کر اس کی قیمت کو صدقہ کر دے۔ کیونکہ وہ قیمت گوشت کا بدلہ بنے گا۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی شخص نے اپنی قربانی کو فروخت کیا ہے۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ جب قربانی اپنے مالک کی جانب سے واقع ہوئی ہے تو گوشت بھی مالک کیلئے ہوگا۔ اور جس شخص نے دوسرے کی قربانی کا گوشت ہلاک کر دیا ہے تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہوگا جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔ (اس کی شرح سابقہ جزئی کھال اتری بکری کے ضمن میں آچکی ہے)

غصب کردہ بکری کی قربانی کرنے کا بیان

(وَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَضَحَّى بِهَا ضَمِنَ قِيمَتَهَا وَجَازَ عَنْ أُضْحِيَّتِهِ) لِأَنَّهُ مَلَكَهَا بِسَابِقِ الْغَصْبِ ، بِخِلَافِ مَا لَوْ أُودِعَ شَاةً فَضَحَّى بِهَا لِأَنَّهُ يُضَمِّنُهُ بِالذَّبْحِ فَلَمْ يَثْبُتْ الْمِلْكُ لَهُ إلَّا بَعْدَ الذَّبْحِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور جس بندے نے بکری کو غصب کیا اور اس کی قربانی کردی تو وہ شخص اس بکری کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ البتہ اس کی قربانی جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ سابقہ غصب کے سبب اس مال کا مالک بن چکا ہے۔ بہ خلاف اس صورت مسئلہ کے کہ جب اس کے پاس کوئی بکری بطور ودیعت رکھی ہوئی ہے اور اس نے اس کی قربانی کردی ہے۔ کیونکہ اب وہ ذبح کے سبب سے اس کا ضامن ہوگا۔ پس ذبح کے بعد اس کی ملکیت ثابت ہو سکتی ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی شخص نے دوسرے کی بکری غصب کرلی اور اوس کی قربانی کرلی اگر مالک نے زندہ بکری کا اوس شخص سے تاوان لے لیا تو قربانی ہوگئی مگر یہ شخص گنہگار ہے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور اگر مالک نے تاوان نہیں لیا بلکہ ذبح کی ہوئی بکری لی اور ذبح کرنے سے جو کچھ کمی ہوئی اوس کا تاوان لیا تو قربانی نہیں ہوئی۔

اور جب اپنی بکری دوسرے کی طرف سے ذبح کردی اوس کے حکم سے ایسا کیا یا بغیر حکم بہر صورت اوس کی قربانی نہیں کیونکہ اوس کی طرف سے قربانی اوس وقت ہو سکتی ہے جب اوس کی مِلک ہو۔

ایک شخص کے پاس کسی کی بکری امانت کے طور پر تھی امین نے قربانی کردی یہ قربانی صحیح نہیں نہ مالک کی طرف سے نہ امین کی طرف سے اگرچہ مالک نے امین سے اپنی بکری کا تاوان لیا ہو اسی طرح اگر کسی کا جانور اس کے پاس عاریت یا اجارہ کے طور پر ہے اور اس نے قربانی کردیا یہ قربانی جائز نہیں۔ مرہون کو راہن نے قربانی کیا تو ہو جائے گی کہ جانور اوس کی مِلک ہے اور مرتہن نے کیا تو اس میں اختلاف ہے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب ذبائع، بیروت)

حرام قطعی پر بسم اللہ کو پڑھنا سبب کفر ہونے کا بیان

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں تو درمختار کے باب الصید کے آخر میں جو واقع ہے وہ غیر معتمد اور غیر محرر ہے، وہ عبارت یہ ہے، "میں نے ثقہ عبارت میں پایا کہ کسی نے بکری چوری کرکے ذبح کرلی اور اس پر بسم اللہ پڑھی تو مالک ناراض ہوا، کیا وہ کھائی جائے گی؟ (جواب) اصح یہ ہے کہ نہ کھائی جائے کیونکہ حرام قطعی پر بسم اللہ پڑھنے سے کفر ہونے کی بناء پر ملکیت اور اذن شرعی کے بغیر یہ عمل ہوا۔ اس کو واضح کیا جائے۔ یہ اس لئے غیر معتبر ہے کہ درمختار اور دیگر عام کتب مذہب کے بیان کے خلاف ہے

اور اسی لئے ردالمحتار میں فرمایا اس کا خلاف معتمد علیہ ہے اس پر دلیل فقہاء کا یہ قول ہے کہ غصب شدہ بکری کی قربانی صحیح ہے، اور امانت بکری کے متعلق اختلاف کیا، اور اسی لئے سائحانی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ یہ غصب میں بیان شدہ کے خلاف ہے اور قربانی کے بیان سے بھی مخالف ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا، اقول: (میں کہتا ہوں) اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح شدہ بکری حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ کو واقع بتایا گیا تو آپ نے وہ گوشت نہ کھایا اور آپ نے وہ گوشت قیدیوں کو دے دینے کا حکم فرمایا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(درمختار، کتاب صید، فتاویٰ رضویہ، کتاب ذبائع، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

﴿یہ کتاب کراہیت کے بیان میں ہے﴾

کتاب کراہیت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتاب کراہیہ کی کتاب اضحیہ کے ساتھ فقہی مطابقت ان دونوں کتب کے ... مأخذ کا اشتراک ہے اور وہ اس طرح ہے کہ کتاب اضحیہ کے کثیر مسائل کا مرجع اخبار وروایات ہیں اور اسی طرح کتاب کراہیت ... اساس وبنیاد بھی انہی میں سے ہے۔ لہذا ان دونوں کو ایک ساتھ بیان کردیا ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، کتاب کراہیت، حقانیہ ملتان)

ہمارے علم کے مطابق کتاب کراہیہ اور اضحیہ کے درمیان فقہی مطابقت یہ ہے کہ اضحیہ کو ذبح کرنے کے بعد انسان اس ... گوشت استعمال کرتے ہیں۔ جو کھانا ہے۔ اور کتاب کراہیت میں کثیر مسائل ایسے ہیں جن کو تعلق لباس اور پینے اور برتنوں ... استعمال کرنے کے بیان میں ہے۔ اور محدثین نے کتاب لباس میں کراہیت کی مذکورہ تمام صورتوں کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ ... ان کتب میں یہی مطابقت ہوئی جس کو محدثین نے بھی اپنایا ہے۔

مکروہ کے فقہی مفہوم کا بیان

مکروہ وہ عمل ہے جسے ناپسند کیا گیا ہو یا جس سے منع کیا گیا ہو لیکن اس سے لازمی طور پر رکنا مطلوب نہ ہو یا دوسرے لفظوں میں جس کام کے ترک پر ثواب ملے اور ارتکاب پر گناہ نہ ملے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مکروہ حرام ہے جبکہ امام صاحب اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک حرام سے قریب تر ہے۔ (درمختار شرح تنویر الابصار، کتاب الحظر والاباحۃ)

اور عند التحقیق یہ بھی صرف اطلاق لفظ کا فرق ہے معنی سب کا ایک مذہب خود امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ناقل کہ انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: اذا قلت فی شیء اکرہ فما رأیك فیه جب آپ کسی شی ء کو مکروہ فرمائیں تو اس میں آپ کی کیا رائے ہوتی ہے؟ قال التحریم فرمایا حرام ٹھہرانا، فتاویٰ شامی میں اس کو شرح التحریر کے حوالے سے ذکر فرمایا جو امام ابن امیر الحاج کی تصنیف ہے انھوں نے مبسوط امام محمد سے نقل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے۔

مکروہ سے متعلق فقہاء کرام کے کلام کا بیان

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : تَكَلَّمُوا فِي مَعْنَى الْمَكْرُوهِ . وَالْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ نَصًّا أَنَّ كُلَّ مَكْرُوهٍ حَرَامٌ ، إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَجِدْ فِيهِ نَصًّا قَاطِعًا لَمْ يُطْلِقْ عَلَيْهِ لَفْظَ الْحَرَامِ .
وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ ، وَهُوَ يَشْتَمِلُ عَلَى فُصُولٍ مِنْهَا (فَصْلٌ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ) : (قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : يُكْرَهُ لُحُومُ الْأُتُنِ وَأَلْبَانُهَا وَأَبْوَالُ الْإِبِلِ .
وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : لَا بَأْسَ بِأَبْوَالِ الْإِبِلِ) وَتَأْوِيلُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهَا لِلتَّدَاوِي ، وَقَدْ بَيَّنَّا هَذِهِ الْجُمْلَةَ فِيمَا تَقَدَّمَ فِي الصَّلَاةِ وَالذَّبَائِحِ فَلَا نُعِيدُهَا ، وَاللَّبَنُ مُتَوَلِّدٌ مِنْ اللَّحْمِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ

ترجمہ

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی رضی اللہ عنہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ مکروہ کے معنی میں فقہاء نے کلام کیا ہے۔اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے صراحت کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ مکروہ حرام ہے۔ہاں البتہ جب ان کو کوئی صریح نص قطعی نہیں ملتی تو وہ اس پر حرام کا اطلاق نہیں کرتے۔

شیخین نے کہا ہے کہ مکروہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔اور یہ کتاب چند فصول پر مشتمل ہے۔جن میں سے ایک فصل کھانے پینے کے بیان میں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ گدھیوں کے گوشت اور ان کے پیشاب اور اونٹ کے پیشاب مکروہ ہیں۔جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ اونٹوں کا پیشاب بطور دوا استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور اس کو ہم نے کتاب صلوٰۃ اور کتاب ذبائح میں بیان کر دیا ہے۔پس یہاں اس کو دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اور دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔اسی وجہ سے ہم نے اس کا حکم لیا ہے۔

مکروہ کی وضاحت وحکم کا بیان

شارع کا خطاب اگر کسی فعل کو ترک کرنے کے بارے میں ہو مگر طلبِ جازم کے ساتھ نہ ہو، تو یہ مکروہ کہلائے گا۔ مکروہ وہ ہے جس کے چھوڑنے والے کی تعریف کی جائے اور کرنے والے کی مذمت نہ کی جائے، یا جس کا چھوڑنا کرنے سے بہتر ہو۔

شارع سے آداب میں کسی فعل کو ترک کرنے کی طلب پائی جائے۔ اور اس میں کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کے غیر جازم ہونے کا فائدہ دے تو اس کے باعث وہ فعل مکروہ قرار پائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے۔

من كان موسرا ولم ينكح فليس منا (البيهقي)

وہ جو مالدار ہو اور نکاح نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں۔ یہاں صیغہ نفی ہے نفی میں رسول اللہ ﷺ نے عدم نکاح پر ... ہے۔ البتہ آپ ﷺ نے بعض مالداروں کے نکاح نہ کرنے پر سکوت اختیار کیا، جو اس طلب کے غیر جازم ہونے کا قرینہ ہے۔ لہذا مالداروں کے لئے عدم نکاح مکروہ قرار پایا۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالِادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الَّذِي يَشْرَبُ فِي إنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ (إنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ) (وَأُتِيَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِشَرَابٍ فِي إنَاءِ فِضَّةٍ فَلَمْ يَقْبَلْهُ وَقَالَ: نَهَانَا عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فِي الشُّرْبِ فَكَذَا فِي الِادِّهَانِ وَنَحْوِهِ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهُ وَلِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِزِيِّ الْمُشْرِكِينَ وَتَنَعُّمٌ بِنِعَمِ الْمُتْرَفِينَ وَالْمُسْرِفِينَ، وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: يُكْرَهُ وَمُرَادُهُ التَّحْرِيمُ وَيَسْتَوِي فِيهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ لِعُمُومِ النَّهْيِ، وَكَذَلِكَ الْأَكْلُ بِمِلْعَقَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالِاكْتِحَالُ بِمِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَكَذَا مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ كَالْمُكْحُلَةِ وَالْمِرْآةِ وَغَيْرِهِمَا لِمَا ذَكَرْنَا.

ترجمہ

فرمایا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا جائز نہیں ہے یہ حکم مردوں اور عورتوں کیلئے ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے جس میں آپ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سونے چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے فرمایا اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چاندی کے برتن میں پانی لایا گیا تو آپ نے اس سے نہ پیا اور فرمایا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔

اور جب پینے میں جواز ثابت نہ ہوا تو ادھان وغیرہ میں بھی یہی حکم ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ ادھان بھی پینے کے حکم میں ہیں اور یہ بھی دلیل ہے کہ مشرکین کی ثقافت کے مشابہ اور تکبر کرنے اور فضول خرچی کرنے والوں کی عیاشی کی طرح ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں اس کو مکروہ کہا ہے۔ اور اس سے ان کی مراد مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ نفی میں عموم ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور اس حکم میں مرد وعورت سب برابر ہیں۔ اور اسی طرح سونے چاندی کی چمچ سے کھانا اور سونے چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا بھی جائز نہیں ہے۔ اور ایسے ہی ہر وہ چیز مکروہ تحریمی ہے جو چیز ان کے مشابہ ہے۔ جس طرح سرمہ دانی اور شیشہ وغیرہ ہیں۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

حضرت ابن ابی لیلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے پانی مانگا تو ایک شخص چاندی کے برتن میں پانی لے کر حاضر ہوا انہوں نے اسے پھینک دیا اور فرمایا میں نے اسے منع کیا تھا لیکن یہ باز نہیں آیا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا اور اسی طرح ریشم اور دیباج کا لباس پہننے سے منع فرمایا۔

یہ تم لوگوں کے لیے آخرت میں ہے اور ان لوگوں (یعنی کفار) کے لیے دنیا میں۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ، براء، اور عائشہ سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1959)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا اور ان کی پیالیوں سے تیل لگانا یا ان کے عطر دان سے عطر لگانا یا ان کی انگیٹھی سے بخور کرنا منع ہے اور یہ ممانعت مرد وعورت دونوں کے لیے ہے۔ عورتوں کو ان کے زیور پہننے کی اجازت ہے۔ زیور کے سوا دوسری طرح سونے چاندی کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔

اور سونے چاندی کے چمچے سے کھانا، ان کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا، ان کے آئینہ میں مونھ دیکھنا، ان کی قلم دوات سے لکھنا، ان کے لوٹے یا طشت سے وضو کرنا یا ان کی کرسی پر بیٹھنا، مرد عورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔

اور سونے چاندی کی آرسی پہننا عورت کے لیے جائز ہے، مگر اُس آرسی میں مونھ دیکھنا عورت کے لیے بھی ناجائز ہے۔

سونے چاندی کی چیزوں کے استعمال کی ممانعت اس صورت میں ہے کہ ان کو استعمال کرنا ہی مقصود ہو اور اگر یہ مقصود نہ ہو تو ممانعت نہیں، مثلاً سونے چاندی کی پلیٹ یا کٹورے میں کھانا رکھا ہوا ہے اگر یہ کھانا اسی میں چھوڑ دیا جائے تو اضاعتِ مال ہے اُس کو اُس میں سے نکال کر دوسرے برتن میں لے کر کھائے یا اُس میں سے پانی چلو میں لے کر پیا یا پیالی میں تیل تھا، سر پر پیالی سے تیل نہیں ڈالا بلکہ کسی برتن میں یا ہاتھ پر تیل اس غرض سے لیا کہ اُس سے استعمال ناجائز ہے، لہٰذا تیل کو اُس میں سے لے لیا جائے اور اب استعمال کیا جائے یہ جائز ہے اور اگر ہاتھ میں تیل کا لینا بغرض استعمال ہو جس طرح پیالی سے تیل لے کر سر یا داڑھی میں لگاتے ہیں، اس طرح کرنے سے ناجائز استعمال سے بچنا نہیں ہے کہ یہ بھی استعمال ہی ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

شیشے کے برتنوں کو استعمال کرنے میں جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِاسْتِعْمَالِ آنِيَةِ الرَّصَاصِ وَالزُّجَاجِ وَالْبَلُّورِ وَالْعَقِيقِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُكْرَهُ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فِي التَّفَاخُرِ بِهِ. قُلْنَا: لَيْسَ كَذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ مَا كَانَ

مِنْ عَادَتِهِمُ التَّفَاخُرُ بِغَيْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

ترجمہ

فرمایا کہ رانگ، کچ، بلور اور عقیق کے برتنوں کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مکروہ ہے۔ کیونکہ فخر کرنے کی طرح یہ اشیاء بھی سونے چاندی کے حکم میں ہیں اور ہم نے کہا ہے کہ اس طرح کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ مشرکوں کو سونے چاندی کے سوا کسی چیز سے فخر کرنے کی عادت نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور سونے چاندی کے سوا ہر قسم کے برتن کا استعمال جائز ہے، مثلاً تانبے، پیتل، سیسہ، بلور وغیرہا۔ مگر مٹی کے برتنوں کا استعمال سب سے بہتر کہ حدیث میں ہے کہ "جس نے اپنے گھر کے برتن مٹی کے بنوائے فرشتے اُس کی زیارت کو آئیں گے۔" تانبے اور پیتل کے برتنوں پر قلعی ہونی چاہیے، بغیر قلعی ان کے برتن استعمال کرنا مکروہ ہے۔

جس برتن میں سونے چاندی کا کام بنا ہوا ہے اس کا استعمال جائز ہے، جبکہ موضع استعمال میں سونا چاندی نہ ہو، مثلاً کٹورے یا گلاس میں چاندی کا کام ہو تو پانی پینے میں اس جگہ مونھ نہ لگے جہاں سونا یا چاندی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہاں ہاتھ بھی نہ لگے، اور قول اول اصح ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

سونے چاندی سے ملمع چیزوں کے استعمال میں فقہی اختلاف کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ الشُّرْبُ فِي الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالرُّكُوبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوسُ عَلَى الْكُرْسِيِّ الْمُفَضَّضِ وَالسَّرِيرِ الْمُفَضَّضِ إذَا كَانَ يَتَّقِي مَوْضِعَ الْفِضَّةِ) وَمَعْنَاهُ: يَتَّقِي مَوْضِعَ الْفَمِ، وَقِيلَ هَذَا وَمَوْضِعُ الْيَدِ فِي الْأَخْذِ وَفِي السَّرِيرِ وَالسَّرْجِ مَوْضِعُ الْجُلُوسِ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُكْرَهُ ذَلِكَ، وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ يُرْوَى مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيُرْوَى مَعَ أَبِي يُوسُفَ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِنَاءُ الْمُضَبَّبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْكُرْسِيُّ الْمُضَبَّبُ بِهِمَا، وَكَذَا إذَا جَعَلَ ذَلِكَ فِي السَّيْفِ وَالْمِشْحَذِ وَحَلْقَةِ الْمِرْآةِ، أَوْ جَعَلَ الْمُصْحَفَ مُذَهَّبًا أَوْ مُفَضَّضًا، وَكَذَا الِاخْتِلَافُ فِي اللِّجَامِ وَالرِّكَابِ وَالثَّفَرِ إذَا كَانَ مُفَضَّضًا، وَكَذَا الثَّوْبُ فِيهِ كِتَابَةٌ بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ عَلَى هَذَا، وَهَذَا الِاخْتِلَافُ فِيمَا يَخْلُصُ، فَأَمَّا التَّمْوِيهُ الَّذِي لَا يَخْلُصُ فَلَا بَأْسَ بِهِ بِالْإِجْمَاعِ. لَهُمَا أَنَّ مُسْتَعْمِلَ جُزْءٍ مِنْ الْإِنَاءِ

مستعمل جميع الأجزاء فيكره ، كما إذا استعمل موضع الذهب والفضة .
ولأبي حنيفة رحمة الله أن ذلك تابع ولا معتبر بالتوابع فلا يكره . كالجبة المكفوفة بالحرير والعلم في الثوب ومسمار الذهب في الفص .

ترجمہ

فرمایا کہ ایسے برتنوں میں پانی پینا جائز ہے جن کے کناروں پر چاندی چڑھائی گئی ہو اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔ اور اسی طرح چاندی سے ملمع زین پر سوار ہونا، چاندی سے ڈیکوریشن کی گئی کرسی پر بیٹھنا اور اسی طرح ایسے تخت پر لیٹنا جائز ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ چاندی والے مقام سے پرہیز کرے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ منہ کے مقام سے بچائے۔ اور ایک قول کے مطابق پکڑنے والی جگہ۔ جو موضع ید ہے اس سے پرہیز کرے اور تخت اور زین میں بیٹھنے کی جگہ سے احتراز کرے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مذکورہ تمام صورتیں مکروہ ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا ایک قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور ایک قول امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ساتھ ہے۔ اور جب کسی برتن پر سونے چاندی کی پتری چڑھائی گئی ہو تو اور اسی پتری چڑھائی گئی کرسی ہو تو اس کا اختلاف بھی مذکورہ بیان کردہ اختلاف کے مطابق ہے۔

اور اسی طرح جب تلوار یا صیقل کرنے والے آلہ یا شیشے کے حلقے میں سونے چاندی کی پتری چڑھادی ہے یا شیشے کو سونے چاندی والا بنا دیا ہے اور اسی طرح کا اختلاف اس مسئلہ میں بھی ہے جب لگام، رکاب اور دمچی میں چاندی کو چڑھایا گیا ہو اور اسی طرح ہر وہ کپڑا جس پر سونے چاندی کے ساتھ لکھائی کرائی گئی ہے۔

اور مذکورہ اختلاف ان چیزوں کے بیان میں ہے جو الگ ہو سکتی ہیں ہاں البتہ ایسی نقش کاری جو الگ نہ ہو سکے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص برتن کے ایک جزء کو استعمال کرنے والا ایسا ہے جس طرح اس نے سارے برتن کو استعمال کیا ہے۔ پس یہ مکروہ ہے۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی شخص نے سونے چاندی کی جگہ کو استعمال کیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مستعمل جزء تابع ہے اور توابع کا کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا پس وہ مکروہ نہ ہوگا جس طرح وہ جبہ ہے کہ جس کو ریشم کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح جب کپڑے کا نقش ہو اور نگینے کے اندر سونے کی میخ لگائی گئی ہے۔

شرح

اور چاندی سونے کا کرسی یا تخت میں کام بنا ہوا ہے یا زین میں کام بنا ہوا ہے تو اس پر بیٹھنا جائز ہے، جبکہ سونے چاندی کی جگہ

سے بچ کر بیٹھے۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز خالص سونے چاندی کی ہے، اس کا استعمال مطلقاً ناجائز ہے اور اگر اس میں جگہ جگہ چاندی ہے تو اگر موضع استعمال میں ہے تو ناجائز، ورنہ جائز۔ مثلاً چاندی کی انگیٹھی سے بخور کرنا مطلقاً ناجائز ہے، اگر چہ بخور لیتے وقت اس کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ اسی طرح اگر حقہ کی فرشی چاندی کی ہے تو اس سے حقہ پینا ناجائز ہے، اگر چہ یہ شخص فرشی پر ہاتھ نہ لگائے۔

اور اسی طرح حقہ کی منہ نال سونے چاندی کی ہے تو اس سے حقہ پینا ناجائز ہے اور اگر نیچے پر جگہ جگہ چاندی سونے کا تار ہو تو اس سے حقہ پی سکتا ہے، جبکہ استعمال کی جگہ پر تار نہ ہو۔ کرسی میں استعمال کی جگہ بیٹھنے کی جگہ ہے اور اس کا تکیہ ہے جس سے پیٹھ لگاتے ہیں اور اس کے دستے ہیں جن پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ تخت میں موضع استعمال بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اسی طرح زین میں اور رکاب بھی سونے چاندی کی ناجائز ہے اور اس میں کام بنا ہوا ہو تو موضع استعمال میں نہ ہو۔ یہی حکم لگام اور دُمچی کا ہے۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

ریشم کی ساری زین کو استعمال کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشمی زین پوشی پر سوار ہونے سے منع فرمایا اس باب میں حضرت علی اور معاویہ سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت براء کی حدیث حسن صحیح ہے شعبہ بھی اشعث بن ابی شعثاء سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1833)

معاملات میں کافر کے قول کا اعتبار کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَرْسَلَ أَجِيرًا لَهُ مَجُوسِيًّا أَوْ خَادِمًا فَاشْتَرَى لَحْمًا فَقَالَ اشْتَرَيْته مِنْ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مُسْلِمٍ وَسِعَهُ أَكْلُهُ) ؛ لِأَنَّ قَوْلَ الْكَافِرِ مَقْبُولٌ فِي الْمُعَامَلَاتِ ؛ لِأَنَّهُ خَبَرٌ صَحِيحٌ لِصُدُورِهِ عَنْ عَقْلٍ وَدِينٍ يُعْتَقَدُ فِيهِ حُرْمَةُ الْكَذِبِ وَالْحَاجَةُ مَاسَّةٌ إلَى قَبُولِهِ لِكَثْرَةِ وُقُوعِ الْمُعَامَلَاتِ (وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ لَمْ يَسَعْهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ) مَعْنَاهُ : إذَا كَانَ ذَبِيحَةَ غَيْرِ الْكِتَابِيِّ وَالْمُسْلِمِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا قَبِلَ قَوْلَهُ فِي الْحِلِّ أَوْلَى أَنْ يَقْبَلَ فِي الْحُرْمَةِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنے مجوسی غلام یا نوکر کو گوشت خریدنے کیلئے بھیج دیا ہے اور اس نے گوشت کو خرید کر یہ کہا کہ میں نے یہ گوشت فلاں یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے تو اس گوشت کو کھانے کیلئے مالک کیلئے وسعت ہے کیونکہ معاملات میں کافر کے قول کا اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ صحیح خبر ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ یہ خبر ایک ایسے عقلمند اور ایسے مذہب کو ماننے والے سے بیان ہوئی ہے جس میں جھوٹ کو حرام جاننے کا اعتقاد ہے۔ اور معاملات کا کثرت واقع ہونے کی وجہ سے ایسی خبر کو تسلیم کرتے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

معاملات میں کافر کی خبر کا بیان

اپنے نوکر یا غلام کو گوشت لانے کے لیے بھیجا، اگرچہ وہ مجوسی یا ہندو ہو، وہ گوشت لایا اور کہتا ہے کہ مسلمان یا کتابی سے خرید کر لایا ہوں تو یہ گوشت کھایا جا سکتا ہے اور اگر اس نے آکر یہ کہا کہ مشرک مثلاً مجوسی یا ہندو سے خرید کر لایا ہوں تو اس گوشت کا کھانا حرام ہے کہ خرید و بیچ معاملات میں ہے اور معاملات میں کافر کی خبر معتبر ہے۔ اگرچہ حلت و حرمت دیانات میں سے ہیں اور دیانات میں کافر کی خبر نامقبول ہے مگر چونکہ اصل خبر خریدنے کی ہے اور حلت و حرمت اس مقام پر ضمنی چیز ہے لہٰذا جب وہ خبر معتبر ہوگی تو ضمناً یہ بھی ثابت ہو جائے گی اور اصل خبر حلت و حرمت کی ہوتی تو نامعتبر ہوتی۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

ہدیہ و اجازت میں غلام باندی اور بچے کی بات کے معتبر ہونے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ أَنْ يُقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْإِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ وَالصَّبِيِّ) ؛ لِأَنَّ الْهَدَايَا تُبْعَثُ عَادَةً عَلَى أَيْدِي هَؤُلَاءِ ، وَكَذَا لَا يُمْكِنُهُمْ اسْتِصْحَابُ الشُّهُودِ عَلَى الْإِذْنِ عِنْدَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ وَالْمُبَايَعَةِ فِي السُّوقِ ، فَلَوْ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُمْ يُؤَدِّي إلَى الْحَرَجِ .

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : إذَا قَالَتْ جَارِيَةٌ لِرَجُلٍ بَعَثَنِي مَوْلَايَ إلَيْكَ هَدِيَّةً وَسِعَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا ؛ لِأَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إذَا أَخْبَرَتْ بِإِهْدَاءِ الْمَوْلَى غَيْرَهَا أَوْ نَفْسَهُ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ

فرمایا کہ ہدیہ اور اجازت میں غلام باندی اور بچے کی بات کا تسلیم کر لیا جائے گا۔ کیونکہ تحائف عام طور پر ان کے ہاتھوں سے

روانہ کیے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح سفر اور بازار میں خرید و فروخت کے وقت ان کیلئے اجازت پر گواہ رکھنا بھی ممکن نہیں ہے پس اگر ان کی بات کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس طرح حرج کا سبب بن جائے گا۔

اور جامع صغیر میں ہے جب کسی شخص نے کسی باندی نے یہ کہا ہے کہ میرے آقا نے مجھ کو آپ کی خدمت کیلئے بھیجا ہے تو اس آدمی کیلئے اس باندی کو لے لینا جائز ہوگا۔ کیونکہ آقا کیلئے اپنے سوا یا اپنی جان کے ہدیے کو بھیجنے کی خبر دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب لونڈی غلام اور بچے کی ہدیہ کے متعلق خبر معتبر ہے، مثلاً بچے نے کسی کے پاس کوئی چیز لا کر یہ کہا کہ میرے والد نے آپ کے پاس یہ ہدیہ بھیجا ہے، وہ شخص چیز کو لے سکتا ہے اور اس میں تصرف کر سکتا ہے، کھانے کی چیز ہو تو کھا سکتا ہے۔ اسی طرح لونڈی غلام نے کوئی چیز دی اور یہ کہا کہ میرے مولی نے یہ چیز ہدیہ بھیجی ہے، بلکہ یہ دونوں خود اپنے متعلق اس کی خبر دیں کہ ہمارے مولی نے خود ہمیں ہدیہ کیا ہے یہ خبر بھی مقبول ہے۔ فرض کرو لونڈی نے یہ خبر دی تو اس سے یہ شخص وطی بھی کر سکتا ہے۔ (تبیین الحقائق، کتاب کراہیہ، بیروت)

معاملات میں قول فاسق کے معتبر ہونے کا بیان

(قَالَ وَيُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ ، وَلَا يُقْبَلُ فِي الدِّيَانَاتِ إلَّا قَوْلُ الْعَدْلِ) .
وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الْمُعَامَلَاتِ يَكْثُرُ وُجُودُهَا فِيمَا بَيْنَ أَجْنَاسِ النَّاسِ ، فَلَوْ شَرَطْنَا شَرْطًا زَائِدًا يُؤَدِّي إلَى الْحَرَجِ فَيُقْبَلُ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِيهَا عَدْلًا كَانَ أَوْ فَاسِقًا كَافِرًا أَوْ مُسْلِمًا عَبْدًا أَوْ حُرًّا ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى دَفْعًا لِلْحَرَجِ .

ترجمہ

فرمایا کہ معاملات میں فاسق کے قول کو قبول کر لیا جائے گا۔ جبکہ دینی معاملات میں صرف عدل کرنے والے شخص کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور ان دونوں مسائل میں فرق یہ ہے کہ مختلف لوگوں کے درمیان واقعات کثرت کے رونما ہوتے رہتے ہیں اور اس میں جب ہم کوئی شرط کا اضافہ کریں تو جھگڑے کی طرف لے جانے والا معاملہ ہوگا۔ پس حرج کو دور کرنے کے کیلئے ایک شخص کے قول کو قبول کر لیا جائے گا۔ اگر چہ وہ بندہ عادل ہو یا فاسق یا کافر ہو یا مسلمان، غلام ہو یا آزاد ہو اور اسی طرح خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرنے کا بیان

اللہ تعالی حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو جب تک پوری تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے کوئی

ضرورت ہے کہ کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹی بات کہدی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کر
بیٹھو اس کی پیروی ہوگی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے اسی آیت کو دلیل بنا کر بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت
کو بھی غیر معتبر قرار دیا ہے جس کا حال نہ معلوم ہو اس لئے کہ بہت ممکن ہے یہ شخص فی الواقع فاسق ہو گو بعض لوگوں نے ایسے مجہول الحال
کی روایت لی بھی ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کا حال معلوم نہیں اس
کا فسق ہونا ہم پر ظاہر نہیں ہے۔

اکثر مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابو معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوۃ لینے کے لئے بھیجا تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعی جو ام المومنین حضرت جویریہ کے والد ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے منظور کر لی اور مسلمان ہوگیا۔ پھر آپ نے زکوۃ کی فرضیت سنائی میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم میں جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوۃ ادا کریں میں انکی زکوۃ جمع کرتا ہوں اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیجئے میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ حضرت حارث نے واپس آکر یہی کیا مال زکوۃ جمع کیا، جب وقت مقررہ گذر چکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا یہ تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوۃ لے جانے کے لئے نہ بھیجا ہو اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ شریف چلیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں یہ تجویز طے ہوگئی اور یہ حضرات اپنا مال زکوۃ ساتھ لے کر چل کھڑے ہوئے ادھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے لیکن یہ حضرت راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آکر کہدیا کہ حارث نے زکوۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہوگیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور کچھ آدمی تنبیہ کے لئے روانہ فرمائے مدینہ کے قریب راستے ہی میں اس مختصر سے لشکر نے حضرت حارث کو پالیا اور گھیر لیا۔

حضرت حارث نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ولید کو زکوۃ نہ دی بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارث نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا چلو میں تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں یہاں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو بھی قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اللہ کی جس نے آپ کو

سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے انہیں دیکھا نہ وہ میرے پاس آئے۔ بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض نہ ہوں گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود حاضر خدمت ہوا، آیت (حکیم) تک نازل ہوئی طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد حضرت حارث کی بستی کے پاس پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اس کے استقبال کیلئے خاص تیاری کر کے نکلے ادھر ان کے دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آرہے ہیں تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو خود ہی حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے زکوۃ وصول کرنے کے لئے اپنے آدمی کو بھیجا ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں ہم بیحد خوش ہوئے لیکن اللہ جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے تو اس خوف سے کہ کہیں اللہ ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو ہم حاضر ہوئے ہیں اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے عصر کی اذان جب حضرت بلال نے دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید کی اس خبر پر ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں جو ان کا وفد آ گیا اور انہوں نے کہا آپ کا قاصد آدھے راستے سے ہی لوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بنا پر انہیں واپسی کا حکم بھیج دیا ہو گا اس لئے حاضر ہوئے ہیں، ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور اس کا عذر سچا بتایا۔ اور روایت میں ہے کہ قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ان لوگوں نے تو آپ سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے اور اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کی زیر امارت ایک فوجی دستے کو بھیج دیا لیکن انہیں فرما دیا تھا کہ پہلے تحقیق و تفتیش اچھی طرح کر لینا جلدی سے حملہ نہ کر دینا۔ اسی کے مطابق حضرت خالد نے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیج دیئے وہ خبر لائے کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں مسجد میں اذانیں ہوئیں جنہیں ہم نے خود سنا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا، صبح ہوتے ہی حضرت خالد خود گئے اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے واپس آ کر سرکار نبوی میں ساری خبر دی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت قتادہ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش بردباری اور دور بینی اللہ کی طرف سے ہے۔ عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ سلف میں سے حضرت قتادہ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے یہی ذکر کیا ہے جیسے ابن ابی لیلیٰ، یزید بن رومان، ضحاک، مقاتل بن حیان وغیرہ۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دینی معاملات صرف عادل مسلمان کے قول کے اعتبار کا بیان

أَمَّا الدِّيَانَاتُ فَلَا يَكْثُرُ وُقُوعُهَا حَسَبَ وُقُوعِ الْمُعَامَلَاتِ فَجَازَ أَنْ يَشْتَرِطَ فِيهَا زِيَادَةَ شَرْطٍ ، فَلَا يُقْبَلُ فِيهَا إلَّا قَوْلُ الْمُسْلِمِ الْعَدْلِ ؛ لِأَنَّ الْفَاسِقَ مُتَّهَمٌ وَالْكَافِرَ لَا يَلْتَزِمُ الْحُكْمَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُلْزِمَ الْمُسْلِمَ ، بِخِلَافِ الْمُعَامَلَاتِ ؛ لِأَنَّ الْكَافِرَ لَا يُمْكِنُهُ الْمَقَامُ

فِي دِيَارِنَا إِلَّا بِالْمُعَامَلَةِ .

وَلَا يَتَهَيَّأُ لَهُ الْمُعَامَلَةُ إِلَّا بَعْدَ قَبُولِ قَوْلِهِ فِيهَا فَكَانَ فِيهِ ضَرُورَةٌ ، وَلَا يُقْبَلُ فِيهَا قَوْلُ الْمَسْتُورِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِيهَا جَرْيًا عَلَى مَذْهَبِهِ أَنَّهُ يَجُوزُ الْقَضَاءُ بِهِ ، وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ هُوَ وَالْفَاسِقُ فِيهِ سَوَاءٌ حَتَّى يُعْتَبَرَ فِيهِمَا أَكْبَرُ الرَّأْيِ .

ترجمہ

اور دینی معاملات کا وقوع ویسی کثرت کے ساتھ واقع نہیں ہوا کرتا پس ان میں ایک اضافی شرط لگانا ممکن ہے کیونکہ دینی معاملات میں صرف عادل مسلمان کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ فاسق تہمت زدہ ہوتا ہے۔اور کافر کسی حکم کی پابندی کرنے والا نہیں ہوتا۔ پس وہ اس بات کو اختیار کرنے والا ہوگا کہ وہ مسلمان پر کوئی الزام صادر کردے۔ بہ خلاف معاملات کے کیونکہ معاملہ کے جب کافر ہمارے ممالک میں رہ سکتے ہیں اور ان کا قول معاملہ میں تسلیم کر لینے کے بعد دیگر معاملات میں سہولت ہوگی۔ پس ضرورت کے پیش نظر اس کا قول اول کو تسلیم کرلیا جائے گا۔اور ظاہر الروایت میں ہے کہ پوشیدہ حال آدمی کے قول کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے مذہب کے مطابق فاسق کے قول کو جواز قضاء پر قیاس کریں گے اور دینی معاملات میں اس کے قول کا اعتبار کرلیا جائے گا اور ظاہر الروایت کے مطابق پوشدہ حال آدمی اور فاسق دونوں مساوی ہیں

دینی معاملات میں مخبر کے عادل ہونے کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دیانات میں مخبر کا عادل ہونا ضروری ہے۔ دیانات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق بندہ اور رب کے مابین ہے۔ مثلاً حلت، حرمت، نجاست، طہارت اور اگر دیانت کے ساتھ زوالِ ملک بھی ہو مثلاً میاں بی بی کے متعلق کسی نے یہ خبر دی کہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں تو اس کے ثبوت کے لیے فقط عدالت کافی نہیں، بلکہ عدد اور عدالت دونوں چیزیں درکار ہیں یعنی خبر دینے والے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں اور یہ سب عادل ہوں۔

پانی کے متعلق کسی مسلم عادل نے یہ خبر دی کہ یہ نجس ہے تو اس سے وضو نہ کرے، بلکہ اگر دوسرا پانی نہ ہو تو تیمم کرے اور اگر فاسق یا مستور نے خبر دی کہ پانی نجس ہے تو تحری (غور) کرے اگر دل پر یہ بات جمتی ہے کہ سچ کہتا ہے تو پانی کو پھینک دے اور تیمم کرے وضو نہ کرے اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ جھوٹ کہتا ہے تو وضو کرے اور احتیاط یہ ہے کہ وضو کے بعد تیمم بھی کرلے اور اگر کافر نے نجاست کی خبر دی اور غالب گمان یہ ہے کہ سچ کہتا ہے جب بھی بہتر یہ ہے کہ اسے پھینک دے پھر تیمم کرے۔

ایک عادل نے یہ خبر دی کہ پاک ہے اور دوسرے عادل نے نجاست کی خبر دی یا ایک نے خبر دی کہ یہ مسلم کا ذبیحہ ہے اور

دوسرے نے یہ کہ مشرک کا ذبیحہ ہے، اس میں بھی تحری کرے، جدھر غالب گمان ہو اس پر عمل کرے۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب ...)

دینی معاملات میں آزاد اور غلام کے قول کے معتبر ہونے کا بیان

قَالَ (وَيُقْبَلُ فِيهَا قَوْلُ الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالْأَمَةِ إِذَا كَانُوا عُدُولًا) لِأَنَّ عِنْدَ الْعَدَالَةِ الصِّدْقُ رَاجِحٌ وَالْقَبُولُ لِرُجْحَانِهِ .فَمِنْ الْمُعَامَلَاتِ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَمِنْهَا التَّوْكِيلُ.

وَمِنْ الدِّيَانَاتِ الْإِخْبَارُ بِنَجَاسَةِ الْمَاءِ حَتَّى إِذَا أَخْبَرَهُ مُسْلِمٌ مَرْضِيٌّ لَمْ يَتَوَضَّأْ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ، وَلَوْ كَانَ الْمُخْبِرُ فَاسِقًا أَوْ مَسْتُورًا تَحَرَّى، فَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ صَادِقٌ يَتَيَمَّمُ وَلَا يَتَوَضَّأُ بِهِ، وَإِنْ أَرَاقَ الْمَاءَ ثُمَّ تَيَمَّمَ كَانَ أَحْوَطَ، وَمَعَ الْعَدَالَةِ يَسْقُطُ احْتِمَالُ الْكَذِبِ فَلَا مَعْنَى لِلِاحْتِيَاطِ بِالْإِرَاقَةِ، أَمَّا التَّحَرِّي فَمُجَرَّدُ ظَنٍّ.

وَلَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَاذِبٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَا يَتَيَمَّمُ لِتَرَجُّحِ جَانِبِ الْكَذِبِ بِالتَّحَرِّي، وَهَذَا جَوَابُ الْحُكْمِ .فَأَمَّا فِي الِاحْتِيَاطِ فَيَتَيَمَّمُ بَعْدَ الْوُضُوءِ لِمَا قُلْنَا .وَمِنْهَا الْحِلُّ وَالْحُرْمَةُ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ زَوَالُ الْمِلْكِ، وَفِيهَا تَفَاصِيلُ وَتَفْرِيعَاتٌ ذَكَرْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى.

ترجمہ

فرمایا کہ دینی معاملات میں آزاد اور غلام باندی کے قول کا اعتبار کرلیا جائے گا مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ عادل ہوں کیونکہ سچائی کے وقت عدالت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور قبول ہونے کا رجحان بھی سچائی کی جانب ہے۔ اور البتہ معاملات میں بعض وہ ہیں جن کو ہم نے بیان کردیا ہے اور معاملات میں وکیل بھی بنایا جاسکتا ہے اور دینی معاملات میں سے ناپاک پانی کی خبر دینا ہے حتیٰ کہ جب کسی شخص کو کوئی عدل کرنے والا مسلمان پانی کی نجاست کی خبر دے تو اس کیلئے حکم ہوگا کہ وہ وضو نہ کرے بلکہ تیمم کرے اور جب خبر دینے والا پوشیدہ حال یا فاسق ہے تو وہ کوشش کرے گا۔ اور اگر اس کا غالب گمان خبر دینے والی سچائی کے ساتھ ہو تو وہ تیمم کرے اور اس پانی سے وضو نہ کرے۔ اور جب اس نے پانی کو بہا کر تیمم کرلیا تو یہ زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ عدالت کے ہوتے ہوئے جھوٹ کا احتمال ختم ہوجاتا ہے پس پانی کو بہا کر احتیاط کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ البتہ جو تحری والا مسئلہ ہے تو صرف گمان ہے اور جب اس کا گمان یہ ہے خبر دینے والا جھوٹا ہے تو تحری کی جانب کذب کو ترجیح دی جائے گی۔ اور وہ اس پانی سے وضو کرے اور وہ تیمم نہ کرے۔ اور اس حکم کا جواب ہے لیکن ترجیح اسی کو ہے کہ وہ وضو کے بعد تیمم کرے

اس دلیل کے سبب جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اور دینی معاملات میں حلت وحرمت دونوں ہیں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ ملکیت ختم نہ ہوئی ہو۔ اور ایسے دینی امور کی قسمیں اور تفریعات ہیں جنہیں ہم نے کفایہ منتہی میں بیان کر دیا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہ خبر دی کہ ہمارے ولی یا مولی نے ہمیں خریدنے کی اجازت دی ہے یہ خبر بھی معتبر ہے، جبکہ غالب گمان ان کی سچائی ہو، لہذا بچہ نے کوئی چیز خریدی مثلاً نمک، مرچ، ہلدی، دھنیا اور کہتا ہے ہم کو اس کی اجازت ہے تو اس کے ہاتھ اس چیز کو بیچ سکتے ہیں اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ جھوٹ کہتا ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہ کیا جائے۔ مثلاً اسے چند پیسوں کی مٹھائی یا پھل وغیرہ خریدنا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ مجھے اجازت ہے اس کا اعتبار نہ کیا جائے، جبکہ اس صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہو کہ اُس کو پیسے اس لیے نہیں ملے ہیں کہ مٹھائی وغیرہ خرید کر کھالے۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

یعنی جبکہ گمان غالب یہ ہو کہ اسے خریدنے کی اجازت نہیں ہے، مثلاً یہ گمان ہے کہ چھپا کر لایا ہے، مٹھائی خرید رہا ہے، اس کے گھر والے ایسے کہاں ہیں کہ مٹھائی کھانے کو پیسے دے دیں اس صورت میں اس کے ہاتھ مٹھائی کا بیچنا بھی ناجائز ہے۔

دعوت ولیمہ میں لہو ولعب ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ دُعِيَ إِلَى وَلِيمَةٍ أَوْ طَعَامٍ فَوَجَدَ ثَمَّةَ لَعِبًا أَوْ غِنَاءً فَلا بَأْسَ بِأَنْ يَقْعُدَ وَيَأْكُلَ) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : اُبْتُلِيت بِهَذَا مَرَّةً فَصَبَرْت .وَهَذَا لِأَنَّ إجَابَةَ الدَّعْوَةِ سُنَّةٌ . قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ لَمْ يُجِبْ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ) فَلا يَتْرُكُهَا لِمَا اقْتَرَنَ بِهَا مِنْ الْبِدْعَةِ مِنْ غَيْرِهِ ، كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَاجِبَةُ الْإِقَامَةِ وَإِنْ حَضَرَتْهَا نِيَاحَةٌ ، فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْمَنْعِ مَنَعَهُمْ ، وَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ يَصْبِرُ ، وَهَذَا إذَا لَمْ يَكُنْ مُقْتَدًى بِهِ ، فَإِنْ كَانَ مُقْتَدًى وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى مَنْعِهِمْ يَخْرُجُ وَلَا يَقْعُدُ ؛ لِأَنَّ فِي ذَلِكَ شَيْنُ الدِّينِ وَفَتْحُ بَابِ الْمَعْصِيَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ، وَالْمَحْكِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْكِتَابِ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَصِيرَ مُقْتَدًى بِهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص کو ولیمہ کی دعوت دی گئی ہے اور وہاں پر اس نے لہو ولعب یا گانے باجوں کو سنا تو اس جگہ پر بیٹھ کو اس کیلئے کھانا

کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ایک دفعہ میں بھی ایک ایسی دعوت میں گیا تو میں نے صبر کیا اور یہ حکم اس بنا سبب سے ہے دعوت کو قبول کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہے کہ جس نے دعوت کو قبول نہ کیا اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ پس دوسروں کی جانب سے دعوت میں بدعت کو مکس کرنے کے سبب دعوت کو ترک نہ کرے جس طرح نماز جنازہ واجب الاقامہ ہے اگرچہ اس میں نوحہ یا گریہ زاری ہو۔

اور اگر وہ شخص روکنے پر قدرت رکھنے والا ہے تو وہ اس کو روک دے ورنہ وہ صبر کرے۔ اور یہ حکم اس وقت ہوگا جب مدعو حاضر نہ ہوں مگر وہ صاحب اقتدار ہونے کے باوجود روکنے پر قدرت رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ چلا جائے وہاں پر نہ بیٹھے۔ کیونکہ اس طرح دین کو عیب زدہ کرنا اور مسلمانوں کیلئے نافرمانی کا دروازہ کھولنا لازم آئے گا۔ اور جامع صغیر میں یہ لکھا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ان کے مقتدا ہونے سے پہلے کا تھا۔

شرح

اور ولیمہ اس کھانے کو کہتے ہیں جو نکاح میں کھلایا جاتا ہے اور چونکہ ولیمہ مشتق ہے التیام سے جس کے معنی اجتماع کے ہیں اس لئے اس کھانے کو ولیمہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اجتماع زوجین کی تقریب میں کھلایا جاتا ہے۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت

اکثر علماء کے قول کے مطابق ولیمہ مسنون ہے جب کہ بعض علماء اسے مستحب کہتے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک یہ واجب ہے اسی طرح ولیمہ کے وقت کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں۔ بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ ولیمہ کا اصل وقت دخول یعنی شب زفاف کے بعد ہے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ ولیمہ عقد نکاح کے وقت کھلانا چاہئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عقد نکاح کے وقت بھی کھلانا چاہئے اور دخول کے بعد بھی۔

دو دن سے زیادہ وقت تک ولیمہ کھلانے کے بارے میں بھی علماء کے مختلف قول ہیں ایک طبقہ تو اسے مکروہ کہتا ہے یعنی علماء کے اس طبقہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو دن تک کھلایا جاسکتا ہے اس سے زیادہ وقت تک کھلانا مکروہ ہے حضرت امام مالک کے ہاں ایک ہفتہ تک کھلانا مستحب ہے لیکن اس سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انحصار خاوند کی حیثیت و استطاعت پر ہے اگر وہ صرف ایک ہی وقت پر اکتفا کرے اور اگر کئی دن اور کئی وقت تک کھلانے کی استطاعت رکھتا ہے تو کئی دن اور کئی وقت تک کھلا سکتا ہے۔

ضیافت کی اقسام کا بیان

مجمع البحار میں لکھا ہے کہ ضیافت یعنی دعوت کی آٹھ قسمیں ہیں (ولیمہ) (خرس، اعذار، وکیرہ، نقیعہ، وضیمہ، عقیقہ، مادبہ: چنانچہ

ولیمہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو شادی بیاہ کے موقعہ پر کی جائے۔خرس اس دعوت کو کہتے ہیں کہ جو بچہ کی پیدائش کی خوشی میں کی جائے اعزار اس دعوت کو کہتے ہیں جو ختنہ کی تقریب میں کی جائے وکیرہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مکان بننے کی خوشی میں کی جائے نقیعہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو مسافر کے آنے کی تقریب میں کی جائے عقیقہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو بچہ کا نام رکھنے کی تقریب میں کی جائے اور مادبہ ہر اس دعوت کو کہتے ہیں جو بلا کسی خاص تقریب کے کی جائے ضیافت کی یہ تمام قسمیں مستحب ہیں البتہ ولیمہ کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ دعوت واجب ہے۔

دعوت ولیمہ کا فقہی بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو شادی کے کھانے پر بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ دعوت قبول کرنی چاہئے خواہ وہ ولیمہ کی دعوت ہو یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 418)

یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت سے ختنہ وعقیقہ وغیرہ کی دعوت مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان روایتوں میں ولیمہ سے مراد صرف وہی کھانا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر کھلایا جائے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شادی بیاہ کے کھانے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص بلا کسی عذر کے دعوت قبول نہ کرے تو وہ گنہگار ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی۔

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ قبول کرنے سے مراد دعوت میں جانا یعنی اگر کسی شخص کو شادی میں بلایا جائے تو اس کے لئے اس دعوت میں جانا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے اب رہی یہ بات کہ کھانے میں شریک ہونے کی تو اس کے بارے میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر روزے سے نہ ہو تو کھانے میں شریک ہونا مستحب ہے شادی کے کھانے کی دعوت کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب ہے۔

علامہ طیبی اور ابن ملک نے یہ بھی لکھا ہے کہ دعوت قبول کرنے کا وجوب یا استحباب بعض صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے یہ شبہ ہو کہ دعوت میں جو کھانا کھلایا جائے گا وہ حلال مال کا نہیں ہوگا یا اس دعوت میں مالداروں کی تخصیص ہو یا اس دعوت میں کوئی ایسا شخص شریک ہو جس سے یا تو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کے ساتھ کہیں بیٹھا جائے ان صورتوں میں اگر کوئی شخص دعوت قبول نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو دعوت میں محض اس لئے بلایا جائے کہ اس کی خوشنودی مزاج حاصل ہو جائے اور اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے یا اس کی ذات وجاہ سے کوئی دنیاوی غرض پوری ہوئے تو ایسی دعوت کو قبول نہ کرنا ہی اولی ہے یا ایسے ہی اگر کچھ لوگ کسی شخص کو اس مقصد کے لئے دعوت میں بلائیں کہ وہ ان لوگوں کے باطل ارادوں یا غیر شرعی کاموں میں مدد کرے یا کسی دعوت میں ممنوع چیزیں جیسے شراب وغیرہ موجود ہو یا وہاں ناچ گانے یا غیر شرعی تفرحیات کی چیزیں

ہوں یا جس جگہ دعوت ہو وہاں حریر وغیرہ کا فرش بچھا ہو تو ایسی دعوت میں شریک نہ ہونا چاہئے۔ یہ بات مدنظر رہنی چاہئے کہ آجکل کی مجالس مذکورہ بالا چیزوں سے خالی نہیں ہوتیں اگر سب چیزیں نہیں ہوتیں تو ان میں بعض چیزیں اکثر مجلسوں میں پائی جاتی ہیں اس لئے صوفیاء کا قول ہے کہ عزلت گوشہ نشینی) حلال ہو گئی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ آجکل گوشہ نشینی واجب ہو گئی ہے لہذا جو شخص احتیاط کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہے اور کسی بھی مجلس یا دعوت میں شریک ہونا مناسب نہ سمجھتا ہو تو اس کے لئے گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو شادی بیاہ اسی رسم کی کسی اور تقریب کے) کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کرلے یعنی دعوت میں چلا جائے پھر وہاں جا کر اس کی مرضی پر موقوف ہوگا کہ چاہے تو کھائے چاہے تو نہ کھائے (مسلم)

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنے کا مطلب داعی کے یہاں جانا ہے اور یہ واجب یا سنت ہے ہاں دعوت کے کھانے میں شریک ہونا سنت ہے بشرطیکہ روزہ سے نہ ہو۔

ابن ملک فرماتے ہیں کہ ارشاد گرامی میں دعوت کو قبول کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بطریق وجوب ہے لیکن اس کا تعلق اس شخص سے ہے جس کو کوئی عذر لاحق نہ ہوا اگر کوئی شخص معذور ہو مثلاً دعوت کی جگہ اتنی دور ہے کہ وہاں جانا تکلیف و مشقت برداشت کرنے کا مرادف ہے تو اس صورت میں اس دعوت کو قبول نہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لہو ولعب والے دسترخوان پر نہ بیٹھنے کا بیان

، وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ عَلَى الْمَائِدَةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَقْعُدَ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُقْتَدًى لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ) وَهَذَا كُلُّهُ بَعْدَ الْحُضُورِ ، وَلَوْ عَلِمَ قَبْلَ الْحُضُورِ لَا يَحْضُرُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَلْزَمْهُ حَقُّ الدَّعْوَةِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا هَجَمَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ لَزِمَهُ ، وَدَلَّتْ الْمَسْأَلَةُ عَلَى أَنَّ الْمَلَاهِيَ كُلَّهَا حَرَامٌ حَتَّى التَّغَنِّي بِضَرْبِ الْقَضِيبِ .وَكَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ابْتُلِيت ، لِأَنَّ الِابْتِلَاءَ بِالْمُحَرَّمِ يَكُونُ .

ترجمہ

اور جب دسترخوان پر لہو ولعب کو دیکھے تو وہ وہاں پر نہ بیٹھے۔ خواہ وہ مقتدا نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم ارشاد فرمایا ہے کہ "" اور یہ حکم وہاں سب کچھ ہونے کے بعد ہے۔ لیکن جب اس کو جانے سے پہلے پتہ چل جائے تو وہ نہ جائے کیونکہ اس پر دعوت کا حق لازم نہیں ہوا ہے۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب اس کو اچانک لہو ولعب کا سامنا کرنا پڑ گیا ہے کیونکہ اب اس طرح اس پر دعوت کا حق لازم ہو چکا ہے۔ اور یہ مسئلہ اس بات کی ترجمانی کرنے والا ہے کہ ہر طرح کا لہو ولعب حرام ہے حتیٰ کہ بانسری بجا کر گانا بھی

حرام ہے۔ اور اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ابتلاء کہنا اس بات کی دلیل ہے کیونکہ ابتلاء کا اطلاق حرام کے ساتھ لیا جاتا ہے

شرح

ایک شخص نے اپنے رشتہ داروں اور قرابتداروں کے لئے عام دعوت طعام یا دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی کھیل تماشے لہو ولعب کی مجلس بھی فسادیوں کے لئے آراستہ کی اور خاندان سے غیر متعلق ایک نیک شخص کو بھی دعوت نامہ بھیجا ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے انہیں غلط قسم محفل آرائی اور بدکاری سے روک سکتا ہوں تو اس کے لئے اس دعوت کو قبول کرنا مباح نہیں بلکہ اس پر دعوت کو قبول نہ کرنا واجب ہے کیونکہ گناہ سے روکنے کا عمل اس کے لئے مقدم ہے۔

اور اگر جانتا ہے کہ میری عزت وعظمت ان کی نگاہوں میں ایسی ہے کہ میں ساتھ ہوں گا تو وہ منکرات شرعیہ نہ کرسکیں گے تو اس پر واجب ہے وموجب ثواب عظیم ہے کہ شریک ہو۔

ردالمختار میں ہے۔ جب وہ جانتا ہے کہ اس کے احترام کی وجہ سے وہ گناہ والے کام چھوڑ دیں گے تو اس پر ضروری ہے کہ وہاں جائے اور شرکت کرے۔ اتقانی۔

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو اگر جانتا ہے کہ جہاں کھانا کھلایا جائے گا وہیں منکرات شرعیہ ہوں گے اور برات والے کا وعدہ محض حیلہ ہی حیلہ ہے تو ہرگز نہ جائے۔ قال اللہ تعالیٰ لاتقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو اور مجلس نہ کرو۔

کفایہ میں ہے اس لئے کہ دعوت قبول کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ دعوت سنت کے مطابق ہو۔

(الکفایہ مع الفتح القدیر، کتاب الکراھیۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اور اگر واقعی ایسا ہی ہے کہ نفس دعوت منکرات سے خالی ہوگی اگر چہ دوسرے مکان میں لوگ مشغول گناہ ہوں تو شرکت میں کوئی حرج نہیں۔ قال تعالیٰ ولا تزر وازرۃ وزر اخری۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ آٹھائے گی۔

غایت یہ کہ میزبان گنہگار ہے پھر شرعا گنہگار کی دعوت ہے جبکہ وہ خود گناہ پر مشتمل نہ ہو،

خزانۃ المفتین میں ہے اگر کسی شخص کی ایسی پوزیشن ہو کہ اگر یہ دعوت قبول نہ کرے تب بھی وہ گناہ اور نافرمانی سے باز نہیں آئیں گے۔ تو پھر دعوت کی قبولیت میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔ البتہ ان کے گناہ اور نافرمانی کا انکار کرے کیونکہ اس نے تو دعوت قبول کی (یعنی خود کوئی خلاف ورزی نہیں کی) اور دعوت قبول کرنا واجب ہے یا مستحب لہذا ایسی دعوت جس سے گناہ پیوست ہو ممنوع نہیں۔ (فتاوی ہندیہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

مگر عالم اگر جانے کہ میری اتنی شرکت پر بھی عوام مجھے متہم ومطعون کریں گے تو نہ جائے کہ مواقع تہمت سے بچنا چاہئے اور مسلمانوں پر فتح باب غیبت ممنوع ہے عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم ذکرہ الشرنبلالی وغیرہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت پر

[illegible] ہے اس [illegible] کی [illegible] گیا۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلوٰۃ، باب [illegible])

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف پر [illegible] زعفران کا زرد نشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے عبدالرحمن نے کہا کہ میں نے ایک نواۃ سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے تم ولیمہ کرو یعنی کھانا پکوا کر کھلاؤ اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 413)

گھروں کو پردوں سے سجانے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبدالرحمن کے کپڑوں پر یا ان کے بدن پر زعفران کا نشان دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ کیا ہے؟ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زعفران کے لگنے کا سبب دریافت فرمایا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مردوں کو خلوق استعمال کرنے سے منع فرماتے تھے (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے) اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ذریعہ ان کو تنبیہ فرمائی کہ جب مردوں کے لئے یہ ممنوع ہے تو تم نے کیوں لگائی چنانچہ عبدالرحمن نے جواب دیا کہ میں نے قصداً نہیں لگائی ہے بلکہ دلہن سے اختلاط کی وجہ سے بغیر میرے قصد اور بغیر علم کے لگ گئی ہے۔

قاضی کہتے ہیں کہ جس طرح نش بیس درہم اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر وزن کو کہتے ہیں اسی طرح نواۃ پانچ درہم کے برابر وزن کا نام ہے۔ لہٰذا ایک نواۃ سونے کے عوض کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس عورت کا مہر پانچ درہم کے برابر یعنی پونے سولہ ماشہ سونا مقرر کیا ہے۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ نواۃ سے نواۃ تمر یعنی کھجور کی گٹھلی مراد ہے اور بظاہر یہی مراد زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس صورت میں حضرت عبدالرحمن کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے کھجور کی گٹھلی کے بقدر سونے کا مہر باندھا ہے۔

تم ولیمہ کرنا اگرچہ ایک بکری کا ہو اس طرح کی عبارت تقلیل کم سے کم مقدار بیان کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے اور یہاں تکثیر مراد ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ اگرچہ زیادہ خرچ ہو تب بھی ولیمہ کرو اور تکثیر مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بکری کو ایک قلیل ترین مقدار کے اظہار کے لئے ذکر کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی حالت بہت کمزور تھی لوگ ستو اور اسی قسم کی دوسری کم تر چیزوں کے ذریعہ ولیمہ کی سنت پوری کیا کرتے تھے پھر یہ کہ خود حضرت عبدالرحمن بن عوف کی مالی حیثیت اس وقت اتنی زیادہ نہیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے بکری جیسی چیز کو کم سے کم مقدار کی صورت میں بیان فرماتے ہیں۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک مہمان آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے کھانا تیار کرایا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کر لیں اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کھانا کھالیں تو بڑا اچھا ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مکان میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی دروازے کے دونوں بازوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس پردہ پر پڑی جو گھر کے ایک کونے پر پڑا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پردہ کو دیکھتے ہی واپس ہو گئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بھی آپ کے پیچھے گئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ واپس کیوں ہو گئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو یا کسی بھی نبی کو زینت والے گھر میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے۔

(مسند احمد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 422)

قرام باریک اور منقش پردہ کو کہتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کے گھر کے گوشہ میں جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ منقش نہیں تھا لیکن اس پردہ سے دیوار کو اس طرح ڈھکا گیا تھا جیسے دولہا دلہن کے چھپر کٹ کو پردوں سے سجاتے ہیں اور ڈھکتے ہیں اور یہ چونکہ دنیاداروں اور اپنی وجاہت و مالداری کا بے جا اظہار کرنیوالوں کا طریقہ ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پردہ کو دیکھتے ہی واپس ہو گئے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا یہ تنبیہ فرمائی کہ دیواروں کو اس طرح پردوں سے سجانا اور ڈھکنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا کی بیجا زیب و زینت ہے جو آخرت کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔

فصل فی اللبس

﴿یہ فصل لباس کے بیان میں ہے﴾

فصل لباس کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ کے کتاب کراہیت کے تقدماتی مسائل کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے کتاب کراہیت کے ان مسائل کو شروع کیا ہے جو تفصیل میں آتے ہیں اور انسان مسائل کی وضاحت و تفصیل کا محتاج ہوتا ہے اور غلبہ و کثرت کے سبب انہوں نے لباس کے مسائل کو مقدم کیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۴، ص ۲۲۰، بیروت)

لباس کا فقہی مفہوم

لباس اصل میں تو مصدر ہے، لیکن استعمال "ملبوس" کے معنی میں ہوتا ہے، جیسا کہ "کتاب" کا لفظ مصدر ہونے کے باوجود "مکتوب" کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے "لباس" کے ماضی اور مضارع کے صیغے باب علم یعلم سے آتے ہیں، ویسے اس کا مصدر لبس (لام کے پیش کے ساتھ) بھی آتا ہے! اور لبس جو لام کے زبر کے ساتھ آتا ہے اس کے معنی التباس و خلط کے ہیں جو باب ضرب یضرب سے ہے۔

ریشم کے مفہوم و معنی کا بیان

ریشم (انگریزی میں :silk) پروٹین کے قدرتی ریشوں سے مل کر بنتا ہے، جس کی کچھ اقسام کو بُن کر کپڑا بنایا جا سکتا ہے۔ سب سے اعلیٰ قسم کا ریشم شہتوت کے پتوں پر رہنے والے لاروا moribombyx کا ہوتا جنہیں تجارتی مقاصد کیلئے پالا جاتا ہے۔ ریشم کی خوبصورتی اور چمک اس کے ریشوں کی تکون مخروطِ مستوی (پرزم) نما ساخت کی وجہ سے ہوتی ہے جو روشنی کو مختلف زاویوں پر منتشر کر دیتی ہیں۔

ریشم کی شہتوت کے علاوہ بہت سی خودرو اقسام بھی ہیں مگر انہیں مصنوعی طور پر نہیں پالا جاتا۔ ایسی چند اقسام چین، جنوبی ایشیاء اور یورپ میں استعمال ہوتی رہی ہیں، مگر مصنوعی ریشم کے مقابلے میں اس کی پیداوار کا حجم بہت کم رہا ہے۔ ان کے رنگ اور بناوٹی ساخت بھی مختلف ہوتی ہے۔ عام طور پر خودرو ریشمی کیڑے کا پتنگا (moth) کو کون سے نکلنے میں اس کو پہلے ہی نقصان پہنچا چکا ہوتا ہے جس سے ریشم کے دھاگے چھوٹے بنتے ہیں۔

تجارتی مقاصد کیلئے پالے جانے والے ریشمی کیڑے کے پیوپے کو ابلتے پانی میں ڈال کر یا سوء کی نوک چبھا کر ہلاک کر دیا جاتا ہے اس طرح پورا کوکون ایک مکمل دھاگے کی شکل میں حاصل ہوجاتا ہے۔ ان دھاگوں سے بنا کپڑا مضبوط ہوتا ہے اور اسے رنگنا بھی قدرے آسان ہوتا ہے۔

مردوں کیلئے ریشم پہننے کی حرمت کا بیان

قَالَ (لَا يَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَيَحِلُّ لِلنِّسَاءِ) ؛ لِأَنَّ (النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَقَالَ : إِنَّمَا يَلْبَسُهُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ) وَإِنَّمَا حَلَّ لِلنِّسَاءِ بِحَدِيثٍ آخَرَ ، وَهُوَ مَا رَوَاهُ عِدَّةٌ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنْهُمْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَبِإِحْدَى يَدَيْهِ حَرِيرٌ وَبِالْأُخْرَى ذَهَبٌ وَقَالَ : هَذَانِ مُحَرَّمَانِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي حَلَالٌ لِإِنَاثِهِمْ) وَيُرْوَى (حِلٌّ لِإِنَاثِهِمْ) (إِلَّا أَنَّ الْقَلِيلَ عَفْوٌ وَهُوَ مِقْدَارُ ثَلَاثَةِ أَصَابِعَ أَوْ أَرْبَعَةٍ كَالْأَعْلَامِ وَالْمَكْفُوفِ بِالْحَرِيرِ) لِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ إلَّا مَوْضِعَ إصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ) أَرَادَ الْأَعْلَامَ .وَعَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَنَّهُ كَانَ يَلْبَسُ جُبَّةً مَكْفُوفَةً بِالْحَرِيرِ)

ترجمہ

فرمایا کہ مردوں کیلئے ریشم پہننا حلال نہیں ہے جبکہ عورتوں کیلئے حلال ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ریشم اور دیباج پہننے سے منع کیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس لباس کو وہی پہنتا ہے جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور یہ دوسری حدیث کے مطابق خواتین کیلئے حلال ہے۔ اور وہ حدیث بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے۔ جن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے حلال ہے۔ اور ایک روایت مصدر حلال کی جگہ پر ماضی کا حل آیا ہے۔ مگر تھوڑی مقدار کے برابر جو تین یا چار انگلیوں کی مقدار میں ہو وہ معاف ہے۔ جس طرح کپڑے کا نقش ونگار ہے اور ریشم کی جھالریں ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے سوائے تین یا چار انگلیوں کی مقدار کے کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد اتنی مقدار کے نقش ونگار سے متعلق تھا۔ اور آپ ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ ریشمی جھالر والا جبہ شریف زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

...

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے پانی طلب کیا تو ایک مجوسی آدمی چاندی کے برتن میں پانی لے آیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ریشم نہ پہنو اور نہ ہی دیباج پہنو اور تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ہی سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاؤ یہ چیزیں دنیا میں کافر کے لئے ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 903)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ہے اور امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ہے (ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 271)

مردوں کے لفظ میں بچے (لڑکے) بھی داخل ہیں لیکن بچے چونکہ مکلف نہیں ہیں اس لئے ان کے حق میں ان چیزوں کی حرمت کا تعلق پہنانے والوں سے ہوگا کہ اگر کوئی بچہ ریشم یا سونے، کا زیور پہنے گا تو اس کا گناہ اس کے پہنانے والے پر ہوگا۔ نیز سونے سے مراد سونے کے زیورات" ہیں ورنہ سونے چاندی کے برتن کا استعمال جس طرح مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی حرام ہے، اسی طرح چاندی کے زیورات کا حلال ہونا بھی صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے علاوہ اس مقدار کے جو مردوں کے لئے بھی حلال ہے جیسے انگوٹھی وغیرہ۔

مردوں کے لئے ریشم کا لباس اور سونا پہننا حرام ہے، حضرت حزیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سونے چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو اور نہ ہی ریشم اور دیباج کے کپڑے پہنو کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کفار کے لئے ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔ (سنن أبي داود: 4/ 47)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطارد تمیمی کو بازار میں ایک ریشمی جوڑا رکھے ہوئے دیکھا وہ ایک ایسا آدمی تھا کہ جو بادشاہوں کے پاس جاتا اور ان سے وصول کرتا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عطارد کو دیکھا کہ اس نے بازار میں ایک ریشمی جوڑا بیچنے کے لئے رکھا ہوا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جوڑے کو خرید لیں اور جب عرب کا کوئی وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ جوڑا پہن لیا کریں راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن بھی پہن لیا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا دنیا میں ریشم کا کپڑا وہی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی کپڑے کے چند جوڑے لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیج دیا اور ایک جوڑا حضرت اسامہ بن زید کی طرف بھیج دیا اور ایک جوڑا حضرت علی بن ابی طالب کو عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جوڑے کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کی

اوڑھنیاں بنا لینا راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جوڑے کو اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوڑے کو میری طرف بھیجا ہے حالانکہ آپ نے گزشتہ روز عطارد کے جوڑے کے بارے میں اس طرح فرمایا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے نہیں بھیجا تا کہ تو اسے پہنے بلکہ میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے بھیجا تھا تا کہ تو اس سے فائدہ حاصل کرے اور حضرت اسامہ وہی ریشمی جوڑا پہن کر آپ کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کی طرف بڑے غور سے دیکھا جس کی وجہ سے حضرت اسامہ نے پہچان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جوڑا پہننا ناپسند لگا ہے حضرت اسامہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تو یہ جوڑا میری طرف بھیجا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے نہیں بھیجا تا کہ تو اسے پہنے بلکہ میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے بھیجا ہے تا کہ تو اسے پھاڑ کر اپنی عورتوں کے لئے اوڑھنیاں بنائے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 906)

عورتوں کیلئے سونا پہننے کی اباحت میں دلائل کا بیان

عورتوں کے لیے سونا پہننا جائز ہے، چاہے وہ حلقے کی شکل میں ہو یا دوسری شکل میں اس کی دلیل درج ذیل فرمان باری تعالیٰ ہے: کیا جو زیورات میں پلیں، اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں۔ (الزخرف (18)

اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زیور پہننا عورتوں کی صفت بیان کی ہے، اور یہ سونا وغیرہ میں عام ہے، اور اس لیے بھی کہ امام احمد اور ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ نے جید سند کے ساتھ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": بلا شبہ میری امت کے مردوں پر یہ دونوں حرام ہیں "اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں": اور ان کی عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

اور اس لیے بھی کہ امام احمد، اما ترمذی، امام نسائی، ابوداود، حاکم، طبرانی رحمہ اللہ نے ابوموسی اشعری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کی گئی ہے، اور میری امت کے مردوں پر حرام ہے "اسے ترمذی، حاکم، ابوداود، اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور اسے معلول قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ سعید بن ابی ھند اور ابوموسی کے درمیان انقطاع ہے، لیکن اس کی کوئی قابل اطمنان دلیل نہیں ملتی، اوپر ہم اس کو صحیح قرار دینے والے علماء کرام کا بیان کر چکے ہیں۔

اور بالفرض اگر مذکورہ علت صحیح بھی مان لی جائے تو پھر اس کی کمی دوسری صحیح احادیث کے ساتھ پوری ہو جائیگی، جیسا کہ آئمہ حدیث کے ہاں معروف قاعدہ اور اصول یہی ہے۔

اس بنا پر سلف علماء کرام نے عورت کے لیے سونا پہننا جائز قرار دیا ہے، اور بعض نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے، چنانچہ ہم اس کی اور زیادہ وضاحت کے لیے ذیل میں کچھ علماء کے اقوال درج کرتے ہیں۔

امام جصاص رحمہ اللہ سونے پر کلام کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں کہتے ہیں": عورتوں کے لیے سونے کی اباحت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے وارد شدہ اخبار ممانعت والی اخبار سے زیادہ ظاہر اور مشہور ہیں، اور آیت کی دلالت (جصاص رحمہ اللہ اس سے دو آیت مراد لے رہے ہیں جو ہم نے ابھی اوپر بیان کی ہے) بھی عورتوں کے لیے سونے کے مباح ہونے میں ظاہر ہے۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر ہمارے دور تک بغیر کسی نکارت کے آج تک عورتوں کا سونا پہننا چلا آ رہا ہے، اور کسی نے بھی ان پر اعتراض نہیں کیا، اور اس طرح کے مسئلہ میں کسی خبر واحد کی بنا پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ (تفسیر الجصاص (3/388)

اور الکیا الھراسی اپنی تفسیر "تفسیر القرآن" میں درج ذیل فرمان باری تعالی کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

قولہ تعالی: کیا جو زیورات میں پلیں، اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں (الزخرف (18)

اس میں عورتوں کے لیے زیور پہننے کی اباحت کی دلیل پائی جاتی ہے، اور اس پر اجماع منعقد ہے، اور اس کے متعلق اخبار کا کوئی شمار نہیں۔ (تفسیر القرآن الکیا الھراسی (4/391)

اور سنن الکبری میں بیہقی رحمہ اللہ عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال ہونے کی دلیل میں کچھ احادیث ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ احادیث و اخبار اور اس کے معنی میں دوسری احادیث عورتوں کے لیے سونے کے زیور پہننے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں، اور عورتوں کے لیے سونے کے زیور کی اباحت میں ہمارا اجماع کا حصول کی دلیل ان احادیث کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے جو خاص کر عورتوں کے لیے سونے کے زیور کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ (السنن الکبری للبیہقی (4/142)

اور امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں": عورتوں کے لیے ریشم پہننا، اور سونے و چاندی کے زیورات زیب پہننا بالاجماع اور صحیح احادیث کی بنا پر جائز ہیں۔ (المجموع للنووی (4/442)

اور ایک دوسری جگہ پر لکھتے ہیں": مسلمانوں کا اجماع ہے کہ عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات کی ہر قسم جائز ہے، مثلاً ہار، اور طوق، انگوٹھی، اور چوڑیاں، اور کنگن، اور پازیب، اور ہر وہ جو گلے وغیرہ میں پہنا جائے اور ہر وہ جو زیور وہ عادتاً پہنتی ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (المجموع للنووی (6/40)

اور صحیح مسلم کی شرح میں "باب في تحريم خاتم الذهب على الرجال و نسخ ما كان من اباحته في اول الاسلام" کے عنوان یعنی (مردوں پر سونے کی انگوٹھی کی حرمت اور ابتداء اسلام میں جائز ہونے کے منسوخ ہونے کے بیان کے تحت لکھتے ہیں، عورتوں کے لیے سونے کی انگوٹھی کی اباحت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ براء رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کی شرح میں کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات اشیاء سے منع فرمایا: سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے کی انگوٹھی پہننے یا بنوانے سے منع کرنا مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لیے منع نہیں، عورتوں کے لیے مباح ہونے پر اجماع منقول ہے (فتح الباری (10/317)

عورتوں کے لیے حلقہ یا عام سونا حلال ہونے کی دلیل ان مندرجہ بالا دونوں احادیث اور مذکورہ بالا علماء کرام نے جو اجماع بیان کیا ہے کے علاوہ درج ذیل احادیث بھی ہیں۔

1 ابوداود اور نسائی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جس کی کلائی میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": کیا تم اس کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟" تو اس نے جواب نفی میں دیتے ہوئے کہنے لگی: نہیں۔

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے روز تمہیں اس کی بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے؟

چنانچہ اس عورت نے وہ کنگن اتار کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیے، اور کہنے لگی: یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں"

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے لیے مذکورہ سونے کے کنگن میں زکاۃ کے وجوب کی وضاحت فرمائی، اور آپ نے اس کی بیٹی کے پہننے پر کوئی اعتراض نہیں کیا، تو یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ عورت کے لیے حلال ہے، حالانکہ یہ دونوں گول اور حلقہ کی شکل میں تھے، اور یہ حدیث صحیح ہے، اس کی سند جید ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں متنبہ کیا ہے۔

2 سنن ابوداود میں صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجاشی کی جانب سے بطور ہدیہ سونے کے زیورات آئے جس میں سونے کی ایک انگوٹھی بھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں: تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کرتے ہوئے ایک لکڑی یا اپنی انگلی کے ساتھ اسے پکڑا اور اپنی نواسی امامہ بنت ابوالعاص اپنی بیٹی زینب کی بیٹی امامہ کو بلایا اور فرمانے لگے: میری بیٹی تم یہ پہن لو"۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی امامہ کو انگوٹھی دی، اور یہ انگوٹھی سونے کی اور گول تھی، اور آپ نے یہ بھی فرمایا: "اسے پہن لو۔ تو یہ بالنص گول اور حلقہ کی شکل کے سونے کی حلت کی دلیل ہے۔

3 ابوداود اور دار قطنی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ سونے کا زیور پہنا کرتی تھیں، تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ کنز یعنی خزانہ ہے؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": جب تم اس کی زکاۃ ادا کرو تو یہ کنز اور خزانہ نہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور وہ احادیث جن کا ظاہر عورتوں کے لیے سونے پہننے کی ممانعت کرتا ہے وہ شاذ ہیں، اور اپنے سے صحیح اور زیادہ ثابت شدہ احادیث کی مخالف ہیں، اور آئمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ جو احادیث جید سند کی ہوں لیکن وہ اپنے سے زیادہ صحیح احادیث کی مخالف ہوں اور ان کے مابین جمع کرنا بھی ممکن نہ ہو، اور نہ ہی ان کی تاریخ کا علم ہو سکے، تو وہ شاذ ہونگی، ان پر عمل نہیں کیا جائیگا۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ "الالفیۃ" میں کہتے ہیں": اور شذوذ والی جو ثقہ کی مخالفت کرے اس میں شافعی نے یہی کہا ہے" اھ اور

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ النخبۃ میں لکھتے ہیں اور اگر زیادہ راجح سے مخالفت کی جائے، تو وہ راجح محفوظ ہے اور اس کے مقابلہ میں آنے والی شاذ ہے۔

اسی طرح صحیح حدیث جس پر عمل کیا جائے کی شروط میں یہ بھی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو، اور بلاشک و شبہ سونا حلال ہونے کی ... حرمت میں مروی احادیث کی اسانید کو اگر کسی علت سے سلیم بھی مان لیا جائے اور صحیح اور ان احادیث کے درمیان جمع کرنا بھی ممکن نہ ہو ... عورتوں کے لیے سونے کی حلت پر دلالت کرتی ہیں اور ان کی تاریخ بھی معلوم نہ ہو تو اس شرعی اور معتبر قاعدہ اور اصول پر عمل کرتے ہوئے ان پر شاذ اور صحیح نہ ہونے کا حکم لگانا اہل علم کے ہاں ثابت ہے۔

چنانچہ اس سے ہم نے جو بیان کیا ہے وہ ظاہر اور واضح ہو گیا! اور اس لیے بھی کہ حلت والی احادیث مطلق ہیں، مقید نہیں اس لیے انہیں اطلاق پر ہی رکھنا اور ان کی سند صحیح ہونے کی وجہ سے ان کے مطلق پر عمل کرنا ضروری ہے، اور اس کی تائید اہل علم کے اجماع سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ ہم ابھی اوپر بیان کر کے آئے ہیں کہ اہل علم کا اجماع ان حرمت والی احادیث کو منسوخ کر رہا ہے۔
بلاشک و شبہ یہ حق ہے، اور اس سے شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے، اور شرعی حکم کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ امت کی عورتوں کے لیے سونا حلال ہے، اور مردوں کے لیے حرام۔

اللہ سبحانہ وتعالی ہی توفیق دینے والا ہے، سب تعریفات رب العالمین کے لیے ہیں، اور اللہ تعالی ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور انکی آل اور صحابہ کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مردوں کیلئے ریشم پہننے کی ممانعت میں وجوہ کا بیان

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ علت اور حکمت ثابت کرنے والے بہت زیادہ ہیں، ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ شریعت نے اسے حرام اس لیے کیا ہے تا کہ نفس اس سے صبر کرے، اور اسے اللہ کے لیے ترک کر دے، تو اسے اس پر اجر وثواب حاصل ہو گا۔

اور کچھ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ریشم اصل میں عورتوں کے لیے پیدا کی گئی ہے جس طرح سونے کے زیورات ہیں، تو مردوں کے لیے اس لیے حرام ہے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اس لیے حرام کی گئی ہے کہ یہ فخر و تکبر اور اپنے آپ کو اچھا سمجھنے کا باعث بنتی ہے۔ اور کچھ کہتے ہیں یہ اس لیے حرام کی گئی ہے کہ ریشم جسم کے ساتھ لگنے سے مردانگی کی بجائے عورت پن اور ہیجڑا پن پیدا کرنے کا باعث ہے، اور یہ مردانگی کی ضد ہے، کیونکہ ریشم پہننے سے دل میں نرمی اور عورتوں کی صفات پیدا ہوتی ہیں، جو کسی پر مخفی نہیں، چاہے وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مردانگی والا ہی کیوں نہ ہو، ریشم کا لباس پہننے سے اس کی مکمل مردانگی چاہے ختم نہ بھی ہو لیکن اس میں کمی ضرور کریگی، اور جو اسے سمجھنے سے قاصر ہو اور اس کی سمجھ موٹی ہو تو وہ اسے حکمت سے پر شارع کے سپرد ہی کر دے۔ (زاد المعاد (4/80).)

تین یا چار انگلیوں کی مقدار ریشم معاف ہونے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم (کے کپڑے) پہننے سے منع فرمایا علاوہ اتنی (یعنی دو انگشت) مقدار کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ ممانعت بیان فرماتے ہوئے مذکورہ مقدار کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کو اٹھایا اور دونوں کو ملایا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا اور بتایا کہ اس قدر یعنی دو انگشت کے بقدر ریشمی کپڑا لباس میں ہو تو مباح ہے)۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 255)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ملک شام کے ایک شہر) جابیہ میں اپنے خطبہ کے دوران یہ فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے علاوہ بقدر دو یا تین اور یا چار انگل کے۔

پہلی روایت سے مردوں کے لئے ریشمی کپڑے کی مباح مقدار دو انگشت معلوم ہوئی اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ چار انگشت تک کی مقدار مباح ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ چار انگشت تک کے بقدر ریشمی کپڑا مردوں کے لباس میں استعمال ہو تو جائز ہے چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

ریشم کا تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِتَوَسُّدِهِ وَالنَّوْمِ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : يُكْرَهُ) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ذَكَرَ قَوْلَ مُحَمَّدٍ وَحْدَهُ ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ ، وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ وَغَيْرُهُ مِنْ الْمَشَايِخِ ، وَكَذَا الِاخْتِلَافُ فِي سِتْرِ الْحَرِيرِ وَتَعْلِيقِهِ عَلَى الْأَبْوَابِ .لَهُمَا الْعُمُومَاتُ ، وَلِأَنَّهُ مِنْ زِيِّ الْأَكَاسِرَةِ وَالْجَبَابِرَةِ وَالتَّشَبُّهُ بِهِمْ حَرَامٌ .وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : إيَّاكُمْ وَزِيَّ الْأَعَاجِمِ .

وَلَهُ مَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَلَسَ عَلَى مِرْفَقَةِ حَرِيرٍ) ، وَقَدْ كَانَ عَلَى بِسَاطِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مِرْفَقَةُ حَرِيرٍ ، وَلِأَنَّ الْقَلِيلَ مِنْ الْمَلْبُوسِ مُبَاحٌ كَالْأَعْلَامِ فَكَذَا الْقَلِيلُ مِنْ اللُّبْسِ وَالِاسْتِعْمَالِ ، وَالْجَامِعُ كَوْنُهُ نَمُوذَجًا عَلَى مَا عُرِفَ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ریشم کا تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جبکہ صاحبین نے کہا ہے

کہ مکروہ ہے اور جامع صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور ان کا قول امام قدوری اور دوسرے مشائخ فقہاء نے ذکر کیا ہے اور اسی طرح ریشم کا پردہ بنانے اور اس کو دیواروں پر لٹکانے کا اختلاف بھی اسی اختلاف کے مطابق ہے۔ صاحبین کی دلیل حدیث میں حکم کا عموم ہے کیونکہ یہ بھی بادشاہوں اور تکبر کرنے والوں کی عادت ہے۔ اور ان کی مشابہت حرام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عجمیوں کا طریقہ اپنانے سے پرہیز کرو۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ ریشم کے تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں۔ اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بستر پر بھی ریشم کا تکیہ تھا۔ کیونکہ یہ تھوڑے بہتے ملبوسات میں جائز ہے۔ جس طرح نقش ونگار ہے۔ لہذا اس طرح کے قلیل میں پہننا اور استعمال کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور ان کے درمیان مضبوط ترین اس کا نقشہ ہے۔

ریشم کو پہننے واستعمال کی ممانعت کا بیان

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پئیں اور ان میں کھائیں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر و دیبا (ایک قسم کا ریشمی کپڑا) پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔" (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 253)

سونے چاندی کے برتنوں وغیرہ میں کھانے پینے اور ریشمی کپڑے پہننے کے بارے میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ ریشمی کپڑے کا استعمال جس طرح مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح اس کو بچوں کو بھی پہننا حرام ہے اور پہنانے والوں کو گناہ ہوتا ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ریشمی کپڑے کو بچھونے میں استعمال کرنا اور اس پر سونا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا اسی طرح اگر تکیہ کے غلاف اور پردے ریشمی کپڑے کے ہوں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جب کہ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے ان سب کو مکروہ کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ (حدیث میں مردوں کے لئے ریشمی کپڑے پہننے اور ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی جو ممانعت منقول ہے اس میں پہننے کی ممانعت تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک تحریم پر محمول ہے لیکن ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی) ممانعت صاحبین کے نزدیک تو تحریم ہی پر محمول ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تنزیہہ پر محمول ہے کیونکہ ابھی اوپر ان کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ ریشمی کپڑے کو بچھونے وغیرہ میں استعمال کرنے کے مسئلہ میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس کا مطلب یہ کہ ان چیزوں میں ریشمی کپڑے کا استعمال بہر حال احتیاط وتقویٰ کے خلاف ہے، کیونکہ کسی عمل کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے کرنے میں " کوئی مضائقہ نہیں ہے "اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ ہونے کے شک سے بچنے کے لئے اس عمل کو نہ کرنا ہی بہتر ہے اس خوف کے سبب کہ شاید اس میں کوئی مضائقہ ہو اور یہی معنی اس مشہور حدیث کے بھی ہیں! دع مـا يـريبك الـى مـا لا يريبك یعنی اس کام کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور اس کام کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔

میرے نزدیک حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو پہنچا، اس کی دلیل قطعی حاصل نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر ریشمی کپڑے پر بیٹھنے یا سونے کو حرام قرار دیا جاسکے اور کپڑے سے پہننے کی ممانعت میں جو صریح نصوص (یعنی اس کی حرمت کے واضح احکام) منقول ہیں ان کے اطلاق حکم میں ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کا مسئلہ نہیں آتا کیوں کہ پہننا اور بچھونا دو الگ الگ چیزیں ہیں اور پہننے کا اطلاق بیٹھنے پر نہیں ہوسکتا اس لیے انہوں نے اس حدیث میں ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی ممانعت کو نہی تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔

حالت جنگ میں ریشم و دیباج پہننے میں کوئی حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ فِي الْحَرْبِ عِنْدَهُمَا) لِمَا رَوَى الشَّعْبِيُّ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَخَّصَ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ فِي الْحَرْبِ) وَلِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً فَإِنَّ الْخَالِصَ مِنْهُ أَدْفَعُ لِمَعَرَّةِ السِّلَاحِ وَأَهْيَبُ فِي عَيْنِ الْعَدُوِّ لِبَرِيقِهِ (وَيُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) ؛ لِأَنَّهُ لَا فَصْلَ فِيمَا رَوَيْنَاهُ ، وَالضَّرُورَةُ انْدَفَعَتْ بِالْمَخْلُوطِ وَهُوَ الَّذِي لُحْمَتُهُ حَرِيرٌ وَسَدَاهُ غَيْرُ ذَلِكَ ، وَالْمَحْظُورُ لَا يُسْتَبَاحُ إلَّا لِضَرُورَةٍ .وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْمَخْلُوطِ .

ترجمہ

صاحبین کے نزدیک حالت جنگ میں ریشم و دیباج پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس کی دلیل حضرت شعبی روایت کردہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے حالت جنگ میں ریشم اور دیباج پہننے کی اجازت عطا فرمائی ہے کیونکہ اس میں ضرورت ہے اس لئے کہ خاص ریشم یہ ہتھیار کی تیزی کو ختم کرنے میں زیادہ کام آنے والا ہے اور یہ اپنی چمک کے سبب دشمن پر رعب میں زیادہ دکھائی دینے والا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ ہماری بیان کردہ روایت میں اس کی کوئی تفصیل وارد نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ ضرورت مکس ریشم سے پوری ہونے والی ہے اور مکس ریشم وہ ہوتا ہے جس کا بانا ریشم کا بنا ہوا ہو جبکہ تانا غیر ریشم کا بنا ہوا ہو۔ اور ممنوع چیز کی بنیاد پر ضرورت ہی مباح کی جاتی ہے۔اور امام شعبی علیہ الرحمہ کا روایت کردہ حکم مکس ریشم پر محمول کیا گیا ہے۔

ضروریات ممنوعات کو مباح کرنے کا قاعدہ فقہیہ

الضرورات تبيح المحظورات .(الاشباه والنظائر، ص ۴۳)

ضروریات ممنوع اشیاء کو مباح قرار دیتی ہیں۔

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شریعت نے ایسی ضروریات جن کو پورا کئے بغیر جان کو خطرہ ہو اور ان کا پورا کرنا ممنوع اشیاء سے

ہو تو ضرورت کے تحت وہ ممنوع اشیاء مباح ہو جاتی ہیں۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ آیت مقدسہ ہے۔ ترجمہ: بے شک تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا اور وہ (جانور) ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو مگر جو مجبور ہو خواہش کرنا والا نہ ہو اور سرکشی کرنے والا نہ ہو پس اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرہ، ۱۷۳)

اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کا اقرار کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ اس پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید وہ کوئی عذر پیش کر سکے۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا: تمہیں بدکاری پر کس چیز نے مجبور کیا۔ اس عورت نے کہا میرا ایک پڑوسی تھا جس کے اونٹوں کے ہاں پانی اور دودھ تھا اور میرے اونٹ کے ہاں پانی اور دودھ نہ تھا۔ اسی وجہ سے میں پیاسی رہتی تھی، میں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے پانی دینا اس شرط پر منظور کیا کہ میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں اس پر میں نے تین دفعہ انکار کیا مگر جب میری پیاس اس قدر بڑھ گئی کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تو میں نے اسکی خواہش پوری کر دی، تب اس نے مجھے پانی پلایا۔ اس پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر! پس جس کو مجبور کیا جائے اور اس کا ارادہ سرکشی اور زیادتی کا نہ ہو، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (الطرق الحکمیہ، ص ۵۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

ریشم کے تانے والے کپڑے میں حرج نہ ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خالص ریشم کے کپڑے پہننے کو منع فرمایا ہے اور وہ نقش ونگار ریشم کے اور ریشم کے تانے والا کپڑا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 664)

حضرت ابو عمر واسماء بنت ابوبکر جو حضرت اسماء بنت ابوبکر کے آزاد کردہ غلام تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بازار میں دیکھا کہ انہوں شامی کپڑا خریدا تو اس میں دیکھا کہ سرخ دھاگا ہے تو اسے واپس کر دیا۔ پس میں حضرت اسماء کے پاس آیا اور اس کا ان سے تذکرہ کیا وہ اپنی باندی سے کہنے لگیں مجھے رسول اللہ کا جبہ مبارک لا کر دو تو اس نے ایک طیالسی کپڑے کا جبہ نکالا جس کے گریبان اور دونوں آستینوں میں ریشم لگا ہوا تھا اور اس کے آگے پیچھے کی طرف بھی ریشم تھا۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 663)

ریشم کی دھاریوں والے کپڑے کا بیان

بقیہ، (مشہور تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر ایک ریشمی چادر دیکھی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس میں ریشم کی دھاریاں تھیں۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 667)

عذر کے سبب اباحت ریشم کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر بن عوام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوؤں کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کے لئے جہاد میں ریشمی لباس پہننے کی اجازت عطا فرمادی۔ (صحیح مسلم: جلدسوم: حدیث نمبر 936)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دے دی کیونکہ ان کے خارش ہوگئی تھی۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 257)

حالت جنگ میں مکس ریشم کا کپڑا پہننے کی اباحت کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ مَا سَدَاهُ حَرِيرٌ وَلُحْمَتُهُ غَيْرُ حَرِيرٍ كَالْقُطْنِ وَالْخَزِّ فِي الْحَرْبِ وَغَيْرِهِ) لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَانُوا يَلْبَسُونَ الْخَزَّ، وَالْخَزُّ مُسْدًى بِالْحَرِيرِ، وَلِأَنَّ الثَّوْبَ إِنَّمَا يَصِيرُ ثَوْبًا بِالنَّسْجِ وَالنَّسْجُ بِاللُّحْمَةِ فَكَانَتْ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ دُونَ السَّدَى .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : أَكْرَهُ ثَوْبَ الْقَزِّ يَكُونُ بَيْنَ الْفَرْوِ وَالظِّهَارَةِ، وَلَا أَرَى بِحَشْوِ الْقَزِّ بَأْسًا؛ لِأَنَّ الثَّوْبَ مَلْبُوسٌ وَالْحَشْوَ غَيْرُ مَلْبُوسٍ .

قَالَ (وَمَا كَانَ لُحْمَتُهُ حَرِيرًا وَسَدَاهُ غَيْرَ حَرِيرٍ لَا بَأْسَ بِهِ فِي الْحَرْبِ) لِلضَّرُورَةِ (وَيُكْرَهُ فِي غَيْرِهِ) لِانْعِدَامِهَا، وَالِاعْتِبَارُ لِلُّحْمَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا .

ترجمہ

فرمایا کہ حالت جنگ میں ایسا ریشم کا کپڑا پہننے میں کوئی حرج نہ ہوگا جس کا تانا ریشم کا بنا ہوا ہو اور بانا ریشم کا بنا ہوا نہ ہو۔ جس طرح خز اور روئی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خز کو پہنا کرتے تھے۔ اور جو خز ہے یہ ریشمی تانے کا ہوتا ہے کیونکہ بننے کے سبب ہی کپڑا بنا کرتا ہے اور وہ بنائی بانے سے بنتی ہے۔ پس بانے کا اعتبار کریں گے جبکہ تانے کا اعتبار نہ کریں گے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قز والے کپڑے جانتا ہوں اور قز اس کپڑے کو کہتے ہیں جو آستین اور ابرو کے درمیان میں ہوتا ہے جبکہ اس قز کو بھرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کپڑا ملبوس ہوتا ہے اور جو اس میں بھرنا ہے یہ غیر ملبوس ہے۔

اور اسی طرح وہ کپڑا جس کا تانا ریشم کا نہ ہو بلکہ بانا ریشم کا ہے تو ضرورت کے سبب اس کو بھی حالت جنگ میں استعمال کرنے

[illegible]

[illegible] سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بخارا میں ایک آدمی کو دیکھا کہ ایک سفید خچر پر سوار تھا اور سیاہ [illegible] عمامہ [illegible] کہ یہ عمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پہنایا ہے۔ (یہ خالص ریشم کا نہیں ہوتا بلکہ [illegible] ریشم ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 648)

ریشم پہننے کی روایات جواز پر امت مسلمہ کے عمل کا بیان

علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے حسب ذیل روایات نقل کی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: لبس الحریر والذهب حرام علی ذکور امتی و حلال لا ناثها، ریشمی کپڑے اور سونے کے زیور پہننا میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔ حضرت عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتیں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تمہیں ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو ان کا حق ادا کرو، یعنی ان کی زکوٰۃ نکالو۔ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ زیور پہنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ تمہاری عملداری میں جو مسلمان عورتیں رہتی ہیں ان کو حکم دو کہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ نکالیں۔

امام ابوحنیفہ نے عمرو بن دینار کے حوالہ سے یہ روایات نقل کی ہیں کہ حضرت عائشہ نے اپنی بہنوں کو اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیٹیوں کو سونے کے زیور پہنائے تھے۔

ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جو روایات عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کے حلال ہونے کے متعلق وارد ہوئی ہیں وہ عدم جواز کی روایات سے زیادہ مشہور اور نمایاں ہیں۔ اور آیت مذکورہ بالا بھی اس کے جواز پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر امت کا عمل بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانے سے ہمارے زمانے (یعنی چوتھی صدی کے آخری دور) تک یہی رہا ہے، بغیر اس کے کہ کسی نے اس پر اعتراض کیا ہو۔ اس طرح کے مسائل میں اخبار آحاد کی بنا پر کوئی اعتراض تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

مردوں کیلئے سونے چاندی سے زینت کے عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ التَّحَلِّي بِالذَّهَبِ) لِمَا رَوَيْنَا (وَلَا بِالْفِضَّةِ) لِأَنَّهَا فِي مَعْنَاهُ (إِلَّا

بِالْخَاتَمِ وَالْمِنْطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ) تَحْقِيقًا لِمَعْنَى النَّمُوذَجِ ، وَالْفِضَّةُ أَغْنَتْ عَنِ الذَّهَبِ إِذْ هُمَا مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ ، كَيْفَ وَقَدْ جَاءَ فِي إِبَاحَةِ ذَلِكَ آثَارٌ .

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : وَلَا يَتَخَتَّمُ إِلَّا بِالْفِضَّةِ ، وَهَذَا نَصٌّ عَلَى أَنَّ التَّخَتُّمَ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيدِ وَالصُّفْرِ حَرَامٌ .(وَرَأَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَجُلٍ خَاتَمَ صُفْرٍ فَقَالَ : مَالِي أَجِدُ مِنْك رَائِحَةَ الْأَصْنَامِ .

وَرَأَى عَلَى آخَرَ خَاتَمَ حَدِيدٍ فَقَالَ : مَالِي أَرَى عَلَيْك حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ) وَمِنْ النَّاسِ مَنْ أَطْلَقَ الْحَجَرَ الَّذِي يُقَالُ لَهُ يَشْبُ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَجَرٍ ، إِذْ لَيْسَ لَهُ ثِقَلُ الْحَجَرِ ، وَإِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ يَدُلُّ عَلَى تَحْرِيمِهِ .

ترجمہ

اور سونے کی زینت کو اختیار کرنا یہ مردوں کیلئے جائز نہیں ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں اور اسی طرح چاندی سے بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ چاندی سونے کے حکم میں ہے ہاں البتہ چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ اور اسی طرح کمر بند چاندی سے بنا ہوا تلوار کا دستہ، نمونے کا حکم ثابت کرنے کیلئے اور چاندی سونے سے بے پرواہ کرنے والی ہے کیونکہ ان دونوں کی جنس ایک ہے۔ اور ایسا کیونکر نہ ہوگا جبکہ چاندی کی اباحت میں آثار ذکر کیے گئے ہیں۔ جامع صغیر میں ہے کہ وہ چاندی کی انگوٹھی پہنے۔ اور یہی قول اس بات کی وضاحت کرنے والا ہے کہ پتھر لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہننا حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی پیتل کو انگوٹھی کو دیکھ کر فرمایا مجھے کیا ہوا کہ میں تمہارے جسموں سے بتوں بو محسوس کرتا ہوں اور اسی طرح دوسرے شخص کے پاس سے آپ ﷺ نے لوہے کی انگوٹھی دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں تمہارے جسموں پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں جبکہ بعض لوگوں نے یشب نام والے پتھر کی اجازت دی ہے کیونکہ وہ حقیقت میں پتھر نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ پتھر کی طرح بھاری نہیں ہے۔ جبکہ جو جواب جامع صغیر میں ہے وہ یشب پتھر کی حرمت پر اطلاق کرنے والا ہے۔

شرح

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسی کے پہننے سے اور معصفر کے پہننے سے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع میں قرات کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 654)

لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہننے میں حرمت کا بیان

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو

اس کی انگلی میں لوہے کی انگوٹھی تھی فرمایا کیا بات ہے میں تمہارے ہاتھوں میں اہل دوزخ کا زیور دیکھ رہا ہوں۔ جب وہ دوبارہ حاضر ہوا تو اس کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی فرمایا کیا بات ہے میں تم سے بتوں کی بو پا رہا ہوں پس جب وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی فرمایا کیا بات ہے کہ میں تمہارے جسم پر اہل دوزخ کا زیور دیکھ رہا ہوں عرض کیا تو کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں؟ فرمایا چاندی کی اور وہ بھی ایک مثقال سے کم ہو یہ حدیث غریب ہے عبداللہ بن مسلم کی کنیت ابوطیبہ ہے اور یہ مروزی ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1862)

مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی کے حرام ہونے کا بیان

(وَالتَّخَتُّمُ بِالذَّهَبِ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامٌ) لِمَا رَوَيْنَا .وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ) وَلِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ التَّحْرِيمُ ، وَالْإِبَاحَةُ ضَرُورَةُ الْخَتْمِ أَوْ النَّمُوذَجِ ، وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِالْأَدْنَى وَهُوَ الْفِضَّةُ ، وَالْحَلْقَةُ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ ؛ لِأَنَّ قِوَامَ الْخَاتَمِ بِهَا ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَصِّ حَتَّى يَجُوزَ أَنْ يَكُونَ مِنْ حَجَرٍ وَيَجْعَلَ الْفَصَّ إلَى بَاطِنِ كَفِّهِ بِخِلَافِ النِّسْوَانِ ؛ لِأَنَّهُ تَزَيُّنٌ فِي حَقِّهِنَّ ، وَإِنَّمَا يَتَخَتَّمُ الْقَاضِي وَالسُّلْطَانُ لِحَاجَتِهِ إلَى الْخَتْمِ ، وَأَمَّا غَيْرُهُمَا فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَتْرُكَهُ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إلَيْهِ

ترجمہ

اور سونے کی انگوٹھی پہننا مردوں کیلئے حرام ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کیا ہے کیونکہ سونے میں اصل حرمت ہے جبکہ اس میں اباحت مہر لگانے یا نمونے کی ضرورت کے سبب سے ہے حالانکہ یہ ضرورت چاندی جو ادنیٰ اس سے بھی پوری ہونے والی ہے۔ اور اس میں حلقہ کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ انگوٹھی کی طاقت حلقہ سے ہونے والی ہے۔ جبکہ اس میں نگینے کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ پتھر کا نگینہ بھی جائز ہے جبکہ نگینے کی اندرونی جگہ ہتھیلی کی جانب سے ہے۔ بہ خلاف عورتوں کے کیونکہ ایسی انگوٹھی پہننا عورتوں کیلئے زینت ہے۔ اور اسی طرح قاضی یا بادشاہ بھی ضرورت مہر کے سبب پہن سکتا ہے (دور حاضر میں اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مہر لگانے کے جدید ذرائع موجود ہے لہذا ضرورت ختم ہو چکی ہے)۔ جبکہ ان کے سوا انگوٹھی نہ پہننا افضل ہے کیونکہ اس مہر وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

شرح

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کیا تم میں سے کوئی آدمی

چاہتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں دوزخ کا انگارہ رکھ لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی پکڑ لو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ وہ آدمی کہنے لگا نہیں اللہ کی قسم میں اسے کبھی بھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 975)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اسے پہنتے وقت اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی طرف کرلیا کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے دیکھا تو لوگوں نے بھی انگوٹھی بنوالی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو ارشاد فرمایا میں اس انگوٹھی کو پہنتا ہوں تو نگینہ کا رخ اندر کی طرف کرلیتا ہوں آپ نے یہ فرما کر اپنی انگوٹھی پھینک دی پھر فرمایا اللہ کی قسم میں پھر کبھی بھی اس سونے کی انگوٹھی کو نہیں پہنوں گا صحابہ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 976)

قاضی ومفتی کیلئے اباحت انگوٹھی کا بیان

عیاش بن عباس کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھ ایک صاحب جن کی کنیت ابوعامر تھی اور وہ قبیلہ معافر کے تھے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کے لیے نکلے اور اس زمانہ میں بیت المقدس کے واعظ ابوریحانہ صحابہ میں سے ایک صاحب تھے جو قبیلہ ازد کے رہنے والے تھے۔ ابوالحصن کہتے ہیں کہ میرا ساتھی مجھ سے پہلے مسجد پہنچ گیا پھر اس کے بعد میں پہنچا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے ابوریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وعظ وغیرہ پایا میں نے کہا کہ نہیں۔ وہ کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ وشر (دانتوں کو گھس کر باریک کرنے سے)۔ جسم گودنے سے۔ بال اکھیڑنے سے۔ ایک مرد کا دوسرے مرد کے ساتھ ننگا ہو کر بغیر کپڑے کے سونے سے۔ اس بات سے کہ مرد اپنے کپڑے کے نیچے (دامن کی جگہ) ریشم لگائے عجمیوں کی طرح۔ یا مونڈھوں کی جگہ ریشم لگائے عجمیوں کی طرح۔ لوٹ مار اور غارت گری سے۔ چیتوں کی کھال پر بیٹھنے (اور اس کی زین وغیرہ بنانے سے)۔ اور بادشاہ کے علاوہ کسی اور کی انگوٹھی پہننے سے (قاضی، ومفتی، جو احکام وفتاوی پر مہر لگاتے ہیں وہ بھی بادشاہ کے حکم میں ہیں)۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 659)

ہمارے مؤقف کے مطابق دور جدید میں اس قسم کی مہر کی ضرورت نہیں ہے لہذا یہ استثناء درست نہ ہوگا باقی حق وصواب وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ جانتے ہیں۔

نگینے کے سوراخ میں سونے کی میخ لگانے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِمِسْمَارِ الذَّهَبِ يُجْعَلُ فِي حَجَرِ الْفَصِّ) أَيْ فِي ثُقْبِهِ ؛ لِأَنَّهُ تَابِعٌ كَالْعَلَمِ فِي الثَّوْبِ فَلَا يُعَدُّ لَابِسًا لَهُ .

قَالَ (وَلَا تُشَدُّ الْأَسْنَانُ بِالذَّهَبِ وَتُشَدُّ بِالْفِضَّةِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ :

لَا بَأْسَ بِالذَّهَبِ أَيْضًا وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ مِثْلُ قَوْلِ كُلٍّ مِنْهُمَا

لَهُمَا (أَنَّ عَرْفَجَةَ بْنَ أَسْعَدَ الْكِنَانِيَّ أُصِيبَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ فِضَّةٍ فَأَنْتَنَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِأَنْ يَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ) وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ التَّحْرِيمُ وَالْإِبَاحَةُ لِلضَّرُورَةِ ، وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِالْفِضَّةِ وَهِيَ الْأَدْنَى فَبَقِيَ الذَّهَبُ عَلَى التَّحْرِيمِ .وَالضَّرُورَةُ فِيمَا رُوِيَ لَمْ تَنْدَفِعْ فِي الْأَنْفِ دُونَهُ حَيْثُ أَنْتَنَ .

ترجمہ

اور نگینے کے سوراخ کے اندر سونے کی میخ لگانے میں کوئی حرج نہ ہوگا کیونکہ کپڑے میں بوٹے کی طرح یہ میخ بھی تابع ہو جائے گی۔ پس اس انسان کو سونا پہننے والا شمار نہ کیا جائے گا۔

اور اسی طرح دانتوں کو سونے کے ساتھ نہ باندھا جائے بلکہ یہ کام چاندی سے کیا جائے۔ اور یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے کہ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے سونے سے باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک طرفین کی طرح دو اقوال ہیں۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یوم کلاب میں عرفجہ بن اسعد کی ناک ٹوٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوائی لیکن اس سے بدبو آنے لگی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ سونے میں اصل حرمت ہے اور اباحت ضرورت کے سبب سے آتی ہے اور جب کوئی ضرورت چاندی یعنی ادنیٰ سے پوری ہو جائے تو اس حالت میں سونے کی حرمت باقی رہے گی۔ (قاعدہ فقہیہ) اور حضرت عرفجہ کی حدیث میں سونے کے سوا ضرورت پوری نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ ناک بدبودار ہو چکی تھی۔

شرح

حضرت عرفجہ بن اسعد سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کلاب کی جنگ کے موقع پر میری ناک کٹ گئی میں نے چاندی کی ناک بنوائی لیکن اس میں بدبو آنے لگی تو نبی کریم ﷺ نے مجھے سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1843)

محمد بن یزید واسطی، ابوالاشہب ہم سے روایت ہے کہ علی بن حجر نے انہوں نے ربیع بدر سے اور محمد بن یزید واسطی سے انہوں نے ابی الاشعب سے اس روایت کی مانند۔ یہ حدیث حسن ہے ہم اسے صرف عبدالرحمن بن طرفہ کی روایت سے جانتے ہیں سلمہ بن زریر بھی عبدالرحمن بن طرفہ سے ابوالاشہب ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں ابن مہدی انہیں سلم بن زرین کہتے ہیں لیکن یہ وہم ہے اور صحیح زریر ہی ہے متعدد اہل علم سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے دانت سونے سے جڑوائے اس حدیث میں ان کی دلیل

(جامع ترمذی، جلد اول، حدیث نمبر 1844)

چھوٹے بچوں کیلئے ریشم وسونے کی کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَلْبَسَ الذُّكُورُ مِنَ الصِّبْيَانِ الذَّهَبَ وَالْحَرِيرَ) ؛ لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لَمَّا ثَبَتَ فِي حَقِّ الذُّكُورِ وَحَرُمَ اللُّبْسُ حَرُمَ الْإِلْبَاسُ كَالْخَمْرِ لَمَّا حَرُمَ شُرْبُهَا حَرُمَ سَقْيُهَا .

قَالَ (وَتُكْرَهُ الْخِرْقَةُ الَّتِي تُحْمَلُ فَيُمْسَحُ بِهَا الْعَرَقُ) ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ تَجَبُّرٍ وَتَكَبُّرٍ (وَكَذَا الَّتِي يُمْسَحُ بِهَا الْوُضُوءُ أَوْ يُمْتَخَطُ بِهَا) وَقِيلَ إذَا كَانَ عَنْ حَاجَةٍ لَا يُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ إذَا كَانَ عَنْ تَكَبُّرٍ وَتَجَبُّرٍ وَصَارَ كَالتَّرَبُّعِ فِي الْجُلُوسِ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَرْبِطَ الرَّجُلُ فِي أُصْبُعِهِ أَوْ خَاتَمِهِ الْخَيْطَ لِلْحَاجَةِ) وَيُسَمَّى ذَلِكَ الرَّتَمَ وَالرَّتِيمَةَ .وَكَانَ ذَلِكَ مِنْ عَادَةِ الْعَرَبِ .

قَالَ قَائِلُهُمْ : لَا يَنْفَعَنَّكَ الْيَوْمَ إنْ هَمَّتْ بِهِمْ كَثْرَةُ مَا تُوصِي وَتَعْقَادُ الرَّتَمِ وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمَرَ بَعْضَ أَصْحَابِهِ بِذَلِكَ ، وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَبَثٍ لِمَا فِيهِ مِنَ الْغَرَضِ الصَّحِيحِ وَهُوَ التَّذَكُّرُ عِنْدَ النِّسْيَانِ .

ترجمہ

اور چھوٹے بچوں کیلئے سونا اور ریشم پہننا مکروہ ہے کیونکہ حرمت جب مردوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے لہذا اس کو پہننا حرام ہوگا تو پہنانا بھی حرام ہوگا جس طرح شراب کے بارے میں حکم ہے کہ اس کو پینا اور پلانا دونوں حرام ہے۔

اور کپڑے کا وہ ٹکڑا جو پسینہ صاف کرنے کیلئے پاس رکھا جاتا ہے مکروہ ہے کیونکہ اس میں ایک طرح سے تکبر کی علامت ہے اور اسی طرح وہ کپڑا جس سے وضو کا پانی صاف کیا جائے یا ناک کو صاف کیا جائے۔اور ایک قول یہ ہے کہ جب ان کی ضرورت ہو تو یہ مکروہ نہ ہوگا۔اور صحیح قول بھی یہی ہے کیونکہ مکروہ اس وقت ہے جب وہ تکبر یا سرکشی کے طور پر ہو اور یہ چار زانو بیٹھنے کی طرح ہو جائے گا۔

اور اپنی انگلی یا انگوٹھی میں ضرورت کی وجہ سے دھاگہ باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور ایسے دھاگے کو رتم یا رتیمہ کہتے ہیں اور یہ اہل عرب کی عادت ہے۔پس ایک شاعر نے کہا ہے کہ جب تو نے مردوں کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا ہے تو آج وصیت کی کثرت اور دھاگے کا باندھنا تیرے لئے فائدے مند نہ ہوگا اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم ارشاد فرمایا تھا اور یہ بھی دلیل ہے کہ یہ فضول نہیں ہے کیونکہ اس کا ایک حصہ ایک صحیح مقصد کیلئے ہے کہ جب انسان غفلت کے سبب

[illegible]

شرح

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لڑکوں کو سونے چاندی کے زیور پہنانا حرام ہے اور جس نے پہنایا وہ گنہگار ہوگا۔ اسی طرح بچوں کے ہاتھ پاؤں میں بلاضرورت مہندی لگانا ناجائز ہے۔ عورت خود اپنے ہاتھ پاؤں میں لگا سکتی ہے، مگر لڑکے کو لگائے گی تو گنہگار ہوگی۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

اس کے ساتھ ساتھ بعض اضطراری حالتوں میں مرد کے لئے سونے کے استعمال کا جواز ملتا ہے۔ مثلاً سونے کا ناک لگوانا، دانت یا داڑھ میں سونا بھرنا، دانتوں کو سونے کی تار سے جوڑنا جائز ہے۔

جیسا کہ عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یوم الکلاب میں ان کی ناک کٹ گئی، انہوں نے چاندی کی ناک لگوائی جو بدبودار ہوگئی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک لگوانے کا حکم صادر فرمایا۔ (مسند الامام احمد: 23/5، ابوداؤد: 4232، ترمذی: 1770، نسائی: 5164، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن اور امام ابن حبان رحمہ اللہ 5462 نے صحیح کہا ہے۔ اس کے راوی عبدالرحمن بن طرفہ کو امام عجلی رحمہ اللہ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ نے ثقہ کہا ہے لہٰذا یہ حسن الحدیث ہے۔

بعض لوگ شوقیہ طور پر سونے کا خول چڑھا لیتے ہیں، یہ قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔

نجاشی (بادشاہ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفے میں کچھ زیور بھیجا، اس میں سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی، جس پر حبشی نگینہ جڑا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انگوٹھی سے اعراض برتتے ہوئے لکڑی یا اپنی انگلی سے پکڑا۔ پھر (اپنی نواسی) امامہ بنت زینب کو بلایا اور فرمایا، بیٹی! یہ پہن لو۔ (ابوداؤد: 4235، ابن ماجہ: 3644 وسندہ حسن)

فصل فی الوطی والنظر واللمس

﴿ یہ فصل وطی کرنے، دیکھنے اور چھونے کے بیان میں ہے ﴾

فصل نظر ولمس کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے لباس کے احکام کے ساتھ ان مسائل کو الگ فصل میں بیان کیا ہے کہ عرف میں ضروریات زندگی کے پیش نظر بعض اوقات غیر محرم عورتوں کو گھر سے باہر جانا پڑتا ہے یہ ضرورت خواہ شرعی ہو جس طرح حج وعمرہ وغیرہ ہیں یا طبعی ضرورت ہو جس طرح اشیائے خورونوش کو لانا ہے یا بیماری کی حالت میں طبیب کے پاس جانا وغیرہ ہے تو اس طرح بعض اعضاء ظاہر ہوتے ہیں جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ان اعضاء محرم کیلئے اور غیر محرم کیلئے دیکھنے کی اباحت وعدم اباحت کو بیان کرنا لباس کے احکام میں شامل ہے۔ لیکن اس سے مختلف ہونے کی وجہ سے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کیلئے الگ فصل کو ذکر کیا ہے۔

حکم پردہ کے شرعی ماخذ کا بیان

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔(النور 31)

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں، اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹوں یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگھار اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔ (کنزالایمان)

یہاں پردے کے احکام میں توبہ کا حکم دینے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان احکام کی خلاف ورزی بھی تم کرتے رہے ہو، وہ چونکہ اسلام سے قبل کی باتیں ہیں، اس لئے اگر تم نے سچے دل سے توبہ کر لی اور ان احکام مذکورہ کے مطابق پردے کا صحیح اہتمام کر لیا تو لازمی کامیابی اور دنیا اور آخرت کی سعادت تمہارا مقدر ہے۔

اجنبیہ کی جانب نظر کرنے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ إلَى الْأَجْنَبِيَّةِ إلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) قَالَ عَلِيٌّ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : مَا ظَهَرَ مِنْهَا الْكُحْلُ وَالْخَاتَمُ ، وَالْمُرَادُ مَوْضِعُهُمَا وَهُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفُّ ، كَمَا أَنَّ الْمُرَادَ بِالزِّينَةِ الْمَذْكُورَةِ مَوْضِعُهَا ، وَلِأَنَّ فِي إبْدَاءِ الْوَجْهِ وَالْكَفِّ ضَرُورَةً لِحَاجَتِهَا إلَى الْمُعَامَلَةِ مَعَ الرِّجَالِ أَخْذًا وَإِعْطَاءً وَغَيْرَ ذَلِكَ ، وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يُبَاحُ النَّظَرُ إلَى قَدَمِهَا .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُبَاحُ ؛ لِأَنَّ فِيهِ بَعْضَ الضَّرُورَةِ .

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُبَاحُ النَّظَرُ إلَى ذِرَاعِهَا أَيْضًا ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَبْدُو مِنْهَا عَادَةً قَالَ (فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ الشَّهْوَةَ لَا يَنْظُرُ إلَى وَجْهِهَا إلَّا لِحَاجَةٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ نَظَرَ إلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ عَنْ شَهْوَةٍ صُبَّ فِي عَيْنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) فَإِذَا خَافَ الشَّهْوَةَ لَمْ يَنْظُرْ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ تَحَرُّزًا عَنْ الْمُحَرَّمِ .

وَقَوْلُهُ لَا يَأْمَنُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يُبَاحُ إذَا شَكَّ فِي الِاشْتِهَاءِ كَمَا إذَا عَلِمَ أَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ ذَلِكَ

ترجمہ

فرمایا کہ کسی بھی شخص کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اجنبی عورت کے چہرے اور ہتھیلی کے سوا کو دیکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں لیکن جو خود بہ خود ظاہر ہو، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ماظھر سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے جبکہ مراد ان کی جگہ ہے۔ اور وہ چہرہ اور ہتھیلی ہے جس طرح ذکر کردہ زینت سے زینت کی جگہ مراد ہے۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ لین دین کرنے میں لوگوں سے ضرورت پیش آتی ہے۔ جس میں چہرہ اور ہتھیلی کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس میں اس بات کی تصریح ہو چکی ہے کہ عورت کا پاؤں دیکھنا مباح نہیں ہے۔ جبکہ امام صاحب نے نقل کیا گیا ہے کہ

وہ مباح ہے کیونکہ اس میں ضرورت ثابت ہے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ عورت کے بازوؤں کو دیکھنا مباح ہے کیونکہ اس کے بازو بعض اوقات بطور عادت ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اور جب شہوت سے امن نہ ہو تو اب اجنبی عورت کا چہرہ نہ دیکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اجنبی عورت کے محاسن کو دیکھا تو قیامت کے دن اس کی آنکھ میں سیسہ پگھلا کو ڈالا جائے گا۔ پس جب اس کو شہوت کا اندیشہ ہے تو وہ ضرورت کے سوا نہ دیکھے تا کہ وہ حرام سے بچ جائے۔ اور امام قدوری کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کو شہوت میں شک ہو تب بھی اس کیلئے دیکھنا مباح نہ ہوگا۔ جس طرح یقین کی صورت میں یا ظن غالب کی صورت کا حکم ہے۔

شرح

اللہ تعالیٰ مومنہ عورتوں کو چند حکم دیتا ہے تا کہ ان کے باغیرت مردوں کو تسکین ہو اور جاہلیت کی بری رسمیں نکل جائیں۔ مروی ہے کہ اسماء بنت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان بنو حارثہ کے محلے میں تھا۔ ان کے پاس عورتیں آتی تھیں اور دستور کے مطابق اپنے پیروں کے زیور، سینے اور بال کھولے آیا کرتی تھیں۔

حضرت اسماء نے کہا یہ کیسی بری بات ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ پس حکم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں۔ سوا اپنے خاوند کے کسی کو بہ نظر شہوت نہ دیکھنا چاہئے۔ اجنبی مردوں کی طرف تو دیکھنا ہی حرام ہے خواہ شہوت سے ہو خواہ بغیر شہوت کے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ پردہ کرلو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھیں گے، نہ پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو کہ اس کو نہ دیکھو؟ ہاں بعض علماء نے بے شہوت نظر کرنا حرام نہیں کہا۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ عید والے دن حبشی لوگوں نے مسجد میں ہتھیاروں کے کرتب شروع کئے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا آپ دیکھ ہی رہی تھیں یہاں تک کہ جی بھر گیا اور تھک کر چلی گئیں۔ عورتوں کو بھی اپنی عصمت کا بچاؤ چاہئے، بدکاری سے دور رہیں، اپنا آپ کسی کو نا دکھائیں۔ اجنبی غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت کی کسی چیز کو ظاہر نہ کریں ہاں جس کا چھپانا ممکن ہی نہ ہو، اس کی اور بات ہے جیسے چادر اور اوپر کا کپڑا وغیرہ جنکا پوشیدہ رکھنا عورتوں کے لئے ناممکنات سے ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ، پہنچوں تک کے ہاتھ اور انگوٹھی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ یہاں زینت کے وہ محل ہیں، جن کے ظاہر کرنے سے شریعت نے ممانعت کردی ہے۔ جب کہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں یعنی بالیاں ہار پاؤں کا زیور وغیرہ۔ فرماتے ہیں زینت دو طرح کی ہے ایک تو وہ جسے خاوند ہی دیکھے جیسے انگوٹھی اور کنگن اور دوسری زینت وہ جسے غیر بھی دیکھیں جیسے اوپر کا کپڑا۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر ہے ان کے سامنے تو کنگن دوپٹہ بالیاں کھل جائیں تو حرج نہیں لیکن اور لوگوں کے سامنے صرف انگوٹھیاں ظاہر ہو جائیں تو پکڑ نہیں۔ اور روایت میں انگوٹھیوں کے ساتھ ہی پیر کے خلخال کا بھی ذکر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ماظہر منہا کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منہ اور پہنچوں سے کی ہو۔ جیسے ابوداؤد میں ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں کپڑے باریک پہنے ہوئے تھیں تو آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا جب عورت بلوغت کو پہنچ جائے تو سوا اس کے اور اس کے یعنی چہرہ کے اور پہنچوں کے اس کا کوئی عضو دکھانا ٹھیک نہیں۔ لیکن یہ مرسل ہے۔

خالد بن دریک رحمۃ اللہ علیہ اسے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا ام المومنین سے ملاقات کرنا ثابت نہیں واللہ اعلم۔ عورتوں کو چاہئے کہ اپنے دوپٹوں سے یا اور کپڑے سے بکل ماریں تا کہ سینہ اور گلے کا زیور چھپا رہے۔ جاہلیت میں اس کا بھی رواج نہ تھا۔ عورتیں اپنے سینوں پر کچھ نہیں ڈالتیں تھیں بسا اوقات گردن اور بال چوٹی بالیاں وغیرہ صاف نظر آتی تھیں۔ ایک اور آیت میں ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔ خمر خمار کی جمع ہے خمار کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو ڈھانپ لے۔ چونکہ دوپٹہ سر کو ڈھانپ لیتا ہے اس لئے اسے بھی خمار کہتے ہیں۔ پس عورتوں کو چاہے کہ اپنی اوڑھنی سے یا کسی اور کپڑے سے اپنا گلا اور سینہ بھی چھپائے رکھیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر رحم فرمائے جنہوں نے شروع شروع ہجرت کی تھی کہ جب یہ آیت اتری انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے۔ بعض نے اپنے تہبند کے کنارے کاٹ کر ان سے سر ڈھک لیا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے پاس عورتوں نے قریش عورتوں کی فضیلت بیان کرنی شروع کی تو آپ نے فرمایا ان کی فضیلت کی قائل میں بھی ہوں لیکن واللہ میں نے انصار کی عورتوں سے افضل عورتیں نہیں دیکھیں، ان کے دلوں میں جو کتاب اللہ کی تصدیق اور اس پر کامل ایمان ہے، وہ بیشک قابل قدر ہے۔ سورہ نور کی آیت (ولیضربن بخمرھن) جب نازل ہوئی اور ان کے مردوں نے گھر میں جا کر یہ آیت انہیں سنائی، اسی وقت ان عورتوں نے اس پر عمل کر لیا اور صبح کی نماز میں وہ آئیں تو سب کے سروں پر دوپٹے موجود تھے۔ گویا ڈول رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ان مردوں کا بیان فرمایا جن کے سامنے عورت ہوسکتی ہے اور بغیر بناؤ سنگھار کے ان کے سامنے شرم وحیا کے ساتھ آ جاسکتی ہے گو بعض ظاہری زینت کی چیزوں پر بھی ان کی نظر پڑ جائے۔ سوائے خاوند کے کہ اس کے سامنے تو عورت اپنا پورا سنگھار زیب زینت کرے۔ گو چچا اور ماموں بھی ذی محرم ہیں لیکن ان کا نام یہاں اس لئے نہیں لیا گیا کہ ممکن ہے وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کریں۔ اس لئے ان کے سامنے بغیر دوپٹے کے نہ آنا چاہئے۔ پھر فرمایا تمہاری عورتیں یعنی مسلمان عورتوں کے سامنے بھی اس زینت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں۔

اہل ذمہ کی عورتوں کے سامنے اس لئے رخصت نہیں دی گئی کہ بہت ممکن ہے وہ اپنے مردوں میں ان کی خوبصورتی اور زینت کا

ذکر کریں۔

گو مومن عورتوں سے بھی یہ خوف ہے مگر شریعت نے چونکہ اسے حرام قرار دیا ہے اس لئے مسلمان عورتیں تو ایسا نہ کریں گی لیکن ذمی کافروں کی عورتوں کو اس سے کون سی چیز روک سکتی ہے؟ بخاری مسلم میں ہے کہ کسی عورت کو جائز نہیں کہ دوسری عورت سے مل کر اس کے اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مسلمان عورتیں حمام میں جاتی ہیں، ان کے ساتھ مشرکہ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ سنو کسی مسلمان عورت کو حلال نہیں کہ وہ اپنا جسم کسی غیر مسلمہ عورت کو دکھائے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بھی آیت (اونسائھن) کی تفسیر میں فرماتے ہیں مراد اس سے مسلمان عورتیں ہیں تو ان کے سامنے وہ زینت ظاہر کرسکتی ہے جو اپنے ذی محرم رشتے داروں کے سامنے ظاہر کرسکتی ہے۔ یعنی گلا بالیاں اور ہار۔ پس مسلمان عورت کو ننگے سر کسی مشرکہ عورت کے سامنے ہونا جائز نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ بیت المقدس پہنچے تو ان کی بیویوں کے لئے دایہ یہودیہ اور نصرانیہ عورتیں ہی تھیں۔ پس اگر یہ ثابت ہوجائے تو محمول ہوگا ضرورت پر یا ان عورتوں کی ذلت پر۔ پھر اس میں غیر ضروری جسم کا کھلنا بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ہاں مشرکہ عورتوں میں جو لونڈیاں باندیاں ہوں وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ بعض کہتے ہیں غلاموں کا بھی یہی حکم ہے۔

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس انہیں دینے کے لیے ایک غلام لے کر آئے۔ حضرت فاطمہ اسے دیکھ کر اپنے آپ کو اپنے دوپٹے میں چھپانے لگیں۔ لیکن چونکہ کپڑا چھوٹا تھا، سر ڈھانپتی تھیں تو پیر کھل جاتے تھے اور پیر ڈھانپتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا بیٹی کیوں تکلیف کرتی ہو میں تو تمہارا والد ہوں اور یہ تمہارا غلام ہے۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اس غلام کا نام عبداللہ بن مسعدہ تھا۔ یہ فزاری تھے۔ سخت سیاہ فام۔ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں پرورش کرکے آزاد کردیا تھا۔ صفین کی جنگ میں یہ حضرت معاویہ کے ساتھ تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت مخالف تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا۔ تم میں سے جس کسی کا مکاتب غلام ہو جس سے یہ شرط ہوگئی ہو کہ اتنا روپیہ دے دے تو تو آزاد، پھر اس کے پاس اتنی رقم بھی جمع ہوگئی ہو تو چاہیے کہ اس سے پردہ کرے پھر بیان فرمایا کہ نوکر چاکر کام کاج کرنے والے ان مردوں کے سامنے جو مردانگی نہیں رکھتے عورتوں کی خواہش جنہیں نہیں۔ اس مطلب کے ہی وہ نہیں، ان کا حکم بھی ذی محرم مردوں کا ہے یعنی ان کے سامنے بھی اپنی زینت کے اظہار میں مضائقہ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سست ہوگئے ہیں عورتوں کے کام کے ہی نہیں۔ لیکن وہ مخنث اور ہیجڑے جو بدزبان اور برائی کے پھیلانے والے ہوتے ہیں ان کا یہ حکم نہیں۔ جیسے کہ بخاری مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک ایسا ہی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آیا تھا چونکہ اسے اسی آیت کے ماتحت آپ کی ازواج مطہرات نے سمجھا اسے منع نہ کیا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے، اس وقت وہ حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ سے کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب طائف کو فتح کرائے گا تو میں تجھے

عورتوں کی برائی اور ان کا [illegible] پاکیزہ [illegible]
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]
[illegible] لوگوں سے خالی [illegible] چھوٹے بچوں [illegible]
[illegible] عورتوں کے مخصوص اوصاف سے واقف نہ ہوں۔ عورتوں پر ان کی نگاہیں [illegible]
جب [illegible] ان میں تمیز آ جائے۔ عورتوں کی خوبیاں ان کی نگاہوں میں جچنے لگیں، خوبصورت بدصورت [illegible]
معلوم ہونے لگیں۔ پھر ان سے بھی پردہ ہے گو وہ پورے جوان نہ بھی ہوئے ہوں۔

بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عورتوں کے پاس جانے سے بچو پوچھا گیا کہ یارسول اللہ دیور؟ آپ نے فرمایا وہ تو موت ہے۔ پھر فرمایا کہ عورتیں اپنے پیروں کو زمین پر زور زور سے مار مار کر نہ چلیں جاہلیت میں اکثر ایسا ہوتا کہ وہ زور سے پاؤں زمین پر رکھ کر چلتی تھیں تاکہ پیر کا زیور بجے۔ اسلام نے اس سے منع فرمادیا۔

پس عورت کو ہر ایک ایسی حرکت منع ہے جس سے اس کا کوئی چھپا ہوا سنگھار کھل سکے۔ پس اسے گھر سے عطر اور خوشبو لگا کر باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ہر آنکھ زانیہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو مسجد سے آرہی ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے، اس کی نماز نامقبول ہے جب کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کرلے۔ ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا عورتو! تم ادھر ادھر ہو جاؤ، تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سن کر عورتیں دیوار سے لگ کر چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے مومنو! میری بات پر عمل کرو، ان نیک صفتوں کو لے لو، جاہلیت کی بدخصلتوں سے رک جاؤ۔ پوری فلاح اور نجات اور کامیابی اسی کے لئے ہے جو اللہ کا فرمانبردار ہو، اس کے منع کردہ کاموں سے رک جاتا ہو، اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، نور ۳۱)

اجنبی عورت کے چہرے و ہتھیلی کو چھونے کی حرمت کا بیان

(وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَمَسَّ وَجْهَهَا وَلَا كَفَّيْهَا وَإِنْ كَانَ يَأْمَنُ الشَّهْوَةَ) لِقِيَامِ الْمُحَرِّمِ وَانْعِدَامِ الضَّرُورَةِ وَالْبَلْوَى ، بِخِلَافِ النَّظَرِ لِأَنَّ فِيهِ بَلْوَى .

وَالْمُحَرِّمُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ مَسَّ كَفَّ امْرَأَةٍ لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ وُضِعَ عَلَى كَفِّهِ جَمْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) وَهَذَا إذَا كَانَتْ شَابَّةً تُشْتَهَى ، أَمَّا إذَا كَانَتْ عَجُوزًا لَا

فَلَا بَأْسَ بِمُصَافَحَتِهَا وَمَسِّ يَدِهَا لِانْعِدَامِ خَوْفِ الْفِتْنَةِ .

وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَدْخُلُ بَعْضَ الْقَبَائِلِ الَّتِي كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيهِمْ وَكَانَ يُصَافِحُ الْعَجَائِزَ ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اسْتَأْجَرَ عَجُوزًا لِتُمَرِّضَهُ ، وَكَانَتْ تَغْمِزُ رِجْلَيْهِ وَتُفَلِّي رَأْسَهُ ، وَكَذَا إِذَا كَانَ شَيْخًا يَأْمَنُ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَيْهَا لِمَا قُلْنَا ، فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ عَلَيْهَا لَا تَحِلُّ مُصَافَحَتُهَا لِمَا فِيهِ مِنْ التَّعْرِيضِ لِلْفِتْنَةِ وَالصَّغِيرَةُ إِذَا كَانَتْ لَا تُشْتَهَى يُبَاحُ مَسُّهَا وَالنَّظَرُ إِلَيْهَا لِعَدَمِ خَوْفِ الْفِتْنَةِ .

ترجمہ

اجنبی عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلی کو مس کرنا حلال نہیں ہے اگر چہ اس کو شہوت سے امن حاصل ہے اس کی دلیل محرم کے ہونے ،ضرورت اور عام طور مصروف نہ ہونے کے سبب سے ہے۔ جبکہ دیکھنے میں یہ حکم نہیں ہے کیونکہ اس میں عموم بلوی ہے۔ اور اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی عورت کی ہتھیلی کو مس کیا جبکہ شریعت کے مطابق اس کیلئے کوئی حرام اجازت نہ تھی تو قیامت کے دن اس کی ہتھیلی پر آگ کا انگارہ رکھا جائے گا۔ اور یہ حکم اس وقت ہوگا جب عورت نو جوان اور قابل شہوت ہے۔ اور جب قابل شہوت نہیں ہے بلکہ وہ بوڑھی ہے تو فتنے کا ڈر نہ ہونے کے سبب اس سے مصافحہ کرنے اور اس کا ہاتھ چوم لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جن قبائل سے انہوں نے دودھ پیا تھا آپ وہاں جا کر بوڑھی خواتین سے مصافحہ کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی عیادت کے دنوں میں ایک بوڑھی عورت کو بطور اجرت لیا کہ وہ ان کے پاؤں دبائے اور ان کے سر سے صفائی کرتی تھی۔

اور اسی طرح اگر مرد بوڑھا ہے جس کو اپنے اور عورت کے نفس پر قابو پانے کی طاقت ہے تو یہ بھی اسی دلیل کے مطابق ہوگا جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور جب عورت پر قابو نہ پایا جاسکتا ہے تو اس سے مصافحہ کرنا حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں فتنے کا آجانا ہے۔ اور اسی طرح وہ چھوٹی بچی جو قابل شہوت نہیں ہے تو فتنے کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو چھونا اور اس کو دیکھنا مباح ہے۔

عورتوں سے مصافحہ کرنے کی ممانعت کا بیان

جس کے دِل میں ایمان اس حال میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سے حقیقی عملی محبت کرتا ہو، زبانی دعوے دار نہ ہو، اس کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی صحیح ثابت شدہ سُنّت مبارکہ کا ذِکر ہی کسی کام کے کرنے یا کسی کام سے باز رہنے کے لیے کافی ہوتا ہے، لہذا میری یہ ساری بات ایسے ہی لوگوں کے لیے ہی ہے، اپنے خلاف حق فلسفوں اور گمراہ عقل کے

اسیروں پر عموماایسی باتیں اثر نہیں کرتیں،

ایمان والوں کی والدہ ماجدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ (واللہ ما مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ وما بَايَعَهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ" اللہ کی قسم، بیعت کرتے ہوئے (بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا ہاتھ مُبارک بھی کسی عورت کے ہاتھ کے ساتھ چُھوا تک نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم عورتوں کی بیعت صرف اپنے کلام مُبارک کے ذریعے فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب الشروط) یہ تو تھا حبیب صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا عمل مبارک،

جس کی تاکید انہوں نے اپنے مبارک الفاظ میں یوں فرمائی (إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ::: میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا (سُنن النسائی المجتبیٰ، کتاب البیعہ، باب 12، سنن ابن ماجہ/کتاب الجہاد)

کسی مریضِ دل میں یہ خیال گذر سکتا ہے، یا گزارا جا سکتا ہے کہ یہ عمل اُن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے لیے خاص تھا، یا اُن کے اپنے مُقام کا تقاضا تھا،

تو ایسے خیالات والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا یہ فرمان مُبارک، غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنے یعنی ہاتھ ملانے کے گُناہ کی شدت سمجھانے کے لیے کافی ہونا چاہیے کہ (لأن يَطعَنَ أحدُكُم بِمخيطٍ مِن حَديدٍ خيرٌ لَهُ مِن أن يَمسَ اِمرأة لا تَحلُ لَهُ تم میں سے کسی کو لوہے کی کنگھی اُس کے جسم میں داخل کر کر کے ساتھ زخمی کر دیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اُس کا ہاتھ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں (السلسلہ الاحادیث الصحیحہ/حدیث 226)

اس کے بعد کسی اور کی ایسی بات جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے عمل مبارک اور فرمان مبارک کے خلاف ہو، کون مانے گا؟

قاضی وگواہ کیلئے عورت کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ لِلْقَاضِي إذَا أَرَادَ أَنْ يَحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ إذَا أَرَادَ أَدَاءَ الشَّهَادَةِ عَلَيْهَا النَّظَرُ إلَى وَجْهِهَا وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ) لِلْحَاجَةِ إلَى إحْيَاءِ حُقُوقِ النَّاسِ بِوَاسِطَةِ الْقَضَاءِ وَأَدَاءِ الشَّهَادَةِ ، وَلَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يَقْصِدَ بِهِ أَدَاءَ الشَّهَادَةِ أَوْ الْحُكْمَ عَلَيْهَا لَا قَضَاءَ الشَّهْوَةِ تَحَرُّزًا عَمَّا يُمْكِنُهُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ وَهُوَ قَصْدُ الْقَبِيحِ .

وَأَمَّا النَّظَرُ لِتَحَمُّلِ الشَّهَادَةِ إذَا اشْتَهَى قِيلَ يُبَاحُ .وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُبَاحُ ؛ لِأَنَّهُ يُوجَدُ مَنْ لَا يَشْتَهِي فَلَا ضَرُورَةَ ، بِخِلَافِ حَالَةِ الْأَدَاءِ .

ترجمہ

اور جب قاضی نے کسی عورت کیلئے فیصلہ کرنا ہے یا گواہ نے کسی عورت کے حق میں گواہی دینی ہے تو ان دونوں کیلئے اس عورت

کو دیکھنا مباح ہے۔ اگر چہ اندیشہ شہوت ہو کیونکہ قضاء اور شہادت کے سبب لوگوں کے حقوق کو باقی رکھنا ہے۔ اور یہ ضرورت ہے۔ مگر ضرورت کیلئے فیصلہ اور شہادت کی ادائیگی ہی ہونی چاہے اور شہوت کو مکمل کرنا مقصد نہ ہو۔ اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم ہے کوشش کرے کہ وہ ان سے اپنے آپ کو بچائے۔ اور جو مسئلہ شہادت کی ادائیگی کیلئے حالت شہوت والا ہے اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ مباح ہے مگر صحیح قول یہ ہے مباح نہیں ہے۔ کیونکہ عدم شہوت والے کا پایا جانا ممکن ہے۔ پس اب ضرورت نہ ہوگی جبکہ شہادت کی ادائیگی والا مسئلہ اس طرح نہیں ہے۔

شرح

یہ اباحت ضرورت کے تحت ہے اس کی وضاحت قاعدہ فقہیہ کہ ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے اس کے تحت میں اس کی شرح گزر گئی ہے اور وہی قاعدہ اسی کی طرح میں دلیل کافی ہے۔

منگنی کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

(وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْظُرَ إلَيْهَا وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ يَشْتَهِيهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِ " (أَبْصِرْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا) " وَلِأَنَّ مَقْصُودَهُ إقَامَةُ السُّنَّةِ لَا قَضَاءُ الشَّهْوَةِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اس کیلئے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ اس کو عورت کے قابل شہوت ہونے کا یقین ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد ہے کہ عورت کو دیکھ لے کیونکہ یہ تمہارے درمیان موافقت پیدا کرنے میں زیادہ مناسب ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ دیکھنے کا مقصد سنت کو قائم کرنا ہے جبکہ شہوت کو مکمل کرنا نہ ہو۔

منگیتر کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھ لو۔ یہ تمہاری محبت کو قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

اس باب میں محمد بن مسلمہ، جابر، انس، ابوحمید، ابوہریرہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کے مطابق فرمایا کہ جس عورت کو آدمی نکاح کا پیغام بھیجے اس کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا کوئی ایسا عضو نہ دیکھے جس کو دیکھنا حرام ہو۔ امام احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اخری انکے معنی یہ ہیں کہ تمہارے درمیان محبت کے ہمیشہ رہنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۰۸۷، مرفوع)

منگیتر کو دیکھنے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام مالک کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا علی الاطلاق ممنوع ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تا کہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کر دے۔

طبیب کیلئے ضرورت کی وجہ عورت کو دیکھنے کا بیان

(وَيَجُوزُ لِلطَّبِيبِ أَنْ يَنْظُرَ إلَى مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا) لِلضَّرُورَةِ (وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَلِّمَ امْرَأَةً مُدَاوَاتَهَا) لِأَنَّ نَظَرَ الْجِنْسِ إلَى الْجِنْسِ أَسْهَلُ (فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا يَسْتُرُ كُلَّ عُضْوٍ مِنْهَا سِوَى مَوْضِعِ الْمَرَضِ) ثُمَّ يَنْظُرُ وَيَغُضُّ بَصَرَهُ مَا اسْتَطَاعَ ؛ لِأَنَّ مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا وَصَارَ كَنَظَرِ الْخَافِضَةِ وَالْخَتَّانِ .

(وَكَذَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ النَّظَرُ إلَى مَوْضِعِ الِاحْتِقَانِ مِنْ الرَّجُلِ) لِأَنَّهُ مُدَاوَاةٌ وَيَجُوزُ لِلْمَرَضِ وَكَذَا لِلْهُزَالِ الْفَاحِشِ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّهُ أَمَارَةُ الْمَرَضِ .

ترجمہ

اور ڈاکٹر کیلئے مباح ہے کہ وہ ضرورت ثابت ہونے کے سبب عورت کے مواضع مرض کو دیکھے جبکہ مناسب یہ ہے کہ وہ کسی عورت کو اس کا علاج بیان کر دے۔ کیونکہ جنس کا ہم جنس کو دیکھنا زیادہ آسانی پر مبنی ہے۔ اور جب اہل خانہ اس پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو مرض والی جگہ کے سوا باقی تمام جگہوں کو ڈھانپ دیا جائے۔ اس کے بعد ڈاکٹر اس کو دیکھے۔ اور پوری کوشش کرے کہ وہ اپنی نگاہ کو نیچے رکھے۔ کیونکہ جو چیز ضرورت کے تحت ثابت ہو وہ ضرورت کے مطابق ثابت ہوا کرتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور یہ مسئلہ خافضہ اور ختنہ والے مسئلہ کی طرح ہو جائے گا۔

اور اسی طرح ایک مرد کیلئے دوسرے مرد کے مقام حقنہ کو دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایک طرح کا علاج ہے۔ اور مرض کے سبب سے درست ہے۔ اور اسی طرح سخت لاغر ہونے کے سبب حقنہ کروانا جائز ہے۔ جس طرح امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور یہی مرض کی نشانی بھی ہے۔

بعض عورت کو صرف نظر کرنے کی ضرورت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت بیمار ہے اس کے بدن میں کسی جگہ کی
صرف نظر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ اس کے جسم کو چھونا پڑتا ہے۔ مثلاً نبض دیکھنے میں ہاتھ چھونا ہوتا ہے یا پیٹ میں درد ہو یا
کوئی گرہ پیدا ہوتی ہے یا کسی جگہ پھوڑا ہوتا ہے یا ورم ہوتا ہے بلکہ بعض مرتبہ ٹٹولنا بھی پڑتا ہے اس صورت میں موضع مرض کی
صرف نظر کرنے کی ضرورت سے بقدر ضرورت اس جگہ کو چھونا جائز ہے۔

یہ اس صورت میں ہے کوئی عورت علاج کرنے والی نہ ہو، ورنہ چاہیے یہ کہ عورتوں کو بھی علاج کرنا سکھایا جائے تاکہ ایسے
موقع پر وہ کام آسکیں کیونکہ ان کے دیکھنے وغیرہ میں اتنی خرابی نہیں جو مرد کے دیکھنے وغیرہ میں ہے۔ اکثر جگہ دائیاں ہوتی ہیں جو زچہ
کے امور کو سنبھال سکتی ہیں جب دائیاں دستیاب ہوں مرد کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ علاج کی ضرورت سے نظر کرنے میں بھی
یہ احتیاط ضروری ہے کہ صرف اتنا ہی حصہ بدن کھولا جائے جس کے دیکھنے کی ضرورت ہے باقی حصہ بدن کو اچھی طرح چھپا دیا جائے
تاکہ اس پر نظر نہ پڑے۔

طبیب کے حالت مرض میں ستر کو دیکھنے کا بیان

اگر بیماری پردے کے مقام پر ہو اور ماہر طبیب کے دیکھے بغیر اس کا علاج ممکن نہ ہو تو تحت الضرورۃ طبیب کا مقام پردہ کو دیکھنا
بقدر ضرورت جائز ہے اگرچہ مرد ہو یا عورت۔

مقام ستر کے سوا بقیہ سارے بدن کو دیکھنے میں اباحت کا بیان

قَالَ (وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى جَمِيعِ بَدَنِهِ إِلَّا مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ)" وَيُرْوَى "(مَا دُونَ سُرَّتِهِ حَتَّى يُجَاوِزَ رُكْبَتَهُ)" وَبِهَذَا ثَبَتَ أَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ أَبُو عِصْمَةَ وَالشَّافِعِيُّ، وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ الشَّافِعِيُّ، وَالْفَخِذُ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِأَصْحَابِ الظَّوَاهِرِ، وَمَا دُونَ السُّرَّةِ إِلَى مَنْبَتِ الشَّعْرِ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْكَمَارِيُّ مُعْتَمِدًا فِيهِ الْعَادَةَ؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِهَا مَعَ النَّصِّ بِخِلَافِهِ، وَقَدْ رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ "(الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ)" وَأَبْدَى الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سُرَّتَهُ فَقَبَّلَهَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَالَ لِجَرْهَدٍ: "(وَارِ فَخِذَكَ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ؟)" وَلِأَنَّ الرُّكْبَةَ

تُلْتَقِي عَظْمِ الْفَخِذِ وَالسَّاقِ فَاجْتَمَعَ الْمُحَرَّمُ وَالْمُبِيحُ وَفِي مِثْلِهِ يَغْلِبُ الْمُحَرَّمُ. وَحُكْمُ الْعَوْرَةِ فِي الرُّكْبَةِ أَخَفُّ مِنْهُ فِي الْفَخِذِ، وَفِي الْفَخِذِ أَخَفُّ مِنْهُ فِي السَّوْأَةِ حَتَّى أَنَّ كَاشِفَ الرُّكْبَةِ يُنْكَرُ عَلَيْهِ بِرِفْقٍ وَكَاشِفَ الْفَخِذِ يُعَنَّفُ عَلَيْهِ وَكَاشِفَ السَّوْءَةِ يُؤَدَّبُ إِنْ لَجَّ (وَمَا يُبَاحُ النَّظَرُ إِلَيْهِ لِلرَّجُلِ مِنْ الرَّجُلِ يُبَاحُ الْمَسُّ) لِأَنَّهُمَا فِيمَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ سَوَاءٌ.

ترجمہ

اور ایک مرد کیلئے دوسرے مرد کا جسم ناف سے لیکر گھٹنے تک کے سوا بقیہ کو دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے مرد کی شرمگاہ اس کی ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے۔ اور ایک روایت میں ناف کے سوا کے کلمات بھی ذکر ہوئے ہیں جس سے یہ ثابت ہوا کہ ناف ستر نہیں ہے۔

حضرت ابوعصمہ اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے اقوال اس کے خلاف ہیں اور گھٹنا عورت ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور ران بھی شرمگاہ میں داخل ہے۔ جبکہ اصحاب ظواہر نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور ناف کے سوا بالوں کے اگنے کی جگہ بھی ستر میں داخل ہے۔ اس میں ابوبکر محمد بن فضل کماری نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس مسئلہ میں عرف پر اعتماد کرنے والے ہیں۔ کیونکہ اس کے خلاف نص ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گھٹنہ ستر عورت میں شامل ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے جب اپنی ناف کو ظاہر کیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا بوسہ لیا۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جرید سے کہا کہ اپنی ران کو چھپالو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ران بھی عورت میں شامل ہے۔ کیونکہ گھٹنہ اور ران یہ پنڈلوں کی ہڈیوں سے ملا ہوا ہے۔ پس ان میں حرمت واباحت دونوں جمع ہو چکی ہیں لہذا حرمت کو غالب سمجھا جائے گا۔ جبکہ گھٹنے میں عورت کا حکم یہ ران کے حکم سے کم ہے۔ جبکہ ران کا حکم عورت کی شرمگاہ کے حکم سے ہلکا ہے۔ حتیٰ کہ گھٹنا کھولنے پر خفیف سا حکم نکیر ہوگا۔ جبکہ ران کھولنے والے پر سختی کی جائے گی۔ اور جب شرمگاہ کو کھولنے والے اصرار کرے تو اس کو بطور تادیب سزا دی جائے گی۔

شرح

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ گھٹنے کا عطف ناف پر ہے لہذا یہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں پر کلمہ ''الی'' غایت کے استعمال ہوا ہے جو حکم کو وضع تک کھینچنے کیلئے آیا ہے لہذا اس میں مغیہ شامل نہ ہوگی۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہاں کلمہ ''الی'' مع کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''(وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى

أَمْوَالِكُمْ) " لہذا یہ بھی اسی معنی میں ہے۔اوراسی طرح کلمہ "حتیٰ" پرعمل کرتے ہوئے کیونکہ "حتیٰ" جب فعل پر داخل ہوتو اس کو "الیٰ" کے معنی میں کردیتا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج۱،ص۱۶،۴۱۶،بیروت)

اسی طرح حدیث مبارکہ میں لفظ "الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ" استعمال ہوا ہے جس کے اندرصراحت موجود ہے کہ گھٹنا ستر ہے اور فقہ کا یہ قانون ہے کہ جب کسی مسئلہ کی صراحت نص سے حاصل ہو جائے تو استدلال یا قیاس باطل ہو جاتا ہے کیونکہ حکم صریح میں استدلال یا کسی قسم کی تاویل نہیں کی جاتی۔لہذا گھٹنا ستر میں داخل ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مرد کا ستر آٹھ اعضاء ہیں:(۱)عضو مخصوص اوراردگرد(۲)خصیتین اوران کا اردگرد(۳)دُبراوراردگرد(۴،۵)دونوں سرین کے حصے(۶،۷)دونوں رانیں گھٹنوں سمیت(۸)ناف تا زیر ناف سمیت پشت پیٹ اور دونوں پہلوؤں کے اس حصہ کے جو اس کے مقابل ومحاذی ہے۔

(ردالمحتار،باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

ران وگھٹنا کے ستر ہونے سے متعلق احادیث کا بیان

بہت ساری احادیث میں آیا ہے کہ مرد کا ستر گھٹنے اور ناف کے درمیان ہے،(المجموع للنووی (3/ 173) اور المغنی ابن قدامہ(2/ 286).)

ان میں سے کچھ احادیث درج ذیل ہیں۔

1۔ابوداوداورابن ماجہ رحمہما اللہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا":اپنی ران ننگی مت کرو،اورنہ ہی تم کسی زندہ یا مردہ کی ران دیکھو"سنن ابوداود حدیث نمبر(3140)سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (1460.)

2۔امام احمد نے محمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ": نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معمر کے پاس سے گزرے تو معمر کی رانیں ننگی تھیں اور میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا،چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے":اے معمر اپنی رانیں ڈھانپ لو،کیونکہ رانیں ستر میں شامل ہیں"مسند احمد حدیث نمبر(21989.)

3۔احمد ابوداوداور ترمذی نے جرھد ب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جرھد کے پاس سے گزرے تو انکی ران ننگی تھی،رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ران ستر میں شامل ہے؟"

مسند احمد حدیث نمبر(15502)سنن ابوداود حدیث نمبر(4014)سنن ترمذی حدیث نمبر(2798.)

4۔امام ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ران ستر میں شامل ہے"سنن ترمذی حدیث نمبر(2798.)

بلاشک مصطلح حدیث کا علم رکھنے اوراسے تلاش کرنے والا شخص یہ جانتا ہے کہ ان احادیث میں سے ہر ایک معلول ہے۔لیکن

یہ ہے کہ ان سب احادیث کی مجموع اسناد حدیث کو قوت دیتی ہیں، تو یہ حدیث صحیح کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، خاص کر اس باب میں اور بھی شاہد وغیرہ ہیں۔ (ارواء الغلیل (1/297.))

اور جمہور فقہاء نے ان احادیث کے مقتضاء پر عمل کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ مرد کا ستر گھٹنے اور ناف کے مابین ہے۔ (المغنی ابن قدامہ (2/284.))

مامونہ عورت کیلئے مرد کی جانب دیکھنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى مَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَيْهِ مِنْهُ إِذَا أَمِنَتْ الشَّهْوَةَ) لِاسْتِوَاءِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِي النَّظَرِ إِلَى مَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ كَالثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ .

وَفِي كِتَابِ الْخُنْثَى مِنَ الْأَصْلِ : أَنَّ نَظَرَ الْمَرْأَةِ إِلَى الرَّجُلِ الْأَجْنَبِيِّ بِمَنْزِلَةِ نَظَرِ الرَّجُلِ إِلَى مَحَارِمِهِ ؛ لِأَنَّ النَّظَرَ إِلَى خِلَافِ الْجِنْسِ أَغْلَظُ ، فَإِنْ كَانَ فِي قَلْبِهَا شَهْوَةٌ أَوْ أَكْبَرُ رَأْيِهَا أَنَّهَا تَشْتَهِي أَوْ شَكَّتْ فِي ذَلِكَ يُسْتَحَبُّ لَهَا أَنْ تَغُضَّ بَصَرَهَا ، وَلَوْ كَانَ النَّاظِرُ هُوَ الرَّجُلُ إِلَيْهَا وَهُوَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ لَمْ يَنْظُرْ ، وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى التَّحْرِيمِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الشَّهْوَةَ عَلَيْهِنَّ غَالِبَةٌ وَهُوَ كَالْمُتَحَقِّقِ اعْتِبَارًا ، فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ كَانَتْ الشَّهْوَةُ مَوْجُودَةً فِي الْجَانِبَيْنِ ، وَلَا كَذَلِكَ إِذَا اشْتَهَتْ الْمَرْأَةُ ؛ لِأَنَّ الشَّهْوَةَ غَيْرُ مَوْجُودَةٍ فِي جَانِبِهِ حَقِيقَةً وَاعْتِبَارًا فَكَانَتْ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ ، وَالْمُتَحَقِّقُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فِي الْإِفْضَاءِ إِلَى الْمُحَرَّمِ أَقْوَى مِنَ الْمُتَحَقِّقِ فِي جَانِبٍ وَاحِدٍ .

ترجمہ

اور عورت کو جب شہوت سے امن ہے تو وہ مرد کے جسم کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو دوسرے مرد کیلئے جائز ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ چیزیں ستر نہیں ہیں اور اس میں مرد وعورت دونوں دیکھنے میں برابر ہیں جس طرح کپڑا اور سواریاں ہیں۔

اور مبسوط کی کتاب خنثیٰ میں ہے کہ عورت کا اجنبی شخص کی جانب دیکھنا یہ مرد کا اپنے محارم کو دیکھنے کے حکم میں ہے۔ لہذا غیر جنس کو دیکھنا زیادہ اندیشے والا ہے۔ اور اگر عورت کے دل میں شہوت ہے یا شہوت پیدا ہونے کا شک ہے یا غالب گمان ہے تو اس کیلئے اپنی نظر کو نیچا رکھنا مستحب ہے۔

اور جب کوئی شخص عورت کی جانب دیکھنے والا ہے اور وہ مذکورہ وصف سے متصف بھی ہے تو وہ شخص نہ دیکھے کیونکہ لم ینظر میں حرمت کا اشارہ ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں فرق کی دلیل یہ ہے عورتوں پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور غالب چیز ثابت کی طرح

ہوتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور جب مرد کو شہوت آئی تو دونوں اطراف سے شہوت پائی جائے گی۔ جبکہ اکیلی عورت کا شہوت زدہ ہونا اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ مرد میں اس وقت نہ بطور حقیقت شہوت ہے اور نہ ہی شہوت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ پس شہوت ایک جانب سے پائی جا رہی ہے۔ جبکہ دونوں جانب سے پائی جانے والی شہوت حرام تک پہنچانے میں ایک طرف والی شہوت زیادہ خطرناک ہے۔

عورت کے جسم کو اجنبی کیلئے چھونے کی ممانعت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت مرد اجنبی کے جسم کو ہرگز نہ چھوئے جبکہ دونوں میں سے کوئی بھی جوان ہو، اس کو شہوت ہو سکتی ہو اگرچہ اس بات کا دونوں کو اطمینان ہو کہ شہوت نہیں پیدا ہو گی۔

بعض جوان عورتیں اپنے پیروں کے ہاتھ پاؤں دباتی ہیں اور بعض پیر اپنی مریدہ سے ہاتھ پاؤں دبواتے ہیں اور ان میں اکثر دونوں یا ایک حدِ شہوت میں ہوتا ہے ایسا کرنا ناجائز ہے اور دونوں گنہگار ہیں۔

مرد کا عورت کو دیکھنا، اس کی کئی صورتیں ہیں مرد کا اپنی زوجہ یا باندی کو دیکھنا۔ مرد کا اپنے محارم کی طرف نظر کرنا۔ مرد کا آزاد عورت اجنبیہ کو دیکھنا۔ مرد کا دوسرے کی باندی کو دیکھنا۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ عورت کی ایڑی سے چوٹی تک ہر عضو کی طرف نظر کر سکتا ہے شہوت اور بلا شہوت دونوں صورتوں میں دیکھ سکتا ہے، اسی طرح یہ دونوں قسم کی عورتیں اس مرد کے ہر عضو کو دیکھ سکتی ہیں، ہاں بہتر یہ ہے کہ مقام مخصوص کی طرف نظر نہ کرے، کیونکہ اس سے نسیان پیدا ہوتا ہے اور نظر میں بھی ضعف پیدا ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں باندی سے مراد وہ ہے جس سے وطی جائز ہے۔ (عالمگیری، درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

عورتوں کے باہمی ستر کے معتبر ہونے کا بیان

قَالَ (وَتَنْظُرُ الْمَرْأَةُ مِنْ الْمَرْأَةِ إلَى مَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَنْظُرَ إلَيْهِ مِنْ الرَّجُلِ) لِوُجُودِ الْمُجَانَسَةِ ، وَانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ غَالِبًا كَمَا فِي نَظَرِ الرَّجُلِ إلَى الرَّجُلِ ، وَكَذَا الضَّرُورَةُ قَدْ تَحَقَّقَتْ إلَى الِانْكِشَافِ فِيمَا بَيْنَهُنَّ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ نَظَرَ الْمَرْأَةِ إلَى الْمَرْأَةِ كَنَظَرِ الرَّجُلِ إلَى مَحَارِمِهِ ، بِخِلَافِ نَظَرِهَا إلَى الرَّجُلِ ؛ لِأَنَّ الرِّجَالَ يَحْتَاجُونَ إلَى زِيَادَةِ الِانْكِشَافِ لِلِاشْتِغَالِ بِالْأَعْمَالِ .وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ .

ترجمہ

اور عورت دوسری عورت کے ان اعضاء کو دیکھ سکتی ہے جس طرح ایک مرد دوسرے مرد عدم ستر والے اعضاء کو دیکھ سکتا ہے۔

کیونکہ دونوں کی جنس متحد ہے اور غلبہ شہوت بھی معدوم ہے جس طرح ایک مرد کا دوسرے مرد کو دیکھنے کا حکم ہے۔ اور اسی طرح عورتوں کے درمیان بھی اتنی مقدار میں کشف ثابت ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت کا دوسری عورت کی جانب دیکھنا ایسے ہے جیسے کوئی مرد محارم کی جانب دیکھتا ہے۔ بہ خلاف عورت کا مرد کو دیکھنا کیونکہ کام میں مصروفیت کی وجہ سے مردوں کو کشف کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اور یہاں پر قول اول صحیح ہے۔

شرح

حضرت عبدالرحمن بن ابی سعید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کو دیکھے اور نہ ہی کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹ کر سوئے۔ (کیونکہ اس صورت میں حرام کاری اور بدکاری کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے جسم کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوں تو شہوانی خیالات تحرک ہوتے ہیں اور شہوت برانگیختہ ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 627)

مرد کیلئے اپنی حلال باندی کو دیکھنے کا بیان

قَالَ (وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ أَمَتِهِ الَّتِي تَحِلُّ لَهُ وَزَوْجَتِهِ إِلَى فَرْجِهَا) وَهَذَا إِطْلَاقٌ فِي النَّظَرِ إِلَى سَائِرِ بَدَنِهَا عَنْ شَهْوَةٍ وَغَيْرِ شَهْوَةٍ .

وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (غُضَّ بَصَرَكَ إِلَّا عَنْ أَمَتِكَ وَامْرَأَتِكَ) " وَلِأَنَّ مَا فَوْقَ ذَلِكَ مِنْ الْمَسِّ وَالْغَشَيَانِ مُبَاحٌ فَالنَّظَرُ أَوْلَى ، إلَّا أَنَّ الْأَوْلَى أَنْ لَا يَنْظُرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى عَوْرَةِ صَاحِبِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَتَجَرَّدَانِ تَجَرُّدَ الْعِيرِ) " وَلِأَنَّ ذَلِكَ يُورِثُ النِّسْيَانَ لِوُرُودِ الْأَثَرِ .

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : الْأَوْلَى أَنْ يَنْظُرَ لِيَكُونَ أَبْلَغَ فِي تَحْصِيلِ مَعْنَى اللَّذَّةِ .

ترجمہ

اور کوئی شخص اپنی بیوی اور حلال باندی کی فرج کو دیکھ سکتا ہے۔ اس میں شہوت وغیر شہوت دونوں صورتوں میں ایک عورت کا دوسری عورت کے سارے بدن کو مطلق طور پر دیکھنے کی اجازت کی طرح ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ بیوی

اور باندی کے سوا دوسری عورتوں سے نگاہ کو نیچے رکھو۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس سے بلند درجے کی چیز یعنی چھونا اور جماع کرنا مباح ہے تو لہٰذا دیکھنا بھی مباح ہوجائے گا۔

اور میاں بیوی میں سے ہر ایک کیلئے ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی اہلیہ کے پاس جائے تو وہ حتی الامکان پردہ کرے۔اور میاں بیوی اونٹ کی طرح بالکل برہنہ نہ ہوجائیں۔ کیونکہ اس بارے میں اثر وارد ہوا ہے کہ اس طرح نسیان ہوجاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دیکھنا افضل ہے تاکہ لذت پوری طرح حاصل ہوجائے۔

شرح

حضرت بہز بن حکیم، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنی عورت (شرمگاہ) کو کس پر ظاہر کریں اور کس سے چھپائیں؟ فرمایا کہ شرمگاہ کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور باندی کے۔کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر برادری کے لوگ ملے جلے رہتے ہوں تو؟ فرمایا کہ اگر تم اس بات پر قادر ہو کہ تمہارا ستر کوئی نہ دیکھے تو چاہیے کہ تمہارا ستر کوئی نہ دیکھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر ہم میں سے کوئی تنہائی میں ہو تو؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ ان سے حیا کی جائے بہ نسبت اور لوگوں کے۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 626)

غلام و باندی کے پردے میں فقہی تصریحات

اس حکم کا مطلب سمجھنے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ایک گروہ اس سے مراد صرف وہ لونڈیاں لیتا ہے جو کسی عورت کی ملک میں ہوں۔ان حضرات کے نزدیک ارشاد الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی خواہ مشرکہ ہو یا اہل کتاب میں سے، مسلمان مالکہ اس کے سامنے تو اظہار زینت کر سکتی ہے مگر غلام، چاہے وہ عورت کا اپنا مملوک ہی کیوں نہ ہو، پردے کے معاملہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی آزاد اجنبی مرد کی ہے۔

یہ عبداللہ بن مسعود، مجاہد، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن مُسَیَّب، طاؤس اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ان بزرگوں کا استدلال یہ ہے کہ غلام کے لیے اس کی مالکہ محرم نہیں ہے۔اگر وہ آزاد ہوجائے تو اپنی اسی سابق مالکہ سے نکاح کرسکتا ہے۔لہٰذا محض غلامی اس امر کا سبب نہیں بن سکتی کہ عورت اس کے سامنے وہ آزادی برتے جس کی اجازت محرم مردوں کے سامنے برتنے کے لیے دی گئی ہے۔رہا یہ سوال کہ: ما ملکت ایمانھن کے الفاظ عام ہیں، جو لونڈی اور غلام دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، پھر اسے لونڈیوں کے لیے خاص کرنے کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر موقع و محل ان کا مفہوم لونڈیوں کے لیے خاص کر رہا ہے۔پہلے نِسَآءِ هِنَّ فرمایا، پھر ما ملکت ایما نھن ارشاد ہوا۔نِسَآءِ هِنَّ کے الفاظ سن کر عام آدمی یہ سمجھ سکتا تھا کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو کسی عورت کی ملنے جلنے والی یا

رشتہ دار ہوں۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ شاید لونڈیاں اس میں شامل نہ ہوں۔ اس لیے ما ملکت ایمانهن کہہ کر یہ بات صاف کر دی گئی کہ آزاد عورتوں کی طرح لونڈیوں کے سامنے بھی اظہار زینت کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس اجازت میں لونڈی اور غلام دونوں شامل ہیں۔ یہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ اور بعض ائمہ اہل بیت کا مذہب ہے اور امام شافعی کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ان کا استدلال صرف لفظ ما ملکت ایمانهن کے عموم ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ سنت سے بھی اپنی تائید میں شواہد پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ واقعہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری کو لیے ہوئے حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھیں جس سے سر ڈھانکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا: لیس علیك باس، انما هو ابوك و غلامك ۔ کوئی حرج نہیں، یہاں بس تمہارا باپ ہے اور تمہارا غلام (ابوداؤد، احمد، بیہقی بروایت انس بن مالک۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو دے دیا تھا، انہوں نے اسے پرورش کیا اور پھر آزاد کر دیا، مگر اس احسان کا جو بدلہ اس دیا وہ یہ تھا کہ جنگ صفین کے زمانے میں وہ حضرت علی کا بدترین دشمن اور امیر معاویہ کا پرجوش حامی تھا)۔ اسی طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ: اذا کان لاحداکن مکاتب و کان له ما یؤدی فلتحتجب منه ، جب تم میں سے کوئی اپنے غلام سے مکاتبت کرلے اور وہ مال کتابت ادا کرنے کی مقدرت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے غلام سے پردہ کرے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بروایت ام سلمہ)

45۔ اصل میں: التابعين غير اولى الاربة من الرجال کے الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ ہوگا مردوں میں سے وہ مرد جو تابع ہوں خواہش نہ رکھنے والے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محرم مردوں کے سوا دوسرے کسی مرد کے سامنے ایک مسلمان عورت صرف اس صورت میں اظہار زینت کر سکتی ہے جب کہ اس میں دو صفات پائی جاتی ہوں۔

ایک یہ کہ وہ تابع، یعنی زیر دست اور ماتحت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ خواہش نہ رکھنے والا ہو، یعنی اپنی عمر یا جسمانی عدم اہلیت، یا عقلی کمزوری، یا فقر و مسکنت، یا زیر دستی و محکومی کی بنا پر جس میں یہ طاقت یا جرأت نہ ہو کہ صاحب خانہ کی بیوی، بیٹی، بہن یا ماں کے متعلق کوئی بری نیت دل میں لا سکے۔ اس حکم کو جو شخص بھی فرمانبرداری کی نیت سے، نہ کہ نافرمانی کی گنجائشیں ڈھونڈنے کی نیت سے، پڑھے گا وہ اول نظر ہی میں محسوس کر لے گا کہ آج کل کے بیرے خانسامے، شوہر۔

اور دوسرے جواب نوکر تو بہرحال اس تعریف میں نہیں آتے۔ مفسرین اور فقہاء نے اس کی جو تشریحات کی ہیں ان پر ایک نظر ڈال لینے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل علم ان الفاظ کا کیا مطلب سمجھتے رہے ہیں۔

ابن عباس: اس سے مراد وہ سیدھا بدھو (مُغَفَّل) آدمی ہے جو عورتوں سے دلچسپی نہ رکھتا ہو۔

قتادہ: ایسا دست نگر آدمی جو پیٹ کی روٹی پانے کے لیے تمہارے ساتھ لگا رہے۔

مجاہد: ابلہ جو روٹی چاہتا ہے اور عورتوں کا طالب نہیں ہے۔

شعبی: وہ جو صاحب خانہ کا تبع و دست نگر ہو اور جس کی اتنی ہمت ہی نہ ہو کہ عورتوں پر نگاہ ڈال سکے۔
ابن زید: وہ جو کسی خاندان کے ساتھ لگا رہے، حتیٰ کہ گویا اسی گھر کا ایک فرد بن گیا ہو اور اسی گھر میں پلا بڑھا ہو۔ جو گھر والوں کی عورتوں پر نگاہ نہ رکھتا ہو، نہ اس کی ہمت ہی کر سکتا ہو۔ وہ ان کے ساتھ اس لیے لگا رہتا ہو کہ ان سے اس کو روٹی ملتی ہے۔
طاؤس اور زہری: بے وقوف آدمی جس میں نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو اور نہ اس کی ہمت۔

(ابن جریر، ج18۔ ص95-96۔ ابن کثیر، ج3 ص285)

بعض اعضائے محارم کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

قَالَ (وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ إلَى الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ .وَلَا يَنْظُرُ إلَى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا) .

وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْله تَعَالَى (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ) الْآيَةَ ، وَالْمُرَادُ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ مَوَاضِعُ الزِّينَةِ وَهِيَ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ ، وَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ السَّاعِدُ وَالْأُذُنُ وَالْعُنُقُ وَالْقَدَمُ ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مَوْضِعُ الزِّينَةِ ، بِخِلَافِ الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ وَالْفَخِذِ ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ مَوَاضِعِ الزِّينَةِ ، وَلِأَنَّ الْبَعْضَ يَدْخُلُ عَلَى الْبَعْضِ مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ وَاحْتِشَامٍ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِهَا فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا عَادَةً ، فَلَوْ حَرُمَ النَّظَرُ إلَى هَذِهِ الْمَوَاضِعِ أَدَّى إلَى الْحَرَجِ ، وَكَذَا الرَّغْبَةُ تَقِلُّ لِلْحُرْمَةِ الْمُؤَبَّدَةِ فَقَلَّمَا تُشْتَهَى ، بِخِلَافِ مَا وَرَاءَهَا ، لِأَنَّهَا لَا تَنْكَشِفُ عَادَةً .

وَالْمَحْرَمُ مَنْ لَا تَجُوزُ الْمُنَاكَحَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا عَلَى التَّأْبِيدِ بِنَسَبٍ كَانَ أَوْ بِسَبَبٍ كَالرَّضَاعِ وَالْمُصَاهَرَةِ لِوُجُودِ الْمَعْنَيَيْنِ فِيهِ ، وَسَوَاءٌ كَانَتْ الْمُصَاهَرَةُ بِنِكَاحٍ أَوْ سِفَاحٍ فِي الْأَصَحِّ لِمَا بَيَّنَّا .

ترجمہ

مرد اپنی محارم کا چہرہ، سر، سینہ، دونوں پنڈلیاں اور دونوں بازو دیکھ سکتا ہے جبکہ اس کی پشت، پیٹ اور ران کو نہ دیکھے کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ یہ اصل ہے اور اس آیت میں زینت سے مراد زینت کی جگہیں ہیں۔ واللہ اعلم، جن کو ہم نے قدوری کے اندر بیان کر دیا ہے۔

اور مواضع زینت میں کلائی، کان، گلا اور قدم بھی داخل ہیں۔ کیونکہ یہ سارے مقام زینت ہیں۔ جبکہ پشت، پیٹ اور ران یہ

مقام زینت نہیں ہیں۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ہاں شرم وحیاء کیے بغیر دیسے داخل ہو جاتے ہیں اور عام طور پر عورت اپنے گھر میں گھریلو کپڑوں کے ساتھ کام کاج میں مصروف ہوتی ہے پس اگر ان مقامات کی جانب دیکھنے کو حرام قرار دے دیا جائے تو یہ حرج کی جانب لے جانے والا ہوگا۔ اور ہمیشہ کی حرمت کے سبب رغبت بھی کم ہوتی ہے لہذا شہوت بھی قلیل ہوگی۔ جبکہ دوسرے مقامات میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ عام طور پر کھلنے والے نہیں ہیں۔ اور محرم وہ شخص کہلائے گا اس اور عورت کے درمیان کبھی نکاح کرنا جائز نہ ہو اگر چہ وہ نسب کی وجہ سے ہو یا سبب کی وجہ سے ہو جس طرح حرمت رضاعت ومصاہرت ہے کیونکہ ان دونوں میں حرمت کا حکم پایا جارہا ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق حرمت خواہ مصاہرت نکاح والی ہے یا زنا والی ہے اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

ضرورت شہادت کیلئے ہتھیلی کو ظاہر کرنے کا بیان

اور اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے کا حکم یہ ہے کہ اس کے چہرہ اور ہتھیلی کی طرف نظر کرنا جائز ہے، کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ کبھی اس کے موافق یا مخالف شہادت دینی ہوتی ہے یا فیصلہ کرنا ہوتا ہے اگر اسے نہ دیکھا ہو تو کیونکر گواہی دے سکتا ہے کہ اس نے ایسا کیا ہے اس کی طرف دیکھنے میں بھی وہی شرط ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور یوں بھی ضرورت ہے کہ بہت سی عورتیں گھر سے باہر آتی جاتی ہیں، لہذا اس سے بچنا بہت دشوار ہے۔ بعض علما نے قدم کی طرف بھی نظر کو جائز کہا ہے۔

اور اجنبیہ عورت کے چہرہ اور ہتھیلی کو دیکھنا اگر چہ جائز ہے مگر چھونا جائز نہیں، اگر چہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ نظر کے جواز کی وجہ ضرورت اور بلوائے عام ہے چھونے کی ضرورت نہیں، لہذا چھونا حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان سے مصافحہ جائز نہیں اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بوقت بیعت بھی عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے صرف زبان سے بیعت لیتے۔ ہاں اگر وہ بہت زیادہ بوڑھی ہو کہ محل شہوت نہ ہو تو اس سے مصافحہ میں حرج نہیں۔ یو ہیں اگر مرد بہت زیادہ بوڑھا ہو کہ فتنہ کا اندیشہ ہی نہ ہو تو مصافحہ کر سکتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

محارم کے بعض اعضاء کو چھونے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّ مَا جَازَ أَنْ يَنْظُرَ إلَيْهِ مِنْهَا) لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إلَى ذَلِكَ فِي الْمُسَافَرَةِ وَقِلَّةِ الشَّهْوَةِ لِلْمَحْرَمِيَّةِ ، بِخِلَافِ وَجْهِ الْأَجْنَبِيَّةِ وَكَفَّيْهَا حَيْثُ لَا يُبَاحُ الْمَسُّ وَإِنْ أُبِيحَ النَّظَرُ ؛ لِأَنَّ الشَّهْوَةَ مُتَكَامِلَةٌ (إلَّا إذَا كَانَ يَخَافُ عَلَيْهَا أَوْ عَلَى نَفْسِهِ الشَّهْوَةَ) فَحِينَئِذٍ لَا يَنْظُرُ وَلَا يَمَسُّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ) ، وَحُرْمَةُ الزِّنَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ أَغْلَظُ فَيُجْتَنَبُ .

ترجمہ
اور محارم کے ان اعضاء کو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے جن کو دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ حالت سفر میں ان کی ضرورت ثابت ہے اور شہوت بھی قلیل ہے۔ جبکہ اجنبی عورت کے چہرے اور ہتھیلی کو چھونا مباح نہیں ہے اگر چہ دیکھنا مباح ہے کیونکہ حرمت کے سبب شہوت مکمل ہوتی ہے۔ لیکن جب کسی کو محارم یا اپنے اوپر شہوت کا اندیشہ ہے تو اب وہ نہ دیکھے اور نہ ہی مس کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔ اور دونوں ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے جبکہ محارم کے ساتھ زنا کی حرمت سخت ترین ہے۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہے۔

شرح
اجنبیہ عورت کے چہرہ اور ہتھیلی کو دیکھنا اگر چہ جائز ہے مگر چھونا جائز نہیں، اگر چہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ نظر کے جواز کی وجہ ضرورت اور بلوائے عام ہے چھونے کی ضرورت نہیں، لہٰذا چھونا حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان سے مصافحہ جائز نہیں اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بوقت بیعت بھی عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے صرف زبان سے بیعت لیتے۔ ہاں اگر وہ بہت زیادہ بوڑھی ہو کہ محل شہوت نہ ہو تو اس سے مصافحہ میں حرج نہیں۔ یوہیں اگر مرد بہت زیادہ بوڑھا ہو کہ فتنہ کا اندیشہ ہی نہ ہو تو مصافحہ کر سکتا ہے۔

محارم کے ساتھ سفر کرنے میں حرج نہ ہونے کا بیان

(وَلَا بَأْسَ بِالْخَلْوَةِ وَالْمُسَافَرَةِ بِهِنَّ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا إلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا) " وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ فَإِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ) " وَالْمُرَادُ إذَا لَمْ يَكُنْ مَحْرَمًا ، فَإِنْ احْتَاجَ إلَى الْإِرْكَابِ وَالْإِنْزَالِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّهَا مِنْ وَرَاءِ ثِيَابِهَا وَيَأْخُذَ ظَهْرَهَا وَبَطْنَهَا دُونَ مَا تَحْتَهُمَا إذَا أَمِنَا الشَّهْوَةَ ، فَإِنْ خَافَهَا عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَيْهَا تَيَقُّنًا أَوْ ظَنًّا أَوْ شَكًّا فَلْيَجْتَنِبْ ذَلِكَ بِجَهْدِهِ ، ثُمَّ إنْ أَمْكَنَهَا الرُّكُوبَ بِنَفْسِهَا يَمْتَنِعُ عَنْ ذَلِكَ أَصْلًا ، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهَا يَتَكَلَّفُ بِالثِّيَابِ كَيْ لَا تُصِيبَهُ حَرَارَةُ عُضْوِهَا ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ الثِّيَابَ يَدْفَعُ الشَّهْوَةَ عَنْ قَلْبِهِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ .

ترجمہ
اور محارم کے ساتھ خلوت اور سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت تین دن رات

سے زیادہ سفر نہ کرے البتہ جب اس کے ساتھ خاوند یا ذی رحم محرم ہو۔ اور یہ بھی نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ غیر ارادی کوئی مرد کسی طرح عورت کے ساتھ تنہائی نہ کرے کیونکہ ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب وہ شخص محرم نہ ہو اور جب عورت کو سواری پر سوار کرنے یا سواری سے اتارنے کی ضرورت پڑے گی۔ تو کپڑوں کے پیچھے سے اس کو پکڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جبکہ مرد کا اس پیٹ یا پشت پکڑے۔ جبکہ ان سے نیچے والے اعضاء کو ہاتھ نہ لگائے۔ لیکن اس میں بھی شرط ہے کہ دونوں شہوت سے امن میں ہوں۔ مگر جب اس کو اپنے اوپر یا عورت پر شہوت کا یقینی یا ظنی یا شک کے طور پر اندیشہ ہے تو اب کوشش کرکے حتی الامکان مس کرنے سے پرہیز کرے۔

اور اس کے بعد جب عورت کیلئے خود یہ خود سوار ہونا ممکن ہے تو مرد اس کو بالکل مس نہ کرے مگر جب ایسا نہ ہو سکے تو مرد کپڑوں کے ساتھ تکلف کرے گا تاکہ وہ عورت کے عضو کی گرمی سے محفوظ رہ سکے اور جب وہ کپڑا نہ پائے تو جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو شہوت سے دور رکھے۔

عورت کیلئے محرم کے بغیر سفر پر جانے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے (یعنی اجنبی مرد و عورت کسی جگہ تنہا جمع نہ ہوں) اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جا چکا ہے (یعنی فلاں جہاد جو درپیش ہے اور وہاں جو لشکر جانے والا ہے اس میں میرا نام بھی لکھا جا چکا ہے کہ میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں) اور حالانکہ میری بیوی نے سفر حج کا ارادہ کر لیا ہے؟ تو کیا کروں؟ آیا جہاد کو جاؤں اور بیوی کو اکیلا حج کے لئے جانے دوں یا بیوی کے ساتھ جاؤں اور جہاد میں نہ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔ (کیونکہ جہاد میں جانے والے تو بہت ہیں لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

اجنبی عورت و مرد کے لئے حرام ہے کہ وہ تنہائی میں یک جا ہوں۔ اسی طرح عورت کو بقدر مسافت سفر (یعنی ۴۸ میل یا ۷۸ کلو میٹر) یا اس سے زائد مسافت میں خاوند یا محرم کے بغیر سفر کرنا حرام ہے حتی کہ سفر حج میں بھی عورت کے لئے اس کے خاوند یا کسی محرم کا ساتھ ہونا وجوب حج کے لئے شرط ہے یعنی عورت پر حج اسی وقت فرض ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ خاوند یا محرم ہو۔

جمہور علماء کا اتفاق یہ ہے کہ عورت پر حج کے وجوب کے لئے اصل قاعدہ یہ ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔ یہ عورت کی عزت افزائی کے لئے ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص رہے جو اس کی نگہداشت، تحفظ، اور خدمت کی ذمہ داری انجام دے سکے

محرم کے بغیر سفر کرنے فقہی مذاہب اربعہ

علماء کے درمیان اُس عورت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اُس کا کوئی محرم اُس کے ساتھ نکلنے کے لئے

آمادہ نہ ہو۔ایک جماعت کی یہ رائے نقل کی گئی ہے کہ وہ عورت حج نہیں کرے گی،احناف کا یہی فتویٰ ہے،مالک،شافعی اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے وہ پُرامن والی رفاقت کے ساتھ سفر کرے گی جیسا کہ شیخ دیطالی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

امام بخاری اور مسلم رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ:ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔کوئی شخص بھی کسی عورت سے محرم کے بغیر خلوت نہ کرے،اور محرم کے بغیر کوئی عورت بھی سفر نہ کرے،تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی حج کے لیے جارہی ہے اور میں نے فلاں غزوہ میں اپنا نام لکھوا رکھا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ جا کر حج کرو)

امام حسن،امام نخعی،امام احمد،اسحاق،ابن منذر،اور دیگر فقہاء کا بھی یہی قول ہے،اور مندرجہ بالا آیت اور عورت کو بغیر محرم اور خاوند سے سفر کی نہی والی احادیث کے عموم کی بنا پر صحیح قول بھی یہی ہے۔اور امام شافعی،امام مالک،اوزاعی رحمہم اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک شرط رکھی ہے۔

غیر مملوکہ باندی کا ستر میں محارم کے تابع ہونے کا بیان

قَالَ (وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوكَةِ غَيْرِهِ إلَى مَا يَجُوزُ أَنْ يَنْظُرَ إلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ) لِأَنَّهَا تَخْرُجُ لِحَوَائِجِ مَوْلَاهَا وَتَخْدُمُ أَضْيَافَهُ وَهِيَ فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا ، فَصَارَ حَالُهَا خَارِجَ الْبَيْتِ فِي حَقِّ الْأَجَانِبِ كَحَالِ الْمَرْأَةِ دَاخِلَهُ فِي حَقِّ مَحَارِمِهِ الْأَقَارِبِ .

وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إذَا رَأَى جَارِيَةً مُتَقَنِّعَةً عَلَاهَا بِالدِّرَّةِ وَقَالَ : أَلْقِي عَنْك الْخِمَارَ يَا دَفَارُ أَتَتَشَبَّهِينَ بِالْحَرَائِرِ وَلَا يَحِلُّ النَّظَرُ إلَى بَطْنِهَا وَظَهْرِهَا خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَنَّهُ يُبَاحُ إلَّا إلَى مَا دُونَ السُّرَّةِ إلَى الرُّكْبَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ كَمَا فِي الْمَحَارِمِ ، بَلْ أَوْلَى لِقِلَّةِ الشَّهْوَةِ فِيهِنَّ وَكَمَالِهَا فِي الْإِمَاءِ .

وَلَفْظَةُ الْمَمْلُوكَةِ تَنْتَظِمُ الْمُدَبَّرَةَ وَالْمُكَاتَبَةَ وَأُمَّ الْوَلَدِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ ، وَالْمُسْتَسْعَاةُ كَالْمُكَاتَبَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَأَمَّا الْخَلْوَةُ بِهَا وَالْمُسَافَرَةُ مَعَهَا فَقَدْ قِيلَ يُبَاحُ كَمَا فِي الْمَحَارِمِ ، وَقَدْ قِيلَ لَا يُبَاحُ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ فِيهِنَّ ، وَفِي الْإِرْكَابِ وَالْإِنْزَالِ اعْتَبَرَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ الضَّرُورَةَ فِيهِنَّ وَفِي ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ مُجَرَّدَ الْحَاجَةِ

ترجمہ

اور مرد اپنی محرمات کے جن اعضاء کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح وہ غیر مملوکہ باندی کے بھی انہی اعضاء کو دیکھ سکتا ہے۔کیونکہ وہ باندی

اپنے آقا کی کام کاج کی خاطر باہر جانے والی ہے اور وہ انہی کام کاج کرنے والے کپڑوں میں اپنے آقا کے مہمانوں کی خدمت کیا کرتی ہے۔ پس گھر سے باہر اس کی حالت اجنبیوں والی ہوگی جبکہ گھر کے اندر اس کی حالت محارم اور رشتے داروں والی ہوگی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی باندی کے سر پر دوپٹہ اوڑھے ہوئے دیکھ لیتے تو آپ اس کے سر پر کوڑا مارتے اور فرماتے اے نالائق کیا دوپٹہ اتار دے کیا تو آزاد عورتوں کی طرح ہے۔

اور اس کی پشت اور اس کے پیٹ کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اور اس میں امام محمد بن مقاتل نے اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ناف سے لے کر گھٹنے تک ستر ہے بقیہ سارے بدن کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں محارم کی طرح وہاں دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ محارم میں شہوت کے کم ہونے اور باندی میں شہوت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کو نہ دیکھنا افضل ہے۔ اور اس میں لفظ مدبرہ، مکاتبہ، مملوکہ اور ام ولد یہ سب تمام کو شامل ہے۔ کیونکہ ضرورت کے سبب سے ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسعاء والی باندی مکاتبہ کے حکم میں ہے۔ جس طرح عرف میں ہے۔ اور جو مسئلہ غیر مملوکہ کے ساتھ سفر کا ہے تو ایک قول کے مطابق وہ محارم کی طرح مباح ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مبسوط میں باندیوں کو سواری پر سوار کرنے اور ان کو اتارنے کا اعتبار کیا ہے جبکہ محارم میں صرف ضرورت کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرح

اجنبیہ عورت کی طرف نظر کرنے میں ضرورت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت بیمار ہے اس کے علاج میں بعض اعضا کی طرف نظر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ اس کے جسم کو چھونا پڑتا ہے۔ مثلاً نبض دیکھنے میں ہاتھ چھونا ہوتا ہے یا پیٹ میں ورم کا خیال ہو تو ٹٹول کر دیکھنا ہوتا ہے یا کسی جگہ پھوڑا ہو تو اسے دیکھنا ہوتا ہے بلکہ بعض مرتبہ ٹٹولنا بھی پڑتا ہے اس صورت میں موضع مرض کی طرف نظر کرنا یا اس ضرورت سے بقدر ضرورت اس جگہ کو چھونا جائز ہے۔

یہ اس صورت میں ہے کوئی عورت علاج کرنے والی نہ ہو، ورنہ چاہیے یہ کہ عورتوں کو بھی علاج کرنا سکھایا جائے تاکہ ایسے مواقع پر وہ کام کریں کہ ان کے دیکھنے وغیرہ میں اتنی خرابی نہیں جو مرد کے دیکھنے وغیرہ میں ہے۔ اکثر جگہ دائیاں ہوتی ہیں جو پیٹ کے ورم کو دیکھ سکتی ہیں جہاں دائیاں دستیاب ہوں مرد کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ علاج کی ضرورت سے نظر کرنے میں بھی یہ احتیاط ضروری ہے کہ صرف اتنا ہی حصہ بدن کھولا جائے جس کے دیکھنے کی ضرورت ہے باقی حصہ بدن کو اچھی طرح چھپا دیا جائے کہ اس پر نظر نہ پڑے۔

خریداری کی صورت میں باندی کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّ ذَلِكَ إذَا أَرَادَ الشِّرَاءَ، وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ) كَذَا ذَكَرَهُ فِي الْمُخْتَصَرِ، وَأَطْلَقَ أَيْضًا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَلَمْ يُفَصِّلْ.

قَالَ مَشَايِخُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ : يُبَاحُ النَّظَرُ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ وَإِنْ اشْتَهَى لِلضَّرُورَةِ ، وَلَا يُبَاحُ الْمَسُّ إِذَا اشْتَهَى أَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ ذٰلِكَ ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ اسْتِمْتَاعٍ ، وَفِي غَيْرِ حَالَةِ الشِّرَاءِ يُبَاحُ النَّظَرُ وَالْمَسُّ بِشَرْطِ عَدَمِ الشَّهْوَةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ خریداری کرتے ہوئے باندی کو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ شہوت کا خوف ہو اور اسی طرح قدوری میں ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ جامع صغیر میں اسی طرح مطلق بیان ہوا ہے جس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

ہمارے مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ اس کو اس حالت میں دیکھنا مباح ہے اگر چہ شہوت کا بطور ضرورت خدشہ ہو۔ جبکہ شہوت کی صورت میں چھونا جائز نہیں ہے۔ یا اس میں کوئی بڑی رائے ہے کیونکہ یہ تمتع کی قسم ہے جبکہ خریداری کے علاوہ عدم شہوت کی صورت میں دیکھنا اور چھونا مباح ہے۔

شرح

اور جب کسی شخص نے کنیز کو خریدنے کا ارادہ کیا ہو تو اس کی کلائی اور بازو اور پنڈلی اور سینہ کی طرف نظر کر سکتا ہے، کیونکہ اس حالت میں دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس کے ان اعضا کو چھو بھی سکتا ہے بشرطیکہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔

حائض باندی کو ایک کپڑے میں پیش نہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا حَاضَتْ الْأَمَةُ لَمْ تُعْرَضْ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ) وَمَعْنَاهُ بَلَغَتْ ، وَهٰذَا مُوَافِقٌ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الظَّهْرَ وَالْبَطْنَ مِنْهَا عَوْرَةٌ . وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ تُشْتَهَى وَيُجَامَعُ مِثْلُهَا فَهِيَ كَالْبَالِغَةِ لَا تُعْرَضُ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ لِوُجُودِ الِاشْتِهَاءِ .

قَالَ (وَالْخَصِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ) لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : الْخِصَاءُ مُثْلَةٌ فَلَا يُبِيحُ مَا كَانَ حَرَامًا قَبْلَهُ وَلِأَنَّهُ فَحْلٌ يُجَامِعُ .

وَكَذَا الْمَجْبُوبُ ؛ لِأَنَّهُ يَسْحَقُ وَيُنْزِلُ ، وَكَذَا الْمُخَنَّثُ فِي الرَّدِيءِ مِنْ الْأَفْعَالِ ؛ لِأَنَّهُ فَحْلٌ فَاسِقٌ . وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ يُؤْخَذُ فِيهِ بِمُحْكَمِ كِتَابِ اللّٰهِ الْمُنَزَّلِ فِيهِ ، وَالطِّفْلُ الصَّغِيرُ مُسْتَثْنًى بِالنَّصِّ .

ترجمہ

اور جب کوئی باندی حائض ہو جائے تو اس کو ایک کپڑے میں پیش نہ کیا جائے اور یہ حکم بلوغت کے بعد ہے اور اس کی دلیل

وہی ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ باندی کا پیٹ اور اس کی پشت یہ دونوں ستر ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ باندی جب قابل شہوت ہو اور اس کی مثل باندیاں ہماع کے قابل ہوں تو وہ بالغہ کے حکم میں ہوں گی۔ کیونکہ ان میں شہوت پائی جا رہی ہے لہذا ان کو ایک چادر میں پیش نہ کیا جائے گا۔

اور خصی شخص اجنبی عورت کو دیکھنے میں مرد کے حکم میں ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ خصی کرنا یہ مثلہ کرنے کی طرح ہے پس خصی کرنے کے سبب وہ چیز مباح نہیں ہو سکتی جو اس پر پہلے حرام تھی۔ کیونکہ خصی ایسا نر ہے جس میں جماع کی صلاحیت ہے اور مقطوع ذکر والے کا حکم بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ رگڑ کر انزال کرنے والا ہے۔ اور اسی طرح غلط فطرت والا مخنث جو مکمل فاسق ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کتاب میں نازل کیے گئے حکم پر عمل کرنا چاہیے اور چھوٹا بچہ کو نص کے حکم کے مطابق اس سے الگ کر دیا گیا ہے۔

شرح

جو عورت جس شخص کے حصہ میں دی گئی ہو صرف وہی اس کے ساتھ تمتع کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے کو اسے ہاتھ لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس عورت سے جو اولاد ہوگی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائے گی جس کی ملک میں وہ عورت ہے۔ اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لیے مقرر ہیں۔ صاحبِ اولاد ہو جانے کے بعد وہ عورت فروخت نہ کی جا سکے گی۔ اور مالک کے مرتے ہی وہ آپ سے آپ آزاد ہو جائے گی۔

طفل صغیر کیلئے استثناء کا بیان

ابی نضرہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ہرگز نہ لیٹے اور نہ ہی کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ۔ الا یہ کہ اپنی نابالغ اولاد کے ساتھ یا بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ۔ راوی کہتے ہیں کہ تیسرے کا ذکر بھی کیا تھا میں بھول گیا۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 628)

غلام کا مالکن کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَنْظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهِ إلَّا مَا يَجُوزُ لِلْأَجْنَبِيِّ النَّظَرُ إلَيْهِ مِنْهَا) .وَقَالَ مَالِكٌ : هُوَ كَالْمَحْرَمِ ، وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ) وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مُتَحَقِّقَةٌ لِدُخُولِهِ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ .

وَلَنَا أَنَّهُ فَحْلٌ غَيْرُ مَحْرَمٍ وَلَا زَوْجٍ ، وَالشَّهْوَةُ مُتَحَقِّقَةٌ لِجَوَازِ النِّكَاحِ فِي الْجُمْلَةِ وَالْحَاجَةُ قَاصِرَةٌ ؛ لِأَنَّهُ يَعْمَلُ خَارِجَ الْبَيْتِ .وَالْمُرَادُ بِالنَّصِّ الْإِمَاءُ ، قَالَ سَعِيدٌ وَالْحَسَنُ وَغَيْرُهُمَا : لَا تَغُرَّنَّكُمْ سُورَةُ النُّورِ فَإِنَّهَا فِي الْإِنَاثِ دُونَ الذُّكُورِ .

ترجمہ

فرمایا کہ مملوک کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مالکن کو دیکھے مگر جس قدر اجنبی مرد کیلئے دیکھنے کی اجازت ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ محرم کی طرح ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یا جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ کیونکہ اجازت کے بغیر داخل ہونے کی وجہ سے اس میں ضرورت ثابت ہو چکی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ ایسا نر ہے جو محرم بھی نہیں ہے اور خاوند بھی نہیں ہے اور جواز نکاح کے ثابت ہونے کی وجہ سے شہوت بھی عام طور پر پائی جاتی ہے۔ جبکہ ضرورت بہت معمولی ہے۔ کیونکہ وہ بیرون خانہ کام کرنے والا ہے۔ جبکہ قرآنی آیات سے باندیاں مراد ہیں۔ حضرت سعید، حسن وغیرہ نے کہا ہے کہ سورۂ نور کہیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ وہ عورتوں کے بارے میں ہے مردوں کے بارے میں نہیں ہے۔

شرح

جو عورت اس طرح کسی شخص کی ملک میں آئی ہوا سے اگر اس کا مالک کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دیدے تو پھر مالک کو اس سے دوسری تمام خدمات لینے کا حق تو رہتا ہے لیکن شہوانی تعلق کا حق باقی نہیں رہتا۔

اپنی باندی اجازت کے بغیر عزل کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَلَا يَعْزِلُ عَنْ زَوْجَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهَا) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ الْعَزْلِ عَنْ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا ، وَقَالَ لِمَوْلَى أَمَةٍ : اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْت) ، وَلِأَنَّ الْوَطْءَ حَقُّ الْحُرَّةِ قَضَاءً لِلشَّهْوَةِ وَتَحْصِيلًا لِلْوَلَدِ وَلِهَذَا تُخَيَّرُ فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ ، وَلَا حَقَّ لِلْأَمَةِ فِي الْوَطْءِ فَلِهَذَا لَا يُنْقِصُ حَقَّ الْحُرَّةِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَيَسْتَبِدُّ بِهِ الْمَوْلَى وَلَوْ كَانَ تَحْتَهُ أَمَةُ غَيْرِهِ فَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي النِّكَاحِ .

ترجمہ

فرمایا کہ مرد اپنی باندی کی اجازت کے سوا عزل کر سکتا ہے۔ جبکہ اپنی بیوی سے اس کی اجازت کے سوا وہ عزل نہیں کر سکتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے آزاد عورت کا عزل اس کی اجازت کے بغیر کرنے منع کیا ہے اور آپ ﷺ نے ایک باندی کے آقا سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو عزل کر لو۔ کیونکہ شہوت پوری کرنے اور اولاد حاصل کرنے کیلئے آزاد عورت کا حق ہے۔ اور عنین اور مجبوب کے بارے میں یہی حکم ہے کیونکہ وطی میں باندی کا کوئی حق نہیں ہے پس کوئی خاوند عورت کی اجازت کے بغیر اس کے حق کو کم کرنے والا نہ بنے۔ جبکہ آقا کیلئے اس میں اختیار ہے اور جب کسی شخص ماتحت کوئی دوسرے آدمی باندی ہے تو اس کے احکام کو کتاب نکاح میں بیان کر آئے ہیں۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم قرآن کے نازل ہونے کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے حدیث جابر حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث جابر ہی سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض صحابہ کرام، اور علماء نے عزل کی اجازت دی ہے مالک بن انس فرماتے ہیں کہ آزاد عورت سے اجازت لے کر عزل کیا جائے اور لونڈی سے عزل کے لیے اجازت ضروری نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1142)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا کیوں کرتا ہے ابن عمر اپنی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے دونوں راوی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نفس نے پیدا ہونا ہے اللہ اسے ضرور پیدا کرے گا اس باب میں حضرت جابر سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابوسعید، حسن صحیح ہے اور ابوسعید ہی سے کئی سندوں سے منقول ہے۔ صحابہ کرام اور دوسرے علماء کی ایک جماعت نے عزل کو ناپسند کیا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1143)

عورتوں کیلئے پردے کا باعث شرف ہونے کا بیان

ایک سائل نے کسی شیخ سے سوال پوچھا کہ اسلام میں عورتوں کو غیر محرم سے ہاتھ ملانے (مصافحہ کرنے) کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ کیا تم ملکہ ایلیزبیتھ سے مصافحہ کر سکتے ہو؟ سائل بالکل نہیں، شیخ کیوں؟ سائل کیوں کہ ملکہ سے صرف چند خاص افراد ہی مصافحہ کر سکتے ہیں (یعنی کہ کوئی بھی ایرا غیرا ملکہ سے ہاتھ ملا (مصافحہ) نہیں سکتا) شیخ نے جواب دیا کہ ہماری عورتیں بھی ملکہ (کی طرح) ہیں اور ملکہ سبھوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتیں، دوسرا سوال۔ سائل: مسلمان عورتیں نقاب (پردہ) کیوں کرتی ہیں؟ شیخ مسکرائے اور مٹھائی کے 2 ٹکڑے منگا کر ایک کو ایسے ہی کھلا رکھ دیا اور دوسرے کو کاغذ سے اچھی طرح لپیٹ لیا اور دونوں کو نیچے (دھول جمی) فرش پر پھینک دیا۔ اب شیخ سائل کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اب ان مٹھائی کے دو ٹکڑوں میں سے تم کون سا ٹکڑا پسند کرو گے؟؟ سائل نے کہا کہ وہ ٹکڑا جو کاغذ سے لپیٹا ہوا ہے۔ شیخ نے کہا کہ ہم اسی نظر سے ہماری عورتوں کو دیکھتے ہیں اور اسی طرح انہیں ٹریٹ کرتے ہیں۔

فصل فی الاستبراء وغیرہ

﴿یہ فصل استبراء وغیرہ کے بیان میں ہے﴾

فصل استبراء کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ استبراء کو موخر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ وطی سے احتراز کیلئے مقید ہے اور مقید مطلق کے بعد آیا کرتا ہے۔ اس لئے کو مؤخر ذکر کر دیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۴، ص ۲۵۳، بیروت)

شریعت اسلامیہ کے مطابق استبرائے رحم کا فقہی معنی ومفہوم

شریعت میں استبراء کا مطلب ہے لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی صفائی طلب کرنا اس کی فقہی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں کوئی لونڈی آئے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا کسی وصیت میں ملی ہو، یا کسی نے ہبہ کی ہو اور یا میراث میں ملی ہو تو اس شخص کو اس لونڈی سے اس وقت تک جماع کرنا یا مساس کرنا اور یا بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے جب تک کہ استبراء نہ کر لے یعنی اس کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک حیض نہ آ جائے اگر اس کو حیض آتا ہو یا نہ آنے کی صورت میں اس پر ایک مہینہ کی مدت نہ گزر جائے اور یا حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت نہ ہو جائے۔

اور یہ استبراء ہر حال میں کرنا ضروری ہے خواہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو یا اس کو کسی عورت نے کیوں نہ خریدا ہو یا وہ کسی محرم یا اپنے نابالغ بچہ کے مال سے بذریعہ وراثت وغیرہ کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اگرچہ ان صورتوں میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ استبراء واجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ استبراء میں حکمت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اس کے رحم کا کسی غیر کے نطفہ سے پاک ونا معلوم ہو جائے تا کہ اس کے نطفہ کا کسی غیر کے نطفہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کسی غیر کے نطفہ کا کوئی احتمال نہیں ہے لیکن چونکہ یہ صریح نص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے غزدہ کے موقع پر حاصل ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ خبردار حاملہ لونڈی سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آ جائے اور ظاہر ہے کہ ان لونڈیوں میں باکرہ بھی ہوں گی اور ایسی لونڈیاں بھی ہوں گی جو باکرہ کی نطفہ کے اختلاط کا احتمال نہیں رکھتی ہوں گی اس لئے قیاس کو نظر انداز کر کے ان صورتوں میں بھی استبراء کو واجب قرار دیا ہے۔

استبراء سے متعلق فقہی احکام کا بیان

استبراء کہتے ہیں لونڈی کا رحم پاک کرنے کو، یعنی کوئی نئی لونڈی خریدے، تو جب تک حیض نہ آئے اس سے صحبت نہ کرے اور سفر میں لے جانے کا ذکر اس لیے آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو جو شروع میں بہ حیثیت لونڈی کے آئی تھیں، سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔

آگے روایت میں سد الروحاء کا ذکر آیا ہے جو مدینہ کے قریب ایک مقام تھا۔ حیس کا ذکر آیا ہے، جو ولیمہ میں تیار کیا گیا تھا یہ گھی، کھجور، اور پنیر سے ملا کر بنایا جاتا ہے۔ باب کے آخر میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ مومنون کی ایک آیت کا حصہ نقل کیا اور اس کے اطلاق سے یہ نکالا کہ بیویوں اور لونڈیوں سے مطلقاً حظ نفس درست ہے۔ صرف جماع استبراء سے پہلے ایک حدیث کی رو سے منع ہوا تو دوسرے عیش بدستور درست رہیں گے۔

اور امام حسن بصری رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی باندی کا (اس کا مالک) بوسہ لے لے یا اپنے جسم سے لگائے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب ایسی باندی جس سے وطی کی جا چکی ہے، ہبہ کی جائے یا بیچی جائے یا آزاد کی جائے تو ایک حیض تک اس کا استبراء رحم کرنا چاہئے۔ اور کنواری کے لیے استبراء رحم کی ضرورت نہیں ہے۔ عطاء نے کہا کہ اپنی حاملہ باندی سے شرمگاہ کے سوا باقی جسم سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنون میں فرمایا مگر اپنی بیویوں سے یا باندیوں سے۔ (حدیث نمبر 2235)

ہم سے عبد الغفار بن داؤد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یعقوب بن عبد الرحمن نے بیان کیا، ان سے عمرو بن ابی عمرو نے اور ان سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرا دیا تو آپ کے سامنے صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے حسن کی تعریف کی گئی۔ ان کا شوہر قتل ہو گیا تھا۔ وہ خود ابھی دلہن تھیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے پسند کر لیا۔ پھر روانگی ہوئی۔ جب آپ سد الروحاء پہنچے تو پڑاؤ ہوا اور آپ نے وہیں ان کے ساتھ خلوت کی۔ پھر ایک چھوٹے دسترخوان پر حیس تیار کر کے رکھوایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے قریب کے لوگوں کو ولیمہ کی خبر کر دو۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا یہی ولیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ پھر جب ہم مدینہ کی طرف چلے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباء سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے پردہ کرایا۔ اور اپنے اونٹ کو پاس بٹھا کر اپنا ٹخنہ بچھا دیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنے پر رکھ کر سوار ہو گئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں۔ یہ کنانہ رئیس خیبر کی بیوی تھیں اور یہ کنانہ وہی یہودی ہے جس نے بہت سے خزانے زیر زمین دفن کر رکھے تھے۔ اور فتح خیبر کے موقعہ پر ان سب کو پوشیدہ رکھنا چاہا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سے اطلاع مل گئی۔ اور کنانہ کو خود اسی کے قوم کے اصرار پر قتل کر دیا گیا۔ کیوں کہ اکثر غرباء یہود اس سرمایہ دار کی حرکتوں سے

تالاں تھے۔ اور آج بمشکل ان کو یہ موقع ملا تھا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں ہے۔ جب انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر کنانہ سے بیان کیا تو اس کی تعبیر کنانہ نے یہ سمجھ کر یہ نبی موعود علیہ السلام کی بیوی بنے گی ان کے منہ پر ایک زور کا طمانچہ مارا تھا۔ خیبر فتح ہوا تو یہ بھی قیدیوں میں تھی اور حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حصہ غنیمت میں لگادی گئی تھی۔

بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شرافت نسبی معلوم ہوئی کہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے ہیں تو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ان کے عوض سات غلام دے کر ان سے واپس لے کر آزاد فرمادیا۔ اور خود انہوں نے اپنے پرانے خواب کی بناء پر آپ سے شرف زوجیت کا سوال کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حرم محترم میں ان کو داخل فرمالیا۔ اور ان کا مہران کی آزادی کو قرار دے دیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بہت ہی وفادار اور علم دوست ثابت ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی شرافت کے پیش نظر ان کو عزت خاص عطا فرمائی۔ اس سفر ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عباء مبارک سے ان کا پردہ کرایا اور اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا تخنہ بچھادیا۔ جس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پاؤں رکھا اور اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ 50ھ میں انہوں نے وفات پائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے بہت سے مسائل کا استخراج فرماتے ہوئے کئی جگہ اسے مختصر اور مطول نقل فرمایا ہے۔ یہاں آپ کے پیش نظر وہ جملہ مسائل ہیں جن کا ذکر آپ نے ترجمۃ الباب میں فرمایا ہے اور وہ سب اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا لونڈی کی حیثیت میں آئی تھیں۔ آپ نے ان کو آزاد فرمایا اور سفر میں اپنے ہمراہ رکھا۔ اسی سے باب کا مقصد ثابت ہوا۔

بغیر استبراء کے جماع کرنے پر وعید کا بیان

حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی زلادت ہونیوالی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے بایں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لیے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اسکو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 531)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا الخ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب

کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرے گا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارے میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کرنیوالے کی ملکیت میں آئی ہے تو وہ اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کا اپنا وارث بنانا لازم آئے گا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کردے گا جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا لہذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کرنیوالی صورت ہے لہذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

استبراء سے پہلے افعال جماع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً فَإِنَّهُ لَا يَقْرَبُهَا وَلَا يَلْمِسُهَا وَلَا يُقَبِّلُهَا وَلَا يَنْظُرُ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ " (أَلَا لَا تُوطَأُ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ، وَلَا الْحَيَالَى حَتَّى يُسْتَبْرَأْنَ بِحَيْضَةٍ) " أَفَادَ وُجُوبَ الِاسْتِبْرَاءِ عَلَى الْمَوْلَى ، وَدَلَّ عَلَى السَّبَبِ فِي الْمَسْبِيَّةِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَوْجُودُ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ . وَهَذَا لِأَنَّ الْحِكْمَةَ فِيهِ التَّعَرُّفُ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ صِيَانَةً لِلْمِيَاهِ الْمُحْتَرَمَةِ عَنْ الِاخْتِلَاطِ وَالْأَنْسَابِ عَنْ الِاشْتِبَاهِ ، وَذَلِكَ عِنْدَ حَقِيقَةِ الشُّغْلِ أَوْ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ بِمَاءٍ مُحْتَرَمٍ ، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ ، وَيَجِبُ عَلَى الْمُشْتَرِي لَا عَلَى الْبَائِعِ ؛ لِأَنَّ الْعِلَّةَ الْحَقِيقِيَّةَ إرَادَةُ الْوَطْءِ ، وَالْمُشْتَرِي هُوَ الَّذِي يُرِيدُهُ دُونَ الْبَائِعِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ ، غَيْرَ أَنَّ الْإِرَادَةَ أَمْرٌ مُبْطَنٌ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى دَلِيلِهَا ، وَهُوَ التَّمَكُّنُ مِنْ الْوَطْءِ وَالتَّمَكُّنُ إنَّمَا يَثْبُتُ بِالْمِلْكِ وَالْيَدِ فَانْتَصَبَ سَبَبًا وَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ تَيْسِيرًا ، فَكَانَ السَّبَبُ اسْتِحْدَاثَ مِلْكِ الرَّقَبَةِ الْمُؤَكَّدِ بِالْيَدِ وَتَعَدَّى الْحُكْمُ إلَى سَائِرِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ كَالشِّرَاءِ وَالْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَالْمِيرَاثِ وَالْخُلْعِ وَالْكِتَابَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس بندے کسی باندی کو خریدا ہے تو وہ شخص استبراء سے پہلے اس سے نہ تو جماع کرے

نہ اس کو مس کرے نہ بوسہ لے اور اس کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ نہ دیکھے۔ اور اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کے فرمان اقدس جو آپ ﷺ نے اوطاس کے قیدیوں کے بارے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ خبردار! حاملہ عورتوں سے وضع حمل سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور غیر حاملہ عورتوں سے جب تک حیض کے ذریعے استبرائے رحم نہ ہو جائے ان سے بھی جماع نہ کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا ہے کہ آقا پر استبرائے رحم واجب ہے۔ اور یہاں پر سبب مسببیت پر دلالت کرنے والا ہے یعنی کہ اس نے بہ ید ملکیت اور قبضہ کیا ہے۔ اور یہ جدید ملکیت ہی نص کا مورد ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ استبراء کی حکمت یہ ہے کہ محترم پانیوں کو مکس ہونے سے اور انساب کو شک وشبہ سے بچانے کیلئے رحم کو برأت کو جاننا ہے۔

اور اس لئے بھی استبراء واجب ہے کہ رحم کا محترم پانی میں بطور حقیقت مصروف ہونا یا اس کے وہم کو دور کرنا ہے۔ اور مشغول ہونے کا معنی یہ ہے کہ اولاد کا نسب ثابت ہو۔ اور یہ استبراء خریدار پر واجب ہے بائع پر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقت میں علت جماع کا ارادہ ہے۔ اور وطی کو خریدار ہی چاہنے والا ہے۔ بائع اس کو چاہنے والا نہیں ہے۔ پس اسی پر وجوب ہوگا کیونکہ ارادہ ایک باطنی چیز ہے۔ جبکہ حکم کا دارومدار دلیل پر ہوا کرتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) وہ وطی پر قادر ہونا ہے اور اس قدرت رکھنے کا ثبوت ملکیت اور قبضے سے ہے۔ پس ممکن کو تسلیم کرتے ہوئے آسانی کی وجہ سے حکم کا دارومدار اسی پر لاگو کر دیا ہے۔ اور وہ ملک رقبہ کی جدید قوت ہے جو قبضہ سے حاصل ہوئی ہے۔ اور سبب بھی یہی ہے۔ اور اسی طرح حکم بقیہ سارے اسباب ملکیت کی جانب متعدی ہو جائے گا۔ جس طرح خریداری، ہبہ، وصیت، میراث، خلع اور مکاتبت وغیرہ کے احکام ہیں۔

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنے کی ممانعت

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیرہ حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا، یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا السبي فلايطوء ها حتى تحيض

یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آجائے وہ ان سے جماع نہ کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

أيها الناس إني لا أقول فيكم إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول قام فينا يوم حنين فقال لا يحل لامرء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقى ماء ه زرع غيره

يعني اتيان الحبالى من السبايا وأن يصيب امرأة ثيبا من السبي حتى يستبرئها
(مسند ابن حنبل)

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آب پاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم جماع کرے۔

دوران حیض خریدی گئی کیلئے اس حیض کے معتبر نہ ہونے کا بیان

وَكَذَا يَجِبُ عَلَى الْمُشْتَرِي مِنْ مَالِ الصَّبِيِّ وَمِنْ الْمَرْأَةِ وَالْمَمْلُوكِ وَمِمَّنْ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا ، وَكَذَا إذَا كَانَتْ الْمُشْتَرَاةُ بِكْرًا لَمْ تُوطَأْ لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ وَإِدَارَةِ الْأَحْكَامِ عَلَى الْأَسْبَابِ دُونَ الْحِكَمِ لِبُطُونِهَا فَيُعْتَبَرُ تَحَقُّقُ السَّبَبِ عِنْدَ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ .

وَكَذَا لَا يُجْتَزَأُ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي اشْتَرَاهَا فِي أَثْنَائِهَا وَلَا بِالْحَيْضَةِ الَّتِي حَاضَتْهَا بَعْدَ الشِّرَاءِ أَوْ غَيْرِهِ مِنْ أَسْبَابِ الْمِلْكِ قَبْلَ الْقَبْضِ ، وَلَا بِالْوِلَادَةِ الْحَاصِلَةِ بَعْدَهَا قَبْلَ الْقَبْضِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، لِأَنَّ السَّبَبَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ ، وَالْحُكْمُ لَا يَسْبِقُ السَّبَبَ ، وَكَذَا لَا يُجْتَزَأُ بِالْحَاصِلِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ فِي بَيْعِ الْفُضُولِيِّ وَإِنْ كَانَتْ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي ، وَلَا بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الْقَبْضِ فِي الشِّرَاءِ الْفَاسِدِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا شِرَاءً صَحِيحًا لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ

اور ایسے ہی بچہ، عورت، غلام اور اس بندے کے مال کو خریدنے والے کیلئے استبراء واجب ہے۔ جس بندے سے جماع کرنا حلال نہیں ہے۔ اور حکم کے پوشیدہ ہو جانے کے سبب احکام لازم کیے جاتے ہیں حکم پر لازم نہ ہوں گے۔ پس توہم کے وقت سبب کے ثبوت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور اسی طرح وہ حیض جس میں خریدار باندی کو خریدا ہے وہ کافی نہ ہوگا۔ اور نہ وہ حیض جو قبضے سے پہلے خریداری جیسے اسباب جو ملکیت کے بعد آئے ہیں اور نہ اسی ولایت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جو اسباب ملکیت کے بعد قبضہ سے پہلے حاصل ہوئی ہے۔
حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ملکیت کا ہونا اور قبضے کا ہونا یہ جدید ہے اور حکم سبب سے بڑھنے والا نہیں ہے۔ اور اسی طرح وہ استبراء بھی کافی نہ ہوگا جو بیع فضولی کی اجازت سے پہلے حاصل ہوا ہے۔ خواہ وہ باندی کے قبضہ میں ہو

اور اسی طرح نہ ہی وہ استبراء کافی ہوگا جو فاسد خریداری میں قبضہ کے بعد حاصل ہوا ہے۔ اور بیع صحیحہ میں خریدنے سے پہلے حاصل ہوا ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آ جائے (احمد ابوداؤد دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 532)

اگر کسی غیر حاملہ کو اسکی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔

لونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائیگا۔

نکاح ہو جانے کے باوجود وجوب استبراء کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس باندی سے وطی کرتا تھا اس کا نکاح کسی سے کر دیا نکاح ہو گیا مگر مالک پر استبرا واجب ہے یعنی جب اس کا نکاح کرنا چاہے تو وطی چھوڑ دے یہاں تک کہ اُسے ایک حیض آ جائے بعدِ حیض نکاح کر دے اور شوہر کے ذمہ استبرا نہیں، لہٰذا اگر استبرا سے پہلے شوہر نے وطی کر لی تو جائز ہے مگر نہ چاہیے اور اگر مالک بیچنا چاہتا ہے تو استبرا مستحب ہے واجب نہیں۔ زانیہ سے نکاح کیا تو استبرا کی حاجت نہیں۔ (درمختار، کتاب النکاح، بیروت)

باندی پر استبراء کے واجب ہونے کا بیان

(وَيَجِبُ فِي جَارِيَةٍ لِلْمُشْتَرِي فِيهَا شِقْصٌ فَاشْتَرَى الْبَاقِيَ) ؛ لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَمَّ الْآنَ ، وَالْحُكْمُ يُضَافُ إلَى تَمَامِ الْعِلَّةِ ، وَيُجْتَزَأُ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي حَاضَتْهَا بَعْدَ الْقَبْضِ وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ أَوْ مُكَاتَبَةٌ بِأَنْ كَاتَبَهَا بَعْدَ الشِّرَاءِ ثُمَّ أَسْلَمَتْ الْمَجُوسِيَّةُ أَوْ عَجَزَتْ الْمُكَاتَبَةُ لِوُجُودِهَا بَعْدَ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ إذْ هُوَ مُقْتَضٍ لِلْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ لِمَانِعٍ كَمَا فِي حَالَةِ الْحَيْضِ (وَلَا يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ إذَا رَجَعَتْ الْآبِقَةُ أَوْ رُدَّتْ الْمَغْصُوبَةُ أَوْ الْمُؤَاجَرَةُ) أَوْ فُكَّتْ الْمَرْهُونَةُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ

وَالْيَدِ وَهُوَ سَبَبٌ مُتَعَيِّنٌ فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ وُجُودًا وَعَدَمًا ، وَلَهَا نَظَائِرُ كَثِيرَةٌ كَتَبْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى .

ترجمہ

اوراسی طرح باندی پر استبراء واجب ہے جس کے اندر خریدار کا حصہ باقی ہے۔اوراس کے بعد جب خریدار نے بقیہ کوخرید لیا ہے۔کیونکہ اب سبب مکمل ہونے والا ہے۔اور حکم پوری علت کی جانب منسوب ہونے والا ہے۔اور وہ حیض کافی ہوگا جو قبضہ کے بعد باندی کے مجوسی یا مکاتبہ ہونے کی حالت میں آیا ہے اوراس دلیل کے سبب سے کہ خریدار نے بعد میں اس کے ساتھ عقد کتابت کرلیا ہے۔اس کے بعد وہ مجوسی ہوئی ہے یا مکاتبہ بدل کتابت سے عاجز آچکی ہے کیونکہ یہ حیض سبب کے بعد پایا گیا ہے۔اور وہ سبب ملکیت میں جدید ہونا ہے۔اور حلت کا تقاضہ بھی یہی کرنے والا ہے۔جبکہ حرمت کسی مانع کے سبب سے تھی۔جس طرح حیض کی حالت میں ہوا کرتا ہے۔

اور بھاگ جانے والی باندی کے واپس آنے کے بعد اور ایسے غصب شدہ یا اجرت پر دی جانے والی باندی کی واپسی کے بعد یا رہن میں رکھی جانے والی باندی کو چھڑوانے کے بعد استبراء واجب نہ ہوگا۔کیونکہ اس کا سبب یعنی ملکیت کا جدید ہونا اور قبضہ میں ہونا یہ معدوم ہیں۔اور یہی وہ معین کردہ سبب ہے جو وجودی یا عدمی دونوں صورتوں میں حکم اسی کے موافق دیا جائے گا۔

وجوب استبراء کے ثبوت کے بعد حرمت وطی کا بیان

وَإِذَا ثَبَتَ وُجُوبُ الِاسْتِبْرَاءِ وَحُرْمَةُ الْوَطْءِ حَرُمَ الدَّوَاعِي لِإِفْضَائِهَا إلَيْهِ .أَوْ لِاحْتِمَالِ وُقُوعِهَا فِي غَيْرِ الْمِلْكِ عَلَى اعْتِبَارِ ظُهُورِ الْحَبَلِ وَدَعْوَةِ الْبَائِعِ .

بِخِلَافِ الْحَائِضِ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ الدَّوَاعِي فِيهَا لِأَنَّهُ لَا يُحْتَمَلُ الْوُقُوعُ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ ، وَلِأَنَّهُ زَمَانُ نَفْرَةٍ فَالْإِطْلَاقُ فِي الدَّوَاعِي لَا يُفْضِي إلَى الْوَطْءِ وَالرَّغْبَةُ فِي الْمُشْتَرَاةِ قَبْلَ الدُّخُولِ أَصْدَقُ الرَّغَبَاتِ فَتُفْضِي إلَيْهِ ، وَلَمْ يَذْكُرْ الدَّوَاعِيَ فِي الْمَسْبِيَّةِ .وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا لَا تَحْرُمُ ؛ لِأَنَّهَا لَا يُحْتَمَلُ وُقُوعُهَا فِي غَيْرِ الْمِلْكِ لِأَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ بِهَا حَبَلٌ لَا تَصِحُّ دَعْوَةُ الْحَرْبِيِّ ، بِخِلَافِ الْمُشْتَرَاةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا .

ترجمہ

اور جب استبراء کا وجوب ثابت ہو جائے تو وطی حرام ہو جائے گی اور وطی کی جانب لے جانے والے افعال بھی حرام ہوں گے کیونکہ وہ وطی تک پہنچانے میں کردار ادا کرنے والے ہیں۔یا پھر وہ اس لئے حرام ہوں گے کہ حمل ظاہر ہو چکا ہے اور دعویٰ بائع کے

جب دواعی غیر ملکیت میں واقع ہوں گے پس یہ احتمال سبب حرمت ہوا۔ جبکہ حائض میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ دواعی حرام نہ ہوں گے کیونکہ یہاں ان دواعی کا غیر ملکیت میں واقع ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے۔ کہ حالت حیض دواعی کی اجازت وطی کی جانب لے جانے والی نہ ہوگی۔

پس دواعی اور خریدی گئی باندی میں دخول سے قبل مضبوط رغبت تھی۔ پس وہ وطی کی جانب لے جانے والی ہوگی۔ جبکہ ظاہر الروایت میں سبب بننے والی کے متعلق دواعی کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ سبب بننے والی کے ساتھ دواعی حرام نہیں ہیں۔ کیونکہ اس میں غیر ملکیت کا وقوع کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب باندی حاملہ ہو چکی ہے تو اب حربی کا دعویٰ درست نہ ہوگا جبکہ خریدی ہوئی باندی میں ایسا نہیں ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔

ملک جدید سے وجوب استبراء میں مذاہب اربعہ

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آ جائے (احمد ابوداؤد دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 532)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے چنانچہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دارالحرب سے کسی کافرہ کو بطور لونڈی کے پکڑ لانے سے اسکا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے یعنی کفار سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جو شادی شدہ عورتیں بطور لونڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائیگا) لیکن اس بارے میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ انکے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت اما اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

اور حضرت رویفع ابن ثابت الانصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسکے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حاملہ ہے جائز نہیں ہے اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی سے اس وقت تک جماع کرے جب کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے اس کا استبراء نہ کر لے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت

نہ کرے)ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ زرع تک نقل کیا ہے۔

حاملہ کے استبراء کا وضع حمل ہونے کا بیان

(وَالِاسْتِبْرَاءُ فِي الْحَامِلِ بِوَضْعِ الْحَمْلِ) لِمَا رَوَيْنَا (وَفِي ذَوَاتِ الْأَشْهُرِ بِالشَّهْرِ) ، لِأَنَّهُ أُقِيمَ فِي حَقِّهِنَّ مَقَامَ الْحَيْضِ كَمَا فِي الْمُعْتَدَّةِ ، وَإِذَا حَاضَتْ فِي أَثْنَائِهِ بَطَلَ الِاسْتِبْرَاءُ بِالْأَيَّامِ لِلْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدَلِ كَمَا فِي الْمُعْتَدَّةِ . فَإِنْ ارْتَفَعَ حَيْضُهَا تَرَكَهَا ، حَتَّى إذَا تَبَيَّنَ أَنْ لَيْسَتْ بِحَامِلٍ وَقَعَ عَلَيْهَا وَلَيْسَ فِيهِ تَقْدِيرٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .وَقِيلَ يَتَبَيَّنُ بِشَهْرَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ أَيَّامٍ ، وَعَنْهُ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ اعْتِبَارًا بِعِدَّةِ الْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ فِي الْوَفَاةِ .وَعَنْ زُفَرَ سَنَتَانِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ .

ترجمہ

اور حمل والی عورت کا استبراء اس کا وضع حمل ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔اور مہینے والی عورت میں مہینہ ہے۔پس معتدہ کی طرح اس میں ماہ کو اس کے قائم مقام بنادیا ہے۔اور مہینے والی عورت کو ایام کے دوران حیض آجائے تو اس بدل کے حاصل ہونے کی وجہ سے اصل پر قدرت رکھنے سے پہلے مقصد حاصل ہونے کی وجہ سے استبراء بہ ایام باطل ہو جائے گا جس طرح عدت میں ہوا کرتا ہے۔اور اس کے بعد اس کا حیض ختم ہوا ہے تو وہ اس کو چھوڑ دے اور جب اس پہ پتہ چل جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو وہ اس کے ساتھ جماع کر سکتا ہے۔اور ظاہر الروایت میں چھوڑنے کا کوئی اندازہ مقرر نہیں کیا گیا جبکہ ایک قول یہ ہے دو یا تین ماہ میں ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ چار ماہ دس دن ہے اور انہی کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دو ماہ پانچ دن ہے کیونکہ انہوں نے آزاد و باندی کی عدت وفات پر اس مسئلہ کو قیاس کیا ہے۔جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ سے دو سال نقل گیا ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح نقل کی گئی ہے۔

اسقاط استبراء کیلئے حیلہ کرنے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِالِاحْتِيَالِ لِإِسْقَاطِ الِاسْتِبْرَاءِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) وَقَدْ ذَكَرْنَا الْوَجْهَيْنِ فِي الشُّفْعَةِ .وَالْمَأْخُوذُ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ فِيمَا إذَا عَلِمَ أَنَّ الْبَائِعَ لَمْ يَقْرَبْهَا فِي طُهْرِهَا ذَلِكَ ، وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ فِيمَا إذَا قَرِبَهَا .وَالْحِيلَةُ إذَا لَمْ يَكُنْ تَحْتَ

الْمُشْتَرِی حُرَّةٌ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا قَبْلَ الشِّرَاءِ ثُمَّ يَشْتَرِيَهَا .

وَلَوْ كَانَتْ فَالْحِيلَةُ أَنْ يُزَوِّجَهَا الْبَائِعُ قَبْلَ الشِّرَاءِ أَوْ الْمُشْتَرِي قَبْلَ الْقَبْضِ مِمَّنْ يُوثَقُ بِهِ ثُمَّ يَشْتَرِيَهَا وَيَقْبِضَهَا ثُمَّ يُطَلِّقَ الزَّوْجُ ؛ لِأَنَّ عِنْدَ وُجُودِ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ الْمُؤَكَّدِ بِالْقَبْضِ إذَا لَمْ يَكُنْ فَرْجُهَا حَلَالًا لَهُ لَا يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ . وَإِنْ حَلَّ بَعْدَ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَوَانُ وُجُودِ السَّبَبِ كَمَا إذَا كَانَتْ مُعْتَدَّةَ الْغَيْرِ .

ترجمہ

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ استبراء کو ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں امام محمد علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور کتاب شفعہ میں ان دونوں کی توجیہات کو بیان کر آئے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول اس صورت میں معتبر مانا جائے گا اور جب یہ پتہ چل جائے کہ طہر میں بائع نے باندی کے ساتھ جماع نہیں کیا اور امام محمد علیہ الرحمہ کے قول پر عمل اس وقت ہوگا جب بائع کا جماع کرنے کا پتہ چل جائے۔

اور حیلہ یہ ہوگا کہ جب خریدار کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہیں ہے تو حیلہ اس طرح ہوگا کہ خریدنے سے پہلے بائع اور قبضہ کرنے سے پہلے خریدار کسی اعتماد والے بندے سے باندی کا نکاح کر دیں اور اس کے بعد وہ اس کو خریدے اور قبضہ کرے یا خریدار قبضہ میں لے اور اس کے بعد اس کا خاوند اس کو طلاق دیدے کیونکہ جب سبب کا وجود یعنی جدید ملکیت کا ہونا مؤکد بہ قبضہ وقت باندی کی شرمگاہ اس کیلئے حلال نہ ہوئی تو اس طرح استبراء بھی واجب نہ ہوگا خواہ وہ سبب پائے جانے کے بعد حلال ہو جائے۔ کیونکہ وقت میں وجود سبب کا اعتبار کیا جاتا ہے جس طرح اس صورت میں یہ مسئلہ ہوگا کہ جب باندی کسی دوسرے کی معتدہ ہے۔

مظاہر کا کفارہ سے پہلے جماع نہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَقْرَبُ الْمُظَاهِرُ وَلَا يَلْمِسُ وَلَا يُقَبِّلُ وَلَا يَنْظُرُ إلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يُكَفِّرَ) ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا حَرُمَ الْوَطْءُ إلَى أَنْ يُكَفِّرَ حَرُمَ الدَّوَاعِي لِلْإِفْضَاءِ إلَيْهِ .

لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ سَبَبَ الْحَرَامِ حَرَامٌ كَمَا فِي الِاعْتِكَافِ وَالْإِحْرَامِ وَفِي الْمَنْكُوحَةِ إذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ ، بِخِلَافِ حَالَةِ الْحَيْضِ وَالصَّوْمِ ؛ لِأَنَّ الْحَيْضَ يَمْتَدُّ شَطْرَ عُمْرِهَا وَالصَّوْمَ يَمْتَدُّ شَهْرًا فَرْضًا وَأَكْثَرَ الْعُمْرِ نَفْلًا ، فَفِي الْمَنْعِ عَنْهَا بَعْضُ الْحَرَجِ ، وَلَا كَذَلِكَ مَا عَدَدْنَاهَا لِقُصُورِ مُدَدِهَا .

وَقَدْ صَحَّ " (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ وَيُضَاجِعُ نِسَاءَهُ

وَهُنَّ حُيَّضٌ)"

ترجمہ

اور کفارہ ظاہر دینے والا شخص کفارے سے پہلے اپنی بیوی سے نہ جماع کرے، نہ مس کرے نہ بوسہ لے اور نہ وہ شہوت سے ساتھ اس کی شرمگاہ کی جانب دیکھے گا۔ کیونکہ کفارے کو ادا کرنے تک جب وطی حرام ہوئی ہے تو اس وطی کے دواعی بھی حرام ہوں گے۔ کیونکہ وہی وطی کی جانب لے جانے والے ہیں۔ اور قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے۔ جس طرح اعتکاف واحرام اور منکوحہ میں ہوتا ہے اور جب اس سے شبہ کے طور پر وطی کر لی جائے۔

جبکہ حالت حیض اور روزے میں ایسا نہیں ہے کیونکہ حیض عورت کی آدھی عمر تک لمبا رہنے والا ہے۔ جبکہ فرض روزہ ایک ماہ تک رہنے والا ہے اور نفلی روزہ عمر کے اکثر تک رہتا ہے۔ پس ان احوال میں دواعی سے روکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جبکہ ہماری بیان کردہ مدت دراز کم ہونے کے سبب ایسی نہ ہوگی اور صحیح حکم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حالت روزہ میں ازواج کا بوسہ لیتے تھے۔ اور ان کی حالت حیض میں ان کے ساتھ محو استراحت بھی ہوتے تھے۔

شرح

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک صاف کرے البتہ باکرہ کنواری کو پاک صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ دونوں روایتیں رزین نے نقل کی ہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 534)

اس حدیث پر ابن شریح نے عمل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں استبراء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

ام ولد کی عدت: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مر جائے یا اس کو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔

اور علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ ام ولد نہ تو حاملہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اس مولی کے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی وجہ سے یا آقا کے مر جانے کے سبب سے اس پر عدت واجب نہیں ہوگی یہ حنفیہ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مر جانے کی صورت میں ام ولد کی عدت ایک حیض ہے حنفیہ میں سے حضرت امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔

دو باندیوں کا آپس میں بہنیں ہونے کے سبب حرمت جماع کا بیان

قَالَ (وَمَنْ لَهُ أَمَتَانِ أُخْتَانِ فَقَبَّلَهُمَا بِشَهْوَةٍ فَإِنَّهُ لَا يُجَامِعُ وَاحِدَةً مِنْهُمَا وَلَا يُقَبِّلُهَا وَلَا يَمَسُّهَا بِشَهْوَةٍ وَلَا يَنْظُرُ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يَمْلِكَ فَرْجَ الْأُخْرَى غَيْرُهُ بِمِلْكٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ يُعْتِقَهَا) ، وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ الْمَمْلُوكَتَيْنِ لَا يَجُوزُ وَطْئًا لِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ) وَلَا يُعَارَضُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) ؛ لِأَنَّ التَّرْجِيحَ لِلْمُحَرِّمِ ، وَكَذَا لَا يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا فِي الدَّوَاعِي لِإِطْلَاقِ النَّصِّ ، وَلِأَنَّ الدَّوَاعِيَ إِلَى الْوَطْءِ بِمَنْزِلَةِ الْوَطْءِ فِي التَّحْرِيمِ عَلَى مَا مَهَّدْنَاهُ مِنْ قَبْلُ ، فَإِذَا قَبَّلَهُمَا فَكَأَنَّهُ وَطِئَهُمَا ، وَلَوْ وَطِئَهُمَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُجَامِعَ إِحْدَاهُمَا وَلَا أَنْ يَأْتِيَ بِالدَّوَاعِي فِيهِمَا ، فَكَذَا إِذَا قَبَّلَهُمَا وَكَذَا إِذَا مَسَّهُمَا بِشَهْوَةٍ أَوْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِهِمَا بِشَهْوَةٍ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا أَنْ يَمْلِكَ فَرْجَ الْأُخْرَى غَيْرُهُ بِمِلْكٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ يُعْتِقَهَا ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا حَرُمَ عَلَيْهِ فَرْجُهَا لَمْ يَبْقَ جَامِعًا .

ترجمہ

اور جب دو باندی آپس میں بہنیں ہیں ان میں سے ہر کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے تو وہ شخص اب ان میں سے کسی ایک ساتھ بھی جماع نہ سکے گا۔ اور نہ ہی بوسہ لے سکتا ہے اور نہ وہ شہوت کے ساتھ چھو سکتا ہے اور نہ ہی شہوت کے ساتھ شرمگاہ کی جانب دیکھ سکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص ملکیت، نکاح یا اس کو آزاد کر کے کسی دوسرے آدمی پر اس کی فرج کا مالک کر دے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم پر دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے۔ یہ مطلق ہے پس دو مملوکہ باندیوں کو جمع کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس اس فرمان الٰہی کے معارض نہ ہوگا ''یا جو تمہاری ملکیت میں باندیاں ہیں'' کیونکہ ترجیح حرام کو دی جاتی ہے۔ اور اسی طرح نص کے مطلق ہونے کے سبب ان کے درمیان دواعی کو جمع کرنا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ حرمت کے باب میں دواعی وطی بھی وطی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ جس طرح اس سے پہلے ہم اس مسئلہ کو پوری تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔ اور جب اس شخص نے ان دونوں کا بوسہ لیا ہے یا گویا ان دونوں نے مل کر وطی کی ہے اور جب وہ دونوں سے وطی کرنے والا ہے تو اب اس کیلئے کسی ایک ساتھ جماع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ اور نہ ہی دونوں کے ساتھ دواعی کی کوئی وسعت ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے دونوں کا بوسہ لیا ہے یا شہوت کے ساتھ ان کو مس کیا ہے یا شہوت کے ساتھ ان کی شرمگاہ کو دیکھ لیا ہے تو بھی اسی دلیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ ہاں البتہ جب وہ دوسری کی شرمگاہ کا ملکیت یا نکاح کے سبب یا آزاد کر کے کسی دوسرے بندے کو اس کا مالک

بنادیتا ہے کیونکہ جب اس پر شرمگاہ حرام ہو جائے گی۔ تو اب وہ دو بہنوں کو جمع کرنے والا نہ ہوگا۔

شرح

اس کی شرح دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت وحرمت میں جو دلیل بیان ہوئی ہے وہی دلیل یہاں سے بطور استنباط حکم کو ثابت کرنے والی ہوگی۔

تملیک کا تمام اسباب کو شامل ہونے کا بیان

وَقَوْلُهُ بِمِلْكٍ أَرَادَ بِهِ مِلْكَ يَمِينٍ فَيَنْتَظِمُ التَّمْلِيكُ بِسَائِرِ أَسْبَابِهِ بَيْعًا أَوْ غَيْرَهُ ، وَتَمْلِيكُ الشِّقْصِ فِيهِ كَتَمْلِيكِ الْكُلِّ ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ يَحْرُمُ بِهِ ، وَكَذَا إعْتَاقُ الْبَعْضِ مِنْ إحْدَاهُمَا كَإِعْتَاقِ كُلِّهَا ، وَكَذَا الْكِتَابَةُ كَالْإِعْتَاقِ فِي هَذَا لِثُبُوتِ حُرْمَةِ الْوَطْءِ بِذَلِكَ كُلِّهِ ، وَبِرَهْنِ إحْدَاهُمَا وَإِجَارَتِهَا وَتَدْبِيرِهَا لَا تَحِلُّ الْأُخْرَى ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهَا لَا تَخْرُجُ بِهَا عَنْ مِلْكِهِ ، وَقَوْلُهُ أَوْ نِكَاحٍ أَرَادَ بِهِ النِّكَاحَ الصَّحِيحَ .

أَمَّا إذَا زَوَّجَ إحْدَاهُمَا نِكَاحًا فَاسِدًا لَا يُبَاحُ لَهُ وَطْءُ الْأُخْرَى إلَّا أَنْ يَدْخُلَ الزَّوْجُ بِهَا فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ يَجِبُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا ، وَالْعِدَّةُ كَالنِّكَاحِ الصَّحِيحِ فِي التَّحْرِيمِ .

وَلَوْ وَطِئَ إحْدَاهُمَا حَلَّ لَهُ وَطْءُ الْمَوْطُوءَةِ دُونَ الْأُخْرَى ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ جَامِعًا بِوَطْءِ الْأُخْرَى لَا بِوَطْءِ الْمَوْطُوءَةِ .وَكُلُّ امْرَأَتَيْنِ لَا يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا نِكَاحًا فِيمَا ذَكَرْنَاهُ بِمَنْزِلَةِ الْأُخْتَيْنِ .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے فرمان ''ملک کے ساتھ'' سے مراد ملک یمین ہے جو تملیک کے سارے اسباب کو شامل ہے اگر چہ وہ بیع ہے یا ہبہ وغیرہ ہے۔ اور ان احکام میں بعض کی تملیک یہ کل کی طرح ہے۔ کیونکہ وطی کی بعض کی ملکیت کے سبب حرام ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح ان میں سے کسی ایک کے بعض حصہ کو آزاد کرنا کل کو آزاد کرنے کی طرح ہے۔

اور اسی طرح ان احکام میں کتابت بھی اعتاق کی طرح ہے۔ کیونکہ ان سب سے وطی کی حرمت ثابت ہونے والی ہے اور ان میں سے کسی ایک رہن رکھنے سے یا اجارہ پر دینے سے یا اس کو مدبر بنانے سے دوسری بہن حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ پہلی آقا کی ملکیت سے خارج ہونے والی نہیں ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے قول اونکاح سے مراد نکاح صحیح ہے مگر جب آقا نے دونوں بہنوں میں سے کسی ایک کا نکاح فاسد

عقد کے ساتھ کیا ہے تو اس کے ساتھ شوہر کے دخول سے پہلے آقا کیلئے دوسری سے وطی حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ باندی پر بھی عدت واجب ہوتی ہے۔ اور حرمت کے بارے میں عدت نکاح صحیح کی طرح ہے اور جب آقا نے ان میں سے کسی ایک سے ساتھ وطی کی تو اس کیلئے موطوءہ کے ساتھ وطی جائز ہوگی۔ جبکہ دوسری کے ساتھ وطی جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ دوسری کی وطی کے سبب جمع کرنے والا بن جائے گا۔ جبکہ موطوءہ کی وطی سے نہ کہلائے گا اور ایسی دو عورتیں جن کے درمیان نکاح درست نہ ہو ان کا ان تمام صورتوں میں یہی حکم ہوگا۔ جو دو بہنوں کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔

شرح

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کو اپنا پانی پلانے سے منع کیا۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 533)

حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تا کہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ ونسب کا اختلاط نہ ہو۔

غیر حائضہ لونڈی کے بارے میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر پورا ایک یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

مرد کا بوسہ دوسرے مرد کیلئے مکروہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَبِّلَ الرَّجُلُ فَمَ الرَّجُلِ أَوْ يَدَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ أَوْ يُعَانِقَهُ) وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا بَأْسَ بِالتَّقْبِيلِ وَالْمُعَانَقَةِ لِمَا رُوِيَ " (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَانَقَ جَعْفَرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ قَدِمَ مِنْ الْحَبَشَةِ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ) " وَلَهُمَا مَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ الْمُكَامَعَةِ وَهِيَ الْمُعَانَقَةُ ، وَعَنْ

الْمُكَاعَمَةِ وَهِيَ التَّقْبِيلُ " . وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ .
قَالُوا : الْخِلَافُ فِي الْمُعَانَقَةِ فِي إزَارٍ وَاحِدٍ ، أَمَّا إذَا كَانَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ فَلَا بَأْسَ بِهَا بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ الصَّحِيحُ . قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِالْمُصَافَحَةِ) ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَوَارَثُ . وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (مَنْ صَافَحَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَحَرَّكَ يَدَهُ تَنَاثَرَتْ ذُنُوبُهُ) " .

ترجمہ

فرمایا کہ کسی شخص کیلئے کیس دوسرے مرد کا منہ، اس کے ہاتھ یا اس کے بدن کے کسی حصہ کا بوسہ لینا یا اس کے ساتھ معانقہ کرنا مکروہ ہے۔

حضرت امام طحاوی حنفی علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے کہ یہ قول طرفین کا ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مکامعہ کرنے سے منع کیا ہے اور وہی معانقہ ہے اور مکاعمہ سے منع کیا ہے اور وہ بوسہ لینا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت یہ حکم حرمت سے پہلے کی ہے اس کے بعد فقہاء کرام نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ایک چادر میں معانقہ کرنے میں اختلاف ہے مگر جب معانقہ کرنے والے کے جسم پر قمیص یا جبہ ہے تو بہ اتفاق معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حکم صحیح بھی یہی ہے۔

فرمایا کہ مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ لوگوں میں یہ بطور توارث چلا آرہا ہے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

شرح

عورت نے عورت کے مونھ یا رخسارہ کو بوقتِ ملاقات یا بوقتِ رخصت بوسہ دیا، یہ مکروہ ہے۔ (درمختار) عالم یا کسی بڑے کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام ہے۔ جس نے ایسا کیا اور جو اس پر راضی ہوا، دونوں گنہگار ہوئے۔ بوسہ کی چھ قسمیں ہیں (۱) بوسہ رحمت، جیسے والدین کا اولاد کو بوسہ دینا۔ (۲) بوسہ شفقت، جیسے اولاد کا والدین کو بوسہ دینا۔ (۳) بوسہ محبت، جیسے ایک شخص اپنے بھائی کی پیشانی کو بوسہ دے۔ (۴) بوسہ تحیت، جیسے بوقت ملاقات ایک مسلم دوسرے مسلم کو بوسہ دے۔ (۵) بوسہ شہوت، جیسے مرد عورت کو بوسہ دے اور (۶) ایک قسم بوسہ دیانت ہے، جیسے حجر اسود کا بوسہ۔ (نصب الرایہ)

فصل فی البیع

﴿یہ فصل بیع کے احکام میں ہے﴾

فصل بیع کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کھانے پینے، چھونے اور وطی سے متعلق احکام کے بعد اس فصل کو بیان کیا ہے کیونکہ وہ افعال انسان کے بدن سے متعلق ہیں جبکہ یہ متصل بدن نہیں ہیں لہذا جن کا اتصال اکثر تھا ان کے بیان کا حق مقدم تھا۔ اس لئے ان کو مقدم ذکر کر دیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب کراہیہ، بیروت)

گوبر کی بیع کرنے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ السِّرْقِينِ ، وَيُكْرَهُ بَيْعُ الْعَذِرَةِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَجُوزُ بَيْعُ السِّرْقِينِ أَيْضًا ؛ لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ فَشَابَهُ الْعَذِرَةَ وَجِلْدَ الْمَيْتَةِ قَبْلَ الدِّبَاغِ .

وَلَنَا أَنَّهُ مُنْتَفَعٌ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ يُلْقَى فِي الْأَرَاضِي لِاسْتِكْثَارِ الرِّيعِ فَكَانَ مَالًا ، وَالْمَالُ مَحَلٌّ لِلْبَيْعِ . بِخِلَافِ الْعَذِرَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُنْتَفَعُ بِهَا إلَّا مَخْلُوطًا . وَيَجُوزُ بَيْعُ الْمَخْلُوطِ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ .

وَكَذَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِالْمَخْلُوطِ لَا بِغَيْرِ الْمَخْلُوطِ فِي الصَّحِيحِ ، وَالْمَخْلُوطُ بِمَنْزِلَةِ زَيْتٍ خَالَطَتْهُ النَّجَاسَةُ .

ترجمہ

فرمایا کہ گوبر کی بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ پاخانہ کی بیع کرنا مکروہ ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے تو کہا ہے کہ گوبر کی بیع بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے پس وہ پاخانہ اور دباغت سے پہلے والی کھال کے مشابہ ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ گوبر سے نفع حاصل کیا جاتا ہے کیونکہ پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے اس کو زمین میں پھیلایا جاتا ہے پس یہ مال ہو جائے گا اور مال محل بیع ہے۔ جبکہ پاخانہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کو مخلوط کرنے سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا حالانکہ مخلوط کی بیع جائز ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اور صحیح بھی یہی ہے اور اسی طرح کے فرمان کے

مطابق مخلوط سے فائدہ اٹھانا درست ہے جبکہ مخلوط اور غیر مخلوط یہ اس زیتون کی طرح ہوں گے جس میں نجاست مکس ہوگئی ہے۔

شرح

انسان کے پاخانہ کا بیع کرنا ممنوع ہے، گوبر کا بیچنا ممنوع نہیں۔ انسان کے پاخانہ میں مٹی یا راکھ مل کر غالب ہو جائے، جیسے کھات میں مٹی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو بیع بھی جائز ہے اور اس کو کام میں لانا مثلاً کھیت میں ڈالنا بھی جائز ہے۔

معاملات میں ایک قول کے معتبر ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ عَلِمَ بِجَارِيَةٍ أَنَّهَا لِرَجُلٍ فَرَأَى آخَرَ يَبِيعُهَا وَقَالَ وَكَّلَنِي صَاحِبُهَا بِبَيْعِهَا فَإِنَّهُ يَسَعُهُ أَنْ يَبْتَاعَهَا وَيَطَأَهَا) ؛ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ بِخَبَرٍ صَحِيحٍ لَا مُنَازِعَ لَهُ ، وَقَوْلُ الْوَاحِدِ فِي الْمُعَامَلَاتِ مَقْبُولٌ عَلَى أَيِّ وَصْفٍ كَانَ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ . وَكَذَا إذَا قَالَ اشْتَرَيْتهَا مِنْهُ أَوْ وَهَبَهَا لِي أَوْ تَصَدَّقَ بِهَا عَلَيَّ لِمَا قُلْنَا . وَهَذَا إذَا كَانَ ثِقَةً .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی شخص کو پتہ چلا کہ وہ فلاں آدمی کی باندی ہے اس کے بعد اس نے کسی دوسرے بندے کو اسی باندی کو بیچتے ہوئے دیکھ لیا ہے اور بائع نے اس طرح کہا ہے کہ اس باندی کے مالک نے مجھے اس باندی کو بیچنے میں وکیل بنایا ہے تو پہلے خریداری کرنے والے شخص کیلئے اس باندی کے ساتھ جماع کرنے کی وسعت ہوگی۔ کیونکہ بائع ایک صحیح خبر دینے والا ہے جس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ کیونکہ معاملات میں ایک شخص کے قول کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اگر چہ وہ کسی بھی وصف کے ساتھ ہو۔ اسی دلیل کے سبب سے جو کو پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اسی طرح جب اس شخص نے کہا ہے کہ میں نے اس کو خریدا ہے یا اس کے مالک نے مجھے اس کو ہدیہ کیا ہے یا اس نے مجھ پر صدقہ کیا ہے۔ تو بھی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور یہ حکم اس وقت ہوگا جب خبر دینے والا سچا ہے۔

شرح

اور جب یہ معلوم ہے کہ یہ فلاں شخص کی کنیز ہے اور دوسرا شخص اسے بیع کر رہا ہے، یہ بائع کہتا ہے کہ اس نے مجھے بیع کا وکیل کیا ہے یا اس سے میں نے خرید لی ہے یا اس نے مجھے ہبہ کردی ہے تو اس کو خریدنا اور اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ جبکہ وہ شخص ثقہ ہو یا غالب گمان یہ ہو کہ سچ کہتا ہے اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ وہ اس خبر میں جھوٹا ہے تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں اور اگر اس کو خود اس کا علم نہیں کہ یہ فلاں کی ہے، مگر اس بائع ہی نے بتایا کہ یہ فلاں کی ہے اور مجھے اس نے بیع کا وکیل کیا ہے اور وہ بائع ثقہ ہے یا غالب گمان یہ ہے کہ سچ کہتا ہے تو اس کو خریدنا وغیرہ جائز ہے۔

اسی طرح دوسری اشیاء کے متعلق یہ علم ہے کہ فلاں کی ہے اور بیچنے والا کہتا ہے کہ اس نے مجھے بیع کا وکیل کیا ہے یا میں نے

خرید لی ہے یا اس نے ہبہ کردی ہے تو اس کو خریدنا اور اس چیز سے نفع اٹھانا انھیں شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

معاملات کی ضرورت کے سبب مخبر کی عدالت میں وسعت کا بیان

وَكَذَا إذَا كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ ، وَأَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ صَادِقٌ ؛ لِأَنَّ عَدَالَةَ الْمُخْبِرِ فِي الْمُعَامَلَاتِ غَيْرُ لَازِمَةٍ لِلْحَاجَةِ عَلَى مَا مَرَّ ، وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَاذِبٌ لَمْ يَسَعْ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ أَكْبَرَ الرَّأْيِ يُقَامُ مَقَامَ الْيَقِينِ ، وَكَذَا إذَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهَا لِفُلَانٍ ، وَلَكِنْ أَخْبَرَهُ صَاحِبُ الْيَدِ أَنَّهَا لِفُلَانٍ ، وَأَنَّهُ وَكَّلَهُ بِبَيْعِهَا أَوْ اشْتَرَاهَا مِنْهُ ، وَالْمُخْبِرُ ثِقَةٌ قُبِلَ قَوْلُهُ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثِقَةً يُعْتَبَرُ أَكْبَرُ رَأْيِهِ ؛ لِأَنَّ إخْبَارَهُ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ ، وَإِنْ لَمْ يُخْبِرْهُ صَاحِبُ الْيَدِ بِشَيْءٍ .

فَإِنْ كَانَ عَرَفَهَا لِلْأَوَّلِ لَمْ يَشْتَرِهَا حَتَّى يَعْلَمَ انْتِقَالَهَا إلَى مِلْكِ الثَّانِي ؛ لِأَنَّ يَدَ الْأَوَّلِ دَلِيلُ مِلْكِهِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَعْرِفُ ذَلِكَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَهَا وَإِنْ كَانَ ذُو الْيَدِ فَاسِقًا ؛ لِأَنَّ يَدَ الْفَاسِقِ دَلِيلُ الْمِلْكِ فِي حَقِّ الْفَاسِقِ وَالْعَدْلِ وَلَمْ يُعَارِضْهُ مُعَارِضٌ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِأَكْبَرِ الرَّأْيِ عِنْدَ وُجُودِ الدَّلِيلِ الظَّاهِرِ إلَّا أَنْ يَكُونَ مِثْلُهُ لَا يَمْلِكُ مِثْلَ ذَلِكَ ، فَحِينَئِذٍ يُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَتَنَزَّهَ ، وَمَعَ ذَلِكَ لَوْ اشْتَرَاهَا يُرْجَى أَنْ يَكُونَ فِي سَعَةٍ مِنْ ذَلِكَ لِاعْتِمَادِهِ الدَّلِيلَ الشَّرْعِيَّ .

ترجمہ

اور جب خبر دینے والا شخص کوئی ثقہ آدمی نہیں ہے مگر سننے والے کا غالب گمان کے مطابق وہ سچا ہے کیونکہ معاملات کی ضرورت کے سبب مخبر کی عدالت کا ہونا لازم نہیں ہے۔ اسی دلیل کے سبب جو اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ مگر جب غالب گمان یہ ہے کہ خبر دینے والا جھوٹا ہے تو اس کیلئے کسی قسم کا کوئی تعرض کرنا مباح نہ ہوگا کیونکہ غالب گمان یقین کے حکم میں ہوتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور اسی طرح جب اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ یہ باندی فلاں آدمی کی ہے مگر جب قبضہ کرنے والے نے خبر دی ہے کہ یہ باندی فلاں شخص کی ہے اور اس نے اس کو بیچنے میں وکیل بنایا ہے یا قبضہ کرنے والے نے مالک سے اس کو خرید لیا ہے اور وہ خبر دینے والا سچا بھی ہے۔ تو اس کی بات کو تسلیم کرلیا جائے گا۔ مگر جب وہ سچا نہیں ہے تو اس کے غالب گمان کو اعتبار کرلیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی خبر اس کے اپنے بارے میں تو دلیل ہے اور جب قبضہ کرنے والے نے اس کو کچھ نہ بتایا ہے اور وہ اس باندی کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ فلاں پہلے بندے کی ہے تو وہ باندی دوسرے قبضہ کرنے والے کی ملکیت میں چلی گئی ہے ت وہ جاننے سے قبل اس کو نہ

خریدے کیونکہ قبضے کا پہلے ہونا یہ اس کی ملکیت کی دلیل ہے۔

اور جب باندی کو پہلے ملکیت میں ہونے کا اس کو پتہ بھی نہیں ہے تو اب وہ شخص اس کو خرید سکتا ہے۔ خواہ قبضہ کرنے والا کوئی فاسق ہے۔ کیونکہ فاسق کا قبضہ بھی اس کے حق ملکیت میں دلیل ہے۔ اور اسی طرح عادل کے حق میں بھی دلیل ہے کیونکہ اس کا کوئی معارض تو ہے نہیں۔ جبکہ ظاہری دلیل پائی جانے کی وجہ سے غالب گمان کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ ہاں البتہ جب اس قسم کا کوئی بندہ اس قسم کی کسی چیز کا مالک بننے کا اہل نہ ہو۔ تو تب اس کیلئے اس کو بیچنا مستحب ہے۔ مگر اس کے باوجود جب اس نے اس کو خرید لیا ہے۔ تو اس میں وسعت کی امید کی جاسکتی ہے کیونکہ اس کے بارے میں اعتماد دلیل شرعی ہے۔

شرح

جو شخص چیز کو بیع کر رہا ہے اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ چیز میرے پاس اس طرح آئی اور مشتری کو معلوم ہے کہ یہ چیز فلاں کی ہے تو جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ یہ چیز اس کو یوں ملی ہے، اسے نہ خریدے۔ مشتری کو یہ نہیں معلوم ہے کہ چیز کسی دوسرے شخص کی ہے تو بیچنے والے سے خریدنا جائز ہے کہ اس کے قبضہ میں ہونا اس کی ملک کی دلیل ہے اور اس کا معارض پایا نہیں گیا۔ پھر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ دوسرے کی ملک کا توہم کیا جائے۔

ہاں اگر وہ چیز ایسی ہے کہ اس جیسے شخص کی نہیں ہو سکتی مثلاً وہ چیز بیش قیمت ہے اور یہ شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس کی ہوگی یا جاہل کے پاس کتاب ہے اور اس کے باپ دادا بھی عالم نہ تھے کہ اسے میراث میں ملی ہو تو اس صورت میں اس کی خریداری سے بچنا چاہیے اور اس کے باوجود اس نے خرید ہی لی تو خریدنا جائز ہے، کیونکہ خریدار نے دلیل شرعی پر اعتماد کر کے خریدا ہے یعنی قبضہ کو ملک کی دلیل قرار دیا ہے۔

غلام سے باندی کو ثبوت سے پہلے نہ خریدنے کا بیان

وَإِنْ كَانَ الَّذِي أَتَاهُ بِهَا عَبْدًا أَوْ أَمَةً لَمْ يَقْبَلْهَا وَلَمْ يَشْتَرِهَا حَتَّى يَسْأَلَ ؛ لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ لَا مِلْكَ لَهُ فَيَعْلَمُ أَنَّ الْمِلْكَ فِيهَا لِغَيْرِهِ ، فَإِنْ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَوْلَاهُ أَذِنَ لَهُ وَهُوَ ثِقَةٌ قُبِلَ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثِقَةً يُعْتَبَرُ أَكْبَرُ الرَّأْيِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ لَمْ يَشْتَرِهَا لِقِيَامِ الْحَاجِرِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَلِيلٍ .

ترجمہ

اور جب کسی غلام نے باندی کو یا کسی باندی نے باندی کو بیچنے کیلئے لایا ہے تو ثبوت سے پہلے وہ اس کو نہ خریدے اور نہ اس کو قبول کرے۔ کیونکہ مملوک کی کوئی ملکیت نہیں ہوا کرتی۔ پس جب یہ پتہ چل جائے کہ اس میں کسی دوسرے کی ملکیت ہے اور اس کے بعد غلام جب یہ اطلاع دے دیتا ہے کہ اس کے آقا نے اس کو ماذون بنایا ہے اور وہ خود بھی اعتماد والا ہے تو اس کی بات کو مان لیا

ب اس کو اجازت نہ ہو تو غالب گمان کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جب خریدار کوئی ارادہ ظاہر نہ کرے گا تو وہ اس کو نہ خریدے
گا۔ اور جب
کیونکہ بیع پایا جارہا ہے۔ پس اس کیلئے کسی دلیل کا ہونا لازم ہے۔

ثقہ آدمی کی خبر پر طلاق وعدت کے حکم کا بیان

قَالَ (وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً أَخْبَرَهَا ثِقَةٌ أَنَّ زَوْجَهَا الْغَائِبَ مَاتَ عَنْهَا ، أَوْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا أَوْ كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ وَأَتَاهَا بِكِتَابٍ مِنْ زَوْجِهَا بِالطَّلَاقِ ، وَلَا تَدْرِي أَنَّهُ كِتَابُهُ أَمْ لَا .

إِلَّا أَنَّ أَكْبَرَ رَأْيِهَا أَنَّهُ حَقٌّ) يَعْنِي بَعْدَ التَّحَرِّي (فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَعْتَدَّ ثُمَّ تَتَزَوَّجَ) ؛ لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ وَلَا مُنَازِعَ ، وَكَذَا لَوْ قَالَتْ لِرَجُلٍ طَلَّقَنِي زَوْجِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي فَلَا بَأْسَ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا .

وَكَذَا إِذَا قَالَتْ الْمُطَلَّقَةُ الثَّلَاثَ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَتَزَوَّجْت بِزَوْجٍ آخَرَ ، وَدَخَلَ بِي ثُمَّ طَلَّقَنِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَتَزَوَّجَهَا الزَّوْجُ الْأَوَّلُ ، وَكَذَا لَوْ قَالَتْ جَارِيَةٌ كُنْت أَمَةَ فُلَانٍ فَأَعْتَقَنِي ؛ لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب کسی ثقہ آدمی نے کسی عورت کو یہ خبر دی ہے کہ اس کا غائب خاوند فوت ہو چکا ہے یا اس نے طلاق ثلاثہ دے دی ہے اور یا پھر وہ شخص ثقہ نہیں ہے مگر وہ آدمی اس کے خاوند کا طلاق نامہ لیتے ہوئے اس کے پاس آیا ہے اور وہ عورت نہیں جانتی کہ وہ خط اس کے خاوند کا ہے یا نہیں ہے لیکن کوشش کے بعد غالب گمان کے طور پر معلوم ہوا کہ وہ خط صحیح ہے تو اس عورت کیلئے جائز ہوگا کہ وہ عدت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ کیونکہ زوجیت کو ختم کرنے والا عارضہ ہے اور کوئی چیز اس کے معارض بھی نہیں ہے۔

اور اسی طرح جب کسی عورت نے کسی شخص سے کہا کہ میرے خاوند نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور میری عدت بھی مکمل ہو چکی ہے تو اس شخص کیلئے اس عورت سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

اور اسی طرح جب طلاق ثلاثہ والی عورت نے کہا ہے کہ میری عدت مکمل ہو چکی ہے میں نے دوسرے آدمی سے نکاح کیا ہے اور اس نے بھی میرے ساتھ دخول کرنے کے بعد مجھے طلاق دے دی ہے اور میری دوسری عدت بھی مکمل ہو چکی ہے تو اب پہلے شوہر کیلئے اس عورت سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ اور اسی طرح جب باندی نے کہا ہے کہ میں فلاں شخص کی باندی ہوں اور اس نے مجھ کو آزاد کر دیا ہے کیونکہ یہ طاری ہونے والا قاطع ہے۔

عورت کو نکاح فاسد کی خبر دینے کا بیان

وَلَوْ أَخْبَرَهَا مُخْبِرٌ أَنَّ أَصْلَ النِّكَاحِ كَانَ فَاسِدًا أَوْ كَانَ الزَّوْجُ حِينَ تَزَوَّجَهَا مُرْتَدًّا أَوْ أَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ حَتَّى يَشْهَدَ بِذَلِكَ رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ .

وَكَذَا إِذَا أَخْبَرَهُ مُخْبِرٌ أَنَّكَ تَزَوَّجْتَهَا وَهِيَ مُرْتَدَّةٌ أَوْ أُخْتُكَ مِنَ الرَّضَاعَةِ لَمْ يَتَزَوَّجْ بِأُخْتِهَا أَوْ أَرْبَعٍ سِوَاهَا حَتَّى يَشْهَدَ بِذَلِكَ عَدْلَانِ ؛ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ بِفَسَادٍ مُقَارِنٍ ، وَالْإِقْدَامُ عَلَى الْعَقْدِ يَدُلُّ عَلَى صِحَّتِهِ وَإِنْكَارِ فَسَادِهِ فَثَبَتَ الْمُنَازِعُ بِالظَّاهِرِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ الْمَنْكُوحَةُ صَغِيرَةً فَأَخْبَرَ الزَّوْجُ أَنَّهَا ارْتَضَعَتْ مِنْ أُمِّهِ أَوْ أُخْتِهِ حَيْثُ يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِيهِ ؛ لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ ، وَالْإِقْدَامُ الْأَوَّلُ لَا يَدُلُّ عَلَى انْعِدَامِهِ فَلَمْ يَثْبُتْ الْمُنَازِعُ فَافْتَرَقَا ، وَعَلَى هَذَا الْحَرْفِ يَدُورُ الْفَرْقُ .

وَلَوْ كَانَتْ جَارِيَةٌ صَغِيرَةٌ لَا تُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهَا فِي يَدِ رَجُلٍ يَدَّعِي أَنَّهَا لَهُ فَلَمَّا كَبُرَتْ لَقِيَهَا رَجُلٌ فِي بَلَدٍ آخَرَ فَقَالَتْ أَنَا حُرَّةُ الْأَصْلِ لَمْ يَسَعْهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا لِتَحَقُّقِ الْمُنَازِعِ وَهُوَ ذُو الْيَدِ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے عورت کو یہ خبر دی کہ اس کا اصل نکاح فاسد تھا یا نکاح کے وقت اس کا خاوند مرتد تھا یا وہ اس کا رضاعی بھائی تھا تو اس شخص کے قول کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔حتیٰ کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں اس کی شہادت نہ دے لیں۔اور اسی طرح جب کسی خبر دینے والے بتایا ہے تم نے ارتداد والی حالت میں عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے یا تم نے اس وقت نکاح کیا تھا جبکہ وہ تمہاری رضاعی بہن تھی۔تو اب خاوند اس بیوی کی بہن یا اس کے سوا چوتھی عورت سے نکاح نہ کرے۔حتیٰ کہ دو عادل گواہ اس کی شہادت دیں کیونکہ خبر دینے والا ایسے فساد کی اطلاع دینے والا ہے جو عقد کے ساتھ ملا ہوا ہے۔اور عقد پر کسی چیز کا اقدام کرنا یہ صحت عقد اور فساد کے انکار پر دلالت کرنے والا ہے۔پس ظاہر کے مطابق جھگڑا ثابت ہو جائے گا۔

جبکہ یہ مسئلہ اس صورت میں نہ ہوگا کہ جب منکوحہ چھوٹی ہے اور خاوند کی یہ خبر دی گئی ہے کہ اس کی منکوحہ نے اس کی ماں یا اس کی بہن کا دودھ پیا ہوا ہے پس اس موقع پر ایک آدمی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔کیونکہ یہاں بھی قاطع طاری ہونے والا ہے۔

جبکہ پہلا اقدام یہ رضاعت نہ ہونے پر دلالت کرنے والا نہیں ہے۔تو جھگڑا بھی ثابت نہ ہوگا اور یہ دونوں مسائل جدا ہو جائیں گے۔اور فرق کا دارومدار یہی حرف ہے۔

اور جب کوئی چھوٹی باندی جو اپنی ترجمانی نہیں کر سکتی کسی شخص کے قبضہ میں ہے اور اس بندے نے یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ وہ میری ہے اور اس کے بعد جب وہ بڑی ہو گئی تو اس کو کوئی شخص ملا اس نے اس کو بتا دیا کہ میں اصل کے اعتبار سے آزاد ہوں تو اس کیلئے اس سے نکاح کرنا میں وسعت نہ ہوگی۔ کیونکہ جھگڑا اٹھنے والا موجود ہے جبکہ یہ گزشتہ صورت کے خلاف ہے۔

شرح

اس مسئلہ دلیل فاسق کے قول کو قبول نہ کرنے کے دلائل کے ساتھ ہم پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔

شراب کی قیمت کو بطور قرض وصول کرنے میں کراہت کا بیان

قَالَ (وَإِذَا بَاعَ الْمُسْلِمُ خَمْرًا وَأَخَذَ ثَمَنَهَا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ لِصَاحِبِ الدَّيْنِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ ، وَإِنْ كَانَ الْبَائِعُ نَصْرَانِيًّا فَلَا بَأْسَ بِهِ) وَالْفَرْقُ أَنَّ الْبَيْعَ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ قَدْ بَطَلَ ؛ لِأَنَّ الْخَمْرَ لَيْسَ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَبَقِيَ الثَّمَنُ عَلَى مِلْكِ الْمُشْتَرِي فَلَا يَحِلُّ أَخْذُهُ مِنْ الْبَائِعِ .

وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي صَحَّ الْبَيْعُ ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فِي حَقِّ الذِّمِّيِّ فَمَلَكَهُ الْبَائِعُ فَيَحِلُّ الْأَخْذُ مِنْهُ .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب کسی مسلمان آدمی نے شراب کو فروخت کیا ہے اور اس کی قیمت لی اور اس شخص پر قرض بھی ہے تو قرض والے کا مسلمان سے قرض لینا مکروہ ہے اور اگر اسکو بیچنے والا نصرانی ہے تب کوئی حرج نہ ہوگا۔ اور ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ صورت اول میں بیع باطل ہے کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب مال متقوم نہیں ہے پس قیمت خریدار کے حق میں باقی رہنے والی ہے۔ تو بائع کیلئے اس سے وہ قیمت لینا حلال نہ ہوگا۔ جبکہ دوسری صورت بیع درست ہے کیونکہ ذمی کے حق میں شراب مال متقوم ہے پس بائع اسکا مالک بن جائے گا۔ اور اس سے وہ قیمت لینا حلال ہوگا۔

شرح

شراب کا مال متقوم نہ ہونا یہ بھی کئی مقامات پر ہم دلائل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی کرنے میں کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ الِاحْتِكَارُ فِي أَقْوَاتِ الْآدَمِيِّينَ وَالْبَهَائِمِ إذَا كَانَ ذَلِكَ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ الِاحْتِكَارُ بِأَهْلِهِ وَكَذَلِكَ التَّلَقِّي .

فَأَمَّا إِذَا كَانَ لَا يَضُرُّ فَلَا بَأْسَ بِهِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ) وَلِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ ، وَفِي الِامْتِنَاعِ عَنْ الْبَيْعِ إِبْطَالُ حَقِّهِمْ وَتَضْيِيقُ الْأَمْرِ عَلَيْهِمْ فَيُكْرَهُ إِذَا كَانَ يَضُرُّ بِهِمْ ذَلِكَ بِأَنْ كَانَتْ الْبَلْدَةُ صَغِيرَةً ، بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَضُرَّ بِأَنْ كَانَ الْمِصْرُ كَبِيرًا ؛ لِأَنَّهُ حَابِسٌ مِلْكَهُ مِنْ غَيْرِ إِضْرَارٍ بِغَيْرِهِ ، وَكَذَلِكَ التَّلَقِّي عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (؛ نَهَى عَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ وَعَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ) .

ترجمہ

فرمایا کہ انسانوں اور جانوروں کے غلے کو روکنا مکروہ ہے لیکن شرط یہ ہے کسی ایسے شہر میں روکا جائے کہ احتکار کرنا شہر والوں کیلئے نقصان پہنچانے والا ہے۔اور اسی طرح تلقی بھی مکروہ ہے۔اور جب احتکار شہر والوں کیلئے نقصان دہ نہ ہوتو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان اقدس دلیل ہے کہ جلب کرنے والا مرزوق جبکہ احتکار کرنے والا ملعون ہے۔ کیونکہ اس میں بھی لوگوں کا حق متعلق ہے اور بیع سے روکنے کے سبب ان کے حق کو باطل کرنا اور معاملات میں ان پرسختی کرنا ہے۔پس یہ نقصان کی شرط کے ساتھ مکروہ ہوگا۔اور اس وقت ہوگا کہ جب شہر چھوٹا ہے۔ جبکہ اس مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب احتکار کرنا نقصان دہ نہ ہوا گرچہ بڑا شہر ہے۔ کیونکہ اب احتکار کرنے والا کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر اپنی ملکیت میں روکنے والا ہے۔اور بیع تلقی میں بھی اسی طرح کی وضاحت کے حکم ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تلقی جلب اور تلقی رکبان سے منع کیا ہے۔

احتکار کا لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

احتکار کا معنی لغوی طور پر معنی ہیں گراں فروشی کی نیت سے غلہ کی ذخیرہ اندوزی۔اور شریعت کی اصطلاح میں احتکار کا مفہوم ہے ہر ایسی چیز کو مہنگا بیچنے کے لئے روک رکھنا جو انسان یا حیوان کی غذائی ضرورت میں کام آتی ہو۔مثلاً گراں بازاری کے زمانے میں جب کہ مخلوق خدا کو غلہ وغیرہ کی زیادہ ضرورت ہو کوئی شخص غلہ خرید کر اس نیت سے اپنے پاس روک رکھے کہ جب اور زیادہ گرانی ہوگی تو اسے بیچوں گا یہ احتکار کہلاتا ہے۔

احتکار کا شریعت کی نظر میں حرام ہونے کا بیان

شرعی نقطہ نظر سے احتکار حرام ہے اس قابل نفریں فعل میں مبتلا ہونے والا شخص شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ہاں اگر کوئی شخص اپنی زمین سے پیدا شدہ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے یا ارزانی کے زمانہ میں غلہ خرید کر رکھ چھوڑے اور پھر اسے گرانی کے وقت بیچے تو یہ حرام نہیں ہے اسی طرح اشیاء کو روک رکھنا جو غذائی ضروریات میں استعمال نہ ہوتی ہوں حرام نہیں ہے۔

ہدایہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی غذائی چیزوں کا احتکار مکروہ ہے بشرطیکہ یہ احتکار ایسے شہر میں ہو جہاں اس کی وجہ سے شہر والوں کو تکلیف ونقصان نہ پہنچے یعنی اگر کوئی چھوٹا شہر ہوتو وہاں احتکار کی وجہ سے چونکہ غلہ کی قلت پیدا ہو جائے گی جس کی بناپر غلہ کی گرانی بڑھ جائے گی اور لوگوں کونقصان پہنچے گا اس لئے ایسے شہر میں احتکار ممنوع ہوگا ہاں اگر بڑا شہر ہو اور وہاں کسی کے احتکار کی وجہ سے اہل شہر کونقصان نہ پہنچ سکتا ہوتو پھر ایسے شہر میں احتکار ممنوع نہ ہوگا۔ اسی طرح ہدایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص زمین کے غلہ کا احتکار کرے یا کسی اور شہر سے غلہ خرید کر لائے اور اس کو احتکار کرے تو ایسے شخص کو شرعی طور پر احتکار کرنے والا نہیں کہیں گے۔

احتکار ممنوع ہے۔ احتکار کے یہ معنی ہیں کہ کھانے کی چیز کو اس لیے روکنا کہ گراں ہونے پر فروخت کریگا۔ احادیث میں اس بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

ایک حدیث میں یہ ہے "جو چالیس روز تک احتکار کریگا، اللہ تعالیٰ اس کو جذام وافلاس میں مبتلا کریگا۔ دوسری حدیث میں یہ ہے کہ "وہ اللہ (عزوجل) سے بری اور اللہ (عزوجل) اُس سے بری۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ "اُس پر اللہ (عزوجل) اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ اس کے نفل قبول کریگا نہ فرض۔

احتکار انسان کے کھانے کی چیزوں میں بھی ہوتا ہے، مثلاً اناج اور انگور بادام وغیرہ اور جانوروں کے چارہ یہ بھی ہوتا ہے جیسے گھاس، بھوسا۔ (درمختار، ردالمختار، کتاب کراہیہ، بیروت)

ریٹ چھپانے کے سبب تلقی کی کراہت کا بیان

قَالُوا هَـذَا إِذَا لَـمْ يُلَبِّسْ الْمُتَلَقِّي عَلَى التُّجَّارِ سِعْرَ الْبَلْدَةِ .فَإِنْ لَبَّسَ فَهُوَ مَكْرُوهٌ فِي الْوَجْهَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ غَادِرٌ بِهِمْ .وَتَخْصِيصُ الِاحْتِكَارِ بِالْأَقْوَاتِ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتِّبْنِ وَالْقَتِّ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ كُلُّ مَا أَضَرَّ بِالْعَامَّةِ حَبْسُهُ فَهُوَ احْتِكَارٌ وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً أَوْ ثَوْبًا .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ قَالَ : لَا احْتِكَارَ فِي الثِّيَابِ ؛ فَأَبُو يُوسُفَ اعْتَبَرَ حَقِيقَةَ الضَّرَرِ إذْ هُوَ الْمُؤَثِّرُ فِي الْكَرَاهَةِ ، وَأَبُو حَنِيفَةَ اعْتَبَرَ الضَّرَرَ الْمَعْهُودَ الْمُتَعَارَفَ .

ترجمہ

مشائخ فقہاء نے کہا ہے یہ مسئلہ اس وقت ہوگا کہ جب بیع تلقی کرنے والا تاجروں سے شہر کے ریٹ نہ چھپائے اور اگر اس نے ریٹ چھپائے تو پھر دونوں صورتوں میں یہ بیع مکروہ ہوگی۔ کیونکہ وہ تجار سے دھوکہ کرنے والا ہے۔ اور غلے میں گندم، جو، بھوسہ

اور بریشم وغیرہ کے ساتھ احتکار کرنا میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس کو روکنے سے شہر والوں کیلئے نقصان ہو وہی احتکار ہوگی۔ اگرچہ سونا چاندی یا کپڑا ہے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے یہاں حقیقت میں نقصان کا اعتبار کیا ہے۔ کیونکہ کراہت میں یہ چیز اثر انداز ہونے والی ہے۔ جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے نقصان جو معہود اور عرف عام میں ہے اس کا اعتبار کیا ہے۔

دھوکے کے سبب بیع کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلقی جلب سے ممانعت فرمائی۔ یعنی باہر سے تاجر جو غلہ لا رہے ہیں اُن کے شہر میں پہنچنے سے قبل باہر جا کر خرید لینا اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اہل شہر کو غلہ کی ضرورت ہے اور یہ اس لیے ایسا کرتا ہے کہ غلہ ہمارے قبضہ میں ہوگا نرخ زیادہ کر کے بیچیں گے دوسری صورت یہ ہے کہ غلہ لانے والے تجار کو شہر کا نرخ غلط بتا کر خریدے، مثلاً شہر میں پندرہ سیر کے گیہوں بکتے ہیں، اس نے کہہ دیا اٹھارہ سیر کے ہیں دھوکا دیکر خریدنا چاہتا ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو ممانعت نہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا: کہ شہری آدمی دیہاتی کے لیے بیع کرے یعنی دیہاتی کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے بازار میں آتا ہے مگر وہ ناواقف ہے سستی بیچ ڈالے گا شہری کہتا ہے تو مت بیچ، میں اچھے داموں بیچ دونگا، یہ دلال بن کر بیچتا ہے اور حدیث کا مطلب بعض فقہا نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اہل شہر قحط میں مبتلا ہوں ان کو خود غلہ کی حاجت ہو ایسی صورت میں شہر کا غلہ باہر والوں کے ہاتھ گراں کر کے بیع کرنا ممنوع ہے کہ اس سے اہل شہر کو ضرر پہنچے گا اور اگر یہاں والوں کو احتیاج نہ ہو تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

احتکار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے میں حکم کا بیان

ثُمَّ الْمُدَّةُ إذَا قَصُرَتْ لَا يَكُونُ احْتِكَارًا لِعَدَمِ الضَّرَرِ ، وَإِذَا طَالَتْ يَكُونُ احْتِكَارًا مَكْرُوهًا لِتَحَقُّقِ الضَّرَرِ .

ثُمَّ قِيلَ : هِيَ مُقَدَّرَةٌ بِأَرْبَعِينَ يَوْمًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَدْ بَرِءَ مِنْ اللَّهِ وَبَرِءَ اللَّهُ مِنْهُ) وَقِيلَ بِالشَّهْرِ ؛ لِأَنَّ مَا دُونَهُ قَلِيلٌ عَاجِلٌ ، وَالشَّهْرُ وَمَا فَوْقَهُ كَثِيرٌ آجِلٌ ، وَقَدْ مَرَّ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ ، وَيَقَعُ التَّفَاوُتُ فِي الْمَأْثَمِ بَيْنَ أَنْ يَتَرَبَّصَ الْعِزَّةَ وَبَيْنَ أَنْ يَتَرَبَّصَ الْقَحْطَ وَالْعِيَاذُ بِاَللَّهِ ، وَقِيلَ الْمُدَّةُ لِلْمُعَاقَبَةِ فِي الدُّنْيَا إمَّا يَأْثَمُ وَإِنْ قَلَّتْ الْمُدَّةُ . وَالْحَاصِلُ أَنَّ التِّجَارَةَ فِي الطَّعَامِ غَيْرُ مَحْمُودَةٍ .

ترجمہ: اور جب روکنے کی مدت کم ہے تو نقصان نہ ہونے کی وجہ سے احتکار نہ ہوگا اور اگر مدت لمبی ہے تو نقصان ثابت ہونے سے وہ احتکار ہو کر مکروہ ہوگا۔ اور ایک قول کے مطابق اس کی مدت چالیس دن ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے چالیس دن تک غلے کو روکے رکھا تو وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدت ایک مہینے کے حساب سے ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ جو مدت ہے وہ تھوڑی ہے۔ اور جلدی ہے جبکہ ایک مہینہ اس سے زیادہ ہے اور یہ آجل ہے۔ اور بحث کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔

اور مہنگائی اور قحط کے اعتبار سے دونوں کے درمیان انتظار کرنے کی وجہ سے گناہ میں فرق ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مدت دنیاوی سزا کے مطابق ہے۔ جبکہ گناہگار وہ ہوگا خواہ اس مدت کم ہو۔ اس بحث سے حاصل یہ ہوا کہ غلے کی تجارت قابل تعریف نہیں ہے۔

احتکار کرنے والے کیلئے سخت وعید کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم یہ فرماتے تھے کہ جو شخص غلہ روک کر گراں نرخ پر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جذام وافلاس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 121)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق خدا اور خاص طور پر مسلمانوں کو تکلیف ونقصان میں ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جسمانی و مالی بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے اور جو شخص انہیں نفع وفائدہ پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے جسم ومال میں خیر وبرکت عطا فرماتا ہے۔

(۵) اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے چالیس دن تک گرانی کے خیال سے غلہ روک رکھا گویا وہ خدا سے بیزار ہوا اور خدا اس سے بیزار ہوا۔

وہ خدا سے بیزار ہوا کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا وہ عہد توڑ ڈالا جو اس نے احکام شریعت کی بجاآوری اور مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی وشفقت کے سلسلے میں باندھا ہے۔

اسی طرح اور خدا اس سے بیزار ہوا کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اس بدترین عمل کے ذریعہ مخلوق خدا کی پریشانی وتکلیف کا سامان کیا تو خدا نے اس پر سے اپنی حفاظت اٹھالی اور اس کو اپنا نظر کرم وعنایت سے دور کر دیا۔

(۶) اور حضرت معاذ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلہ وغیرہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا بندہ برا ہے اگر اللہ تعالیٰ نرخوں میں ارزانی کرتا ہے تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے اور اگر نرخوں کو گراں کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

(۷) اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو چالیس روز تک روکے رکھا اور پھر اسے خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ نہیں ہوگا۔

یہ گویا اس شخص کے لئے وعید وسزا ہے جو چالیس دن تک گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو روکے رکھے کہ نہ تو اسے بازار میں بیچے اور نہ اس کے ذریعہ مخلوق خدا کی غذائی ضروریات کو پورا کرے اور جو شخص اس سے کم مدت کے لئے احتکار کرے اس کی بھی سزا ہے مگر اس سے کم درجہ کی۔

زمین کا غلہ روک کر دوسرے شہر میں لانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ احْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهِ أَوْ مَا جَلَبَهُ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ لَا يَزْرَعَ فَكَذَلِكَ لَهُ أَنْ لَا يَبِيعَ .وَأَمَّا الثَّانِي فَالْمَذْكُورُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْعَامَّةِ إنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِمَا جُمِعَ فِي الْمِصْرِ وَجُلِبَ إلَى فِنَائِهَا .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يُكْرَهُ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : كُلُّ مَا يُجْلَبُ مِنْهُ إلَى الْمِصْرِ فِي الْغَالِبِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ فِنَاءِ الْمِصْرِ يَحْرُمُ الِاحْتِكَارُ فِيهِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعَامَّةِ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ الْبَلَدُ بَعِيدًا لَمْ تَجْرِ الْعَادَةُ بِالْحَمْلِ مِنْهُ إلَى الْمِصْرِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ .

ترجمہ

اور جس بندے نے اپنی زمین کا غلے کو روک لیا یا وہ اس کو دوسرے شہر سے لایا ہے تو یہ احتکار مکروہ نہیں ہے جبکہ پہلا قول اس دلیل سے ہے کہ وہ خاص اسی کا حق ہے۔ جبکہ اس سے لوگوں کا حق متعلق نہیں ہے۔ کیا تم غور وفکر نہیں کرتے کہ اس کو زراعت نہ کرنے کا اختیار ہے۔ پس اسی طرح اس کو نہ بیچنے کا حق بھی ہوگا۔ جبکہ دوسرا مسئلہ کو ذکر کیا گیا ہے وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کیونکہ لوگوں کا حق اس وقت متعلق ہوگا جب شہر میں غلے کو اکٹھا کر کے شہر کی حدوں پر لے جایا جائے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حدیث کے مطلق ہونے کے سبب یہ بھی مکروہ ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جگہ جہاں عام طور پر شہر میں غلے کو لایا جاتا ہے وہ شہر کی حدوں میں داخل ہے اور لوگوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے اس میں احتکار مکروہ ہے۔ جبکہ یہی مسئلہ اس کے خلاف ہے کہ جب وہ بڑا شہر ہے اور وہاں سے غلے کو لانا رائج ہے کیونکہ اس میں لوگوں کا حق متعلق نہ ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اپنی زمین کا غلہ روک لینا احتکار نہیں۔ ہاں اگر یہ شخص گرانی یا قحط کا منتظر ہے تو اس بری نیت کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور اس صورت میں بھی اگر عام لوگوں کو غلہ کی حاجت ہو اور غلہ دستیاب نہ ہوتا ہو تو قاضی اسے بیع کرنے پر مجبور کریگا۔

دوسری جگہ سے غلہ خرید کرلایا، اگر وہاں سے عموماً یہاں غلہ آتا ہے تو اس کا روکنا بھی احتکار ہے اور اگر وہاں سے یہاں غلہ لانے کی عادت جاری نہ ہو تو روکنا احتکار نہیں۔ مگر اس صورت میں بھی بیچ ڈالنا مستحب ہے کہ روکنے میں یہاں بھی ایک قسم کی کراہت ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

بادشاہ وقت کیلئے ریٹ مقرر کرنے کا اختیار نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَنْبَغِي لِلسُّلْطَانِ أَنْ يُسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُسَعِّرُوا فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ) وَلِأَنَّ الثَّمَنَ حَقُّ الْعَاقِدِ فَإِلَيْهِ تَقْدِيرُهُ ، فَلَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِحَقِّهِ إلَّا إذَا تَعَلَّقَ بِهِ دَفْعُ ضَرَرِ الْعَامَّةِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ

ترجمہ

فرمایا کہ سلطان کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر ریٹ مقرر کردے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھاؤ مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالی بھاؤ مقرر کرنے والا، قبضہ کرنے والا، وسعت دینے والا اور رزق دینے والا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ قیمت یہ عقد کرنے والا کا حق ہے۔ پس اس کو معین کرنا اسی کے ذمہ پر ہوگا۔ پس امام کو اس کے حق میں دخل اندازی نہ دینا ہوگی۔ ہاں البتہ جب اس کے سبب سے لوگوں سے نقصان کو دور کرنا مقصود ہو جس طرح ہم بیان کرآئے ہیں۔

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ مہنگا ہوگیا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے نرخ مقرر فرما دیجئے یعنی تاجروں کو حکم دیدیجئے کہ وہ اس نرخ سے غلہ فروخت کیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی ہی نرخ مقرر کرنے والا اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا اللہ ہی فراخی دینے والا اور اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ میں اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں کہ میں اللہ تعالی سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر تم میں سے کسی کے خون اور مال کا کوئی مطالبہ نہ ہو۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 120)

اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے کا مطلب یہ ہے کہ گرانی اور ارزانی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے نرخ جسکا ظاہری سبب بنتا ہے چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کبھی تو نرخوں میں کمی اور ارزانی کے ذریعے لوگوں کے رزق میں وسعت وفراخی پیدا کرتا ہے اسی کو بعض لوگ نرخ آسمانی سے تعبیر کرتے ہیں لہذا جب گراں بازاری کا دور ہو اور نرخوں میں اضافے ہو جائیں تو اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے اپنے عقائد واعمال میں درستی اور اصلاحی کرکے خدا کی رضا وخوشنودی کا سامان کیا جائے تا کہ وہ اپنے بندوں سے خوش ہو اور ان پر ارزانی وسعت رزق کی رحمت نازل فرمائے۔

حدیث کے آخری جزء میں اس بات کا امیدوار اور خواہشمند ہوں سے دراصل اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ سرکار وحکومت کی

طرف سے نرخ مقرر کیا جانا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح لوگوں کے معاملات میں بیجا دخل اندازی ہوتی ہے اوران کے مال میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا لازم آتا ہے جو ظلم کی ایک صورت ہے پھر نرخ مقرر کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے بسا اوقات لوگ کاروبار بند کر دیتے ہیں اور تجارتی زندگی میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے قحط وقت تک نوبت آ جاتی ہے انجام کار جو چیز مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے اختیار کی جاتی ہے وہی ان کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

لہذا آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نرخ مقرر کر کے لوگوں کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور تاجروں پر کوئی نرخ لازم نہ کیا جائے بلکہ اس کی بجائے تاجروں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی و انصاف اور خیر خواہی کا معاملہ کریں اور ان کے ضمیر و احساس کو اس طرح بیدار کیا جائے کہ دراز جو نرخوں میں کمی کر کے لوگوں کی پریشانی و مصیبت دور کریں۔

احتکار والے کے خلاف قاضی کی قضاء کا بیان

وَإِذَا رُفِعَ إِلَى الْقَاضِي هَذَا الْأَمْرُ يَأْمُرُ الْمُحْتَكِرَ بِبَيْعِ مَا فَضَلَ عَنْ قُوتِهِ وَقُوتِ أَهْلِهِ عَلَى اعْتِبَارِ السَّعَةِ فِي ذَلِكَ وَيَنْهَاهُ عَنِ الِاحْتِكَارِ ، فَإِنْ رُفِعَ إِلَيْهِ مَرَّةً أُخْرَى حَبَسَهُ وَعَزَّرَهُ عَلَى مَا يَرَى زَجْرًا لَهُ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ النَّاسِ ، فَإِنْ كَانَ أَرْبَابُ الطَّعَامِ يَتَحَكَّمُونَ وَيَتَعَدَّوْنَ عَنِ الْقِيمَةِ تَعَدِّيًا فَاحِشًا ، وَعَجَزَ الْقَاضِي عَنْ صِيَانَةِ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا بِالتَّسْعِيرِ فَحِينَئِذٍ لَا بَأْسَ بِهِ بِمَشُورَةٍ مِنْ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالْبَصِيرَةِ ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَتَعَدَّى رَجُلٌ عَنْ ذَلِكَ وَبَاعَ بِأَكْثَرَ مِنْهُ أَجَازَهُ الْقَاضِي ، وَهَذَا ظَاهِرٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَرَى الْحَجْرَ عَلَى الْحُرِّ وَكَذَا عِنْدَهُمَا ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَجْرُ عَلَى قَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ . وَمَنْ بَاعَ مِنْهُمْ بِمَا قَدَّرَهُ الْإِمَامُ صَحَّ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ عَلَى الْبَيْعِ ، هَلْ يَبِيعُ الْقَاضِي عَلَى الْمُحْتَكِرِ طَعَامَهُ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ .

قِيلَ هُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ الَّذِي عُرِفَ فِي بَيْعِ مَالِ الْمَدْيُونِ ، وَقِيلَ يَبِيعُ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ يَرَى الْحَجْرَ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍّ ، وَهَذَا كَذَلِكَ .

ترجمہ

اور جب قاضی تک معاملہ پہنچ گیا تو قاضی احتکار کرنے والے شخص کو اس کے اہل خانہ پر غذا میں وسعت کرنے سے زائد غلے کو بیچنے کا حکم جاری کرے گا۔ اور وہ اس کو احتکار سے منع کر دے گا۔ اور اگر اس کے بعد بھی یہی معاملہ قاضی کے ہاں دوبارہ

اب چلا گیا تو اس بار قاضی احتکار کرنے والے قید میں ڈال دے گا۔ جس قدر وہ مناسب جانے گا اس کی بطور تعزیر سزا دے گا اور اس سے
بیع بھی کرے گا اور وہ لوگوں سے نقصان کو دور کرے گا۔
اور اگر غلہ والوں نے تحکم کیا ہے اور وہ قیمت سے زائد قیمت وصول کرتے ہیں اور ریٹ مقرر کرنے کے بغیر قاضی مسلمانوں کو
ان کا حق دلوانے سے قاصر ہے تو اب وہ اہل رائے لوگوں اور سمجھ بوجھ رکھنے والوں سے مشورہ کرے گا جس میں کوئی حرج نہیں ہے
اور جب قاضی نے اس طرح کر لیا تو اب کوئی شخص ظلم کرتے ہوئے ریٹ سے زیادہ قیمت پر کوئی چیز فروخت کرے تو قاضی اس کی
بیع جائز قرار دیدے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ وہ آزاد پر کسی قسم کی ممانعت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اور
صاحبین نے بھی اسی طرح قول ظاہر ہے ہاں البتہ جب حجر کسی معین قوم کیلئے ہے اور جو بندہ حاکم کے مقرر کردہ ریٹ کے مطابق
فروخت کرے تو درست ہے کیونکہ وہ بیع کرنے پر مجبور نہ ہوگا۔
اور قاضی کا احتکار والے کی اجازت کے بغیر اس کا غلہ فروخت کر سکتا ہے یا نہیں اس میں ایک قول یہ ہے یہ بھی اسی اختلاف
کے مطابق ہے۔ جو مدیون مال کی بیع میں مشہور اختلاف ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے وہ بہ اتفاق فروخت کر سکتا ہے۔ کیونکہ امام اعظم
رضی اللہ عنہ کے نزدیک عام نقصان کو دور کرنے کیلئے حجر جائز سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی اسی طرح کا مسئلہ ہے۔

شرح

احتکار وہیں کہلائے گا جبکہ اس کا غلہ روکنا وہاں والوں کے لیے مضر ہو یعنی اس کی وجہ سے گرانی ہو جائے یا یہ صورت ہو کہ سارا
غلہ اسی کے قبضہ میں ہے، اس کے روکنے سے قحط پڑنے کا اندیشہ ہے، دوسری جگہ غلہ دستیاب نہ ہوگا۔
احتکار کرنے والے کو قاضی یہ حکم دے گا کہ اپنے گھر والوں کے خرچ کے لائق غلہ رکھ لے اور باقی فروخت کر ڈالے، اگر وہ
شخص قاضی کے اس حکم کے خلاف کرے یعنی زائد غلہ نہ بیچے تو قاضی اس کو مناسب سزا دے گا اور اس کی حاجت سے زیادہ جتنا غلہ
ہے، قاضی خود بیع کر دے گا کیونکہ ضرر عام سے بچنے کی یہی صورت ہے۔
اور جب بادشاہ کو رعایا کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو احتکار کرنے والوں سے غلہ لے کر رعایا پر تقسیم کر دے۔ پھر جب ان کے پاس
غلہ ہو جائے تو جتنا جتنا لیا ہے، واپس دیدیں۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب کراہیہ، بیروت)

فتنے کے دنوں میں اسلحہ فروخت کرنے کی کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ) مَعْنَاهُ مِمَّنْ يُعْرَفُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ ؛ لِأَنَّهُ تَسْبِيبٌ إلَى الْمَعْصِيَةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي السِّيَرِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ لَا يَسْتَعْمِلَهُ فِي الْفِتْنَةِ فَلَا يُكْرَهُ بِالشَّكِّ .

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيرِ مِمَّنْ يُعْلَمُ أَنَّهُ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا) ؛ لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ لَا تُقَامُ بِعَيْنِهِ

بَلْ بَعْدَ تَغْيِيرِهِ ، بِخِلَافِ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ تَقُومُ بِعَيْنِهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ ایام فتنہ میں اسلحہ کی بیع مکروہ ہے اس کا حکم یہ ہے جس بندے کے بارے میں یہ پتہ چل جائے کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہے۔ کیونکہ یہ نافرمانی کا سبب بنے گا۔ اور کتاب سیر میں اس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ وہ اہل فتن سے نہیں ہے۔ تو اب اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اس اسلحہ کو فتنے میں استعمال ہی نہ کرے گا۔ پس شک کے سبب اس کی بیع مکروہ نہ ہوگی۔

اور جب کسی بندے کے بارے میں یہ یقین ہو جائے کہ وہ انگور کے شیرے کی شراب بنائے گا تو اس کے ساتھ انگور کے شیرے کی بیع کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ عین عصیر کے ساتھ نافرمانی متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تبدیل کرنے کے بعد نافرمانی متعلق ہوتی ہے۔ جبکہ ایام فتنہ میں بیع اسلحہ کے یہ مسئلہ خلاف ہے کیونکہ وہاں فرمانی عین اسلحہ کے ساتھ متعلق ہے۔

شرح

اور اہل فتنہ اور ان کے لشکر سے اسلحہ کی بیع مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طرح معصیت کی مدد ہے۔ اور اہل کوفہ میں اہل کوفہ کی بیع جبکہ وہ انہیں اہل فتنہ میں کوئی جانتا ہی نہ ہو تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ شہروں میں بہت سے اسلحہ والے ہوتے ہیں اور اسلحہ فروخت کرنا مکروہ ہے اور اس چیز کی فروخت مکروہ نہیں ہے جس میں کاری گری کے بغیر جنگ ممکن نہ ہو۔ کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے کہ طنبور کو بیچنا مکروہ ہے جبکہ اس کی لکڑی بیچنا مکروہ نہیں ہے اسی حکم کے مطابق شراب اور انگور کی فروخت کا مسئلہ ہے۔

کنیسہ و گرجا بنانے والے کو مکان کرائے پر دینے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَجَرَ بَيْتًا لِيَتَّخِذَ فِيهِ بَيْتُ نَارٍ أَوْ كَنِيسَةٌ أَوْ بِيعَةٌ أَوْ يُبَاعُ فِيهِ الْخَمْرُ بِالسَّوَادِ فَلَا بَأْسَ بِهِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : لَا يَنْبَغِي أَنْ يُكْرِيَهُ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ إعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ .

وَلَهُ أَنَّ الْإِجَارَةَ تَرِدُ عَلَى مَنْفَعَةِ الْبَيْتِ ، وَلِهَذَا تَجِبُ الْأُجْرَةُ بِمُجَرَّدِ التَّسْلِيمِ ، وَلَا مَعْصِيَةَ فِيهِ ، وَإِنَّمَا الْمَعْصِيَةُ بِفِعْلِ الْمُسْتَأْجِرِ ، وَهُوَ مُخْتَارٌ فِيهِ فَقَطَعَ نِسْبَتَهُ عَنْهُ ، وَإِنَّمَا قَيَّدَهُ بِالسَّوَادِ لِأَنَّهُمْ لَا يُمَكَّنُونَ مِنْ اتِّخَاذِ الْبِيَعِ وَالْكَنَائِسِ وَإِظْهَارِ بَيْعِ الْخُمُورِ وَالْخَنَازِيرِ فِي الْأَمْصَارِ لِظُهُورِ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ فِيهَا .

بِخِلَافِ السَّوَادِ .قَالُوا : هَذَا كَانَ فِي سَوَادِ الْكُوفَةِ ، لِأَنَّ غَالِبَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ .فَأَمَّا

فِي سَوَادِنَا فَأَعْلَامُ الْإِسْلَامِ فِيهَا ظَاهِرَةٌ فَلَا يُمَكَّنُونَ فِيهَا أَيْضًا ، وَهُوَ الْأَصَحُّ .

ترجمہ
اور جب کسی شخص نے دیہات میں کوئی مکان کسی ایسے بندے کو کرائے پر دیا کہ وہ اس میں آتش کدہ بنائے یا کنیسہ بنائے یا گرجا بنائے یا وہ اس میں شراب کی بیع کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ ان میں سے کسی چیز کیلئے بھی مکان کو کرائے دینا درست نہیں ہے کیونکہ یہ نافرمانی پر مدد کرنا ہے۔
امام صاحب کی دلیل یہ ہے یہ گھر کی منافعت پر اجارہ ہے کیونکہ اسی دلیل کے سبب محض گھر کو حوالے کرنے سے کرایہ واجب ہو جاتا ہے۔ جبکہ اجارہ میں کوئی معصیت نہیں ہے۔ جبکہ معصیت یہ فعل مستاجر سے ہے اور اس کو اس کے بارے میں اختیار بھی ہے پس اجارہ سے معصیت کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔
اور اس مسئلہ میں دیہات کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کیونکہ شہروں میں کفار کیلئے گرجا گھر یا کنیسہ بنانے پر قدرت نہیں ہوتی اور نہ سرعام شراب اور نہ خنزیر کی بیع ممکن ہوتی ہے۔ کیونکہ شہروں میں اسلام کا غلبہ ہوتا ہے۔ جبکہ گاؤں میں ایسا نہیں ہوتا۔
مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ مسئلہ سواد کوفہ سے متعلق ہے کیونکہ اس میں اکثر رہنے والے ذمی ہیں البتہ جہاں تک ہمارے دیہاتوں کا مسئلہ ہے تو ان میں اسلام کے علم کا غلبہ ہے پس کفار ہمارے دیہاتوں میں ان چیزوں کو بنانے پر قادر نہ ہوں گے اور زیادہ صحیح یہی ہے۔

شراب کو اٹھا کر اجرت لینے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَمَلَ لِذِمِّيٍّ خَمْرًا فَإِنَّهُ يَطِيبُ لَهُ الْأَجْرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : يُكْرَهُ لَهُ ذَلِكَ) ؛ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ، وَقَدْ صَحَّ " أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَعَنَ فِي الْخَمْرِ عَشْرًا حَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَ إِلَيْهِ " لَهُ أَنَّ الْمَعْصِيَةَ فِي شُرْبِهَا وَهُوَ فِعْلُ فَاعِلٍ مُخْتَارٍ ، وَلَيْسَ الشُّرْبُ مِنْ ضَرُورَاتِ الْحَمْلِ وَلَا يُقْصَدُ بِهِ ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْحَمْلِ الْمَقْرُونِ بِقَصْدِ الْمَعْصِيَةِ .

ترجمہ
حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے کسی ذمی کو شراب کو اٹھایا اور اس پر اس سے اجرت لی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ امام صاحب کا مؤقف ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ اس کیلئے اجرت لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ معصیت پر مدد کرنا ہے اور صحیح حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب والے بارے میں ارشاد فرمایا کہ دس بندوں پر لعنت ہے اور ان میں شراب کو اٹھانے

والا اور اس کو اٹھوانے والا بھی ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ گناہ شراب کو پینے میں ہے اور شراب کا پینا یہ فاعل کا اختیار کردہ عمل ہے جبکہ پینا یہ اٹھوانے کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ جبکہ اٹھوانے والے کا یہ مقصد ہی نہیں ہے جبکہ یہ حدیث اس مقام کیلئے ہے کہ جب کسی شخص معصیت کے ارادے سے شراب اٹھوائی ہے۔

شرح

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے معاملہ میں ان دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے 1 شراب کشید کرنے والا 2 شراب کشید کرانیوالا 3 شراب پینے والا 4 شراب اٹھانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا کر دے 5 شراب اٹھوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھالانیکا حکم دے 6 شراب پلانے والا 7 شراب بیچنے والا 8 شراب کی قیمت کھانیوالا 9 خریدوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے کے پینے کے لئے یا اس کی تجارت کے لئے بطریق وکالت یا بطریق ولایت 10 شراب خریدے خریدوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے سے اپنے پینے یا اپنی تجارت کے لئے شراب خرید منگوائے۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 19)

کشید کرنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو شراب بنانے کے لئے انگور کا شیرہ کشید کرے خواہ اپنے لئے کشید کرے خواہ دوسرے کے لئے اسی طرح کشید کرانے والا خواہ اپنے لئے کشید کرائے خواہ دوسرے کے لئے بہر صورت وہ لعنت کا مستحق ہے بیچنے والے سے مراد وہ شخص بھی ہے جو خود اپنی تجارت کے طور پر شراب بیچتا ہو اور وہ شخص بھی مراد ہے جو کسی دوسرے کی طرف سے بطور دلال یا بطور وکیل بیچتا ہو نیز جو شخص شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ انگور بیچتا ہے اور اس انگور کی قیمت کے طور پر حاصل ہونیوالا مال کھاتا ہے وہ بھی اس لعنت کا مستحق ہے۔

اور حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر شراب پینے والے پر شراب بیچنے والے پر شراب خریدنے والے پر شراب کشید کرنے والے پر شراب کشید کرانے والے پر شراب اٹھانے والے پر شراب اٹھوانے والے پر

شراب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اس لئے فرمائی ہے کہ شراب ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں شراب سے مراد وہ شخص ہو جو شراب کی قیمت کے طور پر حاصل ہونیوالا مال کھاتا ہے۔

شہر مکہ میں گھروں کی عمارتوں کو بیچنے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ ، وَيُكْرَهُ بَيْعُ أَرْضِهَا) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَا : لَا بَأْسَ بِبَيْعِ أَرْضِهَا أَيْضًا . وَهَذَا رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّهَا مَمْلُوكَةٌ لَهُمْ لِظُهُورِ الِاخْتِصَاصِ الشَّرْعِيِّ بِهَا فَصَارَ كَالْبِنَاءِ . وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَلَا

إِنَّ مَكَّةَ حَرَامٌ لَا تُبَاعُ رِبَاعُهَا وَلَا تُورَثُ) وَلِأَنَّهَا حُرَّةٌ مُحْتَرَمَةٌ لِأَنَّهَا فِنَاءُ الْكَعْبَةِ . وَقَدْ ظَهَرَ آيَةُ أَثَرِ التَّعْظِيمِ فِيهَا حَتَّى لَا يُنَفَّرَ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا ، فَكَذَا فِي حَقِّ الْبَيْعِ ، بِخِلَافِ الْبِنَاءِ ؛ لِأَنَّهُ خَالِصُ مِلْكِ الْبَانِي .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے مکہ شریف میں گھروں کی عمارتوں کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اس کی زمین کو بیچنا مکروہ ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ مکہ کی زمین کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام صاحب سے بھی ایک روایت اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ انہی کی ملکیت ہے اور اس کے ساتھ شریعت کی جانب سے خاص ہونا بھی ثابت ہے پس یہ بھی عمارتوں کی طرح ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ حرام ہے نہ اس کی زمین کو فروخت کیا جائے اور نہ اس میں وراثت کو جاری کیا جائے کیونکہ کعبہ کے حدود کے سبب یہ زمین مکہ بھی حرام اور احترام والی ہے۔ اور اس پر عظمت کا اثر واضح ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ مکہ میں شکار نہ کیا جائے اور نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے۔ اور نہ ہی اس کے کانٹے کو توڑا جائے تو یہ حکم بیع کے متعلق بھی اسی طرح ہوگا جبکہ عمارت میں ایسا نہ ہوگا کیونکہ اس میں خاص بنانے والے کی ملکیت موجود ہے۔

شرح

اس مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرمانے لگے مکے کی حویلیاں ملکیت میں لائی جا سکتی ہیں۔ ورثے میں بٹ سکتی ہیں اور کرائے پر بھی دی جا سکتی ہیں۔ دلیل یہ دی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کل آپ اپنے ہی مکان میں اتریں گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ عقیل نے ہمارے لئے کون سی حویلی چھوڑی ہے؟ پھر فرمایا کافر مسلمان کا ورث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کا۔ اور دلیل یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر وہاں جیل خانہ بنایا تھا۔ طاؤس اور عمرو بن دینار بھی اس مسئلے میں امام صاحب کے ہم نوا ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ ورثے میں بٹ نہیں سکتے نہ کرائے پر دیئے جا سکتے ہیں۔ اسلاف میں سے ایک جماعت یہ کہتی ہے مجاہد اور عطا کا یہی مسلک ہے۔ اس کی دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے حضرت علقمہ بن فضلہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدیقی اور فاروقی خلافت میں مکے کی حویلیاں آزاد اور بے ملکیت استعمال کی جاتی رہیں اگر ضرورت ہوتی تو رہتے ورنہ اوروں کو بسنے کے لئے دے دیتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نہ تو مکہ شریف کے مکانوں کا بیچنا جائز ہے نہ ان کا کرایہ لینا۔ حضرت عطا بھی حرم میں کرایہ لینے کو منع کرتے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ شریف کے گھروں کے دروازے رکھنے سے روکتے تھے کیونکہ صحن میں حاجی لوگ ٹھہرا کرتے تھے۔ سب سے پہلے گھر کا دروازہ سہیل بن عمرو نے بنایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت انہیں حاضری کا حکم بھیجا انہوں نے آ کر کہا مجھے معاف فرمایا جائے میں سوداگر شخص ہوں میں نے ضرورتاً یہ دروازے بنائے ہیں تا کہ میرے جانور میرے بس میں رہیں۔ آپ نے فرمایا پھر خیر ہم اسے تیرے لئے جائز رکھتے ہیں۔ اور روایت میں حکم فاروقی ان الفاظ میں مروی ہے کہ اہل مکہ اپنے مکانوں کے دروازے نہ رکھو تا کہ باہر کے لوگ جہاں چاہیں ٹھہریں۔

عطا فرماتے ہیں شہری اور غیر وطنی ان میں برابر ہیں جہاں چاہیں اتریں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مکے شریف کے لوگ گھروں کا کرایہ کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ بھرنے والا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کے درمیان کا مسلک پسند فرمایا یعنی ملکیت کو اور ورثے کو تو جائز بتایا ہاں کرایہ کو ناجائز کہا ہے اس سے دلیلوں میں جمع ہو جاتی ہے۔

زمین مکہ کو اجارے پر دینے میں کراہت کا بیان

وَيُكْرَهُ إجَارَتُهَا أَيْضًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ آجَرَ أَرْضَ مَكَّةَ فَكَأَنَّمَا أَكَلَ الرِّبَا) وَلِأَنَّ أَرَاضِيَ مَكَّةَ تُسَمَّى السَّوَائِبَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ احْتَاجَ إلَيْهَا سَكَنَهَا وَمَنْ اسْتَغْنَى عَنْهَا أَسْكَنَ غَيْرَهُ

ترجمہ

اور مکہ مکرمہ کی زمین کو اجارے پر دینا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مکہ شریف کی زمین کو کرائے پر دیا تو وہ سود خوری کرنے والا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ مکہ شریف کی زمین نبی کریم ﷺ کے زمانے میں سوائب سے معروف تھی کیونکہ وہاں ضرورت مند رہا کرتے تھے۔ اور جو شخص اس زمین سے بے پرواہ ہوا تو اس کے سوا اس میں رہ لے گا۔

مکہ کی زمین کو کرائے پر دینے کی کراہت میں فقہی مذاہب

حرم مکہ میں تمام حقوق کے اعتبار سے ہے۔ یہ سرزمین خدا کی طرف سے وقفِ عام ہے لہٰذا اس پر اور اس کی عمارات پر کسی کے حقوقِ ملکیت نہیں ہیں۔ ہر شخص ہر جگہ ٹھہر سکتا ہے، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا اور نہ کسی بیٹھے ہوئے کو اُٹھا سکتا ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ لوگ بکثرت احادیث اور آثار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمر کی روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مكة مناخ لا تُباع رباعها و لا تو اجر بيوتها، مکہ مسافروں کے اُترنے کی جگہ ہے، نہ اس کی زمینیں بیچی جائیں اور نہ اس کے مکان کرائے پر چڑھائے جائیں۔

حضرت ابراہیم نخعی کی مُرسَل روایت کہ حضور ﷺ نے فرمایا مكة حرمها الله لا يحل بيع رباعها و لا اجارة بيوتها،

مکّہ کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کی زمین کو بیچنا اور اس کے مکانوں کا کرایہ وصول کرنا حلال نہیں ہے۔ (واضح رہے کہ ابراہیم نخعی کی مُرسلات حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں، کیونکہ اُن کا یہ قاعدہ مشہور ومعروف ہے کہ جب وہ مرسَل روایت کرتے ہیں تو دراصل عبداللہ بن مسعودؓ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں)۔ مجاہد نے بھی تقریباً انہی الفاظ میں ایک روایت نقل کی ہے۔

عَلقَمہ بن نَضلَہ کی روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں مکّے کی زمینیں سوائب (افتادہ زمینیں یا شاملات) سمجھی جاتی تھیں، جس کو ضرورت ہوتی وہ رہتا تھا اور جب ضرورت نہ رہتی دوسرے کو ٹھہرا دیتا تھا۔

عبداللہ بن عمر کی روایت کہ حضرت عمر نے حکم دے دیا تھا کہ حج کے زمانے میں مکّے کا کوئی شخص اپنا دروازہ بند نہ کرے۔ بلکہ مجاہد کی روایت تو یہ ہے کہ حضرت عمر نے اہلِ مکّہ کو اپنے مکانات کے صحن کھلے چھوڑ دینے کا حکم دے رکھا تھا اور وہ ان پر دروازے لگانے سے منع کرتے تھے تاکہ آنے والا جہاں چاہے ٹھہرے۔ یہی روایت عطا کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف سُہیل بن عَمرو کو فاروق اعظم نے صحن پر دروازے لگانے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان کو تجارتی کاروبار کے سلسلے میں اپنے اونٹ وہاں بند کرنے ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا قول کہ جو شخص مکّہ کے مکانات کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتا ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا قول کہ اللہ نے پورے حرم مکّہ کو مسجد بنا دیا ہے جہاں سب کے حقوق برابر ہیں۔ مکّہ والوں کو باہر والوں سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کا فرمان امیر مکّہ کے نام کہ مکّے کے مکانات پر کرایہ نہ لیا جائے کیونکہ یہ حرام ہے۔

ان روایات کی بنا پر بکثرت تابعین اس طرف گئے ہیں، اور فقہا میں سے امام مالک، امام ابوحنیفہ، سُفیان ثوری، امام احمد بن حنبل، اور اسحاق بن رَاھَوَیہ کی بھی یہی رائے ہیں کہ اراضی مکّہ کی بیع، اور کم ازکم موسمِ حج میں مکّے کے مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔ البتہ بیشتر فقہاء نے مکّہ کے مکانات پر لوگوں کی ملکیت تسلیم کی ہے اور ان کی بحیثیت عمارت، نہ کہ بحیثیت زمین بیع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

بقال کیلئے نفع اٹھانے میں کراہت کا بیان

(وَمَنْ وَضَعَ دِرْهَمًا عِنْدَ بَقَّالٍ يَأْخُذُ مِنْهُ مَا شَاءَ يُكْرَهُ لَهُ ذَلِكَ) ؛ لِأَنَّهُ مَلَّكَهُ قَرْضًا جَرَّ بِهِ نَفْعًا ، وَهُوَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ مَا شَاءَ حَالًّا فَحَالًّا .

(وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا) ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْتَوْدِعَهُ ثُمَّ يَأْخُذَ مِنْهُ مَا شَاءَ جُزْءًا فَجُزْءًا ؛ لِأَنَّهُ وَدِيعَةٌ وَلَيْسَ بِقَرْضٍ ، حَتَّى لَوْ هَلَكَ لَا شَيْءَ عَلَى الْآخِذِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور جس شخص نے سبزی بیچنے والے آدمی کے پاس ایک درہم رکھا کہ وہ جب چاہے گا اس سے واپس لے گا تو اس کیلئے اس طرح کرنا مکروہ ہے کیونکہ رکھنے والے نے بقال کو اس کی ملکیت میں دیکر نفع حاصل کیا ہے اور نفع یہ ہے کہ وہ حسب موقع جب چاہے گا اس کو لے گا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فائدے کی جانب کھینچنے والے قرض سے منع کیا ہے اور یہ بھی مناسب ہے کہ درہم کا مالک بقال کے ہاں درہم کو ودیعت کے طور پر رکھ دے۔ اس کے بعد مرضی کے مطابق کچھ کچھ اس سے وصول کرتا رہے۔ کیونکہ یہ اب ودیعت ہے یہ قرض نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جب درہم ہلاک ہو جائے تو اس لینے والے آدمی یعنی بقال پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا۔

شرح

اسلام میں قرض دینا اور لینا دونوں جائز ہیں۔ دینے والے کو بہت زیادہ ثواب دیا جائے گا۔ مطلقاً قرض کے پیسوں سے مکان خریدنا یا کوئی بھی کاروبار وغیرہ کرنا جائز ہے۔ چاہے قسطوں پر ہو یا مکمل قرض ہو۔ اصل مسئلہ سود کا ہے۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کُل قَرض جرّ نَفعَۃٌ فھو ربوا. ہر وہ قرض جو ساتھ نفع لائے تو وہ ربوا ہے یعنی سود ہے۔

مسائل منثورہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسائل منثورہ ہیں یا شتیٰ ہیں یا متفرقہ ہیں۔ علامہ کاکی نے کہا ہے کہ ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ علامہ اکمل نے کہا ہے مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے مسائل کو کتابوں کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے یہ مسائل ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ ان کے فوائد کثیر ہوتے ہیں۔ اور ان مسائل کو منثورہ ، متفرقہ یا شتیٰ کہا جاتا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۲۸، حقانیہ ملتان)

قرآن میں نقطے واشارے لگانے میں کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ التَّعْشِيرُ وَالنَّقْطُ فِي الْمُصْحَفِ) لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : جَرِّدُوا الْقُرْآنَ .وَيُرْوَى : جَرِّدُوا الْمَصَاحِفَ .وَفِي التَّعْشِيرِ وَالنَّقْطِ تَرْكُ التَّجْرِيدِ . وَلِأَنَّ التَّعْشِيرَ يُخِلُّ بِحِفْظِ الْآيِ وَالنَّقْطُ بِحِفْظِ الْإِعْرَابِ اتِّكَالًا عَلَيْهِ فَيُكْرَهُ .قَالُوا : فِي زَمَانِنَا لَا بُدَّ لِلْعَجَمِ مِنْ دَلَالَةٍ .فَتَرْكُ ذَلِكَ إخْلَالٌ بِالْحِفْظِ وَهِجْرَانٌ لِلْقُرْآنِ فَيَكُونُ حَسَنًا .

ترجمہ

فرمایا کہ قرآن مجید میں نشان لگانا اور نقطے لگانا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کو خالی چھوڑ دو۔ اور ایک دوسری روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ اس کو خالی چھوڑ دو۔ جبکہ نقطے لگانے اور علامت لگانے میں خالی نہ چھوڑ جا سکے گا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ علامت لگانے کے سبب آیات کو یاد رکھنے میں خلل اندازی ہوگی جبکہ نقطوں کی وجہ سے اعراب کو یاد رکھنے میں حرج ہوگا۔ اور انہی پر بھروسہ کرنے کا سبب بھی دلیل ہے پس یہ دونوں مکروہ ہوئے۔ مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ ہمارے دور عجمیوں کیلئے علامت لگانا ضروری ہے کیونکہ ان کے ہاں علامت کو ترک کرنے کی وجہ سے قرآن کو یاد رکھنے میں خلل اندازی اور ترک قرآن کی وجہ بنے گا۔ پس یہ اچھا ہوگا۔

عربی رسم خط کی ابتدائی تاریخ کا بیان

نقطوں کی ابتداء کو کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ عربی خط کی ابتدا اسلام سے محتاط اندازے کے مطابق چارسو

سال پہلے ہو چکی تھی اور مہذب بنانے درجہ کمال تک پہنچانے اور لفظی تشابہ دور کرنے والے بولان قبیلہ کے تین افراد تھے۔ان تین افراد میں سے ایک کا نام عامر بن جدرہ تھا جس نے عربی خط میں نقطوں کا اضافہ کیا۔یہ روایت فنی لحاظ سے اگرچہ اتنا فائدہ نہیں دے سکتی جتنا کہ مطلوب ہے تاہم تاریخی طور پر ہم آسانی سے اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ الاعجام (نقطوں) کے موجودہ مفہوم سے آشنا ضرور تھے۔اور یہ کہ لفظ (الاعجام) اپنے اسی مفہوم میں حضرت ابن عباس سے پہلے بھی رائج،مشہور اور معروف تھا۔یا کم از کم حضرت ابن عباس سے نچلا راوی اس کے مفہوم سے پوری طرح واقف تھا اور اسی طرح لوگوں کے لئے بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں اجنبی نہیں تھا۔جب ہی تو انھوں نے راوی کی سنی اور سن کر اسے تسلیم کرلیا۔

بہرحال یہ بات نقطوں کے موجد حجاج بن یوسف (متوفی 714م) یا بہ شہرت ابوالاسود دولی (متوفی 681م) تھے قطعاً غلط اور ثبوت کے لحاظ سے تاریخ پر افتراء ہے۔کیونکہ نقطوں اور عربی خط کی ابتداء ان کے پیدا ہونے سے پانچ سو سال پہلے ہو چکی تھی۔مشہور مورخ ونساب اور لغوی امام احمد بن علی بن احمد معروف (متوفی 1418م۔821ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب "صبح الاعشیٰ" جلد سوم صفحہ 155 پر لکھتا ہے

"والظاهر ماتقدم يعني ان الاعجام موضوع مع وضع الحروف اذيعبدون الحروف قبل ذالك مع تشابه صورها كانت عرية عن الى حين نقط المصحف" یعنی اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ جوں ہی عربی کے حروف وضع کئے گئے تھے نقطے بھی ساتھ ہی وضع کئے گئے کیونکہ یہ بعید از عقل ہے کہ صوری مشابہت کے باوجود عربی حروف کو اس وقت تک نقطوں سے خالی رکھا گیا جب تک کہ مصحف پر نقطے نہیں ڈالے گئے؟ (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ لاحمد بن مصطفیٰ عرف طاش کبرے زادہ متوفی 668ھ،1559م جلد اول ص 80 طبع مصر)

مصحف نبوی پر بھی نقطے تھے سلف صالحین کا یہی عقیدہ تھا اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ قرآن مجید پر زبر، زیر، پیش (اور نقطوں) جیسا بنیادی کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی انجام دے گئے تھے۔(اتقان ص 144 تا 147)۔بلکہ آپ نے اپنی امت کو حکم دے دیا تھا کہ اعرابوالقرآن یعنی قرآن پر اعراب لگاؤ۔(بیہقی،ابویعلی بحوالہ مشکوۃ ص 180، جامع صغیر جلد اول ص 38،منتخب کنزالعمال جلد اول ص 386،تاریخ خطیب جلد 8 ص 77،بغیۃ الوعاۃ ص 450،فضائل ابن کثیر ملحق بہ تفسیر ابن کثیر ص 201 وغیرہ) یہاں اعراب سے مراد تحریر کے وہ تمام قواعد وضوابط ہیں جو عہد نبوی میں رائج تھے۔تنہا زبر، زیر، پیش نہیں۔کیونکہ حقیقی تشابہ نقطوں سے ہی دور ہو سکتا تھا۔بہرحال اس امر نبوی ﷺ کے مطابق مصاحف نبوی ﷺ پر نقطے لگائے گئے لیکن اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ اس کی تفصیل عرض ہے۔امام شمس الدین محمد بن عرف جزری (متوفی 833ھ۔1429م) لکھتے ہیں کہ ثم ان الصحابة رضي الله عنهم لما كتبوا تلك المصاحف جردو ها من النقط" والشكل ليحتمله مالم يكن في العرضة الاخيرة مما صح عن النبي صلى الله عليه و سلم یعنی بعد میں صحابہ کرام نے مصاحف کو لکھنا شروع کیا تو انھوں نے نقطے اور دیگر علامات کو اڑا دیا کیونکہ جو الفاظ مختلف قرأت سے پڑھنا ثابت تھے (کہاں ثابت تھے؟ ثبوت ندارد۔طارق) اب

دیکھنا یہ تھا کہ ان الفاظ کو آخری مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح تلاوت فرمایا۔ تاکہ مجمع علیہا فیصلہ کے بعد آخری قرأت کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ (اور نقطوں سے اس چیز کا پہلے ہی تعین ہو جاتا تھا جو کہ ناقلین کو منظور نہیں تھا)۔ (النشر فی القرأت العشر طبع دمشق جلد اول ص 32 تا 33 طبع قاہرہ ص 33)۔

امام جزری نے مذکورہ کتاب اختلاف قرأت ثابت کرنے کے لئے لکھی ہے مگر "نقاط" کے ضمن میں انھیں اعتراف کرنا ہی پڑا کہ صحابہ کرام نے حذف کر دیئے تھے (رسول اللہ نے لگوا دیئے تھے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (متوفی 652م) فرماتے ہیں کہ جردوالقرآن لیر بوفیہ صغیرکم ولا ینائے عنہ کبیرکم۔ یعنی قرآن کو نقطوں سے صاف کر دو تا کہ چھوٹے بھی اسی طرح پڑھتے رہیں اور بڑے بھی دور نہ جائیں۔ مقصد یہ کہ انھیں ذہن پر زور دے کر الفاظ حل کرنا پڑیں گے اور اس طرح وہ قرآنی ماحول ہی کے رہ جائیں گے یعنی کسی بہانے قرآن ہی ان کی دلچسپی کا مرکز ہوگا۔ بہرحال حضرت ابن مسعود کے اسی جردوا کی تفسیر میں امام زمخشری (سونی 1144م) لکھتے ہیں کہ اراد تجریدہ عن النقط والفواتح والعشور لئلا ینشاء نش ء فیری انہا من القرآن یعنی جردوا سے ان کی مراد یہ ہے کہ قرآن کو نقطوں اور سورتوں کے تعارفی فقروں مثلاً سورہ فاتحہ مکیہ وہی سبع آیات اور ہر دس آیات کے بعد (اس زمانے میں) ایک آیت لگانے کا جو رواج تھا انھیں حذف کرنا چاہیے کیونکہ آگے چل کر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ بھی عین قرآن ہی ہیں (الفائق زمخشری جلد اول 182 طبع مصر)۔ رسول اللہ کے فرمان (اعربوا) اور عمل (تلک المصاحف) کے برعکس ان علامات ورموز کو اڑا دیا گیا۔ خیر اس سے بحث نہیں۔ تاہم ان دو حوالوں سے اتنا تو واضح ہو گیا کہ حجاج اور دولی سے پہلے ہی صحابہ کرام "نقطوں" کے موجودہ مفہوم سے بخوبی واقف تھے۔

اور یہ کہ یہ نقطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحف پر باقاعدہ لگائے گئے تھے لیکن نقل ثانی کے وقت یا بالفاظ دیگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نقطوں کو جان کر حذف کر دیا گیا (روایات کی روشنی میں۔ طارق)

یہاں یہ وضا حت کر دی جائے کہ بعض لوگوں نے "تجرید" سے مرا "تفیہ" تشریح، حدیث یا قصہ وغیرہ بھی لی ہے۔ یعنی ان چیزوں کو قرآن سے الگ کر دیا جائے لیکن امام جزری اور امام زمخشری کی طرح قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی (متوفی 1148م 546ھ) نے بھی تجرید سے نقطے ہی مراد لئے ہیں اور اس پر اس نے تفصیل سے لکھا ہے کہ اس طرح صحابہ کرام اختلاف قرأت کا حق محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ نقطے ڈالنے سے قرأت کا خود بخود تعین ہو جاتا تھا تفصیل ملاحظہ ہو۔

العواصم من القوا۔۔لابن العربی طبع الجیریا (جلد دوم ص (197-196)

صحابہ کرام نقطے لگاتے تھے امام ابوزکریا یحیٰی بن زیاد عرف فرانحوی (متوفی 822م۔ 395ھ) روایت کرتے ہیں کہ سفیان بن عینیہ (متوفی 811م) نے اپنی سند سے اس میں حدیث بیان کی کہ کتب فی حجو لسر۔۔۔ولم یلس (الحدیث) یعنی ایک پتھر پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے، اب جو دیکھتا ہوں تو زید بن ثابت (متوفی 674م) نے پہلے لفظ پر چار نقطے دیئے یعنی سین پر تین نقطے ڈال کر شین بنا دیا اور رے پر ایک نقطہ ڈال کر زا میں تبدیل کر دیا۔ اسی طرح دوسرے لفظوں میں نقطوں کے علاوہ سین کے بعد حا، کا

اضافہ کر کے لم یتسنہ بنادیا (معانی القرآن فراء جلد اول ص 173-172۔طبع مصر) کیا حضرت زید بن ثابت نقطوں کا علم نہ رکھتے تھے یوں ہی قرآن میں سین کو شین اور راء کو زاء بنالیتے تھے؟ کیا یہ کام بغیر واقفیت کے ممکن ہوسکتا تھا؟ ہمارے خیال میں حضرت زید چونکہ کاتب الوحی تھے جس طرح مصاحف نبوی میں نقطے ڈالنے کی مشق ہوگئی تھی بعد میں بھی جب کہیں کوئی لفظ بے نقط پاتے تو سنت نبوی کے مطابق فوراً بانقط بنادیتے تھے۔لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔اور صحابہ سے بڑھ کر اسوۃ رسول کا زیادہ پابند کون ہوسکتا تھا۔

تابعین کی اطلاع عبداللہ بن سلیمان بن اشعث ابن داؤد سجستانی متوفی 316ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ الحجاج بن یوسف غیرنی مصحف عثمان احد نے عشر حرفا ..... وکانت فی یونس 22)) ھوالذی ینشر کم فغیرہ یسیر کم یعنی حجاج بن یوسف نے عثمانی مصحف کے گیارہ حروف بدل دیے مثلاً سورہ یونس کی 22 آیت میں ہے کہ ینشر کم (یعنی یانون اور شین) تو حجاج نے بدل کر یسیر کم (یعنی یاسین اور پھر یا) بنادیا۔

(کتاب المصاحف طبع مصر 1936۔ص 49 (117)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حجاج سے پہلے ہی نقطے ڈالنے کا رواج تھا اور حجاج اسے بخوبی سمجھتا تھا کیونکہ اگر سابقہ (عثمانی) مصحف میں نقطے نہ ہوتے تو اسے کس طرح پتا چلتا کہ یہاں ینشر کم ہے اسے یسیر کم بنادینا چاہیے۔بالآخر اس تشابہ کو دور کرنے کی حضرت عثمان نے نقاط کے بغیر تو کوئی صورت تجویز نہیں کی ہوگی۔اور جب نقاط ڈالے تب ہی حجاج کا تغیر وتبدل سمجھ میں آسکتا ہے۔بہرحال یہ روایت بھی اس نظریہ کی تکذیب کرتی ہے کہ حجاج ہی کے حکم سے نقطے ایجاد ہوئے۔وغیرہ۔

تاریخی شہادت ثبوت کے لحاظ سے وہی بات پختہ اور مدلل کہی جاسکتی ہے جو دعوے کے ساتھ اپنے اندر دلیل بھی رکھتی ہو۔یہ بات کہ صحابہ کرام نقطوں سے اچھی طرح واقف تھے اس کی تصدیق اس وثیقہ سے ہوسکتی ہے جو 22 ہجری میں (عمر بن الخطاب شہید 644م کے زمانے) ورق بردی پر یونانی اور عربی میں لکھا گیا۔یہ وثیقہ متلاشیان حق وصداقت اور شیدایان تاریخ کے لئے اطمینان اور تسلین کا موجب ہے کہ اس کے بعض حروف معجم وبانقط ہیں۔مثلاً خاء۔زال۔زاء۔شین اور نون۔اس وثیقہ کے عکس بمعہ تعارفی نوٹ وترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر گراہمن کی کتاب

(114113,Pt.11(x)P.82,PapyriIslamicofWorldtheFrom)

اس ضمن میں قرن اول کا ایک اور نقش جو حضرت امیر معاویہ (متوفی 680م) کے عہد میں 58ھ میں لکھا گیا تھا۔بین ثبوت ہے اس بات کا کہ اس وقت نقطے ڈالنے کا عام رواج تھا کیونکہ حضرت معاویہ کی اس تحریر پر جو کہ طائف سے برآمد ہوئی ہے واضح طور پر نقطے لگے ہوئے ہیں۔اس کا عکس زیر نمبر 18 ڈاکٹر جی سی مائلز کے مقالہ بعنوان

((194)JenstHijazthein TaifNearInscriptions Islamic Early

پر ملاحظہ ہو (بحوالہ مصادر الشعر الجاہلی ص 40)

مصحف ومساجد کو سجانے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِهِ .وَصَارَ كَنَقْشِ الْمَسْجِدِ وَتَزْيِينِهِ بِمَاءِ الذَّهَبِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَدْخُلَ أَهْلُ الذِّمَّةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يُكْرَهُ ذَلِكَ : وَقَالَ مَالِكٌ : يُكْرَهُ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ .

لِلشَّافِعِيِّ قَوْله تَعَالَى (إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا) وَلِأَنَّ الْكَافِرَ لَا يَخْلُو عَنْ جَنَابَةٍ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَغْتَسِلُ اغْتِسَالًا يُخْرِجُهُ عَنْهَا ، وَالْجُنُبُ يَجْتَنِبُ الْمَسْجِدَ ، وَبِهَذَا يَحْتَجُّ مَالِكٌ ، وَالتَّعْلِيلُ بِالنَّجَاسَةِ عَامٌّ فَيَنْتَظِمُ الْمَسَاجِدَ كُلَّهَا .

وَلَنَا مَا رُوِيَ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنْزَلَ وَفْدَ ثَقِيفٍ فِي مَسْجِدِهِ وَهُمْ كُفَّارٌ) وَلِأَنَّ الْخُبْثَ فِي اعْتِقَادِهِمْ فَلَا يُؤَدِّي إلَى تَلْوِيثِ الْمَسْجِدِ .

وَالْآيَةُ مَحْمُولَةٌ عَلَى الْحُضُورِ اسْتِيلَاءً وَاسْتِعْلَاءً أَوْ طَائِفِينَ عُرَاةً كَمَا كَانَتْ عَادَتُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ مصحف [illegible] نے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے اس کا ادب ہے اور یہ مسجد کو سونے کے پانی سے سجانے اور اس کی آرائش کرنے کی طرح ہو جائے گا۔ اور ہم نے اس سے پہلے بھی اس کو بیان کر دیا ہے۔

اہل ذمہ کیلئے مسجد میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مکروہ ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہر مسجد میں ان کا داخلہ مکروہ ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان اقدس ہے'' بے شک مشرک نجس ہیں پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ کافر جنابت سے خالی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جنابت کا غسل کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور جنبی کو مسجد سے دور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے بھی اسی سے استدلال کرتے ہوئے مکروہ کہا ہے۔ اور نجاست کا ہونا علت عامہ ہے جو ساری مسجدوں کو شامل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وفد ثقیف کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا جبکہ وہ سب کافر تھے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ خباثت

ان کے نظریے میں ہوتی ہے پس وہ مسجد کو ملوث کرنے کا سبب نہ بنے گی۔ جبکہ بیان کردہ قرآن میں جو آیت یہ وقت غلبہ اور بلندی اسلام پر محمول ہے یا پھر ننگے طواف کرنے کی نیت میں اس کو محمول کیا جائے گا جس طرح دور جاہلیت میں کافروں کی عادت تھی۔

مساجد ومحافل کو سجانے کی شرعی حیثیت کا بیان

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مذکورہ زیب وزینت شرعا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرمادیجئے کہ اس زینت وزیبائش کو کس نے حرام ٹھہرادیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے ظاہر فرمائی ہے۔ اسی طرح ضرورت اور مصلحت کے مطابق روشنی کا انتظام کرنا بھی جائز ہے (مختلف حالات کے لحاظ سے ضرورت بدلتی رہتی ہے) مثلا مکان کی تنگی اور کشادگی۔ لوگوں کی قلت وکثرت، منازل کی وحدت وتعدد وغیرہ ان صورتوں میں ضرورت اور حاجت میں تبدیل آجاتی ہے۔ تنگ منزل اور تھوڑے مجمع میں دو تین چراغ بلکہ ایک بھی کافی ہوتا ہے۔ کشادہ اور بڑے گھر زیادہ لوگوں اور متعدد منزلوں کے لئے دس بیس بلکہ ان سے بھی زیادہ کی ضرورت پڑتی ہے، امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ رمضان شریف میں رات کے وقت مسجد نبوی میں تشریف لائے تو مسجد کو چراغوں سے منور اور جگمگاتے ہوئے دیکھا کہ ہر سمت روشنی پھیل رہی تھی آپ نے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بذریعہ دعا یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے فرزند خطاب! تم نے ہماری مساجد کو منور وروشن کیا اللہ تعالیٰ تمھاری قبر کو منور فرمائے، قبرستان اور مزارات پر شمع جلانے کے مسئلہ کو فقیر نے اپنے مالک مستقل رسالہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے رسالے کا نام ہے طوالع النور فی حکم السرج علی القبور (نور کے نورانی مطالع قبروں پر چراغاں کرنے کے حکم کے بیان میں) میں نے اس میں یہ تحقیق بھی پیش کی ہے کہ حدیث میں قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی جانے والی روایت سے مخالفین جو استدلال اور سہارا لیتے ہیں اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس حدیث کی سند میں باذام نامی راوی ضعیف ہے۔ از روئے عقل بھی مخالفین کے لئے مفید نہیں، البتہ روشنی کا بے فائدہ اور فضول استعمال جیسا کہ بعض لوگ ختم قرآن والی رات یا بزرگوں کے عرسوں کے مواقع پر کرتے ہیں سیکڑوں چراغ عجیب وغریب وضع وترتیب کے ساتھ اوپر نیچے اور باہم برابر طریقوں سے رکھتے ہیں محل نظر ہے اور اسراف کے زمرے میں آتا ہے چنانچہ فقہائے کرام نے کتب فقہ مثلاً غمز العیون وغیرہ میں اسراف (فضول خرچی) کی بنا پر ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں اسراف صادق آئے گا وہاں پرہیز ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک۔ برتر اور خوب جاننے والا ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج ۲۳، کتاب حظر واباحت، لاہور)

غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونے پر فقہی اختلاف کا بیان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا . اے ایمان والو! مشرک نرے ناپاک ہیں، تو اس سال (سن 9ھ) کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس

نہ آنے پائیں۔(التوبہ،28:9)

فَـلَا يَقْرَبُوا نہی ہے، اسی لیے نون اعرابی گرا ہے۔مسجد حرام سے مراد تمام حرم ہے۔یہی مذہب ہے عطاء کا اس قول کے مطابق مشرک کو سارے حرم میں داخل ہونا حرام ہے۔اگر چھپ کر حدود حرم میں داخل ہو گیا وہیں مر گیا اور دفن ہو گیا اس کی قبر اُکھاڑ کر ہڈیاں بھی نکال لی جائیں گی۔سو مشرک نہ حرم کو وطن بنا سکے نہ وہاں سے گزر سکے۔

کیا مشرک مسجد حرام میں داخل ہو سکتا ہے؟اس میں علماء کے پانچ قول ہیں۔

1۔اہل مدینہ نے کہا یہ آیت عام ہے ہر مشرک اور ہر مسجد کے لیے۔

2۔شافعی نے کہا آیت عام ہے تمام مشرکین کے بارے میں اور حکم ممانعت خاص ہے مسجد حرام کے لیے۔کسی اور مسجد میں داخل ہونے سے مشرکین کو منع نہیں کیا جائے گا لہٰذا شوافع کے نزدیک یہودیوں اور عیسائیوں کو باقی مساجد میں داخل ہونے سے ممانعت نہیں۔

3۔ابن عربی نے کہا اس کا دارومدار ظاہر پر ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ(اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ) اس بات پر تنبیہ ہے کہ مسجد حرام میں داخل نہ ہونے کی وجہ شرک ہے جو کہ نجاست ہے۔لہٰذا مشرک نجس مسجد میں نہیں جا سکتا۔

اگر کہا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ کو جو مشرک تھا مسجد میں قید کیا تھا، یہ بات گو صحیح ہے مگر ہمارے علماء نے اس کے چند جواب دیے ہیں۔

اول: یہ واقعہ نزول آیت سے پہلے کا ہے۔لہٰذا یہ اجازت منسوخ ہے۔

ثانی: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا مسلمان ہونا معلوم تھا اس لیے اس کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا۔

ثالث یہ خاص ایک جاسوس کے بارے میں حکم دیا گیا باقی جو دلائل ہیں ان رد نہیں کیا جا سکتا۔یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اسے مسجد میں اس لیے باندھا تھا کہ وہ مسلمانوں کی نماز اور خوبصورت اجتماع کو دیکھے اور مسجد میں ان کے خوبصورت بیٹھنے اور اس کے آداب کو دیکھے اور اس سے مانوس ہو کر اسلام قبول کرے اور یہی ہوا۔یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس مسجد کے علاوہ قیدی رکھنے کی کوئی دوسری جگہ ہی نہ تھی۔واللہ اعلم۔

4۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا: یہودیوں عیسائیوں کو مسجد حرام سمیت کسی مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا جائے گا۔صرف مشرکین اور بت پرستوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا جائے گا۔اس قول کو وہ تمام باتیں رد کر رہی ہیں جو اوپر بیان ہیں۔الکیا الطبری نے کہا امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذمّی (غیر مسلم) کو تمام مسجدوں میں ضرورت (ہو) نہ ہو داخل ہونے کی اجازت ہے۔

5۔امام الشافعی کہتے ہیں حاجت و ضرورت کا اعتبار کیا جائے گا، رہی مسجد حرام تو اس میں حاجت ہو بھی تو ذمی کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔عطاء بن ابی رباح نے کہا حرم تمام قبلہ اور مسجد ہے لہٰذا غیر مسلموں کو حرم میں داخل ہونے سے منع کیا

جائے گا۔ قتادہ نے کہا مسجد حرام کے قریب مشرک نہیں جا سکتا ہاں جزیہ دینے والا یا مسلمان کا کافر غلام ہو تو جا سکتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے: مشرک مسجد کے قریب نہ جائے ہاں غلام، باندی ہو تو ضرورت کے پیش نظر جا سکتا ہے۔ یہی قول ہے حضرت جابر بن عبد اللہ کا۔

(أبو عبد اللہ محمد بن أحمد الانصاری القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 8:104، دار الشعیب القاہرۃ)

(الامام فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر، 16:26 طبع ایران)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کفار کے مسجد حرام کے قریب جانے سے منع کرنے کا یہ مطلب لیا ہے کہ ان کو سن 9ھ کے بعد حج، عمرہ کرنے سے منع کیا جائے۔ ان کو مسجد حرام کے پاس ناپسندہ اعمال وافعال سے روکا جائے۔ اس سال یعنی سن 9ھ کے بعد مشرکین، نہ حج کریں، نہ عمرہ۔

(خاتم المحققین علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی، م 1270، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، 10:69، طبع ایران) (علامہ جلال الدین محمد بن المحلی الشافعی، تفسیر جلالین، 1:155، طبع کراچی)

امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ نے کہا: مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ امام مالک نے مزید یہ کہا کہ کسی دوسری مسجد میں بھی بلا ضرورت داخل نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہو تو داخل ہو سکتا ہے جیسے ذمی حاکم کے پاس مقدمہ کے سلسلہ میں ہر مسجد میں جا سکتا ہے۔ امام شافعی نے کہا غیر مسلم مسجد حرام کے علاوہ ہر مسجد میں داخل ہو سکتا ہے اور ہمارے اصحاب (احناف) نے کہا ذمی تمام مساجد میں داخل ہو سکتا ہے۔

(سورۃ توبہ، 9:28) کا مطلب صرف یہ ہے کہ یا تو ممانعت کہ وہ نہ مکہ میں داخل ہو سکتے تھے نہ باقی مساجد میں صرف ان مشرکوں کے لیے تھی جو ذمی نہ تھے اور ان سے صرف دو میں سے ایک فیصلہ قبول تھا یا اسلام لائیں یا تلوار کا فیصلہ قبول کریں اور یہ عرب کے مشرک تھے یا مکہ میں داخل نہ ہونے سے مراد یہ تھی کہ حج کے لیے حرم مکہ میں داخل نہ ہوں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس سال ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کرایا (سن 9ھ) منی میں قربانی کے دن اعلان کروایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اعلان کر دیا تو اگلے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج (حجۃ الوداع، سن 10ھ) کیا کسی مشرک نے حج نہیں کیا۔ تو جس سال ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین کو یہ پیغام پہنچایا اسی سال اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا الخ.)

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مشرکوں کو حج، وقوف عرفہ و مزدلفہ اور باقی افعال حج سے منع کیا جائے گا۔ اگر چہ یہ سب مسجد حرام میں نہیں ہوتے اور یہ کہ ان مقامات سے ذمیوں کو منع نہیں کیا جاتا تو ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ کی مراد حج سے منع کرنا ہے حج کے علاوہ کوئی غیر مسلم اس کے قریب جاتا ہے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا۔

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وفد ثقیف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے آپ سرکار نے ان کے لیے مسجد میں قبہ تعمیر کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ نجس پلید ہیں! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی (بدعقیدگی کی) نجاست زمین پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس نجاست کا وبال اُنہی پر ہوتا ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب کافر تھے مسجد نبوی میں داخل ہوتے۔ ہاں یہ بات مسجد حرام میں جائز نہیں کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

(فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ)في ذٰلك دلالة على أن نجاسة الكفر لا يمنع الكافر من دخول المسجد.

اس میں دلیل ہے کہ نجاست کفر، کافر کو مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی۔

(أحمد بن علی الرازی الجصاص، م370ھ، أحکام القرآن، 279:4، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ان کا حج اور ان کی زیارت ہی بند نہیں بلکہ مسجد حرام کے حدود میں ان کا داخلہ بھی بند ہے تا کہ شرک و جاہلیت کے اعادہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ ناپاک ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بذاتِ خود ناپاک ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعتقادات، ان کے اخلاق، ان کے اعمال اور ان کے جاہلانہ طریق زندگی ناپاک ہیں اور اسی نجاست کی بنا پر حدودِ حرم میں ان کا داخلہ بند کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ حج اور عمرہ اور مراسم جاہلیت ادا کرنے کے لیے حدودِ حرم میں نہیں جا سکتے۔ امام شافعی کے نزدیک اس حکم کا منشا یہ ہے کہ یہ مسجد حرام میں جا ہی نہیں سکتے۔ اور امام مالک یہ رائے رکھتے ہیں کہ صرف مسجد حرام ہی نہیں بلکہ کسی مسجد میں بھی ان کا داخل ہونا درست نہیں۔ لیکن یہ آخری رائے درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد نبوی میں ان لوگوں کو آنے کی اجازت دی تھی۔

اہل خنثیٰ سے خدمت لینے میں کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ اسْتِخْدَامُ الْخُصْيَانِ) ؛ لِأَنَّ الرَّغْبَةَ فِي اسْتِخْدَامِهِمْ حَثُّ النَّاسِ عَلَى هَذَا الصَّنِيعِ وَهُوَ مُثْلَةٌ مُحَرَّمَةٌ

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَإِنْزَاءِ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ) ؛ لِأَنَّ فِي الْأَوَّلِ مَنْفَعَةً لِلْبَهِيمَةِ وَالنَّاسِ .

وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَكِبَ الْبَغْلَةَ) فَلَوْ كَانَ هَذَا الْفِعْلُ حَرَامًا لَمَا رَكِبَهَا لِمَا فِيهِ مِنْ فَتْحِ بَابِهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ خنثیٰ قسم کے لوگوں سے خدمت لینا مکروہ ہے کیونکہ ان سے خدمت کروانے کے سبب لوگوں ایسے فعل کی جانب رغبت ہوگی۔ حالانکہ وہ مثلہ ہے اور حرام ہے۔ (خصی ہونے کے بارے میں اسلام میں ممانعت ہے)۔

اور جانوروں کو خصی کرنے اور گدھے کو گھوڑی پر سوار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں جانور اور لوگوں کیلئے فائدہ ہے۔ اور یہ بات درست ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خچر پر سواری کی ہے۔ اور اگر یہ فعل حرام ہوتا تو آپ ﷺ خچر پر سواری نہ کرتے کیونکہ اس طرح اس بات کو عام کرنے لازم آئے گا۔

خچر پر سواری سے استدلال اباحت خچر کا بیان

ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے گھوڑے کے دو حصے اور اس کا سوار کے ایک حصہ مال غنیمت میں مقرر فرمایا تھا اور امام مالک نے فرمایا کہ عام گھوڑوں اور خصوصا ترکی گھوڑوں کا حصہ مال غنیمت میں لگایا جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو تمہارے سوار ہونے کیلیئے بنایا اور ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہیں لگایا جائے گا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 129)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے پر اجرت لینے سے منع فرمایا۔ اس باب میں ابوہریرہ، انس، اور ابوسعید سے بھی روایت ہے حدیث ابن عمر حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی اسے بطور انعام کچھ دے تو یہ جائز ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1293)

حضرت علی سے روایت ہے کہ (ایک موقع پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے، حضرت علی نے عرض کیا کہ "اگر ہم گھوڑیوں پر گدھے چھوڑیں تو ہمیں (بھی) ایسے خچر مل جائیں؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (سن کر) فرمایا کہ "یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو ناواقف ہوتے ہیں۔"

(ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 994)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ غیر دانشمندانہ کام تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ اس (گھوڑیوں پر گدھے چھوڑنے) سے بہتر گھوڑی پر گھوڑا ہی چھوڑنا ہے کیونکہ جو فوائد گھوڑی سے اس کی نسل پیدا ہونے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے پیٹ سے خچر پیدا ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث میں گویا گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت مذکور ہے، اور یہ ممانعت "نہی کراہت" کے طور پر ہے۔

مصلحت پسند اہل کتاب کی عیادت کرنے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِعِيَادَةِ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ) ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ بِرٍّ فِي حَقِّهِمْ ، وَمَا نُهِينَا عَنْ

ذَلِكَ ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَادَ يَهُودِيًّا مَرِضَ بِجِوَارِهِ) .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی عیادت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ان کے حق میں ایک احسان ہے جس سے ہم کو منع نہیں کیا گیا اور صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی کی عیادت کی ہے جو آپ ﷺ کے ہمسائیگی میں رہتا تھا۔

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑا۔ تو اس کے پاس نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لے گئے آپ اس کے سر کے پاس بیٹھے اور فرمایا اسلام لے آ! اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس کھڑا تھا اس نے اپنے بیٹے سے کہا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا مان اور وہ اسلام لے آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو آگ سے نجات دی۔
(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1281)

دعا کے طریقہ مکروہ عدم مکروہ کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ : أَسْأَلُك بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِك) وَلِلْمَسْأَلَةِ عِبَارَتَانِ : هَذِهِ ، وَمَقْعَدُ الْعِزِّ ، وَلَا رَيْبَ فِي كَرَاهَةِ الثَّانِيَةِ ؛ لِأَنَّهُ مِنْ الْقُعُودِ ، وَكَذَا الْأُولَى ؛ لِأَنَّهُ يُوهِمُ تَعَلُّقَ عِزِّهِ بِالْعَرْشِ وَهُوَ مُحْدَثٌ وَاَللَّهُ تَعَالَى بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ قَدِيمٌ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ .وَبِهِ أَخَذَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ مَأْثُورٌ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ .

رُوِيَ أَنَّهُ كَانَ مِنْ دُعَائِهِ (اللَّهُمَّ إنِّي أَسْأَلُك بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِك ؛ وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِك ، وَبِاسْمِك الْأَعْظَمِ وَجَدِّك الْأَعْلَى وَكَلِمَاتِك التَّامَّةِ) وَلَكِنَّا نَقُولُ : هَذَا خَبَرُ وَاحِدٍ فَكَانَ الِاحْتِيَاطُ فِي الِامْتِنَاعِ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَاؤُك وَرُسُلِك) ؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوقِ عَلَى الْخَالِقِ .

ترجمہ

فرمایا کہ کسی شخص کیلئے اس طرح دعا مانگنا مکروہ ہے کہ میں تجھ سے عرش کی عزت کا واسطہ دیکر سوال کر رہا ہوں اور اس مسئلہ میں

دوالفاظ یہ بھی ہیں۔اسلک اور دوسرا مقعد عز اس میں دوسرے لفظ کی کراہت میں شک نہیں ہے کیونکہ یہ قعود سے بنا ہے اور اسی طرح پہلی عبارت بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کے عرش کریم کی شان میں وہم ڈالنے والا ہے۔ حالانکہ عرش محدث ہے۔ جبکہ اللہ تعالی اپنی تمام صفات کے ساتھ قدیم ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ایسی دعا میں کوئی حرج نہیں ہے اور فقیہ ابولیث سمرقندی علیہ الرحمہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ نے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس روایت میں آتا ہے کہ یہ بھی آپ دعا کے کلمات میں سے ہیں۔ کہ اے اللہ! میں تجھ سے عرش کی گرہ بندی کا، کتاب کی انتہاء کا اور اسم اعظم کا اور تیری عظیم کبریائی کا اور کلمات تامہ کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے پس اس طرح واسطے نہ دیکر سوال کرنے میں احتیاط ہے۔ اور اپنی دعا میں "بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَاؤُكَ وَرُسُلِكَ" کہنا مکروہ ہے کیونکہ پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔

شرح

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اپنے آپ کو ذلیل وخوار کس طرح کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی بلائیں اپنے سر لے لے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1034)

یہ بات مومن کی فراست کے منافی ہے کہ وہ ایسی چیز یا کسی ایسے کام کی ذمہ داری قبول کرے جو اس کی طاقت اور اس کی رسائی سے باہر ہو۔ ایسا کرنا اپنے آپ کو خوار کرنا اور اپنی سبکی کرانا ہے۔ مثلا کوئی شخص حساب کتاب کے فن سے ناواقف ہو اور ایسے امور اپنے ذمہ لے لے جن کا تعلق حساب کتاب سے ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ اپنی خواری وسبکی کے علاوہ اور کیا نکلے گا۔ چنانچہ یہ ارشاد گرامی مسلمانوں کو اسی نکتہ کی طرف توجہ دلا رہا ہے کہ وہ صرف ایسے ہی امور اپنے ذمہ لیں جن کی انجام دہی کی وہ طاقت ولیاقت رکھتے ہوں۔ کسی غرض، کسی لالچ یا کسی جذبہ کی تسکین کی خاطر غیر متحمل چیزوں کی ذمہ داری قبول کرنا مآل کار اپنی ذلت وخواری میں مبتلا ہونا ہے۔

بظاہر یہ حدیث اس باب سے متعلق معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر اس حدیث کے مفہوم کو پچھلی حدیث کے مفہوم کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اس باب سے اس حدیث کا گہرا تعلق ہے اور وہ یہ کہ آدمی جس چیز کا متحمل نہ ہو اس کی دعا بھی نہ مانگے۔

شطرنج وچودہ گوٹی وغیرہ کھیلنے کی کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ اللَّعِبُ بِالشِّطْرَنْجِ وَالنَّرْدِ وَالْأَرْبَعَةَ عَشَرَ وَكُلِّ لَهْوٍ) ؛ لِأَنَّهُ إنْ قَامَرَ بِهَا فَالْمَيْسِرُ حَرَامٌ بِالنَّصِّ وَهُوَ اسْمٌ لِكُلِّ قِمَارٍ ، وَإِنْ لَمْ يُقَامِرْ فَهُوَ عَبَثٌ وَلَهْوٌ .

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَهْوُ الْمُؤْمِنِ بَاطِلٌ إِلَّا الثَّلَاثَ : تَأْدِيبُهُ لِفَرَسِهِ ، وَمُنَاضَلَتُهُ عَنْ قَوْسِهِ ، وَمُلَاعَبَتُهُ مَعَ أَهْلِهِ) وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ : يُبَاحُ اللَّعِبُ بِالشِّطْرَنْجِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَشْحِيذِ الْخَوَاطِرِ وَتَذْكِيَةِ الْأَفْهَامِ ، وَهُوَ مَحْكِيٌّ عَنْ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ .

لَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ لَعِبَ بِالشِّطْرَنْجِ وَالنَّرْدَشِيرِ فَكَأَنَّمَا غَمَسَ يَدَهُ فِي دَمِ الْخِنْزِيرِ) وَلِأَنَّهُ نَوْعُ لَعِبٍ يَصُدُّ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنْ الْجُمَعِ وَالْجَمَاعَاتِ فَيَكُونُ حَرَامًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَا أَلْهَاكَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ فَهُوَ مَيْسِرٌ) ثُمَّ إِنْ قَامَرَ بِهِ تَسْقُطُ عَدَالَتُهُ ، وَإِنْ لَمْ يُقَامِرْ لَا تَسْقُطُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَأَوِّلٌ فِيهِ .

وَكَرِهَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ التَّسْلِيمَ عَلَيْهِمْ تَحْذِيرًا لَهُمْ ، وَلَمْ يَرَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِهِ بَأْسًا لِيَشْغَلَهُمْ عَمَّا هُمْ فِيهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ شطرنج اور چودہ گوٹی وغیرہ کھیلوں کا کھیلنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جب کھیلنے والا جب ان کے ذریعے جوا کھیلے تو وہ نص قرآنی کے مطابق حرام ہے اور ہر قمار میسر کا نام ہے اور جب وہ جوا نہ کھیلے تو یہ عبث وفضول ہے اور لہو ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزوں کے سوا مؤمن کیلئے ہر چیز لہو باطل ہے۔ (۱) مؤمن کیلئے اپنے گھوڑے کو طریقہ سکھلانا ہے (۲) اپنی کمان سے تیر چلانا ہے (۳) اپنی بیوی سے ساتھ کھیلانا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے شطرنج مباح ہے کیونکہ اس سے ان کا ذہن ودماغ تیز ہوتا ہے امام شافعی علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان اقدس ہے کہ جس شخص نے شطرنج، نرد اور نردشیر کھیلا تو گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے خون میں ڈبو دیا ہے۔ کیونکہ شطرنج بھی ایک طرح کا کھیل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، جمعہ اور نمازوں کی باجماعت ادائیگی سے غفلت دلوانے والا ہے۔ پس یہ حرام ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز تجھے اللہ کے ذکر سے غافل کردے وہ میسر ہے۔ اور اس کے بعد جب اس نے جوا کھیل لیا ہے تو اس میں عدل کا ہونا بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور جب اس نے جوا نہ کھیلا تو اس کی عدالت ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں تاویل کرنے والا ہے۔ (لہذا جوا منع ہوا)

صاحبین نے کہا ہے شطرنج کھیلنے والوں کو خبردار کرنے کے باوجود ان سے سلام کرنا پسند نہیں کیا گیا جبکہ امام صاحب کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ان کو شطرنج سے غافل کرے۔

شرح

اور حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔شطرنج صرف وہ شخص کھیلتا ہے جو خطا کار ہو۔(مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 439)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے۔"شطرنج عجمی لوگوں یعنی غیر مسلم قوموں کا جوا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 438)

مطلب یہ ہے کہ غیر مسلم قوموں کے لوگ شطرنج کے ذریعہ حقیقۃ جوا کھیلتے ہیں یا شطرنج کھیلنا صورۃ ان کے جوئے کی مشابہت رکھتا ہے اوران کی ہر طرح کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے اور جوا کھیلنے سے منع فرمایا اور کوبہ اور غبیرا سے منع کیا ہے نیز فرمایا کہ "جو چیز بھی نشہ لائے وہ حرام ہے۔"(ابوداؤد،مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 797)

قاموس میں لکھا ہے کہ "کوبہ "نرد(ایک کھیل)اور شطرنج کو کہتے ہیں،اسی طرح طبل یعنی نقارے سے اور بربط کو بھی" کوبہ" کہتے ہیں چونکہ یہ ساری ہی چیزیں ممنوع ہیں اس لئے یہاں کوبہ سے جو بھی چیز مراد لی جائے صحیح ہے۔"غبیرا" ایک قسم کی شراب کا نام ہے جو چنے سے بنتی تھی اور عام طور پر حبشی بنایا کرتے تھے۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے شطرنج کھیلنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کھیل ایک باطل شئے ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو پسند کرتا۔مذکورہ بالا چاروں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 440)

ہدایہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی "جس شخص نے شطرنج یا نردشیر کھیلا اس نے گویا سور کے خون میں اپنا ہاتھ ڈبویا" کی بنیاد پر نردشیر اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔

جامع صغیر میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ شطرنج کھیلنے والا ملعون ہے اور جس شخص نے دل چسپی و رغبت کے ساتھ شطرنج کی طرف دیکھا گویا اس نے سور کا گوشت کھایا۔اور بعض کتابوں میں جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ امام شافعی نے شطرنج کے کھیل کو کچھ شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے تو نصاب الاحتساب میں امام غزالی سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک بھی یہ کھیل مکروہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ شافعی پہلے اس کے جواز کے قائل رہے ہوں گے لیکن پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا،درمختار وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اس طرح سب کھیل مکروہ ہیں۔

شطرنج کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

مسند میں ہے پانسوں سے کھیل کر نماز پڑھنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قے اور گندگی سے اور سور کے خون سے وضو کر کے نماز ادا کرے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک شطرنج اس سے بھی بری ہے۔حضرت علی سے شطرنج کا جوئے میں سے ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔امام مالک امام ابوحنیفہ امام احمد تو کھلم کھلا اسے حرام بتاتے ہیں اور امام شافعی بھی اسے مکروہ بتاتے ہیں۔

تاجر غلام کا ہدیہ و دعوت کو قبول کرنے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِقَبُولِ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ التَّاجِرِ وَإِجَابَةِ دَعْوَتِهِ وَاسْتِعَارَةِ دَابَّتِهِ .وَتُكْرَهُ كِسْوَتُهُ الثَّوْبَ وَهَدِيَّتُهُ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ .وَفِي الْقِيَاسِ : كُلُّ ذَلِكَ بَاطِلٌ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَالْعَبْدُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَبِلَ هَدِيَّةَ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ كَانَ عَبْدًا ، وَقَبِلَ هَدِيَّةَ بَرِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَكَانَتْ مُكَاتَبَةً) وَأَجَابَ رَهْطٌ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ دَعْوَةَ مَوْلَى أَبِي أُسَيْدٍ وَكَانَ عَبْدًا ، وَلِأَنَّ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ ضَرُورَةً لَا يَجِدُ التَّاجِرُ بُدًّا مِنْهَا ، وَمَنْ مَلَكَ شَيْئًا يَمْلِكُ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ ، وَلَا ضَرُورَةَ فِي الْكِسْوَةِ وَإِهْدَاءِ الدَّرَاهِمِ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ .

ترجمہ

فرمایا کہ تاجر غلام کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کی دعوت قبول کرنا اور اسی طرح اس کو سواری کو عاریت پر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں البتہ غلام کا کپڑا پہنانا اور دراہم و دیناروں کا ہدیہ قبول کرنا مکروہ ہے اور یہ استحسان کی دلیل سے ہے جبکہ قیاس کے مطابق یہ سب باطل ہیں کیونکہ یہ احسان ہیں اور غلام کسی احسان کا اہلیت رکھنے والا ہی نہیں ہے۔

اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غلامی کی حالت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ہدیہ قبول کیا ہے اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا ہدیہ بھی آپ ﷺ نے قبول کیا تھا۔حالانکہ وہ حالت مکاتبت میں تھیں۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے غلام کی دعوت کو قبول کیا ہے۔حالانکہ اس وقت وہ غلام تھے۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ ان چیزوں میں اس قسم کی ضرورت ہے کہ تاجر کو اس سے نجات نہیں ہے اور جو بندہ کسی چیز کا مالک بن جاتا ہے تو بندہ اس کے لوازمات کا مالک بھی بن جانے والا ہے۔جبکہ کپڑا پہنانے میں اور دراہم و دیناروں کا ہدیہ کرنے میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔پس اس کو اصل پر قیاس کیا جائے گا۔

حضرت سلمان فارسی مسلمان ہو گئے

سن 1ھ کے واقعات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بہت اہم ہے۔یہ فارس کے رہنے

والے تھے ان کے آباؤ اجداد بلکہ ان کے ملک کی پوری آبادی مجوسی (آتش پرست) تھی۔ یہ اپنے آبائی دین سے بیزار ہوکر دین حق کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے مگر ڈاکوؤں نے ان کو گرفتار کر کے اپنا غلام بنالیا۔ پھر ان کو بیچ ڈالا۔ چنانچہ یہ کئی بار بکتے رہے اور مختلف لوگوں کی غلامی میں رہے۔ اسی طرح یہ مدینے پہنچے کچھ دنوں تک عیسائی بن کر رہے اور یہودیوں سے بھی میل جول رکھتے رہے اس طرح ان کو توریت وانجیل کی کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو پہلے دن تازہ کھجوروں کا ایک طباق خدمت اقدس میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا کر فقرا اور مساکین کو دے دو کیونکہ میں صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر دوسرے دن کھجوروں کا خوان لے کر پہنچے اور یہ کہہ کر کہ یہ ہدیہ ہے سامنے رکھ دیا۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان جو نظر ڈالی تو مہر نبوت کو دیکھ لیا چونکہ یہ توراۃ وانجیل میں نبی آخر الزمان کی نشانیاں پڑھ چکے تھے اس لئے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔

(مدارج جلد 2 ص 71 وغیرہ)

لقیط کے ذریعے قبضہ سے ہبہ وصدقہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ لَقِيطٌ لَا أَبَ لَهُ فَإِنَّهُ يَجُوزُ قَبْضُهُ الْهِبَةَ وَالصَّدَقَةَ لَهُ) وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الصِّغَارِ أَنْوَاعٌ ثَلَاثَةٌ : نَوْعٌ هُوَ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ لَا يَمْلِكُهُ إلَّا مَنْ هُوَ وَلِيٌّ كَالْإِنْكَاحِ وَالشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ لِأَمْوَالِ الْقُنْيَةِ ؛ لِأَنَّ الْوَلِيَّ هُوَ الَّذِي قَامَ مَقَامَهُ بِإِنَابَةِ الشَّرْعِ ، وَنَوْعٌ آخَرُ مَا كَانَ مِنْ ضَرُورَةِ حَالِ الصِّغَارِ وَهُوَ شِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلصَّغِيرِ مِنْهُ وَبَيْعُهُ وَإِجَارَةُ الْأَظْآرِ .

وَذَلِكَ جَائِزٌ مِمَّنْ يَعُولُهُ وَيُنْفِقُ عَلَيْهِ كَالْأَخِ وَالْعَمِّ وَالْأُمِّ وَالْمُلْتَقِطِ إذَا كَانَ فِي حِجْرِهِمْ

وَإِذَا مَلَكَ هَؤُلَاءِ هَذَا النَّوْعَ فَالْوَلِيُّ أَوْلَى بِهِ ، إلَّا أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ فِي حَقِّ الْوَلِيِّ أَنْ يَكُونَ الصَّبِيُّ فِي حِجْرِهِ ، وَنَوْعٌ ثَالِثٌ مَا هُوَ نَفْعٌ مَحْضٌ كَقَبُولِ الْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْقَبْضِ ، فَهَذَا يَمْلِكُهُ الْمُلْتَقِطُ وَالْأَخُ وَالْعَمُّ وَالصَّبِيُّ بِنَفْسِهِ إذَا كَانَ يَعْقِلُ ، لِأَنَّ اللَّائِقَ بِالْحِكْمَةِ فَتْحُ بَابِ مِثْلِهِ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فَيَمْلِكُ بِالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَالْحِجْرِ وَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْإِنْفَاقِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص کے قبضہ میں کوئی بغیر باپ کے لقیط ہے اور اس بندے کیلئے لقیط کے ذریعے سے اس کو ہبہ اور صدقہ کرنا جائز ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چھوٹوں پر تین طرح کا تصرف ہوتا ہے۔

(۱) ایک باپ کی ولایت کا تصرف ہے جس کا مالک صرف اس کا ولی ہوتا ہے۔ جس طرح نکاح کرنا ہے اور جمع شدہ مال کی خرید وفروخت کا حکم ہے۔ کیونکہ اس بچے کے قائم مقام وہی ولی ہے اور شریعت نے اس کو قائم مقام بنایا ہے۔

(۲) اس کی دوسری قسم بچوں کی ضرورت ہے یعنی بچے کیلئے ضروری اشیاء کی بیع کرنا ہے اور دایہ کو مزدوری دینا ہے اور یہ ان لوگوں کی جانب سے جائز ہے جو اس بچے کی پرورش کرنے والے ہیں۔ اور اس پر خرچ کرنے والے ہیں جس طرح بھائی، چچا، ماں اور لقیط کو اٹھانے والا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ بچہ انہی کی گود میں ہو۔ اور جب اس قسم کے لوگ بچے کے مالک بن سکتے ہیں تو بچے کی ولی بدرجہ اولیٰ اس کے مالک بن سکتے ہیں۔ پس ولی کیلئے بچے کا اس کی گود میں ہونے کی کوئی شرط نہ ہوگی۔

(۳) اور تیسری قسم میں صرف فائدہ ہے جس طرح صدقے اور ہدیے کو قبول کرنا ہے اور قبضہ کرنا ہے پس اس میں لقیط کو اٹھانے والا، بھائی، چچا اور بچہ خود متصرف ہوگا لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ بچہ سمجھ دار ہو۔ یہ سب اس کے مالک بن جائیں گے۔ کیونکہ اس حکمت کا سبب یہ ہے کہ بچے کے فائدے کیلئے اس ترقی کا کوئی دروازہ کھولا جائے۔ پس بچے میں عقلمندی، ولایت سے پرورش سے انسان اس کا مالک بن جائے گا۔ اور یہ خرچ کرنے کی طرح بن جائے گا۔

لقیط کو اجارے پر دینے کے عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يُؤَاجِرَهُ ، وَيَجُوزُ لِلْأُمِّ أَنْ تُؤَاجِرَ ابْنَهَا إِذَا كَانَ فِي حِجْرِهَا وَلَا يَجُوزُ لِلْعَمِّ) ؛ لِأَنَّ الْأُمَّ تَمْلِكُ إتْلَافَ مَنَافِعِهِ بِاسْتِخْدَامٍ ، وَلَا كَذَلِكَ الْمُلْتَقِطُ وَالْعَمُّ (وَلَوْ أَجَّرَ الصَّبِيُّ نَفْسَهُ لَا يَجُوزُ) ؛ لِأَنَّهُ مَشُوبٌ بِالضَّرَرِ (إلَّا إذَا فَرَغَ مِنْ الْعَمَلِ) ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ تَمَحَّضَ نَفْعًا فَيَجِبُ الْمُسَمَّى وَهُوَ نَظِيرُ الْعَبْدِ الْمَحْجُورِ يُؤَاجِرُ نَفْسَهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ

فرمایا کہ لقیط کو اٹھانے والے شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لقیط کو کرائے دیدے۔ کیونکہ ماں کیلئے اپنے بیٹے کو اجارے پر دینا جائز ہے لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ اس کی تربیت کی گئی ہو۔ جبکہ چچا کیلئے جائز نہیں ہے کیونکہ ماں اپنے منافع سے زائد خدمت لیتے ہوئے اس کو تلف کرنے کا حق بھی رکھتی ہے جبکہ یہ حق چچا کیلئے نہیں ہے۔ اور جب بچے نے اپنے آپ کو خود بہ خود کرائے پر دے دیا ہے تو بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں نقصان ملنے والا ہے ہاں البتہ جب اس نے وہ کام کر کے فارغ ہو چکا ہے کیونکہ اب تو صرف

نفع رہ چکا ہے۔ پس مقرر کردہ کرایہ لازم ہو جائے گا اور یہ بچہ اپنے آپ کو کرائے پر دینے میں مجور غلام کی طرح ہو جائے گا جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

غلام کی گردن علامت وغیرہ ڈالنے کی کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَجْعَلَ الرَّجُلُ فِي عُنُقِ عَبْدِهِ الرَّايَةَ) وَيَرْوُونَ الدَّايَةَ ، وَهُوَ طَوْقُ الْحَدِيدِ الَّذِي يَمْنَعُهُ مِنْ أَنْ يُحَرِّكَ رَأْسَهُ ، وَهُوَ مُعْتَادٌ بَيْنَ الظَّلَمَةِ ؛ لِأَنَّهُ عُقُوبَةُ أَهْلِ النَّارِ فَيُكْرَهُ كَالْإِحْرَاقِ بِالنَّارِ (وَلَا يُكْرَهُ أَنْ يُقَيِّدَهُ) لِأَنَّهُ سُنَّةُ الْمُسْلِمِينَ فِي السُّفَهَاءِ وَأَهْلِ الدَّعَارَةِ فَلَا يُكْرَهُ فِي الْعَبْدِ تَحَرُّزًا عَنْ إبَاقِهِ وَصِيَانَةً لِمَالِهِ .

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِالْحُقْنَةِ يُرِيدُ بِهِ التَّدَاوِيَ) لِأَنَّ التَّدَاوِيَ مُبَاحٌ بِالْإِجْمَاعِ ، وَقَدْ وَرَدَ بِإِبَاحَتِهِ الْحَدِيثُ .

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُسْتَعْمَلَ الْمُحَرَّمُ كَالْخَمْرِ وَنَحْوِهَا ؛ لِأَنَّ الِاسْتِشْفَاءَ بِالْمُحَرَّمِ حَرَامٌ .

ترجمہ

فرمایا کہ کسی شخص کیلئے اپنے غلام کی گردن میں بطور نشانی طوق ڈالنا مکروہ ہے جبکہ دوسری روایت میں دایہ کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ لوہے کا طوق ہے جو غلام کو سر ہلانے سے روکنے والا ہے۔ اور یہ ظالموں کا طریقہ ہے کیونکہ اہل جہنم کی سزا ہے پس آگ میں جلانے کی طرح یہ بھی مکروہ ہے۔ جبکہ غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ بے وقوف اور فسادی لوگوں کیلئے مسلمانوں کے ہاں یہی رائج ہے پس غلام کو بھاگنے سے بچانے کیلئے اور مال کی حفاظت کی خاطر یہ مکروہ نہیں ہے۔

اور علاج کی غرض سے حقنہ کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ دوا کروانا بہ اجماع جائز ہے۔ اور اس کی اباحت میں حدیث بیان ہوئی ہے۔ اور اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں ہے۔ جس طرح شراب وغیرہ کا حکم ہے کیونکہ حرام سے شفاء کو طلب کرنا بھی حرام ہے۔

شرح

اور جب ضرورت ہو تو مرد مرد کے موضع حقنہ کی طرف نظر کر سکتا ہے یہ بھی بوجہ ضرورت جائز ہے اور ختنہ کرنے میں موضع ختنہ کی طرف نظر کرنا بلکہ اس کا چھونا بھی جائز ہے کہ یہ بھی بوجہ ضرورت ہے۔ عورت کو فصد کرانے کی ضرورت ہے اور کوئی عورت ایسی نہیں ہے جو اچھی طرح فصد کھولے تو مرد سے فصد کرانا جائز ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب کراہیہ، بیروت)

قاضی کیلئے تنخواہ مقرر کرنے میں حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِرِزْقِ الْقَاضِي) ؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَعَثَ عَتَّابَ بْنَ أُسَيْدٍ إِلَى مَكَّةَ وَفَرَضَ لَهُ ، وَبَعَثَ عَلِيًّا إِلَى الْيَمَنِ وَفَرَضَ لَهُ) وَلِأَنَّهُ مَحْبُوسٌ لِحَقِّ الْمُسْلِمِينَ فَتَكُونُ نَفَقَتُهُ فِي مَالِهِمْ وَهُوَ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْحَبْسَ مِنْ أَسْبَابِ النَّفَقَةِ كَمَا فِي الْوَصِيِّ وَالْمُضَارِبِ إِذَا سَافَرَ بِمَالِ الْمُضَارَبَةِ ، وَهَذَا فِيمَا يَكُونُ كِفَايَةً ، فَإِنْ كَانَ شَرْطًا فَهُوَ حَرَامٌ ؛ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ عَلَى الطَّاعَةِ ، إِذْ الْقَضَاءُ طَاعَةٌ بَلْ هُوَ أَفْضَلُهَا ، ثُمَّ الْقَاضِي إِذَا كَانَ فَقِيرًا : فَالْأَفْضَلُ بَلْ الْوَاجِبُ الْأَخْذُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ إِقَامَةُ فَرْضِ الْقَضَاءِ إِلَّا بِهِ ، إِذْ الِاشْتِغَالُ بِالْكَسْبِ يُقْعِدُهُ عَنْ إِقَامَتِهِ ، وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا فَالْأَفْضَلُ الِامْتِنَاعُ عَلَى مَا قِيلَ رِفْقًا بِبَيْتِ الْمَالِ .

وَقِيلَ الْأَخْذُ وَهُوَ الْأَصَحُّ صِيَانَةً لِلْقَضَاءِ عَنْ الْهَوَانِ وَنَظَرًا لِمَنْ يُوَلَّى بَعْدَهُ مِنْ الْمُحْتَاجِينَ ؛ لِأَنَّهُ إِذَا انْقَطَعَ زَمَانًا يَتَعَذَّرُ إِعَادَتُهُ ثُمَّ تَسْمِيَتُهُ رِزْقًا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ بِقَدْرِ الْكِفَايَةِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ قاضی کیلئے تنخواہ کو مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ کی جانب روانہ کیا اور ان کیلئے خرچہ مقرر کیا تھا۔ اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا اور ان کیلئے خرچہ مقرر کیا اور یہ بھی دلیل ہے کہ قاضی اہل اسلام کے حق کیلئے مقرر کیا جاتا ہے۔ پس اس کا خرچہ بھی انہی کے مال سے ہوگا۔ اور وہ بیت المال کے مال سے دیا جائے گا۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ اسباب نفقہ میں سے ہے جس طرح وصی اور مضارب کیلئے حکم ہے۔ کہ جب مضارب مال مضاربت کے ساتھ سفر کرے گا تو اس کیلئے مقدار ضرورت کے مطابق کافی ہے۔

ہاں البتہ جب جج مشروط تنخواہ کے ساتھ مقرر ہے تو حرام ہے۔ کیونکہ یہ اطاعت پر اجرت لینا ہے۔ کیونکہ قضاء طاعت نہیں ہے بلکہ یہ ایک افضل طاعت ہے اور اس کے بعد جب قاضی ضرورت مند ہے تو اس کیلئے تنخواہ لینا نہ صرف بہتر بلکہ اس پر واجب ہے کیونکہ اس کے بارے عہدہ قضاء کی ذمہ داری کو نبھانا اس کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ کمانے میں مصروف ہونے کی وجہ اس کو فرض کی ادائیگی سے روکنے والی ہے۔

اور جب قاضی مالدار ہے جو اس کیلئے نہ لینا بہتر ہے تا کہ بیت المال کیلئے سہولت رہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بیت المال کو

ذلت اور آسانی سے بچانے کیلئے اور اپنے عہدہ پر قائم رہتے ہوئے ضرورت مندوں کی ضرورت کے مطابق خرچہ لینا صحیح ہے یہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ ایک وقت تک بند رہنے تک اس کو دوبارہ لانا مشکل ہے۔ اور اس کا نام رزق رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ کافی ہونے والی مقدار کے برابر لے گا۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ کہ آپ نے عاملین سے فرمایا: کہ جب تمہیں معلوم نہ ہو کہ وہ تمہارے تاجروں سے کیا لیتے ہیں تو تم ان سے عشر وصول کرو۔ اور اگر اس بات کا تمہیں علم ہو کہ حربی ہم سے چالیسواں حصہ وصول کرتے ہیں یا وہ بیسواں حصہ وصول کرتے ہیں تو تم بھی ان سے اسی مقدار وصول کرو۔ البتہ اس صورت میں ہمارا فیصلہ مختلف ہے جب حربی پورا مال لیتے ہوں تو تم ان سے پورا مال وصول نہ کرو کیونکہ ہمارا ان سے معاہدہ ہو چکا ہے لہذا اس میں ان سے خلاف ورزی نہ کی جائے گی۔ عہد پورا کرنے کے بارے میں شرعی اصول بھی موجود ہیں۔ کیونکہ امان کے بعد ان کے حقوق کا تحفظ مسلمانوں کے حقوق کی طرح ہوتا ہے۔

اور امام عامل کو اتنی مقدار میں مال دے جتنا اس نے کام کیا ہے۔ اور امام عامل کو اس قدر دیگا جس سے وہ اور اس کے حمایتوں کو کافی ہو۔ جبکہ آٹھواں حصہ مقرر نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ عامل کا حق کفایت کے طریقے پر ثابت ہوا ہے۔ اس لئے عامل مال لے گا اگر چہ وہ مالدار ہو۔ لیکن اس میں صدقے کا شک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے قرابت کی وجہ سے ہاشمی عامل اس مال کو نہ لے گا۔ اور مالدار کرامت کے مستحق ہونے میں ہاشمی کے برابر نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے حق میں شک نہیں کیا گیا ہے۔

وہ لوگ جو زکوٰۃ وعشر جمع کرنے پر مامور ہوں، ان سب کو زکوٰۃ فنڈ سے اجرت یا تنخواہ دی جائے گی خواہ امیر ہوں خواہ غریب

ان مایستحقه العامل انما یستحقه بطریق العمالته لابطریق الزکاة بدلیل ان یعطی وان کان غنیا بالا جماع ولو کان ذلك صدقته لما حلت للغنی

عامل جو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے وہ صرف اپنے کام کی بناء پر اس کا حقدار ہے نہ کہ زکوٰۃ کی حیثیت سے دلیل یہ ہے کہ اسے تنخواہ ملے گی گو غنی وامیر ہو اس پر امت کا اجماع ہے اگر یہ صدقہ ہوتا تو امیر کے لئے جائز نہ ہوتا۔

(بدائع الصنائع 2:44۔ فتح القدیر 2:204۔ تفسیر کبیر 16:115)

خراج سے وظیفہ قاضی کے مقرر ہونے کا بیان

وَقَدْ جَرَى الرَّسْمُ بِإِعْطَائِهِ فِي أَوَّلِ السَّنَةِ ؛ لِأَنَّ الْخَرَاجَ يُؤْخَذُ فِي أَوَّلِ السَّنَةِ وَهُوَ يُعْطَى مِنْهُ ، وَفِي زَمَانِنَا الْخَرَاجُ يُؤْخَذُ فِي آخِرِ السَّنَةِ وَالْمَأْخُوذُ مِنْ الْخَرَاجِ خَرَاجُ

السَّنَةِ الْمَاضِيَةِ هُوَ الصَّحِيحُ ، وَلَوْ اسْتَوْفَى رِزْقَ سَنَةٍ وَعُزِلَ قَبْلَ اسْتِكْمَالِهَا ، قِيلَ هُوَ عَلَى اخْتِلَافٍ مَعْرُوفٍ فِي نَفَقَةِ الْمَرْأَةِ إِذَا مَاتَتْ فِي السَّنَةِ بَعْدَ اسْتِعْجَالِ نَفَقَةِ السَّنَةِ ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَجِبُ الرَّدُّ .

ترجمہ

اور عرف میں یہ طریقہ تھا کہ قاضی کو سال کے شروع میں خراج وصول کرتے ہی اس سے تنخواہ دے دیتے تھے۔ جبکہ ہمارے دور میں سال کے آخر میں خراج وصول کیا جاتا ہے اور صحیح قول یہ ہے خراج سے مراد گذشتہ سال کا خراج ہے۔ اور جب قاضی نے ایک سال کی تنخواہ وصول کی لی ہے اور پھر وہ سال پورا ہونے سے پہلے معزول کر دیا گیا ہے۔ تو ایک قول یہ ہے وہ تنخواہ عورت والے نفقہ کے مشہور اختلاف کے مطابق اختلافی ہوا۔ جس طرح یہ صورت ہے کہ جب وہ ایڈوانس نفقہ لینے کے بعد دوران سال فوت ہو جائے۔ جبکہ قول صحیح یہ ہے کہ اس پر واپسی واجب ہے۔

باندی وام ولد کا محرم کے بغیر سفر کرنے میں اباحت کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تُسَافِرَ الْأَمَةُ وَأُمُّ الْوَلَدِ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ) ؛ لِأَنَّ الْأَجَانِبَ فِي حَقِّ الْإِمَاءِ فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى النَّظَرِ وَالْمَسِّ بِمَنْزِلَةِ الْمَحَارِمِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَأُمُّ الْوَلَدِ أَمَةٌ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيهَا وَإِنْ امْتَنَعَ بَيْعُهَا .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی باندی اور ام ولد نے محرم کے بغیر سفر کیا ہے تو اس کیلئے کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ دیکھنے اور چھونے میں باندیوں کے حق میں اجنبی لوگ محارم کے حکم میں ہیں۔ جس طرح اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور ام ولد میں ملکیت قائم ہے لہذا وہ بھی باندی ہے۔ خواہ اس کی بیع کو منع کیا ہے۔

شرح

﴿یہ کتاب احیاء موات کے بیان میں ہے﴾

کتاب احیاء اموات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے قبل کتاب کراہیہ کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے کتاب احیاء اموات کو بیان کررہے ہیں۔ ان کتب کی آپس میں مطابقت کے بارے میں شارحین ہدایہ نے کہا ہے کہ جس طرح کراہیت میں مکروہ کے احکام کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح اس میں بھی مکروہ سے متعلق احکام کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ اسی مناسبت کا علامہ عینی علیہ الرحمہ نے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے کیونکہ مکروہ وغیر مکروہ احکام ہر کتاب میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اور اس کی صحیح مناسبت یہ ہے کہ اس میں موات کا بیان ہے اور موات نا قابل انتفاع ہیں جبکہ کراہیت میں سونے چاندی کو بیان کیا گیا ہے۔ جو زیوارت میں استعمال ہونے کے سوا وہ بھی قابل انتفاع نہیں ہیں۔ پس عدم انتفاع کے سبب کتاب کراہیت اور کتاب احیاء اموات میں مطابقت پائی جارہی ہے۔ پس اسی لئے ان دونوں کتب کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔

(العنایہ شرح الہدایہ، کتاب احیاء اموات، حقانیہ ملتان)

کتاب احیاء موات کے شرعی مأخذ کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی ایسی افتادہ وبنجر زمین کو آباد کرے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ آباد کرنیوالا شخص ہی اس زمین کا سب سے زیادہ حق دار ہے حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے اپنی خلافت کے دور میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 212)

حضرت عروہؓ کے یہ الفاظ کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں یعنی پانی گھاس اور آگ ایسی ہیں جن میں تمام مسلمان شریک ہیں (ابوداؤد وابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 218)

اس حدیث میں خدا کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جو کائنات کے ہر فرد کے لئے ہے ان میں کسی کی ذاتی ملکیت وخصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

پانی سے مراد دریا تالاب اور کنویں وغیرہ کا پانی وہ پانی مراد نہیں ہے جو کسی شخص کے برتن یا سن میں بھرا ہوا ہو چنانچہ اس کی وضاحت باب کی ابتداء میں کی جا چکی ہے اسی طرح گھاس سے وہ گھاس مراد ہے جو جنگل میں اگی ہوئی ہو۔

آگ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس آگ ہو تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو آگ لینے سے منع کرے یا چراغ جلانے سے روکے اور یا اس کی روشنی میں بیٹھنے سے منع کردے وغیرہ ذلک ہاں اگر کوئی شخص اس آگ میں سے وہ لکڑی لینا چاہے جو اس میں جل رہی ہو تو اس صورت میں اسکو روکنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آگ میں کمی آ جائے گی اور بجھ جائے گی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے سنگ چقماق (یعنی وہ پتھر جس کے مارنے سے آگ نکلتی ہے) مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اس پتھر کے لینے سے نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ پتھر موات یعنی افتادہ زمین میں ہو۔

موات زمین کا فقہی مفہوم کا بیان

قَالَ (الْمَوَاتُ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ مِنْ الْأَرَاضِي لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ أَوْ لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ) سُمِّيَ بِذَلِكَ لِبُطْلَانِ الِانْتِفَاعِ بِهِ .

قَالَ (فَمَا كَانَ مِنْهَا عَادِيًّا لَا مَالِكَ لَهُ أَوْ كَانَ مَمْلُوكًا فِي الْإِسْلَامِ لَا يُعْرَفُ لَهُ مَالِكٌ بِعَيْنِهِ وَهُوَ بَعِيدٌ مِنْ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ إذَا وَقَفَ إنْسَانٌ مِنْ أَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَا يُسْمَعُ الصَّوْتُ فِيهِ فَهُوَ مَوَاتٌ) .

ترجمہ

فرمایا کہ موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ حاصل نہ کیا جا سکے اگر چہ پانی نہ ہونے کے سبب سے یا پانی کے غلبے کی وجہ سے ہو یا انہی جیسی دوسری چیزوں سے ہو۔ اور اسی طرح ہر چیز جو زراعت کرنے سے مانع ہے۔ اور اس سے انتفاع کے باطل ہو جانے کے سبب سے اس کا نام موات ہے۔

موات زمین کی تعریف کا بیان

میم اور واو کے فتح کے ساتھ ہے موات اسے کہتے ہیں جس میں روح نہ ہو لیکن یہاں پر وہ زمین مراد ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالی اس کی تعریف یہ کرتے ہیں۔ ایسی زمین جو کسی اختصاص اور ملکیت سے عاری و خالی ہو۔ تو اس تعریف سے دو چیزیں خارج ہو جاتی ہیں۔

اول یہ کہ جو کسی کافر یا مسلمان کی خرید اور یا پھر عطیہ وغیرہ کی بنا پر ملکیت بن جائے۔ دوم یہ کہ جس کے ساتھ ملک معصوم کی کوء مصلحت وابستہ ہو، مثلا راستہ، سیلابی پانی وغیرہ کی گزرگاہ۔

یا پھر کسی شہر کے آباد کاروں کی اس کے ساتھ مصلحت کا تعلق ہو، مثلا: میت دفن کرنے کے لیے قبرستان، یا پھر گندگی وغیرہ

پھینکنے کی جگہ، یا پھر عیدگاہ اور لکڑیاں وغیرہ کی جگہ اور چراگاہ وغیرہ۔

تو اس طرح کی زمین آباد کرنے سے بھی کسی کی ملکیت میں نہیں آسکتی لیکن جب کسی زمین میں یہ دونوں چیزیں یعنی ملکیت معصوم اور اس کا اختصاص نہ پایا جائے اور کوئی شخص اسے آباد اور زندہ کرلے تو وہ زمین اسی کی ملکیت میں آجائے گی۔

قریہ سے قریب ہونے والی زمین میں حکم موات وعدم موات کا بیان

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : هٰكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ ، وَمَعْنَى الْعَادِيِّ مَا قَدُمَ خَرَابُهُ . وَالْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَشْتَرِطُ أَنْ لَا يَكُونَ مَمْلُوكًا لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ مَعَ انْقِطَاعِ الْارْتِفَاقِ بِهَا لِيَكُونَ مَيْتَةً مُطْلَقًا ؛ فَأَمَّا الَّتِي هِيَ مَمْلُوكَةٌ لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لَا تَكُونُ مَوَاتًا ، وَإِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَالِكُهُ تَكُونُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ ، وَلَوْ ظَهَرَ لَهُ مَالِكٌ يُرَدُّ عَلَيْهِ ، وَيَضْمَنُ الزَّارِعُ نُقْصَانَهَا ، وَالْبُعْدُ عَنْ الْقَرْيَةِ عَلَى مَا قَالَ شَرَطَهُ أَبُو يُوسُفَ ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ مَا يَكُونُ قَرِيبًا مِنْ الْقَرْيَةِ لَا يَنْقَطِعُ ارْتِفَاقُ أَهْلِهَا عَنْهُ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَيْهِ .
وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ اعْتَبَرَ انْقِطَاعَ ارْتِفَاقِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ عَنْهَا حَقِيقَةً ، وَإِنْ كَانَ قَرِيبًا مِنْ الْقَرْيَةِ ، كَذَا ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الْمَعْرُوفُ بِخُوَاهَرْ زَادَهْ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَشَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى مَا اخْتَارَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

ترجمہ

مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ امام قدوری علیہ الرحمہ نے جو یہ کہا ہے کہ عادی کا مطلب یہ ہے کہ جس کی ویرانی پرانی ہو اور امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اور اس کے نفع کا ختم ہونا بھی کسی مسلم یا ذمی کی ملکیت میں ہونا شرط ہے اس لئے کہ وہ مطلق طور پر مردار ہو۔ اور وہ زمین جو کسی مسلم یا ذمی کی ملکیت میں ہے وہ موات نہ ہوگی۔ اور جب کسی زمین کا علم نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی جماعت کیلئے ہوگی۔ حتیٰ کہ اس کا مالک ظاہر ہو جائے۔ تو اس کو واپس کر دی جائے گی اور اس میں زراعت کرنے والا اس کے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

حضرت امام قدوری علیہ الرحمہ نے جو مسئلہ آبادی سے دور ہونے کے بارے میں بیان کیا ہے اس میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی بیان کردہ شرط بھی ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہونے والا حکم اسی طرح ہے۔ اور جو زمین بستی کے قریب ہے اس زمین سے بستی والوں کا فائدہ اٹھانا ختم نہ ہوگا پس حکم کا دار و مدار قریب ہونے پر ہوگا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ ایسی زمین سے حقیقی طور پر فائدہ اٹھانے کا اعتبار کیا ہے۔ خواہ وہ زمین بستی کے قریب ہو اور امام خواہر زادہ نے بھی اسی کو بیان کیا ہے جبکہ امام شمس الائمہ علامہ سرخسی علیہ الرحمہ نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول مختار کو اعتماد کو

ظاہر کیا ہے۔

شرح

موات اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی کھیتی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے منقطع ہونے یا اکثر زیر آب رہنے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو زراعت سے مانع ہو لہٰذا ایسی زمین جو عادی یعنی قدیم ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اسلامی سلطنت کی مملوک ہو اور اس کے مالک کا پتہ نامعلوم ہو اور وہ زمین بستی سے اس قدر دوری پر ہو کہ اگر کوئی شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر آواز بلند کرے تو اس کی آواز اس زمین تک نہ پہنچے تو وہ زمین موات ہے۔

احیاء موات سے مراد ہے اس زمین کو آباد کرنا ہے اور اس زمین کو آباد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس زمین میں مکان بنایا جائے یا اس میں درخت لگایا جائے یا اس میں زراعت کی جائے یا اسے سیراب کیا جائے اور یا اس میں ہل چلا دیا جائے۔

اس قسم کی زمین یعنی موات کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس زمین کو آباد کرتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس زمین کو آباد کرنے کے لئے امام (یعنی حکومت وقت) سے اجازت لینا شرط ہے جب کہ حضرت امام شافعی اور صاحبین یعنی حنفیہ کے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک اجازت شرط نہیں ہے۔

حاکم کی اجازت سے موات کا مالک بننے کا بیان

(ثُمَّ مَنْ أَحْيَاهُ بِإِذْنِ الْإِمَامِ مَلَكَهُ ، وَإِنْ أَحْيَاهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا : يَمْلِكُهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ) وَلِأَنَّهُ مَالٌ مُبَاحٌ سَبَقَتْ يَدُهُ إلَيْهِ فَيَمْلِكُهُ كَمَا فِي الْحَطَبِ وَالصَّيْدِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَيْسَ لِلْمَرْءِ إلَّا مَا طَابَتْ نَفْسُ إمَامِهِ بِهِ) وَمَا رَوَيَاهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ إذْنٌ لِقَوْمٍ لَا نَصْبٌ لِشَرْعٍ ، وَلِأَنَّهُ مَغْنُومٌ لِوُصُولِهِ إلَى يَدِ الْمُسْلِمِينَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَخْتَصَّ بِهِ بِدُونِ إذْنِ الْإِمَامِ كَمَا فِي سَائِرِ الْغَنَائِمِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے حاکم کی اجازت کے ساتھ کسی زمین کو قابل انتفاع کر دیا ہے تو وہی اس کا مالک بن جائے گا۔ اور جب کسی شخص نے حاکم کی اجازت کے بغیر کسی زمین کو زندہ کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ اس کا مالک بن سکے گا۔

صاحبین نے کہا ہے کہ وہ مالک بن جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے بھی کوئی زمین زندہ کی تو وہ اسی کی ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ وہ مباح مال ہے جس کی جانب وہ پہل کرنے والا ہے پس وہی اس کا مالک بن جائے گا۔ جس طرح لکڑی اور شکار کا مسئلہ ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندے کیلئے وہی ہے جس کو اس کے امام کا دل پسند کرے۔ اور صاحبین کی روایت کردہ حدیث میں یہ احتمال ہے کہ وہ اجازت کسی خاص قوم کیلئے تھی اس میں کوئی حکم شرعی نہیں ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ مال غنیمت ہے اور اونٹوں اور گھوڑوں کے دوڑانے میں یہ زمین مسلمانوں کو ملی ہے۔ پس حاکم کی اجازت کے سوا کسی بھی شخص کا اس زمین کے ساتھ حق خاص نہ ہوگا۔ جس طرح باقی غنائم کا حکم ہے اسی طرح اس کا حکم ہوگا۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس نے بھی کوئی زمین زندہ کی تو وہ اسی کی ہے) مسند احمد اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اسی معنی کی احادیث اور بھی وارد ہیں اور کچھ تو صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔

موات زمین میں وجوب عشر کا بیان

وَيَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ ؛ لِأَنَّ ابْتِدَاءَ تَوْظِيفِ الْخَرَاجِ عَلَى الْمُسْلِمِ لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا سَقَاهُ بِمَاءِ الْخَرَاجِ ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ إِبْقَاءُ الْخَرَاجِ عَلَى اعْتِبَارِ الْمَاءِ .

فَلَوْ أَحْيَاهَا ، ثُمَّ تَرَكَهَا فَزَرَعَهَا غَيْرُهُ فَقَدْ قِيلَ الثَّانِي أَحَقُّ بِهَا ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ مَلَكَ اسْتِغْلَالَهَا لَا رَقَبَتَهَا ، فَإِذَا تَرَكَهَا كَانَ الثَّانِي أَحَقَّ بِهَا .

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَوَّلَ يَنْزِعُهَا مِنَ الثَّانِي ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهَا بِالْإِحْيَاءِ عَلَى مَا نَطَقَ بِهِ الْحَدِيثُ ، إِذْ الْإِضَافَةُ فِيهِ فَاللَّامُ التَّمْلِيكِ وَمِلْكُهُ لَا يَزُولُ بِالتَّرْكِ .

وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً ثُمَّ أَحَاطَ الْإِحْيَاءُ بِجَوَانِبِهَا الْأَرْبَعَةِ مِنْ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَلَى التَّعَاقُبِ ؛ فَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ طَرِيقَ الْأَوَّلِ فِي الْأَرْضِ الرَّابِعَةِ لِتَعَيُّنِهَا لِتَطَرُّقِهِ ، وَقَصَدَ الرَّابِعُ إِبْطَالَ حَقِّهِ .

ترجمہ

اور اس زمین میں عشر واجب ہے کیونکہ مسلمان پر ابتدائی طور پر خراج کو مقرر کر دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ جب اس زمین کو

خراجی پانی کے ساتھ سیراب کیا گیا ہے۔ کیونکہ اب خراج کو باقی رکھنا یہ پانی کے اعتبار سے ہے۔
اور جب کسی شخص نے زمین کو زندہ کرنے کے بعد اس کو چھوڑ دیا ہے اور کسی دوسرے بندے نے اس میں زراعت کر لی تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ دوسرا بندہ اس کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ پہلا آدمی اس زمین کی پیداوار کا نہ مالک ہے اور نہ ہی اس کی ذاتی ملکیت کا مالک ہے کیونکہ وہ تو چھوڑ چکا ہے۔ پس دوسرا بندہ ہی اس کا حقدار بن جائے گا۔ مگر اس میں زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ دوسرا آدمی پہلے بندے سے واپس لے۔ کیونکہ زندہ کرنے کے سبب وہ اس کا مالک بن چکا ہے۔ جس طرح حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں اضافت لام تملیک کے ساتھ ہے۔ پس اس زمین کو چھوڑ دینے کے باوجود زندہ کرنے والے شخص کی ملکیت ختم نہ ہوگی۔
اور اسی طرح جب کسی بندے نے زمین کو زندہ کیا اور اس کے بعد اس احیاء نے اس زمین کی چاروں اطراف کو یکے بعد دیگرے چار بندوں کی جانب سے احاطہ کر لیا ہے تو امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ پہلے بندے کیلئے راستہ چوتھے شخص کی زمین سے ہوگا۔ کیونکہ وہی زمین اس کی راہ کیلئے معین ہو چکی ہے۔ اگر چہ چوتھے آدمی نے اس کا حق باطل کرنے کا ارادہ رکھا ہو۔

شرح

اور عموی فقہاء امصار کہتے ہیں کہ موات وہ بے آباد زمین کسی کے آباد کرنے سے ملکیت میں آ جاتی ہے، اگر چہ فقہاء نے شروط میں اختلاف کیا ہے، لیکن حرم اور میدان عرفات کی بے آباد زمین آباد کرنے سے بھی ملکیت میں نہیں آ سکتی۔
اس کا سبب یہ ہے کہ ایسا کرنے سے مناسک حج کی ادائیگی میں تنگی ہوگی اور وہاں پر لوگوں کی جگہوں پر قابض ہونا برابر ہے۔
احیاء ارض یعنی زمین کی آبادکاری مندرجہ ذیل امور سے حاصل ہوگی۔
اول: جب کوئی زمیں کے اردگرد چار دیواری کر لے جو کہ عادتا معروف تو اس نے اسے آباد کر لیا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جس نے زمین پر چار دیواری کر لی وہ اسی کی ہے) مسند احمد، سنن ابوداود، اور ابن الجارود رحمہ اللہ تعالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اس کے علاوہ سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ چار دیواری سے ملکیت کا مستحق ہو جاتا ہے۔
اور چار دیواری کی مقدار وہ ہوگی جو لغت میں دیوار معروف ہے لیکن اگر اس نے کسی بے آباد زمین کے گرد پتھر یا پھر مٹی اکٹھی کی یا چھوٹی سی دیوار بنالی جو اس سے آگے روک بھی نہ لگا سکے یا پھر کسی نے زمین کے گرد خندق کھود لی تو اس سے وہ اس کی ملکیت نہیں بن سکتی۔
لیکن اس کی وجہ سے وہ اسے آباد کرنے کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہوگا اس لیے کہ اس نے اسے آباد کرنا شروع کر دیا ہے۔
دوم: اگر کسی نے بے آباد زمین میں کنواں کھود لیا اور پانی نکل آیا تو اس نے بھی اس زمین کو آباد کر لیا، لیکن اگر وہ کنواں کھودتا ہے اور پانی تک نہیں پہنچتا تو اس کی بنا پر وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا، بلکہ وہ اسے اس کے احیاء کا دوسروں سے زیاد حقدار ہے، اس

لیے کہ اس نے احیاء کی ابتدا کر لی ہے۔

سوم: جب اس نے اس بے آباد زمین میں کسی چشمے یا پھر نہر کا پانی پہنچا دیا تو اس نے اس کی وجہ سے اس زمین کا احیاء کر لیا، اس لیے کہ زمین کے لیے پانی دیوار سے زیادہ نفع مند ہے۔

چہارم: جب کسی نے زمین میں کھڑے ہونے والے پانی کو اس سے روک دیا جس پانی کے کھڑے ہونے کی بنا پر وہ کاشت کے قابل نہیں رہتی تھی، وہ پانی وہاں سے روک دیا حتی کہ وہ کاشت کے قابل ہوگئی تو اس نے زمین کا احیاء کر لیا۔ اس لیے کہ یہ کام زمین کے لیے ملکیت کی دلیل میں مذکور دیوار سے بھی زیادہ نفع مند ہے۔

اور کچھ علماء کرام کہتے ہیں کہ بنجر زمین کا احیاء صرف انہی امور پر موقوف نہیں بلکہ اس میں عرف کا اعتبار ہوگا جسے عرف عام میں لوگ احیاء شمار کریں گے اس کی بنا پر وہ زمین کا مالک بھی بنے گا۔

آئمہ حنابلہ اور دوسروں نے یہی مسلک اختیار کیا ہے اس لیے کہ شرع نے ملکیت کی تعلیق لگاء ہے اور اسے بیان نہیں کیا تو اس طرح عرف عام میں جسے احیاء کہا جائے اسی کی طرف رجوع ہوگا۔

مسلمانوں کے امام اور امیر یا خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بنجر زمین کسی کو دے دے تا کہ وہ اسے آباد کرے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلال بن حارث رضی اللہ تعالی عنہ کو عقیق میں جاگیر عطا کی تھی اور وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ کو حضر موت میں عطا کی اور اسی طرح عمر اور عثمان اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو عطا کی تھی۔

لیکن صرف جاگیر مل جانے سے ہی وہ مالک نہیں بن جائے گا بلکہ وہ اس دوسرے سے زیادہ حقدار ہے لیکن جب اسے آباد اور اسکا احیاء کرے گا وہ اس کی ملکیت بن جائے گی اور اگر وہ اس کا احیاء اور اسے آباد نہ کر سکا تو خلیفہ یا امیر المسلمین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے واپس لے لے اور کسی دوسرے کو عطا کر دے جو اسے آباد کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

اس لیے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ان لوگوں سے جاگیر واپس لے لی تھی جو اسے آباد نہیں کر سکے تھے۔

اور جو کوء بنجر زمین کے علاوہ کسی اور غیر مملوک چیز کی طرف سبقت لے جائے اور پہلے پہنچے مثلا شکار یا جلانے والی لکڑی تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اور اگر کسی کی زمین سے غیر ملکیت والا پانی گزرتا ہو مثلا نہر یا وادی کا پانی تو سب سے اوپر والے یعنی پہلے کو حق حاصل ہے کہ وہ پہلے اپنی زمین کو سیراب کرے اور اس میں ٹخنوں تک پانی کھڑا کرے پھر اپنے بعد والے کو پانی بھیجے۔ اور اسی طرح درجہ بدرجہ

اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (اے زبیر (رضی اللہ تعالی عنہ) تم اپنی زمین سیراب کرو اور پھر پانی کو دیوار (وہ رکاوٹ جو کھیتوں کے کنارے بناء جاتی ہے) تک روکو) صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔

اور عبدالرزاق نے معمر اور زھری رحمہم اللہ سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (پھر تم پانی کو روکو حتی کہ وہ دیواروں تک آ جائے) کا اندازہ لگایا اور اسے ماپا تو وہ ٹخنوں تک تھا۔

یعنی جو کچھ قصہ میں بیان ہوا ہے اس کو ماپا تو انہوں نے وہ پانی ٹخنوں تک پہنچتے ہوئے پایا، تو انہوں نے اسے معیار بنا دیا کہ پہلے کا اتنا ہی حق ہے اور پھر اس کے بعد والے کا بھی اتنا ہی۔

عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیل مھزور میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ (سیل مھزور مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے)

سب سے پہلے والا پانی کو ٹخنوں تک روکے اور پھر اپنے بعد والے کی زمین میں چھوڑ دے) سنن ابوداود وغیرہ۔

لیکن اگر پانی ملکیت والی ہو تو پھر ان سب مشترکین کے درمیان ان کی املاک کے حساب سے تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنے حصہ میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

اور امام المسلمین کو حق حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال مواشیوں کے لیے ایک چراگاہ مقرر کرلے جس میں کوء اور نہ چرائے مثلا جہاد کے لیے تیار گھوڑے، اور صدقہ زکاۃ کے اونٹ وغیرہ، اگر مسلمانوں کو اس سے تنگی نہ ہوتی ہو۔

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے النقیع نامی چراگاہ کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے مقرر اور خاص کیا تھا)۔

اور امام المسلمین کے لیے جائز ہے کہ وہ بے آباد زمین کی گھاس کو زکاۃ کے اونٹوں اور مجاہدین کے گھوڑوں اور جزیہ کے جانوروں کے لیے خاص کر دے اگر اس کی ضرورت محسوس ہو اور مسلمانوں کو اس میں تنگ نہ کرے۔

احیاء زمین کے سبب ذمی کیلئے ملکیت ثابت ہونے کا بیان

قَالَ (وَيَمْلِكُ الذِّمِّيُّ بِالْإِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُهُ الْمُسْلِمُ) ؛ لِأَنَّ الْإِحْيَاءَ سَبَبُ الْمِلْكِ ، إلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إذْنُ الْإِمَامِ مِنْ شَرْطِهِ فَيَسْتَوِيَانِ فِيهِ كَمَا فِي سَائِرِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ حَتَّى الِاسْتِيلَاءِ عَلَى أَصْلِنَا .

ترجمہ

فرمایا کہ جس طرح مسلمان زمین کو زندہ کرنے کے سبب اس کا مالک بن جاتا ہے اسی طرح ذمی بھی احیاء کے سبب مالک بن جاتا ہے۔ کیونکہ ملکیت کا سبب احیاء ہے جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس میں حاکم کی اجازت شرط ہے۔ پس مسلمان اور ذمی مالک ہونے میں دونوں برابر ہو جائیں گے۔ جس طرح دوسرے اسباب ملکیت میں ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ استیلاء بھی ہماری دلیل کے مطابق حکم میں برابری رکھنے والا ہے۔

شرح

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور اہل ذمہ خرید و فروخت کے احکام میں مسلمانوں کی طرح ہوں گے

کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث میں اس طرح ہے کہ اہل ذمہ کو بتلادو کہ ان کیلئے وہی ہوگا جو مسلمانوں کیلئے ہے۔اور جو مسلمانوں پر لازم ہے وہی ان پر لازم ہوگا۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح مکلف محتاج ہیں جبکہ شراب وخنزیر میں خاص طور ہوں گے۔

شراب کا عقد کرنا ان کیلئے مسلمانوں پر شیرہ انگور کے عقد کی طرح ہوجائے گا اور خنزیر پر ان سے عقد کرنا مسلمانوں کے ہاں بکری کے عقد کی طرح ہوجائے گا کیونکہ اہل ذمہ کے عقیدے کے مطابق شراب اور خنزیر مال ہے جبکہ ہمیں اہل ذمہ کو ان کے عقائد سمیت چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بھی اسی پر دلالت کرنے والا ہے کہ اہل ذمہ کو خمر وخنزیر کی بیع کرنے دو اور ان کی قیمت سے عشر وصول کرلو۔

تین سال تک زمین روکنے کے باوجود زراعت نہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَجَرَ أَرْضًا وَلَمْ يَعْمُرْهَا ثَلَاثَ سِنِينَ أَخَذَهَا الْإِمَامُ وَدَفَعَهَا إلَى غَيْرِهِ) لِأَنَّ الدَّفْعَ إلَى الْأَوَّلِ كَانَ لِيَعْمُرَهَا فَتَحْصُلَ الْمَنْفَعَةُ لِلْمُسْلِمِينَ مِنْ حَيْثُ الْعُشْرُ أَوْ الْخَرَاجُ .

فَإِذَا لَمْ تَحْصُلْ يَدْفَعُ إلَى غَيْرِهِ تَحْصِيلًا لِلْمَقْصُودِ ، وَلِأَنَّ التَّحْجِيرَ لَيْسَ بِإِحْيَاءٍ لِيَمْلِكَهُ بِهِ ؛ لِأَنَّ الْإِحْيَاءَ إنَّمَا هُوَ الْعِمَارَةُ وَالتَّحْجِيرُ الْإِعْلَامُ ، سُمِّيَ بِهِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يُعَلِّمُونَهُ بِوَضْعِ الْأَحْجَارِ حَوْلَهُ أَوْ يُعَلِّمُونَهُ لِحَجْرِ غَيْرِهِمْ عَنْ إحْيَائِهِ فَبَقِيَ غَيْرَ مَمْلُوكٍ كَمَا كَانَ هُوَ الصَّحِيحُ .

وَإِنَّمَا شَرَطَ تَرْكَ ثَلَاثِ سِنِينَ لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : لَيْسَ لِمُتَحَجِّرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِينَ حَقٌّ .

وَلِأَنَّهُ إذَا أَعْلَمَهُ لَا بُدَّ مِنْ زَمَانٍ يَرْجِعُ فِيهِ إلَى وَطَنِهِ وَزَمَانٍ يُهَيِّئُ أُمُورَهُ فِيهِ ، ثُمَّ زَمَانٍ يَرْجِعُ فِيهِ إلَى مَا يُحَجِّرُهُ فَقَدَّرْنَاهُ بِثَلَاثِ سِنِينَ ؛ لِأَنَّ مَا دُونَهَا مِنْ السَّاعَاتِ وَالْأَيَّامِ وَالشُّهُورِ لَا يَفِي بِذَلِكَ ، وَإِذَا لَمْ يَحْضُرْ بَعْدَ انْقِضَائِهَا فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ تَرَكَهَا .

قَالُوا : هَذَا كُلُّهُ دِيَانَةً ، فَأَمَّا إذَا أَحْيَاهَا غَيْرُهُ قَبْلَ مُضِيِّ هَذِهِ الْمُدَّةِ مَلَكَهَا لِتَحَقُّقِ الْإِحْيَاءِ مِنْهُ دُونَ الْأَوَّلِ وَصَارَ كَالِاسْتِيَامِ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ ، وَلَوْ فَعَلَ يَجُوزُ الْعَقْدُ .

ترجمہ

فرمایا کہ جس شخص نے تین سال تک زمین کو روک رکھا ہے لیکن اس کو آباد نہ کیا تو حاکم اس بندے سے وہ زمین لیکر کسی دوسرے آدمی کو دے گا کیونکہ پہلے آدمی کو وہ زمین آباد کرنے کیلئے دی تھی تاکہ مسلمانوں کیلئے اس زمین سے عشر وخراج کے ذریعے فائدہ پہنچے۔ پس یہ نفع مفقود ہوا تو منافع کے حصول کی خاطر حاکم اس کو کسی دوسرے شخص کے حوالے کر دے گا۔ کیونکہ زمین کو ویسے ہی روکے رکھنا یہ احیاء نہ ہوگا کہ وہ اسی کے سبب سے مالک بن بیٹھے۔ کیونکہ زمین کو زندہ کرنا یہ اس کو آباد کرنا ہے۔ جبکہ روکنے صرف اطلاع کیلئے ہوتا ہے۔ کیونکہ اہل عرب بھی موات کے گرد ونواح میں پتھر رکھا کرتے تھے۔ یا پھر وہ دوسروں کو روکنے کیلئے اس طرح کرتے تھے۔ پس ایسی موات زمین مملوک نہ رہے گی۔ جس طرح وہ پہلے تھی اور صحیح یہی ہے۔

صاحب قدوری علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ تین سال تک اس کو چھوڑنے کی شرط اس وجہ سے ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تین سال کے بعد کوئی حق نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اس شخص نے اس پر علامت لگائی ہے تو ایک وقت کا ہونا لازم ہے جس کے اندر وہ اپنے وطن کی جانب لوٹ کر آسکے، پس اس کیلئے اتنے وقت کی ضرورت ہے جس میں زمین کو آباد کرنے والے عاملات کو تیار کر سکے۔ اور اسی طرح نشان لگا دی گئی زمین واپس آنے کا وقت ہو وہ ہمارے مقرر کردہ اندازے کے مطابق تین سال ہیں۔ کیونکہ اس سے کم جو مدت ہے وہ مہینوں اور دنوں کی مدت ہے۔ پس وہ اس کیلئے کافی نہ ہوگی۔ مگر جس وقت تین سال مکمل ہو جائیں گے اور وہ شخص نہیں آیا تو ظاہر کے مطابق وہ اس زمین کو چھوڑنے والا ہے۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ حکم بھی دیانت کے طور پر ہے۔ مگر جب تین سال گزر جانے سے پہلے کسی بندے نے اس زمین کو زندہ کرلیا تو وہی اس کا مالک بن جائے گا۔ کیونکہ زمین کو زندہ کرنا اسی کی جانب سے ثابت ہو چکا ہے جبکہ پہلے کی جانب احیاء ثابت نہ ہوا۔ پس یہ ریٹ پر ریٹ بڑھانے والی بیع کی طرح ہو جائے گا۔ پس یہ مکروہ ہوگا۔ ہاں البتہ جب کسی شخص نے عقد کرلیا ہے تو عقد جائز ہوگا۔

شرح

امام یعنی حکومت وقت کی طرف سے کوئی کان کسی شخص کو بطور جاگیر عطاء ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ کان زیر زمین پوشیدہ ہو اور اس سے محنت ومشقت اور جدوجہد کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ ہاں جو کانیں برآمد ہو چکی ہوں اور ان سے نکلنے والا مال کسی محنت ومشقت اور جدوجہد کے بغیر حاصل ہو سکتا ہو تو انہیں کسی فرد واحد کی جاگیر بنا دینا جائز نہیں ہے بلکہ گھاس اور پانی کی طرح ان کی منفعت میں بھی تمام لوگ شریک ہوں گے اور ان پر سب کا استحقاق ہوگا۔ اس حدیث سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حاکم کسی معاملے میں کوئی حکم وفیصلہ صادر کرے اور پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ یہ حکم وفیصلہ حقیقت کے منافی ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس فیصلے وحکم کو منسوخ کر دے اور اس سے رجوع کر لے۔

وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچیں سے مراد وہ زمین ہے جو چراگاہ اور عمارات سے الگ ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس موات افتادہ زمین کا احیاء یعنی اسے آباد کرنا جائز نہیں ہے جو عمارات کے قریب ہو کیونکہ وہ جانوروں کو چرانے اور اہل بستی کی دیگر

ضرورت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

پتھر کے بغیر حجر ہونے کا بیان

ثُمَّ التَّحْجِيرُ قَدْ يَكُونُ بِغَيْرِ الْحَجَرِ بِأَنْ غَرَزَ حَوْلَهَا أَغْصَانًا يَابِسَةً أَوْ نَقَّى الْأَرْضَ وَأَحْرَقَ مَا فِيهَا مِنَ الشَّوْكِ أَوْ خَضَدَ مَا فِيهَا مِنَ الْحَشِيشِ أَوْ الشَّوْكِ ، وَجَعَلَهَا حَوْلَهَا وَجَعَلَ التُّرَابَ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يُتِمَّ الْمُسَنَّاةَ لِيَمْنَعَ النَّاسَ مِنْ الدُّخُولِ ، أَوْ حَفَرَ مِنْ بِئْرٍ ذِرَاعًا أَوْ ذِرَاعَيْنِ ، وَفِي الْأَخِيرِ وَرَدَ الْخَبَرُ .

وَلَوْ كَرَبَهَا وَسَقَاهَا فَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ إِحْيَاءٌ ، وَلَوْ فَعَلَ أَحَدَهُمَا يَكُونُ تَحْجِيرًا ، وَلَوْ حَفَرَ أَنْهَارَهَا وَلَمْ يَسْقِهَا يَكُونُ تَحْجِيرًا ،

وَإِنْ سَقَاهَا مَعَ حَفْرِ الْأَنْهَارِ كَانَ إِحْيَاءً لِوُجُودِ الْفِعْلَيْنِ ، وَلَوْ حَوَّطَهَا أَوْ سَنَّمَهَا بِحَيْثُ يَعْصِمُ الْمَاءَ يَكُونُ إِحْيَاءً ؛ لِأَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْبِنَاءِ ، وَكَذَا إِذَا بَذَرَهَا

ترجمہ

اور کبھی کبھی پتھر کے بغیر حجر ہوتا ہے اور وہ اسطرح ہوگا کہ زمین کے گرد ونواح میں خشک لکڑیوں کو رکھ دیا جائے یا زمین کو صاف کر کے اس میں موجود کانٹوں کو جلا دے یا زمین کی گھاس کو کاٹ کر اس کو زمین کے ارد گرد ڈال دے مگر وہ بند کو مکمل بند نہ کرے کہ لوگ اس میں داخل ہونے سے رک جائیں یا ایک ہاتھ یا دو ہاتھ کنوئیں کو کھودے کیونکہ اس آخری حالت کے بارے میں حدیث بھی روایت کی گئی ہے۔

اور جب اس نے زمین کو سیراب کر دیا ہے تو امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ یہی احیاء ہے اور جب اس نے ان میں سے کوئی ایک کام کیا ہے تو حجر ثابت ہو جائے گا۔

اور جب اس شخص نے سیراب کرنے کی غرض سے کھالے کھودے ہیں تو یہ بھی حجر ہوگا۔ اگر چہ اس نے سیراب نہیں کیا ہے۔
اور جب اس نے کھالے کھودنے کے ساتھ ساتھ اس نے پانی بھی زمین کو لگا دیا ہے تو یہ احیاء ہوگا۔ کیونکہ وہ خود عمل احیاء موجود ہے۔
اور جب اس نے شخص اس کی چار دیواری کرائی ہے یا اس پر بند باندھ دیا ہے تا کہ وہ پانی سے محفوظ رہ جائے تو یہ بھی احیاء ہوگا۔
کیونکہ یہ بھی اس کو بنانے کے حکم میں ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے بیج ڈال دیا ہے۔

شرح

زمین کے نشان" سے مراد وہ علامتی پتھر وغیرہ ہے جو زمین کی حدود پر نصب ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ ایک دوسرے کی زمین

کے درمیان فرق وامتیاز کیا جاتا ہے۔ اور اس نشان کو چرانے یا اس میں تغیر وتبدل کرنے کا مطلب یہ ہے، کہ وہ شخص بزور وزبردستی اپنے ہمسایہ کی زمین دبالینا چاہتا ہو۔

بستی کے قریب والی زمین کے احیاء میں عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ إحْيَاءُ مَا قَرُبَ مِنْ الْعَامِرِ وَيُتْرَكُ مَرْعًى لِأَهْلِ الْقَرْيَةِ وَمَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ) لِتَحَقُّقِ حَاجَتِهِمْ إلَيْهَا حَقِيقَةً أَوْ دَلَالَةً عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، فَلَا يَكُونُ مَوَاتًا لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِهَا بِمَنْزِلَةِ الطَّرِيقِ وَالنَّهْرِ .

عَلَى هَذَا قَالُوا : لَا يَجُوزُ لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْطَعَ مَا لَا غِنَى بِالْمُسْلِمِينَ عَنْهُ كَالْمِلْحِ وَالْآبَارِ الَّتِي يَسْتَقِي النَّاسُ مِنْهَا لِمَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ

فرمایا کہ وہ زمین جو کسی بستی کے قریب ہے اس میں حیاء جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ بستی والوں نے اس کو جانوروں کے چرنے کیلئے چھوڑ رکھی ہے۔ اور انہوں کو اس کو کھتیوں کو کاٹ کر گاہنے کیلئے چھوڑ رکھا ہے۔ کیونکہ اس میں بستی والوں کیلئے یقینی ضرورت وحجت ثابت ہو چکی ہے۔ جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔ پس یہ موات نہ ہوگا۔ کیونکہ راستے اور نہر کی طرح اس میں بستی والوں کا حق ثابت ہے۔

اسی سبب سے مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ ایسی جگہ کو جاگیر بنانا حاکم کیلئے بھی جائز نہیں ہے جس سے مسلمانوں کی ضرورت سے بے پرواہ ہونا نہ پایا جائے۔ جس طرح نمک کی کان اور وہ کنوئیں ہیں جن سے لوگ پانی حاصل کرتے ہیں اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

چراگاہ کو خاص کرنے کی عدم اباحت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت صعب بن جثامہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی چراہ گاہ کو مخصوص کر لینے کا حق اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 213)

حمی (حا کے زیر کے ساتھ) اس زمین چراہ گاہ کو کہتے ہیں جس میں جانوروں کے لئے گھاس روکی جاتی ہے اور اس میں کسی دوسرے کے جانوروں کو چرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی اجازت کے بغیر کسی چراگاہ کو صرف اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور اس میں دوسرے کے جانوروں کے چرنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔

اس حکم کی ضرورت یوں پیش آئی کہ زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ جس زمین میں گھاس اور پانی ہوتا اسے عرب کے سردار اپنے جانوروں کے لیے اپنی مخصوص چراگاہ بنا لیتے تھے جس میں ان کے علاوہ دوسروں کے جانوروں کو چرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں کام آنیوالے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے ایسی مخصوص چراگاہیں قائم کرنے کی اجازت عطاء فرمادی تھی۔ لیکن اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی حاکم وسردار کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی چراگاہ کو اپنے لئے یا کسی اور کے لیے مخصوص کردے۔ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کسی فرد کے لئے نہیں بلکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کرنا بھی ناجائز ہے یا یہ جائز ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوۃ میں آنیوالے جانوروں کے لئے چراگاہ کو مخصوص کرنے کی اجازت دیدی تھی لیکن بعض دوسرے حضرات اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں بشرطیکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کر دینا اہل شہر کی تکلیف وپریشانی کا باعث ہو۔

جنگل میں کھودے گئے کنوئیں میں حریم کا ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي بَرِّيَّةٍ فَلَهُ حَرِيمُهَا) وَمَعْنَاهُ إذَا حَفَرَ فِي أَرْضٍ مَوَاتٍ بِإِذْنِ الْإِمَامِ عِنْدَهُ أَوْ بِإِذْنِهِ وَبِغَيْرِ إذْنِهِ عِنْدَهُمَا ؛ لِأَنَّ حَفْرَ الْبِئْرِ إحْيَاءٌ .

قَالَ (فَإِنْ كَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِيمُهَا أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فَلَهُ مِمَّا حَوْلَهَا أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا عَطَنًا لِمَاشِيَتِهِ) ثُمَّ قِيلَ : الْأَرْبَعُونَ مِنْ كُلِّ الْجَوَانِبِ . وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ؛ لِأَنَّ فِي الْأَرَاضِي رَخْوَةً وَيَتَحَوَّلُ الْمَاءُ إلَى مَا حُفِرَ دُونَهَا (وَإِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَحَرِيمُهَا سِتُّونَ ذِرَاعًا ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا .

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا) لَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (حَرِيمُ الْعَيْنِ خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ . وَحَرِيمُ بِئْرِ الْعَطَنِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا ، وَحَرِيمُ بِئْرِ النَّاضِحِ سِتُّونَ ذِرَاعًا) وَلِأَنَّهُ قَدْ يُحْتَاجُ فِيهِ إلَى أَنْ يُسَيِّرَ دَابَّتَهُ لِلِاسْتِقَاءِ ، وَقَدْ يَطُولُ الرِّشَاءُ وَبِئْرُ الْعَطَنِ لِلِاسْتِقَاءِ مِنْهُ بِيَدِهِ فَقَلَّتْ الْحَاجَةُ فَلَا بُدَّ مِنْ التَّفَاوُتِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی بندے نے جنگل میں کوئی کنواں کھودا ہے تو کنوئیں کا حریم اسی کیلئے ہوگا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب اس

شخص نے موات زمین میں حاکم کی اجازت کے ساتھ کنواں کھودا ہے۔ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ اور صاحبین کے نزدیک اگر چہ اس میں حاکم کی اجازت ہو یا نہ ہو کیونکہ کنوئیں کو کھودنا یہ زمین کو زندہ کرنا ہے۔

اور جب وہ کنواں پانی پلانے کی غرض سے ہے تو اس کا حریم یعنی گرد ونواح چالیس گز ہو گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے کنوئیں کو کھودا ہے اس کے گرد ونواح میں چالیس گز اس کیلئے ہے۔ جو اس کے جانوروں کو پانی پلانے کیلئے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر جانب سے چالیس گز ہے اور صحیح بھی اسی طرح ہے کہ ہر جانب سے چالیس گز ہو۔ کیونکہ زمینوں میں نرمی ہوتی ہے اور پانی اسی کنوئیں کی جانب لوٹ کر چلا جائے گا۔

اور جو کنواں بسے اس کم کھودا گیا ہے اور اگر وہ کنواں سیراب کرنے کیلئے کھودا گیا ہے تو اس کا حریم ساٹھ گز ہوگا اور یہ صاحبین کے نزدیک ہے جبکہ امام صاحب کے نزدیک یہاں بھی چالیس کا حکم ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چشمے کا حریم پانچ سو گز ہے اور بیرعطن کا حریم چالیس گز ہے اور بیرناضح کا حریم ساٹھ گز ہے کیونکہ اس سے سیراب ہونے کیلئے کبھی کبھی چلانے میں جانور کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات رسی لمبی کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ بیرعطن یہ ہاتھ سے پانی پینے کیلئے ہے کیونکہ اس میں ضرورت کم ہے پس فرق ضروری ہوگا

شرح

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنیوالے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے جس طرح وہ زمین اس ملکیت میں آ گئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا ہے یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں خود اس کی یا اسکے جانور کی ہلاکت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑنا ہی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہوسکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن باسن میں بھر لیا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہوا جارہا ہو اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن باسن میں بھر رکھا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پیاسے کو یہ حق ہوگا کہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کرلے بشرطیکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جان چلی جانے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرا جارہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اسکو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنی درجہ

یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کیے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی خدا کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تعزیر سزا کے قائم مقام ہوگا۔

قیاس کا حریم کے حقدار ہونے میں مانع ہونے کا بیان

وَلَهُ مَا رَوَيْنَا مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ ، وَالْعَامُّ الْمُتَّفَقُ عَلَى قَبُولِهِ وَالْعَمَلِ بِهِ أَوْلَى عِنْدَهُ مِنْ الْخَاصِّ الْمُخْتَلَفِ فِي قَبُولِهِ وَالْعَمَلِ بِهِ ، وَلِأَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَى اسْتِحْقَاقَ الْحَرِيمِ ؛ لِأَنَّ عَمَلَهُ فِي مَوْضِعِ الْحَفْرِ ، وَالِاسْتِحْقَاقُ بِهِ ، فَفِيمَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْحَدِيثَانِ تَرَكْنَاهُ وَفِيمَا تَعَارَضَا فِيهِ حَفِظْنَاهُ ؛ وَلِأَنَّهُ قَدْ يُسْتَقَى مِنْ الْعَطَنِ بِالنَّاضِحِ وَمِنْ بِئْرِ النَّاضِحِ بِالْيَدِ فَاسْتَوَتْ الْحَاجَةُ فِيهِمَا ، وَيُمْكِنُهُ أَنْ يُدِيرَ الْبَعِيرَ حَوْلَ الْبِئْرِ فَلَا يَحْتَاجُ فِيهِ إلَى زِيَادَةِ مَسَافَةٍ :

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل ہماری روایت کردہ حدیث ہے کہ جس میں تفصیل نہیں ہے۔ پس وہ عام جس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں اتفاق پایا جائے۔ یہ اس خاص سے بہتر ہے جس کی قبول کرنے اور عمل کرنے میں اختلاف ہو۔ (قاعدہ فقہیہ)

کیونکہ یہاں قیاس حریم کے حقدار ہونے کو مانع ہے۔ کیونکہ کنوئیں کو کھودنے والے کا حق کنواں کھودنے کی جگہ میں ہے اور حقدار ہونا یہ بھی عمل کے سبب ثابت ہونے والا ہے۔ پس جتنی مقدار میں دونوں احادیث کا اتفاق ہے وہاں پر ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور جس مقام پر مقدار میں دونوں احادیث میں بظاہر معارضہ ہے وہاں ہم نے قیاس کو اختیار کرلیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات بئیر عطن سے پانی اونٹ کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔ جبکہ بیر ناضح سے پانی ہاتھ کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔ پس ضرورت دونوں میں برابر ہے۔ اور اونٹ کو اس کے اردگرد گھمانا ممکن ہے پس زیادہ مسافت کی ضرورت نہ ہوگی۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل قاعدہ فقہیہ کسب کا اصل کیلئے ہونے کا بیان ہے کیونکہ حریم کے سبب جو ممانعت ذکر ہوئی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس کا کاسب کوئی دوسرا ہے پس وہی اس کی دلیل ہے۔

زیادہ پانی نکالنے والے کنوئیں میں مسافت حریم کا بیان

قَالَ (وَإِنْ كَانَتْ عَيْنًا فَحَرِيمُهَا خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ) لِمَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ فِيهِ إلَى

زِيَادَةِ مَسَافَةٍ ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ تُسْتَخْرَجُ لِلزِّرَاعَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ مَوْضِعٍ يَجْرِي فِيهِ الْمَاءُ وَمِنْ حَوْضٍ يَجْتَمِعُ فِيهِ الْمَاءُ .

وَمِنْ مَوْضِعٍ يُجْرَى فِيهِ إِلَى الْمَزْرَعَةِ فَلِهَذَا يُقَدَّرُ بِالزِّيَادَةِ ، وَالتَّقْدِيرُ بِخَمْسِمِائَةٍ بِالتَّوْقِيفِ . وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْعَطَنِ ، وَالذِّرَاعُ هِيَ الْمُكَسَّرَةُ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ . وَقِيلَ إِنَّ التَّقْدِيرَ فِي الْعَيْنِ وَالْبِئْرِ بِمَا ذَكَرْنَاهُ فِي أَرَاضِيهِمْ لِصَلَابَةٍ بِهَا وَفِي أَرَاضِينَا رَخَاوَةٌ فَيُزَادُ كَيْ لَا يَتَحَوَّلَ الْمَاءُ إِلَى الثَّانِي فَيَتَعَطَّلَ الْأَوَّلُ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کوئی چشمہ ایسا ہے کہ اس کا حریم پانچ سو گز ہے اسی حدیث کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اس دلیل کے مطابق کہ اس میں مسافت کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا چشمہ زراعت کیلئے بنایا گیا ہے۔ پس اس کا ایک ایسے مقام پر ہونا لازم ہوگا کہ یہاں پانی بہنے والا ہو اور اس کیلئے ایک حوض کا ہونا لازم ہے۔ جس میں پانی بہہ سکے اور اسی طرح اس کے ساتھ ایک مقام ہونا لازم ہے جہاں سے یہ پانی گزر کر کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہو۔ پس اسی دلیل کے سبب اس کو زیادتی کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے۔

اور پانچ سو گز کی مقدار یہ توقیفی ہے اور سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ جانب سے پانچ سو گز ہو جس طرح بئیر عطن کے بارے میں ہم بیان کر آئے ہیں اور ذراع وہ مکسرہ ہے جس کو ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ چشمے اور کنوئیں سے متعلق بیان کردہ ہمارا اصول یہ اہل عرب کی زمین کے بارے میں ہے۔ کیونکہ ان میں سختی ہوا کرتی ہے۔ جبکہ ان زمینوں کے مقابلے میں ہماری زمین نرم ہے۔ پس ان میں گز کا اضافہ ہوگا تا کہ پانی دوسرے کی جانب منتقل نہ ہو سکے پس پہلا آدمی معزول ہو کر رہ جائے گا۔

کنوئیں کے حریم میں کنواں کھودنے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَحْفِرَ فِي حَرِيمِهَا مُنِعَ مِنْهُ) كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إِلَى تَفْوِيتِ حَقِّهِ وَالْإِخْلَالِ بِهِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ بِالْحَفْرِ مَلَكَ الْحَرِيمَ ضَرُورَةَ تَمَكُّنِهِ مِنَ الِانْتِفَاعِ بِهِ فَلَيْسَ لِغَيْرِهِ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِهِ ؛ فَإِنْ احْتَفَرَ آخَرُ بِئْرًا فِي حَرِيمِ الْأَوَّلِ لِلْأَوَّلِ أَنْ يُصْلِحَهُ وَيَكْبِسَهُ تَبَرُّعًا ، وَلَوْ أَرَادَ أَخْذَ الثَّانِي فِيهِ قِيلَ : لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ وَيَكْبِسَهُ ؛ لِأَنَّ إِزَالَةَ جِنَايَةِ حَفْرِهِ بِهِ

كَمَا فِي الْكُنَاسَةِ يُلْقِيهَا فِي دَارِ غَيْرِهِ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ بِرَفْعِهَا ، وَقِيلَ يَضْمَنُهُ النُّقْصَانَ ثُمَّ يَكْبِسُهُ بِنَفْسِهِ كَمَا إِذَا هَدَمَ جِدَارَ غَيْرِهِ ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ ذَكَرَهُ فِي أَدَبِ الْقَاضِي لِلْخَصَّافِ .وَذَكَرَ طَرِيقَ مَعْرِفَةِ النُّقْصَانِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب کوئی شخص کنوئیں کے حریم کے ساتھ دوسرا کنواں کھودے تو اس کو منع کر دیا جائے گا۔تا کہ اس کا یہ عمل پہلے شخص کے حق کو ختم کرنے یا اس میں مداخلت کا سبب نہ بن سکے۔اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ وہ شخص کنواں کھودنے کے سبب حریم کا مالک بن چکا ہے کیونکہ اس کیلئے حریم سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت لازم ہو چکی ہے۔پس دوسرے آدمی کو ملکیت میں تصرف کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

اور اگر اس شخص نے کسی پہلے کنوئیں کے حریم میں کنواں کھود ہی ڈالا ہے تو پہلے آدمی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ بلا معاوضہ اس کو بند کر دے۔اور اگر وہ دوسرے شخص سے اس کا معاوضہ لینا چاہے تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلے کنوئیں کھودنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پاٹنے کیلئے دوسرے آدمی کو پکڑے۔کیونکہ اس جرم کا ازالہ بھی وہی شخص کرے گا۔

اور یہ مسئلہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی شخص نے کسی گھر میں کوڑا پھینک دیا ہے تو اس کوڑے کو پھینکنے والے کو اٹھانے کا مکلف کیا جائے گا۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرا کنواں کھودنے والے سے نقصان کا ضمان لیا جائے گا۔اس کے بعد وہ خود اسکو بند کر دے۔جس طرح کوئی شخص دیوار کو گرا دے اور صحیح یہی ہے۔

امام خصاف علیہ الرحمہ نے کتاب ادب قاضی مین بیان کیا ہے اور اس میں نقصان پہنچانے کی کیفیت کو بھی بیان کیا ہے۔

شرح

حضرت حسن بصری حضرت سمرہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص افتادہ زمین پر دیوار گھیر دے تو وہ اسی کی ہو جاتی ہے۔(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 216)

دیوار والی زمین کے احیاء میں مذاہب اربعہ

مطلب یہ ہوا کہ جو شخص موات (یعنی افتادہ وغیر آباد) زمین پر دیوار گھیر دے گا وہ زمین اسی کی ملکیت ہو جائے گی۔گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے مطابق اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موات زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے اس پر دیوار کھینچ دینا کافی ہے جیسا کہ مشہورترین روایت کے مطابق حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے جب کہ بقیہ ائمہ کے نزدیک ایسی زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لیے احیاء یعنی اس کو آباد کرنا شرط ہے جس کی وضاحت باب کے شروع میں کی جا چکی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ دیوار کھینچنا احیاء یعنی آباد کرنے کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہے لہذا تینوں ائمہ کے مسلک کے مطابق اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی

کہ اس سے سکونت کے لئے دیوار کھینچنا مراد ہے۔

پہلے کنوئیں سے ہلاک ہونے والی چیز کے سبب ضمان نہ ہونے کا بیان

وَمَا عَطِبَ فِي الْأَوَّلِ فَلَا ضَمَانَ فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ ، إنْ كَانَ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَظَاهِرٌ ، وَكَذَا إنْ كَانَ بِغَيْرِ إذْنِهِ عِنْدَهُمَا .

وَالْعُذْرُ لِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ جَعَلَ فِي الْحَفْرِ تَحْجِيرًا وَهُوَ بِسَبِيلٍ مِنْهُ بِغَيْرِ إذْنِ الْإِمَامِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُهُ بِدُونِهِ ، وَمَا عَطِبَ فِي الثَّانِيَةِ فَفِيهِ الضَّمَانُ ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِيهِ حَيْثُ حَفَرَ فِي مِلْكِ غَيْرِهِ ، وَإِنْ حَفَرَ الثَّانِي بِئْرًا وَرَاءَ حَرِيمِ الْأَوَّلِ فَذَهَبَ مَاءُ الْبِئْرِ الْأَوَّلِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فِي حَفْرِهَا ، وَلِلثَّانِي الْحَرِيمُ مِنْ الْجَوَانِبِ الثَّلَاثَةِ دُونَ الْجَانِبِ الْأَوَّلِ لِسَبْقِ مِلْكِ الْحَافِرِ الْأَوَّلِ فِيهِ .

ترجمہ

اور جب اس پہلے کنوئیں میں کسی چیز کا نقصان ہوگیا ہے تو اس میں ضمان نہ ہوگا کیونکہ پہلا کنواں کھودنے والا زیادتی کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ یہ کھودنا حاکم کی اجازت کے مطابق ہے۔ تو اسی طرح ظاہر ہے۔ اور اسی طرح جب حاکم کی اجازت کے بغیر ہے تو صاحبین اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی جانب سے یہ عذر ہوگا کہ انہوں نے کنوئیں کو حجر قرار دیا ہے۔

حاکم کی اجازت کے بغیر بھی اس کا حجر ہونا برحق ہے۔ اگرچہ کھودنے والا اجازت حاکم کے سوا اس کا مالک بننے والا نہیں ہے۔

اور دوسرے کنوئیں سے جو چیز ہلاک ہو جائے اس میں اس پر ضمان واجب ہوگا۔ کیونکہ دوسرا کھودنے والا اس میں زیادتی کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس نے دوسرے شخص کی ملکیت میں کنوئیں کو کھودا ہے۔

اور جب پہلے شخص کے حریم کی پچھلی جانب کس نے کنواں کھود ڈالا اور اس کے بعد پہلے کنوئیں کا پانی ختم ہوگیا ہے تو اب دوسرے کھودنے والے پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔ کیونکہ کنواں کھودنے میں وہ کوئی زیادتی کرنے والا نہیں ہے۔ اور دوسرے کھودنے والے کو پہلے کی طرف سے چھوڑ کر بقیہ بطور حریم مل جائے گا کیونکہ پہلے کنارے میں پہلے کھودنے والے کی ملکیت کو تقدم حاصل ہے

شرح

اس مسئلہ کی دلیل اس شرعی اصول سے ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا بلکہ جس شخص نے جو عمل کیا ہے وہی اس کو بوجھ اٹھانے والا ہوگا۔

زیر زمین ندی کے حریم کا مقدار کے مطابق ہونے کا بیان

(وَالْقَنَاةُ لَهَا حَرِيمٌ بِقَدْرِ مَا يُصْلِحُهَا) وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْبِئْرِ فِي اسْتِحْقَاقِ الْحَرِيمِ .وَقِيلَ هُوَ عِنْدَهُمَا .وَعِنْدَهُ لَا حَرِيمَ لَهَا مَا لَمْ يَظْهَرْ الْمَاءُ عَلَى الْأَرْضِ ؛ لِأَنَّهُ نَهْرٌ فِي التَّحْقِيقِ فَيُعْتَبَرُ بِالنَّهْرِ الظَّاهِرِ .

قَالُوا : وَعِنْدَ ظُهُورِ الْمَاءِ عَلَى الْأَرْضِ هُوَ بِمَنْزِلَةِ عَيْنٍ فَوَّارَةٍ فَيُقَدَّرُ حَرِيمُهُ بِخَمْسِمِائَةِ ذِرَاعٍ (وَالشَّجَرَةُ تُغْرَسُ فِي أَرْضٍ مَوَاتٍ لَهَا حَرِيمٌ أَيْضًا حَتَّى لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ أَنْ يَغْرِسَ شَجَرًا فِي حَرِيمِهَا) ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إلَى حَرِيمٍ لَهُ يَجِدُ فِيهِ ثَمَرَهُ وَيَضَعُهُ فِيهِ وَهُوَ مُقَدَّرٌ بِخَمْسَةِ أَذْرُعٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ، بِهِ وَرَدَ الْحَدِيثُ .

ترجمہ

اور زیر زمین بہنے والی ندی کا حریم اس کی مقدار کے مطابق ہوگا۔حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ زیر زمین ندی کا حریم کنوئیں کی طرح ہے۔ایک قول یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب تک اس میں پانی ظاہر نہ ہوگا اس وقت تک اس کو حریم نہ مل سکے گا۔کیونکہ یہ ندی بھی حقیقت میں نہر ہی ہے۔پس اس کو ظاہری نہر پر قیاس کیا جائے گا۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ پانی کا زمین پر ظاہر ہو فوارہ مارنے میں اس کا حکم چشمے کی طرح ہوگا اور اس کے حریم کو پانچ سو گز کے ساتھ مقرر کیا جائے گا۔

اور وہ درخت جو مردہ زمین میں لگایا گیا ہے اس کیلئے بھی حریم ثابت ہو جائے گا حتیٰ کہ کسی دوسرے بندے کو اس درخت کے حریم میں درخت لگانے کی اجازت نہ ہوگی۔کیونکہ درخت لگانے والے شخص کو ایسے حریم کی ضرورت ہے۔جس میں وہ پھل وغیرہ رکھے گا۔پس اس کا حریم ہر جانب سے پانچ گز ہوگا۔کیونکہ حدیث میں اسی طرح بیان ہوا ہے۔

شرح

دریاؤں کی جانب سے چھوڑی گئی زمین میں احیاء کا بیان

قَالَ (وَمَا تَرَكَ الْفُرَاتُ أَوْ الدِّجْلَةُ وَعَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ وَيَجُوزُ عَوْدُهُ إلَيْهِ لَمْ يَجُزْ إحْيَاؤُهُ) لِحَاجَةِ الْعَامَّةِ إلَى كَوْنِهِ نَهْرًا (وَإِنْ كَانَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَعُودَ إلَيْهِ فَهُوَ كَالْمَوَاتِ إذَا لَمْ يَكُنْ حَرِيمًا لِعَامِرٍ) ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مِلْكِ أَحَدٍ ، لِأَنَّ قَهْرَ الْمَاءِ يَدْفَعُ قَهْرَ غَيْرِهِ وَهُوَ الْيَوْمَ فِي يَدِ الْإِمَامِ .

ترجمہ

فرمایا کہ وہ زمین کو جس کو دریائے دجلہ وفرات نے چھوڑ دیا ہے اور پانی وہاں سے پیچھے چلا گیا ہے مگر اس جگہ پانی کا دوبارہ لوٹ آنے کا امکان ہے تو اس زمین کو زندہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عام لوگوں کیلئے ایسی نہر کی ضرورت ہے۔ اور اگر وہاں پر دوبارہ پانی آنے کا امکان نہیں ہے تو وہ زمین موات کے حکم میں ہوگی۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ وہ کسی عامر کا حریم نہ ہو۔ کیونکہ اب اس میں کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ اور ایک پانی کا غلبہ دوسرے غلبہ کو دور کرنے والا ہے۔ اور فی الحال وہ حاکم کے قبضہ میں ہے۔

شرح

دوسرے کی زمین نہر ہونے کے سبب عدم حریم کا بیان

قَالَ (وَمَنْ كَانَ لَهُ نَهْرٌ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ فَلَيْسَ لَهُ حَرِيمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إلَّا أَنْ يُقِيمَ بَيِّنَةً عَلَى ذَلِكَ ، وَقَالَا : لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ يَمْشِي عَلَيْهَا وَيُلْقِي عَلَيْهَا طِينَهُ) قِيلَ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ بِنَاءٌ عَلَى أَنَّ مَنْ حَفَرَ نَهْرًا فِي أَرْضِ مَوَاتٍ بِإِذْنِ الْإِمَامِ لَا يَسْتَحِقُّ الْحَرِيمَ عِنْدَهُ .

وَعِنْدَهُمَا يَسْتَحِقُّهُ ؛ لِأَنَّ النَّهْرَ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إلَّا بِالْحَرِيمِ لِحَاجَتِهِ إلَى الْمَشْيِ لِتَسْيِيلِ الْمَاءِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ الْمَشْيُ عَادَةً فِي بَطْنِ النَّهْرِ وَإِلَى إلْقَاءِ الطِّينِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ النَّقْلُ إلَى مَكَانٍ بَعِيدٍ إلَّا بِحَرَجٍ فَيَكُونُ لَهُ الْحَرِيمُ اعْتِبَارًا بِالْبِئْرِ .

وَلَهُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ ، وَفِي الْبِئْرِ عَرَفْنَاهُ بِالْأَثَرِ ، وَالْحَاجَةُ إلَى الْحَرِيمِ فِيهِ فَوْقَهَا إلَيْهِ فِي النَّهْرِ ؛ لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالْمَاءِ فِي النَّهْرِ مُمْكِنٌ بِدُونِ الْحَرِيمِ ، وَلَا يُمْكِنُ فِي الْبِئْرِ إلَّا بِالِاسْتِقَاءِ وَلَا اسْتِقَاءَ إلَّا بِالْحَرِيمِ فَتَعَذَّرَ الْإِلْحَاقُ . وَوَجْهُ الْبِنَاءِ أَنَّ بِاسْتِحْقَاقِ الْحَرِيمِ تَثْبُتُ الْيَدُ عَلَيْهِ اعْتِبَارًا تَبَعًا لِلنَّهْرِ ، وَالْقَوْلُ لِصَاحِبِ الْيَدِ ، وَبِعَدَمِ اسْتِحْقَاقِهِ تَنْعَدِمُ الْيَدُ ، وَالظَّاهِرُ يَشْهَدُ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی بندے کی نہر دوسرے آدمی کی زمین میں ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو حریم نہ ملے گا۔ ہاں البتہ جب وہ شخص اس پر گواہی کو قائم کر دے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ اس نہر کی پٹڑی مل جائے گی۔ جس پر وہ چل سکے گا۔ اور وہ اس پر نہر سے مٹی نکال کر ڈالے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہوگا کہ جب اس نے حاکم کی اجازت کے ساتھ مردہ زمین سے نہر کو نکالا ہے۔ تو امام صاحب کے نزدیک وہ حریم کا حقدار نہ بن سکے گا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ حریم کا حقدار بن جائے گا۔ کیونکہ نہر سے فائدہ تو حریم کے ساتھ ہو گا۔ کیونکہ پانی بہا کرلے جانے کیلئے اس کو وہاں پر چلنے کی ضرورت ہے۔ جبکہ عرف میں نہر کے اندر چلنا ممکن نہیں ہے۔ اور اس پر اس بندے کو مٹی ڈالنے کی ضرورت بھی ہے۔ اور دور جگہ سے مٹی کو لانے میں حرج ہوگا۔ پس کنوئیں پر قیاس کرتے ہوئے اس کیلئے بھی حق حریم ثابت ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قیاس تو ثابت حریم کا انکاری ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔ جبکہ یہ حکم کنوئیں میں ہم نے اثر کے ذریعے جانا ہے۔ کیونکہ کنوئیں میں حریم کی ضرورت نہر میں ضرورت حریم سے زیادہ ہے۔ کیونکہ نہر میں حریم کے سوا بھی پانی سے فائدہ پانا ممکن ہے جبکہ کنوئیں میں پانی کو کھینچنے کے بغیر فائدہ ممکن ہی نہیں ہے اور وہ حریم کے سوا ناممکن نہ ہوگا پس نہر کو کنوئیں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور جہاں تک بناء کی دلیل کا تعلق ہے تو حریم کا حق ثابت ہونے سے اس کا قبضہ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ نہر کے تابع ہے اور قابض کے قول کا اعتبار بھی کیا جاتا ہے۔ جبکہ حریم ثابت نہ ہونے کی صورت میں قبضہ بھی ثابت نہ ہوگا۔ جبکہ ظاہری حالت زمین والے کی گواہ ہے۔ اور یہ مسئلہ اسی تفصیل کے مطابق ہے ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کردیں گے۔

شرح

حریم کا صورت ومعنی میں زمین کے مشابہ ہونے کا بیان

وَإِنْ كَانَتْ مَسْأَلَةً مُبْتَدَأَةً فَلَهُمَا أَنَّ الْحَرِيمَ فِي يَدِ صَاحِبِ النَّهْرِ بِاسْتِمْسَاكِهِ الْمَاءَ بِهِ ، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ صَاحِبُ الْأَرْضِ نَقْضَهُ .

وَلَهُ أَنَّهُ أَشْبَهُ بِالْأَرْضِ صُورَةً وَمَعْنًى ، أَمَّا صُورَةً فَلِاسْتِوَائِهِمَا ، وَمَعْنًى مِنْ حَيْثُ صَلَاحِيَّتُهُ لِلْغَرْسِ وَالزِّرَاعَةِ ، وَالظَّاهِرُ شَاهِدٌ لِمَنْ فِي يَدِهِ مَا هُوَ أَشْبَهُ بِهِ . كَاثْنَيْنِ تَنَازَعَا فِي مِصْرَاعِ بَابٍ لَيْسَ فِي يَدِهِمَا ، وَالْمِصْرَاعُ الْآخَرُ مُعَلَّقٌ عَلَى بَابِ أَحَدِهِمَا يُقْضَى لِلَّذِي فِي يَدِهِ مَا هُوَ أَشْبَهُ بِالْمُتَنَازَعِ فِيهِ ، وَالْقَضَاءُ فِي مَوْضِعِ الْخِلَافِ قَضَاءُ تَرْكٍ

ترجمہ

اور جب یہ مسئلہ ابتدائی طور پیش آیا ہے تو اس میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حریم نہر والے شخص کے قبضہ میں ہے کیونکہ وہ حریم کے ذریعے پانی کو روکنے والا ہے۔ کیونکہ زمین والا اس کو توڑنے کا مالک نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ حریم یہ بطور صورت ومعنی زمین کے مشابہ ہے۔صورت میں اس طرح ہے کہ ان دونوں کے درمیان برابری ہے۔اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ حریم میں گھاس اگھانے اور زراعت کرنے کی صلاحیت ہے۔اور ظاہری حالت بھی اسی بندے پر گواہ ہے۔جس بندے کے قبضہ میں ہے۔پس ہر وہ چیز جو حریم کے مشابہ ہے جس طرح دو بندے دروازے کے ایسے کواڑ میں جھگڑا کرتے ہیں جو ان کے قبضہ میں نہیں ہے جبکہ دوسرا کواڑ ان میں سے کسی ایک کے دروازے پر لگا ہوا ہے۔تو فیصلہ اسی بندے کے حق میں کر دیا جائے گا۔جس کے قبضہ میں وہ چیز ہے۔پس وہ جھگڑا کی جانے والی چیز میں زیادہ مشابہ ہے۔اور یہ اختلاف اس مقام کے بارے میں ہے جو قضاء ہے اور وہ قضاء کو ترک کرنا ہے۔

شرح

پانی میں رکاوٹ بننے والی چیز کا قابل نزاع نہ ہونے کا بیان

، وَلَا نِزَاعَ فِيمَا بِهِ اسْتِمْسَاكُ الْمَاءِ إنَّمَا النِّزَاعُ فِيمَا وَرَاءَهُ مِمَّا يَصْلُحُ لِلْغَرْسِ ، عَلَى أَنَّهُ إنْ كَانَ مُسْتَمْسِكًا بِهِ مَاءُ نَهْرِهِ فَالْآخَرُ دَافِعٌ بِهِ الْمَاءَ عَنْ أَرْضِهِ ، وَالْمَانِعُ مِنْ نَقْضِهِ تَعَلُّقُ حَقِّ صَاحِبِ النَّهْرِ لَا مِلْكُهُ .

كَالْحَائِطِ لِرَجُلٍ وَلِآخَرَ عَلَيْهِ جُذُوعٌ لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ نَقْضِهِ وَإِنْ كَانَ مَلَكَهُ (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ نَهْرٌ لِرَجُلٍ إلَى جَنْبِهِ مُسَنَّاةٌ وَلِآخَرَ خَلْفَ الْمُسَنَّاةِ أَرْضٌ تَلْزَقُهَا ، وَلَيْسَتْ الْمُسَنَّاةُ فِي يَدِ أَحَدِهِمَا فَهِيَ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) . وَقَالَا : هِيَ لِصَاحِبِ النَّهْرِ حَرِيمًا لِمُلْقَى طِينِهِ وَغَيْرِ ذَلِكَ .

وَقَوْلُهُ وَلَيْسَتْ الْمُسَنَّاةُ فِي يَدِ أَحَدِهِمَا مَعْنَاهُ : لَيْسَ لِأَحَدِهِمَا عَلَيْهِ غَرْسٌ وَلَا طِينٌ مُلْقًى فَيَنْكَشِفُ بِهَذَا اللَّفْظِ مَوْضِعُ الْخِلَافِ ، أَمَّا إذَا كَانَ لِأَحَدِهِمَا عَلَيْهِ ذَلِكَ فَصَاحِبُ الشُّغْلِ أَوْلَى ، لِأَنَّهُ صَاحِبُ يَدٍ .

وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ غَرْسٌ لَا يُدْرَى مَنْ غَرَسَهُ فَهُوَ مِنْ مَوَاضِعِ الْخِلَافِ أَيْضًا . وَثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ أَنَّ وِلَايَةَ الْغَرْسِ لِصَاحِبِ الْأَرْضِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا لِصَاحِبِ النَّهْرِ .

وَأَمَّا إلْقَاءُ الطِّينِ فَقَدْ قِيلَ إنَّهُ عَلَى الْخِلَافِ ، وَقِيلَ إنَّ لِصَاحِبِ النَّهْرِ ذَلِكَ مَا لَمْ يُفْحِشْ . وَأَمَّا الْمُرُورُ فَقَدْ قِيلَ يُمْنَعُ صَاحِبُ النَّهْرِ عِنْدَهُ ، وَقِيلَ لَا يُمْنَعُ لِلضَّرُورَةِ .

قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ : آخُذُ بِقَوْلِهِ فِي الْغَرْسِ وَبِقَوْلِهِمَا فِي إلْقَاءِ الطِّينِ . ثُمَّ عَنْ أَبِي

يُوسُفَ أَنَّ حَرِيمَهُ مِقْدَارُ نِصْفِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ مِقْدَارُ بَطْنِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ .وَهَذَا أَرْفَقُ بِالنَّاسِ .

ترجمہ

اور اس مقدار میں کوئی جھگڑا نہ ہوگا جس کے سبب سے پانی میں رکاوٹ بنتی ہے۔ جبکہ جھگڑا اس کے سوا میں ہے۔ جو درخت لگانے کی صلاحیت رکھنے والا ہے۔ اور اس کے سوا جب نہر والا حریم کے ذریعے پانی کو روکنے والا ہے تو دوسرا شخص اپنی زمین سے پانی کو دور کرر ہا ہے۔ اور نہر والے کا حق حریم کو توڑنے سے متعلق ہے حق ملکیت سے نہیں ہے۔ جس طرح جب کسی بندے کی دیوار پر کسی دوسرے کی کڑی رکھی ہوئی ہے۔ تو دیوار کا مالک اس کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا اگر چہ وہ اس کا مالک ہے۔

جامع صغیر میں ہے کہ جب کسی شخص کی نہر ہے اور اس کے برابر میں بند ہے اور اس بند کے پیچھے کسی شخص کی زمین ہے۔ جو اس بند سے ملی ہوئی ہے۔ اور وہ بند ان میں کسی کے قبضہ میں بھی نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ بند زمین والے کا ہوگا جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ وہ بند نہر والے کا ہوگا۔ اور اس کیلئے مٹی ڈالنا اور دوسرے کام حریم کے طور پر ہوں گے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے قول ''وَلَيْسَتْ الْمُسَنَّاةُ فِي يَدِ أَحَدِهِمَا'' کا معنی یہ ہے کہ اس پر ان میں سے کسی کا بھی درخت اور پھینک دی جانے والی مٹی نہ ہو اور اختلاف بھی اسی عبارت واضح ہو رہا ہے۔

اور جب ان میں سے کسی ایک کی حریم پر گھاس ہے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہوگا اس لئے کہ قبضہ اسی کا ہے۔ اور جب حریم میں درخت ہے مگر یہ پتہ نہیں ہے کہ یہ درخت کس نے اس میں لگایا ہے۔ تو یہ بھی اختلافی ہے۔ اور اس اختلاف کا حاصل یہ ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک درخت لگانے کی ولایت زمین والے کو ملے گی۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کی ولایت نہر والے ملے گی۔ جبکہ جہاں تک مٹی ڈالنے کا مسئلہ ہے تو ایک قول کے مطابق اس میں بھی اختلاف ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ بہت زیادہ نہیں ہے تو نہر والے کو مٹی ڈالنے کا حق حاصل ہے۔

جہاں تک گزرنے کا مسئلہ ہے تو ایک قول یہ ہے کہ نہر والے کو گزرنے سے روک دیا جائے گا جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو نہیں روکا جائے گا۔ کیونکہ گزرنا اس کی ضرورت ہے۔

حضرت فقیہ ابو جعفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ میں گھاس کی صورت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کا اختیار کرتا ہوں جبکہ مٹی ڈالنے والے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرتا ہوں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ نہر کا حریم نہر کے اندرونی حصے میں سے آدھا حصہ ہے۔ اور یہ مقدار ہر جانب سے ہوگی۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ہر جانب سے نہر سارے اندرونی حصے کی مقدار ہے۔ کیونکہ عوام کو اسی میں سہولت ہے۔

شرح

حضرت سمرہ بن جندب کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے کھجوروں کے چند درخت ایک انصاری (جن کا نام بعض علماء نے مالک بن قیس لکھا ہے) کے باغ میں تھے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اسی باغ میں رہتے تھے چنانچہ جب سمرہ اپنے ان درختوں کی وجہ سے باغ میں آتے تو ان انصاری کو اس سے تکلیف ہوتی ایک دن وہ انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ کو اپنی مجلس میں طلب کیا تا کہ ان سے یہ فرمائیں کہ وہ اپنے کھجور کے ان درختوں کو انصاری کے ہاتھ فروخت کر دیں تا کہ ان درختوں کی وجہ سے انصاری کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس سے نجات پا جائیں لیکن سمرہ نے اپنے درختوں کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سمرہ اپنے ان درختوں کو انصاری کے ان درختوں سے بدل لیں جو کسی دوسری جگہ واقع تھے مگر سمرہ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے یہ فرمایا کہ اچھا اپنے درخت انصاری کو بطور ہدیہ دیدو تمہیں اس کا اجر بہشت کی نعمتوں کی صورت میں مل جائے گا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور سفارش اور رغبت دلانے کے لئے یہ حکم دیا (یا امر ارغبہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے ترغیب کی ایک بات فرمائی یعنی اپنے درخت کو بطور ہدیہ دے دینے کا ثواب ذکر فرمایا)

لیکن سمرہ نے اس سے بھی انکار کر دیا آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم واقعی اس انصاری کو ضرور تکلیف پہنچانا چاہتے ہو؟ اور جو شخص کسی کو ضرور تکلیف پہنچائے اس کا دفعیہ چونکہ ضروری ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سے فرمایا کہ تم جاؤ اور سمرہ کے درختوں کو کاٹ پھینکو (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 222)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ کو اپنے درختوں کو انصاری کے ہاتھ فروخت کر دینے یا تبادلہ کر لینے اور ہبہ کرنے کا جو حکم دیا اور انہوں نے وہ حکم نہیں مانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا کہ اسکا ماننا ضروری ہوتا بلکہ بطور سفارش تھا یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری صورت حضرت سمرہ کے سامنے رکھی اسی میں ثواب کی ترغیب دلائی تھی۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا تعلق وجوب سے ہوتا ہے کہ جس کو ماننا حضرت سمرہ کے لئے ضروری ہوتا تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت سمرہ اتنی صفائی کے ساتھ انکار کر دیتے بلکہ وہ ایک فرمانبردار و مطیع صحابی ہونے کے ناطے فوراً مان لیتے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بطریق وجوب نہیں دیا تھا بلکہ اس کا تعلق سفارش سے تھا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کو حضرت سمرہ کے درخت کاٹ ڈالنے کا حکم کیوں دیا؟ اس کا جواب بالکل صاف ہے کہ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کے ذریعے اخلاقی طور پر حضرت سمرہ کو اس بات پر تیار کرنا چاہا کہ وہ اپنے درختوں سے دست کش ہو جائیں مگر جب سمرہ نے دست کشی سے انکار کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ سمرہ نے انصاری کے باغ میں عاریۃ درخت

لگائے تھے مگر اب نہ وہ ان درختوں کو بیچتے ہیں نہ تبادلہ کرتے ہیں اور نہ ہبہ کرتے ہیں تو گویا وہ واقعۃ انصاری کو ضرر و تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں اس صورت میں یہ ضروری تھا کہ انصاری کو اس ضرر و تکلیف سے نجات دلائی جائے اس لئے اس کی آخری صورت یہ نکالی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان درختوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم دیدیں۔

﴿یہ فصول مسائل شرب کے بیان میں ہیں﴾

فصول مسائل شرب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ فصول جامع صغیر، بدایہ مبتدی اور نہ قدوری میں ہیں جبکہ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اپنی کتاب شرب میں ان کو بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے کتاب احیاء موات کے بعد ان کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ موات میں سب زیادہ شرب کی ضرورت پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد مصنف علیہ الرحمہ نے پانیوں کی فصل کو مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ اس اصل مقصد ہی پانی ہوتا ہے۔ اور پانی ہی وہ چیز ہے جس کی ضرورت سب سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔
(البنائیہ شرح الہدایہ، کتاب احیاء موات، مکتبہ حقانیہ ملتان)

مسائل شرب کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رحم وکرم کی بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف بنظر عنایت دیکھے گا ایک تو وہ تاجر شخص ہے جو قسم کھا کر خریدار سے کہتا ہے کہ اس چیز کے جو دام تم نے دیئے ہیں اس سے زیادہ دام اسے مل رہے تھے (یعنی جب وہ کسی کو اپنی کوئی چیز بیچتا ہے اور خریدار اس کی قیمت دیتا ہے تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت مل رہی تھی) حالانکہ وہ شخص اپنی قسم میں جھوٹا ہے کیونکہ درحقیقت اس سے زیادہ قیمت اسے نہیں مل رہی تھی دوسرا شخص وہ ہے جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے اور اس جھوٹی قسم کھانے کا مقصد کسی مسلمان شخص یا ذمی کا کوئی مال لینا ہو اور تیسرا وہ شخص جو فاضل پانی پینے پلانے سے لوگوں کو منع کرتا ہو ایسے شخص سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح تو نے دنیا میں اپنے فاضل پانی سے لوگوں کو باز رکھا تھا باوجودیکہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا اسی طرح میں بھی آج تجھے اپنے فضل سے باز رکھوں گا (بخاری)

عصر کے بعد کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ مغلظہ قسمیں اسی وقت کھائی جاتی ہیں یا یہ تخصیص اس لئے ہے کہ عصر کے بعد کا وقت چونکہ بہت ہی بافضیلت اور بابرکت ہے اس لئے اس وقت جھوٹی قسم کھانا بہت ہی زیادہ گناہ کی بات ہے۔ باوجودیکہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر طعن کرے گا کہ اگر وہ پانی تیری قدرت کا رہین منت ہوتا اور تو اسے پیدا کرتا تو ایک طرح سے تیرا یہ عمل موزوں بھی ہوتا مگر اس صورت میں جب کہ وہ پانی محض میری قدرت سے پیدا ہوا تھا اور اسے میں نے

ایک عام نعمت کے طور پر تمام مخلوق کے لئے مباح کر دیا تھا تو پھر تیری یہ مجال کیسے ہوئی کہ تو نے مخلوق خدا کو میری اس نعمت سے باز رکھا۔ اگر چہ کنواں اور نہر وغیرہ انسان کی مشقت ومحنت سے وجود میں آتے ہیں مگر اس کی اصل چیز یعنی پانی صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص کنواں بنوائے نہر کھدوائے یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوائے اور اس میں پانی نہ آئے تو اس کنوئیں یا نہر وغیرہ کی کیا حقیقت رہ جائے گی۔ اس لئے محض کنواں بنوا دینا یا ہینڈ پمپ وغیرہ لگوا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کو دوسروں پر پانی استعمال کرنے کی پابندی عائد کر دینے کا حق مل گیا ہے۔

فَصْلٌ فِي الْمِيَاهِ

﴿یہ فصل پانیوں کے بیان میں ہے﴾

فصل سیرابی پانیوں کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب احیاء موات کے احکام کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے احیاء موات سے متعلق احکام کو ذکر کیا ہے۔اوران میں پانیوں کی فصل کو مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہوتی ہے۔اوراس فصل سے مقصود پانی ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب احیاء موات، بیروت)

زراعت کیلئے پانی پر حق ہونے کا فقہی مفہوم

شرب کے لغوی معنی ہیں پینے کا پانی پانی کا حصہ گھاٹ اور پینے کا وقت اصطلاع شریعت میں اس لفظ کا مفہوم ہے پانی سے فائدہ اٹھانے کا وہ حق جو پینے برتنے اپنی کھیتی اور باغ کو سیراب کرنے اور جانوروں کو پلانے کے لے ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے چنانچہ پانی جب تک اپنے معدن (یعنی دریا اور تالاب وغیرہ) میں ہے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا اس سے بلا تخصیص ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے جس سے منع کرنا اور روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

پانی پینے سے ممانعت کے عدم جواز کا بیان

(وَإِذَا كَانَ لِرَجُلٍ نَهْرٌ أَوْ بِئْرٌ أَوْ قَنَاةٌ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَمْنَعَ شَيْئًا مِنْ الشَّفَةِ ، وَالشَّفَةُ الشُّرْبُ لِبَنِي آدَمَ وَالْبَهَائِمِ) اعْلَمْ أَنَّ الْمِيَاهَ أَنْوَاعٌ : مِنْهَا مَاءُ الْبِحَارِ ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ النَّاسِ فِيهَا حَقُّ الشَّفَةِ وَسَقْيِ الْأَرَاضِي ، حَتَّى إنَّ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكْرِيَ نَهْرًا مِنْهَا إلَى أَرْضِهِ لَمْ يُمْنَعْ مِنْ ذَلِكَ ، وَالِانْتِفَاعُ بِمَاءِ الْبَحْرِ كَالِانْتِفَاعِ بِالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالْهَوَاءِ فَلَا يُمْنَعُ مِنْ الِانْتِفَاعِ بِهِ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ شَاءَ ، وَالثَّانِي مَاءُ الْأَوْدِيَةِ الْعِظَامِ كَجَيْحُونَ وَسَيْحُونَ وَدِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ لِلنَّاسِ فِيهِ حَقُّ الشَّفَةِ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَحَقُّ سَقْيِ الْأَرَاضِي ، فَإِنْ أَحْيَا وَاحِدٌ أَرْضًا مَيْتَةً وَكَرَى مِنْهُ نَهْرًا لِيَسْقِيَهَا .

ترجمہ

اور جب کسی بندے کے ہاں نہر، کنواں یا زیر زمین ندی ہے تو اس کیلئے پانی پینے سے روکنے کا حق نہ ہوگا۔اور انسانوں اور

جانوروں کا پانی پینا اس کو شفہ کہتے ہیں۔

یہ جاننا چاہے کہ پانی کی کئی اقسام ہیں۔ان میں سے دریاؤں کا پانی ہے اس میں سے تمام انسانوں کیلئے پانی کو پینا اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق ہے۔حتیٰ کہ جب کوئی بندہ اپنی زمین سے دریا سے نہر کھودنا چاہے تو اس کو روکا نہیں جائے گا۔اور دریا سے فائدہ حاصل کرنا یہ سورج سے روشنی، ہوا سے فائدہ حاصل کرنے کی طرح ہے۔پس اس کے پانی سے کسی کو منع نہیں کیا جائے گا۔ اگر چہ وہ کسی طرح بھی ہو۔

اور پانی کی دوسری قسم بڑی وادیوں کی ہے۔جس طرح جیحون ،سیحون ،دجلہ اور فرات کا پانی ہے۔پس عوام کیلئے ان میں سے پانی پینے کا حق تو مطلق طور ثابت ہی ہے اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق بھی اسی طرح ان کیلئے ثابت ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے جانوروں کو پلانے سے منع نہ کرو تا کہ اس کی وجہ سے ضرورت سے زائد گھاس سے منع کرنا لازم نہ آئے۔

(بخاری ومسلم ،مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 215)

عام طور پر جانوروں کو گھاس وہاں چرائی جاتی ہے جہاں پانی ہوتا ہے اس لئے اگر جانوروں کو پانی پلانے سے روکو گے تو کوئی وہاں اپنے جانور کاہے کو چرائے گا؟ اسطرح پانی پلانے سے روکنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم بالواسطہ طور پر گھاس چرانے سے روک رہے ہو اور گھاس چونکہ جانوروں کی عام غذا ہونیکی وجہ سے جانوروں کے لئے بہت زیادہ ضرورت کی چیز ہے اس لئے اس سے منع کرنا درست نہیں ہے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ جانوروں کو پانی پلانے سے کسی کو نہ روکو تا کہ اس کی وجہ سے گھاس چرانے سے باز رکھنا لازم نہ آئے۔ضرورت سے زائد کی قید اس لئے ہے کہ اگر پانی اور گھاس اپنی اور اپنے جانوروں کی ضرورت کے بقدر ہی ہو تو اس صورت میں اپنی ضرورت کو مقدم رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تو پھر دوسرے کو منع کرنا انتہائی نامناسب بات ہے۔

دریا کے پانی پر سب لوگوں کیلئے مساوی حق ہونے کا بیان

لیکن اس سلسلے میں دریا نہروں نالوں کے پانی اور اس پانی میں کہ جو برتنوں میں بھر لیا گیا ہو فرق ہے۔جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔اس موقع پر تو صرف اس قدر جان لیجئے کہ حنفی مسلک کے مطابق دریا کے پانی پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے چاہے کوئی اس کا پانی پینے پلانے کے استعمال میں لائے چاہے کوئی اس سے اپنی زمین سیراب کرے اور چاہے کوئی نہروں اور نالیوں کے ذریعے اس کا پانی اپنے کھیت وباغات میں لے جائے کسی کو بھی اور کسی صورت میں بھی دریا کے پانی کے استعمال سے نہیں روکا جا سکتا اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کو روکے یا منع کرے چنانچہ دریا کے پانی سے فائدہ اٹھانا چاند سورج اور ہوا سے فائدہ اٹھانے کی طرح ہے کہ خدا نے ان نعمتوں کو بلا تخصیص کائنات کے ہر فرد کے لئے عام کیا ہے ان کا نفع وفائدہ کسی خاص شخص یا کسی

خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے میں سب یکساں شریک ہیں اسی طرح کنویں اور نہروں کے پانی پر بھی سب کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی کنویں یا کسی نہر کے پانی سے موات کا احیاء کرے یعنی افتادہ زمین میں زراعت کرے تو اس صورت میں ان لوگوں کو کہ جن کے علاقے میں وہ کنواں اور نہر ہے منع کر دینے کا حق حاصل ہے خواہ اس شخص کے افتادہ زمین میں پانی لے جانے سے اس کنویں اور نہر کے پانی میں کمی اور نقصان واقع ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو کیونکہ ان کے علاقے میں اس کنویں یا اس نہر کے ہونے کی وجہ سے ان کے پانی پر انہیں بہر حال ایک خاص حق حاصل ہے۔

اور جو پانی کسی برتن یا ٹینکی وغیرہ میں بھر لیا جاتا ہے وہ اس برتن ٹینکی والے کی ملکیت ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پانی پر ہر شخص کا حق ہوتا ہے کہ جو چاہے مارے لیکن جب اسے کوئی شکاری پکڑ لیتا ہے تو اس کے قبضہ میں اتر آتے ہی وہ اس شکاری کی ملکیت ہو جاتا ہے اور اس پر بقیہ سب کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور کوئی کنواں یا نہر اور چشمہ کسی ایسی زمین میں ہو جو کسی خاص شخص کی ملکیت ہو تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی حدود ملکیت میں پانی کے طلب گار کسی غیر شخص کے داخلے پر پابندی عائد کر دے بشرطیکہ وہ پانی کا طلبگار شخص وہاں کسی ایسے قریبی مقام سے پانی حاصل کر سکتا ہو جو کسی غیر کی ملکیت میں نہ ہو اور اگر وہاں کسی اور قریب جگہ سے پانی کا حصول اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر اسی مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو وہ خود اس نہر یا کنویں سے پانی لا کر دیدے یا اسے اجازت دیدے کہ وہ وہاں آ کر پانی لے سکے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کنویں یا نہر کے کنارے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

عوامی نقصان نہ ہونے کے سبب نہر کھودنے کی اباحت کا بیان

إِنْ كَانَ لَا يَضُرُّ بِالْعَامَّةِ وَلَا يَكُونُ النَّهْرُ فِي مِلْكِ أَحَدٍ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّهَا مُبَاحَةٌ فِي الْأَصْلِ إِذْ قَهْرُ الْمَاءِ يَدْفَعُ قَهْرَ غَيْرِهِ ، وَإِنْ كَانَ يَضُرُّ بِالْعَامَّةِ فَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ دَفْعَ الضَّرَرِ عَنْهُمْ وَاجِب ، وَذَلِكَ فِي أَنْ يَمِيلَ الْمَاءُ إلَى هَذَا الْجَانِبِ إذَا انْكَسَرَتْ ضِفَّتُهُ فَيُغْرِقَ الْقُرَى وَالْأَرَاضِي ، وَعَلَى هَذَا نَصْبُ الرَّحَى عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ شَقَّ النَّهْرِ لِلرَّحَى كَشَقِّهِ لِلسَّقْيِ بِهِ .

ترجمہ

اور جب کوئی شخص زمین کو زندہ کرنا چاہے اور مقصد کیلئے وہ نہر کھودے جس سے عوام کو نقصان نہ ہو اور وہ نہر کسی کی ملکیت سے نہ ہو اس کیلئے پانی سے زمین کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ وادیاں اصل میں مباح ہے۔ کیونکہ پانی کا غلبہ دوسرے کے غلبے کو ختم کرنے والا ہے۔ ہاں البتہ جب اس کا یہ عمل عوام کیلئے نقصان دہ ہے تو اس کیلئے نہر کو کھودنے کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ عوام۔ نقصان کو دور کرنا ضروری ہے۔ اور نقصان اس وقت ہوگا کہ جب پانی بہہ جائے (یعنی سیلاب وغیرہ کا سبب بنے) اور جب وادی

کنارہ ٹوٹ گیا ہے۔ اور وہ بستیوں اور زمینوں کو ڈبو دے۔ اور پن چکی کا حکم بھی اسی کے موافق ہے۔ کیونکہ پن چکی کیلئے نہر کو کھودنا اس کو سیراب کرنے کیلئے کاٹنے کی مثل ہے۔

شرح

اس مسئلہ میں بیان کردہ دلیل حسب ذیل شرعی ماخذ سے لی گئی ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے کھجوروں کے چند درخت ایک انصاری (جن کا نام بعض علماء نے ملک بن قیس لکھا ہے) کے باغ میں تھے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اسی باغ میں رہتے تھے چنانچہ جب سمرہ اپنے ان درختوں کی وجہ سے باغ میں آتے تو ان انصاری کو اس سے تکلیف ہوتی ایک دن وہ انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ کو اپنی مجلس میں طلب کیا تا کہ ان سے یہ فرمائیں کہ وہ اپنے کھجور کے ان درختوں کو انصاری کے ہاتھ فروخت کر دیں تا کہ ان درختوں کی وجہ سے انصاری کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس سے نجات پا جائیں لیکن سمرہ نے اپنے درختوں کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سمرہ اپنے ان درختوں کو انصاری کے ان درختوں سے بدل لیں جو کسی دوسری جگہ واقع تھے مگر سمرہ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے یہ فرمایا کہ اچھا ان درختوں کو انصاری کو بطور ہدیہ دیدو تمہیں اس کا اجر بہشت کی نعمتوں کی صورت میں مل جائے گا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور سفارش اور رغبت دلانے کے لئے یہ حکم دیا (یا امرا رغبہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے ترغیب کی ایک بات فرمائی یعنی اپنے درخت کو بطور ہدیہ دے دینے کا ثواب ذکر فرمایا) لیکن سمرہ نے اس سے بھی انکار کر دیا آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم واقعی اس انصاری کو ضرور تکلیف پہنچانا چاہتے ہو؟ اور جو شخص کسی کو ضرور تکلیف پہنچائے اس کا دفعیہ چونکہ ضروری ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سے فرمایا کہ تم جاؤ اور سمرہ کے درختوں کو کاٹ پھینکو۔

(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 222)

تقسیم میں شامل ہوجانے پر حق شرب کا بیان

وَالثَّالِثُ إذَا دَخَلَ الْمَاءُ فِي الْمَقَاسِمِ فَحَقُّ الشَّفَةِ ثَابِتٌ . وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ : الْمَاءِ ، وَالْكَلَإِ ، وَالنَّارِ) وَأَنَّهُ يَنْتَظِمُ الشُّرْبَ ، وَالشُّرْبُ خُصَّ مِنْهُ الْأَوَّلُ وَبَقِيَ الثَّانِي وَهُوَ الشَّفَةُ ، وَلِأَنَّ الْبِئْرَ وَنَحْوَهَا مَا وُضِعَ لِلْإِحْرَازِ .

وَلَا يُمْلَكُ الْمُبَاحُ بِدُونِهِ كَالظَّبْيِ إذَا تَكَنَّسَ فِي أَرْضِهِ ، وَلِأَنَّ فِي إبْقَاءِ الشَّفَةِ ضَرُورَةً

وَلِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يُمْكِنُهُ اسْتِصْحَابُ الْمَاءِ إِلَى كُلِّ مَكَانٍ وَهُوَ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ لِنَفْسِهِ وَظَهْرِهِ ؛ فَلَوْ مُنِعَ عَنْهُ أَفْضَى إِلَى حَرَجٍ عَظِيمٍ ، وَإِنْ أَرَادَ رَجُلٌ أَنْ يَسْقِيَ بِذَلِكَ أَرْضًا أَحْيَاهَا كَانَ لِأَهْلِ النَّهْرِ أَنْ يَمْنَعُوهُ عَنْهُ أَضَرَّ بِهِمْ أَوْ لَمْ يَضُرَّ ؛ لِأَنَّهُ حَقٌّ خَاصٌّ لَهُمْ وَلَا ضَرُورَةَ . وَلِأَنَّا لَوْ أَبَحْنَا ذَلِكَ لَانْقَطَعَتْ مَنْفَعَةُ الشِّرْبِ .

ترجمہ

اوراس پانی کی تیسری قسم یہ ہے کہ جب وہ تقسیم میں شامل ہو جائے تو اس میں پینے کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اوراس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان اقدس ہے کہ تین چیزوں میں شرکت ہے۔ (۱) پانی، (۲) گھاس (۳) آگ۔ یہ حدیث شرب کو شامل ہے پس اس سے اول شرب کو خاص کر لیا گیا ہے جبکہ دوسرا شرب باقی رہ جائے گا جو پانی کو پینا ہے۔ اس لئے کہ کنواں وغیرہ یہ احراز کیلئے نہیں بنائے گئے۔ کیونکہ وہ احراز کے بغیر مملوک نہیں ہوتے۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ جب ہرن کسی کی زمین میں اپنا گھر بنالیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ پانی کو باقی رکھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ انسان کیلئے ہر جگہ پانی کو ساتھ رکھنا ممکن نہیں ہے حالانکہ اس کو اپنے لئے اور سواری کیلئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس جب اس کو پانی سے روک دیا جائے تو اس میں بڑا حرج ہوگا۔

اور جب کسی شخص نے اپنی زمین کو سیراب کرنے کیلئے ارادہ کیا ہے۔ جس کو اس نے زندہ کیا ہے تو نہر والوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کو منع کر دیں، اگر چہ یہ ان کیلئے نقصان دہ ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اگر ہم اس کو مباح کرتے ہیں تو اس میں پینے کا فائدہ ختم ہو جائے گا۔

محفوظ کرنے کے سبب پانی کا مملوک ہو جانے کا بیان

وَالرَّابِعُ : الْمَاءُ الْمُحْرَزُ فِي الْأَوَانِي وَأَنَّهُ صَارَ مَمْلُوكًا لَهُ بِالْإِحْرَازِ ، وَانْقَطَعَ حَقُّ غَيْرِهِ عَنْهُ كَمَا فِي الصَّيْدِ الْمَأْخُوذِ ، إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَتْ فِيهِ شُبْهَةُ الشَّرِكَةِ نَظَرًا إِلَى الدَّلِيلِ وَهُوَ مَا رَوَيْنَا ، حَتَّى لَوْ سَرَقَهُ إِنْسَانٌ فِي مَوْضِعٍ يَعِزُّ وُجُودُهُ وَهُوَ يُسَاوِي نِصَابًا لَمْ تُقْطَعْ يَدُهُ .

وَلَوْ كَانَ الْبِئْرُ أَوْ الْعَيْنُ أَوْ الْحَوْضُ أَوْ النَّهْرُ فِي مِلْكِ رَجُلٍ لَهُ أَنْ يَمْنَعَ مَنْ يُرِيدُ الشَّفَةَ مِنْ الدُّخُولِ فِي مِلْكِهِ إِذَا كَانَ يَجِدُ مَاءً آخَرَ يَقْرُبُ مِنْ هَذَا الْمَاءِ فِي غَيْرِ مِلْكِ أَحَدٍ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَجِدُ يُقَالُ لِصَاحِبِ النَّهْرِ : إِمَّا أَنْ تُعْطِيَهُ الشَّفَةَ أَوْ تَتْرُكَهُ يَأْخُذُ بِنَفْسِهِ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكْسِرَ ضِفَّتَهُ ، وَهَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ الطَّحَاوِيِّ ، وَقِيلَ مَا قَالَهُ صَحِيحٌ فِيمَا إِذَا احْتَفَرَ فِي أَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ لَهُ .

ترجمہ

اوراس پانی کی چوتھی قسم یہ ہے کہ جب انہوں نے اس کو برتنوں میں محفوظ کرلیا ہےتو یہ محفوظ کرنے کے سبب ان کا مملوک ہو جائے گا۔اس پانی سے دوسرے کا حق ختم ہو چکا ہے۔جس طرح پکڑا ہوا شکار ہے۔مگر دلیل پر غور کرتے ہوئے اس میں شرکت کا شبہ ہے۔اوراس کی دلیل وہی ہے جس کو ہم روایت کرآئے ہیں۔حتیٰ کہ جب کسی شخص نے کسی ایسے مقام پر پانی چوری کیا ہے جہاں پانی کم ہوتا ہےاور وہ چوری شدہ پانی نصاب سرقہ کے برابر ہےتو اس پر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور جب کسی شخص کی ملکیت میں کنواں، چشمہ،حوض یا پھر کوئی نہر ہےتو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت میں پانی پینے والے کوداخل ہونے سے منع کردے۔جبکہ پینے والے کو پانی پینے کا کوئی دوسرا ذریعہ حاصل ہے۔اور وہ دوسرا کسی کی ملکیت میں بھی نہیں ہے۔

اور جب اس شخص کو پانی ہی نہیں مل رہا ہےتو نہر والے بندے سے کہہ دیا جائے گا۔کہ تم خود اسکو پانی پلا دیا پھر اس کو چھوڑ دو۔وہ اپنے آپ ہی پانی کو پی لے گا۔لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس نہر کے کنارے کو نہ توڑے گا۔

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ یہ اس صورت میں صحیح ہے کہ جب اس نے پانی ملکیت والی زمین میں نہر بنائی ہوئی ہے۔

ارض موات میں بنائی ہوئی نہر کے پانی سے منع نہ کرنے کا بیان

أَمَّا إذَا احْتَفَرَهَا فِي أَرْضٍ مَوَاتٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَمْنَعَهُ ؛ لِأَنَّ الْمَوَاتَ كَانَ مُشْتَرَكًا وَالْحَفْرُ لِإِحْيَاءِ حَقٍّ مُشْتَرَكٍ فَلَا يَقْطَعُ الشَّرِكَةَ فِي الشَّفَةِ ، وَلَوْ مَنَعَهُ عَنْ ذَلِكَ ، وَهُوَ يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ ظَهْرِهِ الْعَطَشَ لَهُ أَنْ يُقَاتِلَهُ بِالسِّلَاحِ لِأَنَّهُ قَصَدَ إتْلَافَهُ بِمَنْعِ حَقِّهِ وَهُوَ الشَّفَةُ ، وَالْمَاءُ فِي الْبِئْرِ مُبَاحٌ غَيْرُ مَمْلُوكٍ ، بِخِلَافِ الْمَاءِ الْمُحْرَزِ فِي الْإِنَاءِ حَيْثُ يُقَاتِلُهُ بِغَيْرِ السِّلَاحِ ؛ لِأَنَّهُ قَدْ مَلَكَهُ ، وَكَذَا الطَّعَامُ عِنْدَ إصَابَةِ الْمَخْمَصَةِ ، وَقِيلَ فِي الْبِئْرِ وَنَحْوِهَا الْأَوْلَى أَنْ يُقَاتِلَهُ بِغَيْرِ السِّلَاحِ بِعَصًا ؛ لِأَنَّهُ ارْتَكَبَ مَعْصِيَةً فَقَامَ ذَلِكَ مَقَامَ التَّعْزِيرِ لَهُ ؛

ترجمہ

اور جب اس بندے نے ایسی زمین سے نہر نکالی ہوئی ہے جو زمین موات ہےتو اس کو پانی سے روکنے کا حق نہ ہوگا۔کیونکہ موات مشترکہ ہے اور کنواں کھودنے کا حق اشتراک کے سبب زندہ کرنے کا ہے۔پس یہ کھودنا حق مشترکہ کی شرکت کو ختم کرنے والا

نہیں ہے۔

اور جب نہر والے بندے نے پیاس پر مجبور شخص کو پانی پینے سے منع کر دیا ہے حالانکہ اس کو اپنی جان یا سواری کی جان کا خطرہ ہے تو شخص کو اختیار ہوگا کہ وہ اسلحہ کے ذریعے اس نہر سے لڑے۔ کیونکہ پانی والے نے پانی کو روک کر اس بندے کو ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ پینا اس کا حق ہے۔ اور کنوئیں کا پانی پینا مباح ہے یہ مملوک نہیں ہے۔ بہ خلاف اس پانی جس کو برتن میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اور ایسے پانی پینے کیلئے وہ اسلحہ کے بغیر لڑے گا کیونکہ اس نے برتن میں محفوظ کیا اور وہ اس پانی کا مالک بن چکا ہے۔ اور فاقہ کی صورت میں کھانے کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ کنوئیں کی صورت میں اسلحہ کے سوا لاٹھی وغیرہ کے ساتھ لڑائی کرے۔ کیونکہ نہر والے نے نافرمانی کا ارادہ کیا ہوا ہے پس یہ سزا اس کیلئے تعزیر کے قائم مقام بن جائے گی۔

چھوٹی نالی میں جانوروں کا سارے پانی کو پی جانے کا بیان

وَالشَّفَةُ إِذَا كَانَ يَأْتِي عَلَى الْمَاءِ كُلِّهِ بِأَنْ كَانَ جَدْوَلًا صَغِيرًا .وَفِيمَا يَرِدُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْمَوَاشِي كَثْرَةٌ يَنْقَطِعُ الْمَاءُ بِشُرْبِهَا قِيلَ لَا يُمْنَعُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الْإِبِلَ لَا تَرِدُهُ فِي كُلِّ وَقْتٍ وَصَارَ كَالْمُيَاوَمَةِ وَهُوَ سَبِيلٌ فِي قِسْمَةِ الشِّرْبِ .

وَقِيلَ لَهُ أَنْ يَمْنَعَ اعْتِبَارًا : بِسَقْيِ الْمَزَارِعِ وَالْمَشَاجِرِ وَالْجَامِعُ تَفْوِيتُ حَقِّهِ ، وَلَهُمْ أَنْ يَأْخُذُوا الْمَاءَ مِنْهُ لِلْوُضُوءِ وَغَسْلِ الثِّيَابِ فِي الصَّحِيحِ ، ؛لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ فِيهِ كَمَا قِيلَ يُؤَدِّي إلَى الْحَرَجِ وَهُوَ مَدْفُوعٌ ،

ترجمہ

اور جب پانی پر کر سارے پانی کو ختم کر دیا جائے یعنی نالی چھوٹی ہے اور اونٹ اور مویشی کثرت کے ساتھ آئیں اور وہ پانی کو پی کر سارا پانی ختم کر دیں تو بھی یہ کہا گیا ہے کہ پانی والا ان کو پانی سے نہ روکے۔ کیونکہ عمومی طور پر اتنے جانور نہیں آتے۔ پس دن میں باری مقرر کرنے کی طرح ہو جائے گا۔ اور یہ بھی پانی پینے کی تقسیم کا ایک طریقہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زراعت اور درختوں کو سیراب کرنے پر قیاس کرتے ہوئے اس بندے کو منع کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ ایک جامع علت اس کے حق کو ختم کر رہی ہے۔ اور اسی پانی سے عوام کیلئے وضو کرنا اور کپڑوں کو دھونے کیلئے پانی لینے کا حق حاصل ہے اور صحیح قول یہی ہے۔ کیونکہ نالی میں وضو کرنے اور کپڑے دھونے کا حکم دینے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ تو حرج کی طرف لے جانے والا ہوگا۔ اور حرج کو دور کیا گیا ہے۔

برتنوں میں پانی بھر کر درختوں کو سیراب کرنے کا بیان

وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَسْقِيَ شَجَرًا أَوْ خَضِرًا فِي دَارِهِ حَمْلًا بِجِرَارِهِ لَهُ ذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ ؛ لِأَنَّ النَّاسَ يَتَوَسَّعُونَ فِيهِ وَيَعُدُّونَ الْمَنْعَ مِنْ الدَّنَاءَةِ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْقِيَ أَرْضَهُ وَنَخْلَهُ وَشَجَرَهُ مِنْ نَهْرِ هَذَا الرَّجُلِ وَبِئْرِهِ وَقَنَاتِهِ إلَّا بِإِذْنِهِ نَصًّا ، وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَهُ مِنْ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْمَاءَ مَتَى دَخَلَ فِي الْمَقَاسِمِ انْقَطَعَتْ شِرْكَةُ الشُّرْبِ بِوَاحِدَةٍ ؛ لِأَنَّ فِي إبْقَائِهِ قَطْعَ شِرْبِ صَاحِبِهِ ، وَلِأَنَّ الْمَسِيلَ حَقُّ صَاحِبِ النَّهْرِ ، وَالضِّفَّةِ تَعَلَّقَ بِهَا حَقُّهُ فَلَا يُمَكِّنُهُ التَّسْيِيلُ فِيهِ وَلَا شَقُّ الضِّفَّةِ ، فَإِنْ أَذِنَ لَهُ صَاحِبُهُ فِي ذَلِكَ أَوْ أَعَارَهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ حَقُّهُ فَتَجْرِي فِيهِ الْإِبَاحَةُ كَالْمَاءِ الْمُحَرَّزِ فِي إنَائِهِ .

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنا گھڑا بھر کر اپنے درخت کو سیراب کرتا ہے یا گھر کی سبزیوں کو سیراب کرتا ہے تو قول صحیح یہ ہے کہ اس کو حق حاصل ہے۔ کیونکہ لوگ اس میں وسعت سے کام لیتے ہیں اور پانی سے منع کرنے والے کو عوام گھٹیا سمجھتے ہیں۔ ہاں البتہ اس شخص کو نہر، کنوئیں یا زیر زمین ندی سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اپنی زمین میں اپنے کھجور کے درخت یا دوسرے درختوں کو پانی سے سیراب کا حق نہیں ہے۔ پانی والے کیلئے اس کو روکنے کا حق ہے۔ کیونکہ پانی جب تقسیم میں شامل ہو چکا ہے۔ تو سب کیلئے پانی شرکت ختم ہو چکی ہے۔ کیونکہ پینے کو حق کو باقی رکھنے کیلئے صاحب شرب کے شرب کو ختم کرنا ہے۔ اور اس میں صاحب نہر کا مسیل ہے اور اس نہر کے کنارے سے بھی اس کا حق متعلق ہے۔ پس کسی دوسرے کیلئے اس میں پانی کو بہانا ممکن نہ ہوگا اور نہ ہی کنارے کو توڑنا ممکن ہے۔

اور جب مالک نے اس کو مذکورہ کاموں کی اجازت دے دی ہے یا اس نے نہر اس کو بطور عاریت کے دی ہے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا کیونکہ وہ اسی کا حق ہے۔ پس اس میں اباحت کا جاری رہے گی۔ جس طرح وہ پانی ہے جس کو برتن میں بھر لیا ہے۔

فَصْلٌ فِي كَرْيِ الْأَنْهَارِ

﴿یہ فصل نہروں کو کھودنے کے بیان میں ہے﴾

فصل نہروں کی کھدائی کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب شراب کے مسائل سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے پانی کی معاونت کرنے والے احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے وہ جن چیزوں کی مدد سے پانی آتا ہے وہ نہریں ہیں۔اور ذرائع ووسائط کا ذکر ہمیشہ بعد میں کیا جاتا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب احیاء موات، بیروت)

تقسیم کے اعتبار سے نہروں کی اقسام کا بیان

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : الْأَنْهَارُ ثَلَاثَةٌ : نَهْرٌ غَيْرُ مَمْلُوكٍ لِأَحَدٍ وَلَمْ يَدْخُلْ مَاؤُهُ فِي الْمَقَاسِمِ بَعْدُ كَالْفُرَاتِ وَنَحْوِهِ ، وَنَهْرٌ مَمْلُوكٌ دَخَلَ مَاؤُهُ فِي الْقِسْمَةِ إلَّا أَنَّهُ عَامٌّ .وَنَهْرٌ مَمْلُوكٌ دَخَلَ مَاؤُهُ فِي الْقِسْمَةِ وَهُوَ خَاصٌّ .وَالْفَاصِلُ بَيْنَهُمَا اسْتِحْقَاقُ الشُّفْعَةِ بِهِ وَعَدَمُهُ .

ترجمہ

مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نہروں کی تین اقسام ہیں۔پہلی نہر وہ ہے جو کسی کی مملوک نہیں ہے اور اس کا پانی بھی ابھی تک تقسیم میں شامل نہیں ہوا ہے۔جس طرح فرات وغیرہ ہے۔

نہر کی دوسری قسم وہ ہے جو کسی شخص کی ملکیت میں ہو اور اس کا پانی بھی تقسیم میں شامل ہو چکا ہے۔لیکن وہ عام ہے۔اور نہر کی تیسری قسم وہ ہے۔جو کسی ملکیت ہے اور اس کا پانی بھی تقسم میں شامل ہو چکا ہے لیکن وہ خاص ہے۔اور ان دونوں اقسام کے درمیان حکم فاصل یہ ہے کہ وہ حق شفعہ کا حقدار ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے۔

نہروں کی کھدوائی بیت المال واہل ذمہ کے مال سے ہونے کا بیان

فَالْأَوَّلُ كَرْيُهُ عَلَى السُّلْطَانِ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّ مَنْفَعَةَ الْكَرْيِ لَهُمْ فَتَكُونُ مُؤْنَتُهُ عَلَيْهِمْ ، وَيُصْرَفُ إلَيْهِ مِنْ مُؤْنَةِ الْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ دُونَ الْعُشُورِ وَالصَّدَقَاتِ ؛ لِأَنَّ

الثَّانِيَ لِلْفُقَرَاءِ وَالْأَوَّلَ لِلنَّوَائِبِ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَيْتِ الْمَالِ شَيْءٌ فَالْإِمَامُ يُجْبِرُ النَّاسَ عَلَى كَرْيِهِ إِحْيَاءً لِمَصْلَحَةِ الْعَامَّةِ إِذْ هُمْ لَا يُقِيمُونَهَا بِأَنْفُسِهِمْ ، وَفِي مِثْلِهِ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : لَوْ تُرِكْتُمْ لَبِعْتُمْ أَوْلَادَكُمْ ، إِلَّا أَنَّهُ يُخْرِجُ لَهُ مَنْ كَانَ يُطِيقُهُ وَيُجْعَلُ مُؤْنَتُهُ عَلَى الْمَيَاسِيرِ الَّذِينَ لَا يُطِيقُونَهُ بِأَنْفُسِهِمْ .

وَأَمَّا الثَّانِي فَكَرْيُهُ عَلَى أَهْلِهِ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ وَالْمَنْفَعَةَ تَعُودُ إِلَيْهِمْ عَلَى الْخُصُوصِ وَالْخُلُوصِ ، وَمَنْ أَبَى مِنْهُمْ يُجْبَرُ عَلَى كَرْيِهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ الْعَامِّ وَهُوَ ضَرَرُ بَقِيَّةِ الشُّرَكَاءِ وَضَرَرُ الْآبِي خَاصٌّ وَيُقَابِلُهُ عِوَضٌ فَلَا يُعَارَضُ بِهِ ؛ وَلَوْ أَرَادُوا أَنْ يُحَصِّنُوهُ خِيفَةَ الِانْبِثَاقِ وَفِيهِ ضَرَرٌ عَامٌّ كَغَرَقِ الْأَرَاضِي وَفَسَادِ الطُّرُقِ يُجْبَرُ الْآبِي ، وَإِلَّا فَلَا لِأَنَّهُ مَوْهُومٌ بِخِلَافِ الْكَرْيِ ؛ لِأَنَّهُ مَعْلُومٌ .

وَأَمَّا الثَّالِثُ وَهُوَ الْخَاصُّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَكَرْيُهُ عَلَى أَهْلِهِ لِمَا بَيَّنَّا ثُمَّ قِيلَ يُجْبَرُ الْآبِي كَمَا فِي الثَّانِي .وَقِيلَ لَا يُجْبَرُ ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْ الضَّرَرَيْنِ خَاصٌّ .

وَيُمْكِنُ دَفْعُهُ عَنْهُمْ بِالرُّجُوعِ عَلَى الْآبِي بِمَا أَنْفَقُوا فِيهِ إِذَا كَانَ بِأَمْرِ الْقَاضِي فَاسْتَوَتْ الْجِهَتَانِ ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ ،وَلَا يُجْبَرُ لِحَقِّ الشَّفَةِ كَمَا إِذَا امْتَنَعُوا جَمِيعًا .

ترجمہ

جو نہر پہلی قسم ہے وہ بادشاہ کی ذمہ داری پر مسلمانوں کے بیت المال سے کھدوائی جائے گی۔ کیونکہ اس کی کھدائی کا نفع مسلمانوں کو پہنچے گا پس اس کی کھدوائی بھی ان پر واجب ہوگی۔ اور اس کی کھدوائی پر خراج وجزیہ کا پیسہ خرچ کیا جائے گا۔ جبکہ عشر وصدقات کو خرچ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ فقیروں کا حق ہے۔ اور پہلے کا مصرف حوادثات ہیں۔

اور جب بیت المال میں کوئی پیسہ نہیں ہے تو حاکم عوام کی آسانی کیلئے لوگوں کو اس کے کھودنے پر مجبور کرے گا۔ کیونکہ عوام خود بہ خود اس کو نہیں کھود سکتے۔ اور اسی طرح کے معاملے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب تم تمہاری حالت پر رہنے دیا جائے تو تم اپنی اولاد کو بھی بیچ دو گے۔ پس امام اس کی کھدائی میں صرف ان لوگوں کو لگائے گا جس اس کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور کھودنے والوں کا خرچ ان لوگوں کے ذمہ پر ڈالے گا جو کھودنے کی طاقت رکھنے والے نہیں ہیں۔

اور جو نہر کی دوسری قسم ہے اس کی کھدوائی اس نہر کے اہل کے ذمہ داروں پر ہے بیت المال پر نہیں ہے کیونکہ یہ ان کا حق ہے اور نفع بھی انہی کی جانب جانے والا ہے۔ خواہ وہ نفع خاص ہو یا خالص ہو۔ اور ان میں سے جو انکاری ہو اس کو مجبور کیا جائے گا۔ تا کہ

عام نقصان کو دور کیا جائے۔جبکہ عام نقصان باقی شریک ہونے والوں کا نقصان ہے۔انکاری کا نقصان خاص ہے پس خاص نقصان کا معارضہ عام نقصان سے نہیں کیا جائے گا۔(قاعدہ فقہیہ)

اور جب نہر والوں نے اس کو پھٹ جانے کے اندیشہ کے پیش نظر اس کو مضبوط بنانے کا ارادہ کیا ہے اور اس طرح نہ کرنے پر عام نقصان کا اندیشہ ہو جس طرح زمینوں کا ڈوب جانا اور راستوں کا ڈوب جانا ہے۔تب بھی انکاری کو مجبور کیا جائے گا۔کیونکہ یہ معاملہ دائم پر ہے۔یہ خلاف کھودنے کے کیونکہ اس ایک معلوم معاملہ ہے۔

اور جو نہر کی تیسری قسم ہے ہر طرح سے خاص ہے لہذا اس کی کھدائی اس کے اہل کی ذمہ پر ہے اسی دلیل کے سبب سے جو ہم بیان کرآئے ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انکاری کو مجبور کیا جائے گا۔جس طرح دوسری قسم میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے مجبور نہ کیا جائے گا۔کیونکہ ان دونوں نقصانات میں سے ہر ایک نقصان خاص ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکاری پر رجوع کر کے اس نقصان کو دور کر دیا جائے۔اور یہ اسی مال کے بارے میں ہے جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ قاضی کے حکم کے ساتھ ہو پس یہاں دونوں جہات برابر ہو چکی ہیں۔اور یہ اس مسئلہ کے خلاف ہے جو پہلے گزر گیا ہے۔اور حق شرب کے سبب جبر نہ کیا جائے گا جس طرح یہ صورت مسئلہ ہے کہ جب سب رک جائیں۔

نہر کی کھدوائی میں صرفہ کے مشترکہ ہونے کا بیان

وَمُؤْنَةُ كَرْيِ النَّهْرِ الْمُشْتَرَكِ عَلَيْهِمْ مِنْ أَعْلَاهُ ، فَإِذَا جَاوَزَ أَرْضَ رَجُلٍ رُفِعَ عَنْهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا : هِيَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا مِنْ أَوَّلِهِ إلَى آخِرِهِ بِحِصَصِ الشِّرْبِ وَالْأَرَضِينَ ؛ لِأَنَّ لِصَاحِبِ الْأَعْلَى حَقًّا فِي الْأَسْفَلِ لِاحْتِيَاجِهِ إلَى تَسْيِيلِ مَا فَضَلَ مِنْ الْمَاءِ فِيهِ . وَلَهُ أَنَّ الْمَقْصِدَ مِنْ الْكَرْيِ الِانْتِفَاعُ بِالسَّقْيِ ، وَقَدْ حَصَلَ لِصَاحِبِ الْأَعْلَى فَلَا يَلْزَمُهُ إنْفَاعُ غَيْرِهِ ، وَلَيْسَ عَلَى صَاحِبِ السَّيْلِ عِمَارَتُهُ كَمَا إذَا كَانَ لَهُ مَسِيلٌ عَلَى سَطْحِ غَيْرِهِ ، كَيْفَ وَأَنَّهُ يُمْكِنُهُ دَفْعُ الْمَاءِ عَنْ أَرْضِهِ بِسَدِّهِ مِنْ أَعْلَاهُ ، ثُمَّ إنَّمَا يُرْفَعُ عَنْهُ إذَا جَاوَزَ أَرْضَهُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ ، وَقِيلَ إذَا جَاوَزَ فُوَّهَةَ نَهْرِهِ ، وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ . وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ ؛ لِأَنَّ لَهُ رَأْيًا فِي اتِّخَاذِ الْفُوَّهَةِ مِنْ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ ، فَإِذَا جَاوَزَ الْكَرْيُ أَرْضَهُ حَتَّى سَقَطَتْ عَنْهُ مُؤْنَتُهُ قِيلَ لَهُ أَنْ يَفْتَحَ الْمَاءَ لِيَسْقِيَ أَرْضَهُ لِانْتِهَاءِ الْكَرْيِ فِي حَقِّهِ ، وَقِيلَ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ مَا لَمْ يَفْرُغْ شُرَكَاؤُهُ نَفْيًا لِاخْتِصَاصِهِ ، وَلَيْسَ عَلَى أَهْلِ

الشَّفَةِ مِنَ الْكَرْيِ شَيْءٌ؛ لِأَنَّهُمْ لَا يُحْصَوْنَ وَلِأَنَّهُمْ أَتْبَاعٌ.

ترجمہ

اور مشترکہ نہر کی کھدوائی کا صرفہ حصے داروں پر نہر کی اوپر والی کھداوئی سے لیا جائے گا۔ اور جب یہ کھدوائی کسی خاص آدمی کی زمین سے آگے بڑھ جائے تو اس سے صرفہ اٹھالیا جائے گا۔ اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ یہ پانی اور زمینوں کے حساب سے شروع سے لیکر آخر تک سب پر خرچہ ہوگا۔ کیونکہ اوپر والے کا نیچے والے کی زمین پر حق ہے۔ کیونکہ نگال میں بچ جانے والے پانی کی اس کو ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ نہر کھودنے کا مقصد سیراب کرنے کا نفع حاصل کرنا ہے۔ جبکہ اوپر والا پہلے نفع حاصل کر چکا ہے پس اس کیلئے دوسرے کو فائدہ پہنچانا لازم نہ ہوگا اور مسیل والے پر مسیل کو بنانا لازم نہیں ہے۔ جس طرح جب کسی شخص کی دوسرے کی چھت پر مسیل ہے کیونکہ اب مسیل والا اس پر تعمیر بنا سکتا ہے۔ جب اوپر والے کیلئے پانی کو روک کر اس کیلئے اپنی زمین سے پانی کو ہٹالینا ممکن ہو۔

اور حصے دار سے خرچہ اس وقت سے اٹھالیا جائے گا جب کھدائی اس کی زمین سے آگے نکل گئی ہو۔ جس طرح ہم نے بیان کردیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے جب کھدائی اس کی نہر کے دہانے سے بڑھ جائے تو اب صرفہ اٹھالیا جائے گا اور امام محمد علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ جبکہ زیادہ صحیح قول اول ہے۔ کیونکہ حصے دار کیلئے اوپر نیچے سے دہانے کو کھول دینے کا حق حاصل ہے۔

اور جب کھدائی اس کی زمین سے بڑھ جائے حتیٰ کہ اس کی مد ختم ہو جائے تو ایک قول یہ ہے کہ اس کیلئے اپنی زمین کو سیراب کرنے کیلئے پانی کو کھولنے کا حق ہے کیونکہ اس کے حق میں کھدائی ختم ہوگئی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے جب تک اس کے ساتھ شرکت کرنے والے فراغت حاصل نہ کریں تب تک اس کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کو خاص ہونے کی نفی کردی جائے اور پینے والوں پر کھدائی سے کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ وہ بڑی تعداد میں ہیں کیونکہ وہ سب کے سب تابع ہیں۔

شرح

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد حضرت شعیب سے اور وہ اپنے دادا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے پانی کے بارے میں یہ حکم دیا کہ جب اس کا پانی کھیت وغیرہ میں ٹخنوں تک بھر جائے تو اسے بند کردیا جائے اور پھر اوپر والا نیچے والے کے لئے اس کا پانی چھوڑ دے۔

(ابوداؤد و ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 221)

مہزور مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے جو بنی قریضہ کے علاقے میں واقع تھی بنی قریظہ کے کھیتوں اور باغوں میں اسی وادی سے پانی آتا تھا اسی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس وادی سے پانی لانے والی نالی کے قریب جس

شخص کی زمین ہو اس کا حق مقدم ہے کہ پہلے وہ اپنی زمین کو پانی لے جائے جب اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی پہنچ جائے یعنی پوری طرح سیراب ہو جائے تب وہ اس پانی کو چھوڑ دے تا کہ اس کے بعد وہ اس زمین میں جائے جو اس کی زمین سے نیچے ہے۔ چنانچہ ہر اس نہر کے بارے میں یہی ضابطہ ہے جو کسی شخص کی ذاتی محنت ومشقت کے بغیر از خود جاری ہو کہ جس شخص کی زمین اس نہر کے قریب اور بلندی پر ہو پہلے وہ اپنی زمین میں پانی لا کر روکے رکھے یہاں تک کہ اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی بھر جائے پھر وہ پانی کا رخ اپنی زمین سے موڑ دے تا کہ وہ اس زمین میں چلا جائے جو اس کی زمین سے متصل اور اس سے نیچے ہو۔

فَصْلٌ فِي الدَّعْوَى وَالِاخْتِلَافِ وَالتَّصَرُّفِ فِيهِ

﴿یہ فصل دعویٰ شرب، اختلاف وتصرف کے بیان میں ہے﴾

فصل شرب کے مسائل شتیٰ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسائل منثورہ ہیں یا شتیٰ ہیں یا متفرقہ ہیں۔ علامہ کاکی نے کہا ہے کہ ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ علامہ اکمل نے کہا ہے مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے مسائل کو کتابوں کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شاذ ونادر ہونے کی وجہ سے یہ مسائل ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ ان کے فوائد کثیر ہوتے ہیں۔ اوران مسائل کو منثورہ ،متفرقہ یا شتیٰ کہا جاتا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵ ص، ۴۲۸، حقانیہ ملتان)

سوائے زمین کے دعویٰ شرب کا بطور استحسان صحیح ہونے کا بیان

قَالَ (وَتَصِحُّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِغَيْرِ أَرْضٍ اسْتِحْسَانًا) ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يُمْلَكُ بِدُونِ الْأَرْضِ إرْثًا ، وَقَدْ يَبِيعُ الْأَرْضَ وَيَبْقَى الشِّرْبُ لَهُ وَهُوَ مَرْغُوبٌ فِيهِ فَيَصِحُّ فِيهِ الدَّعْوَى (وَإِذَا كَانَ نَهْرٌ لِرَجُلٍ يَجْرِي فِي أَرْضِ غَيْرِهِ فَأَرَادَ صَاحِبُ الْأَرْضِ أَنْ لَا يُجْرَى النَّهْرُ فِي أَرْضِهِ تُرِكَ عَلَى حَالِهِ) ؛ لِأَنَّهُ مُسْتَعْمَلٌ لَهُ بِإِجْرَاءِ مَائِهِ .

فَعِنْدَ الِاخْتِلَافِ يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِهِ ، وَلَمْ يَكُنْ جَارِيًا فَعَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ أَنَّ هَذَا النَّهْرَ لَهُ ، أَوْ أَنَّهُ قَدْ كَانَ مَجْرَاهُ لَهُ فِي هَذَا النَّهْرِ يَسُوقُهُ إلَى أَرْضِهِ لِيَسْقِيَهَا فَيَقْضِي لَهُ لِإِثْبَاتِهِ بِالْحُجَّةِ مِلْكًا لَهُ أَوْ حَقًّا مُسْتَحَقًّا فِيهِ ، وَعَلَى هَذَا الْمَصَبُّ فِي نَهْرٍ أَوْ عَلَى سَطْحٍ أَوْ الْمِيزَابُ أَوْ الْمَمْشَى فِي دَارِ غَيْرِهِ ، فَحُكْمُ الِاخْتِلَافِ فِيهَا نَظِيرُهُ فِي الشِّرْبِ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے زمین کے بغیر کی شرب کا دعویٰ کیا ہے تو یہ بطور استحسان صحیح ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی زمین کے سوا بھی میراث کے طور پر شرب مملوک بن جاتا ہے۔ کیونکہ انسان زمین کو بیچ بھی تو دیتا ہے اور اپنے لئے اس زمین کا پانی باقی رہنے دیتا ہے۔ کیونکہ سے متعلق اس کو رغبت ہوتی ہے۔ پس اس کا دعویٰ کرنا درست ہوگا۔

اور جب کسی شخص کی نہر کسی دوسرے آدمی کی زمین میں سے جاری ہے۔اور زمین والے نے چاہا کہ اس کی زمین میں نہر بہ رہی ہے تو اس نہر اس کو اس کی حالت پر رہنے دیا جائے گا۔کیونکہ نہر والا نہر کو چلا کر اس کے پانی کو استعمال کرتا ہے پس اختلاف کے وقت اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور جب نہر اس کے قبضہ میں نہیں ہے اور نہ ہی وہ جاری ہے تو مدعی کیلئے اس کی شہادت پیش کرنا لازم ہوگا۔کہ وہ نہر اس کی ہے یا اس کیلئے اس نہر سے پانی جاری کرنے کا حق ہے جس طرح وہ زمین کو سیراب کرنے کیلئے پانی لے جاتا ہے۔پس اسی کیلئے نہر کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔کیونکہ وہ دلیل کے سبب سے نہر پر اپنی ملکیت یا اپنے حق کو ثابت کرنے والا ہے۔اور اسی حکم کے مطابق نہر چھت، پرنالہ اور دوسرے گھر میں گزرنے کا مسئلہ ہے۔اور ان مذکورہ اشیاء میں اختلاف کا حکم مسئلہ شرب میں اختلاف کی مثل ہے۔

پانی والی نہر کا ایک قوم کے درمیان مشترکہ ہونے کا بیان

(وَإِذَا كَانَ نَهْرٌ بَيْنَ قَوْمٍ وَاخْتَصَمُوا فِي الشِّرْبِ كَانَ الشِّرْبُ بَيْنَهُمْ عَلَى قَدْرِ أَرَاضِيهِمْ) ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الِانْتِفَاعُ بِسَقْيِهَا فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ ، بِخِلَافِ الطَّرِيقِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ التَّطَرُّقُ وَهُوَ فِي الدَّارِ الْوَاسِعَةِ وَالضَّيِّقَةِ عَلَى نَمَطٍ وَاحِدٍ ، فَإِنْ كَانَ الْأَعْلَى مِنْهُمْ لَا يَشْرَبُ حَتَّى يَسْكُرَ النَّهْرَ لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ لِمَا فِيهِ مِنْ إبْطَالِ حَقِّ الْبَاقِينَ ، وَلَكِنَّهُ يَشْرَبُ بِحِصَّتِهِ ، فَإِنْ تَرَاضَوْا عَلَى أَنْ يَسْكُرَ الْأَعْلَى النَّهْرَ حَتَّى يَشْرَبَ بِحِصَّتِهِ أَوْ اصْطَلَحُوا عَلَى أَنْ يَسْكُرَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فِي نَوْبَتِهِ جَازَ ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ ، إلَّا أَنَّهُ إذَا تَمَكَّنَ مِنْ ذَلِكَ بِلَوْحٍ لَا يَسْكُرُ بِمَا يَنْكَبِسُ بِهِ النَّهْرُ مِنْ غَيْرِ تَرَاضٍ لِكَوْنِهِ إضْرَارًا بِهِمْ ، وَلَيْسَ لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَكْرِيَ مِنْهُ نَهْرًا أَوْ يَنْصِبَ عَلَيْهِ رَحَى مَاءٍ إلَّا بِرِضَا أَصْحَابِهِ ؛ لِأَنَّ فِيهِ كَسْرَ ضِفَّةِ النَّهْرِ وَشَغْلَ مَوْضِعٍ مُشْتَرَكٍ بِالْبِنَاءِ ، إلَّا أَنْ يَكُونَ رَحًى لَا يَضُرُّ بِالنَّهْرِ وَلَا بِالْمَاءِ ، وَيَكُونُ مَوْضِعُهَا فِي أَرْضِ صَاحِبِهَا ؛ لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي مِلْكِ نَفْسِهِ وَلَا ضَرَرَ فِي حَقِّ غَيْرِهِ .وَمَعْنَى الضَّرَرِ بِالنَّهْرِ مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ كَسْرِ ضِفَّتِهِ ،

ترجمہ

اور جب کسی قوم کے درمیان کوئی نہر مشترکہ ہے اور وہ اس کے پانی میں جھگڑا کرتے ہیں۔ان کے درمیان زمینوں کے حساب سے پانی دیا جائے گا۔کیونکہ پانی کا مقصد زمین کو سیراب کر کے فائدہ حاصل کرنا ہے۔پس وہ نفع کی مقدار کے برابر ہوگا۔جبکہ راستے میں ایسا نہیں ہے کیونکہ راستے سے مقصد اس کو بنانا ہے اور راستہ بنانے میں خواہ تنگ ہو کھلا ہو وہ دونوں گھروں میں ایک طرح

کا ہوا کرتا ہے۔

اوراسی طرح جب اوپر سے پانی لگانے والا زمین کو سیراب نہ کرے بلکہ نہر کو بند لگا دے تو اس کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس کے سبب سے دوسروں کے حق کو باطل کرنا لازم آئے گا۔ پس اپنے حصے کے مطابق سیراب کرے اور اس کے جب دوسرے شریک اس بات پر رضامند ہو جائیں کہ اوپر والا پانی کو بند کرتے وقت بند یا کھدی لگا دے یا پھر وہ اس معاملہ پر اتفاق کر لیتے ہیں کہ ہر شخص اپنی باری کے حساب سے بند لگا دیا کرے گا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ اور اگر تختہ کے سبب سے بند لگانے پر طاقت ہے تو وہ شریکوں کی رضامندی کے بغیر کسی ایسی چیز سے بند نہ لگائے جس سے نہر ٹوٹ جائے کیونکہ اس کے سبب ان کو نقصان پہنچے گا۔

اور مشترکہ نہر میں شرکاء کی رضامندی کے سوا کسی بھی شریک کو نہر کھودنے یا اس پر پن چکی بنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے نہر کے کنارے کو توڑنا اور مشترکہ زمین کو عمارت کے ساتھ بنانا لازم آئے گا۔ مگر جب وہ پن چکی ایسی ہے جو نہر کیلئے اور پانی کیلئے نقصان پہنچانے والی نہیں ہے۔ اور اس پن چکی کی زمین پر اسی مالک ہے تو اب جائز ہے۔ کیونکہ یہ تو اس کی اپنی ملکیت میں تصرف ہے اور دوسروں کے حق میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ اور نہر میں نقصان پہنچانے کا حکم وہی ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ یعنی نہر کے کنارے کا ٹوٹنا ہے۔

نہری پانی کو نقصان پہنچانے کا فقہی مفہوم

وَبِالْمَاءِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَنْ سُنَنِهِ الَّذِي كَانَ يَجْرِي عَلَيْهِ ، وَالدَّالِيَةُ وَالسَّانِيَةُ نَظِيرُ الرَّحَى ، وَلَا يَتَّخِذُ عَلَيْهِ جِسْرًا وَلَا قَنْطَرَةً بِمَنْزِلَةِ طَرِيقٍ خَاصٍّ بَيْنَ قَوْمٍ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ لِوَاحِدٍ نَهْرٌ خَاصٌّ يَأْخُذُ مِنْ نَهْرٍ خَاصٍّ بَيْنَ قَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يُقَنْطِرَ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْثِقَ مِنْهُ لَهُ ذَلِكَ ، أَوْ كَانَ مُقَنْطَرًا مُسْتَوْثَقًا فَأَرَادَ أَنْ يَنْقُضَ ذَلِكَ وَلَا يَزِيدَ ذَلِكَ فِي أَخْذِ الْمَاءِ حَيْثُ يَكُونُ لَهُ ذَلِكَ (لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِي خَالِصِ مِلْكِهِ وَضْعًا وَرَفْعًا .وَلَا ضَرَرَ بِالشُّرَكَاءِ بِأَخْذِ زِيَادَةِ الْمَاءِ ،

وَيُمْنَعُ مِنْ أَنْ يُوَسِّعَ فَمَ النَّهْرِ ؛ لِأَنَّهُ يَكْسِرُ ضِفَّةَ النَّهْرِ ، وَيَزِيدُ عَلَى مِقْدَارِ حَقِّهِ فِي أَخْذِ الْمَاءِ ، وَكَذَا إذَا كَانَتْ الْقِسْمَةُ بِالْكُوَى ، وَكَذَا إذَا أَرَادَ أَنْ يُؤَخِّرَهَا عَنْ فَمِ النَّهْرِ فَيَجْعَلَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَذْرُعٍ مِنْهُ لِاحْتِبَاسِ الْمَاءِ فِيهِ فَيَزْدَادُ دُخُولُ الْمَاءِ فِيهِ .بِخِلَافِ مَا إذَا أَرَادَ أَنْ يُسْفِلَ كُوَاهُ أَوْ يَرْفَعَهَا حَيْثُ يَكُونُ لَهُ ذَلِكَ فِي الصَّحِيحِ ؛ لِأَنَّ قِسْمَةَ الْمَاءِ فِي الْأَصْلِ بِاعْتِبَارِ سَعَةِ الْكُوَّةِ وَضِيقِهَا مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ التَّسَفُّلِ وَالتَّرَفُّعِ وَهُوَ الْعَادَةُ فَلَمْ

يَكُنْ فِيهِ تَغْيِيرُ مَوْضِعِ الْقِسْمَةِ ،

ترجمہ

اور نہری پانی کونقصان پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ پانی جاری ہونے کا طریقہ بدل جائے جس طرح وہ جاری ہوا تھا۔اور یہ رہٹ اور چرس پن چکی کے حکم میں ہے۔

اور کوئی شرکت کرنے والا شخص نہر پر پل نہ بنائے گا جس طرح کسی قوم کیلئے راستے کو خاص کیا جاتا ہے بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب کسی شخص کیلئے خاص طور پر کوئی نہر ہے۔اور اس کے بعد نہر والا اس پر پل بنا کو اسے طاقتور بنانا چاہتا ہے تو اس کیلئے یہ حق حاصل ہوگا۔یا پھر نہر پر پل تو پہلے ہی طاقتور ہے لیکن نہر والا شخص اس کو توڑنا چاہتا ہے۔اور اس کے سبب پانی لینے میں اضافہ بھی نہیں ہو سکے گا تو اس کیلئے یہ حق ہوگا کیونکہ وہ بندہ خاص اپنی ملکیت میں تصرف کر رہا ہے۔اور وہ زیادہ پانی حاصل کر کے شرکاء کو کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں ہے۔

اور اگر وہ نہر کا منہ کھلا کرنا چاہے گا تو اس کو روک دیا جائے گا۔کیونکہ اس کی وجہ سے وہ نہر کا کنارہ توڑنے والا ہے اور پانی لینے کی وجہ سے اس کے حق میں مقدار پانی کا اضافہ ہو جائے گا اور اسی طرح سوراخ کے ذریعے پانی کی تقسیم کا مسئلہ ہے۔اور اسی طرح جب وہ پانی کے سوراخ کو نہر سے پیچھے کرنا چاہے اور وہ نہر کے منہ سے چار ہاتھ پیچھے کرنا چاہتا ہے تو بھی اس کو منع کر دیا جائے گا کیونکہ اس طرح پانی رکے گا اور اس کے داخل ہونے میں اضافہ ہو جائے گا۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب کسی شخص پانی کے سوراخ کو اوپر یا نیچے کرنے کا ارادہ کیا ہے۔تو اس کیلئے یہ حق حاصل ہوگا یہی صحیح قول ہے۔کیونکہ اصل میں پانی کی تقسیم پانی کے سوراخ کی تنگی یا کشادگی کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے۔اور اوپر نیچے کیے بغیر یہی عرف ہے۔۔پس اس میں تقسیم کی جگہ تبدیل نہ ہوگی

تقسیم سوراخ کے بعد تقسیم ایام سے پانی حاصل کرنے کا بیان

وَلَوْ كَانَتْ الْقِسْمَةُ وَقَعَتْ بِالْكُوَى فَأَرَادَ أَحَدُهُمْ أَنْ يُقَسِّمَ بِالْأَيَّامِ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ ؛ لِأَنَّ الْقَدِيمَ يُتْرَكُ عَلَى قِدَمِهِ لِظُهُورِ الْحَقِّ فِيهِ .

وَلَوْ كَانَ لِكُلِّ مِنْهُمْ كُوًى مُسَمَّاةٌ فِي نَهْرٍ خَاصٍّ لَيْسَ لِوَاحِدٍ أَنْ يَزِيدَ كُوَّةً وَإِنْ كَانَ لَا يَضُرُّ بِأَهْلِهِ ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ خَاصَّةٌ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَتْ الْكُوَى فِي النَّهْرِ الْأَعْظَمِ ؛ لِأَنَّ لِكُلِّ مِنْهُمْ أَنْ يَشُقَّ نَهْرًا مِنْهُ ابْتِدَاءً فَكَانَ لَهُ أَنْ يَزِيدَ فِي الْكُوَى بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى

ترجمہ

اور جب شرکاء نے آپس میں سوراخ کے ذریعے پانی کو تقسیم کرلیا ہے اور اس کے بعد ان شرکاء میں سے کسی نے دنوں کی تقسیم

کے ذریعے پانی کو حاصل کرنا چاہا ہے تو اس کیلئے یہ حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ پرانی چیز کو ظہور حق میں اس کی پرانیت پر چھوڑ دیا جاتا ہے (قاعدہ فقہیہ) اور جب کسی خاص نہر میں سارے شرکاء کیلئے خاص قسم کے سوراخ ہیں تو ان میں کسی کیلئے سوراخ کو بڑا کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ خواہ وہ دوسروں کیلئے نقصان دہ نہ ہو۔ کیونکہ یہاں شرکت خاص ہے۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب سوراخ بڑے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر شریک کیلئے ابتدائی طور پر بڑی نہر کو کھودنے کا حق حاصل ہے پس سوراخوں کو بڑھانے میں بدرجہ اولیٰ ان کیلئے حق ثابت ہو جائے گا۔

شرکاء کیلئے پانی کو دوسری زمین نہ لگانے کا بیان

(وَلَيْسَ لِأَحَدِ الشُّرَكَاءِ فِي النَّهْرِ أَنْ يَسُوقَ شِرْبَهُ إلَى أَرْضٍ لَهُ أُخْرَى لَيْسَ لَهَا فِي ذَلِكَ شِرْبٌ) ؛ لِأَنَّهُ إذَا تَقَادَمَ الْعَهْدُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى أَنَّهُ حَقُّهُ (وَكَذَا إذَا أَرَادَ أَنْ يَسُوقَ شِرْبَهُ فِي أَرْضِهِ الْأُولَى حَتَّى يَنْتَهِيَ إلَى هَذِهِ الْأَرْضِ الْأُخْرَى) ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَوْفِي زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ ، إذْ الْأَرْضُ الْأُولَى تَنْشَفُ بَعْضَ الْمَاءِ قَبْلَ أَنْ تُسْقَى الْأَرْضُ الْأُخْرَى ، وَهُوَ نَظِيرُ طَرِيقٍ مُشْتَرَكٍ أَرَادَ أَحَدُهُمْ أَنْ يَفْتَحَ فِيهِ بَابًا إلَى دَارٍ أُخْرَى سَاكِنُهَا غَيْرُ سَاكِنِ هَذِهِ الدَّارِ الَّتِي يَفْتَحُهَا فِي هَذَا الطَّرِيقِ ، وَلَوْ أَرَادَ الْأَعْلَى مِنْ الشَّرِيكَيْنِ فِي النَّهْرِ الْخَاصِّ وَفِيهِ كُوًى بَيْنَهُمَا أَنْ يَسُدَّ بَعْضَهَا دَفْعًا لِفَيْضِ الْمَاءِ عَنْ أَرْضِهِ كَيْ لَا تَنِزَّ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ لِمَا فِيهِ مِنْ الضَّرَرِ بِالْآخَرِ ، وَكَذَا إذَا أَرَادَ أَنْ يُقَسِّمَ الشِّرْبَ مُنَاصَفَةً بَيْنَهُمَا ؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ بِالْكُوَى تَقَدَّمَتْ إلَّا أَنْ يَتَرَاضَيَا ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمَا ، وَبَعْضُ التَّرَاضِي لِصَاحِبِ الْأَسْفَلِ أَنْ يَنْقُضَ ذَلِكَ .وَكَذَا لِوَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ ؛ لِأَنَّهُ إعَارَةُ الشِّرْبِ ، فَإِنَّ مُبَادَلَةَ الشِّرْبِ بِالشِّرْبِ بَاطِلَةٌ ،

ترجمہ

اور شرکاء میں سے کسی بھی شریک کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ اپنے حصے کے پانی کو اپنی دوسری زمین کیلئے لے جائے جس کیلئے پانی نہیں ہے۔ کیونکہ جب وقت گزر جائے گا تو یہ استدلال کرتے ہوئے کہے گا یہ اسی کا حق ہے۔

اور اسی طرح جب کسی شخص نے اپنی پہلی زمین میں اس قدر لگانا چاہا ہے کہ وہ اس کی زمین تک پہنچ جائے کیونکہ اس طرح وہ اپنے حق سے زیادہ پانی وصول کرنے والا ہے کیونکہ پہلی زمین دوسری زمین تک پانی کو پہنچانے میں کچھ پانی اپنے اندر جذب کرلے گی اور مشترکہ راستے کی مثال بھی یہی ہے۔ اور جب کوئی شریک اپنے گھر میں دروازہ کھولنا چاہتا ہے اور اس میں رہنے والا اس کے

نکین کے سواہے جس کا دروازہ راستے میں ہے۔

اور جب خاص نہر میں دو شرکاء میں سے اوپر والا شریک یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے درمیان مشترکہ سوراخوں میں سے کسی ایک سوراخ کو بند کردے تا کہ اس کی زمین سے پانی نکل جائے تا کہ زمین میں نمی باقی نہ رہے تو اس کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں دوسرے کا نقصان ہے۔

اور اسی طرح جب اس نے پانی کو نصف نصف کر کے تقسیم کرنا چاہا ہے کیونکہ تقسیم تو پہلے سوراخوں کے ذریعے ہو چکی ہے ہاں البتہ جب دونوں شرکاء اس پر رضا مند ہو جائیں۔ کیونکہ وہ دونوں کا حق ہے۔ اور رضا مندی کے بعد نیچے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس تقسیم کو ختم کردے۔ اور اسی طرح اس کے بعد اس کے وارثوں کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کیونکہ یہ پانی بطور عاریت ہے۔ کیونکہ پانی کا پانی کے ساتھ بدلہ کرنا باطل ہے۔

حق پانی کا حقوق میراث میں سے ہونے کا بیان

وَالشُّرْبُ مِمَّا يُورَثُ وَيُوصَى بِالِانْتِفَاعِ بِعَيْنِهِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْوَصِيَّةِ بِذَلِكَ حَيْثُ لَا تَجُوزُ الْعُقُودُ إمَّا لِلْجَهَالَةِ أَوْ لِلْغَرَرِ ، أَوْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ حَتَّى لَا يَضْمَنَ إذَا سَقَى مِنْ شِرْبِ غَيْرِهِ ، وَإِذَا بَطَلَتْ الْعُقُودُ فَالْوَصِيَّةُ بِالْبَاطِلِ بَاطِلَةٌ ، وَكَذَا لَا يَصْلُحُ مُسَمًّى فِي النِّكَاحِ حَتَّى يَجِبَ مَهْرُ الْمِثْلِ ، وَلَا فِي الْخُلْعِ حَتَّى يَجِبَ رَدُّ مَا قَبَضَتْ مِنْ الصَّدَاقِ لِتَفَاحُشِ الْجَهَالَةِ .وَلَا يَصْلُحُ بَدَلُ الصُّلْحِ عَنْ الدَّعْوَى ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْلَكُ بِشَيْءٍ مِنْ الْعُقُودِ .

ترجمہ

اور حق پانی یہ ان چیزوں میں سے ہے جو میراث بننے والی ہیں۔ کیونکہ اس کے عین میں نفع کی وصیت کی جاتی ہے جبکہ بیع، ہبہ اور صدقہ میں ایسا نہیں ہے اور ان عقود کی وصیت بھی نہیں ہوتی کیونکہ ان میں عقد جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں جہالت یا دھوکہ یا اس سبب سے مال متقوم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جب کسی بندے نے دوسرے کے پانی سے زمین کو سیراب کیا ہے تو وہ شخص ضامن نہ ہوگا۔ اور جب عقود ہی باطل ہیں تو ان کی وصیت بھی باطل ہے۔

اور اسی طرح پانی میں نکاح کا مہر بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے لہذا مہر مثلی واجب ہوگا۔ جبکہ پانی دینا واجب نہ ہوگا۔ ہاں یہ پانی خلع کا بدل بن سکتا ہے کیونکہ جب عورت پر قبضہ کردہ مہر کو واپس دینا لازم ہے کیونکہ اس میں جہالت فاحشہ ہے۔ اور اسی طرح پانی کا دعویٰ صلح کا بدل بننے کی قوت بھی نہیں رکھتا کیونکہ کسی بھی عقد کے ذریعے پانی کا مالک نہیں بنا جا سکتا۔

صاحب ارض کی موت کے بعد پانی کو نہ بیچنے کا بیان

وَلَا يُبَاعُ الشِّرْبُ فِي دَيْنِ صَاحِبِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ بِدُونِ أَرْضٍ كَمَا فِي حَالِ حَيَاتِهِ ، وَكَيْفَ يَصْنَعُ الْإِمَامُ ؟ الْأَصَحُّ أَنْ يَضُمَّهُ إِلَى أَرْضٍ لَا شِرْبَ لَهَا فَيَبِيعَهَا بِإِذْنِ صَاحِبِهَا ، ثُمَّ يَنْظُرُ إِلَى قِيمَةِ الْأَرْضِ مَعَ الشِّرْبِ وَبِدُونِهِ فَيَصْرِفُ التَّفَاوُتَ إِلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ ذَلِكَ اشْتَرَى عَلَى تَرِكَةِ الْمَيِّتِ أَرْضًا بِغَيْرِ شِرْبٍ ، ثُمَّ ضَمَّ الشِّرْبَ إِلَيْهَا وَبَاعَهُمَا فَيَصْرِفُ مِنْ الثَّمَنِ إِلَى ثَمَنِ الْأَرْضِ وَيَصْرِفُ الْفَاضِلَ إِلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ

(وَإِذَا سَقَى الرَّجُلُ أَرْضَهُ أَوْ مَخَرَهَا مَاءً) أَيْ مَلَأَهَا (فَسَالَ مِنْ مَائِهَا فِي أَرْضِ رَجُلٍ فَغَرَّقَهَا أَوْ نَزَّتْ أَرْضُ جَارِهِ مِنْ هَذَا الْمَاءِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ضَمَانُهَا) ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فِيهِ

ترجمہ

اور جب پانی کی ملکیت والا شخص فوت ہو جائے تو اس کے قرض میں زمین کے بغیر پانی کو نہیں بیچا جائے گا جس طرح اس کی زندگی میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس وقت حاکم کو کیا کرنا چاہے تو اس کے بارے میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ پانی کو ایسی زمین کے ساتھ لاحق کرے گا جس کا پانی نہ ہو۔ اس کے بعد وہ زمین کے مالک کی اجازت سے اس کی زمین اور اپنی دونوں کو بیچ دے گا۔ اور اس کے بعد زمین کو پانی کے ساتھ اور زمین کو پانی کے بغیر دونوں کی قیمتوں میں غور وفکر کرے گا۔ اور ان میں جو فرق آئے اس کو قرض میں ادائیگی میں ادا کرے۔

اور جب حاکم کو ایسی زمین نہ ملے تو وہ ترکہ میت سے پانی کے سوا کسی زمین کو خریدے اور اس کے بعد اس کے ساتھ پانی کو ملا ئے۔ اور ان دونوں کی بیچوائی کر دے۔ پس وہ قیمت زمین کی قیمت میں خرچ کرے اور جو بچ جائے اور قرض ادا کرنے میں ادا کر دے۔

اور جب کسی بندے نے اپنی زمین کو پانی سے سیراب کیا ہے یا پھر اس نے اس کو پانی سے بھر دیا ہے مگر اس کا پانی دوسرے کی زمین میں چلا گیا ہے اور اس نے اس کو ڈبو دیا ہے یا اس کے پانی کے سبب اس کے ہمسائے کی زمین تر ہو گئی ہے تو سیراب کرنے والے پر اس کا ضمان واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس بے چارہ تو اس میں کوئی زیادتی کرنے والا نہیں ہے۔

کتاب الاشربة

﴿یہ کتاب پینے والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾

کتاب اشربہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب اشربہ کو شرب کے بعد بیان کیا ہے کیونکہ ان دونوں کو لفظی و معنوی طور پر شعبہ ایک ہے۔ اور کتاب احیاء موات کے سبب شرب کو مقدم بیان کیا گیا ہے۔ (اور یہ بھی مناسبت ہے کہ کتاب اشربہ میں خمر اور اسی جیسی حرام شرابوں کا بیان ہوا ہے جبکہ شرب میں حلال پینے کا بیان ہوا ہے لہذا اس لئے شرب کو پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب اشربہ، بیروت)

خمر کی وجہ تسمیہ و شراب کا فقہی مفہوم

لغت میں پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں اور اصطلاح فقہا میں شراب اُسے کہتے ہیں جس سے نشہ ہوتا ہے، اس کی بہت قسمیں ہیں، خمر انگور کی شراب کو کہتے ہیں یعنی انگور کا کچا پانی جس میں جوش آ جائے اور شدت پیدا ہو جائے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں جھاگ پیدا ہو اور کبھی ہر شراب کو مجازاً خمر کہہ دیتے ہیں۔

قاموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ و مستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور کے شیرے کی صورت میں ... اعام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی چیز کا عرق و کاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے) یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ کھجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں "خمر" کے معنی ہیں "ڈھانپنا" چھپانا خلط کرنا" اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم و شعور کی قوتوں کو خلط و خبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو "خمر" کہا گیا۔

حرمت شراب کے شرعی ماٰخذ کا بیان

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔(المائدہ، ۹۱)

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔ (کنزالایمان)

حرام کردہ چار شرابوں کا بیان

قَالَ (الْأَشْرِبَةُ الْمُحَرَّمَةُ أَرْبَعَةٌ : الْخَمْرُ وَهِيَ عَصِيرُ الْعِنَبِ إذَا غَلَى وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ ، وَالْعَصِيرُ إذَا طُبِخَ حَتَّى يَذْهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ) وَهُوَ الطِّلَاءُ الْمَذْكُورُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ (وَنَقِيعُ التَّمْرِ وَهُوَ السَّكَرُ ، وَنَقِيعُ الزَّبِيبِ إذَا اشْتَدَّ وَغَلَا .

ترجمہ

فرمایا کہ حرام کردہ شرابیں چار ہیں۔(۱) خمر ہے یہ انگور کا وہ شیرہ ہے جو جوش مارتا ہوا تیز ہو جائے۔اور جھاگ نکالنے لگے۔ (۲) انگور کا وہ شیرہ جس کو اتنا پکا دیا جائے کہ وہ دو تہائی سے کم ہو جائے اور یہ وہی طلاء ہے جس کو جامع صغیر میں ذکر کیا گیا ہے۔ (۳) نقیع تمر ہے جب وہ نشہ دینے والی ہو۔ (۴) نقیع زبیب ہے جس وقت وہ تیز ہو کر جوش مارنے والی بن جائے۔

نشہ آور چیزوں کی اقسام کا بیان

جو چیزیں نشہ پیدا کرتی ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں۔ایک قسم تو شراب کی ہے جو انگور سے اس طرح بنتی ہے کہ انگور کا عرق نکال کر کسی برتن میں رکھ دیتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس میں ابال پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، صحیح تر اور مختار قول کے مطابق اس میں جھاگ کا پیدا ہونا شرط نہیں ہے اس کو عربی میں "خمر" کہتے ہیں۔

دوسری قسم یہ کہ انگور کے عرق کو قدرے جوش دے کر رکھ دیتے ہیں اس کو عربی میں "باذق" اور فارسی میں "بادہ" کہتے ہیں اور انگور کا وہ عرق جس کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا چوتھائی حصہ جل کر صرف تین چوتھائی حصہ رہ جاتا ہے۔"طلا" کہلاتا ہے۔

تیسری قسم "نقیع التمر" ہے جس کو "سکر" بھی کہتے ہیں یعنی تر خرما کا وہ شربت جو گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے،

چوتھی قسم "نقیع الزبیب" ہے یعنی منقی اور کشمش وغیرہ کا وہ شربت جس میں ابال اور جھاگ پیدا ہو جائے۔

ان چاروں قسموں میں سے پہلی قسم تو بلا کسی قید کے حرام ہے اور باقی تین قسمیں اس صورت میں بہ اتفاق حرام ہیں جب کہ ان کو جوش دے کر رکھ دیا جائے اور ان میں گاڑھا پن آ جائے کیونکہ اس صورت میں ان چیزوں میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے ہاں! اگر ان میں مذکورہ چیزیں نہ پائی جائے تو ان کو حرام نہیں کہیں گے مثلاً کچھ دیر کے لئے پانی میں خرما بھگو کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پانی شربت کی طرح ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہ ہو تو اس کا پینا درست ہوگا۔

خمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور مجازاً گیہوں، جو، کشمش، کھجور اور شہد کی شرابوں کے لیے بھی یہ الفاظ بولتے تھے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے اس حکم کو تمام اُن چیزوں پر عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ

حدیث میں حضور ﷺ کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ کل مسکر خمر و کل مسکر حرام۔ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ کل شراب اسکر فهو حرام ۔ ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔ وانا انھی عن کل مسکر۔ اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جمعہ کے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان کی تھی کہ الخمر ما خامر العقل ۔ خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔

خمر سے متعلق دس ابحاث کا بیان

أَمَّا الْخَمْرُ فَالْكَلَامُ فِيهَا فِي عَشَرَةِ مَوَاضِعَ : أَحَدُهَا فِي بَيَانِ مَائِيَّتِهَا وَهِيَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ إِذَا صَارَ مُسْكِرًا وَهَذَا عِنْدَنَا وَهُوَ الْمَعْرُوفُ عِنْدَ أَهْلِ اللُّغَةِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ : هُوَ اسْمٌ لِكُلِّ مُسْكِرٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ) : وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ) وَأَشَارَ إِلَى الْكَرْمَةِ وَالنَّخْلَةِ ، وَلِأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ مُخَامَرَةِ الْعَقْلِ وَهُوَ مَوْجُودٌ فِي كُلِّ مُسْكِرٍ وَلَنَا أَنَّهُ اسْمٌ خَاصٌّ بِإِطْبَاقِ أَهْلِ اللُّغَةِ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ وَلِهَذَا اشْتُهِرَ اسْتِعْمَالُهُ فِيهِ وَفِي غَيْرِهِ غَيْرُهُ ، وَلِأَنَّ حُرْمَةَ الْخَمْرِ قَطْعِيَّةٌ وَهِيَ فِي غَيْرِهَا ظَنِّيَّةٌ ، وَإِنَّمَا سُمِّيَ خَمْرًا لِتَخَمُّرِهِ لَا لِمُخَامَرَتِهِ الْعَقْلَ ، عَلَى أَنَّ مَا ذَكَرْتُمْ لَا يُنَافِي كَوْنَ الِاسْمِ خَاصًّا فِيهِ فَإِنَّ النَّجْمَ مُشْتَقٌّ مِنْ النُّجُومِ وَهُوَ الظُّهُورُ ، ثُمَّ هُوَ اسْمٌ خَاصٌّ لِلنَّجْمِ الْمَعْرُوفِ لَا لِكُلِّ مَا ظَهَرَ وَهَذَا كَثِيرُ النَّظِيرِ وَالْحَدِيثُ الْأَوَّلُ طَعَنَ فِيهِ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَالثَّانِي أُرِيدَ بِهِ بَيَانُ الْحُكْمِ ؛ إِذْ هُوَ اللَّائِقُ بِمَنْصِبِ الرِّسَالَةِ

ترجمہ

خمر سے متعلق دس مقامات پر کلام کیا گیا ہے۔ جن میں سے پہلی بحث اس کی ماہیت کے بیان میں ہے۔ اور خمر انگور کا وہ کچا پانی ہے جب وہ نشہ آور ہو جائے۔ اس کی یہی پہچان ہمارے نزدیک، اہل علم اور اہل لغت کے نزدیک مشہور ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ خمر ہر نشہ آور چیز کو کہتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ خمر ان دونوں درختوں میں سے ہے۔ اور اس وقت آپ ﷺ نے انگور اور کھجور کی جانب اشارہ فرمایا تھا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ خمر عقل کو ڈھانپنے سے مشتق ہے اور یہ چیز ہر نشہ آور میں پائی جاتی ہے۔

اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کے اتفاق کے مطابق خمر اس چیز کا خاص نام ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے

کیونکہ خمر کا استعمال اسی میں مشہور ہے۔ جبکہ اس کے سوامیں دوسرا ہے کیونکہ خمر کی حرمت قطعی ہے۔ جبکہ خمر کے سوامیں ظنی ہے۔

اور خمر کا نام اس کی قوت کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جبکہ عقل کو ڈھانپنے کے سبب سے نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس کے سواہم نے بیان کیا ہے وہ خمر کے ساتھ خاص ہونے میں کسی چیز منافی نہیں ہے۔ کیونکہ نجم یہ نجوم سے مشتق ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے اس کے بعد یہ ایک مشہور ستارے کا نام ہو کر خاص ہو چکا ہے۔ نہ ہر ظاہر ہونے والی چیز کو کوئی شخص نجم کہنے لگے اور اس طرح کی بہت ساری امثلہ موجود ہیں۔ اور جہاں تک احادیث میں بیان کیا گیا ہے تو پہلی روایت میں یحیٰی بن معین نے طعن کیا ہے جبکہ دوسری حدیث سے حکم کا بیان سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ منصب رسالت ﷺ کے لائق یہی بات ہے۔

انگور و کھجور سے بنائی جانے والی شراب کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شراب ان دو درختوں یعنی انگور اور کھجور سے بنتی ہے۔" (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 782)

مراد یہ ہے کہ اکثر انہی دو چیزوں سے شراب بنتی ہے، گویا یہاں حصر یعنی یہ ظاہر کرنا مراد نہیں ہے کہ شراب بس انہی دو چیزوں سے بنتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ کل مسکر خمر، یعنی ہر نشہ آور چیز شراب ہے چنانچہ اس ارشاد میں جو عمومیت ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروق نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر (کھڑے ہو کر) خطبہ دیا ارشاد فرمایا کہ "شراب کی حرمت نازل ہوگئی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے یعنی انگور سے، کھجور سے، گیہوں سے، جو سے، اور شہد سے، اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (بخاری)

علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ اسکے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ شراب کا انحصار انہی پانچ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہر وہ مشروب، شراب ہے جس میں نشہ ہو اور اس کے پینے سے عقل وشعور پر پردہ پڑ جاتا ہو۔

خمر کی دوسری بحث میں ثبوت نام ہونے کا بیان

وَالثَّانِي فِي حَقِّ ثُبُوتِ هَذَا الِاسْمِ وَهَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ فِي الْكِتَابِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا إذَا اشْتَدَّ صَارَ خَمْرًا ، وَلَا يُشْتَرَطُ الْقَذْفُ بِالزَّبَدِ ؛ لِأَنَّ الِاسْمَ يَثْبُتُ بِهِ ، وَكَذَا الْمَعْنَى الْمُحَرِّمُ وَهُوَ الْمُؤَثِّرُ فِي الْفَسَادِ بِالِاشْتِدَادِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْغَلَيَانَ بِدَايَةُ الشِّدَّةِ ، وَكَمَالُهَا بِقَذْفِ بِالزَّبَدِ وَسُكُونِهِ ؛ إذْ بِهِ يَتَمَيَّزُ الصَّافِي مِنْ الْكَدِرِ ، وَأَحْكَامُ الشَّرْعِ قَطْعِيَّةٌ فَتُنَاطُ بِالنِّهَايَةِ كَالْحَدِّ وَإِكْفَارِ الْمُسْتَحِلِّ وَحُرْمَةِ الْبَيْعِ

وَقِيلَ يُؤْخَذُ فِي حُرْمَةِ الشُّرْبِ بِمُجَرَّدِ الِاشْتِدَادِ احْتِيَاطًا .

ترجمہ
خمر کی دوسری بحث اس کے نام کو ثابت کرنے کے بیان میں ہے اور امام قدوری علیہ الرحمہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اپنی کتاب میں ذکر کر دیا ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک جب وہ تیز ہو جائے اس وقت وہ خمر کہلائے گی۔ جبکہ اس میں جھاگ کو نکالنا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ شدت میں آجانے کا نام خمر ہے۔ اور اسی طرح اس کی اس شدت سے جرم کروانے کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔ اور یہی شدت اس کے فساد میں اثر انداز ہونے والی ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جوش مارنے سے شدت کی ابتداء ہوتی ہے جبکہ جھاگ نکالنے سے شدت مکمل ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح اس کے ٹھنڈے ہونے سے بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جھاگ مارنے سے صاف خمر خراب خمر کو دور کرتا ہے۔ اور احکام شریعت یہ قطعی ہیں پس اس کا مدار انتہاء پر ہوگا۔ جس طرح حد اور حلال سمجھنے والے کو کافر کہنا اور بیع کی حرمت ہے۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ پینے کی حرمت محض شدت سے ثابت ہو جاتی ہے یہی احتیاط کا تقاضہ ہے۔

شرابوں میں نشہ ہونے یا نہ ہونے کا بیان

ان کے علاوہ پینے کے چار مشروب اور ہیں جن کا پینا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ ان کو معمولی طور پر اس طرح جوش دیا گیا ان میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو اور اگر ان میں نشہ پیدا ہو گیا ہو تو یہ قسمیں بھی حرام ہوں گی، اسی طرح اگر ان کو جوش دیئے بغیر کافی عرصہ کے لئے رکھ دیا گیا ان میں جھاگ پیدا ہو گیا تب بھی ان کا پینا حرام ہوگا، ان چاروں میں سے ایک قسم تو "نبیذ" ہے یعنی وہ مشروب جو خرما سے بنایا گیا ہو اور اس کو اس قدر جوش دیا گیا ہو، اگر اس میں گاڑھا پن بھی آ گیا ہو تو اس کا پینا جائز ہے۔
دوسری قسم "خلیط" ہے یعنی وہ شربت جو خرما اور منقی کو قدرے جوش دے کر ان سے نکالا گیا ہو۔
تیسری قسم: وہ نبیذ ہے جو شہد، گیہوں، جو اور جوار وغیرہ کو پانی میں قدرے جوش دے کر مشروب کی صورت میں بنائی گئی ہو۔
اور چوتھی قسم مثلث یمنی ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انگور کے عرق کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا وہ حصہ خشک ہو جاتا ہے اور ایک حصہ شراب کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔

ان چاروں چیزوں کے بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے پیئے تو جائز ہے اور اگر لہو ولعب کے طور پر اور جنسی لذت کے لئے پیئے تو حرام ہے لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے بھی ان کا پینا حرام ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک میں اہل تحقیق کا فتوئی حضرت امام محمد ہی کے قول پر ہے،

جیسا کہ عینی شرح کنز میں لکھا ہے کہ "حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حنیفہ میں سے حضرت امام

محمد کا قول یہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اور بدمست بنا دیتی ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے خواہ کسی طرح کا نشہ ہو کیونکہ ابن ماجہ اور دار قطنی کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز نشہ آور ہو وہ شراب ہے اور ساری نشہ آور چیزیں حرام ہیں، لہٰذا حنفیہ مسلک میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز "شراب" ہے اور حرام ہے خواہ وہ "مشروب" کی صورت میں ہو اور انگور یا کھجور یا منقیٰ یا شہد سے بنے یا گیہوں، جو، باجرہ یا جوار سے بنے اور خواہ وہ کسی درخت کا عرق ہو جیسے تاڑی وغیرہ یا کوئی گھاس ہو بھنگ وغیرہ اسی طرح وہ ہر مقدار میں حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، نیز اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کی طلاق واقع ہو جائے خواہ شراب کا نشہ ہو یا نبیذ وغیرہ کا۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد نیز محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، اور اگرچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مشروب نجس و حرام اور شراب کے حکم میں ہے جب میں ابال، گاڑھا اور جھاگ پیدا ہو گیا ہو، اس کے علاوہ اور چیزیں جب تک کہ ان میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہے۔ لیکن حنفی مسلک کے احتیاط پسند مصنفین کے ہاں فتویٰ حضرت امام محمد ہی کے قول پر ہے جیسا کہ نہایہ، عینی، دیلمی، درمختار، الاشباہ والنظائر، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ حمادیہ اور شرح مواہب الرحمٰن میں مذکور ہے بلکہ شرح وہبانیہ وغیرہ میں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول بھی حضرت امام محمد کے مطابق ہی منقول ہے اس صورت میں یہ مسئلہ تمام ائمہ ومجتہدین کا متفقہ ہو جاتا ہے۔

تیسری بحث میں عین خمر کی حرمت کا بیان

وَالثَّالِثُ أَنَّ عَيْنَهَا حَرَامٌ غَيْرُ مَعْلُولٍ بِالسُّكْرِ وَلَا مَوْقُوفٍ عَلَيْهِ : وَمِنْ النَّاسِ مَنْ أَنْكَرَ حُرْمَةَ عَيْنِهَا ، وَقَالَ : إنَّ السُّكْرَ مِنْهَا حَرَامٌ ؛ لِأَنَّ بِهِ يَحْصُلُ الْفَسَادُ وَهُوَ الصَّدُّ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ، وَهَذَا كُفْرٌ ؛ لِأَنَّهُ جُحُودُ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ تَعَالَى سَمَّاهُ رِجْسًا وَالرِّجْسُ مَا هُوَ مُحَرَّمُ الْعَيْنِ ، وَقَدْ جَاءَتْ السُّنَّةُ مُتَوَاتِرَةً " أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَرَّمَ الْخَمْرَ ؛ وَعَلَيْهِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ ، وَلِأَنَّ قَلِيلَهُ يَدْعُو إلَى كَثِيرِهِ وَهَذَا مِنْ خَوَاصِّ الْخَمْرِ ، وَلِهَذَا تَزْدَادُ لِشَارِبِهِ اللَّذَّةُ بِالِاسْتِكْثَارِ مِنْهُ ، بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَطْعُومَاتِ ثُمَّ هُوَ غَيْرُ مَعْلُولٍ عِنْدَنَا حَتَّى لَا يَتَعَدَّى حُكْمُهُ إلَى سَائِرِ الْمُسْكِرَاتِ ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُعَدِّيهِ إلَيْهَا ، وَهَذَا بَعِيدٌ ؛ لِأَنَّهُ خِلَافُ السُّنَّةِ الْمَشْهُورَةِ وَتَعْلِيلُهُ لِتَعْدِيَةِ الِاسْمِ ، وَالتَّعْلِيلُ فِي الْأَحْكَامِ لَا فِي الْأَسْمَاءِ

ترجمہ
اور تیسری بحث یہ ہے کہ خمر کا عین حرام ہے کیونکہ یہ کسی نشہ کے معلول وموقوف نہیں ہے۔بعض لوگوں نے عین خمر کی حرمت کا انکار کیا ہے اورانہوں نے یہ کہا ہے کہ نشہ آور ہونا حرام ہے۔کیونکہ فساد کا سبب وہی ہے۔اور فساد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ذکر سے روکنے والا ہے۔اور یہ کفر ہے کیونکہ یہ اللہ کی کتاب کا انکار ہے۔کیونکہ کتاب اللہ میں خمر کو رجس کہا گیا ہے اور رجس کا عین حرام ہے۔اور یہ حدیث تواتر کے ساتھ آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خمر کے عین کو حرام قرار دیا ہے۔اور اسی اجماع منعقد ہوا ہے۔کیونکہ خمر کا قلیل یہ اس کے کثیر کی جانب بلانے والا ہے۔اور یہی چیز اس کے خواص میں سے ہے کیونکہ زیادہ شراب پینے کی وجہ سے شرابی کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے۔جبکہ دوسری کھانے کی چیزوں میں ایسا نہیں ہوتا۔

ہمارے نزدیک حرمت خمر میں وارد ہونے والی نص معلول نہیں ہے۔پس خمر کا حکم دوسری مسکرہ چیزوں کی جانب متعدی نہ ہوگا جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس کی دوسری چیزوں کی جانب متعدی کیا ہے۔مگر یہ تو امکان سے بھی خارج ہے۔کیونکہ یہ مشہور سنت کے خلاف ہے۔اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ تعلیل نام کی تعدیت کے سبب سے ہے جبکہ تعلیل کا اعتبار احکام میں کیا جاتا ہے اسماء میں نہیں کیا جاتا ہے۔

چوتھی و پانچویں بحث میں خمر کے نجس ہونے کا بیان

وَالرَّابِعُ أَنَّهَا نَجَاسَةٌ غَلِيظَةٌ كَالْبَوْلِ لِثُبُوتِهَا بِالدَّلَائِلِ الْقَطْعِيَّةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَالْخَامِسُ أَنَّهُ يَكْفُرُ مُسْتَحِلُّهَا لِإِنْكَارِهِ الدَّلِيلَ الْقَطْعِيَّ .

ترجمہ
چوتھی بحث یہ ہے کہ خمر نجاست غلیظہ ہے جس طرح پیشاب ہے۔اور اس کے ثبوت میں قطعی دلائل موجود ہیں جس طرح ہم نے بیان کردیا ہے۔

اور پانچویں بحث خمر کو حلال جاننے والے کافر ہے کیونکہ دلیل قطعی کا انکار کرنے والا ہے۔

چھٹی بحث خمر کا حق مسلم میں مال متقوم نہ ہونے کا بیان

وَالسَّادِسُ سُقُوطُ تَقَوُّمِهَا فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ حَتَّى لَا يَضْمَنَ مُتْلِفُهَا وَغَاصِبُهَا وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهَا ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا نَجَّسَهَا فَقَدْ أَهَانَهَا وَالتَّقَوُّمُ يُشْعِرُ بِعِزَّتِهَا وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إِنَّ الَّذِي حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا وَأَكْلَ ثَمَنِهَا) وَاخْتَلَفُوا فِي سُقُوطِ مَالِيَّتِهَا وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مَالٌ ؛ لِأَنَّ الطِّبَاعَ تَمِيلُ إِلَيْهَا وَتَضِنُّ بِهَا وَمَنْ كَانَ لَهُ عَلَى مُسْلِمٍ دَيْنٌ

فَأَوْفَاهُ ثَمَنَ خَمْرٍ لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ ، وَلَا لِلْمَدْيُونِ أَنْ يُؤَدِّيَهُ ، لِأَنَّهُ ثَمَنُ بَيْعٍ بَاطِلٍ وَهُوَ غَصْبٌ فِي يَدِهِ أَوْ أَمَانَةٌ عَلَى حَسَبِ مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ كَمَا فِي بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ عَلَى ذِمِّيٍّ فَإِنَّهُ يُؤَدِّيهِ مِنْ ثَمَنِ الْخَمْرِ ، وَالْمُسْلِمُ الطَّالِبُ يَسْتَوْفِيهِ ، لِأَنَّ بَيْعَهَا فِيمَا بَيْنَهُمْ جَائِزٌ .

ترجمہ

خمر کے بارے میں چھٹی بحث یہ ہے کہ خمر مسلمان کے حق میں مال متقوم ہونے میں ساقط ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس کو ہلاک کرنے والے پر اور اس کو غصب کرنے والے پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ اور خمر کو بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے خمر کو نجس قرار دیتے ہوئے اس کی توہین کی ہے۔ جبکہ اس کا مال متقوم ہونا یہ اعزاز کی نشانی ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس ذات نے اس کے پینے کو حرام کیا ہے اس نے اس کا بیچنا بھی حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت کو کھانا بھی حرام ہے۔

مشائخ فقہاء نے خمر کی مالیت کے سقوط میں اختلاف کیا ہے جبکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ مال ہے کیونکہ طبائع اس کی جانب رغبت رکھنے والی ہیں۔ لیکن اس کے بارے میں بخل رکھتی ہیں۔

اور جس بندے کا کسی مسلمان پر قرض ہے اور مقروض خمر کی قیمت سے اس کو قرض کو ادا کرتا ہے تو مسلمان کیلئے اس کو لینا حلال نہ ہوگا اور مدیون کیلئے اس کا دینا حلال نہیں ہے۔ کیونکہ بیع باطل کی قیمت ہے۔ اور یہ اس کے قبضہ میں یا تو غصب ہے یا پھر امانت ہے۔ اسی تفصیل کے مطابق جس کو فقہاء نے بیان کر دیا ہے۔ جس طرح مردار کی بیع میں ہے۔ اور جب قرض ذمی پر ہے تو خمر کی قیمت سے ادا کر سکتا ہے۔ اور مسلمان قرض خواہ اس کو لینے والا بن سکتا ہے۔ کیونکہ اہل ذمہ کے نزدیک بیع خمر جائز ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یتیم کی شراب رکھی ہوئی تھی (یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم رہا کرتا تھا جو ہماری پرورش میں تھا اس کی ملکیت میں جہاں اور بہت سا مال واسباب تھا وہیں شراب بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں شراب مباح تھی) چنانچہ سورت مائدہ کی وہ آیت (اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) 5۔المائدہ:90) نازل ہوئی (جس میں شراب کی حرمت کا بیان ہے جو باب حد الخمر کے ابتداء میں نقل کی جا چکی ہے) تو میں نے اس یتیم کی شراب کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کا مال ہے (اور چونکہ یتیم کا مال ضائع نہیں کرنا چاہیے اس لئے اب کیا حکم ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کو پھینک دو۔"

(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 794)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ شراب متقوم مال نہیں ہے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نفع حاصل کرنا کسی بھی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس شراب کو پھینک دینا ہی ضروری ہے۔

حضرت انس حضرت ابوطلحہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں (یعنی ابوطلحہ نے) عرض کیا کہ "یا نبی اللہ! میں نے ان یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری پرورش میں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" شراب کو پھینک دو اور اس کے برتن کو توڑ ڈالو۔ "ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔"

حضرت ابوطلحہ نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لئے جو شراب خریدی تھی اس کے بارے میں پوچھا کہ اب شراب حرام ہوگئی ہے میں اس شراب کا کیا کروں؟ آیا اس کو پھینک دوں یا رہنے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اس کو بہا ڈالو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے برتن کو توڑ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا کہ شراب کی نجاست اس میں سرایت کرگئی تھی اور اس کا پاک کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ یا یہ کہ آپ نے شراب کی ممانعت میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ جس برتن میں وہ شراب رکھی ہے اس کو بھی توڑ ڈالو، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شراب کا سرکہ بنا لینے سے جو منع فرمایا اس کا تعلق بھی یا تو زجر و تنبیہ سے ہے یا یہ ممانعت "نہی تنزیہی" کے طور پر ہے۔

ساتویں و آٹھویں بحث حرمت نفع و اجرائے حد کے بیان میں ہے

وَالسَّابِعُ حُرْمَةُ الِانْتِفَاعِ بِهَا ؛ لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالنَّجِسِ حَرَامٌ ، وَلِأَنَّهُ وَاجِبُ الِاجْتِنَابِ وَفِي الِانْتِفَاعِ بِهِ اقْتِرَابٌ . وَالثَّامِنُ أَنْ يُحَدَّ شَارِبُهَا وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ مِنْهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ ، فَإِنْ عَادَ فَاجْلِدُوهُ ، فَإِنْ عَادَ فَاجْلِدُوهُ ، فَإِنْ عَادَ فَاقْتُلُوهُ) إلَّا أَنَّ حُكْمَ الْقَتْلِ قَدْ انْتَسَخَ فَبَقِيَ الْجَلْدُ مَشْرُوعًا ، وَعَلَيْهِ انْعَقَدَ إجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَتَقْدِيرُهُ ذَكَرْنَاهُ فِي الْحُدُودِ .

ترجمہ

اور ساتویں بحث یہ ہے کہ اس کے ساتھ نفع اٹھانا حرام ہے کیونکہ نجس سے فائدہ اٹھانا حرام ہے کیونکہ اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ جبکہ نفع اٹھانے میں اس کے قریب جانا ہے۔

اور آٹھویں بحث یہ ہے اس کے پینے والے پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر چہ اس کو نشہ نہ آئے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے شراب پی اس کو تم کوڑے لگاؤ۔ پس اگر وہ دوبارہ شراب پی لے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔ پس اگر اس کے بعد پھر وہ پی لے تو تم اس کو قتل کردو۔ ہاں البتہ اس میں قتل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور کوڑے مارنے کا حکم اپنی مشروعیت پر باقی ہے۔ اور اسی پر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔اور اس کے احکام ہم نے حدود میں بیان کر دیئے ہیں۔

شرح

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شراب پر اور اس کے لئے رس نکالنے والے اور رس نکلوانے والے پر اور اسے اٹھانے والے اور اسے اٹھوانے والے پر لعنت فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 282)

نویں بحث میں طبخ کا خمر میں مؤثر نہ ہونے کا بیان

وَالتَّاسِعُ أَنَّ الطَّبْخَ لَا يُؤَثِّرُ فِيهَا ؛ لِأَنَّهُ لِلْمَنْعِ مِنْ ثُبُوتِ الْحُرْمَةِ لَا لِرَفْعِهَا بَعْدَ ثُبُوتِهَا ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يُحَدُّ فِيهِ مَا لَمْ يَسْكَرْ مِنْهُ عَلَى مَا قَالُوا ؛ لِأَنَّ الْحَدَّ بِالْقَلِيلِ فِي النِّيءِ خَاصَّةً ، لِمَا ذَكَرْنَا وَهَذَا قَدْ طُبِخَ .

وَالْعَاشِرُ جَوَازُ تَخْلِيلِهَا وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ وَسَنَذْكُرُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ، هَذَا هُوَ الْكَلَامُ فِي الْخَمْرِ .

ترجمہ

اور نویں بحث یہ ہے کہ خمر میں پکانا مؤثر نہیں ہے کیونکہ طبخ یہ ثبوت ِ حرمت سے روکنے کیلئے ہے جبکہ اس کو ثابت کرنے کے بعد اس کو ختم کرنے کیلئے نہیں ہے مگر پکائی گئی شراب میں شرابی پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے گی جب تک وہ شرابی کو نشے میں نہ لے آئے۔

جس طرح مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ شراب پینے میں حد کا وجوب کچی شراب میں خاص طور پر ہے۔اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں اور یہ تو پکائی ہوئی شراب ہے۔

شراب سے متعلق دسویں بحث اس کو سرکہ بنانے کے جواز میں ہے۔اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف بھی کر دیا ہے اور اس کو ہم عنقریب بیان کر دیں گے کیونکہ یہ ساری بحث شراب کے بیان میں ہے۔

شرح

حضرت مالک بن ابی مریم، فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن غنم تشریف لائے تو ہم نے آپس میں طلاء (انگور کی شراب کی ایک خاص قسم ہے جسے آگ پر پکایا جاتا ہے) کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری نے بیان کیا ہے کہ انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ ضرور شراب پئیں گے (لیکن اس طرح کہ) اس کا نام کوئی دوسرا رکھ لیں گے۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 296)

پکائے ہوئے شیرہ انگور کے بارے میں فقہی اختلاف کا بیان

وَأَمَّا الْعَصِيرُ إذَا طُبِخَ حَتَّى يَذْهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ وَهُوَ الْمَطْبُوخُ أَدْنَى طَبْخَةٍ وَيُسَمَّى الْبَاذَقَ وَالْمُنَصَّفَ وَهُوَ مَا ذَهَبَ نِصْفُهُ بِالطَّبْخِ فَكُلُّ ذَلِكَ حَرَامٌ عِنْدَنَا إذَا غَلَى وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ أَوْ إذَا اشْتَدَّ عَلَى الِاخْتِلَافِ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ : إنَّهُ مُبَاحٌ ، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ الْمُعْتَزِلَةِ ؛ لِأَنَّهُ مَشْرُوبٌ طَيِّبٌ وَلَيْسَ بِخَمْرٍ وَلَنَا أَنَّهُ رَقِيقٌ مُلِذٌّ مُطْرِبٌ وَلِهَذَا يَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْفُسَّاقُ فَيَحْرُمُ شُرْبُهُ دَفْعًا لِلْفَسَادِ الْمُتَعَلِّقِ بِهِ ،

ترجمہ

اور انگور کا وہ شیرہ جس کو پکایا گیا حتیٰ کہ وہ دوتہائی سے بھی کم رہ گیا ہے اور جس کو معمولی طور پر پکایا جائے وہ باذق کہلاتا ہے۔ اور جو پک کر نصف ختم ہو جائے اس کو منصف کہتے ہیں۔ یہ سارے ہمارے نزدیک حرام ہیں۔ جس وقت وہ جوش مارتے ہوئے تیز ہو کر جھاگ نکالنے لگیں یا صرف تیز ہو جائیں تو بھی ان کا اختلاف اسی طرح ہے۔

حضرت امام ازواعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ مباح ہے۔ اور بعض معتزلہ کا قول بھی اسی طرح ہے، کیونکہ یہ پاک مشروب ہے یہ خمر نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رقیق ہوتی ہے اور لذت دار ہوتی ہے اسی لئے فساق اس پر جمع ہوتے ہیں پس اس سے فساد کو دور کرنے کیلئے اس کے پینے کو حرام قرار دیا جائے گا۔

شرح

سفیان، ابو جویریہ جرمی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا اور وہ اپنی پشت کعبہ شریف کی جانب کیے ہوئے تھے۔ باذق (شراب) سے۔ انہوں نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باذق نکلنے سے قبل گزر گئے جو شراب نشہ لائے وہ حرام ہے۔

انہوں نے کہا سب سے پہلے جس عرب نے باذق سے متعلق دریافت کیا وہ میں تھا۔ باذق کیا ہے؟ باذق ایک قسم کی شراب کو کہا جاتا ہے جو کہ انگور کے شیرے کو کچھ دیر تک جوش دے کر تیار کی جاتی ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1992)

نقیع تمر کی حرمت میں اجماع صحابہ کا بیان

وَأَمَّا نَقِيعُ التَّمْرِ وَهُوَ السُّكَّرُ وَهُوَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ التَّمْرِ : أَيْ الرُّطَبِ فَهُوَ حَرَامٌ مَكْرُوهٌ وَقَالَ شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ : إنَّهُ مُبَاحٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا) امْتَنَّ عَلَيْنَا بِهِ ، وَهُوَ بِالْمُحَرَّمِ لَا يَتَحَقَّقُ وَلَنَا إجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَيَدُلُّ

عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ ، وَالْآيَةُ مَحْمُولَةٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ إِذْ كَانَتْ الْأَشْرِبَةُ مُبَاحَةً كُلُّهَا ، وَقِيلَ أَرَادَ بِهِ التَّوْبِيخَ ، مَعْنَاهُ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ : تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَتَدَعُونَ رِزْقًا حَسَنًا .

ترجمہ

اور نقیع تمر وہ نشہ ہے جو کھجور سے کچا پانی نکلتا ہے۔یعنی گدرائی ہوئی کھجوروں سے ہوتا ہے پس یہ حرام مکروہ ہے اور حضرت شریک بن عبداللہ نے کہا ہے کہ یہ مباح ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اس سے سکر پکڑتے ہو حالانکہ وہ اچھا رزق ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے ہم احسان جتلایا ہے حالانکہ وہ حرام ہے اور حرام چیز سے احسان نہیں جتلایا جاتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کی حرمت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔اور وہ روایت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ آیت مبارکہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔اور اس وقت ساری شرابیں مباح تھیں۔اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے محض توبیخ مراد ہے۔اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم لوگ اس کو نشہ بناتے ہو اور اچھے رزق کو چھوڑ دیتے ہو۔اللہ ہی سے زیادہ حق کو جاننے والا ہے۔

کشمش کے جوش مارنے والے پانی کی حرمت کا بیان

وَأَمَّا نَقِيعُ الزَّبِيبِ وَهُوَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الزَّبِيبِ فَهُوَ حَرَامٌ إِذَا اشْتَدَّ وَغَلَى وَيَتَأَتَّى فِيهِ خِلَافُ الْأَوْزَاعِيِّ ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْمَعْنَى مِنْ قَبْلُ ، إِلَّا أَنَّ حُرْمَةَ هَذِهِ الْأَشْرِبَةِ دُونَ حُرْمَةِ الْخَمْرِ حَتَّى لَا يَكْفُرَ مُسْتَحِلُّهَا ، وَيَكْفُرُ مُسْتَحِلُّ الْخَمْرِ ؛ لِأَنَّ حُرْمَتَهَا اجْتِهَادِيَّةٌ ، وَحُرْمَةُ الْخَمْرِ قَطْعِيَّةٌ ، وَلَا يَجِبُ الْحَدُّ بِشُرْبِهَا حَتَّى يَسْكَرَ ، وَيَجِبُ بِشُرْبِ قَطْرَةٍ مِنْ الْخَمْرِ ، وَنَجَاسَتُهَا خَفِيفَةٌ فِي رِوَايَةٍ وَغَلِيظَةٌ فِي أُخْرَى ، وَنَجَاسَةُ الْخَمْرِ غَلِيظَةٌ رِوَايَةً وَاحِدَةً ،

ترجمہ

اور نقیع زبیب کشمش کا وہ کچا پانی ہے کہ جب وہ جوش مار کر تیز ہونے لگے تو وہ حرام ہے۔اور امام اوزاعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔اور اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔مگر ان اشربہ کی حرمت حرمت خمر سے کم ہے۔حتیٰ کہ ان کو حلال جاننے والے کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔کیونکہ ان اشربہ کی حرمت اجتہادی ہے۔جبکہ خمر کی حرمت قطعی ہے۔

اور ان اشربہ کے پینے کے سبب حد واجب نہ ہوگی۔اگرچہ پینے والے کو نشہ آ جائے حالانکہ شراب کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد واجب ہو جاتی ہے۔اور یہ شرابیں ایک روایت کے مطابق نجاست خفیفہ میں سے ہیں۔جبکہ دوسری روایت کے مطابق یہ نجاست

غلیظہ میں ہیں۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق خمر نجاست غلیظہ ہے۔

ظنی اشربہ کی بیع میں فقہی اختلاف کا بیان

وَيَجُوزُ بَيْعُهَا ، وَيَضْمَنُ مُتْلِفُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لَهُمَا فِيهِمَا ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ ، وَمَا شَهِدَتْ دَلَالَةٌ قَطْعِيَّةٌ بِسُقُوطِ تَقَوُّمِهَا ، بِخِلَافِ الْخَمْرِ ، غَيْرَ أَنَّ عِنْدَهُ يَجِبُ قِيمَتُهَا لَا مِثْلُهَا عَلَى مَا عُرِفَ ، وَلَا يُنْتَفَعُ بِهَا بِوَجْهٍ مِنْ الْوُجُوهِ ؛ لِأَنَّهَا مُحَرَّمَةٌ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجُوزُ بَيْعُهَا إذَا كَانَ الذَّاهِبُ بِالطَّبْخِ أَكْثَرَ مِنْ النِّصْفِ دُونَ الثُّلُثَيْنِ .

(وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ الْأَشْرِبَةِ فَلَا بَأْسَ بِهِ) قَالُوا : هَذَا الْجَوَابُ عَلَى هَذَا الْعُمُومِ وَالْبَيَانِ لَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ ، وَهُوَ نَصٌّ عَلَى أَنَّ مَا يُتَّخَذُ مِنْ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْعَسَلِ وَالذُّرَةِ حَلَالٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَلَا يُحَدُّ شَارِبُهُ عِنْدَهُ وَإِنْ سَكِرَ مِنْهُ ، وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ السَّكْرَانِ مِنْهُ بِمَنْزِلَةِ النَّائِمِ وَمَنْ ذَهَبَ عَقْلُهُ بِالْبَنْجِ وَلَبَنِ الرِّمَاكِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حَرَامٌ وَيُحَدُّ شَارِبُهُ وَيَقَعُ طَلَاقُهُ إذَا سَكِرَ مِنْهُ كَمَا فِي سَائِرِ الْأَشْرِبَةِ الْمُحَرَّمَةِ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک دوسری اشربہ کی بیع جائز ہے اور ان کو ہلاک کرنے والا ضامن ہوگا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ان کی بیع اور ضمان میں اختلاف ہے۔ اگرچہ یہ مال متقوم ہیں لیکن ان کے مال متقوم کے ساقط ہونے میں کوئی دلیل قطعی نہیں ہے۔ جبکہ خمر میں ایسا نہیں ہے۔ جبکہ امام صاحب کے نزدیک تلف پر ضمان واجب ہوگا نہ اس کی مثل واجب ہوگا جس طرح پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اور ان شرابوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جائے گا کیونکہ یہ حرام ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب پکانے کے سبب سے ختم ہونے والی مقدار آدھی سے زائد ہو اور وہ دو تہائی سے کم ہو تو ان کی بیع جائز ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ مذکورہ چار اشربہ کے سوا بقیہ کی بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مشائخ فقہاء نے کہا ہے اس طرح کے عموم و بیان کا حکم جامع صغیر کے سوا اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اور یہ حکم اس بات کی وضاحت کرنے والا ہے۔ کہ گندم، جو، شہد اور جوار سے جو شراب بنائی جائے وہ امام صاحب کے نزدیک حلال ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک اس کے پینے میں کوئی حد نہ ہوگی۔ خواہ ان شرابوں سے نشہ بھی آ جائے۔

اور ایسی شراب سے بے ہوش ہونے والے بندے کی طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح کوئی سونے والا آدمی ہے اور ایسے ہی وہ بندہ ہے کہ جس کی عقل بھنگ اور گھوڑی کے دودھ کے سبب ختم ہو چکی ہو۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ حرام ہیں۔ اور جب کوئی شخص ان کو پی کر نشہ میں آجائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور نشہ آجانے کے بعد اس آدمی کی طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ جس طرح تمام حرام شرابوں کا حکم ہے ان کا حکم بھی انہی کی طرح ہے۔

دس دنوں تک خراب نہ ہونے والی شراب کی حرمت کا بیان

(وَقَالَ فِيهِ أَيْضًا : وَكَانَ أَبُو يُوسُفَ يَقُولُ : مَا كَانَ مِنَ الْأَشْرِبَةِ يَبْقَى بَعْدَ مَا يَبْلُغُ عَشَرَةَ أَيَّامٍ وَلَا يَفْسُدُ فَإِنِّي أَكْرَهُهُ ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ) وَقَوْلُهُ الْأَوَّلُ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ إِنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ، إِلَّا أَنَّهُ تَفَرَّدَ بِهَذَا الشَّرْطِ ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ : يَبْلُغُ : يَغْلِي وَيَشْتَدُّ ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَلَا يَفْسُدُ : لَا يَحْمَضُ وَوَجْهُهُ أَنَّ بَقَاءَهُ هَذِهِ الْمُدَّةَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَحْمَضَ دَلَالَةُ قُوَّتِهِ وَشِدَّتِهِ فَكَانَ آيَةَ حُرْمَتِهِ ، وَمِثْلُ ذَلِكَ يُرْوَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، وَأَبُو حَنِيفَةَ يَعْتَبِرُ حَقِيقَةَ الشِّدَّةِ عَلَى الْحَدِّ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِيمَا يَحْرُمُ أَصْلُ شُرْبِهِ وَفِيمَا يَحْرُمُ السُّكْرُ مِنْهُ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَأَبُو يُوسُفَ رَجَعَ إِلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ فَلَمْ يُحَرِّمْ كُلَّ مُسْكِرٍ ، وَرَجَعَ عَنْ هَذَا الشَّرْطِ أَيْضًا

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جو شراب جوش مارنے کے بعد دس دن تک خراب نہ ہو تو اس میں اس کو مکروہ جانتا ہوں اس کے بعد انہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کی جانب رجوع کر لیا جبکہ ان کا پہلا قول امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کی طرح ہے۔ کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ اس شرط کے اکیلے ہیں اور امام محمد علیہ الرحمہ کے قول بلغ کا معنی یہ ہے کہ وہ جوش مارے اور تیز ہو جائے۔ اور ان کے قول لایفسد کا معنی ہے کہ وہ کھٹی نہ ہو اور اس کا سبب یہ ہے کہ کھٹی ہوئے بغیر شراب کا اتنی مدت میں باقی رہ جانا یہ اس کی قوت کی دلیل ہے۔ پس یہی اس کے حرام ہونے کی وجہ بن جائے گی۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اس پر حد ہونے میں سخت ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ جس کو ہم نے اس مسئلہ میں بیان کر دیا ہے۔ جس کا اصل پینا حرام ہے۔ اور جس کا نشہ حرام ہے اور اس کو ہم اس کے بعد ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ حضرت امام

ابو یوسف علیہ الرحمہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کی جانب رجوع کیا ہے۔ کہ انہوں نے اس مسکر کو حرام قرار نہیں دیا اور انہوں نے اس شرط سے رجوع کر لیا ہے۔

شرح

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے رات میں سوکھے ہوئے انگور بھگوئے جاتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ایک مشک میں بھرتے اور صبح کے وقت تمام دن نوش فرماتے پھر دوسرے روز پیتے پھر تیسرے روز پیتے۔ جس وقت تیسرا دن ختم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے لوگوں کو پلاتے پھر صبح کو اگر کچھ بچ جاتا تو اس کو چوتھے روز بہا دیتے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2044)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً روزہ رکھا کرتے تھے لہٰذا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افطار کے وقت آپ کے لیے نبیذ لے کر گیا جسے میں نے دباء میں بنایا تھا پھر میں اسے آپ کے پاس لے کر گیا تو وہ اس وقت جوش مار رہا تھا آپ نے فرمایا کہ اسے دیوار پردے مارو اس لیے کہ اس آدمی کی شراب ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 324)

تمر و کشمش کی نبیذ کو معمولی پکانے کا بیان

(وَقَالَ فِي الْمُخْتَصَرِ : وَنَبِيذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ إِذَا طُبِخَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَدْنَى طَبْخَةٍ حَلَالٌ وَإِنْ اشْتَدَّ إِذَا شُرِبَ مِنْهُ مَا يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ لَا يُسْكِرُهُ مِنْ غَيْرِ لَهْوٍ وَلَا طَرَبٍ) ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ حَرَامٌ ، وَالْكَلَامُ فِيهِ كَالْكَلَامِ فِي الْمُثَلَّثِ الْعِنَبِيِّ وَنَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِالْخَلِيطَيْنِ) لِمَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ قَالَ : سَقَانِي ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ شَرْبَةً مَا كِدْت أَهْتَدِي إِلَى مَنْزِلِي فَغَدَوْت إِلَيْهِ مِنْ الْغَدِ فَأَخْبَرْته بِذَلِكَ فَقَالَ : مَا زِدْنَاك عَلَى عَجْوَةٍ وَزَبِيبٍ وَهَذَا نَوْعٌ مِنْ الْخَلِيطَيْنِ وَكَانَ مَطْبُوخًا ؛ لِأَنَّ الْمَرْوِيَّ عَنْهُ حُرْمَةُ نَقِيعِ الزَّبِيبِ وَهُوَ النِّيءُ مِنْهُ ، وَمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ الْجَمْعِ بَيْنَ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ ، وَالزَّبِيبِ وَالرُّطَبِ ، وَالرُّطَبِ وَالْبُسْرِ) مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الشِّدَّةِ ، وَكَانَ ذَلِكَ فِي الِابْتِدَاءِ .

ترجمہ

صاحب قدوری نے اپنی مختصر قدوری میں کہا ہے کہ تمر اور کشمش کی نبیذ کو جب تھوڑا سا پکایا گیا ہے تو وہ حلال ہے۔ خواہ وہ جوش

مارنے والی ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس کے غالب گمان کے مطابق وہ اتنی مقدار میں پک جائے جو لہو و سرور کے سوا نشہ آور نہ ہو۔ اور یہ حکم شیخین کے مطابق ہے۔

حضرت امام محمد اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ حرام ہے اور اس کے بارے میں وہی بحث ہے۔ جو عنب والی مثلث میں ہے۔ اس کے بعد ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کر دیں گے۔

اور مکس کردہ شراب میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ابن زیاد سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ مجھے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسی ہی شراب پلائی تھی کہ میں گھر پہنچنے کے قریب نہ تھا۔ پس اگلے دن جب میں ان کے ہاں گیا اور ان کی اس واقعہ کی اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے کھجور اور کشمش میں اضافہ نہیں کیا اور یہ مکس تھا۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقیع زبیب کی حرمت روایت کی گئی ہے۔ اور یہ کشمش کا کچا پانی ہے۔

اور وہ روایت جو نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کھجور، کشمش، کھجور اور گدرائی کھجور کو جمع کرنے سے منع کیا ہے اس کو قحط سالی کی حالت میں محمول کیا گیا ہے۔ اور وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔

شرح

عبد اللہ بن بریدہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب تم لوگ قبور کی زیارت کرو اور میں نے تم کو منع کیا تھا قربانیوں کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے کے لیے لیکن اب جس وقت تک تمہارا دل چاہے تم اس کو رکھ لو اور میں نے تم لوگوں کو نبیذ بنانے کی ممانعت کی تھی لیکن مشک میں۔ اب تمام برتنوں میں نبیذ بناؤ لیکن اس شراب سے بچو (یعنی بالکل دور رہو) جو نشہ پیدا کرے۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1957)

عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ گدر کھجور اور پکی کھجور ملا کر بھگوئی جائیں یا کھجور اور انگور ملا کر بھگوئے جائیں۔

ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور اور انگور کے ملا کر نبیذ پینے سے اور گدر اور پختہ کھجور کو ملا کر نبیذ پینے سے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس امر پر اتفاق کیا ہے ہمارے شہر کے علماء نے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1504)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ عبد القیس کے وفد نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کس میں پیا کریں؟ فرمایا کہ تم لوگ دباء میں نہ پیا کرو، اور نہ ہی مزفت میں، اور نہ ہی نقیر میں، اور نبیذ بنایا کرو مشکیزوں میں، وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر مشکیزہ میں اس نبیذ کے اندر شدت اور جوش پیدا ہو جائے تو؟ فرمایا کہ اس میں پانی ڈال دو۔ وہ کہنے لگے کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دو تین مرتبہ مندرجہ بالا بات کہی) تو آپ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا اسے بہادو پھر فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ باجا وغیرہ اور فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے سفیان کہتے ہیں کہ میں نے علی بن بذیمہ سے کوبہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ باجے کو کہتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 304)

شہداور انجیر کی نبیذ کے حلال ہونے کا بیان

قَالَ (وَنَبِيذُ الْعَسَلِ وَالتِّينِ وَنَبِيذُ الْحِنْطَةِ وَالذُّرَةِ وَالشَّعِيرِ حَلَالٌ وَإِنْ لَمْ يُطْبَخْ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ إذَا كَانَ مِنْ غَيْرِ لَهْوٍ وَطَرَبٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ ، وَأَشَارَ إلَى الْكَرْمَةِ وَالنَّخْلَةِ) خَصَّ التَّحْرِيمَ بِهِمَا وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ ، ثُمَّ قِيلَ يُشْتَرَطُ الطَّبْخُ فِيهِ لِإِبَاحَتِهِ ، وَقِيلَ لَا يُشْتَرَطُ وَهُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ ؛ لِأَنَّ قَلِيلَهُ لَا يَدْعُو إلَى كَثِيرِهِ كَيْفَ مَا كَانَ .

ترجمہ

فرمایا کہ شہد اور انجیر کی نبیذ اور گندم اور جو کی نبیذ حلال ہے۔ اگر چہ اس کو پکایا نہ گیا ہو۔ اور یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے لیکن جس وہ لہو اور لذت حاصل کرنے کیلئے نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خمر ان دو درختوں سے بنتی ہے اور آپ ﷺ نے انگور اور کھجور کی جانب اشارہ فرمایا تھا پس آپ ﷺ نے حرمت کو انہی درختوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اور یہاں بیان کرنے سے مراد اس کا حکم ہے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ شہد وغیرہ میں مکس کرنے میں اس کی اباحت کیلئے اس کو پکانا شرط ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ شرط نہیں ہے۔ اسی طرح کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا قلیل اس کے کثیر کو بلانے والا نہیں ہے۔ اگر چہ وہ کچا ہو یا پکا ہو۔

شرح

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کی طرف آئے تو لوگوں نے وبا اور آب وہوا کے بھاری ہونے کا بیان کیا اور کہا بغیر اس شراب کے ہمارا مزاج اچھا نہیں رہتا آپ نے کہا شہد پیو انہوں نے کہا شہد موافق نہیں ایک شخص بولا ہم اسی کو اس طرح تیار کریں جس میں نشہ نہ ہو آپ نے کہا ہاں،

انہوں نے اس کو پکایا اتنا کہ ایک تہائی رہ گیا دو تہائی جل گیا اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لائے انہوں نے انگلی ڈالی جب وہ چپ چپ کرنے لگا آپ نے فرمایا یہ طلا تو اونٹ کے طلا کے مشابہ ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پینے کی اجازت دی عبادہ بن صامت نے کہا آپ نے حلال کر دیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں قسم خدا کی یا اللہ میں نے کبھی اس چیز کو حلال نہیں کیا جس کو تو نے حرام کیا اور نہ حرام کیا جس کو تو نے حلال کیا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1510)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مخصوص) برتنوں (میں نبیذ بنانے) سے منع فرمایا۔ پس انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے پاس اور برتن نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر میں اس سے منع نہیں کرتا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، ابوسعید، عبداللہ بن عمر سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1951)

گندم سے بنی شراب پینے پر نشہ آ جانے پر حد کا بیان

وَهَلْ يُحَدُّ فِي الْمُتَّخَذِ مِنْ الْحُبُوبِ إذَا سَكِرَ مِنْهُ ؟ قِيلَ لَا يُحَدُّ وَقَدْ ذَكَرْنَا الْوَجْهَ مِنْ قَبْلُ قَالُوا : وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُحَدُّ ، فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ فِيمَنْ سَكِرَ مِنْ الْأَشْرِبَةِ أَنَّهُ يُحَدُّ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْفُسَّاقَ يَجْتَمِعُونَ عَلَيْهِ فِي زَمَانِنَا اجْتِمَاعَهُمْ عَلَى سَائِرِ الْأَشْرِبَةِ ، بَلْ فَوْقَ ذَلِكَ ، وَكَذَلِكَ الْمُتَّخَذُ مِنْ الْأَلْبَانِ إذَا اشْتَدَّ فَهُوَ عَلَى هَذَا وَقِيلَ : إنَّ الْمُتَّخَذَ مِنْ لَبَنِ الرَّمَاكِ لَا يَحِلُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ اعْتِبَارًا بِلَحْمِهِ ؛ إذْ هُوَ مُتَوَلِّدٌ مِنْهُ قَالُوا : وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَحِلُّ ؛ لِأَنَّ كَرَاهَةَ لَحْمِهِ لِمَا فِي إبَاحَتِهِ مِنْ قَطْعِ مَادَّةِ الْجِهَادِ أَوْ لِاحْتِرَامِهِ فَلَا يُتَعَدَّى إلَى لَبَنِهِ

ترجمہ

گندم سے بنائی گئی شراب پینے پر جب نشہ آ جائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی جبکہ ایک قول یہ بھی ہے اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ اس سے پہلے ہم اس کی دلیل کو بیان کر آئے ہیں۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ زیادہ درست یہ ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک بندے کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ جب نشہ آ جائے تو حد جاری کی جائے گی۔ جبکہ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے دور میں فساق اس پر جمع ہو جاتے ہیں۔ جس طرح دوسری اشربہ میں ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ اس پر جمع ہوتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ شراب جو دودھ وغیرہ سے بنائی جائے اور وہ تیز ہو جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گھوڑی کے دودھ سے بنائی جانے والی شراب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حلال نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے گوشت پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ دودھ گوشت سے بنتا ہے۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ زیادہ درست یہ ہے کہ وہ شراب حلال ہونی چاہے کیونکہ اس کے گوشت کی کراہت کا سبب یہ ہے کہ اس کو مباح قرار دینے کی وجہ سے ذرائع جہاد ختم ہو جائیں گے۔ تو یہ اس کا احترام ہوا پس یہ حکم اس کے دودھ پر نہیں لگایا جائے گا۔

شرح

حضرت نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" گیہوں کی بھی شراب ہوتی ہے، جو کی بھی شراب ہوتی ہے، کھجور کی بھی شراب ہوتی ہے، انگور کی بھی شراب ہوتی ہے اور شہد کی بھی شراب ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 793)

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں حصر مراد نہیں ہے کہ بس انہیں چیزوں سے شراب بنتی ہے، بلکہ ان چیزوں کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شراب انہی چیزوں سے بنتی ہے۔ اس ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ خمر صرف انگوری شراب کو نہیں کہتے جب کہ ابن مالک کہتے ہیں کہ یہاں انگوری شراب کی علاوہ دوسری چیزوں کی شراب کو بھی خمر مجازاً کہا گیا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ ان چیزوں کی شراب (یا نشہ آور نبیذ) بھی انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

شیرہ انگور کا ایک ثلث باقی رہ جانے پر حلال ہونے کا بیان

قَالَ (وَعَصِيرُ الْعِنَبِ إِذَا طُبِخَ حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ حَلَالٌ وَإِنْ اشْتَدَّ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَمَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ: حَرَامٌ، وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا قَصَدَ بِهِ التَّقَوِّي، أَمَّا إِذَا قَصَدَ بِهِ التَّلَهِّيَ لَا يَحِلُّ بِالِاتِّفَاقِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ مِثْلُ قَوْلِهِمَا، وَعَنْهُ أَنَّهُ كَرِهَ ذَلِكَ، وَعَنْهُ أَنَّهُ تَوَقَّفَ فِيهِ.

ترجمہ

فرمایا کہ جب انگور کو پکایا جائے حتیٰ کہ اس کا دو تہائی ختم ہو جائے اور ایک تہائی باقی بچ جائے تو وہ حلال ہے۔ خواہ وہ تیز ہو جائے۔ اور یہ حکم شیخین کے مطابق ہے۔

حضرت امام محمد، امام مالک اور امام شافعی علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ حرام ہے اور یہ اختلاف اس صورت میں ہوگا کہ جب پینے والا حصول طاقت کے ارادے پینے والا ہے کیونکہ جب اس نے کھیل و تماشے کیلئے پی ہے تو بہ اتفاق وہ حلال نہ ہوگا۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی ایک قول شیخین کی طرح نقل کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری روایت میں انہوں نے اس کو مکروہ جانا ہے۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

شرح

مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت سعد کے باغ میں انگور بہت ہوتے تھے اور ان کی جانب سے باغ میں ایک شخص داروغہ تھا۔ ایک مرتبہ بہت زیادہ انگور لگے تو داروغہ (باغ کے نگران) نے حضرت سعد کو لکھا کہ مجھ کو اندیشہ ہے انگور کے ضائع ہونے کا تو اگر تم اجازت دو تو میں اس کا شربت نکال لوں۔ حضرت سعد نے تحریر فرمایا جس وقت میرا یہ خط تم کو پہنچے تو تم باغ چھوڑ دو۔ اللہ

کی قسم! میں آج سے کسی بات پر تمہارا اعتبار نہیں کروں گا۔ پھر اس کو باغ سے معطل کر دیا۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2018)

عبداللہ بن دیلمی، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں اور کہاں کے ہیں اور کس کے پاس آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آئے ہو۔

پھر ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے انگور (کے باغات ہیں) ہم انگور سے کیا بنائیں، آپ نے فرمایا کہ انگور (کو خشک) منقیٰ بنا لو ہم نے عرض کیا کہ منقیٰ سے کیا بنائیں؟ فرمایا کہ اپنے ناشتہ پر اس سے نبیذ بنایا کرو اور اپنے رات کے کھانے کے وقت اسے پی لیا کرو اور نبیذ بنایا کرو مشکیزوں میں اور مٹکوں میں نبیذ مت بنایا کرو۔ اس لیے کہ اگر مٹکے میں زیادہ مدت گزر گئی تو وہ سرکہ بن جائے گا۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 318)

خمر کے سوا میں قلیل وکثیر کی حرمت میں فقہی اختلاف کا بیان

لَهُمْ فِي إِثْبَاتِ الْحُرْمَةِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ) وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ) وَيُرْوَى عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَا أَسْكَرَ الْجَرَّةُ مِنْهُ فَالْجَرْعَةُ مِنْهُ حَرَامٌ) وَلِأَنَّ الْمُسْكِرَ يُفْسِدُ الْعَقْلَ فَيَكُونُ حَرَامًا قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ كَالْخَمْرِ وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (حُرِّمَتْ الْخَمْرُ لِعَيْنِهَا) وَيُرْوَى (بِعَيْنِهَا قَلِيلِهَا وَكَثِيرِهَا، وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ) خَصَّ السُّكْرَ بِالتَّحْرِيمِ فِي غَيْرِ الْخَمْرِ؛ إِذْ الْعَطْفُ لِلْمُغَايَرَةِ، وَلِأَنَّ الْمُفْسِدَ هُوَ الْقَدَحُ الْمُسْكِرُ وَهُوَ حَرَامٌ عِنْدَنَا وَإِنَّمَا يَحْرُمُ الْقَلِيلُ مِنْهُ؛ لِأَنَّهُ يَدْعُو لِرِقَّتِهِ وَلَطَافَتِهِ إِلَى الْكَثِيرِ فَأُعْطِيَ حُكْمَهُ، وَالْمُثَلَّثُ لِغِلَظِهِ لَا يَدْعُو وَهُوَ فِي نَفْسِهِ غِذَاءٌ فَبَقِيَ عَلَى الْإِبَاحَةِ : وَالْحَدِيثُ الْأَوَّلُ غَيْرُ ثَابِتٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، ثُمَّ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى الْقَدَحِ الْأَخِيرِ إِذْ هُوَ الْمُسْكِرُ حَقِيقَةً وَالَّذِي يُصَبُّ عَلَيْهِ الْمَاءُ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثَاهُ بِالطَّبْخِ حَتَّى يَرِقَّ ثُمَّ يُطْبَخُ طَبْخَةً حُكْمُهُ حُكْمُ الْمُثَلَّثِ؛ لِأَنَّ صَبَّ الْمَاءِ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا ضَعْفًا، بِخِلَافِ مَا إِذَا صُبَّ الْمَاءُ عَلَى الْعَصِيرِ ثُمَّ يُطْبَخُ حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَا الْكُلِّ؛ لِأَنَّ الْمَاءَ يَذْهَبُ أَوَّلًا لِلَطَافَتِهِ، أَوْ يَذْهَبُ مِنْهُمَا فَلَا يَكُونُ الذَّاهِبُ ثُلُثَيْ مَاءِ الْعِنَبِ وَلَوْ طُبِخَ الْعِنَبُ كَمَا هُوَ ثُمَّ

يُعْصَرُ يُكْتَفَى بِأَدْنَى طَبْخَةٍ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ لَا يَحِلُّ مَا لَمْ يَذْهَبْ ثُلُثَاهُ بِالطَّبْخِ ، وَهُوَ الْأَصَحُّ ؛ لِأَنَّ الْعَصِيرَ قَائِمٌ فِيهِ مِنْ غَيْرِ تَغَيُّرٍ فَصَارَ كَمَا بَعْدَ الْعَصْرِ ،

ترجمہ

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل جو حرمت کو ثابت کرنے والی ہے وہ یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر مسکر حرام ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو کثیر مسکر ہے اس کا قلیل حرام ہے۔ اور آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس شراب کا ایک گھڑا مسکر ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔ کیونکہ وہ عقل کا فاسد کرنے والا ہے۔ پس خمر کی طرح اس کا قلیل وکثیر ہر طرح سے حرام ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خمر بہ عینہ حرام ہے اور ایک روایت میں بعینہا بھی آیا ہے اور اس کا قلیل وکثیر حرام ہے۔ اور ہر شراب میں نشہ حرام ہے۔ اور آپ ﷺ نے خمر کے سوا بقیہ شرابوں کو نشے کے ساتھ خاص کیا ہے۔ کیونکہ عطف مغایرت کیلئے آتا ہے۔ (نحوی قاعدہ) پس فساد کرنے والا وہ پیالہ ہے جو نشے والا ہے۔ اور وہ ہمارے نزدیک بھی حرام ہے اور خمر کا قلیل اس سبب سے حرام ہے کہ وہ پتلا ہونے اور لطیف ہونے میں کثیر کی جانب بلانے والا ہے۔ پس اس نے کثیر کا حکم لے رکھا ہے۔ جبکہ مثلث اپنے گاڑھے ہونے کی وجہ سے کثیر کی جانب داعی نہیں ہے۔ حالانکہ وہ ذاتی طور پر غذا ہے اور پہلی حدیث تو یہ ثابت نہیں ہے۔ جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اس کے بعد وہ آخری پیالے پر محمول ہے کیونکہ حقیقی طور پر نشے والا وہی ہے۔

اور ایسی مثلث جس کے پک جانے کے بعد اس پر پانی ڈالا گیا ہے یا دو تہائی ختم ہو جانے کے بعد پانی ڈالا گیا ہے حتیٰ کہ وہ پتلی ہو چکی ہے اور اس کے بعد پھر دوبارہ جب اس کو پکایا گیا ہے تو وہ مثلث کے حکم میں ہوگی۔ کیونکہ پانی ڈالنا یہ اس کی کمزوری کو بڑھانے والا ہے۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے ہے کہ جب عصیر پر پانی ڈالا گیا ہے۔ اور اس کے بعد اس کو اتنی مقدار میں پکایا گیا ہے کہ اس سارے میں سے دو تہائی ختم ہو چکا ہے۔ کیونکہ پانی اپنے لطیف ہونے کے سبب ختم ہو چکا ہے یا پھر وہ ان دونوں سے ختم ہو چکا ہے پس ختم ہونے والا حصہ انگور کا دو تہائی نہ ہوگا۔

اور جب انگور کو ویسے کا ویسے ہی پکا دیا گیا ہے اور اس کے بعد اسکو نچوڑ لیا گیا ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک روایت کے مطابق محض ہلکا سا پکانا بھی کافی ہوگا۔ جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب تک اس کو پکا کر اس سے دو تہائی ختم نہ ہو جائے اس وقت تک وہ حلال نہ ہوگا۔ اور زیادہ صحیح یہی ہے۔ کیونکہ انگور کا نچوڑنا یہ تبدیلی کے بغیر بھی ہے جس طرح اس کو نچوڑنے کے بعد ہے۔

شرح

اب کو سر کے میں کیوں نہ تبدیل کر دیں؟ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا کہ نہیں، اسے بہا دو۔ایک صاحب نے باصرار دریافت کیا کہ دواء کے طور پر استعمال کی تو اجازت ہے؟ فرمایا نہیں، وہ دواء نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ایک اَور صاحب نے عرض کیا یا رسُول اللہ! ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے، اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ہم لوگ شراب سے تکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو اس سے پرہیز کرو۔انہوں نے عرض کیا مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔فرمایا اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔

فقہ شافعی کے مطابق خمر سے مراد نشہ عام میں دلائل کا بیان

ابنِ عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **لعن اللہ الخمر و شاربھا و ساقیھا و بائعھا و مُبتا عھا و عاصر ھا و معتصر ھا و حاملھا و المحمولۃ الیہ**۔اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور پلانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور کشید کرنے والے پر اور کشید کرانے والے پر اور ڈھو کر لے جانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے وہ ڈھو کر لے جائی گئی ہو۔

ایک اَور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر خوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ ابتداءً آپ نے اُن برتنوں کے استعمال کو منع فرما دیا تھا جس میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔بعد میں جب شراب کی حُرمت کا حکم پُوری طرح نافذ ہو گیا تب آپ نے برتنوں پر سے یہ قید اُٹھا دی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اُصُول بیان فرمایا کہ **ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام**۔جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔اور **ما اسکر الفرق منہ مفل الکف منہ حرام**۔جس چیز کا ایک پُورا فراق بھر نشہ پیدا کرتا ہو اس کا ایک چلّو پینا بھی حرام ہے۔

حد شراب ۸۰ اسی کوڑے ہونے میں مذاہب اربعہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔جو شخص اس جُرم میں گرفتار ہو کر آتا تھا اسے جُوتے، لات، مُکّے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹے اور کھجور کے سَنٹے مارے جاتے تھے۔زیادہ سے زیادہ ۴۰ ضربیں آپ ﷺ کے زمانہ میں اس جُرم پر لگائی گئی ہیں۔حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ابتداءً کوڑوں ہی کی سزا رہی۔پھر جب اُنہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جُرم سے باز نہیں آتے تو اُنہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے ۸۰ کوڑے سزا مقرر کی۔اسی سزا کو امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ، اور ایک روایت کے بموجب امام شافعیؒ بھی، شراب کی حد قرار

دیتے ہیں۔ مگر امام احمدؒ ابن حنبل اور ایک دُوسری روایت کے مطابق امام شافعیؒ ۴۰ کوڑوں کو قائل ہیں، اور حضرت علیؓ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

شریعت کی رُو سے یہ بات حکومتِ اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزور وقوت نافذ کرے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک شخص رُوَیشِد نامی کی دوکان اس بنا پر جلوادی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دُوسرے موقع پر ایک پُورا گاؤں حضرت عمرؓ کے حکم سے اِس قصُور پر جلاڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہورہا تھا۔

پکانے میں انگور وتمر کو جمع کرنے کا بیان

وَلَوْ جُمِعَ فِي الطَّبْخِ بَيْنَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ أَوْ بَيْنَ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ لِأَنَّ التَّمْرَ إِنْ كَانَ يُكْتَفَى فِيهِ بِأَدْنَى طَبْخَةٍ فَعَصِيرُ الْعِنَبِ لَا بُدَّ أَنْ يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ فَيُعْتَبَرُ جَانِبُ الْعِنَبِ احْتِيَاطًا ، وَكَذَا إِذَا جُمِعَ بَيْنَ عَصِيرِ الْعِنَبِ وَنَقِيعِ التَّمْرِ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ

اور جب انگور اور تمر یا تمر اور کشمش کو جمع کر کے پکایا گیا ہے تو جس وقت تک اس کا دوتہائی ختم نہ ہوگا اس وقت تک وہ حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ تمر میں اگر چہ ہلکا سا پکانے پر کفایت کرلیا جاتا ہے مگر انگور کے نچوڑ کا دوتہائی کو ختم کرنا لازم ہے۔ پس احتیاط کے پیش نظر اس میں انگور والے حکم کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اسی طرح جب انگور کے نچوڑ اور نقیع تمر کو جمع کیا جائے تو یہ بھی اسی دلیل کے مطابق ہے جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔

شرح

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ منقّی (یا کشمش) اور کھجور کو ملا کر نبیذ بنائی جائے اور منع فرمایا اس بات سے کہ خشک کھجور، چھوہارے، تر کھجور کو ملا کر نبیذ بنائی جائے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 311)

نقیع تمر اور نقیع زبیب کو ہلکا پکانے کا بیان

وَلَوْ طُبِخَ نَقِيعُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ أَدْنَى طَبْخَةٍ ثُمَّ أُنْقِعَ فِيهِ تَمْرٌ أَوْ زَبِيبٌ ، إِنْ كَانَ مَا أُنْقِعَ فِيهِ شَيْئًا يَسِيرًا لَا يُتَّخَذُ النَّبِيذُ مِنْ مِثْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ ، وَإِنْ كَانَ يُتَّخَذُ النَّبِيذُ مِنْ مِثْلِهِ لَمْ يَحِلَّ كَمَا إِذَا صُبَّ فِي الْمَطْبُوخِ قَدَحٌ مِنَ النَّقِيعِ وَالْمَعْنَى تَغْلِيبُ جِهَةِ الْحُرْمَةِ ، وَلَا

حَدَّ فِي شُرْبِهِ ؛ لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لِلِاحْتِيَاطِ وَهُوَ لِلْحَدِّ فِي دَرْئِهِ .

وَلَوْ طُبِخَ الْخَمْرُ أَوْ غَيْرُهُ بَعْدَ الِاشْتِدَادِ حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ لَمْ يَحِلَّ ؛ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ قَدْ تَقَرَّرَتْ فَلَا تَرْتَفِعُ بِالطَّبْخِ .

ترجمہ

اور جب نقیع تمر اور نقیع زبیب کو ہلکا سا پکایا گیا ہے اور اس کے بعد اس میں تمر یا کشمش کو ڈال دیا گیا ہے اور وہ ڈالی جانے والی چیز مقدار میں معمولی ہے اور اس مقدار سے نبیذ نہ بنائی جاتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اتنی مقدار سے نبیذ بنائی جاتی ہے وہ حلال نہ ہوگی جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ جب پکے ہوئے میں ایک پیالہ نقیع کا ڈال دیا جائے اور یہاں سبب جہت کے سبب غلبہ حرمت کو حاصل ہے۔

اور اس کو پینے پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ یہاں حرمت احتیاط کی وجہ سے ہے۔ جبکہ احتیاط حد کو ختم کرنے میں ہے۔ اور جب تختی آجانے کے بعد خمر وغیرہ کو پکا لیا جائے حتیٰ کہ اس سے دو تہائی ختم ہو جائے۔ تو پھر بھی وہ حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی حرمت ثابت ہو چکی ہے۔ پس وہ پکانے کے سبب سے ختم ہوگی۔

شرح

عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے کہ اس دوران ایک قوم (جماعت کے) شور وشغب کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کیسی آواز ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ایک طرح کی شراب پیا کرتے ہیں اس کو پی رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو ان کی جانب روانہ کیا اور بلایا پھر فرمایا تم لوگ کن برتنوں میں نبیذ تیار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم نقیر اور دباء میں تیار کرتے ہیں اور ہمارے پاس اس کے علاوہ دوسرے برتن نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہ پیو لیکن اس برتن سے کہ جس میں ڈاٹ لگی ہوئی ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ روز تک ٹھہرے رہے جس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اس طرف پھر آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ لوگ ایک دباء (شدید بیماری) سے پیلے ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ تباہ ہو گئے ہو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کی زمین وبائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں پر ایک شراب کو حرام قرار دے دیا ہے مگر جس شراب پر ہم لوگ ڈاٹ لگا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پیو ہر ایک شراب کو لیکن اس شراب سے بچو جو نشہ پیدا کرے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1960)

کدو کے برتن میں نبیذ بنانے پر کوئی حرج نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِالِانْتِبَاذِ فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيرِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثٍ فِيهِ طُولٌ بَعْدَ ذِكْرِ هَذِهِ الْأَوْعِيَةِ (فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ ، فَإِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَلَا تَشْرَبُوا الْمُسْكِرَ) وَقَالَ ذَلِكَ بَعْدَ مَا أَخْبَرَ عَنْ النَّهْيِ عَنْهُ فَكَانَ نَاسِخًا لَهُ ، وَإِنَّمَا يُنْتَبَذُ فِيهِ بَعْدَ تَطْهِيرِهِ ، فَإِنْ كَانَ الْوِعَاءُ عَتِيقًا يُغْسَلُ ثَلَاثًا فَيَطْهُرُ ، وَإِنْ كَانَ جَدِيدًا لَا يَطْهُرُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِتَشَرُّبِ الْخَمْرِ فِيهِ بِخِلَافِ الْعَتِيقِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُغْسَلُ ثَلَاثًا وَيُجَفَّفُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهِيَ مَسْأَلَةُ مَا لَا يَنْعَصِرُ بِالْعَصْرِ ، وَقِيلَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ : يُمْلَأُ مَاءً مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى ، حَتَّى إِذَا خَرَجَ الْمَاءُ صَافِيًا غَيْرَ مُتَغَيِّرٍ يُحْكَمُ بِطَهَارَتِهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ کدو کے برتن میں سبز کلر کی ٹھلیا میں اور تارکول سے رنگے گئے برتن میں نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے برتنوں کے بعد فرمایا کہ ہر برتن میں پیا کرو کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرنے والا ہے اور نہ ہی کسی چیز کو حرام کرنے والا ہے اور مسکر نہ پیو۔ آپ ﷺ کا یہ حکم ان تمام منع کردہ برتنوں کے بعد میں بیان کیا گیا ہے پس یہ اس کیلئے ناسخ بن جائے گا۔

اور ان برتنوں کو پاک کر لینے کے بعد نبیذ کو ان میں بنایا جائے گا۔ اور اگر وہ برتن پرانا ہے تو اس کو تین بار دھویا جائے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جب وہ برتن نیا ہے تو وہ پاک نہ ہوگا کیونکہ اس میں خمر جذب ہوگئی ہے۔ جبکہ پرانے برتن میں اس طرح نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک برتن کو تین بار دھویا جائے گا اور اس کو ہر بار خشک کر لیا جائے گا۔ اور یہ مسئلہ ایسی چیز کے بارے میں ہے کہ جس کو نچوڑا جائے تو وہ نچڑ نہ سکے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کو مسلسل بھرا جائے گا حتیٰ کہ جب صاف پانی نکلنے لگے تو وہ بدلہ ہوا نہ ہو تو اس برتن کی طہارت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

شرح

حضرت عمرو بن مرہ، زاذان سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر سے ان برتنوں کے متعلق پوچھا جن کے استعمال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور کہا کہ ہمیں اپنی زبان میں ان برتنوں کے متعلق بتا کر ہماری زبان میں اس کی وضاحت کیجیے۔ ابن عمر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ختمہ یعنی مٹکے (دبا) یعنی کدو کے خول اور نقیر سے منع فرمایا ہے اور یہ کھجور کی چھال سے بنایا جاتا ہے اور (مزفت) یعنی رال کے روغنی برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا کہ مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔

اس باب میں حضرت عمر، علی، ابن عباس، ابوسعید، اور ابوہریرہ، عبدالرحمن بن یعمر، سمرہ، انس، عائشہ، عمران بن حصین، عائذ بن عمرو، حکم غفاری، اور میمونہ، رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1949)

خمر کا سرکہ بن کر حلال ہو جانے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا تَخَلَّلَتْ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَاءٌ صَارَتْ خَلًّا بِنَفْسِهَا أَوْ بِشَيْءٍ يُطْرَحُ فِيهَا، وَلَا يُكْرَهُ تَخْلِيلُهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُكْرَهُ التَّخْلِيلُ وَلَا يَحِلُّ الْخَلُّ الْحَاصِلُ بِهِ إنْ كَانَ التَّخْلِيلُ بِإِلْقَاءِ شَيْءٍ فِيهِ قَوْلًا وَاحِدًا، وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ إلْقَاءِ شَيْءٍ فِيهِ فَلَهُ فِي الْخَلِّ الْحَاصِلِ بِهِ قَوْلَانِ لَهُ أَنَّ فِي التَّخْلِيلِ اقْتِرَابًا مِنْ الْخَمْرِ عَلَى وَجْهِ التَّمَوُّلِ، وَالْأَمْرُ بِالِاجْتِنَابِ يُنَافِيهِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (خَيْرُ خَلِّكُمْ خَلُّ خَمْرِكُمْ) وَلِأَنَّ بِالتَّخْلِيلِ يَزُولُ الْوَصْفُ الْمُفْسِدُ وَتَثْبُتُ صِفَةُ الصَّلَاحِ مِنْ حَيْثُ تَسْكِينُ الصَّفْرَاءِ وَكَسْرُ الشَّهْوَةِ، وَالتَّغَذِّي بِهِ وَالْإِصْلَاحُ مُبَاحٌ، وَكَذَا الصَّالِحُ لِلْمَصَالِحِ اعْتِبَارًا بِالْمُتَخَلِّلِ بِنَفْسِهِ وَبِالدِّبَاغِ وَالِاقْتِرَابُ لِإِعْدَامِ الْفَسَادِ فَأَشْبَهَ الْإِرَاقَةَ، وَالتَّخْلِيلُ أَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ إحْرَازِ مَالٍ يَصِيرُ حَلَالًا فِي الثَّانِي فَيَخْتَارُهُ مَنْ ابْتُلِيَ بِهِ، وَإِذَا صَارَ الْخَمْرُ خَلًّا يَطْهُرُ مَا يُوَازِيهَا مِنْ الْإِنَاءِ، فَأَمَّا أَعْلَاهُ وَهُوَ الَّذِي نَقَصَ مِنْهُ الْخَمْرُ قِيلَ يَطْهُرُ تَبَعًا وَقِيلَ لَا يَطْهُرُ؛ لِأَنَّهُ خَمْرٌ يَابِسٌ إلَّا إذَا غُسِلَ بِالْخَلِّ فَيَتَخَلَّلُ مِنْ سَاعَتِهِ فَيَطْهُرُ، وَكَذَا إذَا صُبَّ فِيهِ الْخَمْرُ ثُمَّ مُلِئَ خَلًّا يَطْهُرُ فِي الْحَالِ عَلَى مَا قَالُوا.

ترجمہ

اور خمر جب سرکہ بن جائے تو وہ حلال ہو جائے گی۔ اگر چہ وہ خود بہ خود سرکہ بنی ہے یا اس میں کوئی چیز ڈال کر اس کو سرکہ بنایا گیا ہے۔ اور اس کو سرکہ بنانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کو سرکہ بنانا مکروہ ہے اور خمر سے جو سرکہ بنے گا وہ حلال نہ ہوگا اور جب اس میں کسی چیز کو ڈال کر سرکہ بنایا ہے اور یہی ایک قول ہے۔

اور جب اس میں کوئی چیز ڈالے بغیر سرکہ بنایا ہے تو اس کے بارے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے

سرکہ بنانے کی وجہ سے خمر تمول کے طریقے پر قرب اختیار کر جاتا ہے۔ جبکہ شراب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ کا یہ ارشاد مبارکہ ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے کیونکہ اس کو سرکہ بنانے کی وجہ فسادی وصف ختم ہوجاتا ہے۔ اور اس میں صحیح وصف ثابت ہوجاتا ہے۔ جس طرح صفراء کو سکون پہنچانا یہ شہوت کو توڑنا ہے اس سے غذا حاصل کرنا اور فسادی کی اصلاح کرنا مباح ہے۔ پس اس چیز کی اصلاح بھی درست ہوگی۔ جو مصلحت میں کام آئے گی۔
اور اس کو بہ ذات خود سرکہ بننے اور دباغت کھال پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور اس میں قربت یہ فساد کو دور کرنے والی ہے۔ پس یہ اس کو بہانے کے مشابہ بن جائے گی۔ اور شراب کا سرکہ بنانا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں ایسے مال کو محفوظ کرنا ہے۔ جو آنے والے وقت میں حلال ہوگا۔ پس سرکہ بنانا وہی بندہ اختیار کرے گا جو اس میں ملوث ہو چکا ہے۔
اور جب خمر سرکہ بن گئی ہے تو جو برتن اس کے مقابل میں تھا وہ خود پاک ہوجائے گا۔ جبکہ برتن کا اوپر والا حصہ جس سے شراب نیچے رہ چکی ہے۔ ایک قول کے مطابق بطور اتباع وہ بھی پاک ہوجائے گا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پاک نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ خشک خمر ہے مگر جب برتن کو سرکہ سے دھویا گیا ہے۔ اور وہ فوری طور پر سرکہ بن گیا ہے تو وہ پاک ہوجائے گا۔
اور اسی طرح جب کسی برتن میں خمر کو بہا دیا گیا ہے اور اس کے بعد میں سرکہ بھرا گیا ہے تو اس حالت میں برتن پاک ہوجائے گا جس طرح فقہاء نے ارشاد فرمایا ہے۔

شراب کا سرکہ بن جانے کر حلال وحرام ہونے میں فقہی اختلاف کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر شراب (میں نمک و پیاز وغیرہ ڈال کر اس) کا سرکہ بنالیا جائے تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔
(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 788)
حنیفہ کہتے کہ اگر شراب، سرکہ میں تبدیل ہوجائے تو اس کو کھانے پینے کے مصرف میں لانا جائز ہوگا خواہ شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا گیا ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالے بغیر مثلاً زیادہ دن رکھے رہنے یا دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے خود بخود اس کا سرکہ بن گیا ہو۔ حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنایا تو وہ حلال نہیں ہے۔ اور اگر کچھ ڈالے بغیر مثلاً دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا سرکہ بن گیا ہو تو اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں جس میں سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ شراب، شراب نہیں رہے گی بلکہ اس میں پاکی آجائے گی اور اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہوگا۔
حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو بلا کسی قید کے یہ فرمایا ہے کہ حدیث (نعم الادام الخل) (بہترین سالن، سرکہ ہے) لہٰذا جو چیز بھی سرکہ ہوگی اس کا استعمال حلال ہوگا، دوسرے جب شراب میں سے وہ بری خاصیت نکل گئی جس کی وجہ سے وہ حرام تھی اور اس میں اچھی خاصیت پیدا ہوگئی تو اب وہ ایک مباح چیز کے درجہ میں آگئی لہٰذا اس کا کھانا پینا حلال ہوگا جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حلال اس

لئے نہیں فرمایا تھا کہ اس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا اور لوگوں نے بڑی طویل عادت کو ترک کر کے شراب سے منہ موڑا تھا، اور یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان جس کو ایک طویل عادت کے بعد چھوڑتا ہے اس کی طرف اس کی طبیعت اور خواہش کا میلان کافی عرصہ تک رہتا ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت شیطان کی مداخلت سے خوف محسوس فرما کر کہ مبادا شیطان لعین کو اپنا حربہ آزمانے کا موقع مل جائے اور اس کے نتیجہ میں لوگ اس چیز کو شراب پینے کا وسیلہ بنالیں، آپ نے اس کو حلال نہیں فرمایا لیکن شراب کی حرمت پر طویل عرصہ گذر جانے اور شراب کی طرف لوگوں کے میلان کے ہلکے سے بھی شائبے کی جڑیں تک اکھڑ جانے کے بعد جب اس قسم کا کوئی خوف نہ رہا اور اس طرح وہ "مصلحت" ختم ہوگئی جس کی بناء اس کو حلال نہ فرمایا گیا تھا تو وہ حرمت زائل ہوگئی اور پھر شراب سے بنے ہوئے سرکہ کو استعمال کرنا بھی حلال ہوگیا۔ علاوہ ازیں صاحب ہدایہ نے ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کو بیہقی نے اپنی کتاب معرفت میں حضرت جابر سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ حدیث (خیر خلکم خل خمر کم)۔ (بیہقی) "یعنی تمہارے سرکوں میں بہترین سرکہ وہ ہے۔ جو شراب سے بنا ہو۔"

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی کہ سورت مائدہ نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم لڑکے کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کو بہادو۔ اس باب میں حضرت انس بن مالک سے بھی روایت ہے ابوسعید کی روایت حسن ہے اور کئی سندوں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے بعض علماء اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے شاید اس لیے کہ واللہ اعلم مسلمان شراب سے سرکہ بنانے کے لیے اپنے گھروں میں نہ رکھنے لگیں بعض اہل علم خود بخود سرکہ بن جانے والی شراب کو رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1283)

شراب کی تلچھٹ پینے میں کراہت کا بیان

قَالَ (وَيُكْرَهُ شُرْبُ دُرْدِيِّ الْخَمْرِ وَالِامْتِشَاطُ بِهِ) ؛ لِأَنَّ فِيهِ أَجْزَاءَ الْخَمْرِ ، وَالِانْتِفَاعُ بِالْمُحَرَّمِ حَرَامٌ ، وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ أَنْ يُدَاوِيَ بِهِ جُرْحًا أَوْ دَبَرَةَ دَابَّةٍ وَلَا أَنْ يَسْقِيَ ذِمِّيًّا وَلَا أَنْ يَسْقِيَ صَبِيًّا لِلتَّدَاوِي ، وَالْوَبَالُ عَلَى مَنْ سَقَاهُ ، وَكَذَا لَا يَسْقِيهَا الدَّوَابَّ وَقِيلَ : لَا تُحْمَلُ الْخَمْرُ إلَيْهَا ، أَمَّا إذَا قِيدَتْ إلَى الْخَمْرِ فَلَا بَأْسَ بِهِ كَمَا فِي الْكَلْبِ وَالْمَيْتَةِ وَلَوْ أُلْقِيَ الدُّرْدِيُّ فِي الْخَلِّ لَا بَأْسَ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ خَلًّا لَكِنْ يُبَاحُ حَمْلُ الْخَلِّ إلَيْهِ لَا عَكْسُهُ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ شراب کی تلچھٹ کو پینا اور اس کے ساتھ کنگھی کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ

تلچھٹ میں خمر کے اجزاء ہیں اور حرام چیز سے فائدہ اٹھانا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں ہے۔ لہذا وہ خمر سے کسی زخم کا علاج، کسی جانور کی پشت پر لگے زخم کا علاج اور نہ کسی ذمی کو پلائے اور نہ ہی دوائی کے طور پر کسی بچے کو پلائے۔ اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی خرابی اسی پر ہوگی۔ جو بندہ اس کو پلائے گا۔ اور اسی طرح وہ جانور کو بھی شراب نہ پلائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جانوروں کے پاس شراب کو اٹھا کر نہ لے جایا جائے مگر جب جانوروں کو ہانک کر شراب کے پاس لایا جائے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔ جس طرح کتے اور مردار کا حکم ہے۔

اور جب سرکہ میں شراب کی تلچھٹ ڈالی گئی ہے تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ تلچھٹ بھی سرکہ ہے اور اس کو سرکہ کی جانب لے جانا مباح ہے جبکہ اس کا برعکس جائز مباح نہ ہوگا۔

شرح

حضرت سعید بن میتب نے فرمایا خمر کو اس وجہ سے خمر کہا جاتا ہے کہ وہ چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ صاف صاف تمام ہو جاتا ہے اور نیچے کی تلچھٹ باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہر ایک قسم کی نبیذ کو مکروہ خیال فرماتے جس میں تلچھٹ شامل کی جائے۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2051)

ابو مسکین سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ شراب یا طلاء کا تلچھٹ پی لیتے ہیں۔ پھر ہم لوگ اس کو صاف کر کے تین دن انگور کو اس میں بھگوئے رکھتے ہیں۔ پھر تین دن کے بعد اس کو صاف کر کے رہنے دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی حد کو پہنچ جائے (یعنی اس میں شدت اور تیزی پیدا ہو جائے)۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا یہ مکروہ ہے۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2054)

طود بن عبدالملک قیسی بصری، وہ اپنے والد سے، ہنیدہ بنت شریک بن ابان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے ملاقات کی خریبہ میں اور میں نے ان سے دریافت کیا شراب کی تلچھٹ سے متعلق تو انہوں نے منع کیا اور فرمایا تم نبیذ کو شام کے وقت بھگو اور تم اس کو صبح کے وقت پی لو اور اس کو تم ڈاٹ لگا دو (یعنی اگر وہ مشک وغیرہ میں ہو) اور مجھ کو منع فرمایا (کدو کے) تو نبے چوبیں روغنی اور لاکھی برتن سے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1946)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچی پکی کھجوریں ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1957)

حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچی اور پکی کھجوریں ملا کر نیز انگور اور کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے اور مٹکوں میں نبیذ تیار کرنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت انس، جابر، ابو قتادہ، ابن عباس، ام سلمہ اور معبد بن کعب سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1958)

تلچھٹ کے شارب پر عدم حد ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يُحَدُّ شَارِبُهُ) أَيْ شَارِبُ الدُّرْدِيِّ (إنْ لَمْ يَسْكَرْ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يُحَدُّ ؛ لِأَنَّهُ شَرِبَ جُزْءًا مِنْ الْخَمْرِ وَلَنَا أَنَّ قَلِيلَهُ لَا يَدْعُو إلَى كَثِيرِهِ لِمَا فِي الطِّبَاعِ مِنْ النَّبْوَةِ عَنْهُ فَكَانَ نَاقِصًا فَأَشْبَهَ غَيْرَ الْخَمْرِ مِنْ الْأَشْرِبَةِ وَلَا حَدَّ فِيهَا إلَّا بِالسُّكْرِ ، وَلِأَنَّ الْغَالِبَ عَلَيْهِ الثُّفْلُ فَصَارَ كَمَا إذَا غَلَبَ عَلَيْهِ الْمَاءُ بِالِامْتِزَاجِ

ترجمہ

اور جب تلچھٹ نشہ آور نہ ہوتو اس کے شارب پر حد جاری نہ ہوگی۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا اس کے شارب پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے شراب کا ایک حصہ پیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے تلچھٹ کا قلیل اس کے کثیر کی جانب لے جانے والا نہیں ہے۔ کیونکہ طبائع میں اس کیلئے نفرت ہے پس یہ ناقص خمر ہوئی اور یہ خمر کے سوا والی اشربہ کے مشابہ بن جائے گی۔ اور دوسری شرابوں میں سکر کے سوا حد نہیں ہے۔ کیونکہ تلچھٹ پر ثقل غالب ہوتی ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا۔ مکس کرنے کے سبب خمر پر پانی غالب آچکا ہے۔

خمر سے حقنہ لینے کی کراہت کا بیان

(وَيُكْرَهُ الِاحْتِقَانُ بِالْخَمْرِ وَإِقْطَارُهَا فِي الْإِحْلِيلِ) ؛ لِأَنَّهُ انْتِفَاعٌ بِالْمُحَرَّمِ وَلَا يَجِبُ الْحَدُّ لِعَدَمِ الشُّرْبِ وَهُوَ السَّبَبُ ، وَلَوْ جُعِلَ الْخَمْرُ فِي مَرَقَةٍ لَا تُؤْكَلُ لِتَنَجُّسِهَا بِهَا وَلَا حَدَّ مَا لَمْ يَسْكَرْ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ أَصَابَهُ الطَّبْخُ وَيُكْرَهُ أَكْلُ خُبْزٍ عُجِنَ عَجِينُهُ بِالْخَمْرِ لِقِيَامِ أَجْزَاءِ الْخَمْرِ فِيهِ

ترجمہ

اور خمر سے حقنہ لینا اور اس کو اپنے آلہ تناسل میں داخل کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حرام چیز سے نفع حرام ہے۔ اور حد واجب نہ ہوگی کیونکہ شراب نہیں ہے۔ جبکہ وجوب حد کا سبب وہی شراب تھی۔ اور شوربے میں خمر کو ڈال دیا جائے تو وہ شوربہ نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ خمر کے سبب وہ شوربہ بھی ناپاک ہو چکا ہے اور جب تک اس سے نشہ نہ آئے حد واجب نہ ہوگی کیونکہ اس کو پکنا بھی پہنچ گیا ہے اور جس روٹی کا آٹا خمر کے ساتھ گوندھا گیا ہے اس کو کھانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں خمر کے اجزاء پائے جا رہے ہیں۔

فَصْلٌ فِي طَبْخِ الْعَصِيْرِ

﴿یہ فصل انگور کے شیرہ کو پکانے کے بیان میں ہے﴾

فصل طبخ عصیر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ یہاں سے انگور سے نچوڑنے سے متعلق مسائل کو بیان کریں گے اور اس کی وہ مقدار سے حلت پر ہو یا حرمت کا سبب بنے اس میں مختلف مسائل کو بیان کریں گے۔ اور اس طرح کے اختلافی مسائل کو مؤخر ذکر کیا جاتا ہے۔

شیرہ انگور کے پک جانے میں اصل کا بیان

وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا ذَهَبَ بِغَلَيَانِهِ بِالنَّارِ وَقَذْفِهِ بِالزَّبَدِ يُجْعَلُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ وَيُعْتَبَرُ ذَهَابُ ثُلُثَيْ مَا بَقِيَ لِيَحِلَّ الثُّلُثُ الْبَاقِي ، بَيَانُهُ عَشَرَةُ دَوَارِقَ مِنْ عَصِيرٍ طُبِخَ فَذَهَبَ دَوْرَقٌ بِالزَّبَدِ يُطْبَخُ الْبَاقِي حَتَّى يَذْهَبَ سِتَّةُ دَوَارِقَ وَيَبْقَى الثُّلُثُ فَيَحِلَّ ؛ لِأَنَّ الَّذِي يَذْهَبُ زَبَدًا هُوَ الْعَصِيرُ أَوْ مَا يُمَازِجُهُ ، وَأَيًّا مَا كَانَ جُعِلَ كَأَنَّ الْعَصِيرَ تِسْعَةُ دَوَارِقَ فَيَكُونُ ثُلُثُهَا ثَلَاثَةً وَأَصْلٌ آخَرُ أَنَّ الْعَصِيرَ إذَا صُبَّ عَلَيْهِ مَاءٌ قَبْلَ الطَّبْخِ ثُمَّ طُبِخَ بِمَائِهِ ، إنْ كَانَ الْمَاءُ أَسْرَعَ ذَهَابًا لِرِقَّتِهِ وَلَطَافَتِهِ يُطْبَخُ الْبَاقِي بَعْدَ مَا ذَهَبَ مِقْدَارُ مَا صُبَّ فِيهِ مِنْ الْمَاءِ حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ ؛ لِأَنَّ الذَّاهِبَ الْأَوَّلَ هُوَ الْمَاءُ وَالثَّانِي الْعَصِيرُ ، فَلَا بُدَّ مِنْ ذَهَابِ ثُلُثَيْ الْعَصِيرِ ،

ترجمہ

قانون یہ ہے کہ جس قدر آگ کی سے جوش مار کر اور جھاگ مار کر ختم ہو جائے وہ کالعدم سمجھی جائے گی۔ بقیہ میں دو ثلث کا اعتبار کیا جائے گا تا کہ ایک تہائی باقی رہ جائے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ دس پیمانے کا شیرہ لگایا گیا ہے اور پکنے کی وجہ سے ایک پیمانہ ختم ہو جائے تو بقیہ اس اتنی دیر تک پکایا جائے چھ پیمانے ختم ہو جائیں اور تین پیمانے باقی رہ جائیں۔ پس وہی تین حلال ہوں گے۔ کیونکہ جب جھاگ بن ختم ہو چکا ہے وہی شیرہ ہے۔ یا پھر اس سے ملنے والی چیز ہے۔ اور وہ جو چیز بھی ہوگی وہی قرار دی جائے

گی۔ کیونکہ نو پیالے شیرہ ہے پس اس کا تہائی تین پر ہوگا۔

اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب عنب کا شیرہ پکانے سے قبل ہی اس میں پانی کو ڈال دیا گیا ہے اور اس کے بعد اس کو پانی کے ساتھ پکایا گیا ہے تو جس وقت پانی اپنی رقت ولطافت کے باعث ختم ہو جائے تو بقیہ ڈالے گئے شیرہ میں پانی کی مقدار کو ختم ہونے کے پکایا جائے گا حتی کہ وہ دو تہائی تک ختم ہو جائے کیونکہ جو اس سے پہلے ختم ہوا ہے وہ پانی ہے جو اس کے بعد ختم ہوا ہے وہ شیرہ ہے پس شیرہ کا دو تہائی ختم ہونا لازم ہے۔

شرح

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نوح اور شیطان کا انگور کے درخت کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ وہ (شیطان) کہنے لگا یہ میرا ہے یہ میرا ہے۔ آخر کار اس بات پر صلح ہوئی کہ شیطان کے دو حصے ہیں اور ایک حصہ نوح کا ہے۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2031)

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نکلے اور کہا میں نے فلانے کے منہ سے شراب کی بو پائی وہ کہتا ہے میں طلا (انگور کے شیرے کو اتنا پکایا جائے کہ وہ گاڑھا ہو جائے مثلا دو ثلث جل جائے ایک ثلث رہ جائے) پی اور میں پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں نشہ ہے تو اس کو حد ماروں گا حضرت عمر نے اس کو پوری حد لگائی۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1498)

حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے دریافت کیا کہ جس شراب میں سے آدھا حصہ جل جائے اس کا پینا درست ہے؟ انہوں نے فرمایا جی نہیں! جس وقت تک کہ اس کے دو حصے نہ جل جائیں اور ایک حصہ بچ جائے۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2027)

حضرت مالک بن ابی مریم، فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن غنم تشریف لائے تو ہم نے آپس میں طلاء (انگور کی شراب کی ایک خاص قسم ہے جسے آگ پر پکایا جاتا ہے) کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری نے بیان کیا ہے کہ انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ ضرور شراب پئیں گے۔ (لیکن اس طرح کہ) اس کا نام کوئی دوسرا رکھ لیں گے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 296)

پانی وشیرہ دونوں کا ایک ساتھ ختم ہونے کا بیان

وَإِنْ كَانَا يَذْهَبَانِ مَعًا تُغْلَى الْجُمْلَةُ حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ وَيَبْقَى ثُلُثُهُ فَيَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ ذَهَبَ الثُّلُثَانِ مَاءً وَعَصِيرًا وَالثُّلُثُ الْبَاقِي مَاءٌ وَعَصِيرٌ فَصَارَ كَمَا إذَا صُبَّ الْمَاءُ فِيهِ بَعْدَ مَا

ذَهَبَ مِنَ الْعَصِيرِ بِالْغَلْيِ ثُلُثَاهُ بَيَانُهُ عَشَرَةُ دَوَارِقَ مِنْ عَصِيرٍ وَعِشْرُونَ دَوْرَقًا مِنْ مَاءٍ فَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ يُطْبَخُ حَتَّى يَبْقَى تُسْعُ الْجُمْلَةِ ؛ لِأَنَّهُ ثُلُثُ الْعَصِيرِ ؛ وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَا الْجُمْلَةِ لِمَا قُلْنَا ، وَالْغَلْيُ بِدَفْعَةٍ أَوْ دَفَعَاتٍ سَوَاءٌ إِذَا حَصَلَ قَبْلَ أَنْ يَصِيرَ مُحَرَّمًا وَلَوْ قُطِعَ عَنْهُ النَّارُ فَغَلَى حَتَّى ذَهَبَ الثُّلُثَانِ يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ أَثَرُ النَّارِ ۔

ترجمہ

اور جب پانی اور شیرہ دونوں ایک ساتھ ختم ہوئے ہیں تو سارے کو جوش دیا جائے گا حتیٰ کہ جب اس سے دوتہائی ختم ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ حلال ہوگا کیونکہ جو دوتہائی ختم ہوا ہے وہ شیرہ اور پانی ہیں اور بقیہ ایک تہائی بھی پانی اور شیرہ ہے۔ پس یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح جوش مارنے کے بعد شیرہ سے دوتہائی ختم ہو جانے کے بعد اس میں پانی ڈالا گیا ہے۔

اور اس مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ دس پیمانے شیرہ ہے اور بیس پیمانے پانی ہے۔تو پہلی صورت میں پکایا جائے حتیٰ کہ سارے کا نواں حصہ باقی بچ جائے کیونکہ شیرہ کا تہائی یہی بنتا ہے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ اتنا پکایا جائے کہ سارے کا دوتہائی ختم ہو جائے اسی دلیل کے سبب سے ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور جوش مارنا خواہ ایک مرتبہ یا متعدد بار ہو یہ برابر ہے جبکہ وہ اس کے حرام ہونے سے قبل حاصل ہو جائے اور جب اس سے آگ ختم ہو چکی ہے اور اس کے بعد اس نے جوش مارا ہے یہاں تک کہ اس سے دوتہائی ختم ہو گیا ہے تو اب وہ حلال ہوگا کیونکہ یہ بھی آگ کا اثر ہے۔

شرح

ابن سیرین، ۔۔۔ بن یزید خطمی سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے تحریر فرمایا بعد حمد وصلوۃ کے معلوم ہوا کہ شراب کو پکانا اس قدر ہے کہ اس میں سے شیطان کے دو حصے چلے جائیں اس لیے کہ دو حصے اس کے ہیں اور ایک حصہ تمہارا ہے۔

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علی لوگوں کو طلاء پلایا کرتے تھے اور وہ اس قدر گاڑھی ہوتی تھی کہ حضرت عمر نے کیسی شراب کو حلال کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا جو دو حصہ جلائی جائے اور ایک حصہ باقی رہ جائے۔

سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت ابودرداء وہ شراب پیا کرتے تھے جس کے دو حصے جل جائیں اور ایک حصہ باقی رہ جائے۔(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2025)

شیرہ کے پکنے میں دوسری اصل کا بیان

وَأَصْلٌ آخَرُ أَنَّ الْعَصِيرَ إِذَا طُبِخَ فَذَهَبَ بَعْضُهُ ثُمَّ أُهْرِيقَ بَعْضُهُ كَمْ تُطْبَخُ الْبَقِيَّةُ حَتَّى يَذْهَبَ الثُّلُثَانِ فَالسَّبِيلُ فِيهِ أَنْ تَأْخُذَ ثُلُثَ الْجَمِيعِ فَتَضْرِبَهُ فِي الْبَاقِي بَعْدَ الْمُنْصَبِّ ثُمَّ

تَقْسِمَهُ عَلَى مَا بَقِيَ بَعْدَ ذَهَابِ مَا ذَهَبَ بِالطَّبْخِ قَبْلَ أَنْ يَنْصَبَّ مِنْهُ شَيْءٌ فَمَا يَخْرُجُ بِالْقِسْمَةِ فَهُوَ حَلَالٌ بَيَانُهُ عَشَرَةُ أَرْطَالِ عَصِيرٍ طُبِخَ حَتَّى ذَهَبَ رِطْلٌ ثُمَّ أُهْرِيقَ مِنْهُ ثَلَاثَةُ أَرْطَالٍ تَأْخُذُ ثُلُثَ الْعَصِيرِ كُلِّهِ وَهُوَ ثَلَاثَةٌ وَثُلُثٌ وَتَضْرِبُهُ فِيمَا بَقِيَ بَعْدَ الْمُنْصَبِّ هُوَ سِتَّةٌ فَيَكُونُ عِشْرِينَ ثُمَّ تَقْسِمُ الْعِشْرِينَ عَلَى مَا بَقِيَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ بِالطَّبْخِ مِنْهُ قَبْلَ أَنْ يَنْصَبَّ مِنْهُ شَيْءٌ وَذَلِكَ تِسْعَةٌ ، فَيَخْرُجُ لِكُلِّ جُزْءٍ مِنْ ذَلِكَ اثْنَانِ وَتُسْعَانِ ، فَعَرَفْت أَنَّ الْحَلَالَ فِيمَا بَقِيَ مِنْهُ رِطْلَانِ وَتُسْعَانِ ، وَعَلَى هَذَا تُخَرَّجُ الْمَسَائِلُ وَلَهَا طَرِيقٌ آخَرُ ، وَفِيمَا اكْتَفَيْنَا بِهِ كِفَايَةٌ وَهِدَايَةٌ إلَى تَخْرِيجِ غَيْرِهَا مِنْ الْمَسَائِلِ .

ترجمہ

اور شیرہ کے پکنے میں دوسری اصل یہ ہے کہ جب شیرہ کو پکایا گیا ہے اور اس کا بعض حصہ ختم ہو گیا ہے اور اس کے بعد اس کا کچھ حصہ گرا دیا گیا ہے تو بقیہ کو جب اس قدر پکایا جائے کہ اس کا دو تہائی ختم ہو جائے تو اس کا طریقے کار یہ ہوگا کہ سارے تہائی کو نکال کر اس کو اسی مقدار کے برابر ضرب دے دو۔ جو مقدار گرائے جانے کے بعد باقی بچ رہی ہے۔ اس کے بعد اسکو بقیہ کے ساتھ تقسیم کر دو اسی مقدار کے ساتھ جو پکانے سے ختم ہوئی ہے۔ جو اس میں سے کچھ بھی گرائے بغیر ہو۔ پس جو تقسیم سے حاصل ہوگا وہی حلال ہوگا۔

اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ دس رطل انگور کے شیرہ کو پکایا گیا ہے حتیٰ کہ اس سے ایک رطل ختم ہو چکا ہے اور اس کے بعد اس میں سے تین رطل گرا دیا گیا ہے۔ تو اب تم پورے شیرہ کا تہائی لے لو اور وہ ایک تہائی ہے اس کے بعد اس کو اس مقدار کے ساتھ ضرب کر دو جو گرنے کے بعد بقیہ بچی ہے۔ اور وہ مقدار چھ رطل ہے۔ پس اس کا حاصل ضرب بیس بنے گا۔ اس کے بعد بیس کو اس مقدار پر تقسیم کر دو جو پکانے کے بعد بچی ہے اور اس میں سے کچھ کرنے سے قبل وہ نو ہے پس ان میں سے ہر ایک کیلئے دو اور دو نو آئیں گے۔ پس اب تم سمجھ لو گے کہ شیرہ میں سے جو دو رطل ہیں اور دو نوے ہیں وہی حلال ہیں۔

اور اسی قانون کے مطابق کئی مسائل کی تخریج کی گئی ہے اور اس کیلئے ایک دوسرا طریقہ بھی ہے اور ہم نے یہی طریقہ کافی سمجھا ہے اور ان کے سوا دوسرے مسائل کی تخریج کی طرف کفایت وہدایت ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ حق کو جاننے والا ہے۔

شرح

عبدالملک بن طفیل جزری نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو تحریر فرمایا تم لوگ طلاء کو نہ پیو جس وقت تک اس کے دو حصے نہ جل جائیں اور ایک حصہ باقی رہ جائے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1905)

عامر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر کی کتاب (تحریر) پڑھی جو کہ انہوں نے حضرت ابوموسی کو تحریر کی تھی (جس کا مضمون یہ تھا) حمد وصلوۃ کے بعد معلوم ہوا کہ میرے پاس ایک قافلہ ملک شام سے آیا۔ اس کے پاس ایک شراب تھی گاڑھی

اور سیاہ رنگ کی۔اس کا رنگ ایسا تھا جیسے اونٹ کو لگانے کا طلاء ہوتا ہے۔میں نے ان سے پوچھا تم اس کو کتنا پکاتے ہو؟ انہوں نے کہا دو حصہ تک دونوں ناپاک حصے اس کے جل گئے ایک شرارت کا اور دوسرا بدبو کا تو تم اپنے ملک کے باشندوں کو اس کے پینے کا حکم دو۔(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2021)

حضرت ابوموسی الاشعری سے روایت ہے کہ وہ طلاء نامی شراب پیا کرتے تھے کہ جس کے دو حصے جل جاتے تھے اور ایک حصہ (باقی) رہ جاتا۔(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2026)

﴿یہ کتاب شکار کے بیان میں ہے﴾

کتاب صید کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شکار اور اشربہ ان دونوں کتابوں کو ایک ساتھ بیان کرنے کی فقہی مناسبت یہ ہے کہ جس طرح انسان اشربہ سے پینے سے مسرور ہوتا ہے اسی طرح شکار کے گوشت سے فائدہ اٹھا کر بھی مسرور ہوتا ہے۔اور اشربہ کو مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں حرمت کا پہلو غالب ہے پس حرام بچنے کیلئے اس کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔اور اس کے بعد کتاب صید کو بیان کیا گیا ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، کتاب صید، حقانیہ ملتان)

کتاب صید کے شرعی مأخذ کا بیان

یہی آیت ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ گو کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو لیکن اگر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے، اس بارے میں علماء کے تین قول ہیں ایک تو وہی جو مذکور ہوا، خواہ جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا ہو یا بھول کر، اس کی دلیل آیت

(فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ) 5۔المائدہ 4:)

ہے یعنی جس شکار کو تمہارے شکاری کتے روک رکھیں تم اسے کھالو اور اللہ کا نام اس پر لو، اس آیت میں اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کھلی نافرمانی ہے یعنی اس کا کھانا یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، احادیث میں بھی شکار کے اور ذبیحہ کے متعلق حکم وارد ہوا ہے آپ فرماتے ہیں جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑے جس جانور کو وہ تیرے لئے پکڑ کر روک لے تو اسے کھا لے اور حدیث میں ہے جو چیز خون بہا دے اور اللہ کا نام بھی اس پر لیا گیا ہو اسے کھا لیا کرو، جنوں سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا تمہارے۔لئے ہر وہ ہڈی غذا ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے، عید کی قربانی کے متعلق آپ کا ارشاد مروی ہے کہ جس نے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا وہ اس کے بدلے دوسرا جانور ذبح کرلے اور جس نے قربانی نہیں کی وہ ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھے پھر اللہ کا نام لے کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرے، چند لوگوں نے حضور سے پوچھا کہ بعض نو مسلم ہمیں گوشت دیتے ہیں کیا خبر انہوں نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام بھی لیا یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا تم ان پر اللہ کا نام لو اور کھالو، الغرض اس

حدیث سے بھی یہ مذہب قوی ہوتا ہے کیونکہ صحابہ نے بھی سمجھا کر بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ لوگ احکام اسلام سے تیح
واقف نہیں ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں کیا خبر اللہ کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں؟ تو حضور نے انہیں بطور مزید احتیاط فرما دیا کہ تم خود
لے لوتا کہ بالفرض انہوں نے نہ بھی لیا ہو تو یہ اس کا بدلہ ہو جائے، ورنہ ہر مسلمان پر ظاہرا حسن ظن ہی ہوگا، دوسرا قول اس
مسئلہ میں یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اگر چھوٹ جائے گو وہ عمداً ہو یا بھول کر، کوئی حرج نہیں۔ اس
آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ فسق ہے اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور ہے جیسے

اور آیت میں ہے

(اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ) 6 ۔ الانعام145:)

بقول عطا ان جانوروں سے روکا گیا ہے جنہیں کفار اپنے معبودوں کے نام ذبح کرتے تھے اور مجوسیوں کے ذبیحہ سے بھی ممکن
کی گئی، اس کا جواب بعض متاخرین نے یہ بھی دیا ہے کہ (وانہ) میں واؤ حالیہ ہے۔ تو فسق فعلیہ حالیہ پر لازم آئے گا، لیکن یہ دلیل اس
کے بعد کے جملے (وان الشیاطین) سے ہی ٹوٹ جاتی ہے اس لئے کہ وہ تو یقیناً عاطفہ جملہ ہے۔ تو جس اگلے واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے اگر
اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملے کا عطف ناجائز ہوگا اور اگر اسے پہلے کے حالیہ جملے پر عطف ڈالا جائے تو جو اعتراض یہ
دوسرے پر وارد کر رہے تھے وہی ان پر پڑے گا ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہٹ سکتا ہے لیکن جوبات اور دعویٰ تھا
وہ سرے سے باطل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ ابن عباس کا قول ہے مراد اس سے مردار جانور ہے جو اپنی موت آپ مر گیا ہو۔ اس
مذہب کی تائید ابوداؤد کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے۔

صید کا معنی واس کے اطلاق کا بیان

قَالَ : الصَّيْدُ الِاصْطِيَادُ ، وَيُطْلَقُ عَلَى مَا يُصَادُ ، وَالْفِعْلُ مُبَاحٌ لِغَيْرِ الْمُحْرِمِ فِي غَيْرِ الْحَرَمِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا) وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ (وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا) وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (إذَا أَرْسَلْت كَلْبَك الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْت اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلْ ، وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ ؛ لِأَنَّهُ إنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ ، وَإِنْ شَارَكَ كَلْبَك كَلْبٌ آخَرُ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّك إنَّمَا سَمَّيْت عَلَى كَلْبِك وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبِ غَيْرِك) وَعَلَى إبَاحَتِهِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ وَلِأَنَّهُ نَوْعُ اكْتِسَابٍ وَانْتِفَاعٍ بِمَا هُوَ مَخْلُوقٌ لِذَلِكَ ، وَفِيهِ اسْتِبْقَاءُ الْمُكَلَّفِ وَتَمْكِينُهُ مِنْ إقَامَةِ التَّكَالِيفِ فَكَانَ مُبَاحًا بِمَنْزِلَةِ الِاحْتِطَابِ ثُمَّ جُمْلَةُ مَا يَحْوِيهِ الْكِتَابُ فَصْلَانِ : أَحَدُهُمَا فِي الصَّيْدِ بِالْجَوَارِحِ وَالثَّانِي فِي الِاصْطِيَادِ بِالرَّمْيِ .

ترجمہ

فرمایا کہ صید مطلب شکار کرنا ہے اور بعض دفعہ اس کا اطلاق اس جانور پر کیا جاتا ہے جو شکار میں آئے۔ محرم کے سوا اور حرم کے سوا شکار کرنا مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب حلال ہو جاؤ تو تم شکار کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلیل ہے کہ جب تک تم حالت احرام میں ہو اس وقت تک تم پر خشکی کا شکار حرام ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی وجہ سے مباح ہوا ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑا اور اس پر اللہ کا نام لیا تو اس کو کھاؤ مگر جب شکار میں سے کچھ کتا کھالے تو پھر اس سے نہ کھاؤ۔ کیونکہ اس نے شکار اپنے لئے روک لیا ہے۔ اور جب تمہارے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا شامل ہو جائے تب بھی اس سے نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اس کے سوا پر نہیں پڑھی۔ اور شکار کے مباح ہونے اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ ایسے جانور سے کھانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی ایک قسم ہے جس کو اللہ نے فائدے کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور اس میں مکلف کو باقی رکھنا اور اس کو تکلیف دینے کی طاقت دینا بھی ہے پس ایندھن کو اکٹھا کرنے کی طرح یہ بھی مباح ہے۔

اور اس کے بعد وہ بحث جس پر یہ کتاب مشتمل ہے اس کی دو فصول ہیں۔ ایک فصل وہ ہے جس میں جوارح کے ذریعے شکار کرنے کا بیان ہے اور دوسری فصل وہ آئے گی جس میں تیر کے ذریعے شکار کرنے کا بیان آئے گا۔

شکاری کتے وغیرہ کے بارے میں شرائط کا بیان

شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور ان شروط سے حلال ہے (۱) شکاری جانور سدھا ہوا ہو (۲) شکار پر چھوڑا جائے (۳) اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً چلا آئے۔ اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب اس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جب اس نے آدمی کی تعلیم سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا" (۴) چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہو گئی۔ (۵) شرط جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور اگرچہ شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے۔ اس کی طرف لفظ "جوارح" اپنے مادہ "جرح" کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر مرا نہ ہوا اور ذبح کر لیا جائے تو وما اکل السبع الا ما ذکیتم کے قاعدہ سے حلال ہو گا۔

بحری شکار کے بارے میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ دریائی شکار سے مراد تازہ پکڑے ہوئے جانور اور طعام سے مراد ہے ان کا جو گوشت سکھا کر

نمکین بطور توشے کے ساتھ رکھا جاتا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ پانی میں سے جو زندہ پکڑا جائے وہ صید یعنی شکار ہے اور جو مردہ ہو کر باہر نکل آئے وہ طعام یعنی کھانا ہے حضرت ابوبکر صدیق حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عمرو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین، حضرت عکرمہ، حضرت ابوسلمہ، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے، خلیفہ بلا فصل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پانی میں جتنے بھی جانور ہیں وہ سب طعام ہیں۔ (ابن ابی حاتم وغیرہ)

آپ نے ایک خطبے میں اس آیت کے اگلے حصے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو چیز سمندر پھینک دے وہ طعام ہے (ابن جریر) ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے ایک روایت میں ہے کہ جو مردہ جانور پانی نکال دے۔ سعید بن مسیب سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ جس زندہ آبی جانور کو پانی کنارے پر ڈال دے یا پانی اس سے ہٹ جائے یا وہ باہر مردہ ملے (ابن ابی حاتم)

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو ہیرہ نے ایک مرتبہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا کہ سمندر نے بہت سی مردہ مچھلیاں کنارے پر پھینک دی ہیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم انہیں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ابن عمر نے جواب دیا نہیں نہ کھاؤ، جب واپس آئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عالی عنہ نے قرآن کریم کھول کر تلاوت کی اور سورہ مائدہ کی اس آیت پر نظر پڑی تو ایک آدمی کو دوڑایا اور کہا جاؤ کہدو کہ وہ اسے کھالیں یہی بحری طعام ہے،

امام ابن جریر کے نزدیک بھی قول مختار یہی ہے کہ مراد طعام سے وہ آبی جانور ہیں جو پانی میں ہی مرجائیں، فرماتے ہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے گو بعض نے اسے موقوف روایت کہا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے آپ نے آیت (أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ) 5۔ المائدہ96:) پڑھ کر فرمایا اس کا طعام وہ ہے جسے وہ پھینک دے اور وہ مرا ہوا ہو۔

بعض لوگوں نے اسے بقول ابو ہریرہ موقوف روایت کیا ہے، پھر فرماتا ہے یہ منفعت ہے تمہارے لئے اور راہ رو مسافروں کے لئے یعنی جو سمندر کے کنارے رہتے ہوں اور جو وہاں وارد ہوئے ہوں، پس کنارے رہنے والے تو تازہ شکار خود کھیلتے ہیں پانی جسے دھکے دے کر باہر پھینک دے اور مرجائے اسے کھالیتے ہیں اور نمکین ہو کر دور دراز والوں کو سوکھا ہوا پہنچتا ہے۔ الغرض جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ پانی کا جانور خواہ مردہ ہی ہو حلال ہے اس کی دلیل علاوہ اس آیت کے امام مالک کی روایت کردہ وہ حدیث بھی ہے کہ حضور نے سمندر کے کنارے پر ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس کا سردار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا، یہ لوگ کوئی تین سو تھے حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں میں بھی ان میں سے تھا ہم ابھی راستے میں ہی تھے جو ہمارے توشے تھے ختم ہو گئے، امیر لشکر کو جب یہ علم ہوا تو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو میرے پاس لاؤ چنانچہ سب جمع کر لیا اب حصہ رسدی کے طور پر ایک مقررہ مقدار ہر ایک کو بانٹ دیتے تھے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ہر دن ایک ایک کھجور ملنے لگی آخر میں یہ بھی ختم ہو گئی۔ اب سمندر کے کنارے پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ کنارے پر ایک بڑی مچھلی ایک ٹیلے کی طرح پڑی ہوئی ہے، سارے لشکر نے اٹھارہ راتوں تک اسے کھایا، وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی دو پسلیاں کھڑی کی گئیں تو اس کے نیچے سے ایک شتر سوار نکل

گیااوراس کاسراس پسلی کی ہڈی تک نہ پہنچا،

یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے ایک اورروایت میں ہے کہ اس کا نام عنبر تھاایک روایت میں ہے کہ یہ مردہ ملی تھی اور صحابہ نے آپس میں کہا تھا کہ ہم رسول اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اوراس وقت سخت وقت اور تکلیف میں ہیں اسے کھالو ہم تین سوآدمی ایک مہینے تک وہیں رہے اوراسی کو کھاتے رہے یہاں تک کہ ہم موٹے تازے اور تیار ہو گئے اس کی آنکھ کے سوراخ میں سے ہم چربی ہاتھوں میں بھر بھر کر نکالتے تھے تیرہ شخص اس کی آنکھ کی گہرائی میں بیٹھ گئے تھے،اس کی پسلی کی ہڈی کے درمیان سے سانڈنی سوار گزر جاتا تھا،ہم نے اس کے گوشت اور چربی سے مشکے بھر لئے جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے اورآپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کی طرف سے روزی تھی جو اللہ جل مجدہ نے تمہیں دی کیا اس کا گوشت اب بھی تمہارے پاس ہے؟اگر ہوتو ہمیں بھی کھلاؤ،ہمارے پاس تو تھا ہی ہم نے حضور کی خدمت میں پیش کیا اور خود آپ نے بھی کھایا،

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ میں خود پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اس وجہ سے بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ دوواقع ہوں اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو ایک ہی ہے،شروع میں اللہ کے نبی بھی ان کے ساتھ تھے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ہم سمندر کے سفر کو جاتے ہیں ہمارے ساتھ پانی بہت کم ہوتا ہے اگراسی سے وضو کرتے ہیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہمیں سمندر کے پانی سے وضو کر لینے کی اجازت ہے؟حضور نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اوراس کا مردہ حلال ہے،

امام شافعی امام احمد اورسنن اربعہ والوں نے اسے روایت کیا ہے امام بخاری امام ترمذی امام ابن خزیمہ امام ابن حبان وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے صحابہ کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کیا ہے،ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے حضرت ابوہیریرہ فرماتے ہیں ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یاعمرے میں تھے اتفاق سے ٹڈیوں کا دل کا دل آپہنچا ہم نے انہیں مارنا اور پکڑنا شروع کیا لیکن پھر خیال آیا کہ ہم تو احرام کی حالت میں ہیں انہیں کیا کریں گے؟چنانچہ ہم نے جاکر حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دریائی جانوروں کے شکار میں کوئی حرج نہیں، اس کا ایک راوی ابوالمہزم ضعیف ہے،واللہ اعلم

ابن ماجہ میں ہے کہ جب ٹڈیاں نکل آتیں اور نقصان پہنچاتیں تو رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ ان سب کو خاہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہلاک کر ان کے انڈے تباہ کر ان کا سلسلہ کاٹ دے اور ہماری معاش سے ان کے منہ بند کردیے یا اللہ ہمیں روزیاں دے یقیناً تو دعاؤں کا سننے والا ہے،حضرت خالد نے کہا یارسول اللہ آپ ان کے سلسلہ کے کٹ جانے کی دعا کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایک قسم کی مخلوق ہے آپ نے فرمایا ان کی پیدائش کی اصل مچھلی سے ہے،حضرت زیاد کا قول ہے کہ جس نے انہیں مچھلی سے ظاہر ہوتے دیکھا تھا خود اسی نے مجھ سے بیان کیا ہے،ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے حرم میں ٹڈی کے شکار سے بھی منع کیا ہے۔

جن فقہا کرام کا یہ مذہب ہے کہ سمندر میں جو کچھ ہے سب حلال ہے ان کا استدلال اسی آیت سے ہے وہ کسی آبی جانور کو حرام نہیں کہتے حضرت ابوبکر صدیق کا وہ قول بیان ہو چکا ہے کہ طعام سے مراد پانی میں رہنے والی ہر ایک چیز ہے، بعض حضرات نے صرف مینڈک کو اس حکم سے الگ کر لیا ہے اور مینڈک کے سوا پانی کے تمام جانوروں کو وہ مباح کہتے ہیں کیونکہ مسند وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کے مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی آواز اللہ کی تسبیح ہے، بعض اور کہتے ہیں سمندر کے شکار سے مچھلی کھائی جائے گی اور مینڈک نہیں کھایا جائے گا اور باقی کی چیزوں میں اختلاف ہے کچھ تو کہتے ہیں کہ باقی سب حلال ہے اور کچھ کہتے ہیں باقی سب نہ کھایا جائے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ خشکی کے جو جانور حلال ہیں ان جیسے جو جانور پانی کے ہوں وہ بھی حلال ہیں اور خشکی کے جو جانور حرام ہیں ان کی مشابہت کے جو جانور تری کے ہوں وہ بھی حرام،

یہ سب وجوہ مذہب شافعی میں ہیں حنفی مذہب یہ ہے کہ سمندر میں مر جائے اس کا کھانا حلال نہیں جیسے کہ خشکی میں از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں کیونکہ قرآن نے اپنی موت آپ مرے ہوئے جانور کو آیت (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۔ الخ) 5 ۔ المائدہ 3:) میں حرام کر دیا ھے اور یہ عام ھے، ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جو تم شکار کر لو اور وہ زندہ ہو پھر مر جائے تو اسے کھالو اور جسے پانی آپ ہی پھینک دے اور وہ مرا ہوا الٹا پڑا ہوا ہو اسے نہ کھاؤ،

لیکن یہ حدیث مسند کی رو سے منکر ہے صحیح نہیں، مالکیوں شافعیوں اور حنبلیوں کی دلیل ایک تو ہی عنبر والی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال کئے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی، یہ حدیث مسند احمد ابن ماجہ دار قطنی اور بیہقی میں بھی ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں اور یہی روایت موقوفاً بھی مروی ہے، واللہ اعلم،

پھر فرماتا ہے کہ تم پر احرام کی حالت میں شکار کھیلنا حرام ہے، پس اگر کسی احرام والے نے شکار کر لیا اور اگر قصداً کیا ہے تو اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا اور گنہگار بھی ہوگا اور اگر خطا اور غلطی سے شکار کر لیا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے خواہ وہ احرام والے ہوں یا نہ ہوں۔ عطا قاسم سالم ابو یوسف محمد بن حسن وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں، پھر اگر اسے کھا لیا تو عطا وغیرہ کا قول ہے کہ اس پر دو کفارے لازم ہیں لیکن امام مالک وغیرہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں کوئی کفارہ نہیں، جمہور بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں، ابو عمر نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح زانی کے کئی زنا پر حد ایک ہی ہوتی ہے،

حضرت ابوحنیفہ کا قول ہے کہ شکار کر کے کھانے والے کو اس کی قیمت بھی دینی پڑے گی، ابو ثور کہتے ہیں کہ محرم نے جب کوئی شکار مارا تو اس پر جزا ہے، ہاں اس شکار کا کھانا اس کیلئے حلال ہے لیکن میں اسے اچھا نہیں سمجھتا، کیونکہ فرمان رسول ہے کہ خشکی کے شکار کو کھانا تمہارے لئے حلال ہے جب تک کہ تم آپ شکار نہ کرو اور جب تک کہ خاص تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے، اس حدیث

کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے، ان کا یہ قول غریب ہے، ہاں شکاری کے سوا اور لوگ بھی اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض تو منع کرتے ہیں جیسے پہلے گزر چکا اور بعض جائز بتاتے ہیں ان کی دلدل وہی حدیث ہے جو اوپر ابوثور کے قول کے بیان میں گزری، واللہ اعلم،

اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا جو احرام باندھے ہوئے نہیں پھر اس نے کسی احرام والے کو وہ جانور ہدیئے میں دیا تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ مطلقا حلال ہے خواہ اسی کی نیت سے شکار کیا ہو خواہ اس کے لئے شکار نہ کیا ہو، حضرت عمر حضرت ابو ہریرہ حضرت زبیر حضرت کعب احبار حضرت مجاہد، حضرت عطا، حضرت سعید بن جبیر اور کوفیوں کا یہی خیال ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ غیر محرم کے شکار کو محرم کھا سکتا ہے؟ تو آپ نے جواز کا فتوی دیا، جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کے خلاف فتوی دیتا تو میں تیری سزا کرتا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی محرم کو اس کا کھانا درست نہیں، ان کی دلیل اس آیت کے کا عموم ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن عمر سے بھی یہی مروی ہے اور بھی صحابہ تابعین اور ائمہ دین اس طرف گئے ہیں۔ تیسری جماعت نے اس کی تفصیل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی غیر محرم نے کسی محرم کے ارادے سے شکار کیا ہے تو اس محرم کو اس کا کھانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے ان کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوا کے میدان میں یا ودان کے میدان میں ایک گورخر شکار کردہ بطور ہدیئے کے دیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا جس سے صحابی رنجیدہ ہوئے، آثار رنج ان کے چہرے پر دیکھ کر رحمتہ للعالمین نے فرمایا اور کچھ خیال نہ کرو ہم نے۔ یہ احرام میں ہونے کے ہی اسے واپس کیا ہے، یہ حدیث بخاری ومسلم میں موجود ہے، تو یہ لوٹانا آپ کا اسی وجہ سے تھا کہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے یہ شکار خاص میرے لئے ہی کیا ہے اور جب شکار محرم کیلئے ہی نہ ہو تو پھر اسے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بھی جبکہ وہ احرام کی حالت میں نہ تھے ایک گورخر شکار کیا صحابہ جو احرام میں تھے انہوں نے اس کے کھانے میں توقف کیا اور حضور سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اسے اشارہ کیا تھا؟ یا اسے کوئی مدد دی تھی؟ سب نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا پھر کھالو اور خود آپ نے بھی کھایا یہ واقعہ بھی بخاری ومسلم میں موجود ہے،

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلی شکار کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اس حالت میں بھی کہ تم احرام میں ہو جب تک کہ خود تم نے شکار نہ کیا ہو اور جب تک کہ خود تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو، ابوداؤد ترمذی نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فصل فی الجوارح

﴿یہ فصل شکاری جانوروں سے شکار کرنے کے بیان میں ہے﴾

فصل جوارح کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے رمی کی فصل پر جوارح کو مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ رمی شکار کا آلہ ہے جبکہ یہاں حیوان ہے اور رمی میں جماد ہے اور فاضل کو مفضول پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب صید، بیروت)

سکھائے گئے کتوں وغیرہ سے شکار کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ الِاصْطِيَادُ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ وَالْفَهْدِ وَالْبَازِي وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : وَكُلُّ شَيْءٍ عَلَّمْته مِنْ ذِي نَابٍ مِنْ السِّبَاعِ وَذِي مِخْلَبٍ مِنْ الطَّيْرِ فَلَا بَأْسَ بِصَيْدِهِ ، وَلَا خَيْرَ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ إلَّا أَنْ تُدْرِكَ ذَكَاتَهُ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنْ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ) وَالْجَوَارِحُ : الْكَوَاسِبُ قَالَ فِي تَأْوِيلِ الْمُكَلِّبِينَ : الْمُسَلِّطِينَ ، فَيَتَنَاوَلُ الْكُلَّ بِعُمُومِهِ ، دَلَّ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ عَدِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَاسْمُ الْكَلْبِ فِي اللُّغَةِ يَقَعُ عَلَى كُلِّ سَبُعٍ حَتَّى الْأَسَدِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ اُسْتُثْنِيَ مِنْ ذَلِكَ الْأَسَدُ وَالدُّبُّ ؛ لِأَنَّهُمَا لَا يَعْمَلَانِ لِغَيْرِهِمَا الْأَسَدُ لِعُلُوِّ هِمَّتِهِ وَالدُّبُّ لِخَسَاسَتِهِ ، وَأَلْحَقَ بِهِمَا بَعْضُهُمْ الْحِدَأَةَ لِخَسَاسَتِهَا ، وَالْخِنْزِيرُ مُسْتَثْنًى ؛ لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ فَلَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ التَّعْلِيمِ ؛ لِأَنَّ مَا تَلَوْنَا مِنْ النَّصِّ يَنْطِقُ بِاشْتِرَاطِ التَّعْلِيمِ وَالْحَدِيثِ بِهِ وَبِالْإِرْسَالِ ، وَلِأَنَّهُ إنَّمَا يَصِيرُ آلَةً بِالتَّعْلِيمِ لِيَكُونَ عَامِلًا لَهُ فَيَتَرَسَّلُ بِإِرْسَالِهِ وَيُمْسِكُهُ عَلَيْهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ سکھایا ہوا کتا، چیتا، باز اور اسی طرح کے سارے سکھائے ہوئے زخمی کرنے والے جانوروں سے شکار کرنا جائز

ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ ہر وہ جانور جس کو تم نے سکھایا ہے اگر چہ وہ دانت والے درندوں سے ہو یا پنجے والے پرندوں سے ہے اس کے ساتھ شکار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کے سوا میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ ہاں البتہ جب تم اس کے ذبح کر پاؤ۔
اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ ''(وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ '' اور ایک توجیہ کے مطابق جوارح کمائی کرنے کے معنی میں ہے۔ اور اسی طرح ''الْمُكَلِّبِينَ : الْمُسَلِّطِينَ '' کے معنی میں بھی ہے پس یہ عموم کے سبب یہ فرمان ہر جارح کو شامل ہو گا۔ اور ہماری روایت کردہ حدیث بھی اسی عموم پر دلالت کرتی ہے جو عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی۔ اور لغوی اعتبار سے بھی ہر درندے کو شامل ہے حتیٰ کہ شیر کو بھی شامل ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں اس عموم سے شیر اور ریچھ کا استثناء کیا ہے کیونکہ یہ دونوں جانور دوسرے کیلئے کام کرنے والے نہیں ہیں۔ شیر اس لئے کہ وہ بلند ہمت ہوتا ہے جبکہ ریچھ کمینہ ہوتا ہے اور بعض لوگوں نے شیر اور ریچھ کے ساتھ چیل کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ وہ بھی کمینی ہوتی ہے۔ جبکہ خنزیر کا استثناء تو ویسے ہی ہے۔ کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ پس اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد ان جانوروں کو سکھانا لازم ہے۔ کیونکہ ہماری تلاوت کردہ نص سکھانے کی شرط پر دلالت کرتی ہے۔ جبکہ ہماری بیان کردہ روایت یہ سکھانے اور بھیجنے دونوں پر دلالت کرنے والی ہے۔ کیونکہ شکاری جانور سکھانے کی وجہ سے شکار کا آلہ بن سکے گا اور اس طرح وہ مالک کیلئے کام کرنے والا بن جائے گا اور وہ چھوٹتے ہی دوڑ لگا دے اور مالک کیلئے شکار کو روک لے۔

شرح

شکاری جانوروں سے مراد کُتے، چیتے، باز، شکرے اور تمام وہ درندے اور پرندے ہیں جن سے انسان شکار کی خدمت لیتا ہے۔ سدھائے ہوئے جانور کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس کا شکار کرتا ہے اسے عام درندوں کی طرح پھاڑ نہیں کھاتا بلکہ اپنے مالک کے لیے پکڑ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام درندوں کا پھاڑا ہوا جانور حرام ہے اور سدھائے ہوئے درندوں کا شکار حلال۔

شکاری جانور کا کچھ شکار کھا لینے پر حرمت وحلت صید میں مذاہب اربعہ

اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر شکاری جانور نے، خواہ وہ درندہ ہو یا پرندہ شکار میں سے کچھ کھا لیا تو وہ حرام ہوگا کیونکہ اس کا کھا لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے شکار کو مالک کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پکڑا۔ یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تب بھی وہ حرام نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر ایک تہائی حصہ بھی وہ کھا لے تو بقیہ دو تہائی حلال ہے، اور اس معاملے میں درندے اور پرندے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ شکاری درندے نے اگر شکار میں سے کھا لیا ہو تو وہ حرام ہوگا، لیکن اگر شکاری پرندے نے کھایا ہو تو حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ شکاری درندے کو ایسی تعلیم دی جا سکتی ہے کہ وہ شکار کو مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے، لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم قبول نہیں کرتا۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شکاری پرندے کا شکار سرے سے جائز ہی نہیں ہے، کیونکہ اسے تعلیم سیبہ بات سکھائی نہیں جاسکتی کہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ مالک کے لیے پکڑ رکھے۔

حلال چیزوں کا طیبات میں داخل ہونے کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طلائی کے دوشخصوں حضرت عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت سعید فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل فرماتے ہیں ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہری سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔

امام مالک سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں فرمایا وطیبات میں داخل نہیں اور تمہارے لئے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سدھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہ تابعین ائمہ وغیرہ کا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ شکاری سدھائے ہوئے کتے، باز، چیتے، شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جاسکتا ہو اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کرلے، ان کے ذریعہ شکار کھیلنا حلال ہے،

لیکن حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں آیت (وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ 5 ۔ المائدہ4:) پڑھا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ابن جریر میں مروی ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو تم ذبح کر کے کھالو ورنہ نہ کھاؤ،

شکاری کتوں کا ایک حکم ہونے میں مذاہب اربعہ

لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو، اس کا اور شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے، ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے، امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا "جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھالے" امام احمد نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کرلیا ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے،

کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں، گدھا، عورت اور سیاہ

کتا۔اس پر حضرت ابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا" شیطان ہے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔

شکاری حیوانات کو جوارح اس لئے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو، جیسے عرب کہتے ہیں (فلان جرح اہلہ خیرا) یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کیلئے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں (فلان لا جارح لہ فلاں) شخص کا کوئی کماؤ نہیں، قرآن میں بھی لفظ جرح کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے فرمان ہے آیت (وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ) 6۔الانعام 60:) یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اور اسے بھی اللہ جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آ کر آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس امت کے قتل کا حکم آپ نے دیا ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ خاموش رہے اس پر یہ آیت اتری۔پس آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بسم اللہ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑ لے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھا لے۔

ابن جریر میں ہے "جبرائیل نے حضور سے اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپ نے فرمایا اے قاصد رب ہم تو تمہیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا! ہم اس گھر میں نہیں جاتے، جس میں کتا ہو، اس پر آپ نے حضرت رافع کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں،

ابو رافع فرماتے ہیں، میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا، ایک بڑھیا کے پاس کتا تھا، جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا، مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑو، میں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا، اب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے، ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت (یسألونک) الخ، نازل ہوئی۔

حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے۔حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں، زہری ربیعہ اور مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے، اسی کی طرف امام شافعی اپنے پہلے قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔حضرت سلمان فارسی سے ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھا لیا ہو تو جو باقی ہو اسے وہ کھا سکتا ہے۔

اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریر نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمان سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان کا قول نقل کرتے ہیں یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں، ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابو ثعلبہ نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے، اس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگر چہ کتے نے کھالیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو، انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے، پوچھا اگر وہ زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا بلکہ گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو، انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا تم انہیں دھوڈالو پھر ان میں کھاپی سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں سے کھا بھی لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے تو اسے کھالے،

حضرت عدی نے پوچھا اگر چہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو فرمایا ہاں پھر بھی، ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھالیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدی والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابوثعلبہ والی حدیث میں۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح حدیثیں بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ استاذ ابوالمعالی جوینی نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس بارہ میں یہ وضاحت کرے تو الحمد للہ یہ وضاحت لوگوں نے کرلی۔

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدی کی حدیث میں ہے، اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر پرند اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مار سے نہیں پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو کھالے۔

ابراہیم نخعی، شعبی، حماد بن سلیمان یہی کہتے ہیں ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو شکاری جانور یا شکار حاصل کرنے والے خود شکار کرنے والے اور سدھائے ہوئے تمہارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام لے لیا ہو اسے تم کھالو۔ پھر فرمایا جسے کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے میں نے کہا گو اسے مار ڈالا ہو فرمایا گو مار ڈالا ہو لیکن یہ شرط ہے کہ کھایا نہ ہو میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں؟ تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے بھی شکار کیا کرتے

ہیں اس میں سے کونسا حلال ہے؟ فرمایا جو تیر زخمی کرے اور تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہوا سے کھالے، وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتائی اور باز میں نہیں بتائی، پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا واللہ اعلم۔

تین دفعہ کھانے سے رک جانے پر کتے کی تعلیم کا بیان

قَالَ (تَعْلِيمُ الْكَلْبِ أَنْ يَتْرُكَ الْأَكْلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، وَتَعْلِيمُ الْبَازِي أَنْ يَرْجِعَ وَيُجِيبَ إذَا دَعَوْتَهُ) وَهُوَ مَأْثُورٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، وَلِأَنَّ بَدَنَ الْبَازِيِّ لَا يَحْتَمِلُ الضَّرْبَ ، وَبَدَنُ الْكَلْبِ يَحْتَمِلُهُ فَيُضْرَبُ لِيَتْرُكَهُ ، وَلِأَنَّ آيَةَ التَّعْلِيمِ تَرْكُ مَا هُوَ مَأْلُوفٌ عَادَةً ، وَالْبَازِيُّ مُتَوَحِّشٌ مُتَنَفِّرٌ فَكَانَتْ الْإِجَابَةُ آيَةَ تَعْلِيمِهِ وَأَمَّا الْكَلْبُ فَهُوَ مَأْلُوفٌ يَعْتَادُ الِانْتِهَابَ فَكَانَ آيَةُ تَعْلِيمِهِ تَرْكَ مَأْلُوفِهِ وَهُوَ الْأَكْلُ وَالِاسْتِلَابُ ثُمَّ شَرَطَ تَرْكَ الْأَكْلِ ثَلَاثًا وَهَذَا عِنْدَهُمَا وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ فِيمَا دُونَهُ مَزِيدَ الِاحْتِمَالِ فَلَعَلَّهُ تَرَكَهُ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ شِبَعًا ، فَإِذَا تَرَكَهُ ثَلَاثًا دَلَّ عَلَى أَنَّهُ صَارَ عَادَةً لَهُ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الثَّلَاثَ مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِلِاخْتِبَارِ وَإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ كَمَا فِي مُدَّةِ الْخِيَارِ وَفِي بَعْضِ قَصَصِ الْأَخْيَارِ : وَلِأَنَّ الْكَثِيرَ هُوَ الَّذِي يَقَعُ أَمَارَةً عَلَى الْعِلْمِ دُونَ الْقَلِيلِ ، وَالْجَمْعُ هُوَ الْكَثِيرُ وَأَدْنَاهُ الثَّلَاثُ فَقُدِّرَ بِهَا وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ : لَا يَثْبُتُ التَّعْلِيمُ مَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى ظَنِّ الصَّائِدِ أَنَّهُ مُعَلَّمٌ ، وَلَا يُقَدَّرُ بِالثَّلَاثِ ؛ لِأَنَّ الْمَقَادِيرَ لَا تُعْرَفُ اجْتِهَادًا بَلْ نَصًّا وَسَمَاعًا وَلَا سَمْعَ فَيُفَوَّضُ إلَى رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ كَمَا هُوَ أَصْلُهُ فِي جِنْسِهَا وَعَلَى الرِّوَايَةِ الْأُولَى عِنْدَهُ يَحِلُّ مَا اصْطَادَهُ ثَالِثًا وَعِنْدَهُمَا لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ إنَّمَا يَصِيرُ مُعَلَّمًا بَعْدَ تَمَامِ الثَّلَاثِ وَقَبْلَ التَّعْلِيمِ غَيْرُ مُعَلَّمٍ ، فَكَانَ الثَّالِثُ صَيْدَ كَلْبٍ جَاهِلٍ وَصَارَ كَالتَّصَرُّفِ الْمُبَاشِرِ فِي سُكُوتِ الْمَوْلَى وَلَهُ أَنَّهُ آيَةُ تَعْلِيمِهِ عِنْدَهُ فَكَانَ هَذَا صَيْدَ جَارِحَةٍ مُعَلَّمَةٍ ، بِخِلَافِ تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ ؛ لِأَنَّ الْإِذْنَ إعْلَامٌ وَلَا يَتَحَقَّقُ دُونَ عِلْمِ الْعَبْدِ وَذَلِكَ بَعْدَ الْمُبَاشَرَةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ کتے کا تعلیم کا اعتبار اس وقت کر لیا جائے گا کہ جب وہ تین دفعہ کھانے سے رک جائے اور باز جب واپس لوٹ آئے

اور جب اس کو بلاؤ تو وہ تم کو جواب دے۔اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔کیونکہ باز کا بدن ضرب کا احتمال رکھنے والا نہیں ہے جبکہ کتے کا بدن ضرب کا احتمال رکھنے والا ہے۔پس کتے کو مارا جائے گا تا کہ وہ کھانا ترک کر دے اور اس کے معلم ہونے کی علامت ترک طعام ہے حالانکہ وہ اس کی عادت میں رغبت دینے والا ہے۔پس اس کا معلم ہونا اس کی پسندیدہ غذا کو چھوڑ دینا ہے۔اور وہ کھانا اور اچک لینا ہے۔

صاحبین کے نزدیک تین مرتبہ چھوڑنے کی شرط ہے امام قدوری علیہ الرحمہ اسی لئے بیان کی ہے اور ایک روایت کے مطابق امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہی شرط ہے۔کیونکہ اس سے تھوڑے میں زیادہ احتمال ہوگا۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے پیٹ بھرا ہونے کے سبب ایک یا دو دفعہ چھوڑ دیا ہو۔لیکن جب اس نے اس کو تین مرتبہ ترک کیا ہے تو اب یہ بات کی دلیل بن جائے گی کہ چھوڑنا اس کی عادت بن چکی ہے۔اور اس کی یہ بھی دلیل ہے کہ تین ایک ایسی مدت ہے جس آزمانے اور عذروں کو جاننے کیلئے بنائی گئی ہے جس طرح یہ شرط مدت خیار اور دوسرے کئی واقعات میں پائی جاتی ہے۔اور یہ بھی دلیل ہے کہ کثیر وہی مدت بن سکتی ہے جو علم نشانی ہے جبکہ قلیل نہیں۔اور کثیر جمع ہے جس کی کم از کم مقدار تین ہے۔پس علم کو بھی تین کے ساتھ معین کر دیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس وقت تک تعلیم ثابت نہ ہوگی جب تک شکاری کا غالب گمان نہ ہو کہ تعلیم یافتہ ہے اور مبسوط میں امام صاحب سے یہی روایت کیا گیا ہے۔کیونکہ مقادیر اجتہاد سے نہیں بلکہ نص اور سماع سے معلوم ہوتی ہیں۔ (قاعدہ فقہیہ) اور یہاں کسی قسم کا کوئی سماع نہیں ہے پس اس کو ابتلائے رائے پر چھوڑ دیا جائے گا جس طرح اس قسم کے مسائل میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اصول ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلی روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ کتے جو شکار تیسری مرتبہ کیا ہے وہ حلال ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ حلال نہیں ہے۔کیونکہ تین بار مکمل ہونے کے بعد کتا تعلیم یافتہ بنے گا۔اور تعلیم پانے سے قبل وہ غیر تعلیم یافتہ ہے۔ پس تیسرا شکار بھی جاہل کتے کا ہوگا۔اور یہ ایسے تصرف کی طرح ہوگا جو آقا کی خاموشی کے وقت کیا گیا ہو۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ تیسری بار کتے کا نہ کھانا یہ اس کی تعلیم کی نشانی ہے پس تیسرا شکار سکھائے ہوئے کتے کے شکار کی طرح ہوگا۔بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب اجازت اطلاع ہے اور وہ اطلاع غلام کے جاننے کے سوا ثابت نہ ہوگی۔اور غلام کی اطلاع مباشرت کے بعد میں ہے۔

شرح

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابو رافع آس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسئلہ دریافت کرنیوالوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدی حضرت سعید بن خیثمہ حضرت عمویمر بن ساعدرہ۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے (مکلبین) کا لفظ ممکن ہے کہ (علمتم) کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جوارح یعنی مقتول کا حاصل ہو۔یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اور حالانکہ وہ

شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں، اس سے بھی یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہوگا جیسے کہ امام شافعی کے دونوں قولوں میں سے ایک قول ہے۔

اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لئے فرمایا تم نے انہیں اس سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ نے تمہیں لکھا رکھا ہے "یعنی جب تم چھوڑو، جائے، جب تم روک لو رک جائے اور شکار پکڑ کر تمہارے لئے روک رکھے۔ تاکہ تم جا کر اسے لے لو، اس نے خود اپنے لئے اسے شکار نہ کیا ہو، اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھایا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کیلئے شکار کیا ہو اور اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کیلئے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو، اس پر اجماع ہے۔ اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں تو آپ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھا لے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملا ہو اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہے دوسرے کو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا میں نے کہا کہ میں نوکدار لکڑی سے شکار کھیلتا ہوں فرمایا اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھا لے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے، دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام پڑھ لیا کر پھر وہ شکار کو تیرے لئے پکڑ رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو تو اسے بھی کھا سکتا ہے اس لئے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "اگر اس نے کھا لیا ہو تو پھر اسے نہ کھا، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کیلئے شکار نہ پکڑا ہو؟" یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعی کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھا لے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے۔

سلمان فارسی فرماتے ہیں تو کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے تہائی حصہ کھا لیا ہو، حضرت سعید بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ گو ایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو پھر بھی کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے، حضرت ابو ہریرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں جب بسم اللہ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہے تو اسے کھا لے کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو، یہی مروی ہے

شکاری جانور پر تسمیہ کہنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا أَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ أَوْ بَازِيَهُ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى عِنْدَ إرْسَالِهِ فَأَخَذَ الصَّيْدَ وَجَرَحَهُ فَمَاتَ حَلَّ أَكْلُهُ) لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ عَدِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَلِأَنَّ الْكَلْبَ أَوْ

الْبَازِی آلَةٌ ، وَالذَّبْحُ لَا يَحْصُلُ بِمُجَرَّدِ الْآلَةِ إِلَّا بِالِاسْتِعْمَالِ وَذَلِكَ فِيهِمَا بِالْإِرْسَالِ فَنَزَلَ مَنْزِلَةَ الرَّمْيِ وَإِمْرَارِ السِّكِّينِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّسْمِيَةِ عِنْدَهُ وَلَوْ تَرَكَهُ نَاسِيًا حَلَّ أَيْضًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَحُرْمَةُ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا فِي الذَّبَائِحِ وَلَا بُدَّ مِنَ الْجُرْحِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِيَتَحَقَّقَ الذَّكَاةُ الِاضْطِرَارِيُّ وَهُوَ الْجُرْحُ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ مِنَ الْبَدَنِ بِانْتِسَابِ مَا وُجِدَ مِنَ الْآلَةِ إِلَيْهِ بِالِاسْتِعْمَالِ وَفِي ظَاهِرِ قَوْله تَعَالَى (وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ) مَا يُشِيرُ إِلَى اشْتِرَاطِ الْجُرْحِ ؛ إِذْ هُوَ مِنَ الْجُرْحِ بِمَعْنَى الْجِرَاحَةِ فِي تَأْوِيلٍ فَيُحْمَلُ عَلَى الْجَارِحِ الْكَاسِبِ بِنَابِهِ وَمِخْلَبِهِ وَلَا تَنَافِيَ ، وَفِيهِ أَخْذٌ بِالْيَقِينِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَشْتَرِطُ رُجُوعًا إِلَى التَّأْوِيلِ الْأَوَّلِ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے سکھائے ہوئے کتے کو یا باز کو چھوڑا اور اس کو چھوڑتے وقت اس نے اللہ کا نام لیا ہے اور اس کے بعد اس نے شکار کر پکڑ کر اس کو زخمی کر دیا ہے جس سے وہ شکار مر گیا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ یہ حکم حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث کے سبب سے ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ کتا اور باز یہ آلہ ہیں اور استعمال کرنے کے سوا آلہ محض ذبح سے حاصل نہ ہوگا اور ان دونوں استعمال ان کو چھوڑنا ہے پس جب ارسال کو تیر چلانے یا چھری چلانے کے حکم میں لیا جائے تو بھی ارسال کے وقت تسمیہ لازم ہوگا۔

اور جب کوئی شخص تسمیہ کہنا بھول گیا ہے اور جانور کو چھوڑ دیا ہے تو بھی شکار حلال ہے اسی وضاحت کے مطابق جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور جان بوجھ کر چھوڑنے کی حرمت کو بھی ہم کتاب ذبائح میں بیان کر آئے ہیں۔

اور ظاہر الروایت کے مطابق شکار کو زخمی کرنا لازم ہے کیونکہ ذبح اضطراری ثابت ہو جائے۔ اور وہ زخمی کرنا ہے۔ اگر چہ وہ بدن کے کسی بھی حصے سے ہو۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ جو آلہ موجود ہے۔ وہ استعمال کی صورت میں شکاری کی جانب منسوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ" کے مطابق وہ چیز ظاہر ہے جس کا اشارہ زخمی کرنے کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ جرح سے مشتق ہے جو ایک توجیہ کے مطابق جراحت کے حکم میں ہے پس اس پر جارح کو محمول کیا جائے گا۔ جو اپنے دانت اور پنجے سے کمائی کرنے والا ہے۔ اور ان دونوں کو جمع کرنے میں کوئی فرق نہ پڑے گا اور اس میں یقین پر عمل کرنا ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے کہ زخمی کرنا یہ شرط نہیں ہے انہوں نے پہلی توجیہ کی جانب رجوع کیا ہے اور اس کا جواب ہم بیان کر آئے ہیں۔

شکاری جانور کو چھوڑتے وقت تسمیہ کہنے پر جمہور کا مذہب

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدی اور حضرت ابوثعلبہ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمد وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کیلئے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔

جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے، ابن عباس سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بسم اللہ کہہ لے ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابوسلمہ کے ربیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا لوگ ہمارے پاس جو لوگ گوشت لاتے ہیں وہ نومسلم ہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں آپ نے فرمایا تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھالو۔

مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر دو لقمے اس میں سے اٹھائے آپ نے فرمایا اگر یہ بسم اللہ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہوجاتا تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آجائے کہدے دعا (بسم اللہ اولہ واخرہ) یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔ دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ جابر بن صبیح فرماتے ہیں۔ حضرت مثنی بن عبدالرحمٰن خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا ان کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت دعا (بسم اللہ اولہ اخرہ) کہہ لیا کرتے اور مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ خالد بن امیہ بن مخشی صحابی کا فرمان ہے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ کھانا کھاتا رہتا ہے جس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو جب کھانے والا اللہ کا نام یاد کرتا ہے تو اسے قے ہوجاتی ہے اور جتنا اس نے کھایا ہے سب نکل جاتا ہے (مسند احمد وغیرہ)

اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ کہتے ہیں لیکن ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں یہ دلیل لینے کے قابل راوی نہیں۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھارہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی، جیسے کوئی اسے دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کرلیتا ہے وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تا کہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اعرابی کے ساتھ میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے

(مسند، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

مسلم، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کرلیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اسے شیطانو نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ اس کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ مسند، ابوداود اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں اللہ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

شکار میں سے کتے یا چیتے کا کھا لینے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْكَلْبُ أَوْ الفَهْدُ لَمْ يُؤْكَلْ وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْبَازِي أُكِلَ) وَالْفَرْقُ مَا بَيَّنَّاهُ فِي دَلَالَةِ التَّعْلِيمِ وَهُوَ مُؤَيَّدٌ بِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ عَدِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ فِي قَوْلِهِ الْقَدِيمِ فِي إبَاحَةِ مَا أَكَلَ الْكَلْبُ مِنْهُ (وَلَوْ أَنَّهُ صَادَ صُيُودًا وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ أَكَلَ مِنْ صَيْدٍ لَا يُؤْكَلُ هَذَا الصَّيْدُ) ؛ لِأَنَّهُ عَلَامَةُ الْجَهْلِ ، وَلَا مَا يَصِيدُهُ بَعْدَهُ حَتَّى يَصِيرَ مُعَلَّمًا عَلَى اخْتِلَافِ الرِّوَايَاتِ كَمَا بَيَّنَّاهَا فِي الِابْتِدَاءِ وَأَمَّا الصُّيُودُ الَّتِي أَخَذَهَا مِنْ قَبْلُ فَمَا أَكَلَ مِنْهَا لَا تَظْهَرُ الْحُرْمَةُ فِيهِ لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ وَمَا لَيْسَ بِمُحْرَزٍ بِأَنْ كَانَ فِي الْمَفَازَةِ بِأَنْ لَمْ يَظْفَرْ صَاحِبُهُ بَعْدَ تَثْبُتِ الْحُرْمَةِ فِيهِ بِالِاتِّفَاقِ ، وَمَا هُوَ مُحْرَزٌ فِي بَيْتِهِ يَحْرُمُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا هُمَا يَقُولَانِ : إنَّ الْأَكْلَ لَيْسَ يَدُلُّ عَلَى الْجَهْلِ فِيمَا تَقَدَّمَ ؛ لِأَنَّ الْحِرْفَةَ قَدْ تُنْسَى ، وَلِأَنَّ فِيمَا أَحْرَزَهُ قَدْ أَمْضَى الْحُكْمَ فِيهِ الِاجْتِهَادُ فَلَا يُنْقَضُ بِاجْتِهَادٍ مِثْلِهِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ قَدْ حَصَلَ بِالْأَوَّلِ ، بِخِلَافِ غَيْرِ الْمُحْرَزِ ؛ لِأَنَّهُ مَا حَصَلَ الْمَقْصُودُ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِبَقَائِهِ صَيْدًا مِنْ وَجْهٍ لِعَدَمِ الْإِحْرَازِ فَحَرَّمْنَاهُ احْتِيَاطًا وَلَهُ أَنَّهُ آيَةُ جَهْلِهِ مِنْ الِابْتِدَاءِ ؛ لِأَنَّ الْحِرْفَةَ لَا يُنْسَى أَصْلُهَا ، فَإِذَا أَكَلَ تَبَيَّنَ أَنَّهُ كَانَ تَرَكَ الْأَكْلَ لِلشِّبَعِ لَا لِلْعِلْمِ ، وَتَبَدَّلَ الِاجْتِهَادُ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ ؛ لِأَنَّهُ بِالْأَكْلِ فَصَارَ كَتَبَدُّلِ اجْتِهَادِ الْقَاضِي قَبْلَ الْقَضَاءِ

ترجمہ

فرمایا کہ جب اس شکار میں سے کتے نے یا چیتے نے کچھ کھالیا ہے تو وہ شکار نہ کھایا جائے۔ اور جب اس میں باز نے کچھ کھالیا ہے تو اس کو کھایا جائے گا۔ اور اس میں فرق کا سبب وہی ہے جس کو تعلیم کی دلالت میں بیان کر آئے ہیں۔ اور اس کی تائید اس حدیث

سے بھی ہوتی ہے جس کو عدی بن حاتم نے روایت کیا ہے۔اور یہی امام مالک علیہ الرحمہ کے خلاف دلیل ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے قدیمی قول کے مطابق ان کے خلاف بھی یہی دلیل ہے۔اور اسی طرح اس شکار کو مباح قرار دینے میں بھی دلیل ہے جس کو کتے نے کھایا ہو۔

اور جب کتے نے کئی شکار کر ڈالے ہیں تو ان کو کھایا نہیں اور اس کے بعد اس نے ان میں سے ایک شکار کو کھالیا ہے تو یہ شکار نہیں کھائے جائیں گے۔ کیونکہ کھالینا یہ جہالت کی نشانی ہے۔اور اس کے بعد شکار کیا ہوا جانور بھی نہیں کھایا جائے گا۔حتیٰ کہ اختلافی روایات کے مطابق جب وہ تعلیم یافتہ بن جائے۔جس طرح ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں۔

صاحبین نے کہا ہے کہ جو شکار وہ پہلے کر چکا ہے اس کا کھالینا یہ جہالت پر دلالت کرنے والا نہیں ہے کیونکہ بعض دفعہ پیشہ بھی بھول جاتا ہے۔ کیونکہ جو شکار شکاری حفاظت میں لے لیا ہے اور اس میں اجتہاد کے سبب حلت کا حکم نافذ ہو چکا ہے۔ پس اسی جیسے اجتہاد سے حکم کو توڑا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ پہلے کا مقصد حاصل ہو چکا ہے۔ جبکہ غیر محفوظ میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں ایک طرح سے مقصد حاصل نہیں ہوا۔ پس عدم محافظت کے سبب وہ ایک طرح شکار باقی ہے پس احتیاط کے پیش نظر ہم نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ کھالینا یہ ابتدائی طور پر جہالت کی نشانی ہے۔ کیونکہ حرفت میں اصل چیز کو نہیں بھلایا جاتا۔ پس جب اس نے کھایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نہ کھانا پیٹ بھرا ہونے کے سبب سے تھا۔ جبکہ علم کے سبب سے نہ تھا۔ اور یہاں اجتہاد کو تبدیل کرنا یہ حصول مقصود سے قبل ہے۔ اور وہ کھانے کے سبب سے ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح قضاء سے پہلے قاضی نے اجتہاد کو تبدیل کر دیا ہے۔

شرح

ہر درندہ جانور سے شکار کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ نجس العین نہ ہو اور اُس میں تعلیم کی قابلیت ہو اور اُسے سکھا بھی لیا ہو۔ درندہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) چوپایہ جیسے کتا وغیرہ جس میں کیلا ہوتا ہے،(۲) پنجہ والا پرند جیسے باز، شکرا وغیرہ۔ جس درندہ میں قابلیت تعلیم نہ ہو اس کا شکار حلال نہیں مگر اس صورت میں کہ شکار پکڑ کر ذبح کرلیا جائے لہٰذا شیر اور ریچھ سے شکار حلال نہیں کہ ان دونوں میں تعلیم کی قابلیت ہی نہیں۔ شیر اپنی علو ہمت اور ریچھ اپنی دنات اور خساست کی وجہ سے تعلیم کی قابلیت نہیں رکھتے، بعض فقہا نے چیل کو بھی قابل تعلیم نہیں مانا ہے کہ یہ بھی اپنی خساست کی وجہ سے تعلیم نہیں حاصل کرتی۔ (درمختار)

کتا چیتا وغیرہ چوپایہ کے معلّم ہونے کی علامت یہ ہے کہ پے در پے تین مرتبہ ایسا ہو کہ شکار کو پکڑے اور اُس میں سے نہ کھائے تو معلوم ہو گیا کہ یہ سیکھ گیا اب اس کے بعد جو شکار کریگا اور وہ مر بھی جائے تو اُس کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ دیگر شرائط بھی پائے جائیں کہ اس کا پکڑنا ہی ذبح کے قائم مقام ہے اور شکرا باز وغیرہ شکاری پرند کے معلم ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اُسے شکار پر چھوڑا اس کے بعد واپس بلالیا تو واپس آجائے اگر واپس نہ آیا تو معلوم ہوا کہ ابھی تمہارے قابو میں نہیں ہے معلم نہیں ہوا۔

شکار اُس وحشی جانور کو کہتے ہیں جو آدمیوں سے بھاگتا ہو اور بغیر حیلہ نہ پکڑا جاسکتا ہو اور کبھی فعل یعنی اس جانور کے پکڑنے کو بھی شکار کہتے ہیں۔ حرام وحلال دونوں قسم کے جانور کو شکار کہتے ہیں شکار سے جانور حلال ہونے کے لیے پندرہ شرطیں ہیں۔ پانچ شکار کرنے والے میں اور پانچ کتے میں اور پانچ شکار ہیں۔ شکاری ان میں سے ہو جن کا ذبیحہ جائز ہوتا ہے۔ اُس نے کتے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا ہو۔ چھوڑنے میں ایسے شخص کی شرکت نہ ہو جس کا شکار حرام ہو۔ بسم اللہ قصداً ترک نہ کی ہو۔ چھوڑنے اور پکڑنے کے درمیان کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔ کتا معلّم (سکھایا ہوا) ہو۔ جدھر چھوڑا گیا ہو اُدھر ہی جائے۔ شکار پکڑنے میں ایسا کتا شریک نہ ہوا ہو جس کا شکار حرام ہے۔ شکار کو زخمی کر کے قتل کرے۔ اُس میں سے کچھ نہ کھائے۔ شکار حشرات الارض میں سے نہ ہو۔ پانی کا جانور ہو تو مچھلی ہی ہو۔ بازوؤں یا پاؤں سے اپنے آپ کو شکار سے بچائے۔ نوکیلے یا پنجہ والا جانور نہ ہو۔ شکاری کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی مرجائے۔ یعنی ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔ یہ شرائط اُس جانور کے متعلق ہیں جو مرگیا ہو اور اس کا کھانا حلال ہو۔ (بہار شریعت، کتاب صید، شبیر برادرز، لاہور)

بھاگنے والے شکرے کے شکار کا بیان

(وَلَوْ أَنَّ صَقْرًا فَرَّ مِنْ صَاحِبِهِ فَمَكَثَ حِينًا ثُمَّ صَادَ لَا يُؤْكَلُ صَيْدُهُ) ؛ لِأَنَّهُ تَرَكَ مَا صَارَ بِهِ عَالِمًا فَيُحْكَمُ بِجَهْلِهِ كَالْكَلْبِ إذَا أَكَلَ مِنْ الصَّيْدِ

(وَلَوْ شَرِبَ الْكَلْبُ مِنْ دَمِ الصَّيْدِ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ أُكِلَ) ؛ لِأَنَّهُ مُمْسِكٌ لِلصَّيْدِ عَلَيْهِ ، وَهَذَا مِنْ غَايَةِ عِلْمِهِ حَيْثُ شَرِبَ مَا لَا يَصْلُحُ لِصَاحِبِهِ وَأَمْسَكَ عَلَيْهِ مَا يَصْلُحُ لَهُ

ترجمہ

اور جب شکرہ مالک کے ہاں سے بھاگ گیا اور اس کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر اس نے شکار کیا ہے وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسی چیز کو ترک کیا ہے جو اس کو سکھائی گئی تھی۔ پس اس کے جاہل ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور یہ اسی طرح ہو گا جس طرح کتا شکار میں سے کھالے۔

اور جب کتے نے شکار کے خون کو پی لیا ہے لیکن اس نے شکار میں سے کچھ نہ کھایا تو ایسے شکار کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس شکار کو مالک کی خاطر روکنے والا ہے۔ اور یہ اس کتے کے علم والا ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کو پیا ہے جس اس کے مالک کے کام کی نہیں ہے۔ اور جو چیز اس کے مالک کے کام کی ہے اس کو اس نے چھوڑ دیا ہے۔

شرح

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز وہ تمہارے لیے پکڑ رکھے اسے کھالو۔ اس حدیث کو ہم صرف مجالد کی روایت سے جانتے ہیں اور وہ شعبی سے نقل

کرتے ہیں۔اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔وہ کہتے ہیں کہ باز اور صقور (شکرے) کے شکار میں کوئی حرج نہیں۔مجالد کہتے ہیں کہ باز، وہ پرندہ ہے جو شکار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔یہ ان جوارح میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جن جوارح کو تم سکھاؤ اس سے مراد وہ کتے اور پرندے ہیں جن سے شکار کیا جاتا ہے۔بعض اہل علم نے شکار کردہ جانور میں سے کچھ کھا جانے کی صورت میں بھی باز کا شکار جائز رکھا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ باز کا سکھانا یہ ہے کہ وہ حکم کی تعمیل کرے۔بعض اہل علم نے اس صورت میں شکار کو مکروہ کہا ہے اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ باز کا شکار کھائے۔اگر چہ باز اس میں سے کچھ کھا بھی جائے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1510)

شکار میں سے شکار کے بعد کچھ حصہ کتے کا ڈالنے کا بیان

(وَلَوْ أَخَذَ الصَّيْدَ مِنْ الْمُعَلَّمِ ثُمَّ قَطَعَ مِنْهُ قِطْعَةً وَأَلْقَاهَا إلَيْهِ فَأَكَلَهَا يُؤْكَلُ مَا بَقِيَ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ صَيْدًا فَصَارَ كَمَا إذَا أَلْقَى إلَيْهِ طَعَامًا غَيْرَهُ ، وَكَذَا إذَا وَثَبَ الْكَلْبُ فَأَخَذَهُ مِنْهُ وَأَكَلَ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ مَا أَكَلَ مِنْ الصَّيْدِ ، وَالشَّرْطُ تَرْكُ الْأَكْلِ مِنْ الصَّيْدِ فَصَارَ كَمَا إذَا افْتَرَسَ شَاتَهُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا فَعَلَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُحْرِزَهُ الْمَالِكُ ؛ لِأَنَّهُ بَقِيَتْ فِيهِ جِهَةُ الصَّيْدِيَّةِ

ترجمہ

اور جب شکاری کتے سے شکار لے لیا ہے اور اس کے بعد اس میں کچھ حصہ گوشت کا کاٹ کر کتے کو ڈال دیا ہے اور کتے نے اس کو کھا لیا ہے تو بقیہ شکار کو کھایا جائے گا۔کیونکہ وہ شکار نہیں رہا ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح شکاری نے کتے کو شکار کے سوا کوئی دوسری کھانے کی چیز ڈالی ہے۔

اور اسی طرح جب کتے نے چھلانگ لگا کر مالک سے شکار چھین لیا ہے اگر چہ اس نے یہ شکار میں سے نہیں کھایا ہے بلکہ شکار میں کھانے کو ترک کرنا شرط ہے۔پس یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح کتے نے شکار کی بکری کو پکڑ کا پھاڑ دیا اور اس کو کھا لیا ہے اور یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے جب مالک کے محفوظ کرنے سے پہلے کتے نے ایسا کیا ہے۔کیونکہ اس میں شکار ہونے کا حکم باقی ہے۔

شرح:اس مسئلہ نقلی دلیل گزر چکی ہے۔زندہ جانور سے اگر کوئی ٹکڑا کاٹ کر جدا کر لیا گیا مثلاً دنبہ کی چکی کاٹ لی یا اونٹ کا کوہان کاٹ لیا یا کسی جانور کا پیٹ پھاڑ کر اوس کی کلیجی نکال لی یہ ٹکڑا حرام ہے۔جدا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ گوشت سے جدا ہو گیا اگر چہ ابھی چمڑا لگا ہوا ہو اور اگر گوشت سے اس کا تعلق باقی ہے تو مردار نہیں یعنی اس کے بعد اگر جانور کو ذبح کر لیا تو یہ ٹکڑا بھی کھایا جا سکتا ہے۔(درمختار، کتاب ذبائح، بیروت)

کتے کا شکار پر جھپٹ کر مار کھانے کا بیان

(وَلَوْ نَهَسَ الصَّيْدَ فَقَطَعَ مِنْهُ بِضْعَةً فَأَكَلَهَا ثُمَّ أَدْرَكَ الصَّيْدَ فَقَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ لَمْ يُؤْكَلْ) ؛ لِأَنَّهُ صَيْدُ كَلْبٍ جَاهِلٍ حَيْثُ أَكَلَ مِنْ الصَّيْدِ

(وَلَوْ أَلْقَى مَا نَهَسَهُ وَاتَّبَعَ الصَّيْدَ فَقَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ وَأَخَذَهُ صَاحِبُهُ ثُمَّ مَرَّ بِتِلْكَ الْبِضْعَةِ فَأَكَلَهَا يُؤْكَلُ الصَّيْدُ) ؛ لِأَنَّهُ لَوْ أَكَلَ مِنْ نَفْسِ الصَّيْدِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ لَمْ يَضُرَّهُ ، فَإِذَا أَكَلَ مَا بَانَ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لِصَاحِبِهِ أَوْلَى ، بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّهُ أَكَلَ فِي حَالَةِ الِاصْطِيَادِ فَكَانَ جَاهِلًا مُمْسِكًا لِنَفْسِهِ ، وَلِأَنَّ نَهْسَ الْبِضْعَةِ قَدْ يَكُونُ لِيَأْكُلَهَا وَقَدْ يَكُونُ حِيلَةً فِي الِاصْطِيَادِ لِيَضْعُفَ بِقَطْعِ الْقِطْعَةِ مِنْهُ فَيُدْرِكَهُ ، فَالْأَكْلُ قَبْلَ الْأَخْذِ يَدُلُّ عَلَى الْوَجْهِ الْأَوَّلِ ، وَبَعْدَهُ عَلَى الْوَجْهِ الثَّانِي فَلَا يَدُلُّ عَلَى جَهْلِهِ .

ترجمہ

اور جب کتا شکار پر جھپٹا اور اس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس نے کھالیا ہے اور اس کے بعد اس نے اس کو پکڑ کر مار دیا ہے تو اس شکار سے نہیں کھایا جائے گا کیونکہ یہ جاہل کتے کا شکار ہے۔ کیونکہ اس کتے نے شکار میں سے کچھ کھایا ہے۔

اور جب کتے نے جھپٹ میں لئے گئے ٹکڑے کو پھینک کر شکار کا پیچھا کیا ہے۔ اور اس کو مار دیا ہے تو اس شکار میں سے نہیں کھایا اور اس شکار کو اس کے مالک نے لے لیا ہے اور اس کے بعد وہ کتا اس گوشت کے ٹکڑے کے پاس سے گزرا اور اس کو کھالیا ہے تو شکار کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس حالت میں اگر چہ وہ نفس شکار سے بھی کھالیتا تب بھی نقصان پہنچانے والا نہ ہوتا کیونکہ جب اس نے شکار سے ٹکڑے کو الگ کر دیا ہے اور کھایا ہے تو وہ ٹکڑا اس مالک کیلئے حلال نہیں ہے۔ تو پس شکار حلال ہو جائے گا۔ جبکہ پہلی صورت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں پر کتے نے شکار کی حالت میں کھایا ہے۔ پس وہ جاہل ہوگا۔ اور وہ اپنے لئے شکار کو روکنے والا ہوگا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ ٹکڑے پر جھپٹنا اس لئے ہے کہ کتا اس کو کھالے۔ اور بعض اوقات یہ شکار میں حیلے کیلئے ہوتا ہے۔ کہ ٹکڑا کاٹنے کے سبب سے شکار کمزور ہو جائے۔ اور وہ اس کو آسانی سے پکڑ لے۔ پس پکڑنے سے پہلے کھانے پر پہلی دلیل بن جائے گی اور پکڑنے کے بعد کھانے پر دوسری دلیل بن جائے گی۔ کیونکہ یہ کتا جہالت پر دلیل نہیں ہے۔

شرح

کتے کو شکار پر چھوڑا اس نے شکار کی بوٹی کاٹ لی اور اُسے کھالیا اس کے بعد شکار کو پکڑا اور مار ڈالا تو یہ شکار حرام ہے کہ جب کتے نے کھالیا تو معلم نہ رہا اور اُس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں اور اگر کتے نے بوٹی کاٹ لی مگر اُس کو کھایا نہیں چھوڑ دیا اور شکار کا پیچھا کیا

شکار پکڑنے کے بعد جب مالک نے شکار پر قبضہ کرلیا اب کتے نے وہ بوٹی کھائی تو جانور حلال ہے۔(زیلعی)

ارسال کرنے والے کیلئے زندہ شکار کو ذبح کرنے کے وجوب کا بیان

قَالَ (وَإِنْ أَدْرَكَ الْمُرْسِلُ الصَّيْدَ حَيًّا وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُذَكِّيَهُ ، وَإِنْ تَرَكَ تَذْكِيَتَهُ حَتَّى مَاتَ لَمْ يُؤْكَلْ ، وَكَذَا الْبَازِيُّ وَالسَّهْمُ) ؛ لِأَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدَلِ ، إذْ الْمَقْصُودُ هُوَ الْإِبَاحَةُ وَلَمْ تَثْبُتْ قَبْلَ مَوْتِهِ فَبَطَلَ حُكْمُ الْبَدَلِ ، وَهَذَا إذَا تَمَكَّنَ مِنْ ذَبْحِهِ أَمَّا إذَا وَقَعَ فِي يَدِهِ وَلَمْ يَتَمَكَّنْ مِنْ ذَبْحِهِ وَفِيهِ مِنْ الْحَيَاةِ فَوْقَ مَا يَكُونُ فِي الْمَذْبُوحِ لَمْ يُؤْكَلْ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَحِلُّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْأَصْلِ فَصَارَ كَمَا إذَا رَأَى الْمَاءَ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الِاسْتِعْمَالِ وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ قَدَرَ اعْتِبَارًا ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ يَدُهُ عَلَى حَسَبِ تَفَاوُتِهِمْ فِي الْكِيَاسَةِ وَالْهِدَايَةِ فِي أَمْرِ الذَّبْحِ فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَقِيَ فِيهِ مِنْ الْحَيَاةِ مِثْلُ مَا يَبْقَى فِي الْمَذْبُوحِ ؛ لِأَنَّهُ مَيِّتٌ حُكْمًا ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ وَهُوَ بِهَذِهِ الْحَالَةِ لَمْ يَحْرُمْ كَمَا إذَا وَقَعَ وَهُوَ مَيِّتٌ وَالْمَيِّتُ لَيْسَ بِمَذْبَحٍ وَفَصَّلَ بَعْضُهُمْ فِيهَا تَفْصِيلًا وَهُوَ أَنَّهُ إنْ لَمْ يَتَمَكَّنْ لِفَقْدِ الْآلَةِ لَمْ يُؤْكَلْ ، وَإِنْ لَمْ يَتَمَكَّنْ بِضِيقِ الْوَقْتِ لَمْ يُؤْكَلْ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ ؛ لِأَنَّهُ إذَا وَقَعَ فِي يَدِهِ لَمْ يَبْقَ صَيْدًا فَبَطَلَ حُكْمُ ذَكَاةِ الِاضْطِرَارِ ، وَهَذَا إذَا كَانَ يُتَوَهَّمُ بَقَاؤُهُ ، أَمَّا إذَا شَقَّ بَطْنَهُ وَأَخْرَجَ مَا فِيهِ ثُمَّ وَقَعَ فِي يَدِ صَاحِبِهِ حَلَّ ؛ لِأَنَّ مَا بَقِيَ اضْطِرَابُ الْمَذْبُوحِ فَلَا يُعْتَبَرُ كَمَا إذَا وَقَعَتْ شَاةٌ فِي الْمَاءِ بَعْدَمَا ذُبِحَتْ وَقِيلَ هَذَا قَوْلُهُمَا ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلَا يُؤْكَلُ أَيْضًا ؛ لِأَنَّهُ وَقَعَ فِي يَدِهِ حَيًّا فَلَا يَحِلُّ إلَّا بِذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ رُدَّ إلَى الْمُتَرَدِّيَةِ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى هَذَا

الَّذِي ذَكَرْنَا إذَا تَرَكَ التَّذْكِيَةَ ، فَلَوْ أَنَّهُ ذَكَّاهُ حَلَّ أَكْلُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَكَذَا الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ ، وَالَّذِي يَبْقُرُ الذِّئْبُ بَطْنَهُ وَفِيهِ حَيَاةٌ خَفِيَّةٌ أَوْ بَيِّنَةٌ ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى لِقَوْلِهِ تَعَالَى (إلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ) اسْتَثْنَاهُ مُطْلَقًا مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ إذَا

كَانَ بِحَالٍ لَا يَعِيشُ مِثْلُهُ لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَوْتُهُ بِالذَّبْحِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ : إنْ كَانَ يَعِيشُ فَوْقَ مَا يَعِيشُ الْمَذْبُوحُ يَحِلُّ وَإِلَّا فَلَا ؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِهَذِهِ الْحَيَاةِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ

ترجمہ

اور جب ارسال کرنے والے بندے نے شکار کو زندہ پایا ہے تو اس پر اس شکار کو ذبح کرنا واجب ہے۔ اور جب اس نے ذبح کو چھوڑ دیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شکار مر گیا ہے تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ اور یہی حکم باز اور تیر کی صورت میں ہے۔ کیونکہ وہ بدل پر عمل کرنے کی صورت سے پہلے ہی اصل پر قدرت پانے والا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ اصل میں اباحت مقصود تھی جو شکار کے مرنے سے پہلے ثابت نہ ہوگی۔ پس بدل کا حکم باطل ہو جائے گا۔ اور یہ حکم تب ہوگا جب شکار پر بھیجنے والا ذبح کرنے پر قادر ہو اور جب شکار اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کے ذبح پر قدرت رکھنے والا نہیں ہے اور اس میں مذبوح جانور سے زیادہ زندگی موجود ہے تو ظاہر الروایت کے مطابق اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

شیخین سے روایت ہے کہ وہ حلال ہے اور ایک قول امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ بھیجنے والا اس اصل پر قدرت پانے والا نہیں ہے۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح تیمم کرنے والے پانی کو دیکھا ہے لیکن وہ اسکے استعمال پر قدرت رکھنے والا نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایت میں یہ ہے کہ وہ شخص اعتبار کے طور پر قادر ہے۔ کیونکہ ذبح کی جگہ پر اس کا قبضہ ثابت ہے۔ اور یہی قبضہ ذبح پر قدرت کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ اس کا اعتبار ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کیلئے ایک مدت کی ضرورت ہے۔ اور ذبح کے معاملہ میں لوگوں میں مہارت و طریقے کے فرق کی وجہ سے مدت میں بھی فرق ہوگا۔ پس حکم کا دارو مدار اسی چیز کے مطابق ہوگا جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

جبکہ یہ مسئلہ اس شکار کے خلاف ہے جس میں ابھی اتنی زندگی باقی ہے جس قدر مذبوح میں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ حکمی طور پر مرا ہوا ہے۔ کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے ہیں کہ جب شکار پانی میں گر جائے اور وہ اسی حالت میں ہے تو وہ حرام نہ ہوگا جس طرح جب شکار پانی میں گر گیا ہے اور وہ مر گیا ہے اور مردہ تو محل ذبح نہیں ہے۔

بعض فقہاء نے اس کی وضاحت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب شکار آلہ شکار نہ ہونے کے سبب قادر نہ ہو تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اور جب وہ وقت کی تنگی کے سبب اس کو ذبح کرنے پر قادر نہیں ہوا ہے تو ہمارے نزدیک اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ جب وہ شکاری کے ہاتھ میں آچکا ہے تو اب وہ شکار نہیں رہا پس ذبح اضطراری کا حکم باطل ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب شکار میں باقی رہنے کا خیال ہو۔

اور جب کتے نے اس کے پیٹ کو پھاڑ کر اس میں جو کچھ تھا سب کو باہر نکال دیا ہے اور اس کے بعد وہ مالک کے قبضہ میں گیا ہے تو وہ حلال ہے۔ کیونکہ اب جو بچ گیا ہے وہ مذبوح کا اضطراب ہے۔ پس اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ جس طرح ذبح کرنے

کے بعد بکری پانی گر جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صاحبین کا قول ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو نہیں کھایا جائے گا کیونکہ وہ شکار مالک کے ہاتھ میں زندہ پہنچنے والا ہے۔ پس وہ ذبح اختیاری کے بغیر حلال نہ ہوگا۔ اور اس کو متردیہ پر قیاس کیا گیا ہے۔ جس طرح ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کر دیں گے۔

اور ہم نے جو یہ مسئلہ ذکر کیا ہے یہ اس وقت ہوگا جب شکاری نے ذبح کرنا چھوڑ دیا ہے مگر جب اس نے شکار ذبح کر لیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک بھی اسکو کھانا حلال ہے۔ اور اسی طرح وہ جانور جو گر مر جائے اور وہ جانور جو کسی دوسرے کے سینگ سے مر جائے اور وہ جانور جو لاٹھی کی وجہ سے مر جائے اور وہ جانور جس کے پیٹ کو بھیڑیے نے پھاڑ دیا ہے۔ اور اس میں ہلکی سے جان یا ظاہری طور پر زندگی موجود ہے تو اسی کے مطابق فتویٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''الا ما ذکیتم'' بغیر کسی تفصیل کے ساتھ مطلق استثناء کے ساتھ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک حکم یہ ہے۔ کہ جب شکار ایسی حالت میں ہے کہ جس طرح شکار زندہ رہ سکتا ہے تو وہ حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت ذبح سے نہیں ہوئی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب شکار ذبح کیے گئے جانور سے زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتا ہے تو وہ حلال ہے اور اگر نہیں تو حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ اب اس کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مسلم یا کتابی نے بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو شکار پر چھوڑا تب مرا ہوا شکار حلال ہوگا، اگر مجوسی یا بت پرست یا مرتد نے چھوڑا تو حلال نہیں جس طرح ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ انہوں نے بسم اللہ پڑھی ہو اور اگر جانور کو چھوڑا نہیں بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ شکار پر دوڑ پڑا اور پکڑ کر مار ڈالا یہ شکار حلال نہیں۔ یوہیں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کسی نے چھوڑا یا خود ہی جا کر پکڑ لایا، یہ معلوم نہیں کہ کس نے مسلم نے یا مجوسی نے، تو جانور حلال نہیں۔ شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جانور حلال ہے جس طرح ذبح کرتے وقت اگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو حلال ہے، حرام اُس وقت ہے جب قصداً نہ پڑھے۔

اور شکار پر چھوڑتے وقت قصداً بسم اللہ نہیں پڑھی بلکہ جب کتے نے جانور پکڑا اس وقت بسم اللہ پڑھی جانور حلال نہ ہوا کہ بسم اللہ پڑھنا اُس وقت ضروری تھا اب پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (ردالمحتار، کتاب صید، بیروت)

شکاری کا ذبح پر قدرت رکھنے کے باوجود ذبح نہ کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَدْرَكَهُ وَلَمْ يَأْخُذْهُ ، فَإِنْ كَانَ فِي وَقْتٍ لَوْ أَخَذَهُ أَمْكَنَهُ ذَبْحُهُ لَمْ يُؤْكَلْ) ؛ لِأَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ الْمَقْدُورِ عَلَيْهِ (وَإِنْ كَانَ لَا يُمْكِنُهُ ذَبْحُهُ أُكِلَ) ؛ لِأَنَّ الْيَدَ لَمْ تَثْبُتْ بِهِ ،

وَالتَّمَكُّنُ مِنَ الذَّبْحِ لَمْ يُوجَدْ (وَإِنْ أَدْرَكَهُ فَذَكَّاهُ حَلَّ لَهُ) ؛ لِأَنَّهُ إنْ كَانَ فِيهِ حَيَاةٌ مُسْتَقِرَّةٌ فَالذَّكَاةُ وَقَعَتْ مَوْقِعَهَا بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ حَيَاةٌ مُسْتَقِرَّةٌ ؛ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ذَكَاتُهُ الذَّبْحُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ وَقَدْ وُجِدَ ، وَعِنْدَهُمَا لَا يُحْتَاجُ إلَى الذَّبْحِ .

ترجمہ

اور جب شکاری نے کسی جانور کو پایا ہے مگر اس نے اس کو پکڑا نہیں ہے اور اس کے پاس وقت بھی تھا کہ اگر وہ شکار کو پکڑ لیتا تو وہ اس کو ذبح بھی کر سکتا تھا۔ تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ وہ مقدور علیہ کے حکم میں ہے اور اگر وہ شکاری کیلئے ذبح کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر اس شکار کو کھالیا جائے گا۔ کیونکہ محض پالینے سے قبضہ ثابت نہیں ہوا کرتا اور ذبح کرنے پر قدرت بھی نہیں پائی گئی۔ اور جب شکاری نے شکار کو پکڑ کر ذبح کر دیا ہے تو وہ اس کیلئے حلال ہے اس لئے کہ اگرچہ شکار میں اقرار پکڑنے والی زندگی ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس کی ذکات اس کو ذبح کرنا ہے جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے اور ذبح بھی موجود ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک یہاں ذبح کی ضرورت نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شکاری جانور کو وحشی جانور پر چھوڑنا شکار ہے اگر پلاؤ اور مانوس جانور پر کتا چھوڑا جائے اور وہ مار ڈالے تو یہ جانور حلال نہیں ہوگا کہ ایسے جانوروں کے حلال ہونے کے لیے ذبح کرنا ضروری ہے ذکاۃ اضطراری یہاں کافی نہیں ہے۔ (درمختار، کتاب صید، بیروت)

شکاری کتے کا دوسرے شکار کو پکڑ لینے کا بیان

(وَإِذَا أَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ عَلَى صَيْدٍ وَأَخَذَ غَيْرَهُ حَلَّ) وَقَالَ مَالِكٌ : لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ أَخَذَهُ بِغَيْرِ إرْسَالٍ ؛ إذْ الْإِرْسَالُ مُخْتَصٌّ بِالْمُشَارِ إلَيْهِ وَلَنَا أَنَّهُ شَرْطٌ غَيْرُ مُفِيدٍ ؛ لِأَنَّ مَقْصُودَهُ حُصُولُ الصَّيْدِ إذْ لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَفَاءِ بِهِ ؛ إذْ لَا يُمْكِنُهُ تَعْلِيمُهُ عَلَى وَجْهٍ يَأْخُذُ مَا عَيَّنَهُ فَسَقَطَ اعْتِبَارُهُ

ترجمہ

اور جب شکاری کتے کو شکار پر چھوڑ گیا ہے اور اس نے اس کے سوا کوئی دوسرا شکار پکڑ لیا ہے تو وہ حلال ہے جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ حلال نہیں ہے۔ کیونکہ کتے اس کو ارسال کے سوا پکڑا ہے کیونکہ ارسال یہ جس کی جانب اشارہ کیا جائے اسی

کے ساتھ خاص ہوا کرتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ شرط فائدے مند نہیں ہے۔ کیونکہ شکاری کا مقصود شکار کو حاصل کرنا ہے اور کتا اس پر قادر نہیں ہے کیونکہ کتے کو اس طرح کی تعلیم دینا ممکن نہیں ہے۔ کہ جس کی جانب بھیجنے والا بھیجے اس کو پکڑا جائے۔ پس اس معین کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کتے کو شکار پر چھوڑا اُس نے کئی پکڑ لیے سب حلال ہیں اور جس شکار پر چھوڑا اس کو نہیں پکڑا دوسرے کو پکڑا یہ بھی حلال ہے اور اگر کتے کو شکار پر نہ چھوڑا ہو بلکہ کسی اور چیز پر چھوڑا اور اُس نے شکار مارا یہ حلال نہیں کہ یہاں شکار کرنا ہی نہیں ہے۔ (ردالمحتار، کتاب صید، بیروت)

ایک ہی کتے کو کئی شکاروں پر روانہ کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَرْسَلَهُ عَلَى صَيْدٍ كَثِيرٍ وَسَمَّى مَرَّةً وَاحِدَةً حَالَةَ الْإِرْسَالِ ، فَلَوْ قَتَلَ الْكُلَّ يَحِلُّ بِهَذِهِ التَّسْمِيَةِ الْوَاحِدَةِ) ؛ لِأَنَّ الذَّبْحَ يَقَعُ بِالْإِرْسَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَلِهَذَا تُشْتَرَطُ التَّسْمِيَةُ عِنْدَهُ وَالْفِعْلُ وَاحِدٌ فَيَكْفِيهِ تَسْمِيَةٌ وَاحِدَةٌ ، بِخِلَافِ ذَبْحِ الشَّاتَيْنِ بِتَسْمِيَةٍ وَاحِدَةٍ ؛ لِأَنَّ الثَّانِيَةَ تَصِيرُ مَذْبُوحَةً بِفِعْلٍ غَيْرِ الْأَوَّلِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَسْمِيَةٍ أُخْرَى ، حَتَّى لَوْ أَضْجَعَ إحْدَاهُمَا فَوْقَ الْأُخْرَى ، وَذَبَحَهُمَا بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ تَحِلَّانِ بِتَسْمِيَةٍ وَاحِدَةٍ (وَمَنْ أَرْسَلَ فَهْدًا فَكَمَنَ حَتَّى يَسْتَمْكِنَ ثُمَّ أَخَذَ الصَّيْدَ فَقَتَلَهُ يُؤْكَلُ) ؛ لِأَنَّ مُكْثَهُ ذَلِكَ حِيلَةٌ مِنْهُ لِلصَّيْدِ لَا اسْتِرَاحَةٌ فَلَا يَقْطَعُ الْإِرْسَالَ، وَكَذَا الْكَلْبُ إذَا اعْتَادَ عَادَتَهُ .

ترجمہ

اور جب شکاری نے ایک ہی کتے کو کئی شکاروں کیلئے چھوڑ دیا ہے جبکہ اس نے تسمیہ بھیجتے وقت ایک بار پڑھی ہے اس کے بعد اس کتے نے سارے شکار کر ڈالے ہیں تو وہ سارے ایک ہی تسمیہ سے حلال ہو جائیں گے۔ کیونکہ ذبح ارسال سے واقع ہونے والا ہے جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ تسمیہ ارسال کے وقت شرط ہے اور وہ ایک عمل ہے بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب ایک تسمیہ کے ساتھ دو بکریوں کو ذبح کرے کیونکہ دوسری بکری اس عمل سے ذبح ہونے والی ہے جو پہلے عمل کے سوا ہے۔ پس دوبارہ بسم اللہ کہنا لازم ہے۔ حتیٰ کہ جب کسی شخص نے ایک بکری کو دوسری بکری کے اوپر رکھ دیا ہے اور ایک بسم اللہ سے دونوں بکریوں کو ذبح کیا ہے تو وہ دونوں بکریاں حلال ہو جائیں گی۔

اور جب بندے نے چیتے کو شکار کیلئے روانہ کیا ہے اور شکار پر قدرت پانے کیلئے اس چیتے نے گھات لگا دی اور اس کے بعد

اس نے شکار کو پکڑ کر اس کو مار دیا ہے تو وہ کھایا جائے گا۔ جس اس چیتے کا ٹھہر جانا یہ شکار کی تدبیر ہے۔ سکون حاصل کرنا نہیں ہے۔ پس اس سے ارسال ختم نہ ہوگا اور اسی طرح اس کتے کا حکم بھی ہے کہ جب اس نے چیتے کا طریقہ اپنایا ہے۔

شرح

اس کی شرح وہی ہے جس کو ہم اس سے پہلی عبارت میں ذکر کر آئے ہیں۔

کتے کا یکے بعد دیگرے شکاروں کو مارنے کا بیان

(وَلَوْ أَخَذَ الْكَلْبُ صَيْدًا فَقَتَلَهُ ثُمَّ أَخَذَ آخَرَ فَقَتَلَهُ وَقَدْ أَرْسَلَهُ صَاحِبُهُ أُكِلَا جَمِيعًا) ؛ لِأَنَّ الْإِرْسَالَ قَائِمٌ لَمْ يَنْقَطِعْ ، وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ مَا لَوْ رَمَى سَهْمًا إلَى صَيْدٍ فَأَصَابَهُ وَأَصَابَ آخَرَ (وَلَوْ قَتَلَ الْأَوَّلَ فَجَثَمَ عَلَيْهِ طَوِيلًا مِنْ النَّهَارِ ثُمَّ مَرَّ بِهِ صَيْدٌ آخَرُ فَقَتَلَهُ لَا يُؤْكَلُ الثَّانِي) لِانْقِطَاعِ الْإِرْسَالِ بِمُكْثِهِ إذْ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ حِيلَةً مِنْهُ لِلْأَخْذِ وَإِنَّمَا كَانَ اسْتِرَاحَةً ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ

ترجمہ

اور جب کتے نے ایک شکار کو پکڑ کر اس کو مار دیا ہے اور اس کے بعد اس نے دوسرے شکار کو مار دیا ہے اور اس کتے کو اس کے مالک نے چھوڑا تھا تو دونوں شکار کھائے جائیں گے۔ کیونکہ ارسال موجود ہے اور وہ ابھی ختم بھی نہیں ہوا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی بندے نے تیر شکار کی جانب چلایا اور وہ تیر اس شکار اور اس کے علاوہ دوسرے شکار کو بھی جا لگا ہے۔

اور جب کتے نے ایک شکار کو مار دیا ہے اس کے بعد وہ ایک دن تک وہاں پڑا رہا یہاں تک اس کے پاس سے کوئی دوسرا شکار گزرا تو اس نے اس شکار کو بھی مار دیا ہے تو دوسرا شکار نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ کتے کے وہاں ٹھہر جانے کے سبب ارسال ختم ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ ٹھہرنا شکار کو پکڑنے کا بہانہ نہیں ہے۔ یہ تو اس کیلئے آرام کرنا ہے۔ بہ خلاف پہلی صورت مسئلہ کے جو گزر گئی ہے۔

شرح

معلم کتے کے ساتھ دوسرے کتے نے شرکت کی جس کا شکار حرام ہے مگر اُس نے شکار کرنے میں شرکت نہیں کی ہے بلکہ یہ کتا گھیر گھار کر شکار کو ادھر لایا اور پہلے ہی کتے نے شکار کو زخمی کیا اور مارا ہو تو اس کا کھانا مکروہ ہے اور اگر دوسرا کتا گھیر کر ادھر نہیں لایا بلکہ اُس نے پہلے کتے کو دوڑایا اور اُس نے شکار کو دوڑا کر زخمی کیا اور مارا تو یہ شکار حلال ہے۔

مسلم نے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اُس نے شکار کو جھنجھوڑا یعنی اچھی طرح زخمی کیا اُس کے بعد پھر حملہ کیا اور مار ڈالا یہ شکار حلال ہے اسی طرح اگر دو کتے چھوڑے ایک نے اُسے جھنجھوڑا اور دوسرے کتے نے مار ڈالا یہ شکار بھی حلال ہے، یونہی اگر دو شخصوں نے بسم اللہ کہہ کر دو کتے چھوڑے ایک کے کتے نے جھنجھوڑ ڈالا اور دوسرے کے کتے نے مار ڈالا یہ جانور حلال ہے کھایا جائے گا مگر

ملک پہلے شخص کی ہے دوسرے کی نہیں کیونکہ پہلے نے جب اُسے گھائل کر دیا اور بھاگنے کے قابل نہ رہا اُسی وقت اُس کی ملک ہو چکی۔

ایک کتے نے شکار کو پچھاڑ لیا اور شکار کی حد سے خارج ہو گیا اب اُس کے بعد دوسرے شخص نے اُسی جانور پر اپنا کتا چھوڑا اور اُس کتے نے مار ڈالا حرام ہے، کھایا نہ جائے کہ جب وہ جانور بھاگ نہیں سکتا تو اگر موقع ملتا ذبح کیا جاتا ایسی حالت میں ذکاۃ اضطراری نہیں ہے لہذا حرام ہے۔

باز کا ارسال کے بعد وقفہ کر کے شکار کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَرْسَلَ بَازِيَهُ الْمُعَلَّمَ عَلَى صَيْدٍ فَوَقَعَ عَلَى شَيْءٍ ثُمَّ اتَّبَعَ الصَّيْدَ فَأَخَذَهُ وَقَتَلَهُ فَإِنَّهُ يُؤْكَلُ) وَهَذَا إذَا لَمْ يَمْكُثْ زَمَانًا طَوِيلًا لِلِاسْتِرَاحَةِ ، وَإِنَّمَا مَكَثَ سَاعَةً لِلتَّمْكِينِ لِمَا بَيَّنَّاهُ فِي الْكَلْبِ .

(وَلَوْ أَنَّ بَازِيًا مُعَلَّمًا أَخَذَ صَيْدًا فَقَتَلَهُ وَلَا يُدْرَى أَرْسَلَهُ إنْسَانٌ أَمْ لَا لَا يُؤْكَلُ) لِوُقُوعِ الشَّكِّ فِي الْإِرْسَالِ ، وَلَا تَثْبُتُ الْإِبَاحَةُ بِدُونِهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شکاری نے باز معلم کو شکار کی جانب ارسال کیا ہے تو وہ کچھ دیر ٹھہر گیا ہے اور اس کے بعد اس نے شکار کو پکڑ لیا ہے اور اس کو مار دیا ہے تو وہ شکار کھایا جائے گا۔ اور حکم اس وقت ہوگا کہ جب شکار آرام کرنے کی غرض سے زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا ہو۔ بلکہ گھات لگانے کیلئے کچھ دیر رک گیا تھا۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم کتے کے بارے میں ابھی بیان کر آئے ہیں۔

اور جب معلم باز نے کسی شکار کو پکڑ کر مار دیا ہے اور یہ پتہ نہیں ہے کہ اس کو کسی انسان نے چھوڑا ہے یا نہیں تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ ارسال میں شک واقع ہو چکا ہے اور اباحت ارسال کے سوا ثابت ہونے والی نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ کتے کو جب شکار پر چھوڑا جائے فوراً دوڑ پڑے طویل وقفہ نہ ہونے پائے ورنہ جانور حلال نہ ہوگا، طول وقفہ کا یہ مطلب ہے کہ دوسرے کام میں مشغول نہ ہو مثلاً چھوڑنے کے بعد پیشاب کرنے لگا یا کچھ کھانے لگا اس صورت میں شکار حلال نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب صید، بیروت)

کتے کا شکار کے گلے کو گھونٹنے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ خَنَقَهُ الْكَلْبُ وَلَمْ يَجْرَحْهُ لَمْ يُؤْكَلْ) ؛ لِأَنَّ الْجُرْحَ شَرْطٌ عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ ، وَهَذَا يَدُلُّك عَلَى أَنَّهُ لَا يَحِلُّ بِالْكَسْرِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إذَا كَسَرَ

عُضْوًا فَقَتَلَهُ لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ ؛ لِأَنَّهُ جِرَاحَةٌ بَاطِنَةٌ فَهِيَ كَالْجِرَاحَةِ الظَّاهِرَةِ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ جُرْحٌ يَنْتَهِضُ سَبَبًا لِإِنْهَارِ الدَّمِ وَلَا يَحْصُلُ ذَلِكَ بِالْكَسْرِ فَأَشْبَهَ التَّخْنِيقَ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کتے نے شکار کا گلا گھونٹ دیا ہے لیکن اس کو زخمی نہیں کیا ہے تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ ظاہر الروایت کے مطابق زخمی کرنا شرط ہے۔ جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور مسئلہ اس جانب ہدایت کرنے والا ہے کہ کسی عضو کو توڑنے کے سبب شکار حلال نہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کتے نے کسی شکار کے عضو کو توڑنے کے بعد اس کو مار دیا ہے تو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ باطنی زخم ہے اور ظاہری زخم کی طرح ہوگا۔

پہلی صورت مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ حلال ہونے کیلئے ایسے زخم کا اعتبار کیا جائے گا جو خون بہانے کا سبب بن سکے اور عضو کو توڑنے سے یہ سبب حاصل نہ ہوگا۔ پس یہ گلا گھونٹنے کے مشابہ ہو جائے گا۔

شرح

اور لاٹھی یا لکڑی سے شکار کو مار ڈالا تو کھایا نہ جائے کہ یہ آلہ جارحہ نہیں بلکہ اس کی چوٹ سے مرتا ہے اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جانور کا مرنا اگر جراحت سے ہونے یقیناً معلوم ہو تو حلال ہے اور اگر ثقل اور دبنے سے ہو تو حرام ہے اور اگر شک ہے کہ جراحت سے ہے یا نہیں تو [illegible] احتیاطاً یہاں بھی حرمت ہی کا حکم دیا جائے گا۔

معلم کتے کے ساتھ غیر معلم کتوں کی شرکت کا بیان

قَالَ (وَإِنْ [illegible] شَارَكَهُ كَلْبٌ غَيْرُ مُعَلَّمٍ أَوْ كَلْبُ مَجُوسِيٍّ أَوْ كَلْبٌ لَمْ يُذْكَرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ يُرِيدُ بِهِ عَمْدًا لَمْ يُؤْكَلْ) لِمَا رَوَيْنَا فِي حَدِيثِ عَدِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، وَلِأَنَّهُ اجْتَمَعَ الْمُبِيحُ وَالْمُحَرِّمُ فَيَغْلِبُ جِهَةُ الْحُرْمَةِ نَصًّا أَوْ احْتِيَاطًا (وَلَوْ رَدَّهُ عَلَيْهِ الْكَلْبُ الثَّانِي وَلَمْ يَجْرَحْهُ مَعَهُ وَمَاتَ بِجُرْحِ الْأَوَّلِ يُكْرَهُ أَكْلُهُ) لِوُجُودِ الْمُشَارَكَةِ فِي الْأَخْذِ وَفَقْدِهَا فِي الْجُرْحِ ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إذَا رَدَّهُ الْمَجُوسِيُّ بِنَفْسِهِ حَيْثُ لَا يُكْرَهُ ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْمَجُوسِيِّ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ فِعْلِ الْكَلْبِ فَلَا تَتَحَقَّقُ الْمُشَارَكَةُ وَتَتَحَقَّقُ بَيْنَ فِعْلَيْ الْكَلْبَيْنِ لِوُجُودِ الْمُجَانَسَةِ (وَلَوْ لَمْ يَرُدَّهُ الْكَلْبُ الثَّانِي عَلَى الْأَوَّلِ لَكِنَّهُ أَشَدَّ عَلَى الْأَوَّلِ حَتَّى اشْتَدَّ عَلَى الصَّيْدِ فَأَخَذَهُ وَقَتَلَهُ لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ) ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الثَّانِي أَثَّرَ فِي

الْكَلْبِ الْمُرْسَلِ دُونَ الصَّيْدِ حَيْثُ ازْدَادَ بِهِ طَلَبًا فَكَانَ تَبَعًا لِفِعْلِهِ ؛ لِأَنَّهُ بِنَاءٌ عَلَيْهِ فَلَا يُضَافُ الْأَخْذُ إِلَى التَّبَعِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ رَدَّهُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ تَبَعًا فَيُضَافُ إِلَيْهِمَا .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی معلم کتے کے ساتھ غیر معلم کتے شامل ہو جائیں یا مجوسی کا کتا شریک ہو جائے یا پھر ایسا کتا شامل ہو گیا ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔اور صاحب قدوری نے کہا ہے کہ نام نہ لینے مراد یہ ہے کہ بطور ارادہ نام نہ لیا گیا ہو۔تو اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا۔اسی دلیل کے سبب جس کو ہم عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کر آئے ہیں۔اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جب مباح اور محرم اکٹھے ہو جائیں تو نص کے سبب یا احتیاط کے سبب حرمت کی جانب کو غلبہ ہوتا ہے۔

اور جب دوسرے کتے نے شکار کو پہلے لوٹا دیا ہے اور اس نے اس کو زخمی نہیں کیا ہے اور پہلے کتے کے زخم سے وہ شکار مر گیا ہے تو اس کو کھانا مکروہ ہے۔کیونکہ پکڑنے میں شرکت پائی گئی ہے۔لیکن زخمی کرنے میں شرکت نہیں پائی گئی اور یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب مجوسی نے خود شکار کو کتے کی جانب لوٹا دیا ہے تو اب کھانا مکروہ ہوگا۔کیونکہ مجوسی کا عمل یہ کتے کی جنس میں سے نہیں ہے پس شرکت ثابت نہ ہوگی۔ہاں البتہ دو کتوں کے اعمال کے درمیان شرکت ثابت ہو جاتی ہے۔کیونکہ وہ ہم جنس ہوتے ہیں۔

اور جب دوسرے کتے نے شکار کو واپس نہیں کیا تھا کہ پہلا کتا دوڑ کر آیا اور اس نے تیزی کے ساتھ شکار پر حملہ کیا اور اس کو مار دیا ہے تو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔کیونکہ دوسرے کتے کا عمل یہ ارسال والے کتے میں اثر شامل کرنے والا ہے۔جبکہ شکار میں اثر شامل کرنے والا نہیں ہے۔کیونکہ دوسرے کتے کے سبب پہلے کتے میں شکار کر پکڑنے میں زیادہ جذبہ آیا ہے۔پس دوسرے کا فعل پہلے کے تابع ہوگا۔کیونکہ اس بناء اسی پر ہے۔کیونکہ پکڑنے کو تابع کرنے کی جانب منسوب نہیں کیا جاتا۔جبکہ یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہوگا کہ جب دوسرے کتے نے شکار کو پہلے پر لوٹا دیا ہے۔کیونکہ اب وہ تابع نہیں رہا ہے۔پس پکڑنے کو ہی دونوں کی جانب منسوب کیا جائے گا۔

شرح

اور جب مسلم یا کتابی نے بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو شکار پر چھوڑا تب مرا ہوا شکار حلال ہوگا،اگر مجوسی یا بت پرست یا مرتد نے چھوڑا تو حلال نہیں جس طرح ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگر چہ انہوں نے بسم اللہ پڑھی ہو اور اگر جانور کو چھوڑا نہیں بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ شکار پر دوڑ پڑا اور پکڑ کر مار ڈالا یہ شکار حلال نہیں۔یو ہیں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کسی نے چھوڑا یا خود ہی جا کر پکڑ لایا، یہ معلوم نہیں کہ کس نے مسلم نے یا مجوسی نے،تو جانور حلال نہیں۔(درمختار، ردالمحتار، کتاب صید، بیروت)

کتے کے ساتھ اگر شکار کرنے میں دوسرا کتا جس کا شکار حلال نہ ہو شریک ہوگیا تو یہ شکار حلال نہ ہوگا مثلاً دوسرا کتا جو معلم نہ تھا اُس کی شرکت میں شکار ہوا یا مجوسی کے کتے کی شرکت میں شکار ہوا یا دوسرے کو کسی نے چھوڑا ہی نہیں ہے اپنے آپ شریک ہوگیا اُس دوسرے کے چھوڑنے کے وقت قصداً بسم اللہ چھوڑ دی ان سب صورتوں میں وہ جانور مردار ہے اس کا کھانا حرام ہے۔

مسلم کے کتے کو مجوسی کے ہنکانے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا أَرْسَلَ الْمُسْلِمُ كَلْبَهُ فَزَجَرَهُ مَجُوسِيٌّ فَانْزَجَرَ بِزَجْرِهِ فَلَا بَأْسَ بِصَيْدِهِ) وَالْمُرَادُ بِالزَّجْرِ الْإِغْرَاءُ بِالصِّيَاحِ عَلَيْهِ، وَبِالِانْزِجَارِ إِظْهَارُ زِيَادَةِ الطَّلَبِ وَوَجْهُهُ أَنَّ الْفِعْلَ يُرْفَعُ بِمَا هُوَ فَوْقَهُ أَوْ مِثْلُهُ كَمَا فِي نَسْخِ الْآيِ، وَالزَّجْرُ دُونَ الْإِرْسَالِ لِكَوْنِهِ بِنَاءً عَلَيْهِ قَالَ (وَلَوْ أَرْسَلَهُ مَجُوسِيٌّ فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ بِزَجْرِهِ لَمْ يُؤْكَلْ)؛ لِأَنَّ الزَّجْرَ دُونَ الْإِرْسَالِ وَلِهَذَا لَمْ تَثْبُتْ بِهِ شُبْهَةُ الْحُرْمَةِ فَأَوْلَى أَنْ لَا يَثْبُتَ بِهِ الْحِلُّ، وَكُلُّ مَنْ لَا تَجُوزُ ذَكَاتُهُ كَالْمُرْتَدِّ وَالْمُحْرِمِ وَتَارِكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَجُوسِيِّ (وَإِنْ لَمْ يُرْسِلْهُ أَحَدٌ فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ فَأَخَذَ الصَّيْدَ فَلَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ)؛ لِأَنَّ الزَّجْرَ مِثْلُ الِانْفِلَاتِ؛ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ دُونَهُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ بِنَاءٌ عَلَيْهِ فَهُوَ فَوْقَهُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فِعْلُ الْمُكَلَّفِ فَاسْتَوَيَا فَصَلَحَ نَاسِخًا .

ترجمہ

اور جب کسی مسلمان نے اپنے کتے کو چھوڑ دیا ہے اور مجوسی کو ہنکا دیا اور اس کے بھگانے کی وجہ سے بھاگ کھڑا ہوا تو اس کتے کے شکار میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہاں زجر کا مطلب ہے کہ زور سے تھپکی مار کر کتے کو للکارنا ہے۔ اور انزجار کا مطلب بھی اسی طرح ہے کتے کے ارسال میں زیادتی کی جائے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی عمل بھی اپنے سے اعلیٰ یا اپنے ہم مثل سے ختم ہو جایا کرتا ہے۔ جس طرح آیات کے نسخ میں اسی طرح کا اصول ہے۔ اور زجر یہ ارسال سے کمتر ہے کیونکہ یہ کی بناء پر ہوتا ہے۔

اور جب مجوسی نے کسی کتے کو چھوڑا ہے اور مسلمان نے اس کو زجر کیا ہے۔ اور کتے نے زجر پر عمل کرتے ہوئے شکار کر ڈالا تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ زجر ارسال سے کم درجے کا ہے۔ اسی دلیل کے سبب زجر سے حرمت کا شبہ ثابت ہونے والا نہیں ہے پس اس حلت تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہو سکے گی۔ اور ہر وہ عمل جس کی ذکات ثابت نہ ہو جس طرح مرتد ہے محرم ہے۔ اور جان بوجھ کر بسم اللہ کو ترک کرنے والا ہے۔ یہ سب اس بارے میں مجوسی کے حکم میں ہوں گے۔

اور جب کسی کتے نے ارسال ہی نہ کیا اور ایک مسلمان نے اس کو جھڑکا اور وہ کتا اس کی جھڑک کی وجہ سے شکار کر لایا تو اس کو

کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ جھڑک خود چھوڑنے کی طرح ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس طرح جب جھڑکنا چھوٹنے سے کم درجے کا ہے کہ وہ اسی پرمبنی ہے۔ جبکہ اس حالت میں وہ بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ مکلف کا عمل ہے پس یہ دونوں برابر ہو جائیں گے کیونکہ جھڑکنا یہ چھوڑنے کیلئے ناسخ بن جائے گا۔

شرح

اور مسلم نے شکار پر کتا چھوڑا مجوسی یا ہندو نے کتے ہنکایا جیسا کہ شکار کرتے وقت کتے کو جوش دلاتے ہیں اُس کے شہ دینے پر جوش میں آیا اور شکار مارا یہ حلال ہے اور اگر مجوسی نے چھوڑا اور مسلم نے شہ دی تو حرام ہے یعنی کتا چھوڑنے کا اعتبار ہے اس کا اعتبار نہیں کہ کس نے جوش دلایا، اسی طرح اگر محرم نے ہنکایا اور شکار پر جانور اُس نے چھوڑا ہے جو احرام نہیں باندھے ہوئے ہے تو جانور حلال ہے مگر محرم کو اس صورت میں شکار کا فدیہ دینا ہوگا کہ اُس کو شکار میں مداخلت جائز نہیں۔ (زیلعی)

مسلمان کے کتے کا شکار کو سست کرنے کے بعد مارنے کا بیان

(وَلَوْ أَرْسَلَ الْمُسْلِمُ كَلْبَهُ عَلَى صَيْدٍ وَسَمَّى فَأَدْرَكَهُ فَضَرَبَهُ وَوَقَذَهُ ثُمَّ ضَرَبَهُ فَقَتَلَهُ أُكِلَ، وَكَذَا إذَا أَرْسَلَ كَلْبَيْنِ فَوَقَذَهُ أَحَدُهُمَا ثُمَّ قَتَلَهُ الْآخَرُ أُكِلَ) ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ عَنْ الْجُرْحِ بَعْدَ الْجُرْحِ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ التَّعْلِيمِ فَجُعِلَ عَفْوًا (وَلَوْ أَرْسَلَ رَجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَلْبًا فَوَقَذَهُ أَحَدُهُمَا وَقَتَلَهُ الْآخَرُ أُكِلَ) لِمَا بَيَّنَّا (وَالْمِلْكُ لِلْأَوَّلِ) ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ أَخْرَجَهُ عَنْ حَدِّ الصَّيْدِيَّةِ إلَّا أَنَّ الْإِرْسَالَ مِنْ الثَّانِي بَعْدَ الْخُرُوجِ عَنْ الصَّيْدِيَّةِ بِجُرْحِ الْكَلْبِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ

اور جب کسی مسلمان نے اپنے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دیا ہے اور اس کتے نے شکار کو سست کیا ہے اور اس کے بعد اس کو مار کر ختم کر دیا ہے تو اس کو کھایا جائے گا۔ اور اسی طرح جب دو کتوں کو چھوڑا گیا ہے اور ان میں سے ایک نے شکار کو سست کیا ہے اور دوسرے نے اس کو مار دیا ہے تو شکار کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ زخم کر دینے کے بعد رک جانا یہ معلم ہونے میں شامل نہیں ہے پس اس کو معاف کر دیا جائے گا۔

اور جب دو بندوں میں سے ہر ایک شخص نے اپنے کتے کو چھوڑ دیا ہے اور ان میں سے ایک کتے نے شکار کو ادھموا کر دیا ہے اور دوسرے نے اس کو مار دیا ہے تو وہ شکار بھی کھایا جائے گا۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ جبکہ یہ ملکیت پہلے کی ہوگی۔ کیونکہ پہلے کتے نے شکار کو شکاریت کی حد سے خارج کر دیا ہے۔ جبکہ دوسرے نے ارسال پر شکار کیا ہے پس اباحت وحرمت میں ارسال کی حلت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

پس وہ شکار حرام نہ ہوگا۔اور یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب دوسرے کتے کا ارسال یہ پہلے کتے کے زخمی کرنے کے سبب شکار کی شکاریت سے خارج ہونے کے بعد واقع ہوا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب چھوڑنے کے بعد کتا شکار پر دوڑ امگر بعد میں شکار سے دہنے یا بائیں کو مڑ گیا یا شکار کی طلب کے سوا کسی دوسرے کام میں لگ گیا یا سست پڑ گیا پھر کچھ وقفہ کے بعد شکار کا پیچھا کیا اور جانور کو مارا اس کا کھانا حلال نہیں ہاں ان صورتوں میں اگر کتے کو پھر سے چھوڑا جاتا تو جانور حلال ہوتا یا مالک کے للکارنے سے شکار پر جھپٹتا اور مارتا تو کھایا جاتا۔

اور اگر کتے کا رک جانا یا چھپ جانا آرام طلبی کے لئے نہ ہو بلکہ شکار کرنے کا یہ حیلہ داؤں ہو، جس طرح چیتا شکار کو گھات سے پکڑتا ہے اس میں حرج نہیں۔(درمختار، کتاب صید، بیروت)

﴿یہ فصل تیر سے شکار کرنے کے بیان میں ہے﴾

فصل شکار میں رمی کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب شکار کے احکام میں آلہ حیوانیہ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب یہاں سے انہوں نے آلہ جمادیہ کو شروع کر دیا ہے۔ (اور دونوں میں تقدم وتاخر کا سبب واضح ہے)۔

(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب صید، بیروت)

آہٹ کے سبب تیر سے ہونے والے شکار کی حلت کا بیان

(وَمَنْ سَمِعَ حِسًّا ظَنَّهُ حِسَّ صَيْدٍ فَرَمَاهُ أَوْ أَرْسَلَ كَلْبًا أَوْ بَازِيًا عَلَيْهِ فَأَصَابَ صَيْدًا ، ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ حِسُّ صَيْدٍ حَلَّ الْمُصَابُ) أَيَّ صَيْدٍ كَانَ ؛ لِأَنَّهُ قَصَدَ الِاصْطِيَادَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ خَصَّ مِنْ ذَلِكَ الْخِنْزِيرَ لِتَغْلِيظِ التَّحْرِيمِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا تَثْبُتُ الْإِبَاحَةُ فِي شَيْءٍ مِنْهُ بِخِلَافِ السِّبَاعِ ؛ لِأَنَّهُ يُؤَثِّرُ فِي جِلْدِهَا وَزُفَرُ خَصَّ مِنْهَا مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ ؛ لِأَنَّ الْإِرْسَالَ فِيهِ لَيْسَ لِلْإِبَاحَةِ وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ اسْمَ الِاصْطِيَادِ لَا يَخْتَصُّ بِالْمَأْكُولِ فَوَقَعَ الْفِعْلُ اصْطِيَادًا وَهُوَ فِعْلٌ مُبَاحٌ فِي نَفْسِهِ ، وَإِبَاحَةُ التَّنَاوُلِ تَرْجِعُ إلَى الْمَحَلِّ فَتَثْبُتُ بِقَدْرِ مَا يَقْبَلُهُ لَحْمًا وَجِلْدًا ، وَقَدْ لَا تَثْبُتُ إذَا لَمْ يَقْبَلْهُ ، وَإِذَا وَقَعَ اصْطِيَادًا صَارَ كَأَنَّهُ رَمَى إلَى صَيْدٍ فَأَصَابَ غَيْرَهُ .

(وَإِنْ تَبَيَّنَ أَنَّهُ حِسُّ آدَمِيٍّ أَوْ حَيَوَانٍ أَهْلِيٍّ لَا يَحِلُّ الْمُصَابُ) ؛ لِأَنَّ الْفِعْلَ لَيْسَ بِاصْطِيَادٍ (وَالطَّيْرُ الدَّاجِنُ الَّذِي يَأْوِي الْبُيُوتَ أَهْلِيٌّ وَالظَّبْيُ الْمُوثَقُ بِمَنْزِلَتِهِ) لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ

اور جب کسی بندے کوئی آہٹ سنی اور اس نے اسی کو شکار سمجھ کر تیر چلا دیا ہے یا اس پر کتے یا باز کو ارسال کر دیا ہے اور وہ تیر کسی

شکار کو جالگا اور اس کے بعد اس کو پتہ چلا کہ وہ آہٹ شکار ہی کی تھی۔ جو شکار اس کے پاس آچکا ہے تو وہ شکار حلال ہے۔ اگر چہ وہ شکار کوئی سا بھی ہو۔ کیونکہ وہ بندہ شکار کرنے کا ارادہ کرنے والا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس سے خنزیر کو خاص کیا ہے اس لئے کہ اس کی حرمت سخت ہے۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے ہیں کہ خنزیر کے کسی بھی حصے کی اباحت ثابت نہیں ہے۔ جبکہ درندوں میں ایسا نہیں ہے کیونکہ شکار ان کی کھالوں میں اثر کو شامل کرنے والا ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اس حکم سے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے پس وہ خاص ہوں گے۔ کیونکہ اس میں ارسال کرنے کی کوئی اباحت نہیں ہے۔

ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے اصطیاد کا لفظ یہ صرف گوشت کھانے والے جانوروں کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ اصطیاد کا عمل واقع ہو جائے حالانکہ یہ عمل خود بہ خود مباح ہے۔ جبکہ کھانے کی اباحت اس کے محل کی جانب کی گئی ہے۔ اور وہ اباحت انہی چیزوں میں ثابت ہوگی۔ جس مقدار میں اس کا محل اس کو قبول کرنے والا ہوگا۔ اگر چہ وہ گوشت میں ہو یا وہ کھالوں میں ہو۔

اور جب محل اباحت کو قبول نہ کرے تو وہ ثابت نہ ہوگی۔ اور جب کسی پر اصطیاد کا عمل واقع ہوا ہے تو یہ ایسے ہو جائے گا کہ کسی شکاری نے کسی شکار کی جانب تیر چلایا ہے اور وہ تیر کسی دوسرے شکار میں جالگا ہے۔

اور جب اس پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ آہٹ کسی انسان یا مویشی جانور کی تھی تو اس کا پکڑا گیا شکار حلال نہ ہوگا کیونکہ یہ عمل شکار واقع نہیں ہوا ہے۔ اور وہ مانوس پرندہ جو راتوں کو گھروں میں رہنے والا ہے وہ پالتو ہے اور پالتو ہرن یہ بھی پالتو پرندے کی طرح ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

شرح

اور جب کسی شخص کو شکار کی آہٹ محسوس ہوئی اور اس شخص کو یہی گمان ہے کہ یہ شکار کی آہٹ ہے اس نے کتا یا باز چھوڑ دیا یا تیر چلا دیا اور شکار کو مارا یہ جانور حلال ہے جبکہ بعد میں یہی ثابت ہو کہ یہ آہٹ شکار ہی کی تھی کہ اس کا یہ فعل شکار کرنا قرار پائے گا اگر چہ شکار کو آنکھ سے دیکھا نہ ہو، اور اگر بعد میں یہ پتہ چلا کہ وہ شکار کی آہٹ نہ تھی کسی آدمی کی پہل چل تھی یا گھریلو جانور کی تھی تو وہ شکار حلال نہیں کہ جس چیز پر کتا چھوڑا یا تیر چلایا وہ شکار نہ تھا لہٰذا شکار کرنا نہ پایا گیا۔

اہل کتاب کے برتنوں کو استعمال کرنے کا بیان

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "اے اللہ کے نبی ﷺ ہم ایک ایسی قوم کے درمیان سکونت پذیر ہیں جو اہل کتاب ہے، تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا پی سکتے ہیں، اور ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں شکار بہت ہیں میں اپنی کمان (یعنی تیر) اور تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ بھی شکار مارتا ہوں اور غیر تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ بھی شکار کرتا ہوں تو میرے لئے کون سی چیز درست ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو تم نے اہل کتاب کے برتنوں کے

بارے میں پوچھی ہے تو (ان کے متعلق یہ حکم ہے کہ) اگر ان برتنوں کے علاوہ اور برتن مل سکیں تو پھر ان کے برتنوں میں مت کھاؤ پیو اور اگر دوسرے برتن نہ مل سکیں تو (پہلے) ان کو دھو مانج لو اور پھر ان میں کھا پی لو۔ رہی شکار کی بات تو جس جانور کو تم نے اپنے تیر سے شکار کیا ہے اور (تیر چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا ہے اس کو کھا لو اسی طرح جس جانور کو تم نے تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ شکار کیا ہے اور (اس کتے کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا ہے تو اس کو بھی کھا سکتے ہو۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 4)

ان کے برتنوں میں مت کھاؤ" یہ حکم احتیاط کے پیش نظر ہے اور اس کے کئی سبب ہیں ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے دع ما یریبک الی مالا یریبک دوسرے اس بات سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ حتی الامکان ان کے مستعمل برتنوں میں کھانے پینے سے احتراز کیا جائے اگرچہ ان کو دھو لیا گیا ہو۔ اور تیسرے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات زیادہ سے زیادہ اہمیت کے ساتھ راسخ کرنا بھی مقصود ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ان کا یہ ملی تقاضہ بہر صورت رہنا چاہئے کہ وہ ان (اہل کتاب) کے ساتھ رہن سہن اور باہمی اختلاط رکھنے سے نفرت کریں۔ تاہم یہ حکم کہ "ان کے برتنوں میں مت کھاؤ" دراصل تقوی کی راہ ہے اور اس بارے میں جو کچھ فتوی ہے وہ خود حدیث نے آگے بیان کر دیا ہے۔

"ان کو دھو مانج لو" یہ حکم اس صورت میں تو بطریق وجوب ہوگا جب کہ ان برتنوں کے نجس و ناپاک ہونے کا ظن غالب ہو اور اس صورت میں بطریق استحباب ہوگا جب کہ ان کی نجاست کا ظن غالب نہ ہو۔

برماوی نے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر ان (اہل کتاب) کے برتنوں کے علاوہ اور دوسرے برتن مل سکتے ہوں تو اس صورت میں ان کے برتنوں کو دھو کر بھی اپنے کھانے پینے کے استعمال میں نہیں لانا چاہئے۔ جب کہ فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ان کے برتنوں کے دھو لینے کے بعد استعمال کرنا بہر صورت جائز ہے۔ خواہ اور دوسرے برتن مل سکتے ہوں یا نہ مل سکتے ہوں۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ حدیث سے جو کراہت ثابت ہوتی ہے وہ ان برتنوں پر محمول ہے جن میں وہ لوگ سور کا گوشت پکاتے کھاتے ہوں یا جن میں شراب پینے کے لئے رکھتے ہوں، لہذا ایسے برتن چونکہ ایمانی نقطہ نظر سے بے حد گھناؤنے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو اپنے استعمال میں لانا مکروہ ہے خواہ ان کو کتنا ہی دھو مانج کیوں نہ لیا جائے اور فقہاء نے جو مسئلہ بیان کیا ہے وہ ان برتنوں پر محمول ہے جو سور کے گوشت جیسی نجاستوں اور ناپاکیوں میں زیادہ مستعمل نہیں ہوتے۔

تیر پھینکے گئے پرندے کے وحشی و عدم وحشی ہونے کا بیان

(وَلَوْ رَمَى إِلَى طَائِرٍ فَأَصَابَ صَيْدًا وَمَرَّ الطَّائِرُ وَلَا يَدْرِي وَحْشِيٌّ هُوَ أَوْ غَيْرُ وَحْشِيٍّ حَلَّ الصَّيْدُ) ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ فِيهِ التَّوَحُّشُ (وَلَوْ رَمَى إِلَى بَعِيرٍ فَأَصَابَ صَيْدًا وَلَا يَدْرِي نَادٌّ هُوَ أَمْ لَا لَا يَحِلُّ الصَّيْدُ) ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ الِاسْتِئْنَاسُ (وَلَوْ رَمَى إِلَى سَمَكَةٍ أَوْ

جَرَادَةٍ فَأَصَابَ صَيْدًا يَحِلُّ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ) ؛ لِأَنَّهُ صَيْدٌ ، وَفِي أُخْرَى عَنْهُ لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ لَا ذَكَاةَ فِيهِمَا (وَلَوْ رَمَى فَأَصَابَ الْمَسْمُوعَ حِسُّهُ وَقَدْ ظَنَّهُ آدَمِيًّا فَإِذَا هُوَ صَيْدٌ يَحِلُّ) ؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِظَنِّهِ مَعَ تَعَيُّنِهِ (فَإِذَا سَمَّى الرَّجُلُ عِنْدَ الرَّمْيِ أُكِلَ مَا أَصَابَ إِذَا جَرَحَ السَّهْمُ فَمَاتَ) ؛ لِأَنَّهُ ذَابِحٌ بِالرَّمْيِ لِكَوْنِ السَّهْمِ آلَةً لَهُ فَتُشْتَرَطُ التَّسْمِيَةُ عِنْدَهُ ، وَجَمِيعُ الْبَدَنِ مَحَلٌّ لِهَذَا النَّوْعِ مِنْ الذَّكَاةِ ، وَلَا بُدَّ مِنْ الْجُرْحِ لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الذَّكَاةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ .

قَالَ (وَإِذَا أَدْرَكَهُ حَيًّا ذَكَّاهُ) وَقَدْ بَيَّنَّاهَا بِوُجُوهِهَا ، وَالِاخْتِلَافِ فِيهَا فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ فَلَا نُعِيدُهُ .

ترجمہ

اور جب شکاری نے کسی شکاری پرندے کی جانب تیر چلا دیا ہے اور وہ تیر کسی دوسرے پرندے کو لگا ہے اور وہ پرندہ تو اُڑ گیا ہے اور یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ وہ پرندہ وحشی ہے یا غیر وحشی ہے تو وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ اس پرندے میں وحشی ہونا ظاہر ہے۔

اور جب شکاری نے اونٹ کی جانب تیر چلایا ہے اور وہ تیر کسی شکار کو جالگا اور یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ بھاگا ہوا ہے یا نہیں ہے تو وہ شکار حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ اونٹ میں حلال ہونا اصل ہے۔

اور جب شکاری نے مچھلی یا ٹڈی جانب تیر چلایا اور وہ کسی شکار کو جالگا ہے تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بیان کردہ ایک روایت کے مطابق وہ حلال ہوگا کیونکہ یہ شکار ہے جبکہ ان سے بیان کردہ دوسری روایت کے مطابق یہ حلال نہ ہوگا کیونکہ اس میں ذبح کرنا نہیں پایا گیا۔

اور جب وہ تیر اسی شکار سے جالگا ہے جس کی اس نے آہٹ سن رکھی تھی حالانکہ وہ اس کو آدمی سمجھ رہا تھا مگر وہ اچانک شکار نکلا تو وہ حلال ہے۔ اس لئے تعین صید کے بعد اس کے وہم کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور جب تیر چلانے والے نے تیر چلاتے وقت بسم اللہ کو پڑھا ہے تو جس شکار کو بھی تیر لگے گا وہ حلال ہوگا لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ تیر نے اس کو زخمی کیا ہو۔ اور اسی زخم کے ساتھ وہ شکار مرا ہو۔ اس لئے کہ وہ بندہ تیر کے ذریعے ذبح کرنے والا ہے۔ کیونکہ تیر بھی ذبح کرنے والا آلہ ہے۔ پس تیر چلاتے وقت بسم اللہ کو پڑھنا شرط ہے۔ اور اس شکار کا جسم ذبح کا محل ہے۔ اور زخم لگانا لازم ہے کہ ذبح کا حکم ثابت ہو جائے۔ اسی وضاحت کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ (کتاب ذبائع میں ہے)

اور جب شکاری نے شکار کو زندہ پایا ہے تو وہ اس کو ذبح کرے اور اس مسئلہ کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ بیان کر آئے ہیں اور اس کے اختلاف کو بھی پہلی فصل میں بیان کر آئے ہیں پس یہاں اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

شرح

اور جب شکاری نے پرند پر تیر چلایا وہ تو اُڑ گیا دوسرے شکار کولگا یہ حلال ہے اگر چہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ پرند جس پر تیر چلایا تھا وحشی ہے یا نہیں۔ چونکہ پرند میں غالب یہی ہے کہ وحشی ہو اور اگر اونٹ پر تیر چلایا وہ اونٹ کو نہیں لگا بلکہ کسی شکار کو لگا اس کی دو صورتیں ہیں اگر معلوم ہے کہ اونٹ بھاگ گیا ہے کسی طرح قابو میں نہیں آتا یعنی وہ اس حالت میں ہے کہ اُس کا ذبح اضطراری ہوسکتا ہے تو وہ شکار حلال ہے اور اگر یہ پتہ نہ ہو تو شکار حلال نہیں کہ اس کا یہ فعل شکار کرنا نہیں ہے۔

شکار کا تیر لگنے کے بعد شکاری سے اوجھل ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا وَقَعَ السَّهْمُ بِالصَّيْدِ فَتَحَامَلَ حَتَّى غَابَ عَنْهُ وَلَمْ يَزَلْ فِي طَلَبِهِ حَتَّى أَصَابَهُ مَيِّتًا أُكِلَ ، وَإِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهِ) ثُمَّ أَصَابَهُ مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ ، لِمَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَنَّهُ كَرِهَ أَكْلَ الصَّيْدِ إذَا غَابَ عَنْ الرَّامِي وَقَالَ : لَعَلَّ هَوَامَّ الْأَرْضِ قَتَلَتْهُ) وَلِأَنَّ احْتِمَالَ الْمَوْتِ بِسَبَبٍ آخَرَ قَائِمٌ فَمَا يَنْبَغِي أَنْ يَحِلَّ أَكْلُهُ ؛ لِأَنَّ الْمَوْهُومَ فِي هَذَا كَالْمُتَحَقِّقِ لِمَا رَوَيْنَا ، إلَّا أَنَّا أَسْقَطْنَا اعْتِبَارَهُ مَا دَامَ فِي طَلَبِهِ ضَرُورَةَ أَنْ لَا يَعْرَى الِاصْطِيَادُ عَنْهُ ، وَلَا ضَرُورَةَ فِيمَا إذَا قَعَدَ عَنْ طَلَبِهِ لِإِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْ تَوَارٍ يَكُونُ بِسَبَبِ عَمَلِهِ ، وَالَّذِي رَوَيْنَاهُ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ فِي قَوْلِهِ إنَّ مَا تَوَارَى عَنْهُ إذَا لَمْ يَبِتْ يَحِلُّ فَإِذَا بَاتَ لَيْلَةً لَمْ يَحِلَّ (وَلَوْ وُجِدَ بِهِ جِرَاحَةٌ سِوَى جِرَاحَةِ سَهْمِهِ لَا يَحِلُّ) ؛ لِأَنَّهُ مَوْهُومٌ يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ فَاعْتُبِرَ مُحَرِّمًا ، بِخِلَافِ وَهْمِ الْهَوَامِّ وَالْجَوَابُ فِي إرْسَالِ الْكَلْبِ فِي هَذَا كَالْجَوَابِ فِي الرَّمْيِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ

فرمایا کہ شکار کو تیر لگ گیا ہے اور اس کے بعد وہ مشکل سے اٹھ کر بھاگ گیا حتیٰ کہ وہ شکاری کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے اور شکاری اس کو مسلسل تلاش کرتا رہا یہاں تک اس نے مرنے کی حالت میں اس کو پالیا ہے تو وہ شکار کھایا جائے گا۔ لیکن جب اس شکاری نے اس کو تلاش نہ کیا اور پھر اس کو مردہ پایا ہے تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ اسی حدیث کے سبب سے جو آپ ﷺ سے نقل کی گئی ہے۔ کہ آپ ﷺ نے ایسے شکار کو کھانے کو مکروہ جانا ہے۔ جو شکار تیر چلانے والے سے غائب ہو جائے۔ اور اس میں علت یہ بیان ہوئی ہے کہ ممکن ہے اس کو زمین کے جانوروں نے مار دیا ہو۔ کیونکہ کسی دوسرے سبب سے بھی مرنے کا احتمال پایا جاتا ہے۔ پس اس کے کھانے حلت مناسب نہ ہوگی۔ کیونکہ شکار کے احکام میں وہم والا معاملہ بھی یقینی طرح ثابت ہونے والا ہے۔ اسی دلیل کے

سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

مگر جب شکاری اس کی تلاش میں رہا اس وقت تک کیلئے ہم نے وہم کو ساقط کر دیا ہے کیونکہ ابھی تک اس کی ضرورت ہے۔ اور شکار کرنا اس سے خالی بھی نہیں ہوا ہے۔لیکن جس وقت شکاری اپنے شکار سے بیٹھ چکا ہے تو اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا اس طرح سے غائب ہونا سے بچنا ممکن ہے جو شکاری کی وجہ سے ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ خلاف حجت ہماری یہ روایت کردہ حدیث ہے کیونکہ ان کا قول یہ ہے جو شکار شکاری سے غائب ہو گیا ہے وہ اگر رات بسر نہ کرے تو حلال ہے اور جب وہ رات بسر کر لے تو پھر وہ حلال نہیں ہے۔

اور جب شکاری نے اپنے تیر کے زخم کے سوا کوئی اور زخم موجود دیکھا ہے تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ یہ ایک ایسا وہم ہے جس سے بچنا ممکن ہے۔پس اس محرم سمجھا جائے گا۔جبکہ حشرات زمین میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے ارسال کتے کا حکم اسی طرح ہے جس طرح تیر چلانے والے کا ہے اور یہ حکم ان تمام صورتوں میں ہوگا جن کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

شرح

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر تم (اللہ کا نام لے کر کسی شکار پر) اپنا تیر چلاؤ اور پھر وہ (شکار تیر کھا کر تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جائے۔(یعنی کسی ایسی جگہ گر کر مر جائے جو اس وقت تمہیں نہ مل سکے) اور پھر وہ تمہارے ہاتھ لگ جائے (اور تم اس میں اپنے تیر کا نشان دیکھ کر یہ یقین کر لو کہ یہ تمہارے اس تیر کے لگنے سے مرا ہے) تم اس کو کھا سکتے ہو جب تک کہ اس (کی بو) میں تغیر پیدا نہ ہو جائے۔" (مسلم ،مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 5)

حنفی علماء لکھتے ہیں " جب تک کہ اس میں تغیر پیدا نہ ہو جائے " کا حکم بطریق استحباب ہے، ورنہ تو گوشت میں بو کا پیدا ہو جانا اس گوشت کے حرام ہونے کو واجب نہیں کرتا۔چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا گوشت کھایا ہے جس میں بو پیدا ہو چکی تھی۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بد بودار گوشت کھانے کی ممانعت ،محض نہی تنزیہہ پر محمول ہے نہ کہ نہی تحریم پر، بلکہ یہی حکم ہر اس کھانے کا ہے جو بد بودار ہو گیا ہو الا یہ کہ اس کو کھانے کی وجہ سے کسی تکلیف ونقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شکار پر تیر پھینکتا ہوں لیکن شکار دوسرے دن ملتا ہے اور اس میں میرا تیر پیوست ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ تمہارے تیر ہی سے ہلاک ہوا ہے کسی درندے نے اسے ہلاک نہیں کیا تو تم اسے کھا سکتے ہو۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔شعبہ یہی حدیث ابوبشیر اور عبدالملک بن میشرہ سے وہ سعید بن جبیر سے اور وہ عدی بن حاتم سے نقل کرتے ہیں۔یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اس باب میں ابوثعلبہ خشنی سے بھی حدیث منقول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1511)

تیر مارے گئے شکار کا پانی میں گر جانے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا رَمَى صَيْدًا فَوَقَعَ فِي الْمَاءِ أَوْ وَقَعَ عَلَى سَطْحٍ أَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدَّى مِنْهُ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يُؤْكَلْ) ؛ لِأَنَّهُ الْمُتَرَدِّيَةُ وَهِيَ حَرَامٌ بِالنَّصِّ ، وَلِأَنَّهُ احْتَمَلَ الْمَوْتَ بِغَيْرِ الرَّمْيِ ؛ إذْ الْمَاءُ مُهْلِكٌ وَكَذَا السُّقُوطُ مِنْ عَالٍ ، يُؤَيِّدُ ذَلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَدِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (وَإِنْ وَقَعَتْ رَمِيَّتُك فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ ، فَإِنَّك لَا تَدْرِي أَنَّ الْمَاءَ قَتَلَهُ أَوْ سَهْمُك) .

ترجمہ

فرمایا کہ جب شکار کو تیر چلایا ہے اور وہ شکار پانی میں واقع ہوگیا ہے یا وہ کسی چھت یا پہاڑ پر گر گیا ہے اور اس کے بعد وہ وہاں سے لٹکتا ہوا زمین پر گر گیا ہے۔ تو اس کو نہ کھایا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ متردیہ ہے۔ جو قرآنی نص کے مطابق حرام ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ وہ تیر کے علاوہ موت کا احتمال رکھنے والا ہے۔ کیونکہ پانی بھی ہلاک کرنے والا ہے۔ جبکہ بلندی سے گر جانا یہ بھی ہلاکت ہے۔ اور اس کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس فرمان اقدس سے بھی ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جب تمہارے تیرے سے مار گیا شکار پانی میں گر جائے تو اس کو نہ کھاؤ۔ کیونکہ تم یہ بات نہیں جانتے کہ اس کو تم نے مارا ہے یا پانی نے مارا ہے۔

شرح

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم تیر چلاؤ تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لیا کرو۔ پھر اگر شکار اس سے مر جائے تو اسے کھاؤ لیکن اگر وہ شکار پانی میں مردہ حالت پاؤ تو نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے تیر سے ہلاک ہوا یا پانی میں گرنے کی وجہ سے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1512)

تیر لگتے ہی شکار کا پانی میں گر جانے کی صورت میں حلت کا بیان

(وَإِنْ وَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ ابْتِدَاءً أُكِلَ) ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ ، وَفِي اعْتِبَارِهِ سَدَّ بَابِ الِاصْطِيَادِ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ ، فَصَارَ الْأَصْلُ أَنَّ سَبَبَ الْحُرْمَةِ وَالْحِلِّ إذَا اجْتَمَعَا وَأَمْكَنَ التَّحَرُّزُ عَمَّا هُوَ سَبَبُ الْحُرْمَةِ تُرَجَّحُ جِهَةُ الْحُرْمَةِ احْتِيَاطًا ، وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ جَرَى وُجُودُهُ مَجْرَى عَدَمِهِ ؛ لِأَنَّ

التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ ، فَمِمَّا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ إِذَا وَقَعَ عَلَى شَجَرٍ أَوْ حَائِطٍ أَوْ آجُرَّةٍ ثُمَّ وَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ أَوْ رَمَاهُ ، وَهُوَ عَلَى جَبَلٍ فَتَرَدَّى مِنْ مَوْضِعٍ إِلَى مَوْضِعٍ حَتَّى تَرَدَّى إِلَى الْأَرْضِ ، أَوْ رَمَاهُ فَوَقَعَ عَلَى رُمْحٍ مَنْصُوبٍ أَوْ عَلَى قَصَبَةٍ قَائِمَةٍ أَوْ عَلَى حَرْفِ آجُرَّةٍ لِاحْتِمَالِ أَنَّ حَدَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ قَتَلَهُ ،

ترجمہ

اور جب ابتدائی طور پر تیر کے لگتے ہی وہ شکار پانی میں گر گیا ہے تو اسکو کھالیا جائے گا۔ اس لئے اس سے بچنا ممکن نہیں ہے اور اگر بچنے کا اعتبار کرلیا جائے تو شکار کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ جبکہ پہلے بیان کردہ صورت میں حکم اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے احتیاط ممکن ہے۔ اور قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جب حلت وحرمت دونوں سبب میں جمع ہو جائیں اور حرمت کے سبب سے بچنا ممکن ہو تو احتیاط کے پیش نظر حرمت کی جانب کو ترجیح دی جائے گی۔ مگر جب کوئی ایسا سبب ہے کہ جس بچ جانا ممکن ہی نہیں ہے تو اب اس کا وجود سبب کے نہ پائے جانے کے حکم میں ہوگا۔ کیونکہ تکلیف وسعت کی مقدار کے مطابق دی جاتی ہے۔

اور اگر اس سبب سے بچ جانا ممکن ہے جس طرح یہ صورت ہے کہ جب شکار کسی درخت یا کسی دیوار یا پختہ اینٹ پر گرنے کے بعد زمین پر گرا ہے اور پھر شکاری نے اس کو مار دیا ہے جبکہ وہ شکار کسی پہاڑ پر تھا اور وہاں سے لٹکتا ہوا کسی دوسرے زمین پر آ گیا ہے یا شکاری نے شکار کو نیزہ مار دیا ہے اور وہ گاڑ دیے گئے نیزے پر گر گیا ہے یا وہ کھڑے ہوئے بانس پر گرا ہے۔ یا وہ اینٹ کے کنارے پر گر گیا ہے ان صورتوں میں ممکن ہے مذکورہ چیزوں کی دھار نے اس کو مار دیا ہو۔

تیر لگ کر پانی میں گرنے والے شکار میں فقہی مذاہب

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سکھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر اپنا سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑو تو جو کچھ تمہارے لیے اٹھا لائے اسے کھاؤ اور اگر وہ خود (یعنی کتا) اس میں سے کھانے لگے تو مت کھاؤ کیونکہ اس نے شکار اپنے لیے پکڑا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمارے کتے کے ساتھ کچھ اور کتے بھی شامل ہو جائیں تو کیا کیا جائے۔ فرمایا تم نے اپنے کتے کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی تھی دوسرے کتوں پر نہیں۔ سفیان کہتے ہیں کہ اس شکار کا کھانا صحیح نہیں۔ بعض صحابہ اور دوسرے علماء اس پر عمل ہے کہ جب شکار اور ذبیحہ پانی میں گر جائیں تو اسے کھانا صحیح نہیں۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کئے جانے والے جانور کا حلقوم کٹ جانے کے بعد وہ پانی میں گر کر مرے تو اس کا کھانا جائز ہے ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ کتا شکار سے کچھ کھائے تو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اگر کتا شکار سے کچھ کھائے تو اب اسے نہ کھاؤ۔ سفیان ثوری بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام

اور دیگر اہل علم اسنے اس کی اجازت دی اگر چہ کتے نے اس سے کھایا ہو۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1513)

شکار کا زمینی ذائع اسباب سے نہ بچنے کا بیان

وَمِمَّا لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ إذَا وَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ ، أَوْ عَلَى مَا هُوَ مَعْنَاهُ كَجَبَلٍ أَوْ ظَهْرِ بَيْتٍ أَوْ لَبِنَةٍ مَوْضُوعَةٍ أَوْ صَخْرَةٍ فَاسْتَقَرَّ عَلَيْهَا ؛ لِأَنَّ وُقُوعَهُ عَلَيْهِ وَعَلَى الْأَرْضِ سَوَاءٌ وَذُكِرَ فِي الْمُنْتَقَى : لَوْ وَقَعَ عَلَى صَخْرَةٍ فَانْشَقَّ بَطْنُهُ لَمْ يُؤْكَلْ لِاحْتِمَالِ الْمَوْتِ بِسَبَبٍ آخَرَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ وَحُمِلَ مُطْلَقُ الْمَرْوِيِّ فِي الْأَصْلِ عَلَى غَيْرِ حَالَةِ الِانْشِقَاقِ ، وَحَمَلَهُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى مَا أَصَابَهُ حَدُّ الصَّخْرَةِ فَانْشَقَّ بَطْنُهُ بِذَلِكَ ، وَحَمَلَ الْمَرْوِيَّ فِي الْأَصْلِ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يُصِبْهُ مِنْ الْآجُرَّةِ إلَّا مَا يُصِيبُهُ مِنْ الْأَرْضِ لَوْ وَقَعَ عَلَيْهَا وَذَلِكَ عَفْوٌ وَهَذَا أَصَحُّ .

ترجمہ

اور جب اوپر ذکر کردہ اسباب سے بچ جانا ممکن نہ ہو کہ جب شکار زمین گرے جن کو ہم نے بیان کر دیا ہے یا وہ ایسی جگہ پر گرا ہے جو زمین کے حکم میں ہے۔ جس طرح پہاڑ یا گھر کی چھت یا پڑی ہوئی پکی اینٹ یا چٹان اور وہ شکار اسی پر ٹھہر گیا ہے کیونکہ شکار کا اس پر گرنا اور زمین پر گر جانا یہ دونوں مساوی ہے۔

اور منتقی میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب شکار پتھر پر گرا ہے اور اس کا پیٹ چاک ہو گیا ہے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ موت کا دوسرا سبب موجود ہے۔ اور حاکم شہید علیہ الرحمہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

مبسوط کی مطلق روایت کو پیٹ نہ پھٹنے کی حالت پر اس کو محمول کیا گیا ہے۔ اور امام شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمہ نے اس کو حالت پر محمول کیا ہے کہ جب اس کو پتھر کی دھار لگی ہے اور اس کی وجہ سے شکار کا پیٹ پھٹ گیا ہے۔ جبکہ مبسوط کی روایت کو اس حالت پر محمول کر دیا گیا ہے کہ پکی اینٹ سے شکار کو اس قدر چوٹ لگتی ہے جس قدر اس کو زمین سے چوٹ لگتی ہے۔ جب وہ زمین پر گرتا ہے اور اتنی مقدار معاف ہے اور زیادہ صحیح یہی ہے۔

شرح

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ان کی قوم کے ایک شخص نے ایک یا دو خرگوشوں کا شکار کیا اور انہیں پتھر سے ذبح کیا اور انہیں لٹکا دیا یہاں تک کہ رسول اللہ سے ملاقات ہوئی تو آپ سے اس کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا اسے کھا سکتے ہو۔ اس باب میں محمد بن صفوان، رافع اور عدی بن حاتم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ بعض اہل علم پتھر سے ذبح کرنے اور خرگوش کا گوشت کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔

اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔بعض اہل علم خرگوش کے گوشت کو مکروہ کہتے ہیں۔اس حدیث کی روایت میں شعبی کے ساتھیوں کا اختلاف ہے۔داؤد بن ابی ہند، شعبی سے بحوالہ محمد بن صفوان اور عاصم احول بحوالہ صفوان بن محمد یا محمد بن صفوان نقل کرتے ہیں اور محمد بن صفوان زیادہ صحیح ہیں۔جابر جعفی بھی شعبی سے وہ جابر بن عبداللہ سے قتادہ ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ہوسکتا ہے شعبی نے ان دونوں سے نقل کیا ہو۔امام بخاری فرماتے ہیں کہ شعبی کی جابر سے منقول حدیث غیر محفوظ ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1516)

آبی پرندے کا جب زخم پانی میں ڈوبے تو کھانے کا بیان

وَإِنْ كَانَ الطَّيْرُ مَائِيًّا ، فَإِنْ كَانَتْ الْجِرَاحَةُ لَا تَنْغَمِسُ فِي الْمَاءِ أُكِلَ ، وَإِنْ انْغَمَسَتْ لَا يُؤْكَلُ كَمَا إذَا وَقَعَ فِي الْمَاءِ

قَالَ (وَمَا أَصَابَهُ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهِ لَمْ يُؤْكَلْ ، وَإِنْ جَرَحَهُ يُؤْكَلُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِ (مَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْ ، وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَأْكُلْ) وَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْجُرْحِ لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الذَّكَاةِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ .

ترجمہ

جب شکاری پرندہ پانی والا ہے اور وہ پانی میں گر گیا لیکن اس کا زخم پانی میں ڈوبا نہیں ہے تو اس شکار کو کھایا جائے گا۔اور جب اس کا زخم پانی میں ڈوب جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔جس طرح یہ صورت مسئلہ ہے کہ جب شکار پانی میں گر جائے۔

اور اسی طرح ... کار جس کو اپنی ڈنڈی کے ساتھ بغیر پھل والا تیر لگ جائے تو اس کو بھی نہیں کھایا جائے گا۔اور جب اسی زخمی کر دیا جائے تو وہ کھالیا جائے گا۔کیونکہ معراض کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شکار کو دھار کے ساتھ تیر لگ جائے اس کو کھاؤ۔اور جس کو اپنی ڈنڈی کے ساتھ تیر لگ جائے اس کو نہ کھاؤ۔کیونکہ زخمی کرنا شرط ہے۔کہ معنی ذبح ثابت ہو جائے اسی وضاحت کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

بندقہ لگنے والے شکار کو نہ کھانے کا بیان

قَالَ (وَلَا يُؤْكَلُ مَا أَصَابَتْهُ الْبُنْدُقَةُ فَمَاتَ بِهَا) ؛ لِأَنَّهَا تَدُقُّ وَتَكْسِرُ وَلَا تَجْرَحُ فَصَارَ كَالْمِعْرَاضِ إذَا لَمْ يَخْزِقْ ، وَكَذَلِكَ إنْ رَمَاهُ بِحَجَرٍ ، وَكَذَا إنْ جَرَحَهُ قَالُوا : تَأْوِيلُهُ إذَا كَانَ ثَقِيلًا وَبِهِ حِدَّةٌ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ قَتَلَهُ بِثِقْلِهِ ، وَإِنْ كَانَ الْحَجَرُ خَفِيفًا وَبِهِ حِدَّةٌ يَحِلُّ لِتَعَيُّنِ الْمَوْتِ بِالْجُرْحِ ، وَلَوْ كَانَ الْحَجَرُ خَفِيفًا ، وَجَعَلَهُ طَوِيلًا كَالسَّهْمِ وَبِهِ حِدَّةٌ فَإِنَّهُ

يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ يَقْتُلُهُ بِجُرْحِهِ ، وَلَوْ رَمَاهُ بِمَرْوَةٍ حَدِيدَةٍ وَلَمْ تُبْضِعْ بَضْعًا لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ قَتَلَهُ دَقًّا ، وَكَذَا إذَا رَمَاهُ بِهَا فَأَبَانَ رَأْسَهُ أَوْ قَطَعَ أَوْدَاجَهُ ؛ لِأَنَّ الْعُرُوقَ تَنْقَطِعُ بِثِقَلِ الْحَجَرِ كَمَا تَنْقَطِعُ بِالْقَطْعِ فَوْقَ الشَّكِّ أَوْ لَعَلَّهُ مَاتَ قَبْلَ قَطْعِ الْأَوْدَاجِ ،

ترجمہ

اور وہ جانور جس کو بندقہ لگ جائے اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اگر چہ اسی سبب سے اس کی موت واقع ہوئی ہے کیونکہ بندقہ یعنی غلیل اس کو کاٹنے اور توڑنے والی ہے۔ اور وہ اس کو زخمی نہیں کرتی۔ پس وہ بھی پھل کے سوا والے تیر کی مانند ہو جائے گی۔ اور اسی طرح جب وہ اس کے اندر نہ گھس سکے۔ اور اسی طرح جب تیر کو پھینک کر شکار کیا جائے اور اسی طرح جب پتھر سے اس کو زخمی کیا جائے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب وہ بھاری ہے اور اس میں دھار بھی ہے تو اس میں یہ احتمال ہوگا کہ پتھر نے بھاری ہونے کے سبب اس کو مار دیا ہے۔

اور جب وہ پتھر ہلکا ہے اور اس میں دھار ہے تو وہ شکار حلال ہے۔ کیونکہ زخم کے سبب موت معین ہو چکی ہے۔ اور جب پتھر ہلکا ہے لیکن تیر کی مثل لمبا بنا ہوا ہے۔ اور اس میں دھار ہے تو وہ شکار حلال ہے اس لئے کہ ایسا پتھر شکار زخم کے ساتھ مارنے والا ہے۔

اور جب شکاری نے مروہ پتھر پر شکار کو پھینک دیا اور اس نے اس کا کوئی عضو بھی نہیں کاٹا ہے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا کیونکہ اس نے شکار کو توڑ کر مارا ہے اور اسی طرح جب شکار کو سنگ مروہ سے مارا جائے اور اس کے سر کو الگ کر دیا جائے اور اس کی رگوں کو بھی کاٹ دیا جائے کیونکہ رگیں جو ہیں یہ پتھر کے بھاری ہونے کی وجہ سے کٹ جاتی ہیں۔ جس طرح عام طور پر کاٹنے سے کٹ جاتی ہیں۔ تو مرنے میں شک پیدا ہو جائے گا کہ ممکن ہے وہ شکار ان رگوں کے کٹ جانے سے قبل ہی مر چکا ہو۔

شرح

اور غلیل سے شکار کیا اور جانور مر گیا تو کھایا نہ جائے اگر چہ جانور مجروح ہو گیا ہو کہ غلیلہ کاٹتا نہیں بلکہ توڑتا ہے یہ موقوذہ ہے جس طرح تیر مارا اور اس کی نوک نہیں لگی بلکہ پٹ ہو کر شکار پر لگا اور مر گیا جس کی حدیث میں حرمت مذکور ہے۔ اور بندوق کا شکار مر جائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرا بھی آلہ جارحہ نہیں بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑا کرتا ہے۔

اور دھار دار پتھر سے مارا اگر پتھر بھاری ہے تو کھایا نہ جائے کیونکہ اس میں اگر یہ احتمال ہے کہ زخمی کرنے سے مرا تو یہ احتمال بھی ہے کہ پتھر کے بوجھ سے مرا ہو اور اگر وہ ہلکا ہے تو کھایا جائے کہ یہاں مرنا جراحت کی وجہ سے ہے۔

(ردالمحتار، کتاب صید، بیروت)

بندوق والے شکار کی ممانعت کا بیان

حضرت ابو ثعلبہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی شخص کا مال لوٹنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی

دانت والے درندہ کا کھانا اور نہ ہی مجثمہ (یعنی وہ جانور جس کو تیر سے یا بندوق وغیرہ کی گولیوں سے نشانہ بنایا جائے)۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 630)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے کتے کو شکار پر چھوڑ و اور اللہ کا نام لے لو اپنے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی پاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اس جانور کو شک کتے نے شکار کیا ہے اور جب تم کسی شکار پر تیر چلاؤ، جو آر پار گذر جائے تو اسے کھالو، ورنہ مت کھاؤ اور چوڑائی سے لگنے والے تیر کا شکار مت کھاؤ الا یہ کہ اسے ذبح کرلو اور بندوق کی گولی کا شکار مت کھاؤ الا یہ کہ اسے ذبح کرلو۔ (مسند احمد: جلد ہشتم: حدیث نمبر 1188)

نافع نے کہا میں نے دو چڑیاں ماریں پتھر سے جرف میں ایک مرگئی اس کو پھینک دیا عبداللہ بن عمر نے اور دوسری کو دوڑے ذبح کرنے کو بسولے سے وہ مرگئی ذبح سے پہلے، اس کو بھی پھینک دیا عبداللہ بن عمر نے، قاسم بن محمد: اس جانور کو کھانا مکروہ جانتے تھے جو لاٹھی یا گولی سے مارا جائے، سعید بن مسیب مکروہ جانتے تھے پلے ہوئے جانور کا مارنا اس طرح جیسے شکار کو مارتے ہیں تیر وغیرہ سے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 950)

مجثمہ کا فقہی مفہوم

وہب بن خالد سے روایت ہے کہ مجھے ام حبیبہ بنت عرباض بن ساریہ نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر ہر دانتوں والے درندے، ہر پنجوں والے پرندے، پالتو گدھوں، مجثمہ اور خلیسہ کے کھانے سے منع فرمایا اور حاملہ باندیوں کے ساتھ بچہ پیدا ہونے سے پہلے جماع کرنے سے بھی منع فرمایا۔ محمد بن یحیی کہتے ہیں کہ یہ قطعی ممانعت ہے۔ ابوعاصم سے مجثمہ کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجثمہ یہ ہے کہ شکار یا کسی اور چیز کو سامنے باندھ کر تیر چلائے جائیں پھر ان سے خلیسہ سے تعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا خلیسہ وہ جانور ہے جسے کوئی شخص بھیڑیے یا درندے وغیرہ سے چھین لے اور وہ اس کے ذبح کرنے سے پہلے ہی مرجائے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1518)

بندوق والے شکار کی اباحت میں اقوال

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک بندوق سے شکار کرنا مباح ہے۔ اسی طرح مودودی نے لکھا ہے۔

لاٹھی سے مارے جانے والے شکار کے حلال نہ ہونے کا بیان

وَلَوْ رَمَاهُ بِعَصًا أَوْ بِعُودٍ حَتَّى قَتَلَهُ لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ يَقْتُلُهُ ثِقَلًا لَا جُرْحًا ، اللَّهُمَّ إلَّا إذَا كَانَ لَهُ حِدَّةٌ يُبْضِعُ بَضْعًا فَحِينَئِذٍ لَا بَأْسَ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ السَّيْفِ وَالرُّمْحِ وَالْأَصْلُ فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ أَنَّ الْمَوْتَ إذَا كَانَ مُضَافًا إلَى الْجُرْحِ بِيَقِينٍ كَانَ الصَّيْدُ حَلَالًا ، وَإِذَا كَانَ

مُضَافًا إِلَى الثِّقَلِ بِيَقِينٍ كَانَ حَرَامًا ، وَإِنْ وَقَعَ الشَّكُّ وَلَا يَدْرِي مَاتَ بِالْجُرْحِ أَوْ بِالثِّقَلِ كَانَ حَرَامًا احْتِيَاطًا ،

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے شکار کولاٹھی ماری یا اس کولکڑی ماری جس وہ شکار مر گیا ہے تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ لاٹھی شکار کو بوجھ سے مارنے والی ہے۔ وہ زخم کر کے مارنے والی نہیں ہے۔ ہاں البتہ جب اس میں دھار ہے اور اس نے شکار کے جسم کو کاٹ دیا ہے تو اب اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی لاٹھی تلوار یا نیزے کے حکم میں ہے۔

اور ان مسائل کے اندر قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جب موت یقینی طور پر زخم کی جانب مصاف کی جائے تو وہ حلال ہے اور جب اس کو یقینی طور پر ثقل کی جانب مضاف کیا جائے تو وہ شکار حرام ہوگا اور جب موت میں شک ہو کہ وہ زخم سے واقع ہوئی ہے یا بوجھ سے واقع ہوئی ہے تو اب احتیاط کے پیش نظر حرام ہوگا۔

شرح

اور جب لاٹھی یا لکڑی سے شکار کو مار ڈالا تو کھایا نہ جائے کہ یہ آلہ جارحہ نہیں بلکہ اس کی چوٹ سے مرتا ہے اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جانور کا مرنا اگر جراحت سے ہونا یقیناً معلوم ہو تو حلال ہے اور اگر ثقل اور دَبنے سے ہو تو حرام ہے اور اگر شک ہے کہ جراحت سے ہے یا نہیں تو احتیاطاً یہاں بھی حرمت ہی کا حکم دیا جائے گا۔

تلوار یا چھری پھینکنے کے سبب شکار کے حلال ہونے کا بیان

وَإِنْ رَمَاهُ بِسَيْفٍ أَوْ بِسِكِّينٍ فَأَصَابَهُ بِحَدِّهِ فَجَرَحَهُ حَلَّ ، وَإِنْ أَصَابَهُ بِقَفَا السِّكِّينِ أَوْ بِمِقْبَضِ السَّيْفِ لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّهُ قَتَلَهُ دَقًّا ، وَالْحَدِيدُ وَغَيْرُهُ فِيهِ سَوَاءٌ " وَلَوْ رَمَاهُ فَجَرَحَهُ وَمَاتَ بِالْجُرْحِ ، إنْ كَانَ الْجُرْحُ مُدْمِيًا يَحِلُّ بِالِاتِّفَاقِ ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُدْمِيًا فَكَذَلِكَ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ سَوَاءٌ " كَانَتْ الْجِرَاحَةُ صَغِيرَةً أَوْ كَبِيرَةً ؛ لِأَنَّ الدَّمَ قَدْ يَحْتَبِسُ بِضِيقِ الْمَنْفَذِ أَوْ غِلَظِ الدَّمِ وَعِنْدَ بَعْضِهِمْ يُشْتَرَطُ الْإِدْمَاءُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَأَفْرَى الْأَوْدَاجَ فَكُلْ) شَرَطَ الْإِنْهَارَ ، وَعِنْدَ بَعْضِهِمْ إنْ كَانَتْ كَبِيرَةً حَلَّ بِدُونِ الْإِدْمَاءِ ، وَلَوْ ذَبَحَ شَاةً وَلَمْ يَسِلْ مِنْهُ الدَّمُ قِيلَ لَا تَحِلُّ وَقِيلَ تَحِلُّ وَوَجْهُ الْقَوْلَيْنِ دَخَلَ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ وَإِذَا أَصَابَ السَّهْمُ ظِلْفَ الصَّيْدِ أَوْ قَرْنَهُ ، فَإِنْ أَدْمَاهُ حَلَّ وَإِلَّا فَلَا ، وَهَذَا يُؤَيِّدُ بَعْضَ مَا ذَكَرْنَاهُ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے شکار پر تلوار یا چھری کو پھینک دیا ہے اور وہ اس نے دھاری والے مقام سے اس کو زخمی کر دیا ہے تو وہ جانور حلال ہے۔ اور جب وہ چھری شکار کی پیٹھ پر لگی ہے یا تلوار کا قبضہ لگا ہے تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ وہ شکار کوٹ کر مارنے والا ہے اور اس میں لوہا وغیرہ ہو تو یہ سب ایک حکم میں ہے۔

اور جب شکار کو تیر مارا اور اس تیر نے اس کو زخمی کر دیا ہے اور اس کے بعد وہ اسی زخم سے مر گیا ہے اور جب وہ خونی زخم ہے تو وہ بہ اتفاق حلال ہے۔ اور جب وہ زخم خون والا نہیں ہے تب بھی بعض متاخر فقہاء کے نزدیک یہی حکم ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک زخم کا خون والا ہونا شرط ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو خون کو بہا دے اور رگوں کو کاٹ دے اس کو کھاؤ۔ اس حدیث میں خون بہانے کی شرط ہے۔

اور بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب وہ زخم بڑا ہے تو پھر وہ خون بہائے بغیر بھی حلال ہے اور جب زخم چھوٹا ہے تو پھر اس میں خون بہانا لازمی ہے۔

اور جب کسی شخص نے بکری کو ذبح کیا ہے اور اس سے خون نہیں بہا ہے تو ایک قول کے مطابق وہ حلال نہیں ہے جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال ہے اور ان دونوں اقوال کا سبب ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ (کتاب ذبائح)

اور جب وہ تیر شکار کے ناخن اور یا پھر اس کے سینگ کو لگ گیا ہے اور اس نے اس کو توڑ کر خون نکال دیا ہے تو وہ حلال ہے اور خون نہ نکالا تو حلال نہیں ہے اور یہ مسئلہ بھی ہمارے بیان کردہ بعض مسائل کا مؤید ہے۔

شکار کے عضوا لگ ہونے میں حیات کے معتبر ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا رَمَى صَيْدًا فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ أُكِلَ الصَّيْدُ) لِمَا بَيَّنَّاهُ (وَلَا يُؤْكَلُ الْعُضْوُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: أُكِلَا إنْ مَاتَ الصَّيْدُ مِنْهُ؛ لِأَنَّهُ مُبَانٌ بِذَكَاةِ الِاضْطِرَارِ فَيَحِلُّ الْمُبَانُ وَالْمُبَانُ مِنْهُ كَمَا إذَا أُبِينَ الرَّأْسُ بِذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَمُتْ؛ لِأَنَّهُ مَا أُبِينَ بِالذَّكَاةِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَا أُبِينَ مِنْ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ) ذَكَرَ الْحَيَّ مُطْلَقًا فَيَنْصَرِفُ إلَى الْحَيِّ حَقِيقَةً وَحُكْمًا، وَالْعُضْوُ الْمُبَانُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ؛ لِأَنَّ الْمُبَانَ مِنْهُ حَيٌّ حَقِيقَةً لِقِيَامِ الْحَيَاةِ فِيهِ، وَكَذَا حُكْمًا؛ لِأَنَّهُ تُتَوَهَّمُ سَلَامَتُهُ بَعْدَ هَذِهِ الْجِرَاحَةِ وَلِهَذَا اعْتَبَرَهُ الشَّرْعُ حَيًّا، حَتَّى لَوْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ وَفِيهِ حَيَاةٌ بِهَذِهِ الصِّفَةِ يَحْرُمُ وَقَوْلُهُ أُبِينَ بِالذَّكَاةِ قُلْنَا حَالَ وُقُوعِهِ لَمْ يَقَعْ ذَكَاةً لِبَقَاءِ الرُّوحِ فِي الْبَاقِي، وَعِنْدَ

زَوَالِهِ لَا يَظْهَرُ فِي الْمُبَانِ لِعَدَمِ الْحَيَاةِ فِيهِ ، وَلَا تَبَعِيَّةَ لِزَوَالِهَا بِالِانْفِصَالِ فَصَارَ هٰذَا الْحَرْفُ هُوَ الْأَصْلَ ، لِأَنَّ الْمُبَانَ مِنَ الْحَيِّ حَقِيقَةً وَحُكْمًا لَا يَحِلُّ ، وَالْمُبَانُ مِنَ الْحَيِّ صُورَةً لَا حُكْمًا يَحِلُّ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب شکار پر شکاری نے تیر چلایا ہے اوراس نے شکار کے کسی عضو کو کاٹ دیا ہے تو وہ شکار کھایا جائے گا اسی دلیل کے سبب سے جس ہم بیان کر آئے ہیں۔ جبکہ اس عضو کو نہیں کھایا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب وہ شکار اس عضو کے سبب مرا ہے تو وہ عضو اور شکار یہ دونوں کھائے جائیں گے کیونکہ وہ عضو اضطراری ذبح کی وجہ سے الگ ہوا ہے۔ پس وہ الگ کردہ حصہ بھی حلال ہے۔ اور شکار بھی حلال ہے جس طرح جب اختیاری ذبح میں جانور کے سر کو الگ کر دیا جائے اور اس یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب شکار نہ مرے کیونکہ اب اس عضو کو ذبح کے حکم میں الگ نہیں سمجھا جاسکتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زندہ جانور سے جو عضو الگ کیا جائے وہ مردار ہے۔ اور آپ ﷺ نے مطلق طور پر زندہ کا ذکر کیا ہے۔ پس یہ حکم حدیث اس زندہ کی جانب مضاف ہوگا جو بطور حقیقت یا حکم دونوں طرح سے زندہ ہو اور جو عضو الگ کیا گیا ہے وہ بھی زندہ کی صفت پر باقی رہے گا۔ کیونکہ جس کو الگ کیا گیا ہے وہ حقیقت میں زندہ ہے۔ کیونکہ اس میں زندگی باقی ہے۔ اور وہ حکمی طور پر بھی باقی ہے کیونکہ اس زخم کے بعد اس شکار کا سلامتی والا ہونا ممکن ہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کی زندگی کا اعتبار کرلیا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ شکار پانی میں گر گیا ہے اور اس میں اسی جیسی زندگی موجود ہے تو وہ حرام ہے۔

اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ قول کہ اس کو ذبح کے ذریعے الگ کیا گیا ہے ہم ان کے جواب میں یہ کہہ رہے ہیں کہ اس کے وقت وقوع میں ذبح واقع نہیں ہوا ہے اس لئے کہ شکار میں تو ابھی تک روح باقی ہے اور روح کے نکل جانے کے وقت اس میں ذبح ظاہر نہیں ہے اس لئے کہ اب میں زندگی ختم ہو چکی ہے۔ اور اس کو تابع بھی نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ الگ ہونے کے سبب اس کا تابع ہونا بھی ختم ہو چکا ہے۔ پس فقہ کا یہ اصول بن گیا ہے کہ ہر وہ شکار جو حقیقت میں یا حکم کے اعتبار سے زندہ ہے تو اس سے الگ کردہ عضو حلال نہ ہوگا اور وہ شکار جو بطور صورت یا حکم میں زندہ نہیں ہے وہ حلال ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شکار کو مارا اُس کا کوئی عضو کٹ کر جدا ہو گیا تو شکار کھایا جائے اور وہ عضو نہ کھایا جائے جب کہ اُس عضو کے کٹ جانے سے جانور کا زندہ رہنا ممکن ہو اور اگر ناممکن ہو تو وہ عضو بھی کھایا جاسکتا ہے اور اگر جانور کو مارا اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دونوں برابر نہیں دونوں کھائے جائیں اور ایک ٹکڑا ایک تہائی ہے دوسرا دو تہائی اور یہ بڑا ٹکڑا دم کی جانب

کا ہے جب بھی دونوں کھائے جائیں اور اگر بڑا ٹکڑا سر کی طرف کا ہے تو صرف یہ بڑا ٹکڑا کھایا جائے دوسرا نہ کھایا جائے، اور اگر سر آدھایا آدھے سے زیادہ کٹ کر جدا ہو گیا تو یہ ٹکڑا بھی کھایا جا سکتا ہے۔ (عنایہ)

اور جب شکار کا ہاتھ یا پاؤں کٹ گیا مگر جدا نہ ہوا اگر اتنا کٹا ہے کہ جڑ جانا ممکن ہے اور وہ شکار مر گیا تو یہ ٹکڑا بھی کھایا جا سکتا ہے اور اگر جڑنا ناممکن ہے کہ پورا کٹ گیا ہے صرف چمڑا ہی باقی رہ گیا ہے تو شکار کھایا جائے، یہ کٹا ہوا ہاتھ یا پاؤں نہ کھایا جائے۔

مبان منہ میں مذبوح کی مقدار کے مطابق حیات ہونے کا بیان

وَذَلِكَ بِأَنْ يَبْقَى فِي الْمُبَانِ مِنْهُ حَيَاةٌ بِقَدْرِ مَا يَكُونُ فِي الْمَذْبُوحِ فَإِنَّهُ حَيَاةٌ صُورَةً لَا حُكْمًا، وَلِهَذَا لَوْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ وَبِهِ هَذَا الْقَدْرُ مِنْ الْحَيَاةِ أَوْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ أَوْ سَطْحٍ لَا يَحْرُمُ فَتَخَرَّجُ عَلَيْهِ الْمَسَائِلُ، فَنَقُولُ: إذَا قَطَعَ يَدًا أَوْ رِجْلًا أَوْ فَخِذًا أَوْ ثُلُثَهُ مِمَّا يَلِي الْقَوَائِمَ أَوْ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ الرَّأْسِ يَحْرُمُ الْمُبَانُ وَيَحِلُّ الْمُبَانُ مِنْهُ؛ لِأَنَّهُ يُتَوَهَّمُ بَقَاءُ الْحَيَاةِ فِي الْبَاقِي (وَلَوْ قَدَّهُ بِنِصْفَيْنِ أَوْ قَطَعَهُ أَثْلَاثًا وَالْأَكْثَرُ مِمَّا يَلِي الْعَجُزَ أَوْ قَطَعَ نِصْفَ رَأْسِهِ أَوْ أَكْثَرَ مِنْهُ يَحِلُّ الْمُبَانُ وَالْمُبَانُ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّ الْمُبَانَ مِنْهُ حَيٌّ صُورَةً لَا حُكْمًا؛ إذْ لَا يُتَوَهَّمُ بَقَاءُ الْحَيَاةِ بَعْدَ هَذَا الْجُرْحِ، وَالْحَدِيثُ وَإِنْ تَنَاوَلَ السَّمَكَ وَمَا أُبِينَ مِنْهُ فَهُوَ مَيِّتٌ، إلَّا أَنَّ مَيْتَتَهُ حَلَالٌ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ

ترجمہ

اور جب مبان منہ میں مذبوح کی مقدار کے برابر زندگی باقی ہے تو یہ بطور صورت زندگی ہوگی جبکہ بطور حکم زندگی نہ ہوگی۔ کیونکہ جب جانور پانی میں گر جاتا ہے اور اس میں زندگی کی مقدار بھی پائی جائے یا چھت یا پہاڑ سے نیچے گر کے لٹک جائے تو وہ حرام نہ ہوگا اور اسی قاعدہ فقہیہ کے مطابق کئی مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔

لہذا ہم کہیں گے کہ جب شکاری نے شکار کا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو کاٹ دیا ہے اور اس نے جانور کا وہ تہائی کاٹ دیا ہے جو ہاتھ پاؤں سے ملا ہوا ہے اور اس نے آدھا سر کاٹ دیا ہے تو ایسا مبان یعنی کاٹا گیا حصہ حرام ہے۔ کیونکہ بقیہ میں زندگی کا نظریہ موجود ہے

اور جب اس نے کاٹ کر اس شکار کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں یا پھر اس نے تین ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اور اس کا زیادہ حصہ دھڑ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یا اس نے نصف سر کو کاٹ دیا ہے یا اس نے اس سے زیادہ کاٹ دیا ہے تو اب مبان حلال ہو جائے گا۔ اور مبان منہ بھی حلال ہو جائے گا۔ کیونکہ مبان منہ یہ بطور صورت زندہ ہے حکمی طور پر زندہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس زخم کے بعد اس میں زندگی کا نظریہ نہیں ہے۔ اور ذکر کردہ حدیث خواہ مچھلی کو اور اس سے الگ کردہ عضو کے بارے میں ہے مگر وہ مردہ ہے اور مچھلی کا مردار

حلال ہے۔اسی حدیث کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

اس مسئلہ شرح سابقہ مسائل میں بیان کردی گئی ہے۔

بکری کی گردن پر مار کر سر کو الگ کردینے کا بیان

(وَلَوْ ضَرَبَ عُنُقَ شَاةٍ فَأَبَانَ رَأْسَهَا يَحِلُّ لِقَطْعِ الْأَوْدَاجِ) وَيُكْرَهُ هَذَا الصَّنِيعُ لِإِبْلَاغِهِ النُّخَاعَ ، وَإِنْ ضَرَبَهُ مِنْ قِبَلِ الْقَفَا ، إنْ مَاتَ قَبْلَ قَطْعِ الْأَوْدَاجِ لَا يَحِلُّ ، وَإِنْ لَمْ يَمُتْ حَتَّى قَطَعَ الْأَوْدَاجَ حَلَّ (وَلَوْ ضَرَبَ صَيْدًا فَقَطَعَ يَدًا أَوْ رِجْلًا وَلَمْ يُبِنْهُ ؛ إنْ كَانَ يُتَوَهَّمُ الِالْتِئَامُ وَالِانْدِمَالُ فَإِذَا مَاتَ حَلَّ أَكْلُهُ) ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ سَائِرِ أَجْزَائِهِ ، وَإِنْ كَانَ لَا يُتَوَهَّمُ بِأَنْ بَقِيَ مُتَعَلِّقًا بِجِلْدِهِ حَلَّ مَا سِوَاهُ لِوُجُودِ الْإِبَانَةِ مَعْنًى وَالْعِبْرَةُ لِلْمَعَانِي .

ترجمہ

اور جب کسی بندے نے بکری کی گردن پر مارا اور اس کے سر کو الگ کردیا ہے تو وہ حلال ہے کیونکہ اس کی رگوں کو کاٹ دیا گیا ہے لیکن ایسا عمل مکروہ ہے کیونکہ اس طرح کا شایہ گودے تک پہنچ جانے والا ہے۔اور جب اس نے گدی کی جانب سے اس کو مارا ہے اور جب وہ رگوں کے کٹنے سے پہلے مرجائے تو وہ حلال نہ ہوگی۔اور جب وہ نہ مرے اور اس کی رگیں بھی کٹ جائیں تو وہ حلال ہے۔

اور جب کسی شخص نے شکار کو مارا ہے۔اور اس نے اس کا ہاتھ یا پاؤں کو کاٹ دیا ہے مگر اس نے اس کو الگ نہیں کیا ہے۔اور اس کے بعد اس کے عضو مل جانے اور زخم بھی ٹھیک ہو جانے کا خیال ہو اور اس کے بعد وہ جانور مرجائے تو اس کا عضو حلال ہوگا۔ کیونکہ یہ عضو اس کے بقیہ حصوں کے حکم میں ہے۔

اور جب اس کے مل جانے کا نظریہ نہ ہو اور وہ اس طرح کہ وہ کھال کے ساتھ لٹکتے ہوئے باقی رہ گیا ہے اور اب اس کے عضو کے سوا کو کھانا حلال ہے کیونکہ حکم کے اعتبار سے الگ ہونا پایا گیا ہے۔اور معانی کا اعتبار بھی کیا جاتا ہے۔

شرح

اور جب پانی وغیرہ میں گرنے سے مرنا یہ اُس وقت معتبر ہے جبکہ شکار کو ایسا زخم پہنچا ہے کہ ہوسکتا تھا ابھی نہ مرتا تو کہا جاسکتا ہے کہ شاید اس وجہ سے مرا ہو اور اگر کاری زخم لگا ہے کہ بچنے کی اُمید ہی نہیں ہے اُس میں زندگی کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا مذبوح میں ہوتا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے مثلاً سر جدا ہو گیا اور ابھی زندہ ہے اور پانی میں گرا اور مرا اس صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پانی میں گرنے سے مرا۔(عالمگیری، کتاب صید، بیروت)

مجوسی، مرتد، بت پرست کا شکار نہیں کھایا جائے گا

قَالَ (وَلَا يُؤْكَلُ صَيْدُ الْمَجُوسِيِّ وَالْمُرْتَدِّ وَالْوَثَنِيِّ)؛ لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فِي الذَّبَائِحِ، وَلَا بُدَّ مِنْهَا فِي إبَاحَةِ الصَّيْدِ بِخِلَافِ النَّصْرَانِيِّ وَالْيَهُودِيِّ؛ لِأَنَّهُمَا مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ اخْتِيَارًا فَكَذَا اضْطِرَارًا.

ترجمہ

فرمایا کہ جب مجوسی، مرتد اور بت پرست کا شکار نہیں کھایا جائے گا اس لیے کہ وہ ذبح کے اہل میں سے نہیں ہیں۔ جس طرح کتاب ذبائح میں ہم نے بیان کر دیا ہے اور شکار کے مباح ہونے کیلئے ذبح شرط ہے جبکہ نصرانی اور یہودی میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں اختیاری ذبح کے اہل ہیں۔ پس وہ ذبح اضطراری کے بھی اہل ہوں گے۔

دوسرے کے تیر سے شکار ہونے حیوان کا بیان

قَالَ (وَمَنْ رَمَى صَيْدًا فَأَصَابَهُ وَلَمْ يُثْخِنْهُ وَلَمْ يُخْرِجْهُ عَنْ حَيِّزِ الِامْتِنَاعِ فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلثَّانِي وَيُؤْكَلُ)؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْآخِذُ، وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الصَّيْدُ لِمَنْ أَخَذَ)

(وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَثْخَنَهُ فَرَمَاهُ الثَّانِي فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ وَلَمْ يُؤْكَلْ) لِاحْتِمَالِ الْمَوْتِ بِالثَّانِي، وَهُوَ لَيْسَ بِذَكَاةٍ لِلْقُدْرَةِ عَلَى ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ، بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ، وَهَذَا إذَا كَانَ الرَّمْيُ الْأَوَّلُ بِحَالٍ يَنْجُو مِنْهُ الصَّيْدُ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ الْمَوْتُ مُضَافًا إلَى الرَّمْيِ الثَّانِي وَأَمَّا إذَا كَانَ الْأَوَّلُ بِحَالٍ لَا يَسْلَمُ مِنْهُ الصَّيْدُ بِأَنْ لَا يَبْقَى فِيهِ مِنْ الْحَيَاةِ إلَّا بِقَدْرِ مَا يَبْقَى فِي الْمَذْبُوحِ، كَمَا إذَا أَبَانَ رَأْسَهُ يَحِلُّ؛ لِأَنَّ الْمَوْتَ لَا يُضَافُ إلَى الرَّمْيِ الثَّانِي؛ لِأَنَّ وُجُودَهُ وَعَدَمَهُ بِمَنْزِلَةٍ،

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے شکار کو تیر مارا ہے لیکن اس تیر نے اس کو سخت قسم کا کوئی زخم میں پہنچایا مگر اس نے اس کو ممنوعہ جگہ سے بھگایا بھی نہیں ہے اور اس کے بعد اس کو کسی دوسرے آدمی نے تیر مارا اور اس کو مار دیا ہے تو وہ شکار دوسرے آدمی کا ہوگا۔ اور اس کو کھا لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کو پکڑنے والا دوسرا بندہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ شکار اسی بندے کا ہے جس نے اس کو

پکڑا ہے۔

اور جب اس جانور کو پہلے آدمی نے سخت قسم کا زخمی کر دیا ہے اور اس کے بعد دوسرے آدمی نے اس کو تیر مار کر مار دیا ہے تو وہ شکار پہلے آدمی کو مل جائے گا لیکن اس شکار کا کھایا نہ جائے گا۔ کیونکہ اس میں دوسرے کے تیر سے موت کا احتمال پایا گیا ہے۔ اور اس پر دوسرا حملہ کر دینا یہ ذبح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ذبح اختیاری پر قدرت حاصل ہو چکی ہے۔

جبکہ پہلی صورت میں ایسا نہیں ہے اور یہ حکم اس وقت دیا جائے گا کہ جب پہلے تیر چلانے والے کے تیر سے وہ بچ سکتا ہو کیونکہ اب شکار کی موت دوسرے تیر کی جانب مضاف ہوگی۔

اور جب پہلی بار تیر اندازی سے طرح کی ہوئی ہے کہ اس سے شکار بچ جانے والا نہیں ہے کیونکہ اس میں اتنی زندگی باقی رہنی چاہے تھی جس قدر مذبوح میں ہوتی ہے جس طرح اس کے سر کو الگ کر دیا گیا ہے تو وہ شکار حلال ہے کیونکہ یہاں موت دوسرے تیر کی جانب مضاف نہیں ہے کیونکہ اس کا پایا جانا اور نہ پایا جانا یہ دونوں برابر ہیں۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شکار کو مارا اُس کا کوئی عضو کٹ کر جدا ہو گیا تو شکار کھایا جائے اور وہ عضو نہ کھایا جائے جب کہ اُس عضو کے کٹ جانے سے جانور کا زندہ رہنا ممکن ہو اور اگر ناممکن ہو تو وہ عضو بھی کھایا جا سکتا ہے اور اگر جانور کو مارا اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دونوں برابر نہیں دونوں کھائے جائیں اور ایک ٹکڑا ایک تہائی ہے دوسرا دو تہائی اور یہ بڑا ٹکڑا اُدم کی جانب کا ہے جب بھی دونوں کھائے جائیں اور اگر بڑا ٹکڑا سر کی طرف کا ہے تو صرف یہ بڑا ٹکڑا کھایا جائے دوسرا نہ کھایا جائے، اور اگر سر آدھا یا آدھے سے زیادہ کٹ کر جدا ہو گیا تو یہ ٹکڑا بھی کھایا جا سکتا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب صید، بیروت)

اور شکار کا ہاتھ یا پاؤں کٹ گیا مگر جدا نہ ہوا اگر اتنا کٹا ہے کہ جڑ جانا ممکن ہے اور وہ شکار مر گیا تو یہ ٹکڑا بھی کھایا جا سکتا ہے اور اگر جڑنا ناممکن ہے کہ پورا کٹ گیا ہے صرف چمڑا ہی باقی رہ گیا ہے تو شکار کھایا جائے، یہ کٹا ہوا ہاتھ یا پاؤں نہ کھایا جائے۔

پہلے تیر سے شکار کا زندہ نہ رہ سکنے کا بیان

وَإِنْ كَانَ الرَّمْيُ الْأَوَّلُ بِحَالٍ لَا يَعِيشُ مِنْهُ الصَّيْدُ إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَ فِيهِ مِنْ الْحَيَاةِ أَكْثَرُ مِمَّا يَكُونُ بَعْدَ الذَّبْحِ بِأَنْ كَانَ يَعِيشُ يَوْمًا أَوْ دُونَهُ ؛ فَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ لَا يَحْرُمُ بِالرَّمْيِ الثَّانِي ؛ لِأَنَّ هَذَا الْقَدْرَ مِنْ الْحَيَاةِ لَا عِبْرَةَ بِهَا عِنْدَهُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَحْرُمُ ؛ لِأَنَّ هَذَا الْقَدْرَ مِنْ الْحَيَاةِ مُعْتَبَرٌ عِنْدَهُ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ مَذْهَبِهِ فَصَارَ الْجَوَابُ فِيهِ وَالْجَوَابُ فِيمَا إِذَا كَانَ الْأَوَّلُ بِحَالٍ لَا يَسْلَمُ مِنْهُ الصَّيْدُ سَوَاءٌ فَلَا يَحِلُّ ،

ترجمہ

اور جب پہلی بار تیر اس طرح چلایا گیا ہے کہ وہ شکار اس سے زندہ نہیں رہ سکتا ہے لیکن اس میں اس قدر زندگی موجود ہے جو ذبح کے بعد والی زندگی سے کچھ زیادہ ہے اور وہ اس طرح کہ وہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ زندہ رہ سکتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ شکار دوسرے تیر چلانے سے حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ علیہ الرحمہ کے نزدیک زندگی کی مقدار کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ حرام ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس کی زندگی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جس طرح ان کا مشہور مذہب ہے۔ اور اس کا حکم اس وقت ہوگا کہ جب پہلی بار تیر اس طرح چلایا جائے کہ جس سے شکار بچ سکتا ہو۔ پس یہ برابر ہو جائے گا اور وہ شکار حلال نہ ہوگا۔

دوسرے تیر انداز کا شکار کی قیمت کا ضامن ہونے کا بیان

قَالَ (وَالثَّانِي ضَامِنٌ لِقِيمَتِهِ لِلْأَوَّلِ غَيْرَ مَا نَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ) ؛ لِأَنَّهُ بِالرَّمْيِ أَتْلَفَ صَيْدًا مَمْلُوكًا لَهُ ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالرَّمْيِ الْمُثْخِنِ وَهُوَ مَنْقُوصٌ بِجِرَاحَتِهِ ، وَقِيمَةُ الْمُتْلَفِ تُعْتَبَرُ يَوْمَ الْإِتْلَافِ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : تَأْوِيلُهُ إذَا عُلِمَ أَنَّ الْقَتْلَ حَصَلَ بِالثَّانِي بِأَنْ كَانَ الْأَوَّلُ بِحَالٍ يَجُوزُ أَنْ يَسْلَمَ الصَّيْدُ مِنْهُ وَالثَّانِي بِحَالٍ لَا يَسْلَمُ الصَّيْدُ مِنْهُ لِيَكُونَ الْقَتْلُ كُلُّهُ مُضَافًا إلَى الثَّانِي وَقَدْ قَتَلَ حَيَوَانًا مَمْلُوكًا لِلْأَوَّلِ مَنْقُوصًا بِالْجِرَاحَةِ فَلَا يَضْمَنُهُ كَمَلًا ، كَمَا إذَا قَتَلَ عَبْدًا مَرِيضًا إنْ عَلِمَ أَنَّ الْمَوْتَ يَحْصُلُ مِنْ الْجِرَاحَتَيْنِ أَوْ لَا يَدْرِي قَالَ فِي الزِّيَادَاتِ : يَضْمَنُ الثَّانِي مَا نَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ ثُمَّ يُضَمِّنُهُ نِصْفَ قِيمَتِهِ مَجْرُوحًا بِجِرَاحَتَيْنِ ثُمَّ يَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَةِ لَحْمِهِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ تیر چلانے والا شخص پہلے شکاری کیلئے شکار کی قیمت کا ضامن ہوگا ہاں اس میں وہ حصہ شمار نہ ہوگا جس کو پہلے تیر چلانے والے نقصان دیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسرا تیر چلانے والا پہلے آدمی کی ملکیت والے شکار کو ہلاک کرنے والا ہے۔ کیونکہ سختی کے ساتھ تیر چلانے کی وجہ سے پہلا تیر انداز شکار کا مالک بن چکا تھا۔ اور یہ شکار پہلے آدمی کی جانب عیب زدہ بھی بن گیا ہے اور تلف کرنے والے پر اتلاف والے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور مصنف رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جس وقت یہ پتہ چل جائے کہ وہ دوسرے کے تیر سے مرا ہے کیونکہ پہلا

تیراس کواس طرح کا لگا ہے جس سے شکار کا بچ جانا ممکن ہے اور دوسرا تیر اس حالت میں اس کو لگایا گیا ہے کہ جس سے اس کا بچنا ممکن نہیں ہے۔ پس سارا مارنا دوسرے کی جانب منسوب کر دیا جائے گا۔ اور یہ اس طرح کا حکم بن جائے گا کہ دوسرے نے پہلے آدمی کے مملوک سارے حیوان کو قتل کیا ہے جبکہ وہ زخم سے صرف عیب والا بنا تھا پس دوسرا شخص سارے حیوان کا ضامن نہ بنے گا جس طرح یہ اس صورت کا حکم ہے کہ کسی بندے نے بیمار غلام کو قتل کر دیا ہے۔

اور جب کسی آدمی کو اس بات کا پتہ چلا ہے کہ اس کی موت دونوں کے زخموں کے سبب واقع ہوئی ہے یا پھر اس کا پتہ نہ چل سکے تو زیادات میں امام محمد علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ دوسرا اس چیز کا ضامن بنے گا جس کو اس کے زخم نے نقصان دیا ہے اور یہ شکار کی ضمانت اس طرح سے ہوئی ہے کہ وہ دونوں زخموں کے ساتھ زخمی ہوا ہو۔ اس کے بعد وہ اس کے گوشت کی آدھی قیمت کا ضامن بن جائے گا۔

شرح

اور جب ایک شخص نے شکار کو تیر مارا اور لگا ایسا نہیں لگا ہے کہ بھاگ نہ سکے بلکہ بھاگ سکتا ہے اور پکڑنے میں نہیں آ سکتا اُس کے بعد دوسرے شخص نے تیر مار دیا اور وہ مر گیا یہ کھایا جائے گا اور دوسرے کی مِلک ہوگا اور اگر پہلے نے کاری زخم لگایا ہے کہ بھاگ نہیں سکتا پھر دوسرے نے تیر مارا اور مر گیا تو پہلے شخص کی مِلک ہے اور کھایا نہ جائے کیونکہ اس کو ذبح کر سکتے تھے ایسے کو تیر مار کر ہلاک کرنے سے جانور حرام ہو جاتا ہے یعنی یہ حکم اُس وقت ہے کہ پہلے کے تیر مارنے کے بعد اس میں اتنی جان تھی کہ ذبح اختیاری ہو سکے اور اگر اتنی ہی جان باقی تھی جتنی مذبوح میں ہوتی ہے تو دوسرے کے تیر مارنے سے حرام نہیں ہوا، اور دوسرے کے مارنے سے تین صورت میں شکار حرام ہو گیا یہ دوسرا شخص پہلے شخص کو اس زخم خوردہ جانور کی قیمت تاوان دے کہ اس کی مِلک کو ضائع کیا ہے اور اگر یہ معلوم ہے کہ جانور کی موت دونوں زخموں سے ہوئی یا معلوم نہ ہو دوسرا شخص جانور کے زخمی کرنے کا تاوان دے پھر جس جانور کو دو زخم لگے ہیں اُس کے نصف قیمت کا جو ہو وہ تاوان دے پھر گوشت کی نصف قیمت تاوان دے یعنی اس صورت میں یہ تاوان دینے ہوں گے۔

مملوکہ شکار میں نقص کے سبب ضمان ہونے کا بیان

أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّهُ جَرَحَ حَيَوَانًا مَمْلُوكًا لِلْغَيْرِ وَقَدْ نَقَصَهُ فَيَضْمَنُ مَا نَقَصَهُ أَوَّلًا وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّ الْمَوْتَ حَصَلَ بِالْجِرَاحَتَيْنِ فَيَكُونُ هُوَ مُتْلِفًا نِصْفَهُ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِغَيْرِهِ فَيَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهِ مَجْرُوحًا بِالْجِرَاحَتَيْنِ ؛ لِأَنَّ الْأُولَى مَا كَانَتْ بِصُنْعِهِ ، وَالثَّانِيَةُ ضَمِنَهَا مَرَّةً فَلَا يَضْمَنُهَا ثَانِيًا وَأَمَّا الثَّالِثُ فَلِأَنَّ بِالرَّمْيِ الْأَوَّلِ صَارَ بِحَالٍ يَحِلُّ بِذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ لَوْلَا رَمْيُ الثَّانِي ، فَهَذَا بِالرَّمْيِ الثَّانِي أَفْسَدَ عَلَيْهِ نِصْفَ اللَّحْمِ فَيَضْمَنُهُ ، وَلَا

يَضْمَنُ النِّصْفَ الْآخَرَ ؛ لِأَنَّهُ ضَمِنَهُ مَرَّةً فَدَخَلَ ضَمَانُ اللَّحْمِ فِيهِ ، وَإِنْ كَانَ رَمَاهُ الْأَوَّلُ ثَانِيًا فَالْجَوَابُ فِي حُكْمِ الْإِبَاحَةِ كَالْجَوَابِ فِيمَا إذَا كَانَ الرَّامِي غَيْرَهُ ، وَيَصِيرُ كَمَا إذَا رَمَى صَيْدًا عَلَى قِمَّةِ جَبَلٍ فَأَثْخَنَهُ ثُمَّ رَمَاهُ ثَانِيًا فَأَنْزَلَهُ لَا يَحِلُّ ؛ لِأَنَّ الثَّانِيَ مُحَرِّمٌ ، كَذَا هَذَا .

ترجمہ

اور اس مسئلہ میں پہلا ضمان اس دلیل سے واجب ہوا ہے کہ اس نے دوسرے کی ملکیت والے شکار کو زخمی کرتے ہوئے اس میں عیب پیدا کر دیا ہے پس پہلے تو وہ چیز کا ضمان دے گا جس کو اس نے عیب زدہ کیا ہے اور اس پر دوسرا ضمان اس لئے واجب ہوا ہے کہ موت اس پر دونوں زخموں کے سبب واقع ہوئی ہے۔ پس دوسرا اس شکار کے آدھے حصے کو ضائع کر دینے والا ہے۔ جبکہ وہ شکار کسی دوسرے کی ملکیت میں ہے۔ پس دوسرا بندہ دو زخموں سے زخمی ہونے والے شکار کی آدھی قیمت کا ضامن بن جائے گا۔ کیونکہ پہلا زخم اس کے سبب سے نہیں ہے جبکہ دوسرے زخم میں ایک بار کا ضامن ہے پس دوبارہ اس کو ضامن نہ بنایا جائے گا۔

اور اس پر تیسرا ضمان اس لئے واجب ہے کہ پہلے تیر لگ جانے کی وجہ سے شکار کی یہ حالت تھی کہ وہ ذبح اختیاری کی وجہ سے حلال ہو جاتا جب دوسرا بندہ اس کو تیر نہ مارتا۔ جبکہ دوسرے بندے نے اس کو تیر مار کر پہلے آدمی سے آدھا گوشت فاسد کر دیا ہے لہذا وہ آدھے گوشت کا ضامن ہوگا۔ اور دوسرے آدھے کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا ضمان وہ ایک بار ادا کر چکا ہے اور اس ضمان میں گوشت کا ضمان بھی شامل ہے۔

اور جب پہلے بندے نے ہی دوبارہ تیر چلا کر اس کو شکار کو مارا ہے تو اس میں اباحت کا حکم اس حکم کے جواب کی طرح ہوگا کہ جب تیر انداز پہلے کا غیر ہو اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح اس نے پہاڑ کی چوٹی پر کسی شکار کو تیر مارا ہے اور اس نے سخت ضرب لگائی ہے۔ اور اس کے بعد کسی دوسرے شخص نے تیر مار کر اس کو نیچے گرا دیا ہے۔ تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ دوسرا تیر اس کو حرام کر دینے والا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حرام ہوگا۔

گوشت کھانے والے اور نہ کھانے والے حیوانوں کے شکار میں جواز کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ اصْطِيَادُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الْحَيَوَانِ وَمَا لَا يُؤْكَلُ) لِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا وَالصَّيْدُ لَا يَخْتَصُّ بِمَأْكُولِ اللَّحْمِ قَالَ قَائِلُهُمْ : صَيْدُ الْمُلُوكِ أَرَانِب وَثَعَالِب وَإِذَا رَكِبْتُ فَصَيْدِي الْأَبْطَالُ وَلِأَنَّ صَيْدَهُ سَبَبٌ لِلِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ أَوْ شَعْرِهِ أَوْ رِيشِهِ أَوْ لِاسْتِدْفَاعِ شَرِّهِ وَكُلُّ ذَلِكَ مَشْرُوعٌ .

ترجمہ

فرمایا کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جن جانوروں کا گوشت نہیں کیا جاتا ان کا شکار کرنا جائز ہے کیونکہ ہماری تلاوت کردہ آیت میں حکم مطلق ہے۔ اور شکار کرنا یہ گوشت کھائے جانے والے جانوروں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ کیونکہ قائلین نے یہ بھی کہا ہے کہ بادشاہوں کا شکار خرگوش اور لومڑیاں ہے۔ مگر جب میں سوار ہوتا ہوں تو میرا شکار بہادر لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کے شکار سے ان کی کھال، بال یا ان کے پروں سے فائدہ حاصل کرنے کا سبب ملتا ہے۔ یا پھر ان کے فساد کو دور کرنے کا سبب ہے اور ان میں سے ہر بات مشروع ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شکار کرنا ایک مباح فعل ہے مگر حرم یا احرام میں خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے اسی طرح اگر شکار محض لھو کے طور پر ہو تو وہ مباح نہیں۔ (درمختار، کتاب صید، بیروت)

اکثر اس فعل سے مقصود ہی کھیل اور تفریح ہوتی ہے اسی لیے عرف عام میں شکار کھیلنا بولا جاتا ہے جتنا وقت اور پیسہ شکار میں خرچ کیا جاتا ہے اگر اس سے بہت کم داموں میں گھر بیٹھے ان لوگوں کو وہ جانور مل جایا کرے تو ہرگز راضی نہ ہوں گے وہ یہی چاہیں گے کہ جو کچھ ہو ہم تو خود اپنے ہاتھ سے شکار کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصد کھیل اور لھو ہی ہے، شکار کرنا جائز و مباح اُس وقت ہے کہ اس کا صحیح مقصد ہو مثلاً کھانا یا بیچنا یا دوست احباب کو ہدیہ کرنا یا اُس کے چمڑے کو کام میں لانا یا اُس جانور سے اذیت کا اندیشہ ہے اس لیے قتل کرنا وغیرہ ذلک۔

جس جانور کا گوشت حلال ہے اُس کے شکار سے بڑا مقصود کھانا ہے اور حرام جانور کو بھی کسی غرض صحیح سے شکار کرنا جائز ہے مثلاً اس کی کھال یا بال کو کام میں لانا مقصود ہے یا وہ موذی جانور ہے اُس کے ایذا سے بچنا مقصود ہے۔ (شلبیہ)

بعض آدمی جنگلی خنزیر کا شکار کرتے ہیں یا شیر وغیرہ کا جنگلوں میں جا کر شکار کرتے ہیں اس غرض سے نہیں کہ لوگوں کو اُن کی اذیت سے بچائیں بلکہ محض تفریح خاطر اور اپنی بہادری کے لیے اس قسم کے شکار کھیلے جاتے ہیں یہ شکار مباح نہیں۔

﴿یہ کتاب رہن کے بیان میں ہے﴾

کتاب رہن کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ یہاں سے کتاب رہن کو بیان کر رہے ہیں جبکہ اس سے پہلے انہوں نے کتاب صید کو بیان کیا ہے۔اور ان دونوں کتب میں فقہی مطابقت یہ ہے کہ یہ دونوں حصول مال کو سبب ہیں۔پس سبب میں متحد ہونے کیلئے ان دونوں کتابوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔اور کتاب صید کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نفع عام اور مکمل ہے پس اسی لئے اس کو مقدم ذکر کیا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

رہن کے لغوی وشرعی مفہوم کا بیان

اس کے لغوی معنی ثابت اور قائم رہنے کے ہیں اور اصطلاح شرعی میں رہن یہ ہے کہ کسی ایسی شے کو جو شرعا مالیت کی حامل ہو، حصول قرض کے لیے ضمانت بنایا جائے تا کہ اس شے کے اعتماد پر قرض کا حصول ممکن ہو۔عرف عام میں اسے گروی رکھنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے": اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے والا میسر نہیں تو رہن بالقبض پر معاملہ کرلو") سورہ بقرہ)۔رہن بالقبض کا مطلب یہ ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے قرض کی واپسی کا اطمینان ہو جائے۔رہن کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ بھی خرید و فروخت کی طرح فعل جائز ہے کیونکہ (چند استثنائی صورتوں کے علاوہ) ہر وہ شے جس کی بیع جائز ہے اس کو رہن رکھنا بھی جائز ہے۔ رہن کا معاملہ کرنا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔اس سلسلہ میں لکھا پڑھی بہتر ہے تا کہ شرطیں سامنے رہیں۔

رہن کے ارکان کا بیان

رہن کے تین ارکان ہیں۔(۱) فریقین یعنی راہن اور مرتہن (شے مرہونہ کے مالک یا رہن کرنے والے کو راہن کہتے ہیں اور مرتہن جو رہن رکھ کر قرض دے)۔

(۲) اشیا معاملہ، اس میں دو چیزیں شامل ہیں۔ایک تو شے مرہونہ رہن رکھی ہوئی چیز اور دوسرے وہ رقم قرض جو رہن کے مقابلہ میں دی گئی۔الفاظ معاملہ (جو لین دین کے لیے استعمال کیے جائیں)۔

(۳) معاملہ رہن کے درست ہونے کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں معاملہ بیع کی اہلیت رکھتے ہوں۔یعنی کوئی مجنون و دیوانہ یا بے شعور نابالغ لڑکا نہ ہو۔ان کا کیا ہوا معاملہ رہن درست نہ ہوگا۔

راہن کو مال مرہونہ سے استفادہ کا حق نہیں ہے جب تک کہ مرتہن اس کی اجازت نہ دے۔ چنانچہ جب تک کوئی مال رہن ہے مرتہن کی اجازت کے بغیر راہن کا رہن سے کسی بھی طرح کا فائدہ حاصل کرنا (مثلاً رہن شدہ مکان میں رہنا یا کپڑا رہن ہو تو اسے پہننا وغیرہ) جائز و درست نہیں ہے البتہ اگر مرتہن اس کی اجازت دے دے تو رہن شدہ شے کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ورنہ قرض پر براہ راست سود لینے اور رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تاہم یہ واضح رہے کہ مال مرہونہ سے جو بھی فائدہ و نفع حاصل ہوگا ان سب کا حقدار راہن ہے۔ البتہ اگر کوئی جانور رہن رکھا گیا ہو تو اس کا دودھ استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس سے سواری یا مال برداری کی خدمت لی جا سکتی ہے کیونکہ یہ اس چارے کا معاوضہ ہے جو مرتہن اس جانور کو کھلاتا ہے اور یہ بات معاملہ کے وقت راہن کو بتا دی جاتی ہے۔

رہن کے شرعی وفقہی مأخذ کا بیان

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۔(البقرہ، ۲۸۳)

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو گرو (رہن) ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ (کنزالایمان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ یعنی بحالت سفر اگر ادھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو اسے حقدار کے قبضے میں دے دو۔ مقبوضہ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے لازم نہیں ہوتا، جیسا کہ امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے اور دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے۔ امام احمد اور ایک دوسری جماعت میں یہی منقول ہے، ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف میں ہی مشروع ہے، جیسے حضرت مجاہد وغیرہ لیکن صحیح بخاری صحیح مسلم شافعی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابوالشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے کھانے کیلئے لئے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رہن کا لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

الرَّهْنُ لُغَةً : حَبْسُ الشَّيْءِ بِأَيِّ سَبَبٍ كَانَ وَفِي الشَّرِيعَةِ : جَعْلُ الشَّيْءِ مَحْبُوسًا بِحَقٍّ يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهُ مِنَ الرَّهْنِ كَالدُّيُونِ ، وَهُوَ مَشْرُوعٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ) وَبِمَا رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا وَرَهَنَهُ بِهِ دِرْعَهُ) وَقَدْ انْعَقَدَ عَلَى ذَلِكَ الْإِجْمَاعُ ، وَلِأَنَّهُ عَقْدُ وَثِيقَةٍ لِجَانِبِ الِاسْتِيفَاءِ فَيُعْتَبَرُ بِالْوَثِيقَةِ فِي طَرَفِ الْوُجُوبِ وَهِيَ الْكَفَالَةُ ،

ترجمہ

لغت میں کسی چیز کومحبوس کر لینے کا نام رہن ہے۔اگر چہ اس کا سبب کوئی بھی ہو۔اور شرعی اعتبار سے کسی چیز کو محبوس کرنا ایسے حق کے بدلے میں کہ جس کو وصول کرنا رہن سے ممکن ہو۔جس طرح قرض ہیں۔اور رہن ایک مشروع عمل ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس ہے۔پس مقبوضہ رہان ہے۔اور اس کی مشروعیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور اس کے بدلے میں اپنی ذرع کو اس کے پاس گروی رکھا دیا اور جواز رہن پر اجماع کا انعقاد بھی ہو چکا ہے۔اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ رہن وصول کرنے کا پکا عقد ہے لہذا اس کو وجوب کی مضبوطی پر قیاس کریں گے اور وہ مضبوطی کفالت ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لغت میں رہن کے معنی روکنا ہیں اس کا سبب کچھ بھی ہو اور اصطلاح شرع میں دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لئے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو کلا یا جزءً وصول کرنا ممکن ہو مثلاً کسی کے ذمہ اس کا دَین ہے اس مدیون نے اپنی کوئی چیز دائن کے پاس اس لئے رکھ دی ہے کہ اُس کو اپنے دَین کی وصول پانے کے لئے ذریعہ بنے،رہن کو اُردو زبان میں گروی رکھنا بولتے ہیں،کبھی اُس چیز کو بھی رہن کہتے ہیں جو رکھی گئی ہے اس کا دوسرا نام مرہون ہے،چیز کے رکھنے والے کو راہن اور جس کے پاس رکھی گئی اُس کو مرتہن کہتے ہیں،عقد رہن بالاجماع جائز ہے،قرآن مجید اور حدیث شریف سے اس کا جواز ثابت ہے،رہن میں خوبی یہ ہے کہ دائن و مدیون دونوں کا اس میں بھلا ہے کہ بعض مرتبہ بغیر رہن رکھے کوئی دیتا نہیں مدیون کا بھلا یوں ہوا کہ دَین مل گیا اور دائن کا بھلا ظاہر ہے کہ اُس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اب میرا روپیہ مارا نہ جائے گا۔
(عنایہ شرح الہدایہ،کتاب رہن،بیروت)

ایجاب وقبول سے رہن کے منعقد ہونے کا بیان

قَالَ (الرَّهْنُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ وَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ) قَالُوا: الرُّكْنُ الْإِيجَابُ بِمُجَرَّدِهِ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدُ تَبَرُّعٍ فَيَتِمُّ بِالْمُتَبَرِّعِ كَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْقَبْضُ شَرْطُ اللُّزُومِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَقَالَ مَالِكٌ: يَلْزَمُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ ؛ لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِالْمَالِ مِنْ الْجَانِبَيْنِ فَصَارَ كَالْبَيْعِ ، وَلِأَنَّهُ عَقْدُ وَثِيقَةٍ فَأَشْبَهَ الْكَفَالَةَ وَلَنَا مَا تَلَوْنَا ، وَالْمَصْدَرُ الْمَقْرُونُ بِحَرْفِ الْفَاءِ فِي مَحَلِّ الْجَزَاءِ يُرَادُ بِهِ الْأَمْرُ ، وَلِأَنَّهُ عَقْدُ تَبَرُّعٍ لِمَا أَنَّ الرَّاهِنَ لَا يَسْتَوْجِبُ بِمُقَابَلَتِهِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ شَيْئًا وَلِهَذَا لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ فَلَا بُدَّ مِنْ إمْضَائِهِ كَمَا فِي الْوَصِيَّةِ وَذَلِكَ بِالْقَبْضِ ، ثُمَّ يَكْتَفِي فِيهِ بِالتَّخْلِيَةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ؛ لِأَنَّهُ قَبْضٌ بِحُكْمِ

عَـقْدٍ مَشْرُوعٍ فَأَشْبَهَ قَبْضَ الْمَبِيعِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَثْبُتُ فِي الْمَنْقُولِ إِلَّا بِالنَّقْلِ ؛ لِأَنَّهُ قَبْضٌ مُوجِبٌ لِلضَّمَانِ ابْتِدَاءً بِمَنْزِلَةِ الْغَصْبِ ، بِخِلَافِ الشِّرَاءِ ؛ لِأَنَّهُ نَاقِلٌ لِلضَّمَانِ مِنَ الْبَائِعِ إِلَى الْمُشْتَرِي وَلَيْسَ بِمُوجِبٍ ابْتِدَاءً وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ .

ترجمہ

فرمایا کہ ایجاب وقبول سے رہن منعقد ہو جاتی ہے اور یہ قبضہ سے مکمل ہو جاتی ہے۔ جبکہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ رہن کا رکن صرف ایجاب ہے۔ کیونکہ یہ احسان کا عقد ہے پس یہ احسان سے مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح صدقہ اور ہبہ میں ہوتا ہے جبکہ قبضہ لازم ہونے کی شرط ہے۔ جس طرح ہم ان شاء اللہ اس کو بیان کریں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ رہن محض عقد کرنے سے لازم ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں اجانب سے مال کو خاص کرنا ہے پس یہ بیع کی طرح ہو جائے گا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اس کی وجہ سے عقد میں مضبوطی کا ہونا ہے۔ تو یہ کفالہ کے مشابہ ہو جائے گی۔

ہماری دلیل وہ تلاوت کردہ آیت ہے اور وہ مصدر ہے جو حرف فاء کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس کا محل جزاء امر مراد ہے۔ کیونکہ رہن ایک احسان کا عقد ہے۔ کیونکہ راہن رہن کے مقابلے میں مرتہن پر کسی چیز میں حقدار نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ پس رہن کو نافذ کرنا لازم ہے۔ جس طرح وصیت میں ہے۔ پس مبیع کے قبضہ کے مشابہ ہو جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ منقول چیز وں کو منتقل کرنے سوا ان میں قبضہ ثابت نہ ہوگا کیونکہ غصب کی طرح ابتدائی طور پر یہی قبضہ ضمان کو واجب کرتا ہے۔ جبکہ بیع میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ خریدار کی جانب بائع کی طرف سے ضمان کو منتقل کرتا ہے اور وہ ابتدائی طور پر واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

شرح

عقد رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے مثلاً مدیون نے کہا کہ تمہارا جو کچھ میرے ذمہ ہے اُس کے مقابلہ میں یہ چیز تمہارے پاس رہن رکھی یا یہ کہے اس چیز کو رہن رکھ لو دوسرا کہے میں نے قبول کیا، بغیر ایجاب وقبول کے الفاظ بولنے کے بھی بطور تعاطی رہن ہوسکتا ہے جس طرح بیع تعاطی سے ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

لفظ رہن بولنا ضروری نہیں بلکہ کوئی دوسرا لفظ جس سے معنی رہن سمجھے جاتے ہوں تو رہن ہو گیا مثلاً ایک روپیہ کی کوئی چیز خریدی اور بائع کو اپنا کپڑا یا کوئی چیز دے دی اور کہہ دیا کہ اسے رکھے رہو جب تک میں دام نہ دے دوں یہ رہن ہو گیا یونہی ایک شخص پر دَین ہے اُس نے دائن کو اپنا کپڑا دے کر کہا کہ اسے رکھے رہو جب تک دَین ادا نہ کر دوں یہ رہن بھی صحیح ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

ایجاب وقبول سے عقد رہن ہو جاتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا جب تک مرتہن شے مرہون پر قبضہ نہ کر لے لہٰذا قبضہ سے پہلے راہن کو اختیار رہتا ہے کہ چیز دے یا نہ دے اور جب مرتہن نے قبضہ کر لیا تو پکا معاملہ ہو گیا اب راہن کو بغیر اُس کا حق ادا کئے چیز واپس لینے کا حق نہیں رہتا۔

مگر عنایہ میں فرمایا کہ یہ عامہ کتب کے مخالف ہے، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریح یہ ہے کہ بغیر قبضہ رہن جائز ہی نہیں ،امام حاکم شہید نے کافی میں اور امام جعفر طحاوی وامام کرخی نے اپنے اپنے مختصر میں اسی کی تصریح کی اور درمختار، کتاب رہن، بیروت میں مجتبےٰ سے ہے کہ قبضہ شرط جواز ہے نہ کہ شرط لزوم۔

قبضہ کے سبب عقد رہن کے مکمل ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا قَبَضَهُ الْمُرْتَهِنُ مَحُوزًا مُفَرَّغًا مُتَمَيِّزًا تَمَّ الْعَقْدُ فِيهِ) لِوُجُودِ الْقَبْضِ بِكَمَالِهِ فَلَزِمَ الْعَقْدُ (وَمَا لَمْ يَقْبِضْهُ فَالرَّاهِنُ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ سَلَّمَهُ وَإِنْ شَاءَ رَجَعَ عَنْ الرَّهْنِ) لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ اللُّزُومَ بِالْقَبْضِ إذْ الْمَقْصُودُ لَا يَحْصُلُ قَبْلَهُ.

ترجمہ

فرمایا کہ جب مرتہن نے رہن والی چیز پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ اس حالت میں ہو کہ وہ تقسیم کر دی گئی ہے اور الگ کر دی گئی ہے اور اس مرہونہ چیز میں قبضہ ہونے کے سبب سے رہن کا عقد مکمل ہو جائے گا۔ کیونکہ قبضہ مکمل طور پر پایا گیا ہے۔ پس عقد لازم ہو جائے گا۔ اور جب مرتہن نے رہن پر قبضہ نہیں کیا تو اس وقت تک راہن کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو اس کو حوالے کر دے اور اگر وہ چاہے تو رہن رکھنے سے پھر جائے۔ اسی دلیل کے سبب سے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ کیونکہ اس کا لازم ہونا قبضہ کے سبب سے ہوتا ہے۔ کیونکہ قبضہ سے پہلے کوئی مقصد حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قبضہ کے لئے اجازتِ راہن ضروری ہے، صراحۃً قبضہ کی اجازت دے یا دلالۃً دونوں صورتوں میں قبضہ ہو جائے گا، اُسی مجلس میں قبضہ ہو جس میں ایجاب وقبول ہوا ہے یا بعد میں خود قبضہ کرے یا اُس کا نائب قبضہ کرے سب صحیح ہے۔ (ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

مرہونہ کا مرتہن کے ضمان میں داخل ہو جانے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا سَلَّمَهُ إلَيْهِ فَقَبَضَهُ دَخَلَ فِي ضَمَانِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: هُوَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ، وَلَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنْ الدَّيْنِ بِهَلَاكِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ، قَالَهَا ثَلَاثًا، لِصَاحِبِهِ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ) قَالَ: وَمَعْنَاهُ لَا يَصِيرُ مَضْمُونًا بِالدَّيْنِ، وَلِأَنَّ

الرَّهْنَ وَثِيقَةٌ بِالدَّيْنِ فَبِهَلَاكِهِ لَا يَسْقُطُ الدَّيْنُ اعْتِبَارًا بِهَلَاكِ الصَّكِّ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ بَعْدَ الْوَثِيقَةِ يَزْدَادُ مَعْنَى الصِّيَانَةِ ، وَالسُّقُوطُ بِالْهَلَاكِ يُضَادُّ مَا اقْتَضَاهُ الْعَقْدُ إذَا لَحِقَ بِهِ يَصِيرُ بِعَرَضِ الْهَلَاكِ وَهُوَ ضِدُّ الصِّيَانَةِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلْمُرْتَهِنِ بَعْدَ مَا نَفَقَ فَرَسُ الرَّهْنِ عِنْدَهُ (ذَهَبَ حَقُّكَ) وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إذَا عَمِّيَ الرَّهْنَ فَهُوَ بِمَا فِيهِ) مَعْنَاهُ : عَلَى مَا قَالُوا إذَا اشْتَبَهَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ بَعْدَ مَا هَلَكَ وَإِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى أَنَّ الرَّاهِنَ مَضْمُونٌ مَعَ اخْتِلَافِهِمْ فِي كَيْفِيَّتِهِ ، وَالْقَوْلُ بِالْأَمَانَةِ خَرْقٌ لَهُ ، وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ) عَلَى مَا قَالُوا الِاحْتِبَاسُ الْكُلِّيُّ وَالتَّمَكُّنُ بِأَنْ يَصِيرَ مَمْلُوكًا لَهُ كَذَا ذَكَرَ الْكَرْخِيُّ عَنْ السَّلَفِ ،

ترجمہ

اور جب راہن نے مرہونہ چیز کو مرتہن کے حوالے کر دیا ہے تو وہ مرتہن کے ضمان میں داخل ہو جائے گی۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں بطور امانت ہے۔ اور اس کی ہلاکت کے سبب قرض میں کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ رہن مغلق نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ ارشاد گرامی تین بار فرمایا ہے اس کے بعد فرمایا کہ رہن والے کیلئے اس کا نفع ہے۔ اور تاوان بھی اسی پر ہوگا۔

فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رہن قرض کے سبب سے مضمون نہیں ہے کیونکہ رہن قرض کو مضبوط کرنے والی ہے۔ پس اس کے ہلاک ہونے کے سبب سے دین ساقط نہ ہوگا۔ اور اس کو دستاویز کی ہلاکت پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ مضبوطی کے بعد اس کو محفوظ کرنے کے معانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ہلاکت کے سبب قرض کا ساقط ہونا بھی تقاضہ عقد کے خلاف ہے۔ کیونکہ ساقط ہونے کی صورت میں مقصد کا حق ہلاک ہو جائے گا۔ حالانکہ ہلاکت صیانت کی ضد ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرتہن کے پاس سے ایک گھوڑے کی ہلاکت کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تیرا حق ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب رہن مشتبہ ہو جائے تو وہ اسی کے مقابلے میں ہوگی جس کے بدلے میں تھی۔ اور مشائخ فقہاء نے اس معنی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب رہن کی ہلاکت کے بعد اس کی قیمت مشتبہ ہو جائے اور صحابہ کرام اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم نے اس معاملہ پر اجماع کیا ہے کہ رہن مضمون ہے۔ جبکہ رہن کے طریقہ میں ان کے درمیان اختلاف بھی ہے۔ پس امانت کہہ دینا یہ اجماع کی مخالفت ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی کہ رہن مغلق نہیں ہے اس سے مراد کلی طور پر محبوس کرنا ہے۔ جس طرح مشائخ نے کہا ہے کیونکہ رہن مرتہن کی مملوک ہے اور امام سرخسی علیہ الرحمہ نے اسلاف سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

رہن میں غلق نہ ہونے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص باغ رہن کرے ایک میعاد معین پار تو جو پھل اس باغ میں رہن سے پہلے نکل چکے تھے وہ رہن نہ ہوں گے مگر جس صورت میں مرتہن نے شرط کر لی ہو تو وہ پھل بھی رہن رہیں گے اور جو کوئی شخص حاملہ لونڈی کو رہن رکھے یا بعد رہن کے وہ حاملہ ہو جائے تو اس کا بچہ بھی اس کے ساتھ رہن رہے گا یہی فرق ہے پھل اور بچے میں اس واسطے کہ پھل بیع میں بھی داخل نہیں ہوتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے کھجور کے درخت بیچے تو پھل بائع کو ملیں گے مگر جب مشتری شرط کر لے۔ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روکی جائے گی رہن۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1318)

مرہون چیز مرتہن کے ضمان میں ہوتی ہے یعنی مرہون کی مالیت اُس کے ضمان میں ہوتی ہے اور خود عین بطور امانت ہے اس کا فرق یوں ظاہر ہوگا کہ اگر مرہون کو مرتہن نے راہن سے خرید لیا تو یہ قبضہ جو مرتہن کا ہے۔ قبضہ خریداری کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ کہ یہ قبضہ امانت ہے اور مشتری کے لیے قبضہ ضمان درکار ہے اور خود وہ چیز امانت ہے۔ لہٰذا مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ ہے مرتہن کے ذمہ نہیں اور غلام مرہون تھا وہ مر گیا تو کفن راہن کے ذمہ ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کے پاس اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو دَین اور اس کی قیمت میں جو کم ہے اُس کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا مثلاً سو روپے دَین ہیں اور مرہون کی قیمت دوسو ۲۰۰ ہے تو سو ۱۰۰ کے مقابل میں ہلاک ہوا یعنی اس کا دَین ساقط ہو گیا اور مرتہن راہن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورت مفروضہ میں مرہون کی قیمت پچاس روپے ہے تو دَین میں سے پچاس ساقط ہو گئے اور پچاس باقی ہیں اور اگر دونوں برابر ہیں تو نہ دینا ہے نہ لینا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

، مرہون کی قیمت اس روز کی معتبر ہے جس دن رہن رکھا ہے یعنی جس دن مرتہن کا قبضہ ہوا ہے جس دن ہلاک ہوا اُس دن کی قیمت کا اعتبار نہیں یعنی رہن رکھنے کے بعد چیز کی قیمت گھٹ بڑھ گئی اس کا اعتبار نہیں مگر اگر دوسرے شخص نے مرہون کو ہلاک کر دیا تو اس سے تاوان میں وہ قیمت لی جائے گی جو ہلاک کرنے کے دن ہے اور یہ قیمت مرتہن کے پاس اُس مرہون کی جگہ رہن ہے یعنی اب یہ مرہون ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کیلئے وصولی کا قبضہ ثابت ہونے کا بیان

وَلِأَنَّ الثَّابِتَ لِلْمُرْتَهِنِ يَدُ الِاسْتِيفَاءِ وَهُوَ مِلْكُ الْيَدِ وَالْحَبْسِ ; لِأَنَّ الرَّهْنَ يُنْبِئُ عَنْ الْحَبْسِ الدَّائِمِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ) وَقَالَ قَائِلُهُمْ : وَفَارَقَتْكَ

بِرَهْنٍ لَا فِكَاكَ لَهُ يَوْمَ الْوَدَاعِ فَأَمْسَى الرَّهْنُ قَدْ غَلِقَا وَالْأَحْكَامُ الشَّرْعِيَّةُ تَنْعَطِفُ عَلَى الْأَلْفَاظِ عَلَى وَفْقِ الْأَنْبَاءِ ، وَلِأَنَّ الرَّهْنَ وَثِيقَةٌ لِجَانِبِ الِاسْتِيفَاءِ وَهُوَ أَنْ تَكُونَ مُوصِلَةً إلَيْهِ وَذَلِكَ ثَابِتٌ لَهُ بِمِلْكِ الْيَدِ وَالْحَبْسِ لِيَقَعَ الْأَمْنُ مِنْ الْجُحُودِ مَخَافَةَ جُحُودِ الْمُرْتَهِنِ الرَّهْنَ ، وَلِيَكُونَ عَاجِزًا عَنْ الِانْتِفَاعِ بِهِ فَيَتَسَارَعُ إلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ لِحَاجَتِهِ أَوْ لِضَجَرِهِ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَثْبُتُ الِاسْتِيفَاءُ مِنْ وَجْهٍ وَقَدْ تَقَرَّرَ بِالْهَلَاكِ ، فَلَوْ اسْتَوْفَاهُ ثَانِيًا يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا ، بِخِلَافِ حَالَةِ الْقِيَامِ ؛ لِأَنَّهُ يَنْقُضُ هَذَا الِاسْتِيفَاءَ بِالرَّدِّ عَلَى الرَّاهِنِ فَلَا يَتَكَرَّرُ ، وَلَا وَجْهَ إلَى اسْتِيفَاءِ الْبَاقِي بِدُونِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُتَصَوَّرُ ،

ترجمہ

اور یہ بھی دلیل ہے کہ مرتہن کیلئے وصولی کا قبضہ ثابت ہے اور قبضہ کرنے اور محبوس کرنے کا مالک ہونا ہے۔ کیونکہ رہن دائمی قید کی خبر دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس ہے کہ ہر نفس اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہے۔ اور شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ اے محبوبہ! میں ایسی رہن کے ساتھ تجھ سے الگ ہوا ہوں جس کیلئے رخصتی کے دن نجات نہ ہوگی۔ پس رہن محبوس ہو چکی ہے۔ اور احکام شرعیہ خبر دینے والے الفاظ کے مطابق مائل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ رہن کی وصولی مضبوط ہے۔ کیونکہ یہ رہن وصولی تک پہنچانے والی ہے۔

اور ایسا قبضہ ہاتھ میں ملکیت کے ہونے اور قید میں ہونے سے ثابت ہوگا۔ تاکہ انکاری ہونے سے مامون ہو جائے۔ اور مرتہن کا رہن سے انکار کرنے کا خوف بھی اسی کی دلیل ہے کہ اور یہ بھی دلیل ہے کہ راہن مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھانے میں بے بس کر دیا گیا ہے، اور وہ اپنی ضرورت اور تنگدستی کے سبب قرض کی ادائیگی کیلئے جلد بازی کرے گا۔

اور یہ صورت مسئلہ اس طرح ہے تو ایک طرح یہ وصول کرنا ثابت ہو جائے گا۔ اور ہلاکت کے سبب تو یہ وصولی اور مضبوط ہو جائے گی۔ اور جب مرتہن دوبارہ اس سے وصول کرے گا تو یہ سود بن جائے گا۔ بہ خلاف اس صورت مسئلہ کے کہ جب رہن موجود ہو کیونکہ اب راہن کو واپس کرنے میں وصولی ختم ہو جائے گی۔ لہذا وصول کرنا مکرر نہ ہوگا۔ جبکہ قبضہ کے سوا بقیہ کو وصول کرنے کی کیفیت نہیں بنتی۔ کیونکہ اس کا تصور ہی نہیں ہے۔

شرح

اور جب مرہون و مرتہن کے درمیان راہن نے تخلیہ کر دیا۔ کہ مرتہن اگر قبضہ کرنا چاہے کر سکتا ہے یہ بھی قبضہ ہی کے حکم میں ہے جس طرح بیع میں بائع نے مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ کر دیا قبضہ ہی کے حکم میں ہے۔

رہن کی وصولی کا مالیت میں سے ہونے کا بیان

وَالاِسْتِيفَاءُ يَقَعُ بِالْمَالِيَّةِ أَمَّا الْعَيْنُ فَأَمَانَةٌ حَتَّى كَانَتْ نَفَقَةُ الْمَرْهُونِ عَلَى الرَّاهِنِ فِي حَيَاتِهِ وَكَفَنِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ ، وَكَذَا قَبْضُ الرَّهْنِ لَا يَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الشِّرَاءِ إِذَا اشْتَرَاهُ الْمُرْتَهِنُ ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ أَمَانَةٌ فَلَا تَنُوبُ عَنْ قَبْضِ ضَمَانٍ ، وَمُوجِبُ الْعَقْدِ ثُبُوتُ يَدِ الِاسْتِيفَاءِ وَهَذَا يُحَقِّقُ الصِّيَانَةَ ، وَإِنْ كَانَ فَرَاغُ الذِّمَّةِ مِنْ ضَرُورَاتِهِ كَمَا فِي الْحَوَالَةِ

ترجمہ

اور رہن کی وصولی مالیت کے واسطے سے ہوجائے گی جبکہ اس کا عین امانت ہے۔ یہاں تک کہ مرہون کا نفقہ اس کی زندگی میں راہن کی ذمہ داری پر ہے۔ اور اس کے فوت ہوجانے کے بعد اس کا کفن بھی اسی راہن کی ذمہ داری پر ہوگا۔ اور رہن کا قبضہ یہ شراء کے قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا۔

اور جب مرتہن نے رہن کو خرید لیا ہے کیونکہ رہن کا عین امانت ہے۔ پس امانت کا قبضہ یہ ضمان کے قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا کیونکہ رہن کے عقد کو واجب کرنے وصولی کے قبضہ سے ثابت ہونے والا ہے۔ اور یہ قرض کی حفاظت کرنے والا ہے اگرچہ راہن کا ذمہ داری سے فارغ ہوجانا یہ وصولی کی ضروریات میں سے ہے جس طرح حوالہ میں ہوا کرتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مرہون چیز مرتہن کے ضمان میں ہوتی ہے یعنی مرہون کی مالیت اُس کے ضمان میں ہوتی ہے اور خود عین بطور امانت ہے اس کا فرق یوں ظاہر ہوگا کہ اگر مرہون کو مرتہن نے راہن سے خرید لیا تو یہ قبضہ جو مرتہن کا ہے۔ قبضہ خریداری کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ کہ یہ قبضہ امانت ہے اور مشتری کے لیے قبضہ ضمان درکار ہے اور خود وہ چیز امانت ہے۔ لہٰذا مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ ہے مرتہن کے ذمہ نہیں اور غلام مرہون تھا وہ مرگیا تو کفن راہن کے ذمہ ہے۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک رہن کے حکم کا بیان

فَالْحَاصِلُ أَنَّ عِنْدَنَا حُكْمَ الرَّهْنِ صَيْرُورَةُ الرَّهْنِ مُحْتَبِسًا بِدَيْنِهِ بِإِثْبَاتِ يَدِ الِاسْتِيفَاءِ عَلَيْهِ وَعِنْدَهُ تَعَلُّقُ الدَّيْنِ بِالْعَيْنِ اسْتِيفَاءً مِنْهُ عَيْنًا بِالْبَيْعِ ، فَيُخَرَّجُ عَلَى هَذَيْنِ الْأَصْلَيْنِ عِدَّةٌ مِنْ الْمَسَائِلِ الْمُخْتَلَفِ فِيهَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ عَدَدْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى جُمْلَةً : مِنْهَا أَنَّ الرَّاهِنَ مَمْنُوعٌ عَنْ الِاسْتِرْدَادِ لِلِانْتِفَاعِ ؛ لِأَنَّهُ يَفُوتُ مُوجَبُهُ وَهُوَ الِاحْتِبَاسُ عَلَى

الدَّوَامِ ، وَعِنْدَهُ لَا يَمْنَعُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُنَافِي مُوجِبَهُ وَهُوَ تَعَيُّنُهُ لِلْبَيْعِ وَسَيَأْتِيك الْبَوَاقِي فِي أَثْنَاءِ الْمَسَائِلِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

مذکورہ عبارت سے حاصل یہ ہوا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک رہن کا حکم یہ ہے کہ رہن مرتہن کے پاس قرض کے بدلے میں مقید ہوتی ہے۔ اور اس پر مرتہن کا قبضہ وصولی کو ثابت کرتا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک رہن کا حکم وصولی کی غرض سے قرض کے عین سے متعلق ہے اور وصولی عین سے بیع کے سبب سے ہوگی۔ اور ان دونوں قوانین کے مطابق بہت سارے مسائل کی جزئیات کی تخریج کی گئی ہے۔ جو فقہاء احناف وشوافع کے درمیان اختلافی ہیں۔ ہم نے کفایہ منتہی میں ان تمام مسائل کو تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ اور ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے۔

راہن کو مرہونہ چیز کو واپس لیکر اس سے نفع اٹھانے سے منع کر دیا جائے گا کیونکہ موجب رہن کے خلاف ہے۔ اور وہ موجب ہمیشگی کے ساتھ مقید کرنا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک راہن کو منع نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ موجب عقد جو ہے یہ رہن کے منافی نہیں ہے۔ اور مرہونہ کو واجب کرنے والے کا بیع کے ساتھ معین ہونا ہے۔ اور بقیہ جزئیات بھی دوران مسائل ان شاءاللہ آپ دیکھ لیں گے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرتہن کے لیے اگر راہن نے انتفاع کی اجازت دے دی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ یہ اجازت رہن میں شرط ہے یعنی قرض ہی اس طرح دیا ہے کہ وہ اپنی چیز اس کے پاس رہن رکھے اور یہ اس سے نفع اٹھائے جیسا کہ عموماً اس زمانہ میں مکان یا زمین اسی طور پر رکھتے ہیں یہ ناجائز اور سود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شرط نہ ہو یعنی عقد رہن ہو جانے کے بعد راہن نے اجازت دی ہے کہ مرتہن نفع اٹھائے یہ صورت جائز ہے۔ اصل حکم یہی ہے جس کا ذکر ہوا مگر آج کل عام حالت یہ ہے کہ روپیہ قرض دے کر اپنے پاس چیز اسی مقصد سے رہن رکھتے ہیں کہ نفع اُٹھائیں اور یہ اس درجہ معروف و مشہور ہے کہ مشروط کی حد میں داخل ہے لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

اور جس طرح مرہون سے مرتہن نفع نہیں اُٹھا سکتا راہن کے لیے بھی اس سے انتفاع جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ مرتہن اُسے اجازت دیدے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

رہن کا دین مضمونہ کے بدلے میں صحیح ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ إلَّا بِدَيْنٍ مَضْمُونٍ) ؛ لِأَنَّ حُكْمَهُ ثُبُوتُ يَدِ الِاسْتِيفَاءِ ، وَالِاسْتِيفَاءُ يَتْلُو الْوُجُوبَ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَيَدْخُلُ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ الرَّهْنُ

بِالْأَعْيَانِ الْمَضْمُونَةِ بِأَنْفُسِهَا ، فَإِنَّهُ يَصِحُّ الرَّهْنُ بِهَا وَلَا دَيْنَ وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ : إِنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ فِيهَا هُوَ الْقِيمَةُ وَرَدُّ الْعَيْنِ مُخَلِّصٌ عَلَى مَا عَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ وَهُوَ دَيْنٌ وَلِهَذَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهَا ، وَلَئِنْ كَانَ لَا يَجِبُ إِلَّا بَعْدَ الْهَلَاكِ وَلَكِنَّهُ يَجِبُ عِنْدَ الْهَلَاكِ بِالْقَبْضِ السَّابِقِ ، وَلِهَذَا تُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ فَيَكُونُ رَهْنًا بَعْدَ وُجُودِ سَبَبِ وُجُوبِهِ فَيَصِحُّ كَمَا فِي الْكَفَالَةِ ، وَلِهَذَا لَا تَبْطُلُ الْحَوَالَةُ الْمُقَيَّدَةُ بِهِ بِهَلَاكِهِ ، بِخِلَافِ الْوَدِيعَةِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ رہن دین مضمونہ کے بدلے میں صحیح ہوگی کیونکہ رہن کا حکم وصولی کو ثابت کرنے والا ہے۔اور اس کا پورا ہونا یہ وجوب کے بعد آتا ہے۔مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس لفظ پر ان اعیان کے مطابق اشکال وارد ہونے والا ہے جو خود بہ خود مضمون ہوتے ہیں۔کیونکہ ان کے بدلے میں رہن صحیح ہے۔حالانکہ وہ دین نہیں ہے۔

اور ممکن ہے کہ اس کا جواب اس طرح دیا جائے کہ مذکورہ اعیان میں اصلی موجب ان کی قیمت ہے۔اور عین کو واپس کرنے میں نجات ہوگی اسی تفصیل کے مطابق جس کو اکثر مشائخ نے بیان کیا ہے۔اور قیمت دین ہے۔کیونکہ انہی اعیان کا کفالہ بھی درست ہے۔اور قیمت اگرچہ مغصو بہ چیز کی ہلاکت کے بعد واجب ہوا کرتی ہے مگر ہلاکت کے وقت وہ گذشتہ قبضہ کی وجہ سے واجب ہے۔کیونکہ مغصو بہ میں قبضہ والے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔پس وہ وجوب کے سبب کے بعد وجود پائے کی جانے کی حالت میں رہن ہوگی۔اور وہ رہن درست ہوگی جس طرح کفالہ ہے اور اسی دلیل کے سبب سے عین مغصو بہ کے ساتھ مقید کیے گئے حوالہ اس کی ہلاکت ہونے سے باطل نہ ہوگا جبکہ ودیعت میں ایسا نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رہن کو جس حق کے مقابلہ میں رکھا جاتا ہے وہ دین (یعنی واجب فی الذمہ) ہو عین کے مقابل رہن رکھنا صحیح نہیں، ظاہراً و باطناً دونوں طرح واجب ہو جیسے مبیع کا ثمن اور قرض یا ظاہراً واجب ہو جیسے غلام کو بیچا اور وہ حقیقت میں آزاد تھا یا سرکہ بیچا اور وہ شراب تھا اور ان کے ثمن کے مقابل میں کوئی چیز رہن رکھی، یہ ثمن بظاہر واجب ہے مگر واقع میں نہ بیع ہے نہ ثمن، اگر حقیقۃً دین نہ ہو حکماً دین ہو تو اس کے مقابل میں بھی رہن صحیح ہے جیسے اعیان مضمونہ بنفسہا یعنی جہاں مثل یا قیمت سے تاوان دینا پڑے جیسے مغصوب شے کہ غاصب پر واجب یہ ہے کہ جو چیز غصب کی ہے بعینہٖ وہی چیز مالک کو دے اور وہ نہ ہو تو مثل یا قیمت تاوان دے، جہاں ضمان واجب نہ ہو جیسے ودیعت اور امانت کی دوسری صورتیں ان میں رہن درست نہیں اسی طرح اعیان مضمونہ بغیر ہا کے مقابل میں بھی رہن صحیح نہیں جیسے مبیع کہ جب تک یہ بائع کے قبضہ میں ہے اگر ہلاک ہوگئی تو اس کے مقابل

میں مشتری سے بائع کا ثمن ساقط ہو جائے گا، مشتری کے پاس بائع کوئی چیز رہن رکھے، صحیح نہیں۔

(درمختار، ردالمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرہونہ کا رہن کی قیمت سے تھوڑا ضمان ہونے کا بیان

قَالَ (وَهُوَ مَضْمُونٌ بِالْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ الدَّيْنِ ، فَإِذَا هَلَكَ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ ، وَقِيمَتُهُ وَالدَّيْنُ سَوَاءٌ صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ ، وَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ أَكْثَرَ فَالْفَضْلُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ) ؛ لِأَنَّ الْمَضْمُونَ بِقَدْرِ مَا يَقَعُ بِهِ الِاسْتِيفَاءُ وَذَاكَ بِقَدْرِ الدَّيْنِ ، (وَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ سَقَطَ مِنْ الدَّيْنِ بِقَدْرِهِ وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ) ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيفَاءَ بِقَدْرِ الْمَالِيَّةِ وَقَالَ زُفَرُ : الرَّهْنُ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ ، حَتَّى لَوْ هَلَكَ الرَّهْنُ ، وَقِيمَتُهُ يَوْمَ الرَّهْنِ أَلْفٌ وَخَمْسِمِائَةٍ وَالدَّيْنُ أَلْفٌ رَجَعَ الرَّاهِنُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِخَمْسِمِائَةٍ لَهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ "يَتَرَادَّانِ الْفَضْلَ فِي الرَّهْنِ" وَلِأَنَّ الزِّيَادَةَ عَلَى الدَّيْنِ مَرْهُونَةٌ لِكَوْنِهَا مَحْبُوسَةً بِهِ فَتَكُونُ مَضْمُونَةً اعْتِبَارًا بِقَدْرِ الدَّيْنِ وَمَذْهَبُنَا مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَلِأَنَّ يَدَ الْمُرْتَهِنِ يَدُ الِاسْتِيفَاءِ فَلَا تُوجِبُ الضَّمَانَ إلَّا بِالْقَدْرِ الْمُسْتَوْفَى كَمَا فِي حَقِيقَةِ الِاسْتِيفَاءِ ، وَالزِّيَادَةُ مَرْهُونَةٌ بِهِ ضَرُورَةَ امْتِنَاعِ حَبْسِ الْأَصْلِ بِدُونِهَا وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّ الضَّمَانِ وَالْمُرَادُ بِالتَّرَادِّ فِيمَا يُرْوَى حَالَةَ الْبَيْعِ ، فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : الْمُرْتَهِنُ أَمِينٌ فِي الْفَضْلِ .

ترجمہ

فرمایا کہ مرہونہ رہن کی قیمت اور قرض کی قیمت کے ساتھ مضمون ہوگا۔ کیونکہ جب مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے اور اس قیمت اور قرض برابر ہو۔ تو مرتہن اپنے قرض کو وصول کرنے والا ہوگا۔ اور جب رہن کی قیمت زیادہ ہے تو وہ زیادتی امانت ہے۔ کیونکہ مضمون اسی مقدار میں ہوگا۔ جس مقدار میں پورا واقع ہوا ہے۔ اور وہ مقدار قرض کے برابر ہوگی۔

اور جب رہن کی قیمت قرض سے کم ہے تو اسی مقدار کے مطابق قرض ساقط ہو جائے گا۔ اور مرتہن راہن سے زائد کو واپس لائے گا۔ کیونکہ اس کو پورا کرنا یہ مال کے برابر ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ رہن مضمون بہ قیمت ہے۔ حتیٰ کہ جب رہن ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت رہن کے دن پندرہ سو تھی۔ اور قرض ایک ہزار ہے تو مرتہن راہن سے پانچ سو واپس لے گا۔ ان کی دلیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی

حدیث ہے۔انہوں نے فرمایا ہے کہ راہن مرتہن میں زیادتی کو ایک دوسرے سے واپس لیں گے۔کیونکہ قرض پر زیادتی مرہون ہے اوراسلئے بھی زیادتی قرض کے بدلے میں مقید کی ہوئی ہے۔پس قرض پر قیاس کرتے ہوئے وہ بھی قابل ضمان ہوگی۔

ہمارا مذہب حضرت عمر،عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کیونکہ مرتہن کا قبضہ وصولی کیلئے قبضہ ہے۔پس یہ وصول کردہ مقدار میں ہی ضمان کو واجب کرنے والا ہوگا۔جس طرح حقیقی طور پر پورا کرنا ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث لفظ ''تراذ'' سے بیع کی کیفیت مراد ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ مرتہن زائد کے حق میں امانت والا ہے۔

شرح

اور جب راہن نے مرتہن کو استعمال کی اجازت دے دی تھی اُس نے استعمال کی تو مرتہن پر ضمان نہیں یعنی مکان میں سکونت یا باغ کے پھل کھانے یا جانور کے دودھ استعمال کرنے کے مقابل میں دَین کا کچھ حصہ ساقط نہیں ہوگا۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کیلئے مطالبہ قرض کا حق ہونے کا بیان

قَالَ (وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يُطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهِ وَيَحْبِسَهُ بِهِ) ؛ لِأَنَّ حَقَّهُ بَاقٍ بَعْدَ الرَّهْنِ وَالرَّهْنُ لِزِيَادَةِ الصِّيَانَةِ فَلَا تَمْتَنِعُ بِهِ الْمُطَالَبَةُ ، وَالْحَبْسُ جَزَاءُ الظُّلْمِ ، فَإِذَا ظَهَرَ مَطْلُهُ عِنْدَ الْقَاضِي يَحْبِسُهُ كَمَا بَيَّنَّاهُ عَلَى التَّفْصِيلِ فِيمَا تَقَدَّمَ ،

(وَإِذَا طَلَبَ الْمُرْتَهِنُ دَيْنَهُ يُؤْمَرُ بِإِحْضَارِ الرَّهْنِ) ؛ لِأَنَّ قَبْضَ الرَّهْنِ قَبْضُ اسْتِيفَاءٍ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يَقْبِضَ مَالَهُ مَعَ قِيَامِ يَدِ الِاسْتِيفَاءِ ؛ لِأَنَّهُ يَتَكَرَّرُ الِاسْتِيفَاءُ عَلَى اعْتِبَارِ الْهَلَاكِ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ وَهُوَ مُحْتَمَلٌ

(وَإِذَا أُحْضِرَ أُمِرَ الرَّاهِنُ بِتَسْلِيمِ الدَّيْنِ إلَيْهِ أَوَّلًا) لِيَتَعَيَّنَ حَقُّهُ كَمَا تَعَيَّنَ حَقُّ الرَّاهِنِ تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ كَمَا فِي تَسْلِيمِ الْمَبِيعِ وَالثَّمَنِ يُحْضَرُ الْمَبِيعُ ثُمَّ يُسَلَّمُ الثَّمَنُ أَوَّلًا ،

ترجمہ

فرمایا کہ مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ راہن سے اپنے قرض کو طلب کرے۔اور قرض کے سبب اس کو قید کروادے کیونکہ رہن کے بعد بھی مرتہن کا حق باقی ہے۔کیونکہ رہن تو حفاظت میں زیادتی کے سبب ہوا کرتی ہے۔پس اس سے مطالبہ منع نہ ہوگا اور قید اس کے ظلم کی سزا ہے۔پس جب قاضی کے ہاں راہن کا ٹال مٹول کرنا کھل کر سامنے آجائے گا تو قاضی اس راہن کو قید میں ڈال دے گا

اسی تفصیل کے ساتھ جس کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

اور جب مرتہن نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا ہے تو اس کو رہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ رہن کا قبضہ یہ وصولی پانے کا قبضہ ہوتا ہے۔ پس مکمل قبضہ کے ہوتے ہوئے مرتہن کیلئے اپنے مال پر قبضہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے وصولی میں تکرار آجائے گا۔ اور مرتہن کے قبضہ میں ہلاکت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہلاکت کا احتمال بھی ہے۔ اور جب مرتہن رہن کو حاضر کردے۔ تو سب سے پہلے راہن کو قرض حوالے کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کہ مرتہن کا حق معین ہوجائے جس طرح راہن کا حق معین ہو چکا ہے۔ اس لئے بھی مساوات قائم ہوجائے۔ جس طرح مبیع اور ثمن کو حوالے کرنے کیلئے مبیع کو حاضر کردیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد پہلے ثمن کو حوالے کردیا جاتا ہے۔

قرض دینے سے پہلے کسی چیز کو رہن میں رکھ دینے کا بیان

اور جب اس نے قرض دینے کا وعدہ کیا تھا اور قرض مانگنے والے نے قرض لینے سے پہلے کوئی چیز رہن رکھ دی اور مرتہن نے کچھ قرض دیا اور کچھ باقی ہے تو باقی کا جبراً اس سے مطالبہ نہیں ہوسکتا یہ حکم اُس وقت ہے کہ مرہون موجود ہو اور ہلاک ہوگیا تو اُس کا حکم وہ ہے جو پہلے بیان ہوا۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

اور دائن نے مدیون سے اپنے دَین کے مقابل جب کوئی چیز رہن رکھوالی تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اب وہ دَین کا مطالبہ ہی نہیں کر سکتا خاموش بیٹھا رہے بلکہ اب بھی مطالبہ کرسکتا ہے قاضی کے پاس دَین کا دعویٰ کرسکتا ہے اور قاضی کو اگر ثابت ہوجائے کہ مدیون ادائے دَین میں ڈھیل ڈال رہا ہے۔ تو اسے قید بھی کرسکتا ہے کہ ایسے کی یہی سزا ہے۔

شہر عقد کے سوا راہن سے دین کا مطالبہ کرنے کا بیان

(وَإِنْ طَالَبَهُ بِالدَّيْنِ فِي غَيْرِ الْبَلَدِ الَّذِي وَقَعَ الْعَقْدُ فِيهِ ، إنْ كَانَ الرَّهْنُ مِمَّا لَا حَمْلَ لَهُ وَلَا مُؤْنَةَ ، فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ) ؛ لِأَنَّ الْأَمَاكِنَ كُلَّهَا فِي حَقِّ التَّسْلِيمِ كَمَكَانٍ وَاحِدٍ فِيمَا لَيْسَ لَهُ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ ؛ وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ بَيَانُ مَكَانِ الْإِيفَاءِ فِيهِ فِي بَابِ السَّلَمِ بِالْإِجْمَاعِ (وَإِنْ كَانَ لَهُ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ يَسْتَوْفِي دَيْنَهُ وَلَا يُكَلَّفُ إحْضَارَ الرَّهْنِ) ؛ لِأَنَّ هَذَا نَقْلٌ ، وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ التَّسْلِيمُ بِمَعْنَى التَّخْلِيَةِ ، لَا النَّقْلُ مِنْ مَكَانٍ إلَى مَكَانٍ ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِهِ زِيَادَةَ الضَّرَرِ وَلَمْ يَلْتَزِمْهُ .

ترجمہ

اور جب مرتہن نے رہن کا عقد جس میں شہر میں ہوا تھا اس کے سوا کسی دوسرے شہر میں دین کو طلب کرلیا ہے تو اب اگر رہن

ایسی چیزوں میں سے ہے جن کا بوجھ یا مشقت نہیں ہے تو وہی حکم ہوگا۔ کیونکہ جن چیزوں کو اٹھانے میں مدد کی ضرورت نہیں ہوتی تو ان کو حوالے کرنا ہر جگہ پر ایک مقام کی طرح ہوتا ہے۔ اسی دلیل کے سبب باب سلم میں ایسی چیز کو ادا کرنے میں مکان کی شرط نہیں لگائی گئی۔

اور جب رہن کیلئے اٹھانے اور مدد کی ضرورت لازم ہو تو مرتہن اپنا قرض وصول کرلے گا اور اس کو رہن حاضر کرنے کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ کیونکہ یہ نقل ہے جبکہ مرتہن پر واجب یہ ہے کہ وہ محض خالی طریقے سے مال سپرد کروائے۔ جبکہ ایک مقام سے دوسرے پر منتقل کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے مرتہن کو نقصان زیادہ پہنچنے والا ہے۔ جبکہ نقصان کو برداشت کرنے کو لازم نہیں کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مرتہن نے راہن سے دَین کا مطالبہ دوسرے شہر میں کیا اگر وہ چیز ایسی ہے کہ وہاں تک لے جانے میں بار برداری صرف کرنی نہیں ہوگی جب بھی وہی حکم ہے کہ وہ مرہون کو پہلے حاضر کرے پھر اس سے ادائے دَین کو کہا جائے گا اور بار برداری صرف کرنی پڑے تو وہاں لانے کی تکلیف نہ دی جائے بلکہ بغیر چیز لائے ہوئے بھی دَین ادا کردے۔

اور یہ حکم کہ مرتہن کو مرہون کے حاضر لانے کو کہا جائے گا اُس وقت ہے کہ راہن یہ کہتا ہو کہ مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو چکا ہے، لہٰذا میں دَین کیوں ادا کروں اور مرتہن کہتا ہے کہ مرہون موجود ہے اور اگر راہن بھی مرہون کو موجود ہونا کہتا ہو تو اس کی کیا ضرورت کہ یہاں حاضر لائے جب ہی دَین ادا کرنے کو کہا جائے گا کہ اگر وہ چیز ایسی ہے جس میں بار برداری صرف ہوگی اس وجہ سے حاضر لانے کو نہیں کہا گیا مگر راہن اس کے تلف ہو جانے کا مدعی ہے تو راہن سے کہا جائے گا کہ اگر مرتہن کی بات کا تمہیں اطمینان نہیں ہے تو اس سے قسم کھلالو کہ مرہون ہلاک نہیں ہوا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

اور اگر دَین ایسا ہے کہ قسط وار ادا کیا جائے گا قسط ادا کرنے کا وقت آ گیا اس کا بھی وہی حکم ہے کہ اگر راہن مرہون کا ہلاک ہونا بتاتا ہے اور مرتہن اس سے انکاری ہے تو مرتہن سے کہا جائے گا کہ چیز حاضر لائے اور بار برداری والی چیز ہو تو مرتہن سے قسم کھلا سکتا ہے کہ ہلاک نہیں ہوئی۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

راہن کا مرہونہ کی بیع پر کسی عادل کو مسلط کرنے کا بیان

(وَلَوْ سَلَّطَ الرَّاهِنُ الْعَدْلَ عَلَى بَيْعِ الْمَرْهُونِ فَبَاعَهُ بِنَقْدٍ أَوْ نَسِيئَةٍ جَازَ) لِإِطْلَاقِ الْأَمْرِ (فَلَوْ طَالَبَ الْمُرْتَهِنُ بِالدَّيْنِ لَا يُكَلَّفُ الْمُرْتَهِنُ إحْضَارَ الرَّهْنِ) ؛ لِأَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى الْإِحْضَارِ (وَكَذَا إذَا أَمَرَ الْمُرْتَهِنُ بِبَيْعِهِ فَبَاعَهُ وَلَمْ يَقْبِضْ الثَّمَنَ) ؛ لِأَنَّهُ صَارَ دَيْنًا بِالْبَيْعِ

بِـأَمْـرِ الـرَّاهِنِ ، فَصَارَ كَأَنَّ الرَّاهِنَ رَهَنَهُ وَهُوَ دَيْنٌ ،(وَلَـوْ قَبَـضَـهُ يُكَلَّفُ إِحْضَارَهُ لِقِيَامِ الْبَدَلِ مَقَـامَ الْـمُبْـدَلِ) ؛ لِأَنَّ الَّـذِي يَتَـوَلَّى قَبْضَ الثَّمَنِ هُوَ الْمُرْتَهِنُ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَاقِدُ فَتَـرْجِـعُ الْـحُـقُـوقُ إِلَيْـهِ ، وَكَـمَـا يُـكَلَّفُ إِحْضَارَ الرَّهْنِ لِاسْتِيفَاءِ كُلِّ الدَّيْنِ يُكَلَّفُ لِاسْتِيـفَاءِ نَجْمٍ قَدْ حَلَّ لِاحْتِمَالِ الْهَلَاكِ ، ثُمَّ إِذَا قَبَضَ الثَّمَنَ يُؤْمَرُ بِإِحْضَارِهِ لِاسْتِيفَاءِ الـدَّيْـنِ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْعَيْنِ ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَتَلَ رَجُلٌ الْعَبْدَ الرَّهْنَ خَطَأً حَتَّى قَضَى بِـهِ بِالْقِيمَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لَمْ يُجْبَرْ الرَّاهِنُ عَلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ حَتَّى يُحْضِرَ كُـلَّ الْـقِيـمَةِ ؛ لِأَنَّ الْـقِيـمَةَ خَـلَفٌ عَـنْ الـرَّهْنِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِحْضَارِ كُلِّهَا كَمَا لَا بُدَّ مِنْ إِحْـضَـارِ كُـلِّ عَيْنِ الرَّهْنِ وَمَا صَارَتْ قِيمَةً بِفِعْلِهِ ، وَفِيمَا تَقَدَّمَ صَارَ دَيْنًا بِفِعْلِ الرَّاهِنِ فَلِهَذَا افْتَرَقَا .

ترجمہ

اور جب راہن کسی عدل کرنے والے بندے کو مرہونہ چیز کی بیع پر مسلط کر دیا ہے اور اس نے اس کو نقدی یا ادھار کے ساتھ بیچ دیا ہے۔تو یہ جائز ہے۔کیونکہ یہاں امر مطلق طور پر ہے۔اور اس کے بعد جب مرتہن نے قرض کا مطالبہ کر دیا ہے تو اس کو رہن حاضر کرنے پر مکلف نہ کیا جائے گا کیونکہ اب رہن کو حاضر کرنے پر قدرت نہ رہی ہے۔

اور اسی طرح جب راہن نے مرتہن کو مرہونہ چیز کی بیع کا حکم دیا ہے۔اور اس نے اس کو بیچ دیا ہے۔لیکن اس نے قیمت پر قبضہ نہیں کیا ہے کیونکہ راہن کے حکم سے بیچنے کے سبب مرہونہ دین بن گیا ہے۔اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب راہن نے اس کو اس حال میں رہن رکھا ہے۔کہ وہ دین تھا۔اور جب مرتہن نے قیمت پر قبضہ کر لیا ہے تو اس کو حاضر کرنے کا مکلّف نہیں کیا جائے گا کیونکہ بدل مبدل منہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔جبکہ قیمت پر قبضہ کرنے کا متولی مرتہن ہی بنے گا کیونکہ عقد کرنے والا وہی ہے۔پس بیع کے حقوق اسی کی جانب لوٹنے والے ہیں۔جس طرح سارا قرض وصول کرنے کیلئے مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا مکلف بنایا جاتا ہے۔پس اسی طرح اس ایک قسط کو وصول کرنے کیلئے بھی اس کو ثمن حاضر کرنے کیلئے حکم دیا جائے گا۔کیونکہ ثمن عین کے قائم مقام ہے۔

اور یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے جب کسی بندے مرہون غلام کو غلطی سے قتل کر دیا ہے حتیٰ کہ اس کی عاقلہ پر تین سال تک قیمت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے تو راہن کو قرض کی ادائیگی پر مجبور نہ کیا جائے گا۔جب تک مرتہن ساری قیمت ادا نہ کر دے۔اس لئے کہ یہی قیمت رہن کا بدلہ ہے۔پس ساری قیمت کو حاضر کرنا لازم ہے۔جس طرح پورے عین رہن کو لانا لازم ہے۔جبکہ یہاں رہن کے عین سے قیمت نہیں بنی بلکہ اس سے قبل بیان کردہ مسئلہ میں راہن کے فعل سے دین رہن بنا ہے پس یہ دونوں مسائل ایک

دوسرے سے الگ الگ ہوجائیں گے۔

میعادی دین کو عادل کے پاس رکھنے کا بیان

اور رہن میں یہ شرط تھی کہ مرتہن کا قبضہ ہوگا پھر دونوں نے باتفاق رائے عادل کے پاس رکھ دیا یہ صورت بھی جائز ہے۔اور جب دَین میعادی تھا اور معتبر شخص کو یہ کہہ دیا تھا کہ جب میعاد پوری ہوجائے رہن کو بیع کرڈالے اور میعاد پوری ہوگئی مگر ابھی تک چیز پر اس کا قبضہ ہی نہیں تو رہن باطل ہوگیا مگر بیع کی وکالت اس کے لیے بدستور باقی ہے اب بھی بیع کرسکتا ہے۔
(ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

راہن کا عادل کے پاس رہن رکھنے کا بیان

(وَلَوْ وَضَعَ الرَّهْنَ عَلَى يَدِ الْعَدْلِ وَأُمِرَ أَنْ يُودِعَهُ غَيْرَهُ فَفَعَلَ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَهِنُ يَطْلُبُ دَيْنَهُ لَا يُكَلَّفُ إحْضَارَ الرَّهْنِ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُؤْتَمَنْ عَلَيْهِ حَيْثُ وُضِعَ عَلَى يَدِ غَيْرِهِ فَلَمْ يَكُنْ تَسْلِيمُهُ فِي قُدْرَتِهِ (وَلَوْ وَضَعَهُ الْعَدْلُ فِي يَدِ مَنْ فِي عِيَالِهِ وَغَابَ وَطَلَبَ الْمُرْتَهِنُ دَيْنَهُ وَالَّذِي فِي يَدِهِ يَقُولُ أَوْدَعَنِي فُلَانٌ وَلَا أَدْرِي لِمَنْ هُوَ يُجْبَرُ الرَّاهِنُ عَلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّ إحْضَارَ الرَّهْنِ لَيْسَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَقْبِضْ شَيْئًا .(وَكَذَلِكَ إذَا غَابَ الْعَدْلُ بِالرَّهْنِ وَلَا يُدْرَى أَيْنَ هُوَ) لِمَا قُلْنَا ،

ترجمہ

اور جب راہن نے کسی عادل آدمی کے پاس رہن کو رکھا ہے اور اس کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کو کسی دوسرے کے ہاں ودیعت رکھ دے۔اور اس نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد مرتہن اپنا قرض طلب کرنے آیا ہے۔تو اس کو رہن حاضر کرنے کا مکلّف نہ کیا جائے گا۔کیونکہ اس پر کوئی اعتماد ہی نہیں کیا گیا کیونکہ راہن نے اسی وجہ سے اس کے سوا کسی کے ہاں رہن رکھی ہے۔پس مرتہن کے بس میں نہیں رہا ہے کہ وہ رہن کو اس کے حوالے کردے۔

اور جب اس عادل بندے نے رہن کو کسی ایسے شخص کے پاس رکھا ہے۔جو اس کی کفالت میں ہے۔اور خود وہ عادل غائب ہو چکا ہے۔اور مرتہن نے اپنے قرض کو طلب کرلیا ہے۔اور جس بندے کے پاس رہن ہے وہ اس طرح کہتا ہے کہ فلاں آدمی نے اس کو میرے پاس ودیعت رکھا ہے۔اور مجھے پتہ نہیں ہے کہ یہ کس کا ہے۔تو اب راہن کو قرض کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا۔کیونکہ رہن کو حاضر کرنا یہ مرتہن کے ذمہ داری پر نہیں ہے۔کیونکہ وہ تو کسی چیز پر قبضہ کرنے والا ہی نہیں ہے۔

اور اسی طرح جب عادل رہن کو لے کر غائب ہوگیا ہے اور پتہ بھی نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے تو اسی دلیل کے مطابق حکم ہوگا جس کو ہم نے بیان کردیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عاریت کی صورت میں مرتہن کے واپس لینے سے قبل اگر راہن مر گیا تو دوسرے قرض خواہوں سے مرتہن زیادہ حقدار ہے یعنی دوسرے اس مرہون سے اپنے دَین وصول نہیں کر سکتے جب تک مرتہن اپنا دَین وصول نہ کر لے اس کے وصول کرنے کے بعد اگر کچھ بچے تو وہ لوگ لے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

راہن و مرتہن میں سے ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون شے کسی اجنبی کو بطور عاریت دے دی یا اجنبی کے پاس ودیعت رکھ دی تو مرہون ضمان سے نکل گیا اور دونوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ اُسے پھر ضمان میں لائے یعنی اُسے رہن بنا دے۔

اور مرتہن نے راہن سے مرہون کو استعمال کرنے کے لیے عاریت لیا یہ عاریت صحیح ہے مگر استعمال سے پہلے یا استعمال کے بعد مرہون ہلاک ہوا تو مرتہن ضامن ہے یعنی وہی حکم ہے جو مرتہن کے پاس مرہون کے ہلاک ہونے میں ہوتا ہے اور اگر حالت استعمال میں ہوا تو مرتہن کے ذمہ کچھ ضمان نہیں۔ اسی طرح اگر مرتہن کو راہن نے استعمال کی اجازت دے دی ہے تو حالت استعمال میں ہلاک ہونے میں ضمان نہیں ہے اور قبل یا بعد میں ہلاک ہوا تو ضمان ہے۔

عادل کی ودیعت کردہ رہن کا انکار ہو جانے کا بیان

(وَلَوْ أَنَّ الَّذِي أَوْدَعَهُ الْعَدْلُ جَحَدَ الرَّهْنَ وَقَالَ هُوَ مَالِيٌّ لَمْ يَرْجِعُ الْمُرْتَهِنُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ حَتَّى يَثْبُتَ كَوْنُهُ رَهْنًا) ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا جَحَدَ الرَّهْنَ فَقَدْ تَوَى الْمَالُ وَالتَّوَى عَلَى الْمُرْتَهِنِ فَيَتَحَقَّقُ اسْتِيفَاءُ الدَّيْنِ وَلَا يَمْلِكُ الْمُطَالَبَةَ بِهِ،

ترجمہ

اور جس بندے کے پاس عادل نے رہن کو بطور ودیعت رکھا ہے وہ شخص رہن کا انکار کر دے اور وہ اس طرح کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے۔ تو مرتہن راہن سے واپس کچھ نہ لے گا۔ حتیٰ کہ وہ اس کا رہن ہونا ثابت کر دے۔ کیونکہ جب مودع نے انکار کر دیا ہے تو وہ مال ہلاک ہو چکا ہے۔ اور وہ ہلاکت مرتہن کے ذمہ پر ہوتی ہے۔ پس قرض کی وصولی ثابت ہو جائے گی۔ اور وہ مرتہن دین کو طلب کرنے کا حقدار نہ رہے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مرتہن کے پاس اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو دَین اور اس کی قیمت میں جو کم ہے اُس کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا مثلاً سو روپے دَین ہیں اور مرہون کی قیمت دو سو ۲۰۰ ہے تو سو ۱۰۰ کے مقابل میں ہلاک ہوا یعنی اس کا دَین ساقط ہو گیا اور مرتہن راہن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورت مفروضہ میں مرہون کی قیمت پچاس روپے ہے تو دَین میں

سے پچاس ساقط ہو گئے اور پچاس باقی ہیں اور اگر دونوں برابر ہیں تو نہ دینا ہے نہ لینا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کا مرہونہ کو بیچنے کا اختیار راہن کو نہ دینے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِي يَدِهِ لَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُمَكِّنَهُ مِنْ الْبَيْعِ حَتَّى يَقْضِيَهُ الدَّيْنَ) ؛ لِأَنَّ حُكْمَهُ الْحَبْسُ الدَّائِمُ إلَى أَنْ يَقْضِيَ الدَّيْنَ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ (وَلَوْ قَضَاهُ الْبَعْضَ فَلَهُ أَنْ يَحْبِسَ كُلَّ الرَّهْنِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْبَقِيَّةَ) اعْتِبَارًا بِحَبْسِ الْمَبِيعِ (فَإِذَا قَضَاهُ الدَّيْنَ قِيلَ لَهُ سَلِّمْ الرَّهْنَ إلَيْهِ) ؛ لِأَنَّهُ زَالَ الْمَانِعُ مِنْ التَّسْلِيمِ لِوُصُولِ الْحَقِّ إلَى مُسْتَحِقِّهِ (فَلَوْ هَلَكَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ اسْتَرَدَّ الرَّاهِنُ مَا قَضَاهُ) ؛ لِأَنَّهُ صَارَ مُسْتَوْفِيًا عِنْدَ الْهَلَاكِ بِالْقَبْضِ السَّابِقِ ، فَكَانَ الثَّانِي اسْتِيفَاءً بَعْدَ اسْتِيفَاءٍ فَيَجِبُ رَدُّهُ ،

ترجمہ

اور جب رہن مرتہن کے قبضہ میں ہے تو مرتہن پر یہ لازم نہ ہوگا کہ وہ راہن کو بیچنے کا اختیار دے۔ جب تک راہن اس کا قرض ادا نہ کر دے۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی تک رہن کو قید میں رکھنے کا حکم دائمی طور پر ہے۔ اسی تفصیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور جب راہن نے مرتہن کو بعض رہن ادا کر دی ہے تو اس کیلئے یہ حق ہوگا کہ وہ بقیہ کی وصولی تک ساری رہن کو روک دے اور اس کو مبیع کو قید میں رکھنے پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد جب راہن نے مرتہن کو سارا قرض ادا کر دیا ہے تو اب مرتہن سے کہا جائے گا۔ کہ رہن کو حوالے کرو۔ کیونکہ سپرد کرنے سے مانع ہونے والی چیز تو ختم ہو چکی ہے۔ کیونکہ حق اپنے حقدار تک پہنچ گیا ہے۔ اور اگر حوالے کرنے سے پہلے ہی رہن ہلاک ہو گئی ہے تو راہن مرتہن سے وہی چیز لینے والا بنے گا جس اس نے مرتہن کو دی ہے۔ کیونکہ ہلاکت کے سبب گزشتہ قبضہ کے سبب سے مرتہن نے اپنا حق وصول کر لیا ہے۔ جبکہ دوبارہ وصول کرنا یہ وصولی کے بعد وصولی ہے۔ پس اس کا واپس کرنا لازم ہوگا۔

شرح

اور رہن فسخ ہونے کے بعد بھی مرتہن کو یہ اختیار ہے کہ جب تک اپنا مطالبہ وصول نہ کر لے یا معاف نہ کر دے مرہون شے اپنے قبضہ میں رکھے راہن کو واپس نہ دے یعنی محض زبان سے کہہ دینے سے کہ رہن فسخ کیا رہن فسخ نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے جب تک مرہون کو واپس نہ کر دے جب رہن فسخ نہیں ہوا تو اب بھی چیز کو روک سکتا ہے، ہاں دین یا قبضہ دونوں میں ایک جاتا رہے مثلاً دین وصول پایا، یا معاف کر دیا کہ اب دین باقی نہ رہا یا راہن کے قبضہ میں دے دیا تو اب رہن جاتا رہے گا۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

راہن ومرتہن کا رہن کو فسخ کرنے کا بیان

(وَكَذٰلِكَ لَوْ تَفَاسَخَا الرَّهْنَ لَهُ حَبْسُهُ مَا لَمْ يَقْبِضِ الدَّيْنَ أَوْ يُبْرِئْهُ ، وَلَا يَبْطُلُ الرَّهْنُ إِلَّا بِالرَّدِّ عَلَى الرَّاهِنِ عَلَى وَجْهِ الْفَسْخِ) ؛ لِأَنَّهُ يَبْقَى مَضْمُونًا مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالدَّيْنُ (وَلَوْ هَلَكَ فِي يَدِهِ سَقَطَ الدَّيْنُ إِذَا كَانَ بِهِ وَفَاءٌ بِالدَّيْنِ) لِبَقَاءِ الرَّهْنِ ،

ترجمہ

اوراسی طرح جب راہن اور مرتہن نے رہن کو فسخ کر دیا ہے تو مرتہن کو حق حاصل ہوگا کہ وہ رہن کو قبضہ میں رکھے حتی کہ وہ قرض پر قبضہ کرلے یا راہن کو اس سے بری کردے۔اور رہن راہن کے بطور فسخ واپس کرنے سے باطل ہو جاتی ہے۔کیونکہ جب تک قبضہ اور قرض باقی رہتا ہے اس وقت تک رہن کا ضمان باقی رہتا ہے۔جب رہن مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو قرض ساقط ہو جائے گا۔ہاں البتہ شرط یہ ہے کہ اس سے قرض کو ادا کرنا ممکن ہو۔

شرح

اور فسخ رہن کے بعد چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی اب بھی وہی احکام ہیں جو فسخ نہ ہونے کی صورت میں تھے کہ دَین اور قیمت مرہون میں جو کم ہے اس کے مقابل میں چیز ہلاک ہوگئی۔

مرتہن نے اگر راہن کو وہ چیز دے دی مگر بطور فسخ رہن نہیں بلکہ بطور عاریت تو اب بھی رہن باقی ہے یعنی اس سے واپس نہیں لے سکتا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کیلئے رہن سے نفع اٹھانے کی ممانعت کا بیان

(وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِالرَّهْنِ لَا بِاسْتِخْدَامٍ ، وَلَا بِسُكْنَى وَلَا لُبْسٍ ، إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ الْمَالِكُ) ؛ لِأَنَّ لَهُ حَقَّ الْحَبْسِ دُونَ الِانْتِفَاعِ (وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ إِلَّا بِتَسْلِيطٍ مِنَ الرَّاهِنِ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُؤَاجِرَ وَيُعِيرَ) ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الِانْتِفَاعِ بِنَفْسِهِ فَلَا يَمْلِكُ تَسْلِيطَ غَيْرِهِ عَلَيْهِ ، فَإِنْ فَعَلَ كَانَ مُتَعَدِّيًا ، وَلَا يَبْطُلُ عَقْدُ الرَّهْنِ بِالتَّعَدِّي .

ترجمہ

اور مرتہن کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ رہن سے فائدہ اٹھائے خواہ یہ فائدہ بطور خدمت ہو یا رہنے کیلئے یا پہننے کے طور پر ہو۔ہاں البتہ جب مالک اس کی اجازت دے دیتا ہے کیونکہ مرتہن کا صرف قید میں رکھنے کا حق ہے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔کیونکہ جب اس کو خود اس پر ولایت حاصل نہیں ہے تو اس کیلئے کسی دوسرے کو اس پر مسلط کر دینے کا حق بھی نہ ہوگا۔اور اگر اس نے اس طرح کیا

ہے تو وہ زیادتی کرنے والا ہے ہاں البتہ اس کے ظلم کے سبب رہن کا عقد باطل نہ ہوگا۔

شرح

مرہون چیز سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً لونڈی غلام ہو تو اس سے خدمت لینا یا اجارہ پر دینا مکان میں سکونت کرنا یا کرایہ پر اُٹھانا یا عاریت پر دینا، کپڑے اور زیور کو پہننا یا اجارہ وعاریت پر دینا الغرض نفع کی سب صورتیں ناجائز ہیں اور جس طرح مرتہن کو نفع اُٹھانا ناجائز ہے راہن کو بھی ناجائز ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کے لیے اگر راہن نے اِنتفاع کی اجازت دے دی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ یہ اجازت رہن میں شرط ہے یعنی قرض ہی اس طرح دیا ہے کہ وہ اپنی چیز اس کے پاس رہن رکھے اور یہ اس سے نفع اٹھائے جیسا کہ عموماً اس زمانہ میں مکان یا زمین اسی طور پر رکھتے ہیں یہ ناجائز اور سود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شرط نہ ہو یعنی عقد رہن ہو جانے کے بعد راہن نے اجازت دی ہے کہ مرتہن نفع اٹھائے یہ صورت جائز ہے۔ اصل حکم یہی ہے جس کا ذکر ہوا مگر آج کل عام حالت یہ ہے کہ روپیہ قرض دے کر اپنے پاس چیز اسی مقصد سے رہن رکھتے ہیں کہ نفع اُٹھائیں اور یہ اس درجہ معروف ومشہور ہے کہ مشروط کی حد میں داخل ہے لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سواری کی جائے تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے میں اس پر سواری کی جاسکتی ہے اور اگر دودھ والا جانور گروی ہو تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے اس کا دودھ پیا جائے اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی اس کے مصارف کا ذمہ دار ہے۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 111)

حدیث کے پہ۔ ۔زدکی وضاحت کے ضمن میں ملا علی قاری نے جو مسئلہ لکھا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کوئی جانور کسی کے پاس رہن رکھے تو اس جانور کے مصارف مثلاً دانہ وچارہ وغیرہ کا بار چونکہ راہن پر ہوتا ہے اسے بار برداری کے کام میں لائے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت شیخ عبدالحق نے حدیث کے آخری جملہ (وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ) (اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی مصارف کا ذمہ دار ہے) کے تحت یہ لکھا ہے کہ جو شخص گروی رکھے ہوئے جانور پر سوار ہوگا یا اس کا دودھ پئے گا وہی اس کے مصارف کا بھی ذمہ دار ہوگا خواہ وہ راہن ہو یا مرتہن گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر مرتہن اپنے پاس گروی رکھے ہوئے جانور کا گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو وہ اس جانور کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے اور اگر راہن اس جانور کا (کہ جسے اس نے مرتہن کے پاس گروی رکھا ہے) گھاس دانہ کرتا ہے اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے تو پھر اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس جانور کو اپنے استعمال میں لائے اور اس کا دودھ پیئے۔

حضرت شیخ کی اس وضاحت کی روشنی میں حدیث کا یہ مطلب ہوگا کہ مرتہن کو گروی رکھے ہوئے جانور سے نفع اٹھانا اور اس

کے مصارف برداشت کرنا جائز ہے حالانکہ اکثر علماء اس کے برخلاف ہیں چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ مرتہن کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے اور یہ کہ گروی رکھی ہوئی چیز کا نفقہ (جیسے جانور کا گھاس دانہ) راہن کے ذمہ ہے مرتہن کے لئے رہن سے نفع حاصل کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ یہ بالکل کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ جو قرض نفع لائے وہ حرام ہے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث آگے آنیوالی حدیث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

مرتہن کا مرہونہ کی حفاظت خود کرنے یا کرانے کا بیان

قَالَ (وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَحْفَظَ الرَّهْنَ بِنَفْسِهِ وَزَوْجَتِهِ وَوَلَدِهِ وَخَادِمِهِ الَّذِي فِي عِيَالِهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَعْنَاهُ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ فِي عِيَالِهِ أَيْضًا، وَهَذَا؛ لِأَنَّ عَيْنَهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَالْوَدِيعَةِ (وَإِنْ حَفِظَهُ بِغَيْرِ مَنْ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَوْدَعَهُ ضَمِنَ) هَلْ يَضْمَنُ الثَّانِي فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ، وَقَدْ بَيَّنَّا جَمِيعَ ذَلِكَ بِدَلَائِلِهِ فِي الْوَدِيعَةِ (وَإِذَا تَعَدَّى الْمُرْتَهِنُ فِي الرَّهْنِ ضَمِنَهُ ضَمَانَ الْغَصْبِ بِجَمِيعِ قِيمَتِهِ)؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ عَلَى مِقْدَارِ الدَّيْنِ أَمَانَةٌ، وَالْأَمَانَاتُ تُضْمَنُ بِالتَّعَدِّي،

ترجمہ

اور مرتہن کا مرہونہ کی حفاظت کرنا خود اس کیلئے جائز ہے اور اسی طرح اس کی بیوی، لڑکا یا غلام یا جو بھی اس کی تربیت میں ہے اس سے وہ حفاظت کرائے تو یہ بھی جائز ہے۔

مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے لڑکا بھی اس کی تربیت میں ہے۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ رہن کا عین مرتہن کے قبضہ میں امانت ہے۔ پس یہ ودیعت کی طرح ہو جائے گا۔ اور جب کسی ایسے بندے نے رہن کی حفاظت کی ہے جو مرتہن کے عیال میں سے نہیں ہے یا مرتہن نے اس کے ہاں بطور ودیعت رکھی ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اور کیا وہ دوسرا بندہ بھی ضامن ہوگا یا نہیں ہوگا تو اس میں اختلاف ہے۔ اور ہم نے اس مسئلہ کو سارے ادلہ کے ساتھ کتاب ودیعت میں بیان کر دیا ہے۔

اور جب مرتہن نے رہن کے اندر زیادتی کی تو مرتہن غصب والے ضمان کی طرح اس کی ساری قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ قرض کی مقدار پر جو زیادتی ہے وہ امانت ہے۔ اور ظلم کے سبب امانات بھی قابل ضمان ہو جاتی ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرتہن کے ذمہ مرہون کی حفاظت لازم ہے اور یہاں حفاظت کا وہی حکم ہے جس کا بیان ودیعت میں گزر چکا کہ خود حفاظت کرے یا اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں دے دے یہاں عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ رہتے سہتے ہوں جیسے بی بی بچے خادم اور اجیر خاص یعنی نوکر جس کی ماہوار یا ششماہی یا سالانہ تنخواہ دی جاتی ہو۔ مزدور جو

روزانہ پر کام کرتا ہو مثلاً ایک دن کی اُسے اتنی اُجرت دی جائے گی اس کی حفاظت میں نہیں دے سکتا۔عورت مرتہن ہے تو شوہر کی حفاظت میں دے سکتی ہے۔بی بی اور اولاد اگر عیال میں نہ ہوں جب بھی اُن کی حفاظت میں دے سکتا ہے جن دو شخصوں کے مابین شرکت مفاوضہ یا شرکت عنان ہے ان میں ایک کے پاس کوئی چیز رکھی گئی تو شریک کی حفاظت میں دے سکتا ہے۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

ان لوگوں کے سوا کسی اور کی حفاظت میں چیز دے دی یا کسی کے پاس ودیعت رکھی یا اجارہ یا عاریت کے طور پر دے دی یا کسی اور طرح اس میں تعدی کی مثلاً کتاب رہن تھی اُس کو پڑھا، یا جانور پر سوار ہوا غرض یہ کہ کسی صورت سے بلا اجازت راہن استعمال میں لائے بہر صورت پوری قیمت کا تاوان اُس کے ذمہ واجب ہے اور مرتہن ان سب صورتوں میں غاصب کے حکم میں ہے اسی وجہ سے پوری قیمت کا تاوان واجب ہوتا ہے۔(درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

راہن کا مرتہن کے پاس انگوٹھی رکھنے کا بیان

(وَلَوْ رَهَنَهُ خَاتَمًا فَجَعَلَهُ فِي خِنْصِرِهِ فَهُوَ ضَامِنٌ) ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِالِاسْتِعْمَالِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَأْذُونٍ فِيهِ ، وَإِنَّمَا الْإِذْنُ بِالْحِفْظِ وَالْيُمْنَى وَالْيُسْرَى فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ ؛ لِأَنَّ الْعَادَةَ فِيهِ مُخْتَلِفَةٌ ،(وَلَوْ جَعَلَهُ فِي بَقِيَّةِ الْأَصَابِعِ كَانَ رَهْنًا بِمَا فِيهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَا يُلْبَسُ كَذَلِكَ عَادَةً فَكَانَ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ ، وَكَذَا الطَّيْلَسَانُ إنْ لَبِسَهُ لُبْسًا مُعْتَادًا ضَمِنَ ، وَإِنْ وَضَعَهُ عَلَى عَاتِقِهِ لَمْ يَضْمَنْ (وَلَوْ رَهَنَهُ سَيْفَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً فَتَقَلَّدَهَا لَمْ يَضْمَنْ فِي الثَّلَاثَةِ وَضَمِنَ فِي السَّيْفَيْنِ) ؛ لِأَنَّ الْعَادَةَ جَرَتْ بَيْنَ الشُّجْعَانِ بِتَقَلُّدِ السَّيْفَيْنِ فِي الْحَرْبِ وَلَمْ تَجْرِ بِتَقَلُّدِ الثَّلَاثَةِ ، وَإِنْ لَبِسَ خَاتَمًا فَوْقَ خَاتَمٍ ، إنْ كَانَ هُوَ مِمَّنْ يَتَجَمَّلُ بِلُبْسِ خَاتَمَيْنِ ضَمِنَ ، وَإِنْ كَانَ لَا يَتَجَمَّلُ بِذَلِكَ فَهُوَ حَافِظٌ فَلَا يَضْمَنُ

ترجمہ

اور جب راہن نے مرتہن کے پاس انگوٹھی کو رہن کے طور پر رکھ دیا ہے اور مرتہن نے اس کو اپنی خنصر انگلی میں ڈال لیا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔کیونکہ استعمال کرتے ہوئے اس نے زیادتی کی ہے۔اس لئے کہ اس کو استعمال کی اجازت نہ تھی۔اور اجازت صرف حفاظت کے طور پر دی جاتی ہے۔اور اس بارے میں دایاں اور بایاں ہاتھ یہ دونوں ایک حکم میں ہیں۔کیونکہ انگوٹھی کو پہننے کے اعتبار سے لوگوں میں رواج مختلف ہے۔

اور جب اس نے دوسری انگلیوں میں انگوٹھی کر پہنا ہے تو وہ اس مقدار کے ساتھ رہن ہوگی۔جس میں وہ ہے۔کیونکہ عام طور

پر اس طرح انگوٹھی کو نہیں پہنا جاتا۔ پس یہ حفاظت کے حکم میں ہوگی۔ اور اسی طرح جب اس نے ایک حد کے مطابق چادر کو پہن لیا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اور اگر اس نے اس پر کاندھے پر رکھ لیا ہے تو وہ ضامن نہیں بنے گا۔

اور جب راہن شخص نے دو تلواریں یا تین تلواریں رہن میں رکھ دی ہیں اور مرتہن نے ان کو گلے میں لٹکا لیا ہے تو تین کی صورت میں تو وہ ضامن نہ بن سکے گا جبکہ دو تلواروں میں وہ ضامن بن جائے گا۔ کیونکہ جنگ کے دوران دو تلواروں کو لٹکانا یہ بہادر لوگوں کی نشانی ہے۔ تین میں کوئی علامت نہیں ہے۔

اور جب مرتہن نے انگوٹھی پر انگوٹھی کو پہن لیا ہے اور جب مرتہن ایسے لوگوں میں سے ہے جن کی زینت اختیار کرنا دو انگوٹھیوں کو پہن کر ہوتی ہے تو وہ ضامن بن جائے گا اور جب ایسے زینت اختیار کرنے والے بندوں میں سے نہیں ہے وہ ضامن نہ بنے گا۔

شرح

اور انگوٹھی رہن رکھی مرتہن نے چھنگلیا میں پہن لی پوری قیمت کا ضامن ہوگیا کہ یہ مرہون کو بلا اجازت استعمال کرنا ہے دہنے ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنے یا بائیں ہاتھ میں، دونوں کا ایک حکم ہے کہ انگوٹھی دونوں طرح عادۃً پہنی جاتی ہے اور چھنگلیا کے سوا کسی دوسری اُنگلی میں ڈال لی تو ضامن نہیں کہ عادۃً اس طرح پہنی نہیں جاتی لہٰذا اس کو پہننا نہیں گے بلکہ حفاظت کے لئے اُنگلی میں ڈال لینا ہے۔ یہ حکم اُس وقت ہے کہ مرتہن مرد ہو اور اگر عورت کے پاس انگوٹھی رہن رکھی تو جس کسی انگلی میں ڈالے پہننا ہی کہا جائے گا کہ عورتیں سب میں پہنا کرتی ہیں۔ (غنیۃ ذوی الاحکام)

کُرتے کو کندھے پر ڈال لیا یعنی جو چیز جس طرح استعمال کی جاتی ہے اُس کے سوا دوسرے طریق پر بدن پر ڈال لی اس میں کُل قیمت کا تاوان نہیں۔ مرتہن خود انگوٹھی پہنے ہوئے تھا اس کے پاس انگوٹھی رہن رکھی گئی اپنی انگوٹھی پر رہن والی انگوٹھی کو بھی پہن لیا یا ایک شخص کے پاس دو انگوٹھیاں رہن رکھی گئیں اُس نے دونوں ایک ساتھ پہن لیں، یہاں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ شخص اگر اُن لوگوں میں ہے جو بقصد زینت دو انگوٹھیاں پہنتے ہیں (اگرچہ یہ شرعاً ناجائز ہے) تو پورا تاوان واجب اور اگر دونوں انگوٹھیاں پہننے والوں میں نہیں تو اس کو پہننا نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ حفاظت کرنا کہا جائے گا۔

اور جب دو تلواریں رہن رکھیں مرتہن نے دونوں کو ایک ساتھ باندھ لیا ضامن ہے کہ بہادر دو تلواریں ایک ساتھ لگایا کرتے ہیں اور تین تلواریں رہن رکھیں اور تینوں کو لگا لیا تو ضامن نہیں کہ تلوار کے استعمال کا یہ طریقہ نہیں۔ پہلی صورت میں اُس وقت ضامن ہے کہ خود مرتہن بھی دو تلواریں ایک ساتھ لگانے والوں میں ہو۔ (فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

رہن والے گھر کی حفاظت کی مزدوری مرتہن پر ہونے کا بیان

قَالَ (وَأُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِي يُحْفَظُ فِيهِ الرَّهْنُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَكَذٰلِكَ أُجْرَةُ الْحَافِظِ وَأُجْرَةُ الرَّاعِي وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا يُحْتَاجُ إِلَيْهِ لِمَصْلَحَةِ الرَّهْنِ

وَرَدُّ جُزْئِهِ فَهُوَ عَلَى الرَّاهِنِ سَوَاءٌ كَانَ فِي الرَّهْنِ فَضْلٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ بَاقٍ عَلَى مِلْكِهِ ، وَكَذَلِكَ مَنَافِعُهُ مَمْلُوكَةٌ لَهُ فَيَكُونُ إِصْلَاحُهُ وَتَبْقِيَتُهُ عَلَيْهِ لِمَا أَنَّهُ مُؤْنَةُ مِلْكِهِ كَمَا فِي الْوَدِيعَةِ ، وَذَلِكَ مِثْلُ النَّفَقَةِ فِي مَأْكَلِهِ وَمَشْرَبِهِ ، وَأُجْرَةُ الرَّاعِي فِي مَعْنَاهُ ؛ لِأَنَّهُ عَلَفُ الْحَيَوَانِ ، وَمِنْ هَذَا الْجِنْسِ كِسْوَةُ الرَّقِيقِ وَأُجْرَةُ ظِئْرِ وَلَدِ الرَّهْنِ ، وَسَقْيُ الْبُسْتَانِ ، وَكَرْيُ النَّهْرِ وَتَلْقِيحُ نَخِيلِهِ وَجُذَاذُهُ ، وَالْقِيَامُ بِمَصَالِحِهِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جس گھر میں رہن ہے اس کی مزدوری جو حفاظت رہن کی ہے وہ مرتہن پر ہوگی۔ اور اسی طرح سیکورٹی والے کی تنخواہ بھی اسی پر ہوگی۔ جبکہ چرواہے کی مزدوری اور رہن کا نفقہ راہن پر ہوگا۔ اور قانون یہ ہے کہ رہن کی اصلاح اور اس کو باقی رکھنے کیلئے جو چیز کی ضرورت ہوگی اس کی اجرت راہن پر ہوگی۔ اگر چہ رہن میں کوئی زیادتی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ رہن کا عین یہ راہن کی ملکیت پر باقی ہے۔ اور اس کے منافع بھی اس کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ پس اس کو صحیح کرنا اور اس کو باقی رکھنا بھی اسی کی ذمہ داری پر ہے۔ کیونکہ مدد اسکی ملکیت کی ہے۔ جس طرح ودیعت میں ہوا کرتا ہے۔ اور اس کے کھانے پینے اور نفقہ کی طرح ہے۔ اور چرواہے کی مزدوری کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ حیوان کا چارہ ہے۔ اور غلام کا کپڑا بھی اسی جنس میں سے ہے۔ اور مرہون کے بچے کیلئے دودھ پلانے والی کی مزدوری ہے اور باغ کو سیراب کرنا ہے اور نہر کی کھدوائی ہے۔ اور باغ کے پودوں میں پیوند کاری کرنا ہے۔ اور اس کا پھل توڑنا ہے اور اسی طرح دوسرے مصلحت کے کاموں کو سرانجام دینا ہے۔

شرح

اور مرہون کی حفاظت میں جو کچھ صرف ہوگا وہ سب مرتہن کے ذمہ ہے کہ حفاظت خود اُسی کے ذمہ ہے لہٰذا جس مکان میں مرہون کو رکھے اُس کا کرایہ اور حفاظت کرنے والے کی تنخواہ مرتہن اپنے پاس سے خرچ کرے اور اگر جانور کو رہن رکھا ہے تو اس کے چرانے کی اُجرت اور مرہون کا نفقہ مثلاً اُس کا کھانا پینا اور لونڈی غلام کو رہن رکھا ہے تو ان کا لباس بھی اور باغ رہن رکھا ہے تو درختوں کو پانی دینے پھل توڑنے اور دوسرے کاموں کی اُجرت راہن کے ذمہ ہے اسی طرح زمین کا عشر یا راج بھی راہن ہی کے ذمہ ہے خلاصہ یہ کہ مرہون کی بقا، یا اُس کے مصالح میں جو خرچہ ہو وہ راہن کے ذمہ ہے۔

مرہونہ کے بعض کاموں کا مرتہن کے ذمہ داری پر ہونے کا بیان

وَكُلُّ مَا كَانَ لِحِفْظِهِ أَوْ لِرَدِّهِ إِلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ أَوْ لِرَدِّ جُزْءٍ مِنْهُ فَهُوَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ مِثْلُ أُجْرَةِ الْحَافِظِ ؛ لِأَنَّ الْإِمْسَاكَ حَقٌّ لَهُ وَالْحِفْظُ وَاجِبٌ عَلَيْهِ فَيَكُونُ بَدَلُهُ عَلَيْهِ ، وَكَذَلِكَ أُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِي يُحْفَظُ الرَّهْنُ فِيهِ ، وَهَذَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ كِرَاءَ

الْمَأْوَى عَلَى الرَّاهِنِ بِمَنْزِلَةِ النَّفَقَةِ ؛ لِأَنَّهُ سَعَى فِي تَبْقِيَتِهِ ، وَمِنْ هَذَا الْقِسْمِ جُعْلُ الْآبِقِ فَإِنَّهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ؛ لِأَنَّهُ مُحْتَاجٌ إلَى إعَادَةِ الِاسْتِيفَاءِ الَّتِي كَانَتْ لَهُ لِيَرُدَّهُ فَكَانَتْ مُؤْنَةُ الرَّدِّ فَيَلْزَمُهُ ، وَهَذَا إذَا كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ وَالدَّيْنِ سَوَاءً ،

ترجمہ

اور ہر وہ کام جس کو حفاظت مرہون کیلئے کیا جائے یا وہ کام مرتہن کے پاس واپس کرنے کیلئے ہو یا وہ مرہون کے کسی حصے کو واپس کرنے کیلئے ہے تو وہ مرتہن کے ذمہ پر ہوگا۔ جس طرح نگرانی کرنے والے کی مزدوری ہے۔ کیونکہ اس کا روک رکھنا یہ مرتہن کا حق ہے۔ اور حفاظت کرنا بھی اسی پر لازم ہے۔ پس حفاظت کا بدلہ بھی اسی پر ہوگا۔ اور اسی طرح اس مکان کا کرایہ بھی اسی مرتہن پر ہے جس میں مرہون کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور ظاہر الروایت کے مطابق اسی طرح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مکان کا کرایہ راہن پر ہوگا۔ کیونکہ وہ نفقہ کے حکم میں ہے اور یہ مرہون کا باقی رکھنے میں کوشش ہے۔ اور آبق کا انعام بھی اسی قسم میں سے ہے۔ کیونکہ وہ مرتہن پر واجب ہے۔ کیونکہ استیفائی قبضہ میں مرتہن ہی لوٹانے کا ضرورت مند ہے۔ جو اس کو اس سے پہلے حاصل تھا۔ کہ وہ مرہون کو واپس کر سکے۔ پس یہ لوٹانے کی مدد میں ہوگا۔ کیونکہ مرتہن پر لازم ہے اور یہ حکم اس وقت دیا جائے گا جب رہن اور قرض یہ دونوں قیمت میں مساوی ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مرتہن کے ذمہ مرہون کی حفاظت لازم ہے اور یہاں حفاظت کا وہی حکم ہے جس کا بیان ودیعت میں گزر چکا کہ خود حفاظت کرے یا اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں دے دے یہاں عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ رہتے سہتے ہوں جیسے بی بی بچے خادم اور اجیر خاص یعنی نوکر جس کی ماہوار یا ششماہی یا سالانہ تنخواہ دی جاتی ہو۔ مزدور جو روزانہ پر کام کرتا ہو مثلاً ایک دن کی اُسے اتنی اُجرت دی جائے گی اس کی حفاظت میں نہیں دے سکتا۔

اور جب عورت مرتہن ہے تو شوہر کی حفاظت میں دے سکتی ہے۔ بی بی اور اولاد اگر عیال میں نہ ہوں جب بھی اُن کی حفاظت میں دے سکتا ہے جن دو شخصوں کے مابین شرکت مفاوضہ یا شرکت عنان ہے ان میں ایک کے پاس کوئی چیز رکھی گئی تو شریک کی حفاظت میں دے سکتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

رہن کی قیمت کا دین سے زیادہ ہونے پر جعل مرتہن پر ہونے کا بیان

وَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ أَكْثَرَ فَعَلَيْهِ بِقَدْرِ الْمَضْمُونِ وَعَلَى الرَّاهِنِ بِقَدْرِ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ وَالرَّدُّ لِإِعَادَةِ الْيَدِ ، وَيَدُهُ فِي الزِّيَادَةِ يَدُ الْمَالِكِ إذْ هُوَ كَالْمُودِعِ فِيهَا فَلِهَذَا يَكُونُ عَلَى الْمَالِكِ ، وَهَذَا بِخِلَافِ أُجْرَةِ الْبَيْتِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فَإِنَّ كُلَّهَا تَجِبُ

عَلَى الْمُرْتَهِنِ ، وَإِنْ كَانَ فِي قِيمَةِ الرَّهْنِ فَضْلٌ ؛ لِأَنَّ وُجُوبَ ذَلِكَ بِسَبَبِ الْحَبْسِ ، وَحَقُّ الْحَبْسِ فِي الْكُلِّ ثَابِتٌ لَهُ فَأَمَّا الْجُعْلُ إِنَّمَا يَلْزَمُهُ لِأَجْلِ الضَّمَانِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْمَضْمُونِ ،

ترجمہ

اور جب رہن کی قیمت دین سے زائد ہے تو مرتہن پر ضمان کی مقدار کے برابر جعل ہوگا۔اور زیادتی کی مقدار راہن پر واجب ہوگی۔کیونکہ زیادتی مرتہن کے قبضہ میں امانت ہے۔اور قبضہ کار دلوٹانے کیلئے ہے۔اور زیادتی مرتہن کا قبضہ مالک کا قبضہ ہے۔کیونکہ وہ زیادتی میں مودع کی طرح ہے۔اس لئے کہ زیادتی کا انعام مالک پر ہوگا۔اور یہ اس مکان کی مزدوری کے سوا ہے جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔کیونکہ اس کی ساری مزدوری مرتہن پر لازم ہے اگر چہ رہن کی قیمت میں زیادتی ہے۔کیونکہ اس کا وجوب قید کے سبب سے ہے اور قید کا حق مرتہن کیلئے ساری رہن میں ہے۔جبکہ انعام یہ ضمان کے سبب مرتہن پر لازم ہوا تھا۔پس وہ مضمون کی مقدار کے حساب سے ہوگا۔

شرح

اور مرتہن کے پاس اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو دَین اور اس کی قیمت میں جو کم ہے اُس کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا مثلاً سو روپے دَین ہیں اور مرہون کی قیمت دو سو ۲۰۰ ہے تو سو ۱۰۰ کے مقابل میں ہلاک ہوا یعنی اس کا دَین ساقط ہوگیا اور مرتہن راہن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورتِ مفروضہ میں مرہون کی قیمت پچاس روپے ہے تو دَین میں سے پچاس ساقط ہوگئے اور پچاس باقی ہیں اور اگر دونوں برابر ہیں تو نہ دینا ہے نہ لینا۔(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرہون کے علاج معالجہ کے ضمان کا بیان

وَمُدَاوَاةُ الْجِرَاحَةِ وَالْقُرُوحِ وَمُعَالَجَةُ الْأَمْرَاضِ وَالْفِدَاءُ مِنَ الْجِنَايَةِ تَنْقَسِمُ عَلَى الْمَضْمُونِ وَالْأَمَانَةِ ، وَالْخَرَاجُ عَلَى الرَّاهِنِ خَاصَّةً ؛ لِأَنَّهُ مِنْ مُؤَنِ الْمِلْكِ ، وَالْعُشْرُ فِيمَا يَخْرُجُ مُقَدَّمٌ عَلَى حَقِّ الْمُرْتَهِنِ لِتَعَلُّقِهِ بِالْعَيْنِ وَلَا يَبْطُلُ الرَّهْنُ فِي الْبَاقِي ؛ لِأَنَّ وُجُوبَهُ لَا يُنَافِي مِلْكَهُ ، بِخِلَافِ الِاسْتِحْقَاقِ ، وَمَا أَدَّاهُ أَحَدُهُمَا مِمَّا وَجَبَ عَلَى صَاحِبِهِ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ ، وَمَا أَنْفَقَ أَحَدُهُمَا مِمَّا يَجِبُ عَلَى الْآخَرِ بِأَمْرِ الْقَاضِي رَجَعَ عَلَيْهِ كَأَنَّ صَاحِبَهُ أَمَرَهُ بِهِ ؛ لِأَنَّ وِلَايَةَ الْقَاضِي عَامَّةٌ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ إذَا كَانَ صَاحِبُهُ حَاضِرًا وَإِنْ كَانَ بِأَمْرِ الْقَاضِي وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ إنَّهُ يَرْجِعُ فِي الْوَجْهَيْنِ ، وَهِيَ

فَرْعُ مَسْأَلَةِ الْحَجْرِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور کسی زخم کی دوا، پھوڑے پھنسی جیسی بیماریوں کا علاج اور جنائیت کا فدیہ امانت اور مضمون پر تقسیم ہوگا۔ جبکہ خراج تو خصوصی طور پر راہن پر لازم ہوگا۔ کیونکہ ملکیت کا بوجھ اسی پر ہے۔ اور پیداوار کا عشر مرتہن کے حق پر مقدم ہوگا کیونکہ وہ رہن کے عین سے متعلق ہونے والا ہے۔ اور بقیہ میں رہن باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب عشر یہ ملکیت راہن کے منافی نہیں ہے۔ جبکہ حقدار ہونے میں ایسا نہیں ہے۔ اور وہ خرچہ جو راہن اور مرتہن میں سے کسی پر لازم تھا۔ اور کسی نے ادا کر دیا ہے تو ادا کرنے والا احسان کرنے والا ہوگا اور دوسرے پر لازم ہونے والا النفقہ جو ان میں سے کسی نے قاضی کے حکم کے مطابق خرچ کیا ہے وہ دوسرے سے واپس لے گا۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا۔ کہ جس طرح اس کے دوست نے اس کو خرچ کرنے کا حکم دے دیا ہو۔ اس لئے ولایت قاضی عام ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خرچ کرنے والا ساتھی موجود ہے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتا خواہ ہی خرچ کرنا قاضی کے حکم سے ہی ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں واپس لے سکتا ہے۔ اور یہ مسئلہ حجر والے مسئلے کی فرع ہے۔

شرح

اور مرہون کو مرتہن کے پاس واپس لانے میں جو صرفہ ہو مثلاً وہ بھاگ گیا اُس کو پکڑ لانے میں کچھ خرچ کرنا ہوگا یا مرہون کے کسی عضو میں زخم ہو گیا یا اُس کی آنکھ سپید پڑ گئی یا کسی قسم کی بیماری ہے ان کے علاج میں جو کچھ صرفہ ہو وہ مضمون و امانت پر تقسیم کیا جائے یعنی اگر مرہون کی قیمت دَین سے زائد ہو تو اس صورت میں بتایا جا چکا ہے کہ بقدرِ دَین مرتہن کے ضمان میں ہے اور جو کچھ دَین سے زائد ہے وہ امانت ہے لہٰذا یہ صرفہ دونوں پر تقسیم ہو جو حصہ مرتہن کے ضمان کے مقابل میں آئے وہ مرتہن کے ذمہ ہے اور جو امانت کے مقابل ہو وہ راہن کے ذمہ اور اگر مرہون کی قیمت دَین سے زائد نہ ہو تو یہ سارے مصارف مرتہن کے ذمہ ہوں گے۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

بَابُ مَا يَجُوزُ ارْتِهَانُهُ وَالارْتِهَانُ بِهِ وَمَا لَا يَجُوزُ

﴿یہ باب ارتہان کے جواز وعدم جواز کے بیان میں ہے﴾

باب ارتہان کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے رہن سے متعلق مقدماتی مسائل کو ذکر کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے یہاں سے ان مسائل کو تفصیل کو شروع کیا ہے۔اور یہ اصول ہے کہ تفصیل اجمال کے بعد آیا کرتی ہے۔ لہذا ان مسائل کو مؤخر ذکر کیا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

مشترکہ چیز کو رہن رکھنے میں فقہی اختلاف کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ رَهْنُ الْمُشَاعِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يَجُوزُ ، وَلَنَا فِيهِ وَجْهَانِ : أَحَدُهُمَا يَنْبَنِي عَلَى حُكْمِ الرَّهْنِ ، فَإِنَّهُ عِنْدَنَا ثُبُوتُ يَدِ الِاسْتِيفَاءِ ، وَهَذَا لَا يُتَصَوَّرُ فِيمَا يَتَنَاوَلُهُ الْعَقْدُ وَهُوَ الْمُشَاعُ وَعِنْدَهُ الْمُشَاعُ يَقْبَلُ مَا هُوَ الْحُكْمُ عِنْدَهُ وَهُوَ تَعَيُّنُهُ لِلْبَيْعِ وَالثَّانِي أَنَّ مُوجَبَ الرَّهْنِ هُوَ الْحَبْسُ الدَّائِمُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُشْرَعْ إلَّا مَقْبُوضًا بِالنَّصِّ ، أَوْ بِالنَّظَرِ إلَى الْمَقْصُودِ مِنْهُ وَهُوَ الِاسْتِيثَاقُ مِنْ الْوَجْهِ الَّذِي بَيَّنَّاهُ ، وَكُلُّ ذَلِكَ يَتَعَلَّقُ بِالدَّوَامِ ، وَلَا يُفْضِي إلَيْهِ إلَّا اسْتِحْقَاقُ الْحَبْسِ ، وَلَوْ جَوَّزْنَاهُ فِي الْمُشَاعِ يَفُوتُ الدَّوَامُ ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْمُهَايَأَةِ فَيَصِيرُ كَمَا إذَا قَالَ رَهَنْتُك يَوْمًا وَيَوْمًا لَا ، وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ وَمَا لَا يَحْتَمِلُهَا ، بِخِلَافِ الْهِبَةِ حَيْثُ يَجُوزُ فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ فِي الْهِبَةِ غَرَامَةُ الْقِسْمَةِ وَهُوَ فِيمَا يُقَسَّمُ ،

ترجمہ

فرمایا کہ مشترکہ چیز کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جائز ہے۔اس کے عدم جواز میں ہمارے پاس دو دلائل ہیں۔ان میں سے پہلی دلیل حکم رہن پر مبنی ہے۔کیونکہ ہمارے نزدیک قبضہ کو استیفاء کرنا اس کا حکم ہے۔اور یہ کسی ایسی چیز میں نہ سمجھا جائے گا جس کو عقد شامل ہے۔اور وہ مشاع ہو۔امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مشاع اس چیز کو قبول

کرنے والا ہے۔جوان کے نزدیک رہن کا حکم ہے اوروہ یہ ہے کہ اس بیع کیلئے معین ہوجائے۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ رہن کا موجب دائمی قبضہ ہے۔کیونکہ رہن قبضہ میں آکر مشروع ہونے والی ہے۔اور یہ نص کے سبب سے ہے یا رہن کے مقصد کی رعایت کرتے ہوئے ہے۔اوراس کے ساتھ مضبوطی حاصل کرنا ہے جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔ اور یہ تمام معاملات ہمیشگی کے ساتھ واسطہ ہیں۔اور دائمی قبضے کی جانب جس کا حق لے جانے والا ہے۔اور جب ہم مشاع کو رہن رکھنا جائز قرار دے دیں تو دوام ختم ہوجائے گا۔کیونکہ منافع کی تقسیم ضروری ہے۔تو یہ اسی طرح ہوجائے گا کہ راہن نے اس طرح کہا ہے کہ ایک دن تمہارے پاس میں نے اس کو رہن رکھ دیا ہے اور ایک دن نہیں رکھا کیونکہ ان اشیاء میں رہن جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تقسیم ہونے کا احتمال رکھنے والی ہیں۔اوران میں بھی رہن جائز نہیں ہے جو تقسیم کا احتمال رکھنے والی نہیں ہیں۔

جبکہ ہبہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ جو اشیاء تقسیم کا احتمال نہیں رکھتی ہیں ان میں مشاع کا ہبہ جائز ہے۔کیونکہ تقسیم کا جرمانہ ہبہ سے روکنے والا ہے۔اوران چیزوں میں ہوسکتا ہے جو تقسیم کی جاسکتی ہوں۔

شرح

اور مشاع کو رہن رکھنا فاسد ہے یا باطل۔صحیح یہ ہے کہ باطل نہیں بلکہ فاسد ہے لہٰذا مرہون پر مرتہن کا اگر قبضہ ہوگیا تو یہ قبضہ نقصان ہے کہ مرہون اگر ہلاک ہوجائے تو وہی حکم ہے جو رہن صحیح کا تھا۔(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

رہن باطل وفاسد میں فرق کا بیان

اور رہن فاسد و باطل میں فرق یہ ہے کہ باطل وہ ہے جس میں رہن کی حقیقت ہی نہ پائی جائے کہ جس چیز کو رہن رکھا وہ مال ہی نہ ہو یا جس کے مقابل میں رکھا وہ مال مضمون نہ ہو اور فاسد وہ ہے کہ رہن کی حقیقت پائی جائے مگر جواز کی شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو جس طرح بیع میں فاسد و باطل کا فرق ہے یہاں بھی ہے۔(شرنبلالی)

حکم ہبہ کا مشاع کو قبول کرنے کا بیان

أَمَّا حُكْمُ الْهِبَةِ الْمِلْكُ وَالْمُشَاعُ يَقْبَلُهُ ، وَهَا هُنَا الْحُكْمُ ثُبُوتُ يَدِ الِاسْتِيفَاءِ وَالْمُشَاعُ لَا يَقْبَلُهُ وَإِنْ كَانَ لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ ، وَلَا يَجُوزُ مِنْ شَرِيكِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ حُكْمُهُ عَلَى الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَعَلَى الْوَجْهِ الثَّانِي يَسْكُنُ يَوْمًا بِحُكْمِ الْمِلْكِ وَيَوْمًا بِحُكْمِ الرَّهْنِ فَيَصِيرُ كَأَنَّهُ رَهَنَ يَوْمًا وَيَوْمًا لَا وَالشُّيُوعُ الطَّارِئُ يَمْنَعُ بَقَاءَ الرَّهْنِ فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَمْنَعُ ؛ لِأَنَّ حُكْمَ الْبَقَاءِ أَسْهَلُ مِنْ حُكْمِ الِابْتِدَاءِ فَأَشْبَهَ الْهِبَةَ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الِامْتِنَاعَ لِعَدَمِ الْمَحَلِّيَّةِ وَمَا يَرْجِعُ إلَيْهِ ، فَالِابْتِدَاءُ وَالْبَقَاءُ سَوَاءٌ كَالْمَحْرَمِيَّةِ فِي بَابِ النِّكَاحِ ، بِخِلَافِ الْهِبَةِ ؛ لِأَنَّ الْمُشَاعَ يَقْبَلُ حُكْمَهَا وَهُوَ الْمِلْكُ

، وَاعْتِبَارُ الْقَبْضِ فِي الِابْتِدَاءِ لِنَفْيِ الْغَرَامَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ ، وَلَا حَاجَةَ إلَى اعْتِبَارِهِ فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ وَلِهَذَا يَصِحُّ الرُّجُوعُ فِي بَعْضِ الْهِبَةِ ، وَلَا يَجُوزُ فَسْخُ الْعَقْدِ فِي بَعْضِ الرَّهْنِ،

ترجمہ

جبکہ ہبہ کا حکم تو وہ ملکیت ہے اور مشاع ملکیت کو قبول کر لیتا ہے۔ جبکہ یہاں رہن کا قبضہ استیفاء کو ثابت کرتا ہے۔ اور اس کو مشاع قبول کرنے والا نہیں ہے خواہ وہ تقسیم کا احتمال رکھنے والا نہ ہو۔

اور اپنے شریک کے ہاتھ سے بھی مشاع کا رہن جائز نہیں ہے کیونکہ دلیل اول کے مطابق مشاع اس کو قبول نہ کرے گا۔ اور دوسری دلیل کے مطابق وہ ایک مالک کے حکم کی وجہ سے محبوس رہے گی اور دوسرے دن رہن کے حکم سے محبوس ہوگی تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ اس نے ایک دن رہن رکھی ہے اور ایک دن رہن نہیں رکھی۔ اور مبسوط کے مطابق جو طاری ہونے والے شیوع ہیں وہ بقائے رہن کو روکنے والے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ نہیں روکتے کیونکہ باقی رکھنے کا حکم یہ ابتداء کے حکم سے آسان ہے۔ پس یہ ہبہ کے مشابہ ہو جائے گا۔

اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ رہن کا مشاع اس لئے منع ہے کہ اس کا محل نہیں ہے اور جو چیز اس محل کی جانب لے جانے والی ہے وہ بھی نہیں ہے۔ پس ابتداء وبقاء یہ دونوں برابر ہو چکی ہیں۔ جس طرح نکاح کے باب میں حرمت کا مسئلہ ہے۔ جبکہ ہبہ میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ مشاع اسکے حکم کو قبول کرنے والا ہے۔ اور وہ ملکیت ہے۔ اور ابتداء میں قبضے کو اعتبار کرنا یہ تاوان کو دور کرنے کی بات ہے۔ اسی وضاحت کے مطابق جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ جبکہ بقاء کی حالت میں قبضہ کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ بعض ہبہ میں رجوع کرنا درست ہے جبکہ بعض رہن میں عقد کو فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

شرح

اور مرہون شے پر قبضہ اس طرح ہو کہ وہ اکھٹی ہو متفرق نہ ہو مثلاً درخت پر پھل ہیں یا کھیت میں زراعت ہے صرف پھلوں یا زراعت کو رہن رکھا درخت اور کھیت کو نہیں رکھا یہ قبضہ صحیح نہیں اور یہ بھی ضرور ہے کہ مرہون شے حق راہن کے ساتھ مشغول نہ ہو مثلاً درخت پر پھل ہیں اور صرف درخت کو رہن رکھا اور یہ بھی ضرور ہے کہ متمیز ہو یعنی مشاع نہ ہو۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

درختوں کے سوا پھلوں کی رہن کے عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا رَهْنُ ثَمَرَةٍ عَلَى رُءُوسِ النَّخِيلِ ، وَلَا زَرْعِ الْأَرْضِ دُونَ الْأَرْضِ ، وَلَا رَهْنُ النَّخِيلِ فِي الْأَرْضِ دُونَهَا) ؛ لِأَنَّ الْمَرْهُونَ مُتَّصِلٌ بِمَا لَيْسَ بِمَرْهُونٍ خِلْقَةً فَكَانَ فِي

مَعْنَى الشَّائِعِ (وَكَذَا إِذَا رَهَنَ الْأَرْضَ دُونَ النَّخِيلِ أَوْ دُونَ الزَّرْعِ أَوْ النَّخِيلِ دُونَ الثَّمَرِ)؛ لِأَنَّ الِاتِّصَالَ يَقُومُ بِالطَّرَفَيْنِ، فَصَارَ الْأَصْلُ أَنَّ الْمَرْهُونَ إِذَا كَانَ مُتَّصِلًا بِمَا لَيْسَ بِمَرْهُونٍ لَمْ يَجُزْ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ قَبْضُ الْمَرْهُونِ وَحْدَهُ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ رَهْنَ الْأَرْضِ بِدُونِ الشَّجَرِ جَائِزٌ؛ لِأَنَّ الشَّجَرَ اسْمٌ لِلنَّابِتِ فَيَكُونُ اسْتِثْنَاءُ الْأَشْجَارِ بِمَوَاضِعِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا رَهَنَ الدَّارَ دُونَ الْبِنَاءِ؛ لِأَنَّ الْبِنَاءَ اسْمٌ لِلْمَبْنَى فَيَصِيرُ رَاهِنًا جَمِيعَ الْأَرْضِ وَهِيَ مَشْغُولَةٌ بِمِلْكِ الرَّاهِنِ (وَلَوْ رَهَنَ النَّخِيلَ بِمَوَاضِعِهَا جَازَ)؛ لِأَنَّ هَذِهِ مُجَاوِرَةٌ وَهِيَ لَا تَمْنَعُ الصِّحَّةَ ،

ترجمہ

فرمایا کہ درختوں پر پھلوں کو درختوں کے سوا رہن رکھنا جائز نہیں ہے اور زراعت کو زمین کے سوا رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے اور زمین کے بغیر اسکے درختوں کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مرہون اس چیز سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ جو تخلیق کے اعتبار سے مرہون نہ ہو۔ پس یہ شائع کے حکم میں ہو جائے گا۔

اور اسی طرح جب کسی شخص نے درختوں کے سوا زمین کو رہن رکھ دیا ہے یا زراعت کو زمین کے سوا رہن رکھ دیا ہے یا پھر اس نے پھلوں کو چھوڑ کر رہن رکھا ہے کیونکہ وہ ملے ہوئے ہیں۔ تو اس بارے میں فقہی قانون یہ ہے کہ جب مرہون ایسی چیز سے ملا ہوا ہے جو مرہون نہ ہو تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ اکیلی مرہون پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ درختوں کے سوا بھی زمین کا رہن جائز ہے کیونکہ درخت اگنے والی چیز کا نام ہے۔ پس درخت کا اس کے مقام کے سمیت استثناء ہو جائے گا۔ بہ خلاف اس کے کہ جب کسی شخص نے عمارت کے سوا مکان کو رہن رکھا ہے تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ عمارت بناء کا نام ہے۔ اور یہ ساری زمین کو رہن رکھنے والا ہوگا۔ کیونکہ وہ راہن کی ملکیت کے ساتھ مصروف ہونے والا ہے۔ اور جب درختوں کو ان کی جگہ سمیت رہن رکھا ہے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ پاس ہونے والا ہے اور پاس ہونا یہ رہن کی درستگی کو روکنے والا نہیں ہے۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے اگر کوئی لونڈی یا جانور بیچے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ بچہ مشتری کا ہوگا خواہ مشتری اس کی شرط لگائے یا نہ لگائے تو کھجور کا درخت جانور کی مانند نہیں نہ پھل کھجور کے بچے کے مانند ہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ آدمی درخت کے پھلوں کو رہن کر سکتا ہے بغیر درختوں

کے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ پیٹ کے بچے کو رہن کرے بغیر اس کی ماں کے آدمی ہو یا جانور ہو۔
(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1319)

کھجوروں کا درخت کی رہن میں شامل ہونے کا بیان

(وَلَوْ كَانَ فِيهِ تَمْرٌ يَدْخُلُ فِي الرَّهْنِ) ؛ لِأَنَّهُ تَابِعٌ لِاتِّصَالِهِ بِهِ فَيَدْخُلُ تَبَعًا تَصْحِيحًا لِلْعَقْدِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ بَيْعَ النَّخِيلِ بِدُونِ الثَّمَرِ جَائِزٌ ، وَلَا ضَرُورَةَ إلَى إدْخَالِهِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ ، وَبِخِلَافِ الْمَتَاعِ فِي الدَّارِ حَيْثُ لَا يَدْخُلُ فِي رَهْنِ الدَّارِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتَابِعٍ بِوَجْهٍ مَا ، وَكَذَا يَدْخُلُ الزَّرْعُ وَالرَّطْبَةُ فِي رَهْنِ الْأَرْضِ وَلَا يَدْخُلُ فِي الْبَيْعِ لِمَا ذَكَرْنَا فِي الثَّمَرَةِ (وَيَدْخُلُ الْبِنَاءُ وَالْغَرْسُ فِي رَهْنِ الْأَرْضِ وَالدَّارِ وَالْقَرْيَةِ) لِمَا ذَكَرْنَا ،

ترجمہ

اور جب درخت میں کھجوریں ہیں تو وہ بھی رہن میں شامل ہوں گی۔ کیونکہ وہ تابع ہیں۔ اور درخت ان سے ملا ہوا ہے۔ پس صحت عقد کے بطور اتباع کھجوریں اس میں شامل ہوں گی۔ جبکہ بیع میں نہیں کیونکہ بیع کھجوروں کے سوا بھی درختوں کی جائز ہے۔ اور بیع میں صراحت کے بغیر داخل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ گھر کے سامان میں ایسا نہیں ہے۔ پس صراحت کے مکان کا سامان بھی بیع میں شامل نہ ہوگا کیونکہ سامان تابع نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح زمین کو رہن رکھنے میں اس کی کھیتی اور بریسم شامل ہو جائے گی۔ لیکن بیع میں شامل نہ ہوگی اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اور زمین، مکان اور دیہات کو رہن رکھنے میں عمارت اور درخت شامل ہوں گے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اور جب سامان سمیت گھر کو رہن رکھ دیا ہے تو جائز ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مرہون شے پر قبضہ اس طرح ہو کہ وہ اکھٹی ہو متفرق نہ ہو مثلاً درخت پر پھل ہیں یا کھیت میں زراعت ہے صرف پھلوں یا زراعت کو رہن رکھا درخت اور کھیت کو نہیں رکھا یہ قبضہ صحیح نہیں اور یہ بھی ضرور ہے کہ مرہون شے حق راہن کے ساتھ مشغول نہ ہو مثلاً درخت پر پھل ہیں اور صرف درخت کو رہن رکھا اور یہ بھی ضرور ہے کہ متمیز ہو یعنی مشاع نہ ہو۔

اور جب ایسی چیز رہن رکھی جو دوسری چیز کے ساتھ متصل ہے مثلاً درخت میں پھل لگے ہیں صرف پھلوں کو رہن رکھا اور مرتہن نے جدا کر کے مثلاً پھلوں کو توڑ کر قبضہ کر لیا اگر یہ قبضہ بغیر اجازت راہن ہے تو ناجائز ہے خواہ اسی مجلس میں قبضہ کیا ہو یا بعد میں اور

اگر اجازت راہن سے ہے تو جائز ہے۔ (عالمگیری، کتاب رہن، بیروت)

مرہونہ چیز میں حقدار نکل آنے کا بیان

(وَلَوْ رَهَنَ الدَّارَ بِمَا فِيهَا جَازَ وَلَوْ اسْتَحَقَّ بَعْضَهُ ، إِنْ كَانَ الْبَاقِي يَجُوزُ ابْتِدَاءُ الرَّهْنِ عَلَيْهِ وَحْدَهُ بَقِيَ رَهْنًا بِحِصَّتِهِ وَإِلَّا بَطَلَ كُلُّهُ) ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ جُعِلَ كَأَنَّهُ مَا وَرَدَ إِلَّا عَلَى الْبَاقِي ، وَيَمْنَعُ التَّسْلِيمَ كَوْنُ الرَّاهِنِ أَوْ مَتَاعِهِ فِي الدَّارِ الْمَرْهُونَةِ ، وَكَذَا مَتَاعُهُ فِي الْوِعَاءِ الْمَرْهُونِ ، وَيَمْنَعُ تَسْلِيمَ الدَّابَّةِ الْمَرْهُونَةِ الْحِمْلُ عَلَيْهَا فَلَا يَتِمُّ حَتَّى يُلْقِيَ الْحِمْلَ ؛ لِأَنَّهُ شَاغِلٌ لَهَا ، بِخِلَافِ مَا إِذَا رَهَنَ الْحِمْلَ دُونَهَا حَيْثُ يَكُونُ رَهْنًا تَامًّا إِذَا دَفَعَهَا إِلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الدَّابَّةَ مَشْغُولَةٌ بِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا رَهَنَ مَتَاعًا فِي دَارٍ أَوْ فِي وِعَاءٍ دُونَ الدَّارِ وَالْوِعَاءِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا رَهَنَ سَرْجًا عَلَى دَابَّةٍ أَوْ لِجَامًا فِي رَأْسِهَا وَدَفَعَ الدَّابَّةَ مَعَ السَّرْجِ وَاللِّجَامِ حَيْثُ لَا يَكُونُ رَهْنًا حَتَّى يَنْزِعَهُ مِنْهَا ثُمَّ يُسَلِّمَهُ إِلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ مِنْ تَوَابِعِ الدَّابَّةِ بِمَنْزِلَةِ الثَّمَرَةِ لِلنَّخِيلِ حَتَّى قَالُوا يَدْخُلُ فِيهِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ .

ترجمہ

اور جب مرہونہ چیز میں کوئی حقدار نکل آیا ہے تو اب اگر بقیہ اس طرح کا ہے کہ اس پر اکیلے ہی رہن کی ابتداء جائز ہو تو اس کے حصے کے مطابق رہن باقی رہ جائے گی ورنہ ساری رہن باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اب رہن کا اس طرح سمجھا جائے گا کہ جس طرح وہ بقیہ حصے پر ہوئی ہے۔

اور جب مرہونہ گھر میں راہن یا اس کے سامان کا ہونا سپرد کرنے سے مانع ہو جائے اور اسی طرح جب مرہون برتن میں کسی کے سامان کو سپرد کرنا مانع ہو، اور سواری پر بوجھ لادنا بھی سپرد کرنے کے مانع ہو لہذا جب تک وہ بوجھ کو اتارے گا نہیں اس وقت تک سپرد کرنا مکمل نہ ہوگا۔ کیونکہ بوجھ جانور کو مصروف کرنے والا ہے۔ اور یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے کہ جب صرف سامان کو رہن رکھ دیا جائے اور جانور کو رہن نہ رکھا جائے۔ پس رہن مکمل ہو جائے گی۔ اور جب جانور مرتہن کو راہن کو دے دیتا ہے کیونکہ جانور بوجھ کے ساتھ مصروف رہے گا۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح گھر میں سامان کو رہن رکھا ہے یا برتن میں سامان کو رہن رکھ دیا ہے۔ اور گھر اور برتن کو رہن نہیں رکھا۔

اور یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے کہ جب اس نے سواری پر موجود سامان کو رہن رکھا ہے یا اس کے سر پر موجود لگام کو رہن رکھا ہے۔ اور زین اور لگام کو سواری کے ساتھ دے دیا ہے تو وہ رہن نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ راہن زین کو سواری سے الگ کر دے

اوراس کومرتہن کے حوالے کردے۔ کیونکہ یہ جانور کے تابع ہے۔ جس طرح پھل درخت کے تابع ہے۔ لہذا اس بارے میں مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ تابع صراحت کے بغیر متبوع میں شامل ہوجائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مرتہن کے پاس مرہونہ چیز ہلاک ہوگئی ہے۔ اس کے بعد اس میں استحقاق ہوا۔ اور مستحق نے راہن سے ضمان لیا تو دَین ساقط ہوگیا۔ اور اگر مرتہن سے قیمت کا ضمان لیا تو جو کچھ تاوان دیا۔ یہ راہن سے واپس لے گا اور اپنا دَین بھی وصول کریگا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

امانات کے بدلے میں رہن کے صحیح نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ بِالْأَمَانَاتِ) كَالْوَدَائِعِ وَالْعَوَارِيّ وَالْمُضَارَبَاتِ (وَمَالِ الشَّرِكَةِ) ؛لِأَنَّ الْقَبْضَ فِي بَابِ الرَّهْنِ قَبْضٌ مَضْمُونٌ فَلَا بُدَّ مِنْ ضَمَانٍ ثَابِتٍ لِيَقَعَ الْقَبْضُ مَضْمُونًا وَيَتَحَقَّقَ اسْتِيفَاءُ الدَّيْنِ مِنْهُ (وَكَذَلِكَ لَا يَصِحُّ بِالْأَعْيَانِ الْمَضْمُونَةِ بِغَيْرِهَا كَالْمَبِيعِ فِي يَدِ الْبَائِعِ) ؛لِأَنَّ الضَّمَانَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ ، فَإِنَّهُ إذَا هَلَكَ الْعَيْنُ لَمْ يَضْمَنْ الْبَائِعُ شَيْئًا لَكِنَّهُ يَسْقُطُ الثَّمَنُ وَهُوَ حَقُّ الْبَائِعِ فَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ فَأَمَّا الْأَعْيَانُ الْمَضْمُونَةُ بِعَيْنِهَا وَهُوَ أَنْ يَكُونَ مَضْمُونًا بِالْمِثْلِ أَوْ بِالْقِيمَةِ عِنْدَ هَلَاكِهِ مِثْلَ الْمَغْصُوبِ وَبَدَلِ الْخُلْعِ وَالْمَهْرِ وَبَدَلِ الصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ يَصِحُّ الرَّهْنُ بِهَا ؛لِأَنَّ الضَّمَانَ مُتَقَرِّرٌ ، فَإِنَّهُ إنْ كَانَ قَائِمًا وَجَبَ تَسْلِيمُهُ ، وَإِنْ كَانَ هَالِكًا تَجِبُ قِيمَتُهُ فَكَانَ رَهْنًا بِمَا هُوَ مَضْمُونٌ فَيَصِحُّ .

ترجمہ

فرمایا کہ امانتوں، ودیعتوں، عاریات، مضاربات اور شرکت والے مال کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ رہن کے احکام میں جو قبضہ ہوتا ہے وہ قابل ضمان ہوا کرتا ہے پس ضمان کو ثابت کرنا واجب ہے۔ تاکہ مضمون قبضہ واقع ہوجائے۔ اور اس سے قرض کو وصول کیا جاسکے۔ اور اسی طرح ان اعیان میں بھی رہن درست نہ ہوگی جس غیر کیلئے مضمون ہوں گی۔ جس طرح وہ مبیع ہے جو بائع کے قبضہ میں ہو۔ پس ضمان واجب نہ ہوگا پس جب مبیع ہلاک ہوجائے تو اس پر بائع کسی چیز کا ضامن نہ بنے گا ہاں البتہ جب ثمن ساقط ہوجائے کیونکہ وہ بائع کا حق ہے لہذا رہن درست نہ ہوگی۔

اور جہاں تک ان اعیان کا تعلق ہے جو خود بہ خود قابل ضمان ہیں اور وہ یہ ہیں کہ وہ اپنی ہلاکت کے وقت مثل یا قیمت کے

بدلے میں مضمون ہو جس طرح مغصوبہ، بدل خلع، مہر اور دم عمد کا بدل صلح ان تمام اشیاء کے بدلے میں رہن رکھنا درست ہے۔ کیونکہ ان میں ضمان ثابت ہے۔ پس جب ان میں سے کوئی چیز پائی جائے تو اس کو حوالے کرنا واجب ہے۔ اور جب ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی پس ایسی چیز کے بدلے میں رہن درست ہے جو ضمان والی ہے۔ اس لئے رہن درست ہو گی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امانتوں کے مقابل میں کوئی چیز رہن نہیں رکھی جاسکتی مثلاً وکیل یا مضارب کو جو مال دیا جاتا ہے وہ امانت ہے یا مودع کے پاس ودیعت امانت ہے ان لوگوں سے مال والا کوئی چیز رہن کے طور پر لے یہ نہیں ہوسکتا اگر لے گا تو یہ رہن نہیں، نہ اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے لہٰذا اگر کسی نے کتابیں وقف کی ہیں اور یہ شرط کر دی ہے کہ جو شخص کتب خانہ سے کوئی کتاب لے جائے تو اُس کے مقابل میں کوئی چیز رہن رکھ جائے یہ شرط باطل ہے کہ مستعیر کے پاس عاریت امانت ہے اس کے تلف ہونے پر ضمان نہیں پھر اس کے مقابل میں رہن رکھنا کیونکر صحیح ہوگا۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

اور وقف والی کتابوں کا خاص کر اس لیے ذکر کیا گیا کہ یہاں واقف کی شرط کا بھی اعتبار نہیں ورنہ حکم یہ ہے کہ کوئی چیز عاریت دی جائے اُس کے مقابل میں رہن نہیں ہوسکتا۔

رہن بہ درک کے بطلان اور کفالہ بہ درک کے جواز کا بیان

قَالَ (وَالرَّهْنُ بِالدَّرَكِ بَاطِلٌ وَالْكَفَالَةُ بِالدَّرَكِ جَائِزَةٌ) وَالْفَرْقُ أَنَّ الرَّهْنَ لِلاسْتِيفَاءِ وَلَا اسْتِيفَاءَ قَبْلَ الْوُجُوبِ ، وَإِضَافَةُ التَّمْلِيكِ إلَى زَمَانٍ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا تَجُوزُ أَمَّا الْكَفَالَةُ فَلِالْتِزَامِ الْمُطَالَبَةِ ، وَالْتِزَامُ الْأَفْعَالِ يَصِحُّ مُضَافًا إلَى الْمَآلِ كَمَا فِي الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ ، وَلِهَذَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِمَا ذَابَ لَهُ عَلَى فُلَانٍ وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ ، فَلَوْ قَبَضَهُ قَبْلَ الْوُجُوبِ فَهَلَكَ عِنْدَهُ يَهْلِكُ أَمَانَةً ؛ لِأَنَّهُ لَا عَقْدَ حَيْثُ وَقَعَ بَاطِلًا ، بِخِلَافِ الرَّهْنِ بِالدَّيْنِ الْمَوْعُودِ وَهُوَ أَنْ يَقُولَ رَهَنْتُك هَذَا لِتُقْرِضَنِي أَلْفَ دِرْهَمٍ وَهَلَكَ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ حَيْثُ يَهْلِكُ بِمَا سَمَّى مِنْ الْمَالِ بِمُقَابَلَتِهِ ؛ لِأَنَّ الْمَوْعُودَ جُعِلَ كَالْمَوْجُودِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ ، وَلِأَنَّهُ مَقْبُوضٌ بِجِهَةِ الرَّهْنِ الَّذِي يَصِحُّ عَلَى اعْتِبَارِ وُجُودِهِ فَيُعْطَى لَهُ حُكْمُهُ كَالْمَقْبُوضِ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ فَيَضْمَنُهُ .

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ رہن بہ درک صحیح نہیں ہے جبکہ کفالہ بہ درک جائز ہے۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رہن وصولی کو پانے کیلئے ہوا کرتی ہے اور وجوب سے قبل وصولی ممکن نہیں ہے اور زمانے کی جانب تملیک کی اضافت جائز نہیں ہے جبکہ کفالہ مطالبہ کو لازم کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اور مال کی جانب اضافت کرتے ہوئے ایسا کاموں کو لازم کرنا درست ہے۔ جس طرح نماز روزہ میں ہے۔ اسی دلیل کے سبب اسی چیز میں بھی کفالت درست ہے جو مکفول لہ کی فلاں پر ثابت ہے جبکہ اس کے بدلے میں رہن درست نہیں ہے اور جب خریدار نے وجوب سے قبل ہی رہن پر قبضہ کرلیا ہے اور وہ رہن خریدار کے ہاں سے ہلاک ہوگئی ہے تو وہ بطور امانت ہلاک ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ رہن نہیں ہے کیونکہ اس کا وقوع باطل ہے۔

اس یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جو رہن موعود قرض کے بدلے میں ہو اور وہ یہ ہے کہ راہن نے اس طرح کہا کہ میں نے تیرے پاس یہ چیز رہن رکھی ہے کہ تو مجھ کو ایک ہزار درہم بطور قرض دیدے۔ اور مرتہن کے قبضہ میں وہ چیز ہلاک ہو چکی ہے تو وہ اس مال کے بدلے میں ہلاک ہوگئی ہے۔ اور جس مرہون کو مقابلے میں معین کیا گیا ہے کیونکہ وہ ضرورت کی وجہ سے موعود کو موجود کی طرح سمجھ لیا ہے کیونکہ ایسی مرہون جہت رہن سے قبضے میں آئی ہے جو اپنے وجود کے اعتبار سے درست ہے پس اس کو رہن کا حکم دے دیا جائے گا۔ جس طرح ایسا سامان کہ جس کو بھاؤ کرنے کیلئے قبضہ میں لیا جائے، پس مرتہن اس کا ضامن ہوگا۔

درک کے مقابل میں رہن نہ ہونے کا بیان

قاضی محمد بن فراموز حنفی لکھتے ہیں کہ درک کے مقابل میں رہن نہیں ہوسکتا یعنی ایک چیز خریدی ثمن ادا کر دیا اور مبیع پر قبضہ کرلیا مگر مشتری کو ڈر ہے کہ یہ چیز اگر کسی دوسرے کی ہوئی اور اس نے مجھ سے لے لی تو بائع سے ثمن کی واپسی کیونکر ہوگی اس اطمینان کی خاطر بائع کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھنا چاہتا ہے یہ رہن صحیح نہیں مشتری کے پاس اگر یہ چیز ہلاک ہوگئی تو ضمان نہیں کہ یہ رہن نہیں ہے بلکہ امانت ہے اور مشتری کو اُس کا روکنا جائز نہیں یعنی بائع اگر مشتری سے چیز مانگے تو منع نہیں کرسکتا دینا ہوگا۔

(درر الاحکام، کتاب رہن، بیروت)

اور چونکہ یہ چیز مشتری کے پاس امانت ہے اور اس کو روکنے کا حق نہیں ہے لہٰذا بائع کی طلب کے بعد اگر نہ دے گا اور ہلاک ہو گئی تو اب تاوان دینا ہوگا۔ اب وہ غاصب ہے۔

بیع سلم کے رأس المال کے بدلے میں رہن کے درست ہونے کا بیان

قَالَ (وَيَصِحُّ الرَّهْنُ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَبِثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ) وَقَالَ زُفَرُ: لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ حُكْمَهُ الِاسْتِيفَاءُ، وَهَذَا اسْتِبْدَالٌ لِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ، وَبَابُ الِاسْتِبْدَالِ فِيهَا مَسْدُودٌ وَلَنَا أَنَّ الْمُجَانَسَةَ ثَابِتَةٌ فِي الْمَالِيَّةِ فَيَتَحَقَّقُ الِاسْتِيفَاءُ مِنْ حَيْثُ الْمَالُ

وَهُوَ الْمَضْمُونُ عَلَى مَا مَرَّ قَالَ (وَالرَّهْنُ بِالْمَبِيعِ بَاطِلٌ) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ بِنَفْسِهِ (فَإِنْ هَلَكَ ذَهَبَ بِغَيْرِ شَيْءٍ) ؛ لِأَنَّهُ لَا اعْتِبَارَ لِلْبَاطِلِ فَبَقِيَ قَبْضًا بِإِذْنِهِ (وَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ بِثَمَنِ الصَّرْفِ وَرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ تَمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَصَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ حُكْمًا) لِتَحَقُّقِ الْقَبْضِ حُكْمًا (وَإِنْ افْتَرَقَا قَبْلَ هَلَاكِ الرَّهْنِ بَطَلَا) لِفَوَاتِ الْقَبْضِ حَقِيقَةً وَحُكْمًا

ترجمہ

فرمایا کہ بیع سلم کے راس المال اور بیع صرف کی قیمت اور مسلم فیہ کے بدلے میں رہن رکھنا درست ہے جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ رہن کا حکم استیفاء ہے اور یہاں عدم مجانست کی وجہ سے اس کو بدل دینا ہے۔ اور ان احکام میں بدلنے کا حکم بند کیا گیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے مجانست مالیت میں ثابت ہے۔ پس مال ہونے کے اعتبار سے مال کا استیفاء ثابت ہو جائے گا۔ اور مالیت قابل ضمان ہوا کرتی ہے۔ جس طرح اس کا بیان ابھی گزرا ہے۔

فرمایا کہ مبیع کے بدلے میں رہن رکھنا باطل ہے اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ خود ذات کے اعتبار سے قابل ضمان نہیں ہے۔ اور جب مرہونہ ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر کسی بدلے ہلاک ہونے والی بنے گی۔ پس باطل کا کوئی اعتبار نہ ہوگا پس مرہون بائع کی اجازت کے سبب مقبوض ہو جائے گا۔

اور جب مجلس عقد میں بیع صرف کی قیمت اور بیع سلم کے راس المال کے بدلے کی رہن ہلاک ہو چکی ہے تو بیع صرف وسلم مکمل ہو جائے گی۔ اور مرتہن اپنے قرض کو وصول کرنے والا بن جائے گا۔ کیونکہ حکمی طور پر قبضہ ثابت ہو چکا ہے۔ اور جب رہن کی ہلاکت سے قبل ہی دونوں الگ ہو گئے ہیں۔ تو دونوں عقد ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ بطور حقیقت وحکم دونوں طرح کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔

بیع سلم کے راس المال کے مقابل رہن کی چند صورتوں کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور بیع سلم کے راس المال کے مقابل میں رہن صحیح ہے اور مسلم فیہ کے مقابل میں بھی صحیح ہے۔ اسی طرح بیع صرف کے ثمن کے مقابل میں رہن صحیح ہے۔ پہلے کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص سے مثلاً سو ۱۰۰ روپے میں سلم کیا اور ان روپوں کے مقابل میں کوئی چیز رہن رکھ دی۔ دوسرے کی یہ صورت ہے کہ دس ۱۰ من گیہوں میں سلم کیا اور روپے دے دیے اور مُسلم اِلَیہ سے کوئی چیز رہن لے لی۔

تیسرے کی یہ صورت ہے کہ روپے سے سونا خریدا اور روپے کی جگہ پر کوئی چیز سونے والے کو دے دی۔ پہلی اور تیسری صورت میں اگر مرہون اسی مجلس میں ہلاک ہو جائے تو عقد سلم وصرف تمام ہو گئے اور مرتہن نے اپنا مال وصول پالیا یعنی بیع سلم میں راس

المال مسلم الیہ کومل گیا اور بیع صَرف میں زرِ ثمن وصول ہو گیا مگر یہ اس وقت ہے کہ مرہون کی قیمت راس المال اور ثمنِ صَرف سے کم نہ ہو اور اگر قیمت کم ہے تو بقدر قیمت صحیح ہے بقیہ کو اگر اسی مجلس میں نہ دیا تو اُس کے مقابل میں صحیح نہ رہا اور اگر مرہون اُس مجلس میں ہلاک نہ ہوا اور عاقدین جدا ہو گئے اور راس المال وثمنِ صَرف اُس مجلس میں نہ دیا تو عقدِ سلم وصَرف باطل ہو گئے کہ ان دونوں عقدوں میں اسی مجلس میں دینا ضروری تھا جو پایا نہ گیا۔ اور اس صورت میں چونکہ عقد باطل ہو گئے لہٰذا مرتہن راہن کو مرہون واپس دے۔ اور فرض کرو مرتہن نے ابھی واپس نہیں دیا تھا اور مرہون ہلاک ہو گیا تو راس المال وثمن صَرف کے مقابل میں ہلاک ہونا مانا جائے گا یعنی وصول پانا قرار دیا جائے گا مگر وہ دونوں عقد اب بھی باطل ہی رہیں گے اب جائز نہیں ہوں گے۔

دوسری صورت یعنی مسلم فیہ کے مقابل میں رب السلم نے اپنے پاس کوئی چیز رہن رکھی اس میں عقد سلم مطلقاً صحیح ہے مرہون اسی مجلس میں ہلاک ہو یا نہ ہو دونوں کے جدا ہونے کے بعد ہو یا نہ ہو کہ راس المال پر قبضہ جو مجلس عقد میں ضروری تھا وہ ہو چکا اور مسلم فیہ کے قبضہ کی ضرورت تھی ہی نہیں لہٰذا اس صورت میں اگر مرہون ہلاک ہو جائے مجلس میں یا بعد مجلس بہر صورت عقد سلم تمام ہے۔ اور رب السلم کو گویا مسلم فیہ وصول ہو گیا یعنی مرہون کے ہلاک ہونے کے بعد اب مسلم فیہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر مرہون کی قیمت کم ہو تو بقدر قیمت وصول سمجھا جائے باقی باقی ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مسلم فیہ کے بدلے والی رہن کے ہلاک ہو جانے کا بیان

(وَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ بِالْمُسْلَمِ فِيهِ بَطَلَ السَّلَمُ بِهَلَاكِهِ) وَمَعْنَاهُ : أَنَّهُ يَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا لِلْمُسْلَمِ فِيهِ فَلَمْ يَبْقَ السَّلَمُ (وَلَوْ تَفَاسَخَا السَّلَمَ وَبِالْمُسْلَمِ فِيهِ رَهْنٌ يَكُونُ ذَلِكَ رَهْنًا بِرَأْسِ الْمَالِ حَتَّى يَحْبِسَهُ) ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُهُ فَصَارَ كَالْمَغْصُوبِ إذَا هَلَكَ وَبِهِ رَهْنٌ يَكُونُ رَهْنًا بِقِيمَتِهِ (وَلَوْ هَلَكَ الرَّهْنُ بَعْدَ التَّفَاسُخِ يَهْلِكُ بِالطَّعَامِ الْمُسَلَّمِ فِيهِ) ؛ لِأَنَّهُ رَهَنَهُ بِهِ ، وَإِنْ كَانَ مَحْبُوسًا بِغَيْرِهِ كَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَسَلَّمَ الْمَبِيعَ وَأَخَذَ بِالثَّمَنِ رَهْنًا ثُمَّ تَقَايَلَا الْبَيْعَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَهُ لِأَخْذِ الْمَبِيعِ ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ بَدَلُهُ ، وَلَوْ هَلَكَ الْمَرْهُونُ يَهْلِكُ بِالثَّمَنِ لِمَا بَيَّنَّا ؛ وَكَذَا لَوْ اشْتَرَى عَبْدًا شِرَاءً فَاسِدًا وَأَدَّى ثَمَنَهُ لَهُ أَنْ يَحْبِسَهُ لِيَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ ، ثُمَّ لَوْ هَلَكَ الْمُشْتَرَى فِي يَدِ الْمُشْتَرِي يَهْلِكُ بِقِيمَتِهِ فَكَذَا هَذَا

ترجمہ

اور جب مسلم فیہ کے بدلے والی رہن ہلاک ہو جائے تو اس کی ہلاکت کی وجہ سے بیع سلم بھی باطل ہو جائے گی۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ رب سلم مسلم فیہ کو وصول کرنے والا بن جائے گا پس سلم کا عقد باقی نہ رہے گا۔

اور جب دونوں عقد کرنے والوں نے بیع سلم کو ختم کر دیا ہے اور مسلم فیہ کے بدلے میں جو رہن تھی تو وہ راس المال کے بدلے میں رہن بن جائے گی۔ یہاں تک کہ جب رب سلم مرہون کو محبوس کرلے۔ کیونکہ راس المال یہ مسلم فیہ کا بدلہ ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس مغصوبہ چیز ہلاک ہو جائے اور اس کے بدلے میں رہن ہے تو وہ اس کی قیمت کے بدلے میں رہن بن جائے گی۔

اور جب سلم کے عقد کے ختم کرنے کے بعد مرہونہ چیز ہلاک ہوئی ہے تو اس کے بدلے میں غلہ ہلاک ہوا ہے جو مسلم فیہ ہے کیونکہ مرہونہ کا بدلہ یہی ہے۔ خواہ کے سوا بدل کو محبوس کیا ہوا ہے۔ جس طرح وہ بندہ کہ جس نے غلام کو بیچ دیا ہے اور مبیع کو حوالے کر کے قیمت کے بدلے میں رہن لے لی ہے۔ اور اس کے بعد دونوں عقد کرنے والوں نے اقالہ کرلیا ہے تو بائع کو یہ حق حاصل ہو گا۔ کیونکہ وہ مبیع لینے کیلئے مرہونہ چیز کو روک دے۔ کیونکہ قیمت اسی کا بدلہ ہے اور جب مرہونہ چیز ہلاک ہو چکی ہے اور وہ قیمت کے بدلے میں ہلاک ہوئی ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اور اسی طرح جب بیع فاسد کے طور پر کسی نے غلام کو خریدا ہے اور اس کی قیمت کو ادا کر دیا ہے اور خریدار کو یہ حق ہوگا کہ وہ قیمت وصول کرنے کے مقصد کیلئے مبیع کو روک دے۔ اور اس کے بعد وہ خریدی ہوئی چیز مشتری کے ہاں سے ہلاک ہوگئی ہے تو وہ اپنی قیمت کے بدلے میں ہلاک ہونے والی ہے۔

شرح

رب السلم نے مسلم فیہ کے مقابل میں اپنے پاس چیز رہن رکھ لی تھی اور دونوں نے عقدِ سلم کو فسخ کر دیا تو جب تک راس المال وصول نہ ہو جائے یہ چیز راس المال کے مقابل ہے یعنی مسلم الیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ سلم فسخ ہوگیا لہٰذا مرہون واپس دو۔ ہاں جب مسلم الیہ راس المال واپس کر دے تو مرہون کو واپس لے سکتا ہے اور فرض کرو کہ راس المال واپس نہیں دیا اور رب السلم کے پاس وہ چیز ہلاک ہوگئی تو مسلم فیہ کے مقابل میں اس کا ہلاک ہونا سمجھا جائے گا یعنی رب المال مسلم فیہ کی مثل مسلم الیہ کو دے اور اپنا راس المال واپس لے یہ نہیں کہ اس کو راس المال کے قائم مقام فرض کر کے راس المال کی وصولی قرار دیں۔

آزاد، مدبر اور مکاتب کو رہن رکھنے کے عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ رَهْنُ الْحُرِّ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ وَأُمِّ الْوَلَدِ) ؛ لِأَنَّ حُكْمَ الرَّهْنِ ثُبُوتُ يَدِ الِاسْتِيفَاءِ ، وَلَا يَتَحَقَّقُ الِاسْتِيفَاءُ مِنْ هَؤُلَاءِ لِعَدَمِ الْمَالِيَّةِ فِي الْحُرِّ وَقِيَامِ الْمَانِعِ فِي الْبَاقِينَ ، (وَلَا يَجُوزُ الرَّهْنُ بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ ، وَكَذَا بِالْقِصَاصِ فِي النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا) لِتَعَذُّرِ الِاسْتِيفَاءِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَتْ الْجِنَايَةُ خَطَأً لِأَنَّ اسْتِيفَاءَ الْأَرْشِ مِنْ الرَّهْنِ مُمْكِنٌ .

ترجمہ

فرمایا کہ آزاد، مدبر، مکاتب اور ام ولد کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رہن کا حکم قبضہ استیفاء ہے جو آزاد کے حق میں عدم مالیت کی وجہ سے ثابت نہ ہوگا۔ اسی طرح قیام مانع کے سبب باقیوں کے حق میں استیفاء قبضہ ثابت نہ ہوگا۔

اور کفالہ بہ نفس کے بدلے میں بھی رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح نفس اور سوائے نفس میں بھی رہن جائز نہیں ہے۔ جبکہ یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب بطور غلطی جنایت ہوئی ہے۔ کیونکہ رہن کے سبب ارش کی وصولی ممکن ہے۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل واضح ہے کہ یہاں استیفاء یعنی تکمیل قبضہ کے نہ ہونے کے سبب مذکورہ انسانوں کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

شفعہ کے بدلے میں رہن کے عدم جواز کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ الرَّهْنُ بِالشُّفْعَةِ) ؛ لِأَنَّ الْمَبِيعَ غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَى الْمُشْتَرِي (وَلَا بِالْعَبْدِ الْجَانِي وَالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ وَالْمَدْيُونِ) ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَى الْمَوْلَى ، فَإِنَّهُ لَوْ هَلَكَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ شَيْءٌ (وَلَا بِأُجْرَةِ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ ، حَتَّى لَوْ ضَاعَ لَمْ يَكُنْ مَضْمُونًا) ؛ لِأَنَّهُ لَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مَضْمُونٌ

ترجمہ

اور شفعہ کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں مبیع خریدار پر قابل ضمان نہیں ہے۔ جبکہ جنایت والے غلام ، ماذون غلام اور مدیون کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حق کیلئے قابل ضمان نہیں ہیں۔ کیونکہ جب یہ ہلاک ہو جائیں تو آقا پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اسی طرح رونے والی اور گانے والی عورت کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ جب مرہون ضائع ہو جائے تو وہ قابل ضمان نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی بھی مرہون چیز اس کے بدلے میں نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب خریدار پر شفعہ ہوا اور شفیع کے حق میں فیصلہ ہوا کہ تسلیم مبیع مشتری پر واجب ہو گئی شفیع یہ چاہے کہ مشتری کی کوئی چیز رہن رکھ لوں یہ نہیں ہوسکتا جس طرح بائع سے مشتری مبیع کے مقابل میں رہن نہیں لے سکتا مشتری سے شفیع بھی نہیں لے سکتا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مسلمان کیلئے شراب کو رہن رکھنے پر عدم جواز کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَرْهَنَ خَمْرًا أَوْ يَرْتَهِنَهُ مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ) لِتَعَذُّرِ الْإِيفَاءِ

وَالاستيفاء في حَقِّ المُسْلِمِ ، ثُمَّ الرَّاهِنُ إذَا كَانَ ذِمِّيًّا فَالْخَمْرُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ لِلذِّمِّيِّ كَمَا إذَا غَصَبَهُ ، وَإِنْ كَانَ الْمُرْتَهِنُ ذِمِّيًّا لَمْ يَضْمَنْهَا لِلْمُسْلِمِ كَمَا لَا يَضْمَنُهَا بِالْغَصْبِ مِنْهُ ، بِخِلَافِ مَا إذَا جَرَى ذَلِكَ فِيمَا بَيْنَهُمْ ؛ لِأَنَّهَا مَالٌ فِي حَقِّهِمْ ، أَمَّا الْمَيْتَةُ فَلَيْسَتْ بِمَالٍ عِنْدَهُمْ فَلَا يَجُوزُ رَهْنُهَا وَارْتِهَانُهَا فِيمَا بَيْنَهُمْ ، كَمَا لَا يَجُوزُ فِيمَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ بِحَالٍ ،

ترجمہ

اور کسی مسلمان کیلئے شراب کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے اور کسی مسلمان یا ذمی سے شراب کو رہن میں لینا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب کا لین دین ممکن نہیں ہے۔ اور اگر راہن ذمی ہے تو ذمی کیلئے مسلمان پر شراب قابل ضمان ہو جائے گی۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ جب مسلمان نے ذمی سے شراب کو غصب کر لیا ہو۔ اور جب مرتہن ذمی ہے تو وہ مسلمان کیلئے شراب کا ضامن نہ ہوگا۔ جس طرح اس مسئلہ میں ضامن نہ ہوگا کہ جب اس نے مسلمان کی شراب کو غصب کر لیا ہے۔

جبکہ مردار اہل ذمہ کے حق میں بھی مال نہیں ہے کیونکہ ان کے درمیان مردار کا لین دین جائز نہیں ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے درمیان مردار کا لین دین جائز نہیں ہے۔

شرح

اور مسلمان کے حق میں شراب وخنزیر کی بیع نہیں ہو سکتی کہ مال متقوم نہیں۔ زمین میں جو گھاس لگی ہوئی ہے اُس کی بیع نہیں ہو سکتی اگر چہ زمین اپنی ملک ہو کہ وہ گھاس مملوک نہیں۔ اسی طرح نہر یا کوئیں کا پانی، جنگل کی لکڑی اور شکار کہ جب تک ان کو قبضہ میں نہ کیا جائے مملوک نہیں۔

غلام کی قیمت کے بدلے میں غلام کو رہن رکھنے کا بیان

(وَلَوْ اشْتَرَى عَبْدًا وَرَهَنَ بِثَمَنِهِ عَبْدًا أَوْ خَلًّا أَوْ شَاةً مَذْبُوحَةً ثُمَّ ظَهَرَ الْعَبْدُ حُرًّا أَوْ الْخَلُّ خَمْرًا أَوْ الشَّاةُ مَيْتَةً فَالرَّهْنُ مَضْمُونٌ) ؛ لِأَنَّهُ رَهَنَهُ بِدَيْنٍ وَاجِبٍ ظَاهِرًا (وَكَذَا إذَا قَتَلَ عَبْدًا وَرَهَنَ بِقِيمَتِهِ رَهْنًا ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهُ حُرٌّ) وَهَذَا كُلُّهُ عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ (وَكَذَا إذَا صَالَحَ عَلَى إنْكَارٍ وَرَهَنَ بِمَا صَالَحَ عَلَيْهِ رَهْنًا ثُمَّ تَصَادَقَا أَنْ لَا دَيْنَ فَالرَّهْنُ مَضْمُونٌ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ خِلَافُهُ ، وَكَذَا قِيَاسُهُ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ جِنْسِهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے غلام کی قیمت کے بدلے میں غلام، یا سرکہ یا بکری یا ذبح کردہ بکری کو رہن میں رکھا ہے اور اس کے بعد وہ غلام آزاد نکل آیا ہے اور سرکہ خمر بن گیا ہے اور بکری مردار نکل آئی تو وہ رہن ضمان والی ہوگی۔ کیونکہ خریدار نے رہن کو ایسے قرض کے بدلے رکھا ہے جو ظاہری طور پر واجب ہے۔ اور اسی طرح جب کسی غلام کو قتل کر کے اس کی قیمت کے بدلے میں رہن رکھی ہے اور اسکے بعد وہ غلام آزاد نکلا ہے اور یہ سارا مسئلہ ظاہر الروایت کے مطابق ہے۔

اور اسی طرح جب انکار کے بدلے میں مصالحت کی اور جس چیز پر مصالحت ہوئی ہے اس کے بدلے میں رہن رکھ دی ہے اور اس کے بعد دونوں قرض کے نہ ہونے پر متفق ہو جائیں تب بھی رہن قابل ضمان ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے اس کے خلاف روایت کیا گیا ہے اور اسی جنس کے مطابق پہلے مسائل میں ان کے مؤقف کو قیاس کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رہن جس حق کے مقابلہ میں رکھا جاتا ہے وہ دین (یعنی واجب فی الذمہ) ہو عین کے مقابل رہن رکھنا صحیح نہیں، ظاہراً و باطناً دونوں طرح واجب ہو جیسے مبیع کا ثمن اور قرض یا ظاہراً واجب ہو جیسے غلام کو بیچا اور وہ حقیقت میں آزاد تھا یا سرکہ بیچا اور وہ شراب تھا اور ان کے ثمن کے مقابل میں کوئی چیز رہن رکھی، یہ ثمن بظاہر واجب ہے مگر واقع میں نہ بیع ہے نہ ثمن، اگر حقیقۃً دَین نہ ہو حکماً دَین ہو تو اس کے مقابل میں بھی رہن صحیح ہے جیسے اعیان مضمونہ بنفسہا یعنی جہاں مثل یا قیمت سے تاوان دینا پڑے جیسے مغصوب شے کہ غاصب پر واجب یہ ہے کہ جو چیز غصب کی ہے بعینہٖ وہی چیز مالک کو دے اور وہ نہ ہو تو مثل یا قیمت تاوان دے، جہاں ضمان واجب نہ ہو جیسے ودیعت اور امانت کی دوسری صورتیں ان میں رہن درست نہیں اسی طرح اعیان مضمونہ بغیر ہا کے مقابل میں بھی رہن صحیح نہیں جیسے مبیع کہ جب تک یہ بائع کے قبضہ میں ہے اگر ہلاک ہوگئی تو اس کے مقابل میں مشتری سے بائع کا ثمن ساقط ہو جائے گا، مشتری کے پاس بائع کوئی چیز رہن رکھے، صحیح نہیں۔
(درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

قرض کے بدلے چھوٹے بچے کے غلام کو رہن میں رکھنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ لِلْأَبِ أَنْ يَرْهَنَ بِدَيْنٍ عَلَيْهِ عَبْدًا لِابْنِهِ الصَّغِيرِ)؛ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ الْإِيدَاعَ، وَهَذَا أَنْظَرُ فِي حَقِّ الصَّبِيِّ مِنْهُ؛ لِأَنَّ قِيَامَ الْمُرْتَهِنِ بِحِفْظِهِ أَبْلَغُ خِيفَةَ الْغَرَامَةِ (وَلَوْ هَلَكَ يَهْلِكُ مَضْمُونًا، الْوَدِيعَةُ تَهْلِكُ أَمَانَةً وَالْوَصِيُّ بِمَنْزِلَةِ الْأَبِ) فِي هَذَا الْبَابِ لِمَا بَيَّنَّا وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَزُفَرَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنْهُمَا، وَهُوَ الْقِيَاسُ اعْتِبَارًا بِحَقِيقَةِ

الْإِيفَاءِ ، وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الظَّاهِرِ وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ أَنَّ فِي حَقِيقَةِ الْإِيفَاءِ إزَالَةَ مِلْكِ الصَّغِيرِ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ يُقَابِلُهُ فِي الْحَالِ ، وَفِي هَذَا نَصْبُ حَافِظٍ لِمَالِهِ نَاجِزًا مَعَ بَقَاءِ مِلْكِهِ فَوَضَحَ الْفَرْقُ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب باپ نے اپنے چھوٹے بچے کے غلام کو قرض کے بدلے میں رہن رکھ دیا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ باپ ودیعت رکھنے کا مالک ہے۔جبکہ رہن رکھنا یہ بچے کے حق میں ایداع سے زیادہ مشکل ہے۔کیونکہ جرمانے کی وجہ سے مرتہن مرہونہ کی حفاظت اچھے طریقے سے کرتا ہے۔اور جب وہ ہلاک ہوا تو وہ مضمون بن کر ہلاک ہونے والا ہے۔اور ودیعت امانت بن کر ہلاک ہوتی ہے اوران احکام میں وصی باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت کیا ہے کہ باپ اور وصی کی جانب سے رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔اور ایفاء کی حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے قیاس کا تقاضہ بھی اسی طرح ہے۔

اور ظاہر الروایت کے مطابق فرق یہ ہے کہ حقیقت میں دینے کے بدلے میں بغیر صغیر کی ملکیت کے ازالہ ہے اور اس حالت میں اس کی ملکیت کے مقابل میں ہے۔اور رہن رکھنے میں اس کی ملکیت کی بقا کے ساتھ ساتھ اس کو فوری پر نگرانی کی ضرورت بھی ہے۔پس ودیعت اور رہن میں فرق ہو جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب باپ کے ذمہ دَین ہے اور وہ اپنے نابالغ لڑکے کی چیز دائن کے پاس رہن رکھ سکتا ہے اسی طرح وصی بھی نابالغ کی چیز کو اپنے دَین کے مقابل میں رہن رکھ سکتا ہے پھر اگر یہ چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو یہ دونوں بقدرِ دَین نابالغ کو تاوان دیں اور مقدارِ دَین سے مرہون کی قیمت زائد ہو تو زیادتی کا تاوان نہیں کہ یہ امانت تھی جو ہلاک ہو گئی۔(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

اور جب باپ یا وصی نے نابالغ کی چیز اپنے دائن کے پاس رکھی تھی پھر اُس دائن کو انہوں نے چیز بیچ ڈالنے کے لیے کہہ دیا اُس نے بیچ کر اپنا دَین وصول کر لیا یہ بھی جائز ہے مگر بقدرِ ثمن نابالغ کو دینا ہوگا اسی طرح اگر ان دونوں نے نابالغ کی چیز اپنے دَین کے بدلے میں خود بیع کر دی یہ بھی جائز ہے اور اس ثمن اور دَین میں مقاصہ (ادلا بدلا) ہو جائے گا پھر نابالغ کو اپنے پاس سے بقدر ثمن ادا کریں۔

ہلاکت مرہونہ کے سبب دین کے وصول ہو جانے کا بیان

(وَإِذَا جَازَ الرَّهْنُ يَصِيرُ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا دَيْنَهُ لَوْ هَلَكَ فِي يَدِهِ وَيَصِيرُ الْأَبُ) أَوْ

الْوَصِيُّ (مُوفِيًا لَهُ وَيَضْمَنُهُ لِلصَّبِيِّ) ؛ لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنَهُ بِمَالِهِ ، وَكَذَا لَوْ سَلَّطَا الْمُرْتَهِنَ عَلَى بَيْعِهِ ؛ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ بِالْبَيْعِ وَهُمَا يَمْلِكَانِهِ قَالُوا : أَصْلُ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ الْبَيْعُ ، فَإِنَّ الْأَبَ أَوْ الْوَصِيَّ إذَا بَاعَ مَالَ الصَّبِيِّ مِنْ غَرِيمِ نَفْسِهِ جَازَ وَتَقَعُ الْمُقَاصَّةُ وَيَضْمَنُهُ لِلصَّبِيِّ عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ ، وَكَذَا وَكِيلُ الْبَائِعِ بِالْبَيْعِ ، وَالرَّهْنُ نَظِيرُ الْبَيْعِ نَظَرًا إلَى عَاقِبَتِهِ مِنْ حَيْثُ وُجُوبُ الضَّمَانِ (وَإِذَا رَهَنَ الْأَبُ مَتَاعَ الصَّغِيرِ مِنْ نَفْسِهِ أَوْ مِنْ ابْنٍ لَهُ صَغِيرٍ أَوْ عَبْدٍ لَهُ تَاجِرٍ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ جَازَ) ؛ لِأَنَّ الْأَبَ لِوُفُورِ شَفَقَتِهِ أُنْزِلَ مَنْزِلَةَ شَخْصَيْنِ وَأُقِيمَتْ عِبَارَتُهُ مَقَامَ عِبَارَتَيْنِ فِي هَذَا الْعَقْدِ كَمَا فِي بَيْعِهِ مَالَ الصَّغِيرِ مِنْ نَفْسِهِ فَتَوَلَّى طَرَفَي الْعَقْدِ ،

ترجمہ

اور جب رہن جائز ہو جائے تو اب اگر مرہونہ چیز مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مرتہن اپنے قرض کو وصول کرنے والا ہے۔ اور باپ یا وصی اس کو ادا کرنے والے ہوں گے۔ اور وہ بچے کیلئے اس مال میں ضامن بن جائیں گے۔ کیونکہ ان میں سے کسی ایک شخص نے اس بچے کی جانب سے اس کا قرض ادا کر دیا ہے۔ اور اسی طرح جب باپ یا وصی نے مرتہن کو مرہونہ چیز کی بیع کرنے پر مسلط کر دیا ہے کیونکہ اس میں بیع کی وکالت ہے اور یہی دونوں اس کے مالک ہیں۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کی اصل بیع ہے۔ پس جب باپ اور وصی اس بچے کا مال اپنے قرض خواہ کو دے دیں تو یہ جائز ہے۔ اور مقاصہ واقع ہو جائے گا۔

جبکہ طرفین کے نزدیک یہاں باپ اور وکیل یہ دونوں اس بچے کے مال کے ضامن بن جائیں گے۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک مقاصہ نہ ہوگا۔ اور اسی طرح جب بیع کے بارے میں کوئی شخص وکیل ہے اور رہن بھی بیع ایک مثال ہے۔ کیونکہ وجوب ضمان کے بارے میں اس کی انتہاء کی جانب دیکھا جاتا ہے۔

اور جب باپ نے اپنے پاس رہن رکھ لی ہے یا اپنے چھوٹے بچے کے ہاں رہن کو رکھا ہے یا اس نے کسی ایسے تاجر غلام کے پاس رہن رکھی ہے جس پر قرض نہ ہو۔ تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ مہربانی کے کمال کے سبب باپ کو دو آدمیوں کے حکم میں سمجھا جاتا ہے۔ اور اس حکم میں باپ کی عبارت دو بندوں کی عبارتوں کے یعنی رعایتوں کے قائم مقام ہوگی۔ جس طرح چھوٹے بچے کے مال کو بیچنے میں ہوتی ہے۔ پس باپ عقد کی دونوں اجانب کا وارث ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور مرتہن نے اگر مرہون میں کوئی ایسا فعل کیا جس کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہوگئی یا اُس

میں نقصان پیدا ہوگیا تو ضامن ہے یعنی اس کا تاوان دینا ہوگا، مثلاً ایک کپڑا بیس ۲۰ روپے کی قیمت کا دس ۱۰ روپے میں رہن رکھا مرتہن نے باجازت راہن ایک مرتبہ اُسے پہنا اس کے پہننے سے چھ روپے قیمت گھٹ گئی اب وہ چودہ روپے کا ہوگیا اس کے بعد اس کو بغیر اجازت استعمال کیا اس استعمال سے چار روپے اور کم ہوگئے اب اس کی قیمت دس روپے ہوگئی اس کے بعد وہ کپڑا ضائع ہو گیا اس صورت میں مرتہن راہن سے صرف ایک روپیہ وصول کرسکتا ہے اور نو روپے ساقط ہوگئے کیونکہ رہن کے دن جب اس کی قیمت بیس ۲۰ روپے تھی اور قرض کے دس ۱۰ ہی روپے تھے تو نصف کا ضمان ہے اور نصف امانت ہے، پھر جب اس کو اجازت سے پہنا ہے تو چھ روپے کی جو کمی ہے اُس کا تاوان نہیں کہ یہ کمی باجازت مالک ہے مگر دوبارہ جو پہنا تو اس کی کمی کے چار روپے اس پر تاوان ہوئے گویا دس ۱۰ میں سے چار وصول ہوگئے چھ باقی ہیں پھر جس دن وہ کپڑا ضائع ہوا چونکہ دس ۱۰ کا تھا لہٰذا نصف قیمت کے پانچ روپے ہیں، امانت ہے اور نصف دوم کہ یہ بھی پانچ ہے اس کا ضمان ہے ہلاک ہونے سے نصف دوم بھی وصول سمجھو لہٰذا یہ پانچ اور چار پہلے کے کُل نو وصول ہوگئے، ایک باقی رہ گیا ہے وہ راہن سے لے سکتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

وصی کا صغیر کے مال کو اپنے پاس رہن رکھنے کا بیان

(وَلَوْ ارْتَهَنَهُ الْوَصِيُّ مِنْ نَفْسِهِ أَوْ مِنْ هَذَيْنِ أَوْ رَهَنَا عَيْنًا لَهُ مِنْ الْيَتِيمِ بِحَقٍّ لِلْيَتِيمِ عَلَيْهِ لَمْ يَجُزْ) ؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مَحْضٌ ،وَالْوَاحِدُ لَا يَتَوَلَّى طَرَفَيْ الْعَقْدِ فِي الرَّهْنِ كَمَا لَا يَتَوَلَّاهُمَا فِي الْبَيْعِ ، وَهُوَ قَاصِرُ الشَّفَقَةِ فَلَا يَعْدِلُ عَنْ الْحَقِيقَةِ فِي حَقِّهِ إلْحَاقًا لَهُ بِالْأَبِ ، وَالرَّهْنِ مِنْ ابْنِهِ الصَّغِيرِ وَعَبْدِهِ التَّاجِرِ الَّذِي لَيْس عَلَيْهِ دَيْنٌ بِمَنْزِلَةِ الرَّهْنِ مِنْ نَفْسِهِ ، بِخِلَافِ ابْنِهِ الْكَبِيرِ وَأَبِيهِ وَعَبْدِهِ الَّذِي عَلَيْهِ دَيْنٌ ؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَيْهِمْ ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ إذَا بَاعَ مِنْ هَؤُلَاءِ ؛ لِأَنَّهُ مُتَّهَمٌ فِيهِ وَلَا تُهْمَةَ فِي الرَّهْنِ ؛ لِأَنَّ لَهُ حُكْمًا وَاحِدًا .

(وَإِنْ اسْتَدَانَ الْوَصِيُّ لِلْيَتِيمِ فِي كِسْوَتِهِ وَطَعَامِهِ فَرَهَنَ بِهِ مَتَاعًا لِلْيَتِيمِ جَازَ) ؛ لِأَنَّ الِاسْتِدَانَةَ جَائِزَةٌ لِلْحَاجَةِ وَالرَّهْنُ يَقَعُ إيفَاءً لِلْحَقِّ فَيَجُوزُ (وَكَذَلِكَ لَوْ اتَّجَرَ لِلْيَتِيمِ فَارْتَهَنَ أَوْ رَهَنَ) ؛ لِأَنَّ الْأَوْلَى لَهُ التِّجَارَةُ تَثْمِيرًا لِمَالِ الْيَتِيمِ فَلَا يَجِدُ بُدًّا مِنْ الِارْتِهَانِ وَالرَّهْنِ ؛ لِأَنَّهُ إيفَاءٌ وَاسْتِيفَاءٌ

ترجمہ

اور جب وصی نے چھوٹے بچے کے مال کو اپنے پاس بطور رہن رکھ لیا ہے یا اس نے یتیم کے کسی مال کے بدلے میں یتیم کے

پاس وصی نے رہن رکھی ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وصی صرف وکیل ہوتا ہے۔ اور ایک ہی شخص عقد رہن میں دونوں اجانب کو وارث ہونے والا نہیں ہے جس طرح بیع میں دونوں اجانب کا مالک نہیں بن سکتا۔ جبکہ وصی کی مہربانی بھی ناقص ہوتی ہے۔ پس اس کے حق میں حقیقت سے منہ نہ پھیرا جائے گا۔ اور اپنے چھوٹے بچے اور اپنے اس تاجر غلام کے پاس رہن رکھنا ایسے ہی ہے جس طرح کسی شخص کا اپنے پاس رہن رکھنا ہے۔

اور یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے۔ کہ جب وہ اپنے باپ، بڑے لڑکے یا قرض والے غلام کے پاس رہن رکھتا ہے کیونکہ ان پر وصی کی کوئی ولایت نہیں ہے۔ جبکہ وکیل بہ بیع میں ایسا نہیں ہے۔ جب اس نے مرہونہ چیز کو بیچ دیا ہے۔ کیونکہ وہ بیع میں تہمت زدہ ہے۔ اور رہن میں کوئی تہمت نہیں ہے۔ کیونکہ رہن ایک ہی حکم ہے۔

اور جب وصی نے کسی یتیم کے کپڑے اور اس کے کھانے کیلئے قرض لیا ہے اور اس کے بدلے میں یتیم کا سامان رہن میں رکھ دیا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ ضرورت کی وجہ سے قرض لینا جائز ہے۔ اور رہن حق دینے کیلئے ہوا کرتی ہے۔ لہذا جائز ہے۔ اور اسی طرح جب وصی نے یتیم کیلئے تجارت کی ہے اور اس نے رہن کا لین دین کیا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یتیم کے مال میں اضافہ کرنے کیلئے تجارت کرنا بہتر ہے۔ پس وہ رہن کے لین دین سے نجات نہ پائے گا۔ کیونکہ یہ لین دین ہے۔

شرح

اور جب وصی نے یتیم کے کھانے اور لباس کے لیے اُدھار خریدا اور اس کے مقابل میں یتیم کی چیز رہن رکھ دی یہ جائز ہے اسی طرح اگر یتیم کے مال کو تجارت میں لگایا اور اُس کی چیز دوسرے کے پاس رکھ دی یا دوسرے کی چیز اس کے لیے رہن میں لی یہ بھی جائز ہے۔

مال صغیر کے رہن ہونے پر باپ کے انتقال کا بیان

(وَإِذَا رَهَنَ الْأَبُ مَتَاعَ الصَّغِيرِ فَأَدْرَكَ الِابْنُ وَمَاتَ الْأَبُ لَيْسَ لِلِابْنِ أَنْ يَرُدَّهُ حَتَّى يَقْضِيَ الدَّيْنَ) لِوُقُوعِهِ لَازِمًا مِنْ جَانِبِهِ ؛ إذْ تَصَرُّفُ الْأَبِ بِمَنْزِلَةِ تَصَرُّفِهِ بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْبُلُوغِ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ (وَلَوْ كَانَ الْأَبُ رَهَنَهُ لِنَفْسِهِ فَقَضَاهُ الِابْنُ رَجَعَ بِهِ فِي مَالِ الْأَبِ) ؛ لِأَنَّهُ مُضْطَرٌّ فِيهِ لِحَاجَتِهِ إلَى إحْيَاءِ مِلْكِهِ فَأَشْبَهَ مُعِيرَ الرَّهْنِ (وَكَذَا إذَا هَلَكَ قَبْلَ أَنْ يَفْتَكَّهُ) ، لِأَنَّ الْأَبَ يَصِيرُ قَاضِيًا دَيْنَهُ بِمَالِهِ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَلَيْهِ (وَلَوْ رَهَنَهُ بِدَيْنٍ عَلَى نَفْسِهِ وَبِدَيْنٍ عَلَى الصَّغِيرِ جَازَ) لِاشْتِمَالِهِ عَلَى أَمْرَيْنِ جَائِزَيْنِ (فَإِنْ هَلَكَ ضَمِنَ الْأَبُ حِصَّتَهُ مِنْ ذَلِكَ لِلْوَلَدِ) لِإِيفَائِهِ دَيْنَهُ مِنْ مَالِهِ بِهَذَا الْمِقْدَارِ ، وَكَذَلِكَ الْوَصِيُّ ، وَكَذَلِكَ الْجَدُّ أَبُ الْأَبِ إذَا لَمْ يَكُنْ الْأَبُ أَوْ وَصِيُّ الْأَبِ (وَلَوْ رَهَنَ الْوَصِيُّ مَتَاعًا لِلْيَتِيمِ فِي

دَيْنٍ اسْتَدَانَهُ عَلَيْهِ وَقَبَضَ الْمُرْتَهِنُ ثُمَّ اسْتَعَارَهُ الْوَصِيُّ لِحَاجَةِ الْيَتِيمِ فَضَاعَ فِي يَدِ الْوَصِيِّ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الرَّهْنِ وَهَلَكَ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ) ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْوَصِيِّ كَفِعْلِهِ بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْبُلُوغِ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَعَارَهُ لِحَاجَةِ الصَّبِيِّ وَالْحُكْمُ فِيهِ هَذَا عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

اور جب باپ نے چھوٹے بچے کے سامان کو رہن میں رکھا ہوا ہے اور وہ چھوٹا بچہ بالغ ہو گیا ہے اور اس کے بعد اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے تو وہ چھوٹا بچہ قرض ادا کیے بغیر مرہونہ سامان کو واپس نہ لے گا۔ کیونکہ اس کی جانب سے رہن واقع ہو کر لازم ہو چکی ہے۔ کیونکہ باپ کا تصرف بچے کے بالغ ہونے کے بعد باپ والے حکم میں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ باپ بچے کا قائم مقام ہے۔

اور جب باپ نے چھوٹے بچے کا مال کو خود اپنے پاس قرض میں رہن رکھا ہوا ہے اور بیٹے نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے تو وہ اس کو باپ کے مال سے واپس لے گا۔ کیونکہ بچہ اپنی ملکیت کو باقی رکھنے کیلئے اس کی ادائیگی پر مجبور ہے۔ پس یہ معیر رہن کے مشابہ ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب بیٹے کا اس سے مال چھڑوانے سے قبل وہ ہلاک ہو گئی ہے تو باپ بیٹے کے مال سے قرضہ ادا کرنے والا بن جائے گا پس بیٹے کو باپ سے واپسی کا حق ہو گا۔

اور جب باپ نے اپنے اوپر لازم ہونے والے قرض اور چھوٹے بچے پر لازم ہونے والے قرض کے بدلے میں چھوٹے بچے کے مال کو رہن رکھا ہے۔ تو یہ جائز ہے کیونکہ دو معاملات کو شامل ہے۔ اور جب اس کے بعد مرہونہ چیز ہلاک ہو گئی تو باپ اس میں سے اپنے حصے کی مقدار کے برابر ضامن بن جائے گا اور کیونکہ اس نے اتنی مقدار میں مال سے اپنا قرض ادا کیا ہے۔ اور اسی طرح وصی کا حکم ہے۔ اور اسی طرح دادے کا حکم ہے جب بچے کا باپ یا وصی نہ ہو۔

اور جب وصی نے یتیم کے سامان کو کسی قرض کے بدلے میں رہن رکھ دیا ہے جو قرض اس نے یتیم سے لیا تھا۔ اور مرتہن نے مرہونہ چیز پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اس کے بعد یتیم کی ضرورت کیلئے اس نے مرہونہ چیز کو مرتہن سے بطور ادھار لیا ہے۔ اور وہ چیز وصی کے قبضہ میں ضائع ہو گئی ہے۔ تو وہ رہن سے خارج ہو کر یتیم کے مال سے ہلاک ہونے والی ہو گی۔ کیونکہ وصی کا فعل بلوغت کے بعد فعل یتیم کی طرح ہے۔ کیونکہ وصی نے مرہونہ کو بچے کی حاجت کیلئے ادھار لیا تھا۔ اور اس میں حکم یہی ہے۔ اس تفصیل کے مطابق جس کو ہم ان شاء اللہ بیان کر دیں گے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب راہن مر گیا تو اس کا وصی رہن کو بیچ کر دَین ادا کر سکتا ہے۔ اور راہن کا وصی کوئی نہیں ہے تو قاضی کسی کو اس کا وصی مقرر کرے اور اُسے حکم دے گا کہ چیز بیچ کر دَین ادا کرے۔

(عالمگیری، کتاب رہن، بیروت)

وصی پر مال کے قرض ہونے کا بیان

(وَالْمَالُ دَيْنٌ عَلَى الْوَصِيِّ) مَعْنَاهُ هُوَ الْمُطَالَبُ بِهِ (ثُمَّ يَرْجِعُ بِذَلِكَ عَلَى الصَّبِيِّ) ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ فِي هَذِهِ الِاسْتِعَارَةِ ؛ إذْ هِيَ لِحَاجَةِ الصَّبِيِّ (وَلَوْ اسْتَعَارَهُ لِحَاجَةِ نَفْسِهِ ضَمِنَهُ لِلصَّبِيِّ) ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ ؛ إذْ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الِاسْتِعْمَالِ فِي حَاجَةِ نَفْسِهِ ،

ترجمہ

اور جب وصی پر مال کا قرض ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وصی سے ہی اس قرض کا مطالبہ کیا جائے گا اس کے بعد وصی اس بارے میں بچے سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ اس ادھار میں وہ زیادتی کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ استعاریہ بچے کی ضرورت ہے اور جب وصی نے اپنی ضرورت کیلئے ادھار لیا ہے تو وہ بچے کے اس مال میں ضامن ہوگا کیونکہ وہ زیادتی کرنے والا ہے کیونکہ اس کو اپنی ضرورت کیلئے استعمال کرنے میں ولایت رکھنے والا نہیں ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب وصی نے ورثہ کے خرچ اور حاجت کے لیے چیز اُدھار لی اور ان کی چیز رہن رکھ دی اگر یہ سب ورثہ بالغ ہیں تو ناجائز ہے اور سب نابالغ ہیں تو جائز ہے اور بعض بالغ بعض نابالغ ہیں تو بالغ کے حق میں ناجائز اور نابالغ کے بارے میں جائز ہے۔ (عالمگیری، کتاب رہن، بیروت)

رہن رکھنے کے بعد وصی کا مرہونہ چیز کو غصب کرنے کا بیان

(وَلَوْ غَصَبَهُ الْوَصِيُّ بَعْدَ مَا رَهَنَهُ فَاسْتَعْمَلَهُ لِحَاجَةِ نَفْسِهِ حَتَّى هَلَكَ عِنْدَهُ فَالْوَصِيُّ ضَامِنٌ لِقِيمَتِهِ) ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِي حَقِّ الْمُرْتَهِنِ بِالْغَصْبِ وَالِاسْتِعْمَالِ ، وَفِي حَقِّ الصَّبِيِّ بِالِاسْتِعْمَالِ فِي حَاجَةِ نَفْسِهِ ، فَيُقْضَى بِهِ الدَّيْنُ إنْ كَانَ قَدْ حَلَّ (فَإِنْ كَانَ قِيمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَدَّاهُ إلَى الْمُرْتَهِنِ وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الْيَتِيمِ) ؛ لِأَنَّهُ وَجَبَ لِلْيَتِيمِ عَلَيْهِ مِثْلُ مَا وَجَبَ لَهُ عَلَى الْيَتِيمِ فَالْتَقَيَا قِصَاصًا (وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ) مِنْ الدَّيْنِ (أَدَّى قَدْرَ الْقِيمَةِ إلَى الْمُرْتَهِنِ وَأَدَّى الزِّيَادَةَ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ) ؛ لِأَنَّ الْمَضْمُونَ عَلَيْهِ قَدْرُ الْقِيمَةِ لَا غَيْرُ (وَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ أَكْثَرَ مِنْ الدَّيْنِ أَدَّى قَدْرَ الدَّيْنِ مِنْ الْقِيمَةِ إلَى الْمُرْتَهِنِ ، وَالْفَضْلُ لِلْيَتِيمِ ،

ترجمہ

اور جب وصی نے رہن رکھنے کے بعد مرہونہ چیز کو غصب کرلیا ہے اور اس کو اپنی ضرورت کیلئے استعمال کیا ہے حتیٰ کہ وہ مرہونہ

چیز وصی کے پاس سے ہلاک ہوگئی ہے۔تو وصی اس کی قیمت کا ضامن بن جائے گا۔ کیونکہ وہ مرتہن کے حق میں غصب اور استعمال کرنے کی وجہ سے ظلم کرنے والا ہے۔اور بچے کے حق میں اپنی ضرورت کیلئے استعمال کرنے وجہ سے ظلم کرنے والا ہے۔ پس اس سے قرض ادا کروایا جائے گا۔اور جب قرض کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہے اور اس مرہونہ چیز کی قیمت قرض کے برابر ہے تو وصی اس کو مرتہن کو دے گا۔اور یتیم سے کچھ واپس نہ لے گا کیونکہ یتیم کیلئے وصی پر اتنا ہی لازم ہے جس قدر یتیم کیلئے وصی پر لازم ہے تو ان دونوں میں مقاصہ ہو جائے گا۔

اور جب رہن کی قیمت قرض سے کم ہو تو وصی مقدار قیمت کو مرتہن کے سپرد کرے گا اور جو زیادہ ہے اس کو مال یتیم سے ادا کرے گا۔ کیونکہ وصی پر مرہونہ چیز کی قیمت کے حساب سے ضمان لازم ہے جبکہ اس سے زیادہ لازم نہیں ہے۔اور جب رہن کی قیمت قرض سے زیادہ ہے۔تو وصی قرض کی مقدار مرتہن کو ادا کرے گا اور جو زائد ہے وہ یتیم کیلئے ہے۔

شرح

اور جب وصی نے یتیم کی چیز رہن رکھ دی پھر مرتہن کے پاس سے غصب کرلایا اور اپنے کام میں استعمال کی اور چیز ہلاک ہوگئی اگر اس چیز کی قیمت بقدر دَین ہے تو اپنے پاس سے دَین ادا کرے اور یتیم کے مال سے وصول نہیں کر سکتا اور اگر دَین سے اس کی قیمت کم ہے تو بقدر قیمت اپنے پاس سے مرتہن کو دے اور باقی یتیم کے مال سے ادا کرے اور اگر قیمت دَین سے زیادہ ہے تو دَین اپنے پاس سے ادا کرے اور جو کچھ چیز کی قیمت دَین سے زائد ہے یہ زیادتی یتیم کو دے کیونکہ اس نے دونوں کے حق میں تعدی زیادتی کی اور اگر غصب کر کے یتیم کے استعمال میں لایا اور ہلاک ہوئی تو مرتہن کے مقابل میں ضامن ہے یتیم کے مقابل میں نہیں یعنی اگر چیز کی قیمت دَین سے زائد ہے تو اس زیادتی کا تاوان اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

دَین کی ادائیگی کے وقت کے نہ آنے تک قیمت رہن کا بیان

وَإِنْ كَانَ لَمْ يَحِلَّ الدَّيْنُ فَالْقِيمَةُ رَهْنٌ) ؛ لِأَنَّهُ ضَامِنٌ لِلْمُرْتَهِنِ بِتَفْوِيتِ حَقِّهِ الْمُحْتَرَمِ فَتَكُونُ رَهْنًا عِنْدَهُ ، ثُمَّ إِذَا حَلَّ الْأَجَلُ كَانَ الْجَوَابُ عَلَى التَّفْصِيلِ الَّذِي فَصَّلْنَاهُ (وَلَوْ أَنَّهُ غَصَبَهُ وَاسْتَعْمَلَهُ لِحَاجَةِ الصَّغِيرِ حَتَّى هَلَكَ فِي يَدِهِ يَضْمَنُهُ لِحَقِّ الْمُرْتَهِنِ ، وَلَا يَضْمَنُهُ لِحَقِّ الصَّغِيرِ) ؛ لِأَنَّ اسْتِعْمَالَهُ لِحَاجَةِ الصَّغِيرِ لَيْسَ بِتَعَدٍّ ، وَكَذَا الْأَخْذُ ؛ لِأَنَّ لَهُ وِلَايَةَ أَخْذِ مَالِ الْيَتِيمِ ، وَلِهَذَا قَالَ فِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ : إِذَا أَقَرَّ الْأَبُ أَوْ الْوَصِيُّ بِغَصْبِ مَالِ الصَّغِيرِ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُتَصَوَّرُ غَصْبُهُ لِمَا أَنَّ لَهُ وِلَايَةَ الْأَخْذِ ، فَإِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ يَضْمَنُهُ لِلْمُرْتَهِنِ يَأْخُذُهُ بِدَيْنِهِ إِنْ كَانَ قَدْ حَلَّ ، وَيَرْجِعُ الْوَصِيُّ عَلَى الصَّغِيرِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُتَعَدٍّ بَلْ هُوَ عَامِلٌ لَهُ ، وَإِنْ كَانَ لَمْ يَحِلَّ يَكُونُ رَهْنًا عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ

، ثُمَّ إِذَا حَلَّ الدَّيْنُ يَأْخُذُ دَيْنَهُ مِنْهُ وَيَرْجِعُ الْوَصِيُّ عَلَى الصَّبِيِّ بِذَلِكَ لِمَا ذَكَرْنَا

ترجمہ

اور جب قرض کی ادائیگی کا وقت نہیں آیا ہے تو وہ قیمت رہن ہوگی کیونکہ مرتہن کے حق میں وصی ایک محترم چیز کو مفقود کرنے کی وجہ سے ضامن بنا ہے۔ پس رہن کی قیمت اسی کے پاس ہوگی۔ اور اس کے بعد جب ادائیگی کا وقت آچکا ہے تو ہماری بیان کردہ وضاحت کے مطابق حکم دیا جائے گا۔

اور جب وصی نے مرہونہ چیز کو غصب کرتے ہوئے چھوٹے بچے کی ضرورت کیلئے اس کو استعمال کیا ہے حتیٰ کہ مرہونہ چیز وصی کے قبضہ سے ہلاک ہوگئی ہے تو مرتہن کے حق کیلئے اس کا ضامن ہوگا۔ لیکن چھوٹے بچے کے حق کیلئے ضامن نہ بنے گا۔ کیونکہ چھوٹے بچے کی ضرورت میں وصی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اور اس کا لینا ظلم نہیں ہے۔ کیونکہ وصی کو یتیم کے مال پر ولایت حاصل ہے

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط کی کتاب اقرار میں کہا ہے کہ جب باپ یا وصی چھوٹے بچے کے مال کو غصب کرکے اقرار کریں تو ان پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کی جانب غصب کا تصور نہیں کیا جاتا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو مال صغیر کو لینے ولایت حاصل ہے۔

اور اس کے بعد جب مرہونہ چیز وصی کے قبضے میں ہلاک ہو چکی ہے تو مرتہن کیلئے وصی ضامن بن جائے گا جس کو مرتہن اپنے قرض کے بدلے میں لینے والا ہے۔ اور جب قرض کی ادائیگی کا وقت آچکا ہے تو وصی چھوٹے بچے سے مال واپس لے گا کیونکہ وصی ظلم کرنے والا نہیں۔ ہے بلکہ وہ تو بچے کیلئے عمل کرنے والا ہے۔ اور جب تک ادائیگی کا وقت نہ آئے تو اس وقت تک وہ مرتہن کے پاس رہن ہوگا۔ اور اسکے بعد جب ادائیگی کا وقت آجائے تو مرتہن اس میں سے اپنا قرض وصول کرلے گا اور وصی اس کے بارے میں بچے سے رجوع کرے گا۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم نے بیان کردیا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب شے مرہون کو کسی نے غصب کرلیا تو اس کا وہی حکم ہے جو ہلاک ہونے، ضائع ہونے کا ہے کہ قیمت اور دَین میں جو کم ہے اُس کا ضامن ہے یعنی اگر دَین اُس کی قیمت کے برابر یا کم ہے تو دَین ساقط ہوگیا اور قیمت کم ہے تو بقدر قیمت ساقط باقی دَین مدیون سے وصول کرے۔ اور اگر خود مرتہن ہی نے غصب کیا یعنی بلا اجازتِ راہن چیز کو استعمال کیا اور ہلاک ہوئی تو پوری قیمت کا ضامن ہے اگرچہ قیمت دَین سے زیادہ ہو۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

دراہم و دیناروں کو رہن میں رکھنے کے جواز کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ رَهْنُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ) ؛ لِأَنَّهُ يَتَحَقَّقُ الِاسْتِيفَاءُ

مِنْهُ فَكَانَ مَحَلًّا لِلرَّهْنِ (فَإِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا فَهَلَكَتْ هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ) ؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِالْجَوْدَةِ عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ بِجِنْسِهَا ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّ عِنْدَهُ يَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا بِاعْتِبَارِ الْوَزْنِ دُونَ الْقِيمَةِ ، وَعِنْدَهُمَا يَضْمَنُ الْقِيمَةَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ وَيَكُونُ رَهْنًا مَكَانَهُ ،

ترجمہ

فرمایا کہ دراہم و دینار اور کیل والی اور موزونی چیزوں کو رہن میں رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک چیز میں استیفاء ثابت ہے۔ پس ان میں سے ہر چیز رہن کا محل ہوگا۔

اور اس کے بعد اس نے مذکورہ چیزوں کو اپنی جنس چیز کے بدلے میں رہن پر رکھا ہے اور مرہونہ چیز ہلاک ہوگئی ہے تو وہ اپنے مثلی قرض کے بدلے میں ہلاک ہونے والی ہے۔ خواہ دونوں میں اچھا ہونے کا اختلاف ہو۔ کیونکہ ایک جنس ہونے کی وجہ سے عمدہ ہونے کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مرتہن وزن کے اعتبار سے اپنے قرض کو وصول کرنے والا ہے۔ ہاں قیمت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

صاحبین نے کہا ہے مرتہن مرہونہ چیز کی خلاف جنس میں اس کی قیمت کا ضامن بن جائے گا اور وہ قیمت مرہونہ چیز کی جگہ پر رہن بن جائے گی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور سونا چاندی روپیہ اشرفی اور مکیل وموزون کو رہن رکھنا جائز ہے پھر ان کو رہن رکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ دوسری جنس کے مقابل میں رہن رکھا یا خود اپنی ہی جنس کے مقابل میں رکھا۔ پہلی صورت میں یعنی غیر جنس کے مقابل میں اگر ہو مثلاً کپڑے کے مقابل روپیہ، اشرفی یا جو گیہوں کو رہن رکھا اور یہ مرہون ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور اس صورت میں کھرے کھوٹے کا لحاظ ہوگا یعنی اگر اس کی قیمت دَین کی برابر یا زائد ہے تو دَین وصول سمجھا جائے گا اور اگر کچھ کمی ہے تو جو کمی ہے اتنی راہن سے لے سکتا ہے۔ اور اگر دوسری صورت ہے یعنی اپنی ہم جنس کے مقابل میں رہن ہے مثلاً چاندی کو روپیہ کے مقابل میں یا سونے کو اشرفی کے مقابل میں یا گیہوں کو گیہوں کے مقابل رہن رکھا اور مرہون ہلاک ہوگیا تو وزن وکیل (ناپ) کا اعتبار ہوگا۔ اور اس صورت میں کھرے کھوٹے کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً سو ۱۰۰ روپے قرض لئے اور چاندی رہن رکھی اور یہ ضائع ہوگئی اور یہ چاندی سو روپے بھر یا زائد تھی تو دَین وصول سمجھا جائے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سو ۱۰۰ روپے بھر چاندی کی مالیت سو ۱۰۰ روپے سے کم ہے اور سو ۱۰۰ روپے بھر سے کچھ کمی ہے تو اتنی کمی وصول کر سکتا ہے۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

چاندی کے لوٹے کا رہن میں ہونے کا بیان

(وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : فَإِنْ رَهَنَ إِبْرِيقَ فِضَّةٍ وَزْنُهُ عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ فَضَاعَ فَهُوَ بِمَا فِيهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : مَعْنَاهُ أَنْ تَكُونَ قِيمَتُهُ مِثْلَ وَزْنِهِ أَوْ أَكْثَرَ هَذَا الْجَوَابُ فِي الْوَجْهَيْنِ بِالِاتِّفَاقِ ؛ لِأَنَّ الِاسْتِيفَاءَ عِنْدَهُ بِاعْتِبَارِ الْوَزْنِ وَعِنْدَهُمَا بِاعْتِبَارِ الْقِيمَةِ ، وَهِيَ مِثْلُ الدَّيْنِ فِي الْأَوَّلِ وَزِيَادَةٌ عَلَيْهِ فِي الثَّانِي فَيَصِيرُ بِقَدْرِ الدَّيْنِ مُسْتَوْفِيًا ،

(فَإِنْ كَانَ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ الدَّيْنِ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ) الْمَذْكُورِ لَهُمَا أَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى الِاسْتِيفَاءِ بِالْوَزْنِ لِمَا فِيهِ مِنْ الضَّرَرِ بِالْمُرْتَهِنِ ، وَلَا إِلَى اعْتِبَارِ الْقِيمَةِ ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى الرِّبَا فَصِرْنَا إِلَى التَّضْمِينِ ، بِخِلَافِ الْجِنْسِ لِيَنْتَقِضَ الْقَبْضُ وَيُجْعَلَ مَكَانَهُ ثُمَّ يَتَمَلَّكَهُ وَلَهُ أَنَّ الْجَوْدَةَ سَاقِطَةُ الْعِبْرَةِ فِي الْأَمْوَالِ الرِّبَوِيَّةِ عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ بِجِنْسِهَا ، وَاسْتِيفَاءُ الْجَيِّدِ بِالرَّدِيءِ جَائِزٌ كَمَا إِذَا تَجَوَّزَ بِهِ وَقَدْ حَصَلَ الِاسْتِيفَاءُ بِالْإِجْمَاعِ وَلِهَذَا يُحْتَاجُ إِلَى نَقْضِهِ ، وَلَا يُمْكِنُ نَقْضُهُ بِإِيجَابِ الضَّمَانِ ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مُطَالِبٍ وَمُطَالَبٍ ، وَكَذَا الْإِنْسَانُ لَا يَضْمَنُ مِلْكَ نَفْسِهِ وَبِتَعَذُّرِ التَّضْمِينِ يَتَعَذَّرُ النَّقْضُ ،

ترجمہ

اور جامع صغیر میں ہے کہ جب رہن میں چاندی کا لوٹا رکھا گیا ہے جس کا وزن دس دراہم ہے اور اس کو دس دراہم کے بدلے میں رکھا گیا ہے۔ اور اگر وہ ضائع ہو جائیں تو وہ اس کے بدلے میں ضائع ہوئے ہیں جن کے بدلے میں رہن تھی۔

مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب لوٹے کی قیمت دس دراہم کے برابر ہو۔ یا اس سے زائد ہو اور یہ جواب دونوں صورتوں میں بہ اتفاق ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک استیفاء وزن کے اعتبار سے ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ہے اور صورت اول میں قیمت قرض کے برابر ہے جبکہ صورت ثانی میں اس سے زیادہ ہے۔ پس مرتہن قرض کی مقدار کے برابر وصول کرنے والا ہوگا۔ مگر جب اس کی قیمت قرض سے تھوڑی ہے تو یہ مسئلہ اسی ذکر کردہ اختلاف کے مطابق ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ استیفاء بہ وزن کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس میں مرتہن کیلئے نقصان ہے اور یہاں قیمت کا اعتبار کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سود کی جانب لے جانے والی ہے۔ پس ہم نے خلاف جنس کے جانب ضمان سے رجوع کیا ہے۔ کہ قبضہ ختم ہو سکے۔ اور اس کو مرہونہ کی جگہ پر لے آئے ہیں۔ اس کے بعد راہن اس کا مالک بن جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جنس کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت سودان کے اچھا ہونے کی وجہ سے ساقط ہونے والا ہے۔ کیونکہ ردی کے بدلے میں اچھے کو وصول کرنا جائز ہوتا ہے جس طرح یہ صورت مسئلہ ہے کہ جب اس سے چشم پوشی سے کام لیا جائے۔ اور استیفاء بہ اجماع حاصل ہونے والا ہے۔ کیونکہ اس کو توڑنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ جبکہ ضمان کو واجب کرتے ہوئے اس کو توڑنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ضمان کیلئے مطالِب اور مطالَب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسی طرح انسان اپنی ملکیت کا ضامن نہیں بنتا بلکہ تعذر ضمان کے سبب استیفاء کو توڑنا ممکن نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کی کوئی چیز مثلاً برتن یا زیور کو اپنی ہم جنس کے مقابل میں رہن رکھا اور چیز ٹوٹ گئی اگر اس کی قیمت وزن کی بہ نسبت کم ہے تو خلاف جنس سے اس کی قیمت لگا کر اُس قیمت کو رہن قرار دیا جائے اور ٹوٹی ہوئی چیز کا مرتہن مالک ہو گیا اور راہن کو اختیار ہے کہ دَین ادا کر کے وہ چیز لے لے اور اگر اس کی قیمت وزن کی بہ نسبت زیادہ ہے تو دوسری جنس سے قیمت لگائی جائے گی اور مرتہن پوری قیمت کا ضامن ہے اور یہ قیمت اُس کے پاس رہن ہوگی اور مرتہن اس ٹوٹی ہوئی چیز کا مالک ہو جائے گا۔ مگر راہن کو یہ اختیار ہوگا کہ پورا دَین ادا کر کے فک رہن کرالے۔

(تبیین الحقائق، کتاب رہن، بیروت)

قرض خواہ کا کھرے دراہم کی جگہ کھوٹے دراہم کو وصول کرنے کا بیان

وَقِيلَ : هَـٰذِهِ فُرَيْعَةُ مَا إِذَا اسْتَوْفَى الزُّيُوفَ مَكَانَ الْجِيَادِ فَهَلَكَتْ ثُمَّ عَلِمَ بِالزِّيَافَةِ يُمْنَعُ الِاسْتِيفَاءُ وَهُوَ مَعْرُوفٌ ، غَيْرَ أَنَّ الْبِنَاءَ لَا يَصِحُّ مَا هُوَ الْمَشْهُورُ ؛ لِأَنَّ مُحَمَّدًا فِيهَا مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ وَفِي هَذَا مَعَ أَبِي يُوسُفَ وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَبَضَ الزُّيُوفَ لِيَسْتَوْفِيَ مِنْ عَيْنِهَا ، وَالزِّيَافَةُ لَا تَمْنَعُ الِاسْتِيفَاءَ ، وَقَدْ تَمَّ بِالْهَلَاكِ وَقَبْضِ الرَّهْنِ لِيَسْتَوْفِيَ مِنْ مَحَلٍّ آخَرَ فَلَا بُدَّ مِنْ نَقْضِ الْقَبْضِ ، وَقَدْ أَمْكَنَ عِنْدَهُ بِالتَّضْمِينِ .

ترجمہ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ فرع ہے اور جب قرض لینے والے نے کھرے دراہم کی جگہ کھوٹے دراہم کو وصول کر لیا ہے اور اس کے بعد اس نے ان کو خرچ کر دیا ہے اور اس کے بعد اس کو پتہ چلا کہ وہ کھوٹے تھے۔ اور یہ مشہور مسئلہ ہے۔ اور اس مسئلہ کو پہلے مسئلہ پر تفریع بٹھانا درست نہیں ہے جس طرح یہ مشہور ہے۔ امام مسئلہ میں امام محمد علیہ الرحمہ امام صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں۔ جبکہ رہن والے مسئلہ میں وہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ساتھ ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کیلئے فرق اس طرح ہوگا۔ کہ قرض لینے والے کھوٹے دراہم پر قبضہ کیا ہے تا کہ وہ ان کا عین وصول

کرے۔اور ان کا کھوٹا ہونا یہ وصول کرنے سے مانع نہ ہے۔اور ہلاکت کے سبب استیفاء مکمل ہو چکا ہے۔جبکہ راہن پر قبضہ اس لئے لازم ہے کہ وہ دوسرے محل سے وصول کرے پس قبضہ کو توڑنا لازم ہے امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی مرتہن کو ضامن بنا کر قبضہ کو توڑنا ممکن ہوگا۔

کھوٹ ملے دراہم پر قیاس کیا جانے والا مسئلہ

اگر سونا اور چاندی میں کھوٹ ملا ہوا ہو تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر چاندی میں کھوٹ ملا ہوا ہو اور چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور سونے میں کھوٹ ملا ہوا ہو اور سونا غالب ہو تو سونے کے حکم میں ہے اور اگر ان دونوں میں ملا ہوا کھوٹ غالب ہو تو یہ دونوں اسباب تجارت کی مانند ہیں پس اگر ان میں تجارت کی نیت کی ہو تو قیمت کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی اور اگر تجارت کی نیت نہ کی ہو تو ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔درہموں اور روپیوں میں کھوٹ ملا ہوا ہو تو اگر چاندی غالب ہے تو وہ خالص درہموں اور روپیوں یعنی چاندی کے حکم میں ہیں،اور اگر کھوٹ اور چاندی برابر برابر ہوں تب بھی مختار یہ ہے کہ زکوۃ واجب ہوگی اور اگر کھوٹ غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں نہیں ہے پس اگر وہ سکہ رائج الوقت ہیں یا سکہ تو اب نہ رہے لیکن ان میں تجارت کی نیت کی ہو تو ان کی قیمت کے اعتبار سے زکوۃ دی جائے گی،اور اگر ان درہموں کا رواج نہیں رہا ہو تو ان میں زکوۃ واجب نہیں لیکن اگر بہت ہوں اور ملاوٹ سے چاندی الگ ہو سکتی ہو اور ان میں اتنی چاندی ہو کہ دو سو درہم کی مقدار ہو جائے یا کسی دوسرے مال، چاندی سونا یا اسباب تجارت کے ساتھ مل کر نصاب ہو جائے تب بھی زکوۃ واجب ہوگی،اور اگر چاندی اس سے جدا نہ ہو سکتی ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے کھوٹے درہموں میں جو اس وقت سکہ رائج ہوں ہر حال میں زکوۃ واجب ہوگی خواہ ان میں چاندی مغلوب ہی ہو اور الگ نہ ہو سکتی ہو اور خواہ ان میں تجارت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ ان میں نیت تجارت کا ہونا شرط نہیں ہے ملاوٹ کے سونے کا بھی وہی حکم ہے جو ملاوٹ کی چاندی کا بیان ہوا ہے۔

راہن کو رہن چھڑوانے پر مجبور نہ کرنے کا بیان

وَلَوْ انْكَسَرَ الْإِبْرِيقُ فَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَهُوَ مَا إذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ وَزْنِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْفِكَاكِ ؛ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إلَى أَنْ يَذْهَبَ شَيْءٌ مِنْ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ قَاضِيًا دَيْنَهُ بِالْجَوْدَةِ عَلَى الِانْفِرَادِ ، وَلَا إلَى أَنْ يَفْتَكَّهُ مَعَ النُّقْصَانِ لِمَا فِيهِ مِنْ الضَّرَرِ فَخَيَّرْنَاهُ ، إنْ شَاءَ افْتَكَّهُ بِمَا فِيهِ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهُ مِنْ جِنْسِهِ أَوْ خِلَافِ جِنْسِهِ ، وَتَكُونُ رَهْنًا عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ ، وَالْمَكْسُورُ لِلْمُرْتَهِنِ بِالضَّمَانِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ إنْ شَاءَ افْتَكَّهُ نَاقِصًا ، وَإِنْ شَاءَ جَعَلَهُ بِالدَّيْنِ اعْتِبَارًا لِحَالَةِ الِانْكِسَارِ بِحَالَةِ الْهَلَاكِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْفِكَاكُ مَجَّانًا صَارَ بِمَنْزِلَةِ الْهَلَاكِ ، وَفِي الْهَلَاكِ الْحَقِيقِيِّ

مَضْمُونٌ بِالدَّيْنِ بِالْإِجْمَاعِ فَكَذَا فِيمَا هُوَ فِي مَعْنَاهُ قُلْنَا : اَلِاسْتِيفَاءُ عِنْدَ الْهَلَاكِ بِالْمَالِيَّةِ ، وَطَرِيقُهُ أَنْ يَكُونَ مَضْمُونًا بِالْقِيمَةِ ثُمَّ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ ، وَفِي جَعْلِهِ بِالدَّيْنِ إِغْلَاقُ الرَّهْنِ وَهُوَ حُكْمٌ جَاهِلِيٌّ فَكَانَ التَّضْمِينُ بِالْقِيمَةِ أَوْلَى ،

ترجمہ

اور جب لوٹا ٹوٹ جائے تو اس صورت میں شیخین کے نزدیک راہن کو رہن چھڑوانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ قرض کے اسقاط کی کوئی صورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ مرتہن سے صرف اچھے طریقے سے اپنا قرض وصول کرنے والا ہے۔ اور نقصان کے ساتھ اس کو چھڑوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں راہن کا نقصان ہے۔ پس ہم نے اس کو اختیار دیا ہے کہ جب وہ پسند کرے اچھے طریقے عوض میں اس کو چھڑوائے اور اگر وہ چاہے تو مرتہن کو قیمت کا ضامن بن دے۔ اگر چہ موافق جنس یا مخالف جنس ہو۔ جبکہ قیمت مرتہن کے پاس رہے گی۔ اور وہ ٹوٹا ہوا لوٹا ضمان ادا کرنے کی وجہ سے مرتہن کی ملکیت میں چلا جائے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جب راہن چاہے تو وہ نقصان کی حالت میں لوٹے کو چھڑوائے اور اس کو قرض کا بدلہ بنائے۔ کیونکہ ٹوٹنے کی حالت کو ہلاکت کی حالت پر قیاس کیا جائے گا۔ اور یہ حکم اس دلیل کے مطابق ہے کہ فری میں چھڑوانا ممکن نہ ہو۔ تو اس کا ٹوٹ جانا یہ ہلاکت کے حکم میں ہوگا جبکہ حقیقت میں ہلاکت مرہونہ قرض کے بدلے میں بہ اجماع مضمون ہے۔ پس وہ اس صورت میں بھی مرہون قرض کے بدلے میں مضمون ہوگا جو ہلاکت کے حکم میں ہے۔

ہم نے اس کے جواب کہا ہے کہ وقت ہلاکت مالیت سے استیفاء ہو چکا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرہون ضمان قیمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے بعد مقاصہ ہوتا ہے اور مرہونہ چیز کو قرض کا بدلہ قرار دینے میں رہن کو بند کرنا ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کا حکم ہے۔ کیونکہ مرتہن کو ضامن قیمت بنانا افضل ہے۔

شرح

اور مرہون چیز مرتہن کے ضمان میں ہوتی ہے یعنی مرہون کی مالیت اُس کے ضمان میں ہوتی ہے اور خود عین بطور امانت ہے اس کا فرق یوں ظاہر ہوگا کہ اگر مرہون کو مرتہن نے راہن سے خرید لیا تو یہ قبضہ جو مرتہن کا ہے۔ قبضہ خریداری کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ کہ یہ قبضہ امانت ہے اور مشتری کے لیے قبضہ ضمان درکار ہے اور خود وہ چیز امانت ہے۔ لہٰذا مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ ہے مرتہن کے ذمہ نہیں اور غلام مرہون تھا وہ مر گیا تو کفن راہن کے ذمہ ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

لوٹے کی ٹوٹی ہوئی حالت کو ہلاکت پر قیاس کرنے کا فقہی بیان

وَفِي الْوَجْهِ الثَّالِثِ وَهُوَ مَا إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ وَزْنِهِ ثَمَانِيَةً يَضْمَنُ قِيمَتَهُ جَيِّدًا مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ أَوْ رَدِيئًا مِنْ جِنْسِهِ وَتَكُونُ رَهْنًا عِنْدَهُ ، وَهَذَا بِالِاتِّفَاقِ أَمَّا عِنْدَهُمَا

فَظَاهِرٌ وَكَذٰلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ ؛ لِأَنَّهُ يَعْتَبِرُ حَالَةَ الِانْكِسَارِ بِحَالَةِ الْهَلَاكِ ، وَالْهَلَاكُ عِنْدَهُ بِالْقِيمَةِ وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَهُوَ مَا إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ أَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهِ اثْنَيْ عَشَرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يَضْمَنُ جَمِيعَ قِيمَتِهِ وَتَكُونُ رَهْنًا عِنْدَهُ ؛ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْوَزْنِ عِنْدَهُ لَا لِلْجَوْدَةِ وَالرَّدَاءَةِ فَإِنْ كَانَ بِاعْتِبَارِ الْوَزْنِ كُلِّهِ مَضْمُونًا يُجْعَلُ كُلُّهُ مَضْمُونًا ، وَإِنْ كَانَ بَعْضُهُ فَبَعْضُهُ ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْجَوْدَةَ تَابِعَةٌ لِلذَّاتِ ، وَمَتَى صَارَ الْأَصْلُ مَضْمُونًا اسْتَحَالَ أَنْ يَكُونَ التَّابِعُ أَمَانَةً وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَضْمَنُ خَمْسَةَ أَسْدَاسِ قِيمَتِهِ ، وَيَكُونُ خَمْسَةَ أَسْدَاسِ الْإِبْرِيقِ لَهُ بِالضَّمَانِ وَسُدُسُهُ يُفْرَزُ حَتَّى لَا يَبْقَى الرَّهْنُ شَائِعًا ، وَيَكُونُ مَعَ قِيمَتِهِ خَمْسَةُ أَسْدَاسِ الْمَكْسُورِ رَهْنًا ؛ فَعِنْدَهُ تُعْتَبَرُ الْجَوْدَةُ وَالرَّدَاءَةُ ، وَتُجْعَلُ زِيَادَةُ الْقِيمَةِ كَزِيَادَةِ الْوَزْنِ كَأَنَّ وَزْنَهُ اثْنَا عَشَرَ ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْجَوْدَةَ مُتَقَوَّمَةٌ فِي ذَاتِهَا حَتَّى تُعْتَبَرَ عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ ، بِخِلَافِ جِنْسِهَا ، وَفِي تَصَرُّفِ الْمَرِيضِ ، وَإِنْ كَانَتْ لَا تُعْتَبَرُ عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ بِجِنْسِهَا سَمْعًا فَأَمْكَنَ اعْتِبَارُهَا ، وَفِي بَيَانِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ نَوْعُ طُولٍ يُعْرَفُ فِي مَوْضِعِهِ مِنَ الْمَبْسُوطِ وَالزِّيَادَاتِ مَعَ جَمِيعِ شُعَبِهَا،

ترجمہ

اوراس مسئلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ اس لوٹے کی قیمت اس کے وزن سے تھوڑی ہے یعنی آٹھ دراہم ہے تو اب مرتہن خلاف جنس ہونے کی وجہ سے اچھی کی قیمت اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے ردی کی قیمت کا ضامن بن جائے گا۔ اور وہ قیمت اس کے پاس رہن بن جائے گی۔ اور یہ حکم متفق علیہ ہے۔

جبکہ شیخین کے نزدیک بھی اسی طرح ظاہر ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ وہ انکساری حالت کو ہلاکت والی حالت پر قیاس کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ہلاکت مضمون بہ قیمت ہوا کرتی ہے۔

اوراس مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ جب لوٹے کی قیمت اس کے وزن سے زیادہ ہے یعنی بارہ دراہم ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرتہن لوٹے کی ساری قیمت کا ضامن بن جائے گا اور وہ قیمت مرتہن کے پاس رہن کے طور پر رہے گی۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اموال ربویہ کے اندر وزن کا اعتبار کیا جاتا ہے ان کی عمدگی کا یا ردی ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پس جب وزن کے اعتبار ساری مرہونہ چیز قابل ضمان ہے تو ساری قیمت کے اعتبار سے وہ ضمان والی ہوگی۔

اور جب بعض مرہونہ مضمون ہے تو وہ بعض کی حیثیت سے مضمون ہوگی۔ اوراس دلیل کی وجہ سے یہ حکم ہے کہ عمدگی یہ ذ[illegible] کے

تابع ہے۔اور جب اصل قابل ضمان بن گئی تو تابع کا امانت ہونا محال بن گیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مرتہن لوٹے کی قیمت میں چھے میں سے پانچ حصوں کا ضامن ہوگا۔اور ضمان ادا کرنے کے سبب لوٹے کا چھے میں سے پانچ حصے مرتہن کیلئے ہوں گے۔اور اس کے چھٹے حصے کو الگ کر دیا جائے گا کہ رہن شائع باقی نہ رہے۔اور یہ چھٹا حصہ ٹوٹے ہوئے لوٹے کے چھے میں سے پانچ حصوں کے ساتھ رہن ہے۔پس امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک عمدگی اور ردی کا اعتبار کیا جائے گا۔جبکہ قیمت کو زیادتی کے مثل قرار دیں گے۔کہ ٹوٹے ہوئے کا وزن بارہ دراہم ہے۔اور یہ اس دلیل کے سبب سے ہے کہ عمدگی یہ بہ ذات خود متقوم ہے حتیٰ کہ اس میں خلاف جنس سے مقابلے کے وقت اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔اور مریض کے تصرف میں بھی اعتبار ہوتا ہے۔خواہ اپنی جنس کے مقابلہ کرنے کے وقت شرعی سماع کے سبب عمدگی کا اعتبار نہیں ہے۔پس عمدگی کا اعتبار ممکن ہو چکا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بیان کرنے میں بحث طویل ہو جائے گی جس کو سمجھنا ہو تو اس کی تمام فروعات سمیت آپ مبسوط میں پڑھ سکتے ہیں۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص سے دس درہم قرض لئے اور انگوٹھی رہن رکھ دی جس میں ایک درہم چاندی ہے اور نو درہم کا نگینہ ہے اور مرتہن کے پاس سے انگوٹھی ضائع ہوگئی تو گویا دَین وصول ہو گیا اور اگر نگینہ ٹوٹ گیا تو اس کی وجہ سے انگوٹھی کی قیمت میں جو کچھ کمی ہوئی اتنا دَین ساقط اور اگر انگوٹھی ٹوٹ گئی اور اُس کی قیمت ایک درہم سے زیادہ ہے تو پوری قیمت کا ضمان ہے مگر یہ ضمان دوسری جنس مثلاً سونے سے لیا جائے۔(فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

اور پیسے رہن رکھے تھے اور ان کا چلن بند ہو گیا یہ بمنزلہ ہلاک ہے اور اگر پیسوں کا نرخ سستا ہو گیا اس کا اعتبار نہیں۔طشت لوٹا یا کوئی اور برتن رہن رکھا اور وہ ٹوٹ گیا اگر وہ وزن سے بکنے کی چیز نہ ہو تو جو کچھ نقصان ہوا اتنا دَین ساقط اور اگر وہ وزن سے بکے تو راہن کو اختیار ہے کہ دَین ادا کر کے اپنی چیز واپس لے یا اُس کی جو کچھ قیمت ہو اتنے میں مرتہن کے پاس چھوڑ دے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

رہن کی شرط پر غلام کو فروخت کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلَى أَنْ يَرْهَنَهُ الْمُشْتَرِي شَيْئًا بِعَيْنِهِ جَازَ اسْتِحْسَانًا) وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ، وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسِ وَالِاسْتِحْسَانِ إذَا بَاعَ شَيْئًا عَلَى أَنْ يُعْطِيَهُ كَفِيلًا مُعَيَّنًا حَاضِرًا فِي الْمَجْلِسِ فَقَبِلَ وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهُ صَفْقَةٌ فِي صَفْقَةٍ وَهُوَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ، وَلِأَنَّهُ شَرْطٌ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِهِمَا، وَمِثْلُهُ يُفْسِدُ الْبَيْعَ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ شَرْطٌ مُلَائِمٌ لِلْعَقْدِ؛ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ وَالرَّهْنَ لِلِاسْتِيثَاقِ وَأَنَّهُ يُلَائِمُ الْوُجُوبَ، فَإِذَا كَانَ

الْكَفِيلُ حَاضِرًا فِي الْمَجْلِسِ وَالرَّهْنُ مُعَيَّنًا اعْتَبَرْنَا فِيهِ الْمَعْنَى وَهُوَ مُلَائِمٌ فَصَحَّ الْعَقْدُ ، وَإِذَا لَمْ يَكُنْ الرَّهْنُ وَلَا الْكَفِيلُ مُعَيَّنًا أَوْ كَانَ الْكَفِيلُ غَائِبًا حَتَّى افْتَرَقَا لَمْ يَبْقَ مَعْنَى الْكَفَالَةِ وَالرَّهْنِ لِلْجَهَالَةِ فَبَقِيَ الِاعْتِبَارُ لِعَيْنِهِ فَيَفْسُدُ ، وَلَوْ كَانَ غَائِبًا فَحَضَرَ فِي الْمَجْلِسِ وَقَبِلَ صَحَّ ،

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اس شرط کے مطابق غلام کو بیچا ہے کہ خریدار اس کے پاس کوئی معین چیز کو رہن میں رکھے گا تو بطور استحسان یہ جائز ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اور قیاس و استحسان کے مطابق اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس بندے اس شرط کے مطابق کسی چیز کو بیچا ہے کہ بائع کو خریدار کوئی معین کفیل دے گا جو مجلس میں ہو اور وہ کفیل کفالت کو قبول کرے تو اس میں قیاس کی دلیل یہ ہے عقد در عقد ہے جبکہ اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو تقاضہ عقد کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس میں عاقدین میں کسی ایک کیلئے فائدہ بھی ہے اور اس طرح کی شرط بیع کا فاسد کرنیوالی ہے۔

اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ شرط عقد کے مناسب ہے کیونکہ کفالہ اور رہن یہ دونوں مضبوطی کیلئے ہوا کرتے ہیں اور جبکہ ان کا پختہ ہو جانا یہ قیمت کیلئے مناسب ہے۔

اور اس کے بعد جب کفیل مجلس میں آیا اور رہن معین ہو چکی ہے تو ہم نے اس میں حکم کا اعتبار کیا ہے جو عقد کیلئے مناسب ہے کیونکہ عقد درست ہے۔ پس جب رہن اور کفیل معین نہ ہوں یا پھر کفیل غائب ہو جائے حتیٰ کہ عقد کرنے والوں میں سے ایک دوسرے سے الگ ہو جائے تو اس جہالت کے سبب کفالت اور رہن کا معنی باقی نہ رہے گا۔ پس عین شرط کا اعتبار باقی رہ جائے گا۔ لہذا عقد فاسد ہو جائے گا۔ اور جب کفیل غائب تھا اور اس کے بعد وہ مجلس میں آ گیا اور اس نے کفالت کو قبول کر لیا ہے تو اس کا عقد درست ہو جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی چیز بیع کی اور مشتری سے یہ شرط کر لی کہ فلاں معین چیز ثمن کے مقابل میں رہن رکھے یہ جائز ہے اور اگر بائع نے یہ شرط کی کہ فلاں شخص ثمن کا کفیل ہو جائے اور وہ شخص وہاں حاضر ہے اس نے قبول کر لیا یہ بھی جائز ہے اور اگر بائع نے کفیل کو معین نہیں کیا ہے یا معین کر دیا ہے مگر وہ وہاں موجود نہیں ہے اور اس کے آنے اور قبول کرنے سے پہلے بائع و مشتری جدا ہو گئے تو بیع فاسد ہو گئی اسی طرح اگر رہن کے لیے کوئی چیز معین نہیں کی ہے تو بیع فاسد ہو گئی مگر جبکہ اسی مجلس میں دونوں نے رہن کو معین کر لیا یا اسی مجلس میں مشتری نے ثمن ادا کر دیا تو بیع صحیح ہو گئی مجلس بدل جانے کے بعد معین رہن یا ادائے ثمن سے بیع کا فساد دفع نہیں ہوگا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

خریدار کو مرہونہ حوالے کرنے پر مجبور نہ کرنے کا بیان

(وَلَوْ امْتَنَعَ الْمُشْتَرِی عَنْ تَسْلِیمِ الرَّهْنِ لَمْ یُجْبَرْ عَلَیْهِ) وَقَالَ زُفَرُ : یُجْبَرُ ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ إذَا شُرِطَ فِی الْبَیْعِ صَارَ حَقًّا مِنْ حُقُوقِهِ كَالْوَكَالَةِ الْمَشْرُوطَةِ فِی الرَّهْنِ فَیَلْزَمُهُ بِلُزُومِهِ وَنَحْنُ نَقُولُ : الرَّهْنُ عَقْدُ تَبَرُّعٍ مِنْ جَانِبِ الرَّاهِنِ عَلَى مَا بَیَّنَّاهُ وَلَا جَبْرَ عَلَى التَّبَرُّعَاتِ (وَلَكِنَّ الْبَائِعَ بِالْخِیَارِ إنْ شَاءَ رَضِیَ بِتَرْكِ الرَّهْنِ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَیْعَ) ؛ لِأَنَّهُ وَصْفٌ مَرْغُوبٌ فِیهِ وَمَا رَضِیَ إلَّا بِهِ فَیَتَخَیَّرُ بِفَوَاتِهِ (إلَّا أَنْ یَدْفَعَ الْمُشْتَرِی الثَّمَنَ حَالًّا) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ (أَوْ یَدْفَعَ قِیمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا) ؛ لِأَنَّ یَدَ الِاسْتِیفَاءِ تَثْبُتُ عَلَى الْمَعْنَى وَهُوَ الْقِیمَةُ

ترجمہ

اور جب خریدار مرہونہ چیز کو حوالے کرنے سے رک جائے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے گا جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کو مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ بیع میں رہن مشروط ہو چکی ہے اسلئے کہ وہ حقوق بیع میں سے ایک حق ہے۔ جس طرح وہ وکالت ہوتی ہے جو رہن میں مشروط ہو پس بیع کے لازم ہونے کے سبب سے رہن بھی خریدار پر لازم ہو جائے گی۔

ہم نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ رہن یہ راہن کی جانب سے احسان کا عقد ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں اور احسانات میں کسی کوئی مجبور نہیں کیا جاتا ہاں البتہ بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ پسند کرے تو رہن کو چھوڑ دے اور اگر پسند کرے تو بیع کو ختم کردے۔ کیونکہ رہن بیع کا بہترین وصف ہے۔ اور بائع بھی اسی پر راضی ہونے والا ہے۔ کیونکہ اسی وصف کے ختم ہو جانے کے سبب اس کو اختیار ملا ہے ہاں البتہ جب خریدار فوری طور پر قیمت ادا کردے۔ تو اب اختیار نہ ہوگا کیونکہ مقصد تو حاصل ہو چکا ہے۔ اور اسی طرح خریدار مرہونہ چیز کی قیمت ادا کردے کیونکہ وصولی کا قبضہ معنی سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کی قیمت ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب راہن یہ کہتا ہے کہ مرہون چیز مجھے دے دو میں اسے بیچ کر تمہارا دَین ادا کروں گا مرتہن کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ مرہون کو دیدے۔ یوہیں اگر کچھ حصہ دَین کا ادا کردیا ہے کچھ باقی ہے یا مرتہن نے کچھ دَین معاف کردیا ہے کچھ باقی ہے راہن یہ کہتا ہے کہ مرہون کا ایک جز مجھے دے دیا جائے کیونکہ میرے ذمہ کُل دَین باقی نہ رہا اس صورت میں بھی مرتہن پر یہ ضرور نہیں کہ مرہون کا جز واپس کرے جب تک پورا دَین ادا نہ ہو جائے یا مرتہن معاف نہ کردے واپس کرنے پر مجبور نہیں ہاں اگر دو چیزیں رہن رکھی ہیں اور ہر ایک کے مقابل میں دَین کا حصہ مقرر کردیا ہے مثلاً سو ۱۰۰ روپے قرض لئے اور دو چیزیں رہن کیں کہہ دیا کہ ساٹھ روپے کے مقابل میں یہ ہے اور چالیس کے مقابل میں وہ تو اس صورت میں جس کے مقابل کا دَین ادا کیا اُسے چھوڑا سکتا ہے کہ یہاں حقیقۃً دو عقد ہیں۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

کپڑے کو خرید کر رہن میں رکھ دینے کا بیان

قَالَ (وَمَنِ اشْتَرَى ثَوْبًا بِدَرَاهِمَ فَقَالَ لِلْبَائِعِ أَمْسِكْ هَذَا الثَّوْبَ حَتَّى أُعْطِيَكَ الثَّمَنَ فَالثَّوْبُ رَهْنٌ) ؛ لِأَنَّهُ أَتَى بِمَا يُنْبِئُ عَنْ مَعْنَى الرَّهْنِ وَهُوَ الْحَبْسُ إلَى وَقْتِ الْإِعْطَاءِ ، وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَعَانِي حَتَّى كَانَتْ الْكَفَالَةُ بِشَرْطِ بَرَاءَةِ الْأَصِيلِ حَوَالَةً ، وَالْحَوَالَةُ فِي ضِدِّ ذَلِكَ كَفَالَةٌ وَقَالَ زُفَرُ : لَا يَكُونُ رَهْنًا ، وَمِثْلُهُ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّ قَوْلَهُ : أَمْسِكْ يَحْتَمِلُ الرَّهْنَ وَيَحْتَمِلُ الْإِيدَاعَ ، وَالثَّانِي أَقَلُّهُمَا فَيَقْضِي بِثُبُوتِهِ بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ : أَمْسِكْهُ بِدَيْنِك أَوْ بِمَالِك ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا قَابَلَهُ بِالدَّيْنِ فَقَدْ عَيَّنَ جِهَةَ الرَّهْنِ قُلْنَا : لَمَّا مَدَّهُ إلَى الْإِعْطَاءِ عَلِمَ أَنَّ مُرَادَهُ الرَّهْنُ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی شخص نے دراہم کے بدلے میں کپڑے کو خرید کر بائع سے کہا ہے کہ تم اس کپڑے کو رہن رکھ لو حتیٰ کہ میں تم کو اس کپڑے کی قیمت ادا کر دوں۔ تو وہ کپڑا رہن میں رہے گا۔ کیونکہ خریدار نے رہن کے معنی کو ادا کرنے والا جملہ بول دیا ہے۔ اور وہ قیمت دینے تک کپڑے کو روک لینا ہے۔ اور عقود میں معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ برأت اصل کی شرط کے ساتھ کفالہ حوالہ بن جاتا ہے۔ جبکہ اس کی ضد میں حوالہ کفالت ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ کپڑا رہن نہ ہوگا اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ کیونکہ خریدار کو قول رک جانے والا یہ رہن کا احتمال بھی رکھتا ہے اور قبضے کا احتمال بھی رکھتا ہے اور قبضہ ان دونوں میں ہلکا ہے۔ پس اس کو ثابت کرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب خریدار نے کہا "اس قرض کو یا مال کو روک لو" کیونکہ اب اس نے کپڑے کو دین کا مد مقابل بنایا ہے تو اس سے جہت رہن معین ہو جائے گی۔ اور ہم نے بھی کہا ہے کہ جب اس نے روکنے کو لینے تک لمبا کر دیا ہے تو اس کی مراد رہن ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مدیون نے دائن کو دو کپڑے دیے اور یہ کہا کہ ان میں سے جس کو چاہو رہن رکھ لو اُس نے دونوں رکھ لئے کوئی بھی رہن نہ ہوا جب تک ایک کو معین نہ کرلے اور وہ ضامن نہیں ہوگا اور ضائع ہونے سے دَین ساقط نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر بیس روپے باقی تھے دائن نے مانگے مدیون نے اس کے پاس سو روپے ڈال دیے کہ تم ان میں سے اپنے بیس لے لو اور ابھی اس نے لئے نہیں کہ یہ سب روپے ضائع ہو گئے تو مدیون کے گئے، دائن کا دَین بحالہ باقی ہے۔

(در مختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

فَصْلٌ

﴿یہ فصل امور رہن کے بیان میں ہے﴾

فصل امور رہن کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے یہاں سے رہن سے متعلق ان امور کو ذکر کیا ہے جن میں تعدد ہے اور تعدد کا افراد سے مؤخر ہونا واضح ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

ایک ہزار کے بدلے میں دو غلاموں کو رہن میں رکھنے کا بیان

(وَمَنْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ بِأَلْفٍ فَقَضَى حِصَّةَ أَحَدِهِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَقْبِضَهُ حَتَّى يُؤَدِّيَ بَاقِيَ الدَّيْنِ) وَحِصَّةُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا يَخُصُّهُ إذَا قُسِّمَ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَتِهِمَا ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ مَحْبُوسٌ بِكُلِّ الدَّيْنِ فَيَكُونُ مَحْبُوسًا بِكُلِّ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَائِهِ مُبَالَغَةً فِي حَمْلِهِ عَلَى قَضَاءِ الدَّيْنِ وَصَارَ كَالْمَبِيعِ فِي يَدِ الْبَائِعِ ، فَإِنْ سَمَّى لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ أَعْيَانِ الرَّهْنِ شَيْئًا مِنْ الْمَالِ الَّذِي رَهَنَهُ بِهِ ، فَكَذَا الْجَوَابُ فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ : وَفِي الزِّيَادَاتِ : لَهُ أَنْ يَقْبِضَهُ إذَا أَدَّى مَا سَمَّى لَهُ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْعَقْدَ مُتَّحِدٌ لَا يَتَفَرَّقُ بِتَفَرُّقِ التَّسْمِيَةِ كَمَا فِي الْمَبِيعِ وَجْهُ الثَّانِي أَنَّهُ لَا حَاجَةَ إلَى الِاتِّحَادِ ؛ لِأَنَّ أَحَدَ الْعَقْدَيْنِ لَا يَصِيرُ مَشْرُوطًا فِي الْآخَرِ ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ لَوْ قَبِلَ الرَّهْنَ فِي أَحَدِهِمَا جَازَ .

ترجمہ

اور جس بندے نے ایک ہزار کے بدلے میں دو غلاموں کو رہن میں رکھ دیا ہے اور اس کے بعد ان میں سے ایک کا حصہ ادا کر دیا ہے تو بقیہ قرض ادا کرنے سے پہلے اس کیلئے غلام پر قبضہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اور ان میں سے ہر ایک کیلئے حصہ وہ ہے جو قرض کو ان کی قیمت پر تقسیم کرنے کے بعد حصے میں آئے۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ رہن کا قید میں ہونا یہ کل قرض کے بدلے میں ہے۔ پس قرض کے حصوں میں سے ہر حصے کے بدلے میں رہن محبوس ہوگی۔ اس لئے کہ قرض کی ادائیگی کیلئے رہن کو برانگیختہ کیا جائے۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح مبیع بائع کیلئے مقصد ہوتا ہے۔

اور جب راہن نے اعیان مرہونہ میں کسی ایک کیلئے مال کو معین کر دیا ہے جن کے بدلے میں رہن رکھی ہوئی ہے۔ تب بھی مبسوط کی روایت کے مطابق حکم اسی طرح ہوگا جبکہ زیادات میں ہے جب راہن نے مرہونہ کا معین کردہ حصہ ادا کر دیا ہے تو اس کو اس مرہونہ پر قبضہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ پہلے حکم کی دلیل یہ ہے کہ عقد متحد ہے پس وہ متفرق ذکر کرنے کے سبب سے الگ نہ ہوگا جس طرح بیع میں ہوتا ہے اور دوسرے حکم کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اتحاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دونوں عقدوں میں سے کوئی عقد کسی دوسرے کیلئے شرط نہیں ہے کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ جب مرتہن دونوں میں سے کسی ایک کو رہن میں قبول کر لیتا ہے تو یہ اس کیلئے جائز ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہزار روپے قرض لئے اور دو چیزیں رہن رکھیں تو دونوں چیزیں پورے دَین کے مقابل میں (1) رہن ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کے حصہ کا دَین ادا کر کے فک رہن کرالے جب تک پورا دَین ادا نہ کرلے ایک کو بھی نہیں چھوڑا سکتا۔ ہاں اگر رہن رکھتے وقت ہر ایک کے مقابل میں دَین کا حصہ نامزد کر دیا ہو مثلاً یہ کہہ دیا ہو کہ چھ سو۰۰ کے مقابل میں یہ ہے اور چار سو۰۰ کے مقابل میں یہ ہے اور ادا کرتے وقت کہہ دیا کہ اس کے مقابل کا دَین ادا کرتا ہوں تو اس کا فک رہن ہوسکتا ہے کہ یہ ایک رہن نہیں بلکہ دو عقد ہیں۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

اور اگر دو چیزیں رہن رکھیں اور یہ کہہ دیا کہ اتنے دَین کے مقابل میں ایک اور اتنے کے مقابل میں دوسری مگر یہ معین نہیں کیا کہ کس کے مقابل میں کون ہے تو رہن صحیح نہیں۔ (فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مقروض کا دو بندوں کے پاس کسی چیز کو رہن رکھنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ رَهَنَ عَيْنًا وَاحِدَةً عِنْدَ رَجُلَيْنِ بِدَيْنٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَيْهِ جَازَ ، وَجَمِيعُهَا رَهْنٌ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ أُضِيفَ إلَى جَمِيعِ الْعَيْنِ فِي صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَا شُيُوعَ فِيهِ ، وَمُوجَبُهُ صَيْرُورَتُهُ مُحْتَبَسًا بِالدَّيْنِ ، وَهَذَا مِمَّا لَا يَقْبَلُ الْوَصْفَ بِالتَّجَزِّي فَصَارَ مَحْبُوسًا بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا ، وَهَذَا بِخِلَافِ الْهِبَةِ مِنْ رَجُلَيْنِ حَيْثُ لَا تَجُوزُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (فَإِنْ تَهَايَآ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَوْبَتِهِ كَالْعَدْلِ فِي حَقِّ الْآخَرِ) قَالَ (وَالْمَضْمُونُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حِصَّتُهُ مِنْ الدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّ عِنْدَ الْهَلَاكِ يَصِيرُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُسْتَوْفِيًا حِصَّتَهُ ؛ إذْ الِاسْتِيفَاءُ مِمَّا يَتَجَزَّأُ قَالَ (فَإِنْ أَعْطَى أَحَدُهُمَا دَيْنَهُ كَانَ كُلُّهُ رَهْنًا فِي يَدِ الْآخَرِ) ؛ لِأَنَّ جَمِيعَ الْعَيْنِ رَهْنٌ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ غَيْرِ تَفَرُّقٍ وَعَلَى هَذَا حَبْسُ الْمَبِيعِ إذَا أَدَّى أَحَدُ الْمُشْتَرِيَيْنِ حِصَّتَهُ مِنْ الثَّمَنِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی مقروض آدمی نے دو بندوں کے پاس ایسے قرض کے بدلے میں کوئی چیز رہن میں رکھ دی ہے جو قرض ان دونوں کا اس کے ذمہ پر ہے تو یہ جائز ہے۔ اور وہ چیز ساری کی ساری ان میں سے ہر ایک کے پاس رہن ہوگی۔ کیونکہ ایک ہی معاملہ میں پوری چیز کی جانب رہن کو منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی اشتراک نہیں ہے۔ اور رہن کا حکم یہ ہے قرض کے بدلے میں مرہون کا محبوس ہونا ہے۔ اور ایسی چیزوں میں سے ہے جو اجزاء کے وصف کو قبول کرنے والی نہیں ہیں۔ پس مرہون ان میں سے ہر ایک کے بدلے میں محبوس ہو جائے گی۔ جبکہ یہی دو بندوں میں ہبہ کرنے کے خلاف ہے پس امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگا۔ اور اس کے بعد جب دونوں قرض والوں نے آپس میں مہایات کر لی ہے تو ان میں سے ہر ایک شخص دوسرے کے حق میں اپنی باری پر عدل کرنے والے بندے کی طرح ہو جائے گا۔

اور جب قرض خواہوں میں سے ہر ایک پر قرض میں سے ایک حصہ اس کیلئے مضمون ہے کیونکہ ہلاکت کے وقت ان میں سے ہر ایک اپنا حصہ وصول کرنے والا بنے گا۔ کیونکہ وصولی میں حصے ہو سکتے ہیں۔

فرمایا کہ جب راہن نے ان میں سے کسی ایک کا قرض ادا کر دیا ہے تو ساری مرہونہ چیز دوسرے کے قبضہ میں رہے گی کیونکہ ساراعین ان میں سے ہر ایک کے قبضہ میں بطور رہن ہے جس میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ اور مبیع کا روکنا بھی اسی حکم کے مطابق ہے کہ جب دو خریداروں میں سے ایک خریدار نے اپنے حصے کی قیمت کو ادا کر دیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے پاس ایک چیز رہن رکھی اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر یہ کہہ دیا کہ آدھی اس کے پاس رہن ہے اور آدھی اُس کے پاس یہ ناجائز کہ مشاع کا رہن ناجائز ہے اور اگر اس قسم کی تفصیل نہیں کی ہے اور ایک نے قبول کیا دوسرے نے نامنظور کیا جب بھی صحیح نہیں اور دونوں نے قبول کرلیا تو وہ چیز پوری پوری دونوں کے پاس رہن ہے اس کی ضرورت نہیں کہ دونوں نے اس شخص کو مشترک طور پر دَین دیا ہو دونوں میں شرکت ہو یا نہ ہو بہر حال وہ چیز دونوں کے پاس رہن ہے راہن اپنی چیز اسی وقت لے سکتا ہے کہ دونوں کا پورا پورا دَین ادا کر دے اور ایک کا پورا دَین ادا کر دیا تو پوری چیز اُسی کے پاس رہن ہے جس کا دَین باقی ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

دو بندوں کا قرض کے بدلے میں کسی چیز کو رہن میں رکھنے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ رَهَنَ رَجُلَانِ بِدَيْنٍ عَلَيْهِمَا رَجُلًا رَهْنًا وَاحِدًا فَهُوَ جَائِزٌ وَالرَّهْنُ رَهْنٌ بِكُلِّ الدَّيْنِ ، وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يُمْسِكَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ جَمِيعَ الدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّ قَبْضَ الرَّهْنِ يَحْصُلُ فِي الْكُلِّ مِنْ غَيْرِ شُيُوعٍ (فَإِنْ أَقَامَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ رَهَنَهُ

عَبْدَهُ الَّذِي فِي يَدِهِ وَقَبَضَهُ فَهُوَ بَاطِلٌ) ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَثْبَتَ بِبَيِّنَتِهِ أَنَّهُ رَهَنَهُ كُلَّ الْعَبْدِ ، وَلَا وَجْهَ إلَى الْقَضَاءِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْكُلِّ ؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ الْوَاحِدَ يَسْتَحِيلُ أَنْ يَكُونَ كُلُّهُ رَهْنًا لِهَذَا وَكُلُّهُ رَهْنًا لِذَلِكَ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ ، وَلَا إلَى الْقَضَاءِ بِكُلِّهِ لِوَاحِدٍ بِعَيْنِهِ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ ، وَلَا إلَى الْقَضَاءِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالنِّصْفِ ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إلَى الشُّيُوعِ فَتَعَذَّرَ الْعَمَلُ بِهِمَا وَتَعَيَّنَ التَّهَاتُرُ وَلَا يُقَالُ : إنَّهُ يَكُونُ رَهْنًا لَهُمَا كَأَنَّهُمَا ارْتَهَنَاهُ مَعًا إذَا جُهِلَ التَّارِيخُ بَيْنَهُمَا ،

وَجُعِلَ فِي كِتَابِ الشَّهَادَاتِ هَذَا وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ لِأَنَّا نَقُولُ : هَذَا عَمَلٌ عَلَى خِلَافِ مَا اقْتَضَتْهُ الْحُجَّةُ ؛ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا أَثْبَتَ بِبَيِّنَتِهِ حَبْسًا يَكُونُ وَسِيلَةً إلَى مِثْلِهِ فِي الِاسْتِيفَاءِ ، وَبِهَذَا الْقَضَاءِ يَثْبُتُ حَبْسٌ يَكُونُ وَسِيلَةً إلَى شَطْرِهِ فِي الِاسْتِيفَاءِ ، وَلَيْسَ هَذَا عَمَلًا عَلَى وَفْقِ الْحُجَّةِ ، وَمَا ذَكَرْنَاهُ وَإِنْ كَانَ قِيَاسًا لَكِنَّ مُحَمَّدًا أَخَذَ بِهِ لِقُوَّتِهِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب بندوں نے اپنے اوپر ہونے والے قرض کے بدلے میں کسی شخص کے پاس کوئی چیز رہن میں رکھ دی ہے تو وہ جائز ہے۔اور وہ رہن سارے قرض کے بدلے میں رہن ہو جائے گی۔اور مرتہن کیلئے یہ حق حاصل ہوگا۔کہ وہ سارا قرض وصول ہونے تک اس رہن کو روک کر رکھے۔کیونکہ رہن کا قبضہ سارے شیوع کے سوا داخل ہونے والا ہے۔

اور جب دونوں بندوں میں سے ہر ایک نے اس کے خلاف گواہی قائم کر لی ہے کہ اس بندے کے قبضہ میں جو غلام ہے اسی نے اس مدعی کے ہاں رہن میں رکھا تھا۔اور اس مدعی نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا تو یہ باطل ہوگا۔کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی گواہی کو ثابت کر دیا ہے۔کہ راہن نے سارا غلام اس کے پاس رہن میں رکھا ہوا تھا۔جبکہ ان میں سے ہر ایک کیلئے سارے غلام کو قبضہ میں کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔کیونکہ ایک غلام کا ایک حالت میں کلی طور پر رہن ہونا اور اس کے راہن ہونا یہ دونوں محال ہے۔اور ان میں سے ان کیلئے کسی ایک معین غلام کیلئے بھی سارے غلام کا فیصلہ کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔کیونکہ ان میں سے کسی ایک کو اول قرار دینا نہیں ہے۔اور نہ ہی نصف نصف غلام ان میں سے ہر ایک کیلئے فیصلہ کر دینے کا کوئی محل ہے کیونکہ یہ شیوع کی جانب لے جانے والا ہوگا۔پس دونوں شہادتوں پر عمل ناممکن ہونے کے سبب سے سقوط معین ہو چکا ہے۔

اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ غلام ان دونوں کیلئے رہن بن جائے گا۔کیونکہ ان دونوں نے اکٹھے ہی اس کو رہن میں لیا ہے اور دونوں گواہیوں کے درمیان تاریخ بھی نہ معلوم ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط کی کتاب شہادات میں اس کو استحسان قرار دیا ہے۔ جبکہ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ دلیل کے تقاضہ کے خلاف ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی شہادت سے ایسا محبوس ہونا ثابت کر گیا ہے جو استیفاء میں اس جیسی قید کا ذریعہ ہے۔ پس اس فیصلہ سے ایسی قید ثابت ہو جائے گی جو استیفاء میں اس کے نصف کا ذریعہ بنے گی جبکہ یہ عمل موافق دلیل نہیں ہے۔ اور جو ہم نے اب تک بیان کیا ہے یہ قیاس ہے مگر امام محمد علیہ الرحمہ نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہ مضبوط ہے۔

شرح

اور جب دو شخصوں کے پاس ایک چیز رہن رکھی اور وہ چیز قابلِ تقسیم ہے دونوں تقسیم کر کے آدھی آدھی اپنے قبضہ میں کر لیں اور اس صورت میں اگر پوری چیز ایک ہی کے قبضہ میں دے دی تو جس نے دی وہ ضامن ہے۔ اور اگر چیز نا قابلِ تقسیم ہے تو دونوں باریاں مقرر کر لیں اپنی اپنی باری میں ہر ایک پوری چیز اپنے قبضہ میں رکھے اس صورت میں وہ چیز جس کے پاس اُس کی باری میں ہے تو دوسرے کی طرف سے اُس کا حکم یہ ہے کہ جیسے کسی معتبر آدمی کے پاس شے مرہون ہوتی ہے۔ (زیلعی)

راہن کے فوت جانے اور غلام کے دو مدعیان ہونے کا بیان

وَإِذَا وَقَعَ بَاطِلًا فَلَوْ هَلَكَ يَهْلِكُ أَمَانَةً ؛ لِأَنَّ الْبَاطِلَ لَا حُكْمَ لَهُ قَالَ (وَلَوْ مَاتَ الرَّاهِنُ وَالْعَبْدُ فِي أَيْدِيهِمَا فَأَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى مَا وَصَفْنَاهُ كَانَ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُهُ رَهْنًا يَبِيعُهُ بِحَقِّهِ اسْتِحْسَانًا) وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَفِي الْقِيَاسِ : هَذَا بَاطِلٌ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ ؛ لِأَنَّ الْحَبْسَ لِلِاسْتِيفَاءِ حُكْمٌ أَصْلِيٌّ لِعَقْدِ الرَّهْنِ فَيَكُونُ الْقَضَاءُ بِهِ قَضَاءً بِعَقْدِ الرَّهْنِ وَأَنَّهُ بَاطِلٌ لِلشُّيُوعِ كَمَا فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الْعَقْدَ لَا يُرَادُ لِذَاتِهِ ، وَإِنَّمَا يُرَادُ لِحُكْمِهِ ، وَحُكْمُهُ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ الْحَبْسُ وَالشُّيُوعُ يَضُرُّهُ ، وَبَعْدَ الْمَمَاتِ الِاسْتِيفَاءُ بِالْبَيْعِ فِي الدَّيْنِ وَالشُّيُوعُ لَا يَضُرُّهُ ، وَصَارَ كَمَا إِذَا ادَّعَى الرَّجُلَانِ نِكَاحَ امْرَأَةٍ أَوْ ادَّعَتْ أُخْتَانِ النِّكَاحَ عَلَى رَجُلٍ وَأَقَامُوا الْبَيِّنَةَ تَهَاتَرَتْ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ وَيُقْضَى بِالْمِيرَاثِ بَيْنَهُمْ بَعْدَ الْمَمَاتِ ؛ لِأَنَّهُ يَقْبَلُ الِانْقِسَامَ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور جب رہن کا وقوع باطل ہو جائے تو اب اگر مرہونہ چیز ہلاک ہو جائے تو وہ امانت بن کر ضائع ہونے والی ہے کیونکہ باطل کیلئے کوئی حکم نہیں ہوا کرتا۔ (قاعدہ فقہیہ)

فرمایا کہ جب راہن فوت ہو جائے اور اس کا غلام دونوں مدعیان کے قبضہ میں ہے اور ان میں سے ہر ایک نے ہمارے بیان کردہ اصول کے مطابق گواہی پیش کردی ہے۔ تو بطور استحسان غلام کا نصف ان میں سے ہر ایک کے قبضہ میں رہن ہوگا جس کو اپنے حق میں بیچ سکتا ہے۔ اور طرفین کا قول بھی اسی طرح ہے۔

جبکہ قیاس کے مطابق یہ باطل ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ حبس کا استیفاء ہو جانا یہ رہن کے حکم کیلئے اصل ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) پس استیفاء کیلئے حبس کا فیصلہ عقد رہن کا فیصلہ بن جائے گا حالانکہ شیوع کے سبب عقد رہن کا فیصلہ باطل ہے جس طرح راہن کی زندگی میں باطل ہے۔

اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ رہن کا عقد یہ خود مقصود نہیں ہوا کرتا بلکہ مقصود اس کا حکم ہوتا ہے اور راہن کی زندگی میں رہن کا حکم قید ہے۔ جبکہ شیوع قید کیلئے نقصان دہ ہے۔ اور راہن کے فوت ہو جانے کے بعد رہن کا حکم مرہون کی بیع کے ذریعے قرض کو وصول کرنا ہے۔ لہٰذا اب شیوع بیع کیلئے نقصان دہ نہ ہوگا اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب دو بندوں نے کسی عورت سے نکاح کا دعویٰ کیا ہے۔ یا پھر دو بہنوں نے کسی بندے سے نکاح کا دعویٰ کر دیا ہے اور سب نے گواہی قائم کردی ہے۔ تو زندگی میں یہ گواہیاں ساقط ہو جائیں گی۔ لیکن موت کے بعد ان کے درمیان میراث کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ میراث تقسیم کو قبول کرنے والی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے پاس چیز رہن رکھی اور وہ ہلاک ہوگئی تو ہر ایک اپنے حصہ کے مطابق ضامن ہے مثلاً ایک شخص کے دس۱۰ روپے تھے دوسرے کے پانچ تھے اور دونوں کے پاس ایک چیز تیس۳۰ روپے کی رہن رکھ دی اُس چیز کے دو حصے ضائع ہوگئے ایک حصہ باقی ہے تو یہ حصہ جو باقی رہ گیا ہے دونوں پر تقسیم ہوگا۔ یعنی دو تہائیاں دس۱۰ والے کی اور ایک تہائی پانچ والے کی [illegible] ۱۰ والے کی دو تہائیاں ساقط ہوگئیں ایک تہائی باقی ہے یعنی تین روپے پانچ آنے چار پائی اور پانچ والے کی دو تہائیاں ساقط ہوئیں ایک تہائی باقی ہے یعنی ایک روپیہ دس آنے آٹھ پائی۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

دو شخصوں پر ایک شخص کا دَین ہے دونوں نے ایک چیز دائن کے پاس رہن رکھی یہ رہن صحیح ہے اور پورے دَین کے مقابل میں چیز گروی ہے دونوں نے ایک ساتھ اس سے دَین لیا ہو یا الگ الگ دونوں صورتوں کا ایک حکم ہے۔ پھر اگر ایک نے اپنا دَین ادا کر دیا تو چیز کو واپس نہیں لے سکتا جب تک دوسرا بھی اپنے ذمہ کا دَین ادا نہ کر دے۔

باب الرهن يوضع على يد العدل

﴿یہ باب عادل کے پاس رکھی جانے والی رہن کے بیان میں ہے﴾

باب رہن ارجاع الی نائب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے جب وہ مسائل جو نفس راہن اور مرتہن کی جانب سے لوٹنے تھے ان کو بیان کر دیا ہے تو اب یہاں سے ان کے نائب کی جانب لوٹنے والے مسائل کو بیان کر رہے ہیں۔ اور کا نائب عادل شخص ہے۔ اور یہ اصول ہے کہ نائب کا حکم اصل کے حکم پر موقوف ہوتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

رہن رکھنے میں راہن و مرتہن کے رضامند ہو جانے کا بیان

(قَالَ وَإِذَا اتَّفَقَا عَلَى وَضْعِ الرَّهْنِ عَلَى يَدِ الْعَدْلِ جَازَ وَقَالَ مَالِكٌ : لَا يَجُوزُ) ذَكَرَ قَوْلَهُ فِي بَعْضِ النُّسَخِ ؛ لِأَنَّ يَدَ الْعَدْلِ يَدُ الْمَالِكِ وَلِهَذَا يَرْجِعُ الْعَدْلُ عَلَيْهِ عِنْدَ الِاسْتِحْقَاقِ فَانْعَدَمَ الْقَبْضُ وَلَنَا أَنَّ يَدَهُ عَلَى الصُّورَةِ يَدُ الْمَالِكِ فِي الْحِفْظِ ؛ إذْ الْعَيْنُ أَمَانَةٌ ، وَفِي حَقِّ الْمَالِيَّةِ يَدُ الْمُرْتَهِنِ ؛ لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ ضَمَانٍ وَالْمَضْمُونُ هُوَ الْمَالِيَّةُ فَنُزِّلَ مَنْزِلَةَ الشَّخْصَيْنِ تَحْقِيقًا لِمَا قَصَدَاهُ مِنْ الرَّهْنِ ، وَإِنَّمَا يَرْجِعُ الْعَدْلُ عَلَى الْمَالِكِ فِي الِاسْتِحْقَاقِ ؛ لِأَنَّهُ نَائِبٌ عَنْهُ فِي حِفْظِ الْعَيْنِ كَالْمُودَعِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب راہن اور مرتہن دونوں کسی عادل شخص کے رہن رکھنے پر متفق ہو جائیں تو جائز ہے جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے اور ان کا یہ قول بعض نسخوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ عادل کا قبضہ مالک کا قبضہ ہوتا ہے اس لئے ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر چہ مرہونہ کی حفاظت کے پیش نظر عادل کا قبضہ ایک مالک کے قبضے کی مثل ہے مگر عین مرہونہ تو امانت ہے۔ اور اس کی مالیت پر مرتہن کا قبضہ ہے۔ کیونکہ مرتہن کا قبضہ ہی ضمان کا قبضہ ہے۔ اور مالیت مضمون ہوا کرتی ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ راہن اور مرتہن کے مقصد رہن کو ثابت کرتے ہوئے عادل شخص کو دو بندوں کے حکم میں سمجھا جائے گا۔ اور حقدار ہونے کی وجہ سے عادل مالک سے رجوع اس لئے کرتا ہے کیونکہ وہ عین مرہونہ کی حفاظت میں دو مالکوں کے قائم مقام ہوتا ہے جس طرح مودع ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عقد رہن میں راہن ومرتہن دونوں نے یہ شرط کی کہ مرہون چیز فلاں شخص کے پاس رکھ دی جائے گی یہ صحیح ہے اور اُس کے قبضہ کر لینے سے رہن مکمل ہوگیا یہ شخص مرتہن کے قائم مقام تصور کیا جائے گا اس کے پاس سے چیز ضائع ہوگئی تو وہی احکام ہیں جو مرتہن کے پاس ہلاک ہونے میں ہوتے ہیں ایسے معتبر شخص کو عدل کہتے ہیں کیونکہ راہن ومرتہن نے اُسے عادل ومعتبر سمجھ رکھا ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

اور رہن میں یہ شرط تھی کہ مرتہن کا قبضہ ہوگا پھر دونوں نے باتفاق رائے عادل کے پاس رکھ دیا یہ صورت بھی جائز ہے۔ دَین میعادی تھا اور معتبر شخص کو یہ کہہ دیا تھا کہ جب میعاد پوری ہو جائے رہن کو بیع کر ڈالے اور میعاد پوری ہوگئی مگر ابھی تک چیز پر اس کا قبضہ ہی نہیں تو رہن باطل ہوگیا مگر بیع کی وکالت اس کے لیے بدستور باقی ہے اب بھی بیع کر سکتا ہے۔
(فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

راہن ومرتہن کا عادل شخص سے رہن لینے کا حق نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ وَلَا لِلرَّاهِنِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْهُ) لِتَعَلُّقِ حَقِّ الرَّاهِنِ فِي الْحِفْظِ بِيَدِهِ وَأَمَانَتِهِ وَتَعَلُّقِ حَقِّ الْمُرْتَهِنِ بِهِ اسْتِيفَاءً فَلَا يَمْلِكُ أَحَدُهُمَا إِبْطَالَ حَقِّ الْآخَرِ (فَلَوْ هَلَكَ فِي يَدِهِ هَلَكَ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ) ؛ لِأَنَّ يَدَهُ فِي حَقِّ الْمَالِيَّةِ يَدُ الْمُرْتَهِنِ وَهِيَ الْمَضْمُونَةُ ، (وَلَوْ دَفَعَ الْعَدْلُ إِلَى الرَّاهِنِ أَوْ الْمُرْتَهِنِ ضَمِنَ) ؛ لِأَنَّهُ مُودَعُ الرَّاهِنِ فِي حَقِّ الْعَيْنِ وَمُودَعُ الْمُرْتَهِنِ فِي حَقِّ الْمَالِيَّةِ وَأَحَدُهُمَا أَجْنَبِيٌّ عَنْ الْآخَرِ ، وَالْمُودَعُ يَضْمَنُ بِالدَّفْعِ إِلَى الْأَجْنَبِيِّ

ترجمہ

فرمایا کہ راہن اور مرتہن کیلئے یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ مرہونہ چیز کو عادل سے واپس لیں کیونکہ اس عادل کا قبضہ اور مرہونہ کی حفاظت کی وجہ سے راہن کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔ اور وصولی کے اعتبار سے مرتہن کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔ پس ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے حق کو باطل کرنے کا مالک نہیں ہے پس جب مرہونہ چیز عادل کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو وہ مرتہن کے ضمان میں ہلاک ہونے والی ہے۔ کیونکہ مالیت کے اعتبار سے عادل کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہے۔ اور مالیت ہی مضمون ہوتی ہے۔

اور جب عادل نے وہ مرہونہ چیز راہن یا مرتہن کو دے دی ہے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ عین مرہونہ کے حق میں عادل شخص مودَع کی طرح ہے۔ اور مالیت کے اعتبار سے وہ مرتہن کا مودَع ہے اور راہن ومرتہن یہ دونوں ایک دوسرے کے غیر ہیں۔ اور

مودَع اجنبی شخص کو دینے کا ضامن ہوتا ہے۔ (اصول فقہ)

شرح

اور راہن نے مرتہن کو یا عادل کو یا کسی اور شخص کو بیع کا وکیل کر دیا تھا کہہ دیا تھا کہ جب دَین کی میعاد پوری ہو جائے تو اس کو بیچ ڈالنا یا مطلقاً وکیل کر دیا ہے۔ میعاد پوری ہونے کی قید نہیں لگائی ہے یہ توکیل صحیح ہے اس وکیل کا بیچنا جائز ہے۔ بشرطیکہ جس وقت اسے وکیل کیا ہے اس وقت اس میں بیع کی اہلیت ہو اور اگر اہلیت نہ ہو تو یہ توکیل صحیح نہیں مثلاً ایک چھوٹے بچہ کو بیع مرہون کا وکیل کیا وہ بچہ اب بالغ ہو گیا اور بیچنا چاہتا ہے بیع نہیں کر سکتا کہ وہ وکیل ہی نہیں ہوا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مدفوع الیہ کا مرہونہ کا استعمال کر کے ہلاک کرنے کا بیان

(وَإِذَا ضَمِنَ الْعَدْلُ قِيمَةَ الرَّهْنِ بَعْدَ مَا دَفَعَ إِلَى أَحَدِهِمَا وَقَدْ اسْتَهْلَكَهُ الْمَدْفُوعُ عَلَيْهِ أَوْ هَلَكَ فِي يَدِهِ لَا يَقْدِرُ أَنْ يَجْعَلَ الْقِيمَةَ رَهْنًا فِي يَدِهِ) ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ قَاضِيًا وَمُقْتَضِيًا وَبَيْنَهُمَا تَنَافٍ ، لَكِنْ يَتَّفِقَانِ عَلَى أَنْ يَأْخُذَاهَا مِنْهُ وَيَجْعَلَاهَا رَهْنًا عِنْدَهُ أَوْ عِنْدَ غَيْرِهِ وَلَوْ تَعَذَّرَ اجْتِمَاعُهُمَا يَرْفَعُ أَحَدُهُمَا إِلَى الْقَاضِي لِيَفْعَلَ كَذَلِكَ ، وَلَوْ فَعَلَ ذَلِكَ ثُمَّ قَضَى الرَّاهِنُ الدَّيْنَ وَقَدْ ضَمِنَ الْعَدْلُ الْقِيمَةَ بِالدَّفْعِ إِلَى الرَّاهِنِ فَالْقِيمَةُ سَالِمَةٌ لَهُ لِوُصُولِ الْمَرْهُونِ إِلَى الرَّاهِنِ وَوُصُولِ الدَّيْنِ إِلَى الْمُرْتَهِنِ وَلَا يَجْتَمِعُ الْبَدَلُ وَالْمُبْدَلُ فِي مِلْكٍ وَاحِدٍ (وَإِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِالدَّفْعِ إِلَى الْمُرْتَهِنِ فَالرَّاهِنُ يَأْخُذُ الْقِيمَةَ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ لَوْ كَانَتْ قَائِمَةً فِي يَدِهِ يَأْخُذُهَا إِذَا أَدَّى الدَّيْنَ ، فَكَذَلِكَ يَأْخُذُ مَا قَامَ مَقَامَهَا ، وَلَا جَمْعَ فِيهِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ

ترجمہ

اور جب راہن و مرتہن نے کسی ایک شخص کو مرہونہ چیز دی ہے اور اس کے بعد وہ عادل آدمی اس کا ضامن بن گیا ہے اور جس کو وہ مرہونہ چیز دی گئی ہے اس نے اس کو استعمال کر کے ہلاک کر دیا ہے۔ یا پھر مرہونہ چیز اس کے قبضہ سے ہلاک ہو گئی ہے تو وہ عادل آدمی اس قیمت کو اپنے پاس رکھنے پر قدرت رکھنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہی لینے دینے والا ہے۔ جبکہ دونوں کے درمیان فرق ہے ہاں البتہ جب وہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ دونوں عادل سے قیمت وصول کر لیں اور اس کو اسی کے پاس یا کسی دوسرے کے پاس رہن رکھ دیں اور جب وہ متفق نہ ہوں تو ان میں سے کوئی ایک قاضی کے پاس فیصلہ لے جائے تا کہ قاضی ایسا فیصلہ کر دے۔ اور جب قاضی نے اس طرح فیصلہ کر دیا ہے اور اس کے بعد راہن نے قرض ادا کر دیا ہے جبکہ راہن مرہونہ کو دینے کے سبب عادل شخص

کی قیمت کا ضامن بنا تھا تو عادل کیلئے قیمت سلامتی میں رہ جائے گی۔ کیونکہ مرہونہ چیز راہن تک پہنچ گئی ہے اور قرض مرتہن تک پہنچ گیا ہے۔ پس ایک ہی بندے کی ملکیت میں بدل اور مبدل منہ اکٹھے نہ ہوں گے۔

اور جب مرتہن کو دینے کے سبب سے عادل قیمت کا ضامن بنا ہے تو راہن اس سے قیمت وصول کرے گا کیونکہ جب عادل کے پاس عین مرہونہ ہوتی تو راہن قرض کی ادائیگی کے وقت اس کو لینے والا ہو جاتا۔ پس وہ عین مرہونہ کے نائب کو بھی لینے والا بن جائے گا۔ کیونکہ اس میں بھی بدل اور مبدل منہ کو اکٹھا کرنا لازم نہیں آئے گا۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عادل سے قیمت کا تاوان لے کر پھر اسی کے پاس یا دوسرے کے پاس رہن رکھا گیا اور فرض کرو کہ اس نے مرہون راہن کو دیا تھا اور اس کے پاس ہلاک ہوا اس صورت میں راہن جب دَین ادا کر دے گا تو وہ تاوان عادل کو واپس مل جائے گا کہ مرتہن کو دَین وصول ہو گیا لہٰذا یہ تاوان لینے کا مستحق نہیں اور راہن کو خود اس کی مرہون شے وصول ہو چکی تھی پھر اس تاوان کو کیونکر لے سکتا ہے۔ اور اگر عادل سے مرتہن نے لیا تھا تو دَین ادا کرنے کے بعد یہ تاوان کی رقم راہن کو ملے گی کیونکہ راہن کی چیز کا یہ بدلہ ہے چیز نہیں ملی اور ہلاک ہو گئی تو تاوان جو اس کے قائم مقام ہے اُسے ملے گا۔ رہی یہ بات کہ عادل نے مرتہن کو دیا تھا اور اس کے پاس ہلاک ہوا تو مرتہن سے اس ضمان کو رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے اگر مرتہن کو بطور عاریت یا ودیعت دیا ہے تو رجوع نہیں کر سکتا جبکہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا ہو اس نے خود ہلاک نہ کیا ہو اور اگر مرتہن نے خود ہلاک کر دیا ہو تو رجوع کر سکتا ہے اور اگر مرتہن کو بطور رہن دیا ہو یہ کہہ دیا ہو کہ تمہارا جو حق ہے اس میں لے جاؤ تو اس صورت میں بہر حال مرتہن سے ضمان واپس لے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

راہن کا مرتہن یا کسی دوسرے شخص کو بیچنے میں وکیل بنانے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا وَكَّلَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ أَوْ الْعَدْلَ أَوْ غَيْرَهُمَا بِبَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُولِ الدَّيْنِ فَالْوَكَالَةُ جَائِزَةٌ) ؛ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ بِبَيْعِ مَالِهِ (وَإِنْ شُرِطَتْ فِي عَقْدِ الرَّهْنِ فَلَيْسَ لِلرَّاهِنِ أَنْ يَعْزِلَ الْوَكِيلَ ، وَإِنْ عَزَلَهُ لَمْ يَنْعَزِلْ) ؛ لِأَنَّهَا لَمَّا شُرِطَتْ فِي ضِمْنِ عَقْدِ الرَّهْنِ صَارَ وَصْفًا مِنْ أَوْصَافِهِ وَحَقًّا مِنْ حُقُوقِهِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لِزِيَادَةِ الْوَثِيقَةِ فَيَلْزَمُ بِلُزُومِ أَصْلِهِ ، وَلِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْمُرْتَهِنِ وَفِي الْعَزْلِ إتْوَاءُ حَقِّهِ وَصَارَ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ بِطَلَبِ الْمُدَّعِي (وَلَوْ وَكَّلَهُ بِالْبَيْعِ مُطْلَقًا حَتَّى مَلَكَ الْبَيْعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ ثُمَّ نَهَاهُ عَنْ الْبَيْعِ نَسِيئَةً لَمْ يَعْمَلْ نَهْيُهُ) ؛ لِأَنَّهُ لَازِمٌ بِأَصْلِهِ ، فَكَذَا بِوَصْفِهِ لِمَا ذَكَرْنَا ، وَكَذَا إذَا عَزَلَهُ الْمُرْتَهِنُ لَا يَنْعَزِلُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُوَكِّلْهُ وَإِنَّمَا وَكَّلَهُ غَيْرُهُ (وَإِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ لَمْ يَنْعَزِلْ) ؛

لِأَنَّ الرَّهْنَ لَا يَبْطُلُ بِمَوْتِهِ وَلِأَنَّهُ لَوْ بَطَلَ إِنَّمَا يَبْطُلُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَحَقُّ الْمُرْتَهِنِ مُقَدَّمٌ

ترجمہ

اور جب راہن نے مرتہن یا عادل یا کسی دوسرے بندے کو قرض کی ادائیگی کے وقت مرہونہ چیز کو بیچنے میں وکیل بنا دیا ہے تو ایسی وکالت جائز ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے مال کو بیچنے میں وکیل بنایا ہے۔ اور جب وکالت رہن کے عقد کے ساتھ مشروط ہو تو یہ حق راہن کا نہ ہوگا کہ وہ وکیل کو معزول کرے اور اگر راہن نے وکیل کو معزول کر بھی دیا تو وہ معزول نہ ہوگا۔ کیونکہ جب عقد رہن کے ضمن میں وکالت بطور شرط ہے تو وہ بھی اوصاف رہن میں سے ایک وصف بن جائے گا اور اس کے حقوق میں سے ایک حق بن جائے گا۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے ہیں کہ وکالت کا عقد مضبوط کرنے میں مبالغہ کیلئے ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنی اصل کے لازم ہونے کے سبب وہ بھی لازم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وکالت کے عقد کے ساتھ مرتہن کا یہ حق متعلق ہو چکا ہے۔ جبکہ اس کو ختم کرنے کی وجہ سے اس کے حق کو ہلاک کرنا لازم ہوگا۔ اور یہ طلب مدعی پر وکیل بہ خصومت والے مسئلے کی طرح بن جائے گا۔

اور جب راہن نے مطلق بیع پر کسی کو وکیل بنایا ہے حتیٰ کہ وہ وکیل نقد و ادھار دونوں طرح کی بیع کا مالک بن گیا ہے اور اس کے بعد راہن نے اس کو ادھار بیع کرنے سے منع کر دیا ہے۔ تو وہ منع نہ ہوگا۔ کیونکہ وکالت کے عقد اپنی اصل کے ساتھ لازم ہوا ہے پس وہ وصف کے ساتھ بھی لازم رہے گا۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور اسی طرح جب مرتہن وکیل کو معزول کر دے تب بھی وہ معزول نہ ہوگا کیونکہ مرتہن نے اس کو وکیل بنایا نہیں ہے بلکہ اس کو وکیل بنانے والا تو کوئی اور ہے۔

اور جب راہن فوت ہو گیا ہے تب بھی وکیل معزول نہ ہوگا کیونکہ راہن کے فوت ہو جانے کی وجہ سے رہن باطل نہیں ہوئی تو اسی طرح وکالت بھی باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ باطل ہوتی تو وارثوں کے حق میں باطل ہوتی جبکہ حق مرتہن مقدم ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ راہن نے مرتہن کو یا عادل کو یا کسی اور شخص کو بیع کا وکیل کر دیا تھا کہہ دیا تھا کہ جب دَین کی میعاد پوری ہو جائے تو اس کو بیچ ڈالنا یا مطلقاً وکیل کر دیا ہے۔ میعاد پوری ہونے کی قید نہیں لگائی ہے یہ توکیل صحیح ہے اس وکیل کا بیچنا جائز ہے۔ بشرطیکہ جس وقت اسے وکیل کیا ہے اس وقت اس میں بیع کی اہلیت ہو اور اگر اہلیت نہ ہو تو یہ توکیل صحیح نہیں مثلاً ایک چھوٹے بچہ کو بیع مرہون کا وکیل کیا وہ بچہ اب بالغ ہو گیا اور بیچنا چاہتا ہے بیع نہیں کر سکتا کہ وہ وکیل ہی نہیں ہوا۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

وکیل کیلئے مرہونہ کو ورثاء کی عدم موجودگی میں بیچنے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلِلْوَكِيلِ أَنْ يَبِيعَهُ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنْ الْوَرَثَةِ كَمَا يَبِيعُهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ

مِنْهُ ، وَإِنْ مَاتَ الْمُرْتَهِنُ فَالْوَكِيلُ عَلَى وَكَالَتِهِ) ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ لَا يَبْطُلُ بِمَوْتِهِمَا وَلَا بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا فَيَبْقَى بِحُقُوقِهِ وَأَوْصَافِهِ (وَإِنْ مَاتَ الْوَكِيلُ انْتَقَضَتْ الْوَكَالَةُ وَلَا يَقُومُ وَارِثُهُ وَلَا وَصِيُّهُ مَقَامَهُ) ؛ لِأَنَّ الْوَكَالَةَ لَا يَجْرِي فِيهَا الْإِرْثُ ، وَلِأَنَّ الْمُوَكِّلَ رَضِيَ بِرَأْيِهِ لَا بِرَأْيِ غَيْرِهِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إنَّ وَصِيَّ الْوَكِيلِ يَمْلِكُ بَيْعَهُ ؛ لِأَنَّ الْوَكَالَةَ لَازِمَةٌ فَيَمْلِكُهُ الْوَصِيُّ ، كَالْمُضَارِبِ إذَا مَاتَ بَعْدَمَا صَارَ رَأْسُ الْمَالِ أَعْيَانًا يَمْلِكُ وَصِيُّ الْمُضَارِبِ بَيْعَهَا لِمَا أَنَّهُ لَازِمٌ بَعْدَ مَا صَارَ أَعْيَانًا قُلْنَا : التَّوْكِيلُ حَقٌّ لَازِمٌ لَكِنْ عَلَيْهِ ، وَالْإِرْثُ يَجْرِي فِيمَا لَهُ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ ؛ لِأَنَّهَا حَقُّ الْمُضَارِبِ (وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَبِيعَهُ إلَّا بِرِضَا الرَّاهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ وَمَا رَضِيَ بِبَيْعِهِ (وَلَيْسَ لِلرَّاهِنِ أَنْ يَبِيعَهُ إلَّا بِرِضَا الْمُرْتَهِنِ) ؛ لِأَنَّ الْمُرْتَهِنَ أَحَقُّ بِمَالِيَّتِهِ مِنْ الرَّاهِنِ فَلَا يَقْدِرُ الرَّاهِنُ عَلَى تَسْلِيمِهِ بِالْبَيْعِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ وکیل کیلئے یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ وارثوں کی غیر موجودگی میں مرہونہ چیز کو بیچ دے جس طرح وہ راہن کی زندگی میں اس کی عدم موجودگی میں وہ بیچ سکتا ہے۔اور جب مرتہن فوت ہوجائے تو وکیل تب بھی اپنی وکالت پر باقی رہے گا۔ کیونکہ عقد ان دونوں یا ان دونوں میں سے کسی ایک فوت ہوجانے کے سبب باطل نہ ہوگا۔ پس وہ اپنے حقوق اوصاف کے ساتھ باقی رہنے والا ہے۔

اور جب وکیل فوت ہوجائے تو وکالت ختم ہوجائے گی۔اور وصی کا وارث اور اس کا وصی اس کے قائم مقام نہ ہوگا۔ کیونکہ وکالت میں وراثت جاری ہونے والی نہیں ہے۔ کیونکہ مؤکل وکیل کی رائے پر رضا مند ہے جبکہ وہ اس کے مرضی کے سوا پر راضی نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ وکیل کا وصی اس کو بیچنے کا اختیار رکھتا ہے۔ کیونکہ وکالت لازم ہے۔ پس وصی اس کا مالک بن جائے گا۔ جس طرح مضارب ہے۔ جب وہ رأس المال کے اعیان کے بعد فوت ہوجائے تو اس کا وصی ان اعیان کو بیچنے کا مالک ہوگا۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ راس المال کے اعیان ہوجانے کے بعد اس پر مضاربت لازم ہوتی ہے۔

ہم اس کا جواب دیں گے کہ وکالت لازمی حق ہے۔ لیکن وہ وکیل پر جاری ہوتا ہے جبکہ میراث ان چیزوں میں جاری ہوا کرتی ہے جو اس کیلئے ہو۔ جبکہ مضاربت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ مضارب کا حق ہے۔

اور مرتہن کو بھی یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ مرہونہ چیز کو راہن کی اجازت کے بغیر بیچ ڈالے کیونکہ وہ راہن کی ملکیت ہے۔ اور

راہن اس کو بیچنے پر راضی نہیں ہے۔اور راہن کیلئے بھی مرہونہ چیز کی بیع کرنا مرتہن کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مرتہن راہن سے بھی زیادہ مرہونہ کی مالیت کا حقدار ہے۔ پس بیع کے سبب راہن مرہونہ کو حوالے کرنے پر قدرت رکھنے والا نہ ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور وکیل کے مرجانے سے وکالت باطل ہو جائے گی اُس کا وارث یا وصی اس کا قائم مقام نہیں ہوگا کہ وکالت اسی کے ذم کے ساتھ وابستہ تھی یہ وکیل دوسرے شخص کو بیع کرنے کا وصی نہیں بنا سکتا مگر جبکہ وکالت میں اس کی شرط ہو تو وصی بنا سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

راہن کے غائب ہو جانے پر وکیل کو بیچنے پر مجبور کرنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ حَلَّ الْأَجَلُ وَأَبَى الْوَكِيلُ الَّذِي فِي يَدِهِ الرَّهْنُ أَنْ يَبِيعَهُ وَالرَّاهِنُ غَائِبٌ أُجْبِرَ عَلَى بَيْعِهِ) لِمَا ذَكَرْنَا مِنَ الْوَجْهَيْنِ فِي لُزُومِهِ (وَكَذَلِكَ الرَّجُلُ يُوَكِّلُ غَيْرَهُ بِالْخُصُومَةِ وَغَابَ الْمُوَكِّلُ فَأَبَى أَنْ يُخَاصِمَ أُجْبِرَ عَلَى الْخُصُومَةِ) لِلْوَجْهِ الثَّانِي وَهُوَ أَنَّ فِيهِ إِتْوَاءَ الْحَقِّ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ الْمُوَكِّلَ يَبِيعُ بِنَفْسِهِ فَلَا يَتْوِي حَقُّهُ ، أَمَّا الْمُدَّعِي لَا يَقْدِرُ عَلَى الدَّعْوَى وَالْمُرْتَهِنُ لَا يَمْلِكُ بَيْعَهُ بِنَفْسِهِ ، فَلَوْ لَمْ يَكُنْ التَّوْكِيلُ مَشْرُوطًا فِي عَقْدِ الرَّهْنِ وَإِنَّمَا شُرِطَ بَعْدَهُ قِيلَ لَا يُجْبَرُ اعْتِبَارًا بِالْوَجْهِ الْأَوَّلِ ، وَقِيلَ يُجْبَرُ رُجُوعًا إِلَى الْوَجْهِ الثَّانِي ، وَهَذَا أَصَحُّ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْجَوَابَ فِي الْفَصْلَيْنِ وَاحِدٌ ، وَيُؤَيِّدُهُ إِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَفِي الْأَصْلِ

ترجمہ

فرمایا کہ جب قرض کو ادا کرنے کا وقت آچکا ہے اور وہ وکیل جس کے پاس مرہونہ چیز ہے وہ اس کو بیچنے سے انکار کرنے والا ہے جبکہ راہن غائب ہو چکا ہے تو اس چیز کو بیچنے کیلئے وکیل کو مجبور کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ انہی دو دلائل کے مطابق ہے جس کو وکالت کے لازم ہو جانے میں بیان کر آئے ہیں۔

اور اسی طرح جب کسی شخص نے دوسرے آدمی کو وکیل بہ خصومت بنایا ہے۔ اور موکل غائب ہو چکا ہے اور وکیل نے مخاصمت سے انکار کر دیا ہے تو دوسری دلیل کے مطابق وکیل کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا اور دلیل یہ ہے کہ اس میں حق کو باطل کر دینا ہے۔ اور مسئلہ وکیل بہ بیع والے مسئلہ کے خلاف ہے کیونکہ وہاں موکل بہ ذات خود بیچنے والا ہے۔ پس اس کا حق باطل نہ ہوگا جبکہ مدعی دعوے پر قادر ہونے والا نہیں ہے۔ اور مرتہن یہ بہ ذات خود فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے۔

اور اس کے بعد جب وکالت رہن میں شرط نہ ہو بلکہ رہن کے بعد اس میں شرط لگائی گئی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ پہلی دلیل کا اعتبار کرتے ہوئے مجبور نہ کیا جائے گا اور دوسرا قول یہ ہے دوسری دلیل کا اعتبار کرتے ہوئے مجبور کیا جائے گا اور زیادہ درست بھی یہی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دونوں صورتوں میں حکم ایک جیسا ہے اور جامع صغیر اور مبسوط میں ہے اس جواب کا اطلاق اس کی تائید کرنے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عقد رہن میں بیع مرہون کی وکالت شرط تھی کہ مرتہن یا فلاں شخص اس چیز کو بیچ کر دے گا اس وکیل کو راہن اگر معزول کرنا چاہے نہیں کر سکتا یعنی معزول کرے تو بھی معزول نہیں ہوگا اور یہ وکالت ایسی ہے کہ نہ راہن کے مرنے سے ختم ہو نہ مرتہن کے مرنے سے اور اس وکیل کے لیے یہ ضروری نہیں کہ راہن یا مرتہن کی موجودگی ہی میں بیع کرے نہ یہ ضروری کہ وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثہ کی موجودگی میں بیع کرے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرہونہ کا سیل ہو کر رہن سے خارج ہو جانے کا بیان

(وَإِذَا بَاعَ الْعَدْلُ الرَّهْنَ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الرَّهْنِ ، وَالثَّمَنُ قَائِمٌ مَقَامَهُ فَكَانَ رَهْنًا ، وَإِنْ لَمْ يُقْبَضْ بَعْدُ) لِقِيَامِهِ مَقَامَ مَا كَانَ مَقْبُوضًا ، وَإِذَا تَوَى كَانَ مَالَ الْمُرْتَهِنِ لِبَقَاءِ عَقْدِ الرَّهْنِ فِي الثَّمَنِ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْمَبِيعِ الْمَرْهُونِ ، وَكَذَلِكَ إذَا قُتِلَ الْعَبْدُ الرَّهْنُ وَغَرِمَ الْقَاتِلُ قِيمَتَهُ ؛ لِأَنَّ الْمَالِكَ لَا يَسْتَحِقُّهُ مِنْ حَيْثُ الْمَالِيَّةُ ، وَإِنْ كَانَ بَدَلَ الدَّمِ فَأَخَذَ حُكْمَ ضَمَانِ الْمَالِ فِي حَقِّ الْمُسْتَحِقِّ فَبَقِيَ عَقْدُ الرَّهْنِ ، وَكَذَلِكَ لَوْ قَتَلَهُ عَبْدٌ فَدُفِعَ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَ الْأَوَّلِ لَحْمًا وَدَمًا .

ترجمہ

اور جب عادل نے مرہونہ چیز کو بیچ دیا ہے تو وہ رہن سے خارج ہو جائے گی۔ اور قیمت اس کے قائم مقام ہو جائے گی۔ پس وہ قیمت رہن بن جائے گی۔ اگر چہ قیمت پر قبضہ نہ بھی ہوا ہو۔ کیونکہ قیمت مقبوضہ رہن کے قائم مقام ہے۔ اور جب وہ قیمت ہلاک ہو جائے گی تو وہ مرتہن سے اس کا مال ہلاک ہوگا۔ کیونکہ قیمت میں رہن کا عقد باقی ہے۔ کیونکہ قیمت مبیع مرہون کے قائم مقام ہے

اور اسی طرح جب مرہونہ غلام کو قتل کر دیا گیا ہے اور قاتل کی قیمت کا جرمانہ دینے والا ہے کیونکہ مالک مالیت کے اعتبار سے اس کا حقدار ہے۔ اگر چہ وہ خون بدلہ ہے۔ پس یہ حق ضمان میں مال ضمان کے حکم میں ہو جائے گا۔ پس رہن کا عقد باقی رہا ہے۔ اور اسی طرح جب مرہون غلام کو کسی نے قتل کر دیا ہے تو اس کو غلام کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور یہ غلام گوشت اور خون کے اعتبار سے پہلے غلام

کے قائم مقام بن جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اُس عادل نے مرہون کو بیع کر دیا تو مرہون چیز رہن سے خارج ہوگئی اور یہ ثمن اس کے قائم مقام ہوگیا اگر چہ ابھی ثمن پر قبضہ نہ ہوا ہو، لہٰذا اگر ثمن ہلاک ہوگیا مثلاً مشتری سے وصول ہی نہ ہوا یا عادل کے پاس سے ضائع ہوگیا تو مرتہن کا ہلاک ہوا یعنی دَین ساقط ہوگیا اور اس صورت میں مرہون کی واجبی قیمت کا لحاظ نہیں ہوگا بلکہ خود ثمن کو دیکھا جائے گا یعنی جتنا ثمن ہے اتنا دَین ساقط اگر چہ واجبی قیمت کم ہو یا زائد ہو۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاوی شامی، کتاب رہن، بیروت)

عادل کا مرہونہ کا بیچ کر قیمت مرتہن کو دینے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ بَاعَ الْعَدْلُ الرَّهْنَ فَأَوْفَى الْمُرْتَهِنَ الثَّمَنَ ثُمَّ اُسْتُحِقَّ الرَّهْنُ فَضَمِنَهُ الْعَدْلُ كَانَ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ ضَمَّنَ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ الثَّمَنَ الَّذِي أَعْطَاهُ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ غَيْرَهُ) وَكَشْفُ هَذَا أَنَّ الْمَرْهُونَ الْمَبِيعَ إذَا اُسْتُحِقَّ إمَّا أَنْ يَكُونَ هَالِكًا أَوْ قَائِمًا فَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ الْمُسْتَحِقُّ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ ضَمَّنَ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ ؛ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ فِي حَقِّهِ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْعَدْلَ ؛ لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ فِي حَقِّهِ بِالْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ فَإِنْ ضَمَّنَ الرَّاهِنَ نَفَذَ الْبَيْعُ وَصَحَّ الِاقْتِضَاءُ ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ أَمَرَهُ بِبَيْعِ مِلْكِ نَفْسِهِ ، وَإِنْ ضَمَّنَ الْبَائِعَ يَنْفُذُ الْبَيْعُ أَيْضًا ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ بَاعَ مِلْكَ نَفْسِهِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب عادل نے مرہونہ چیز کو بیچ کر اس کی قیمت مرتہن کو دے دی ہے اس کے بعد مرہونہ چیز کا کوئی حقدار نکل آیا ہے اور عادل اس کا ضامن بنا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اس کی قیمت کا راہن کو ضامن بنا دے اور اگر وہ چاہے تو مرتہن کو ضامن بنا دے جو اس کو دیا گیا ہے۔ اور عادل کیلئے یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ مرتہن کو اس کے غیر کا ضامن بنا دے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ فروخت کردہ مرہونہ چیز کا جب حقدار نکل آیا ہے تو وہ ہلاک ہوگئی یا موجود ہے تو پہلی صورت میں حقدار کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو راہن کو اس کی قیمت کا ضامن بنا دے کیونکہ راہن اس کے حق میں غاصب ہے اور اگر وہ پسند کرے تو عادل سے ضمان لے کیونکہ عادل بیع اور سپرد کرنے کی وجہ سے اس کے حق میں ظلم کرنے والا ہے۔

اور اس کے بعد جب حقدار نے راہن کو ضامن بنادیا ہے تو وہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور مرتہن کا وصول کرنا بھی درست ہو جائے گا۔ کیونکہ ضمان کو ادا کر کے راہن مرہونہ کا مالک بن چکا ہے۔ تو یہ واضح ہو جائے گا۔ کہ راہن نے عادل کو اپنی ملکیت میں سے فروخت کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ اور جب حقدار نے بائع یعنی عادل کو ضامن بنادیا ہے تب بھی بیع نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ ضمان ادا کرتے ہوئے وہ بھی مرہونہ کا مالک بن گیا ہے۔ پس یہ واضح ہو چکا ہے۔ عادل نے اپنی ملکیت کو بیچا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عادل نے مرہون کو بیچ کر زرِ ثمن مرتہن کو دے دیا اور اس مرہون شے میں استحقاق ہوا یعنی کسی اور شخص نے ثابت کر دیا کہ یہ چیز میری ہے اگر مبیع مشتری کے پاس موجود ہے تو مستحق اس مبیع کو مشتری سے لے لے گا اور مشتری اپنا زرِ ثمن اس عادل سے وصول کریگا اور عادل اس راہن سے وصول کریگا اور اس صورت میں مرتہن کا زرِ ثمن پر قبضہ صحیح ہوگیا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عادل مرتہن سے ثمن واپس لے اور مرتہن راہن سے اپنا دین وصول کرے اور اگر وہ چیز مشتری کے پاس ہلاک ہو چکی ہے تو مستحق راہن سے مرہون کی قیمت کا تاوان لے کیونکہ راہن غاصب ہے اور اس صورت میں بیع بھی صحیح ہوگئی اور مرتہن کا زرِ ثمن پر قبضہ بھی صحیح ہوگیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مستحق اُس عادل سے تاوان لے پھر عادل مرتہن سے اور اب بھی بیع اور ثمن پر قبضہ صحیح ہوگیا یا مستحق عادل سے تاوان لے اور عادل مرتہن سے زرِ ثمن واپس لے پھر مرتہن راہن سے اپنا دین وصول کرے۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مستحق شخص کا عادل کو ضامن بنادینے کا بیان

وَإِذَا ضَمَّنَ الْعَدْلَ فَالْعَدْلُ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ رَجَعَ عَلَى الرَّاهِنِ بِالْقِيمَةِ ؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ عَامِلٌ لَهُ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ بِمَا لَحِقَهُ مِنْ الْعُهْدَةِ وَنَفَذَ الْبَيْعُ وَصَحَّ الِاقْتِضَاءُ فَلَا يَرْجِعُ الْمُرْتَهِنُ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنْ دَيْنِهِ ، وَإِنْ شَاءَ رَجَعَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِالثَّمَنِ ؛ لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ أَنَّهُ أَخَذَ الثَّمَنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَ الْعَبْدَ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ وَنَفَذَ بَيْعُهُ عَلَيْهِ فَصَارَ الثَّمَنُ لَهُ ، وَإِنَّمَا أَدَّاهُ إلَيْهِ عَلَى حُسْبَانِ أَنَّهُ مِلْكُ الرَّاهِنِ ، فَإِذَا تَبَيَّنَ أَنَّهُ مِلْكُهُ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِهِ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ بِهِ عَلَيْهِ ، وَإِذَا رَجَعَ بَطَلَ الِاقْتِضَاءُ فَيَرْجِعُ الْمُرْتَهِنُ عَلَى الرَّاهِنِ بِدَيْنِهِ ،

ترجمہ

اور جب حقدار شخص نے عادل کو ضامن بنایا ہے تو عادل کیلئے اختیار ہوگا کہ وہ راہن سے قیمت لے کیونکہ وہ راہن کا وکیل ہے اور اسی کیلئے کام کرنے والا ہے پس اس وکیل کو پیش آنے والی ضرورت کا ذمہ دار بھی وہی راہن ہوگا۔ اور بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور مرتہن کا وصول کرنا بھی درست ہو جائے گا۔

پس مرتہن اپنے قرض کے سبب سے راہن سے رجوع کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ عادل جب چاہے کہ وہ مرتہن سے قیمت کو واپس لینے والا ہوگا۔ اس لئے یہ معاملہ واضح ہو چکا ہے کہ مرتہن نے ناحق قیمت لے رکھی ہے۔ کیونکہ قیمت کو ادا کرنے کے سبب عادل مرہونہ کا مالک بن چکا تھا اور اس پر عادل کی بیع بھی نافذ ہو چکی ہے۔ پس وہ قیمت عادل کی ہو جائے گی۔ اور اس نے مرتہن کو اس خیال کیلئے قیمت دی تھی کہ مرہونہ راہن کی ملکیت ہے۔ مگر جب یہ پتہ چل چکا ہے کہ وہ اس کی اپنی ملکیت ہے تو وہ اس پر راضی نہ ہوگا کیونکہ اس کو مرتہن سے قیمت واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ اور جب اس نے قیمت کو واپس لے لیا ہے تو مرتہن کا وصول کرنا باطل ہو جائے گا۔ پس اب مرتہن سے اپنے قرضے کو واپس لے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عادل نے مرہون کو بیچ کر زرثمن مرتہن کو دے دیا اور اس مرہون شے میں استحقاق ہوا یعنی کسی اور شخص نے ثابت کر دیا کہ یہ چیز میری ہے اگر مبیع مشتری کے پاس موجود ہے تو مستحق اس مبیع کو مشتری سے لے گا اور مشتری اپنا زرثمن اس عادل سے وصول کریگا اور عادل اس راہن سے وصول کریگا اور اس صورت میں مرتہن کا زرثمن پر قبضہ صحیح ہو گیا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عادل مرتہن سے ثمن واپس لے اور مرتہن راہن سے اپنا دین وصول کرے اور اگر وہ چیز مشتری کے پاس ہلاک ہو چکی ہے تو مستحق راہن سے مرہون کی قیمت کا تاوان لے کیونکہ راہن غاصب ہے۔

اور اس صورت میں بیع بھی صحیح ہو گئی اور مرتہن کا زرثمن پر قبضہ بھی صحیح ہو گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستحق اُس عادل سے تاوان لے پھر عادل مرتہن سے اور اب بھی بیع اور ثمن پر قبضہ صحیح ہو گیا یا مستحق عادل سے تاوان لے اور عادل مرتہن سے زرثمن واپس لے پھر مرتہن راہن سے اپنا دین وصول کرے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مبیع مرہونہ کا خریدار کے قبضہ میں ہونے کا بیان

وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَهُوَ أَنْ يَكُونَ قَائِمًا فِي يَدِ الْمُشْتَرِي فَلِلْمُسْتَحِقِّ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْ يَدِهِ ؛ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ ثُمَّ لِلْمُشْتَرِي أَنْ يَرْجِعَ عَلَى الْعَدْلِ بِالثَّمَنِ ؛ لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ فَتَتَعَلَّقُ بِهِ حُقُوقُ الْعَقْدِ ، وَهَذَا مِنْ حُقُوقِهِ حَيْثُ وَجَبَ بِالْبَيْعِ ، وَإِنَّمَا أَدَّاهُ لِيُسَلَّمَ لَهُ الْمَبِيعُ وَلَمْ يُسَلَّمْ ،

ثُمَّ الْعَدْلُ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ رَجَعَ عَلَى الرَّاهِنِ بِالْقِيمَةِ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي أَدْخَلَهُ فِي هَذِهِ الْعُهْدَةِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ تَخْلِيصُهُ وَإِذَا رَجَعَ عَلَيْهِ صَحَّ قَبْضُ الْمُرْتَهِنِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْبُوضَ سُلِّمَ لَهُ ، وَإِنْ شَاءَ رَجَعَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ؛ لِأَنَّهُ إذَا انْتَقَضَ الْعَقْدُ بَطَلَ الثَّمَنُ وَقَدْ قَبَضَهُ ثَمَنًا فَيَجِبُ نَقْضُ قَبْضِهِ ضَرُورَةً ، وَإِذَا رَجَعَ عَلَيْهِ وَانْتَقَضَ قَبْضُهُ عَادَ حَقُّهُ فِي الدَّيْنِ كَمَا

كَانَ فَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الرَّاهِنِ ،

ترجمہ

اوراس مسئلہ مذکورہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ جب مرہونہ مبیع خریدار کے قبضے میں ہے تو مستحق کو اختیار ہے کہ اس کے قبضے سے اس کو لے کیونکہ وہ اپنے اصلی مال کو پالینے والا ہے۔اور مشتری کو یہ اختیار بھی ہے کہ وہ عادل سے اپنی قیمت واپس لے۔ کیونکہ عقد کرنے والا ہے۔پس عقد کے حقوق اسی کے ساتھ متعلق ہوں گے۔اور یہ عقد بھی حقوق میں سے ہے۔کیونکہ یہ بھی بیع کے سبب سے واجب ہوا ہے۔اور خریدار نے اسی وجہ سے تو عادل کو قیمت دی ہے۔تاکہ اس کیلئے مبیع سلامتی والی رہے۔جبکہ مبیع اس کیلئے سلامتی والی نہیں ہے۔

اوراس کے بعد عادل کو اختیار ہوگا کہ وہ پسند کرے تو راہن سے قیمت لے کیونکہ راہن نے ہی اس کی ذمہ داری لی ہے پس اس کو واپس دلوانا بھی راہن پر واجب ہوگا اور جب عادل نے راہن پر رجوع کیا ہے تو مرتہن کا قبضہ قیمت پر درست ہو جائے گا کیونکہ اس کیلئے قبضہ محفوظ ہے۔اور اگر وہ عادل پسند کرے تو مرتہن سے رجوع کرلے کیونکہ جب بیع کا عقد ختم ہو چکا ہے تو بیع باطل ہوگئی ہے جبکہ مرتہن نے قیمت ہونے کی وجہ سے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے پس یقیناً اس کے قبضہ کو توڑنا لازم ہوگا اور جب عادل نے مرتہن پر رجوع کیا ہے اور قبضہ ختم ہو چکا ہے تو قرض میں اس کا حق لوٹ آئے گا۔جس طرح پہلے تھا۔پس وہ اس کے بارے میں راہن سے رجوع کرے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مرتہن کے پاس مرہون ہلاک ہوگیا۔اس کے بعد اس میں استحقاق ہوا۔اور مستحق نے راہن سے ضمان لیا تو دین ساقط ہوگیا۔اور اگر مرتہن سے قیمت کا ضمان لیا تو جو کچھ تاوان دیا ہے راہن سے واپس لے گا اور اپنا دین بھی وصول کریگا۔(درمختار، کتاب رہن بیروت)

خریدار کا قیمت مرتہن کو دیکر عادل سے رجوع نہ کرنے کا بیان

وَلَوْ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ سَلَّمَ الثَّمَنَ إِلَى الْمُرْتَهِنِ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْعَدْلِ ؛ لِأَنَّهُ فِي الْبَيْعِ عَامَلَ لِلرَّاهِنِ ، وَإِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ إِذَا قَبَضَ وَلَمْ يَقْبِضْ فَبَقِيَ الضَّمَانُ عَلَى الْمُوَكِّلِ ،

وَلَوْ كَانَ التَّوْكِيلُ بَعْدَ عَقْدِ الرَّهْنِ غَيْرَ مَشْرُوطٍ فِي الْعَقْدِ فَمَا لَحِقَ الْعَدْلَ مِنَ الْعُهْدَةِ يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الرَّاهِنِ قَبَضَ الثَّمَنَ الْمُرْتَهِنُ أَمْ لَا ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهَذَا التَّوْكِيلِ حَقُّ الْمُرْتَهِنِ فَلَا رُجُوعَ ، كَمَا فِي الْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ عَنِ الرَّهْنِ إِذَا بَاعَ الْوَكِيلُ وَدَفَعَ الثَّمَنَ إِلَى مَنْ أَمَرَهُ الْمُوَكِّلُ ثُمَّ لَحِقَهُ عُهْدَةٌ لَا يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْمُقْتَضَى ، بِخِلَافِ الْوَكَالَةِ

الْمَشْرُوطَةِ فِي الْعَقْدِ ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْمُرْتَهِنِ فَيَكُونُ الْبَيْعُ لِحَقِّهِ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : هَكَذَا ذَكَرَ الْكَرْخِيُّ ، وَهَذَا يُؤَيِّدُ قَوْلَ مَنْ لَا يَرَى جَبْرَ هَذَا الْوَكِيلِ عَلَى الْبَيْعِ

ترجمہ

اور جب خریدار نے قیمت مرتہن کو دی ہے تو وہ عادل سے رجوع نہ کرے گا۔ اس لئے کہ عادل بیع کرنے میں راہن کیلئے عامل بنا ہوا ہے۔ اور عادل پر رجوع تب ہوسکتا ہے جب اس نے اس پر قبضہ کیا ہو۔ جبکہ قبضہ اس نے کیا نہیں ہے پس ضمان مؤکل یعنی مرتہن پر باقی رہے گا۔

اور جب یہ وکیل ہونا رہن کے عقد کے بعد ہے اور عقد میں شرط نہیں ہے تو عادل کو جو بھی ذمہ داری لاحق ہونے والی ہے وہ اس کے بارے میں راہن سے رجوع کرے گا۔ اگرچہ مرتہن نے قیمت پر قبضہ کیا ہے یا قبضہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اس میں وکیل ہونے کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق نہیں ہوا ہے۔ پس مرتہن پر رجوع نہ ہوگا جس طرح وہ وکالت ہے جو رہن سے خالی ہے۔ اور جب وکیل سامان کو بیچ کر قیمت اس بندے کو دے دیتا ہے جس کو دینے کا مؤکل نے حکم دے رکھا ہے۔ اور اسکے بعد وکیل کو کوئی ذمہ داری لاحق ہو چکی ہے تو وکیل اس کے بارے میں قبضہ کرنے والے سے رجوع نہ کر سکے گا۔ اور یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب وکالت اس عقد میں بطور شرط ہو۔ کیونکہ مرتہن کا حق اسی کے ساتھ متعلق ہونے والا ہے۔ پس بیع مرتہن کے حق کیلئے ہوگی۔ مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے امام کرخی علیہ الرحمہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور یہی بیان اس بندے کے قول کی تائید کرنے والا ہے جو بیع کرنے پر اس کے وکیل کے جبر کو جائز جاننے والا نہیں ہے۔

شرح

اور عادل سے قیمت کا تاوان لے کر پھر اسی کے پاس یا دوسرے کے پاس رہن رکھا گیا اور فرض کرو کہ اس نے مرہون راہن کو دیا تھا اور اس کے پاس ہلاک ہوا اس صورت میں راہن جب دَین ادا کر دے گا تو وہ تاوان عادل کو واپس مل جائے گا کہ مرتہن کو دَین وصول ہو گیا لہٰذا یہ تاوان لینے کا مستحق نہیں اور راہن کو خود اس کی مرہون شے وصول ہو چکی تھی پھر اس تاوان کو کیونکر لے سکتا ہے۔ اور اگر عادل سے مرتہن نے لیا تھا تو دَین ادا کرنے کے بعد یہ تاوان کی رقم راہن کو ملے گی کیونکہ راہن کی چیز کا یہ بدلہ ہے چیز نہیں ملی اور ہلاک ہو گئی تو تاوان جو اُس کے قائم مقام ہے اُسے ملے گا۔ رہی یہ بات کہ عادل نے مرتہن کو دیا تھا اور اس کے پاس ہلاک ہوا تو مرتہن سے اس ضمان کو رجوع کر سکتا ہے یا نہیں۔

اس میں تفصیل ہے اگر مرتہن کو بطور عاریت یا ودیعت دیا ہے تو رجوع نہیں کر سکتا جبکہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا ہو اس نے خود ہلاک نہ کیا ہو اور اگر مرتہن نے خود ہلاک کر دیا ہو تو رجوع کر سکتا ہے اور اگر مرتہن کو بطور رہن دیا ہو یہ کہہ دیا ہو کہ تمہارا جو حق ہے اس میں لے جاؤ تو اس صورت میں بہرحال مرتہن سے ضمان واپس لے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

مرہون غلام کا مرتہن کے قبضہ میں فوت ہو جانے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ مَاتَ الْعَبْدُ الْمَرْهُونُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ ثُمَّ اسْتَحَقَّهُ رَجُلٌ فَلَهُ الْخِيَارُ ، إنْ شَاءَ ضَمَّنَ الرَّاهِنَ ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ) ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُتَعَدٍّ فِي حَقِّهِ بِالتَّسْلِيمِ أَوْ بِالْقَبْضِ (فَإِنْ ضَمَّنَ الرَّاهِنَ فَقَدْ مَاتَ بِالدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ فَصَحَّ الْإِيفَاءُ (وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِمَا ضَمِنَ مِنْ الْقِيمَةِ وَبِدَيْنِهِ) أَمَّا بِالْقِيمَةِ فَلِأَنَّهُ مَغْرُورٌ مِنْ جِهَةِ الرَّاهِنِ ، وَأَمَّا بِالدَّيْنِ فَلِأَنَّهُ انْتَقَضَ اقْتِضَاؤُهُ فَيَعُودُ حَقُّهُ كَمَا كَانَ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب مرہون غلام مرتہن کے قبضہ میں فوت ہو گیا ہے اور اس کے بعد کوئی آدمی اس کا حقدار نکل آیا ہے تو اس کیلئے اختیار ہوگا۔ اگر وہ پسند کرے تو راہن کو ضامن بنائے اور اگر وہ پسند کرے تو مرتہن کو ضامن بنائے۔ کیونکہ ان میں ہر ایک شخص حقدار کے حق میں ظلم کرنے والا ہے۔ اگر چہ یہ سپرد کرنے کی وجہ سے ظلم ہے یا قبضہ کرنے کی وجہ سے ظلم ہے۔ اور اس کے بعد جب اس نے راہن کو ضامن بنا دیا ہے اور وہ مرہون غلام قرض کے بدلے میں فوت ہونے والا ہے اسلئے کہ ضمان کو ادا کر کے راہن اس کا مالک بنا ہے۔ پس مرتہن کا پورا کرنا درست ہو جائے گا۔ اور جب مستحق بندے نے مرتہن کو ضامن بنایا ہے تو مرتہن ضمان میں دی ہوئی قیمت کو اور اپنے قرض کو راہن سے واپس لے گا قیمت اس لئے واپس لے گا کہ اس نے راہن کی جانب سے دھوکہ کھایا ہے اور قرض اس لئے واپس لے گا کہ مرتہن کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ پس اس کا حق اسی طرح لوٹ کر آ جائے گا۔ جس طرح اس سے پہلے تھا۔

شرح

اور جب راہن نے مرہون پر جنایت کی یعنی اُس کو تلف کر دیا یا اُس میں نقصان پہنچایا اس کا وہی حکم ہے جو اجنبی کی جنایت کا ہے یعنی اس کو تاوان دینا ہوگا یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ تو خود ہی مرہون کا مالک ہے اُس پر تاوان کیسا، کیونکہ مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اور یہ تاوان مرتہن کے پاس مرہون رہے گا اور اگر اسی جنس کا ہے جس جنس کا دَین ہے اور دَین کی میعاد نہ ہو تو اپنا دَین اس سے وصول کریگا۔

مضمون پر ثبوت ملکیت کا ضمان کے سبب ہونے کا بیان

فَإِنْ قِيلَ : لَمَّا كَانَ قَرَارُ الضَّمَانِ عَلَى الرَّاهِنِ بِرُجُوعِ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ ، وَالْمِلْكُ فِي الْمَضْمُونِ يَثْبُتُ لِمَنْ عَلَيْهِ قَرَارُ الضَّمَانِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ رَهَنَ مِلْكَ نَفْسِهِ فَصَارَ كَمَا إذَا

ضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ الرَّاهِنَ ابْتِدَاءً قُلْنَا : هٰذَا طَعْنُ أَبِي خَازِمِ الْقَاضِي وَالْجَوَابُ عَنْهُ أَنَّهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِسَبَبِ الْغُرُورِ وَالْغُرُورُ بِالتَّسْلِيمِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ ، أَوْ بِالِانْتِقَالِ مِنَ الْمُرْتَهِنِ إِلَيْهِ كَأَنَّهُ وَكِيلٌ عَنْهُ ، وَالْمِلْكُ بِكُلِّ ذٰلِكَ مُتَأَخِّرٌ عَنْ عَقْدِ الرَّهْنِ ، بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّ الْمُسْتَحِقَّ يَضْمَنُهُ بِاعْتِبَارِ الْقَبْضِ السَّابِقِ عَلَى الرَّهْنِ فَيَسْتَنِدُ الْمِلْكُ إِلَيْهِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ رَهَنَ مِلْكَ نَفْسِهِ وَقَدْ طَوَّلْنَا الْكَلَامَ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى ،

ترجمہ

اور جب یہ اعتراض کیا جائے کہ مرتہن کا راہن پر رجوع کرنے کی وجہ سے ضمان کا ثبوت راہن پر ہوا ہے اور مضمون میں ملکیت اسی لئے ثابت ہوئی ہے کہ اس پر ضمان ثابت ہوا ہے۔ تو اس سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ راہن نے اپنی ملکیت کو رہن میں رکھا ہے۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح حقدار نے شروع میں راہن کو ضامن بنایا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض قاضی ابو حازم نے کیا ہے۔

اور اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مرتہن راہن سے دھوکے کی وجہ سے رجوع کرتا ہے۔ اور وہ دھوکہ سپرد کرنے میں ہے۔ جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔ یا پھر مرتہن کی جانب سے راہن کی طرف پھر جانے سے ہے کہ جس طرح مرتہن راہن کا وکیل ہے۔ اور ان میں سے ہر کسی کیلئے عقد رہن کی ملکیت مؤخر ہے۔ جبکہ پہلی صورت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ حقدار بندہ مرتہن کو پہلے قبضہ کے اعتبار سے ضامن بنانے والا ہے۔ تو ملکیت قبضہ کی جانب مضاف ہوگی۔ اور یہ معاملہ واضح ہو چکا ہے کہ راہن نے اپنی ملکیت کو رہن میں رکھا ہوا ہے۔ ہم نے کفایہ منتہی میں بڑا لمبا کلام اس میں بیان کر آئے ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرتہن کے پاس مرہون ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد اس میں استحقاق ہوا۔ اور مستحق نے راہن سے ضمان لیا تو دین ساقط ہو گیا۔ اور اگر مرتہن سے قیمت کا ضمان لیا تو جو کچھ تاوان دیا ہے راہن سے واپس لے گا اور اپنا دین بھی وصول کرے گا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

﴿یہ باب رہن میں تصرف وجنایت وغیر جنایت کے بیان میں ہے﴾

باب رہن میں تصرف کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رہن میں تصرف اوراس میں جنایت وغیرہ کا ہونا یہ رہن کے ثابت ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ کیونکہ جب رہن ثابت ہوگی تو اس میں جنایت کا عارضہ بعد میں لاحق ہوگا۔ لہذا طبعی طور پر یہ فصل مؤخر ہے اس لئے یہاں سے متعلقہ مسائل کو بھی مؤخر ذکر کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کی اجازت کے بغیر بیع کے موقوف ہونے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا بَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمُرْتَهِنِ فَالْبَيْعُ مَوْقُوفٌ) لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْغَيْرِ بِهِ وَهُوَ الْمُرْتَهِنُ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إِجَازَتِهِ، وَإِنْ كَانَ الرَّاهِنُ يَتَصَرَّفُ فِي مِلْكِهِ كَمَنْ أَوْصَى بِجَمِيعِ مَالِهِ تَقِفُ عَلَى إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ فِيمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِهِ (فَإِنْ أَجَازَ الْمُرْتَهِنُ جَازَ) ؛ لِأَنَّ التَّوَقُّفَ لِحَقِّهِ وَقَدْ رَضِيَ بِسُقُوطِهِ (وَإِنْ قَضَاهُ الرَّاهِنُ دَيْنَهُ جَازَ أَيْضًا) ؛ لِأَنَّهُ زَالَ الْمَانِعُ مِنَ النُّفُوذِ وَالْمُقْتَضِي مَوْجُودٌ وَهُوَ التَّصَرُّفُ الصَّادِرُ مِنَ الْأَهْلِ فِي الْمَحَلِّ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہونہ چیز کو بیچ دیا ہے تو وہ بیع موقوف ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کے ساتھ غیر کا حق بھی پایا جارہا ہے۔ اور وہ مرتہن ہے۔ پس بیع اس کی اجازت کے ساتھ موقوف بن جائے گی۔ اگر چہ راہن اپنی ملکیت میں تصرف میں کرنے والا ہے لیکن یہ اس بندے کی طرح ہو جائے جس نے اپنے سارے مال کی وصیت کی ہے تو تہائی سے زیادہ مال اس کے وارثوں کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ کیونکہ اس میں ان کا حق متعلق ہے۔ اور جب مرتہن نے اجازت دیدی ہے تو وہ بیع جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ جو چیز بیع کو نافذ کرنے سے مانع تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ اور بیع کے جائز ہونے تقاضہ پایا جارہا ہے۔ اور وہ تقاضہ اپنے اہل کے ذریعے سے اپنی جگہ سے جاری ہونے والا تصرف ہے۔

شرح

اور جب راہن نے مرہون کو بغیر اجازت مرتہن بیع کر دیا تو یہ بیع موقوف ہے اگر مرتہن نے اجازت دیدی یا راہن نے مرتہن کا دَین ادا کر دیا تو بیع جائز و نافذ ہوگئی اور پہلی صورت میں کہ مرتہن نے اجازت دیدی وہ ثمن رہن ہو جائے گا ثمن مشتری سے وصول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو دونوں کا ایک حکم ہے اور اگر مرتہن نے اجازت نہیں دی تو اب بھی وہ بیع نہ باطل ہوئی نہ مرتہن کے فسخ کرنے سے فسخ ہو گی لہٰذا مشتری کو اختیار ہے کہ فکِ رہن کا انتظار کرے جب رہن چھوٹ جائے اپنی چیز لے لے اور اگر انتظار نہ کرنا چاہے تو قاضی کے پاس معاملہ پیش کر دے وہ بیع کو فسخ کر دے گا۔

نفاذ بیع کے سبب حق مرہونہ کا بدل کی طرف منتقل ہو جانے کا بیان

(وَإِذَا نَفَذَ الْبَيْعُ بِإِجَازَةِ الْمُرْتَهِنِ يَنْتَقِلُ حَقُّهُ إِلَى بَدَلِهِ هُوَ الصَّحِيحُ) ؛ لِأَنَّ حَقَّهُ تَعَلَّقَ بِالْمَالِيَّةِ ، وَالْبَدَلُ لَهُ حُكْمُ الْمُبْدَلِ فَصَارَ كَالْعَبْدِ الْمَدْيُونِ الْمَأْذُونِ إذَا بِيعَ بِرِضَا الْغُرَمَاءِ يَنْتَقِلُ حَقُّهُمْ إلَى الْبَدَلِ ؛ لِأَنَّهُمْ رَضُوا بِالِانْتِقَالِ دُونَ السُّقُوطِ رَأْسًا فَكَذَا هَذَا (وَإِنْ لَمْ يُجِزْ الْمُرْتَهِنُ الْبَيْعَ وَفَسَخَهُ انْفَسَخَ فِي رِوَايَةٍ ، حَتَّى لَوْ افْتَكَّ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ لَا سَبِيلَ لِلْمُشْتَرِي عَلَيْهِ) ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ الثَّابِتَ لِلْمُرْتَهِنِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْكِ فَصَارَ كَالْمَالِكِ لَهُ أَنْ يُجِيزَ وَلَهُ أَنْ يَفْسَخَ (وَفِي أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ لَا يَنْفَسِخُ بِفَسْخِهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَوْ ثَبَتَ حَقُّ الْفَسْخِ لَهُ إنَّمَا يَثْبُتُ ضَرُورَةَ صِيَانَةِ حَقِّهِ ، وَحَقُّهُ فِي الْحَبْسِ لَا يَبْطُلُ بِانْعِقَادِ هَذَا الْعَقْدِ فَبَقِيَ مَوْقُوفًا ، فَإِنْ شَاءَ الْمُشْتَرِي صَبَرَ حَتَّى يَفْتَكَّ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ ؛ إذْ الْعَجْزُ عَلَى شَرَفِ الزَّوَالِ ، وَإِنْ شَاءَ رَفَعَ الْأَمْرَ إلَى الْقَاضِي ، وَلِلْقَاضِي أَنْ يَفْسَخَ لِفَوَاتِ الْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ ، وَوِلَايَةُ الْفَسْخِ إلَى الْقَاضِي لَا إلَيْهِ ، وَصَارَ كَمَا إذَا أَبَقَ الْعَبْدُ الْمُشْتَرَى قَبْلَ الْقَبْضِ فَإِنَّهُ يَتَخَيَّرُ الْمُشْتَرِي لِمَا ذَكَرْنَا كَذَلِكَ هَذَا ،

ترجمہ

اور جب مرتہن کی اجازت کے ساتھ بیع نافذ ہو جائے تو اس کا حق مرہونہ چیز کے بدل کی جانب منتقل ہو جائے گا۔ اور صحیح بھی یہی ہے۔ کیونکہ مرتہن کا حق مالیت سے متعلق ہونے والا ہے۔ اور بدل کیلئے مبدل منہ کا حکم ہوتا ہے۔ پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جب ماذون غلام کو قرض خواہوں کی مرضی کے مطابق بیچ دیا جائے تو ان کا حق بدل کی جانب منتقل ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ حق کے منتقل ہو جانے پر رضامند ہوئے ہیں۔ جبکہ کلی طور حق کو ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔

اوراسی طرح یہ بھی مسئلہ ہے کہ جب مرتہن نے بیع اجازت ہی نہ دی اور اس کو ختم کردیا ہے تو ایک روایت کے مطابق بیع ختم ہو جائے گی۔حتیٰ کہ جب راہن نے رہن کو چھڑوایا تب بھی مشتری کیلئے اس پر کوئی راستہ نہ مل سکے گا۔کیونکہ مرتہن کیلئے ثابت شدہ حق ملکیت کے حکم میں ہے۔پس مرتہن مالک کی طرح ہو جائے گا۔جس طرح بیع کی اجازت دینے کا حق ہوا کرتا ہے۔اور بیع کو فسخ کرنے کا حق بھی ہوگا۔

اوران دونوں روایت میں سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق مرتہن کے فسخ کرنے کے سبب بیع ختم نہ ہوگی۔کیونکہ جب مرتہن کیلئے حق فسخ ثابت ہو چکا ہے تو وہ اس حق کی حفاظت کیلئے ثابت ہوا ہے۔اور اس کا حبس کرنے کا حق اس عقد کو منعقد کرنے سے باطل نہ ہوگا پس بیع موقوف ہو جائے گی۔اور اس کے بعد جب خریدار سے چاہے تو اس پر صبر کرے حتیٰ کہ راہن اس رہن کو چھڑوائے۔کیونکہ اس طرح مبیع کو سپرد کرنا یہ عاجزی کی حد میں ہے۔اور اگر وہ چاہے تو اس معاملے کو قاضی کے پاس لے جائے کیونکہ قاضی کو بھی بیع فسخ کرنے کا حق ہے۔کیونکہ مبیع کو سپرد کرنے پر قدرت کا ختم ہو جانا اور بیع کو فسخ کرنے کی ولایت یہ قاضی کی جانب سے ہیں مرتہن کی جانب سے نہیں ہیں اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح قبضہ کرنے سے پہلے خریدا گیا غلام بھاگ گیا ہے۔لہذا یہاں پر بھی خریدار کو اختیار ہوگا۔اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔پس یہ مسئلہ بھی اسی کی طرح ہے۔

شرح

اور جب مرتہن اگر شے مرہون کو بیع کرے تو یہ بیع بھی اجازت راہن پر موقوف ہے وہ چاہے تو جائز کردے ورنہ جائز نہیں اور راہن اس بیع کو باطل کرسکتا ہے۔مرتہن نے بیع کردی اور چیز مشتری کے پاس راہن کی اجازت سے پہلے ہی ہلاک ہوگئی تو راہن اب اجازت بھی نہیں دے سکتا اور راہن کو اختیار ہے دونوں میں سے جس سے چاہے اپنی چیز کا ضمان لے۔

(فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

اور جب مرتہن نے راہن سے کہا کہ رہن کو فلاں کے ہاتھ بیع کردو اُس نے دوسرے کے ہاتھ بیچا یہ جائز نہیں اور مستاجر نے موجر سے کہا کہ فلاں کے ہاتھ یہ مکان بیچ دو اس نے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا یہ بیع جائز ہے۔(فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

راہن کا بیع موقوفہ پر بیع کرنے کا بیان

(وَلَوْ بَاعَهُ الرَّاهِنُ مِنْ رَجُلٍ ثُمَّ بَاعَهُ بَيْعًا ثَانِيًا مِنْ غَيْرِهِ قَبْلَ أَنْ يُجِيزَهُ الْمُرْتَهِنُ فَالثَّانِي مَوْقُوفٌ أَيْضًا عَلَى إجَازَتِهِ) ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ لَمْ يَنْفُذْ وَالْمَوْقُوفُ لَا يَمْنَعُ تَوَقُّفَ الثَّانِي ، فَلَوْ أَجَازَ الْمُرْتَهِنُ الْبَيْعَ الثَّانِي جَازَ الثَّانِي،

(وَلَوْ بَاعَ الرَّاهِنُ ثُمَّ أَجَّرَ أَوْ وَهَبَ أَوْ رَهَنَ مِنْ غَيْرِهِ ، وَأَجَازَ الْمُرْتَهِنُ هَذِهِ الْعُقُودَ جَازَ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ) وَالْفَرْقُ أَنَّ الْمُرْتَهِنَ ذُو حَظٍّ مِنْ الْبَيْعِ الثَّانِي ؛ لِأَنَّهُ يَتَعَلَّقُ حَقُّهُ بِبَدَلِهِ

فَيَصِحُّ تَعْيِينُهُ لِتَعَلُّقِ فَائِدَتِهِ بِهِ ، أَمَّا لَا حَقَّ لَهُ فِي هَذِهِ الْعُقُودِ ؛ لِأَنَّهُ لَا بَدَلَ فِي الْهِبَةِ وَالرَّهْنِ ، وَالَّذِي فِي الْإِجَارَةِ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ لَا بَدَلُ الْعَيْنِ ، وَحَقُّهُ فِي مَالِيَّةِ الْعَيْنِ لَا فِي الْمَنْفَعَةِ فَكَانَتْ إجَازَتُهُ إسْقَاطًا لِحَقِّهِ فَزَالَ الْمَانِعُ فَنَفَذَ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ فَوَضَحَ الْفَرْقُ ،

ترجمہ

اور جب راہن نے مرہونہ چیز کو کسی بندے کو بیچ دیا اور اس کے بعد مرتہن کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے بندے کو بیچ دیا ہے تو دوسری بیع بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلی بیع نافذ نہیں ہوئی۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ موقوف دوسرے کے توقف کو روکنے والا نہیں ہوتا۔ (قاعدہ فقہیہ) اور اسکے بعد جب مرتہن نے دوسری بیع کی اجازت دے دی تو وہ جائز ہو جائے گی۔

اور جب راہن نے مرہونہ چیز کو بیچ دیا ہے اور اس کے بعد اس نے اجارے پر دیا ہے یہ ہبہ کر دیا ہے یا کسی دوسرے شخص کے ہاں اس کو رہن میں رکھ دیا ہے اور مرتہن نے ان عقود کی اجازت دے دی ہے تو اس پر پہلی بیع جائز ہو جائے گی۔

اور اس کا فرق یہ ہے کہ مرتہن دوسری بیع سے حصہ لینے والا ہے کیونکہ اس کا حق مرہونہ کی قیمت سے متعلق ہو چکا ہے۔ پس دوسرے کے ساتھ مرتہن کے فائدے کے متعلق ہو جانے کے سبب سے اس کی تعیین درست ہو جائے گی۔ مگر ان عقود میں اس کا کوئی حق نہ ہو گا اس لئے کہ رہن اور ہبہ میں کوئی بدل نہیں ہے اور اجارے میں جو بدل ہے وہ منفعت کا بدل ہے عین کا بدل نہیں ہے۔ جبکہ مرتہن کا حق عین سے متعلق ہے اس کی منفعت سے متعلق نہیں ہے۔ پس مرتہن کی اجازت اس کے حق میں ساقط کرنے والی ہو جائے گی۔ اور مانع ختم ہو چکا ہے پس پہلی بیع نافذ ہو جائے گی پس یہ فرق ظاہر ہو چکا ہے۔

شرح

اور جب مرتہن نے راہن سے کہا کہ رہن کو فلاں کے ہاتھ بیع کر دو اس نے دوسرے کے ہاتھ بیچا یہ جائز نہیں اور مستاجر نے موجر سے کہا کہ فلاں کے ہاتھ یہ مکان بیچ دو اس نے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا یہ بیع جائز ہے۔

اور جب راہن نے ایک شخص کے ہاتھ بیع کی اور مرتہن کی اجازت سے قبل دوسرے کے ہاتھ بیع کر دی یہ دوسری بیع بھی اجازت مرتہن پر موقوف ہے مرتہن جس ایک کو جائز کر دے گا وہ جائز ہو جائے گی دوسری باطل ہو جائے گی۔

راہن کا مرہونہ غلام کو آزاد کرنے سے نفاذ آزادی کا بیان

قَالَ (وَلَوْ أَعْتَقَ الرَّاهِنُ عَبْدَ الرَّهْنِ نَفَذَ عِتْقُهُ) وَفِي بَعْضِ أَقْوَالِ الشَّافِعِيِّ لَا يَنْفُذُ إذَا كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا ؛ لِأَنَّ فِي تَنْفِيذِهِ إبْطَالَ حَقِّ الْمُرْتَهِنِ فَأَشْبَهَ الْبَيْعَ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ مُوسِرًا حَيْثُ يَنْفُذُ عَلَى بَعْضِ أَقْوَالِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَبْطُلُ حَقُّهُ مَعْنًى بِالتَّضْمِينِ ، وَبِخِلَافِ إعْتَاقِ الْمُسْتَأْجِرِ ؛ لِأَنَّ الْإِجَارَةَ تَبْقَى مُدَّتُهَا ؛ إذْ الْحُرُّ يَقْبَلُهَا ، أَمَّا مَا لَا يَقْبَلُ

الـرَّهْنَ فَلا يَبْقَى وَلَنَا أَنَّهُ مُخَاطَبٌ أَعْتَقَ مِلْكَ نَفْسِهِ فَلا يَلْغُو بِصَرْفِهِ بِعَدَمِ إِذْنِ الْمُرْتَهِنِ كَـمَا إِذَا أَعْتَقَ الْعَبْدُ الْمُشْتَرَى قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ أَعْتَقَ الْآبِقَ أَوْ الْمَغْصُوبَ ، وَلَا خَفَاءَ فِي قِيَامِ مِلْكِ الرَّقَبَةِ لِقِيَامِ الْمُقْتَضِي ، وَعَارِضُ الرَّهْنِ لَا يُنْبِءُ عَنْ زَوَالِهِ ثُمَّ إِذَا زَالَ مِلْكُهُ فِي الرَّقَبَةِ بِإِعْتَاقِهِ يَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَهِنِ فِي الْيَدِ بِنَاءً عَلَيْهِ كَإِعْتَاقِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ ، بَلْ أَوْلَى ؛ لِأَنَّ مِلْكَ الرَّقَبَةِ أَقْوَى مِنْ مِلْكِ الْيَدِ ، فَلَمَّا لَمْ يَمْنَعْ الْأَعْلَى لَا يَمْنَعُ الْأَدْنَى بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى ، وَامْتِنَاعُ النَّفَاذِ فِي الْبَيْعِ وَالْهِبَةِ لِانْعِدَامِ الْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ ، وَإِعْتَاقُ الْوَارِثِ الْعَبْدَ الْمُوصَى بِرَقَبَتِهِ لَا يَلْغُو بَلْ يُؤَخَّرُ إِلَى أَدَاءِ السِّعَايَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَإِذَا نَفَذَ الْإِعْتَاقُ بَطَلَ الرَّهْنُ لِفَوَاتِ مَحَلِّهِ ،

ترجمہ

اور جب راہن نے غلام کو آزاد کر دیا ہے تو اس کی آزادی نافذ ہو جائے گی جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے اقوال میں سے ایک یہ ہے کہ جب آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اس کی آزادی نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کو نافذ قرار دینے میں مرتہن کے حق کو باطل کرنا لازم آئے گا۔ پس یہ بیع کے مشابہ ہو جائے گا۔ اور یہ مسئلہ اس صورت مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب آزاد کرنے والا مالدار ہے۔ تو ان کے بعض اقوال میں سے ایک یہ ہے وہ آزادی نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ وجوب ضمان کے سبب مرتہن کا حق معنوی طور پر باطل نہ ہوگا جبکہ مستاجر کے آزاد کرنے میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اجارہ اپنی مدت تک باقی رہنے والا ہے اور آزاد اجارے کو قبول کرتا ہے مگر وہ رہن کو قبول کرنے والا نہیں ہے پس رہن باقی نہ رہ سکے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شریعت کا مخاطب راہن ہے اور اس نے اپنی ملکیت سے آزاد کیا ہے پس مرتہن کی اجازت نہ دینے کی وجہ سے اس کا تصرف کرنا بیکار نہ ہوگا۔ جس طرح یہ صورت ہے کہ جب خریدے ہوئے غلام کو مشتری نے قبضہ کرنے سے پہلے آزاد کر دیا ہے اور بھاگے ہوئے اور غصب شدہ غلام کو آزاد کر دیا ہے۔ ملک رقبہ قائم ہے اس میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اس لئے بھی کہ تقاضہ کرنے والے کا ہونا پایا جا رہا ہے۔ جبکہ رہن کا عارضی طور پر ہونا یہ ملکیت کو ختم کرنے کی خبر دینے والا نہیں ہے۔

اور جب غلام کو آزاد کرنے کے سبب سے راہن کی ملکیت ختم ہوگئی ہے تو قبضے میں مرتہن کی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی۔ جس طرح مشترکہ غلام کو آزاد کیا جاتا ہے تو اس میں بدرجہ اولیٰ ملکیت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ گردن کی ملکیت یہ قبضہ کی ملکیت سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) پس جب بڑا مانع نہ رہا تو ادنیٰ بدرجہ اولیٰ نہ رہے گا۔ بیع اور ہبہ میں منع ہونا اس لئے ہے کہ سپرد کرنا ممکن نہیں ہے اور اسی طرح وارث کا ایسے غلام کو آزاد کر دینا جس کی وصیت کی گئی ہے بیکار نہ ہوگا۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک آزادی کو سعایہ کی ادائیگی تک مؤخر کیا جائے گا۔ اور جب آزادی نافذ ہو جائے۔ تو محل کے ختم ہو جانے کے سبب رہن باطل

ہو جائے گی۔

رابن کے مالدار ہونے یا نہ ہونے پر قرض کے مطالبہ کا بیان

(ثُمَّ) بَعْدَ ذَلِكَ (إِنْ كَانَ الرَّاهِنُ مُوسِرًا ، وَالدَّيْنُ حَالًّا طُولِبَ بِأَدَاءِ الدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّهُ لَوْ طُولِبَ بِأَدَاءِ الْقِيمَةِ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ بِقَدْرِ الدَّيْنِ فَلَا فَائِدَةَ فِيهِ (وَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ مُؤَجَّلًا أُخِذَتْ مِنْهُ قِيمَةُ الْعَبْدِ وَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهُ حَتَّى يَحِلَّ الدَّيْنُ) ؛ لِأَنَّ سَبَبَ الضَّمَانِ مُتَحَقِّقٌ ، وَفِي التَّضْمِينِ فَائِدَةٌ فَإِذَا حَلَّ الدَّيْنُ اقْتَضَاهُ بِحَقِّهِ إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسِ حَقِّهِ وَرَدَّ الْفَضْلَ (وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْعَبْدُ فِي قِيمَتِهِ وَقَضَى بِهِ الدَّيْنَ إِلَّا إِذَا كَانَ بِخِلَافِ جِنْسِ حَقِّهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْوُصُولُ إِلَى عَيْنِ حَقِّهِ مِنْ جِهَةِ الْمُعْتِقِ يَرْجِعُ إِلَى مَنْ يَنْتَفِعُ بِعِتْقِهِ وَهُوَ الْعَبْدُ ؛ لِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَتَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَتِ الْقِيمَةُ أَقَلَّ مِنَ الدَّيْنِ ، أَمَّا إِذَا كَانَ الدَّيْنُ أَقَلَّ نَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ،

ترجمہ

اس کے بعد جب رابن مالدار ہے یا اسی حالت میں اس پر قرض کو ادا کرنا واجب ہے تو رابن سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیونکہ جب اس سے قیمت کو ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا تو قرض کی مقدار کے برابر مقاصہ ہو جائے گا اور اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ قرض ادھارا ہے تو رابن سے غلام کی قیمت لی جائے گی۔ اور وہی قیمت غلام کی جگہ پر بطور رہن رکھ دی جائے گی حتیٰ کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آجائے۔ اس لئے سبب ضمان پایا جارہا ہے اور ضامن بنا دینے میں فائدہ بھی ہے۔ پس جب ادائیگی کا وقت آجائے اور مرتہن کے حق جس کی جنس میں سے ہو تو مرتہن اس کو اپنے حق میں وصول کرلے گا اور جو بچ جائے گا اس کو واپس کر دے گا۔

اور جب رابن غریب ہے تو وہ غلام اپنی قیمت پر کمائی کرے گا اور اس کمائی سے قرض ادا کیا جائے گا۔ ہاں البتہ یہ قرض مرتہن کے حق کی جنس کے خلاف ہو۔ کیونکہ جب آزاد کرنے والے کی جانب سے عین حق کو وصول کرنا ممکن نہ ہو تو مرتہن اس بندے پر رجوع کرے گا جو رابن کی آزادی سے نفع اٹھانے والا ہے۔ اور وہ غلام ہے۔ اس لئے کہ خراج ضمان کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے
مصنف رضی اللہ عنہ نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب غلام کی قیمت قرض سے تھوڑی ہو اور قرض تھوڑا ہے تو اس کی وضاحت ہم ان شاء اللہ بیان کر دیں گے۔

آقا کے مالدار ہونے پر غلام کا کمائی سے واپس لینے کا بیان

(ثُمَّ يَرْجِعُ بِمَا سَعَى عَلَى مَوْلَاهُ إِذَا أَيْسَرَ) ؛ لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنَهُ وَهُوَ مُضْطَرٌّ فِيهِ بِحُكْمِ

الشَّرْعِ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ بِمَا تَحَمَّلَ عَنْهُ ، بِخِلَافِ الْمُسْتَسْعَى فِي الْإِعْتَاقِ ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي ضَمَانًا عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَسْعَى لِتَحْصِيلِ الْعِتْقِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا لِتَكْمِيلِهِ ، وَهُنَا يَسْعَى فِي ضَمَانٍ عَلَى غَيْرِهِ بَعْدَ تَمَامِ إِعْتَاقِهِ فَصَارَ كَمُعِيرِ الرَّهْنِ ثُمَّ أَبُو حَنِيفَةَ أَوْجَبَ السِّعَايَةَ فِي الْمُسْتَسْعَى الْمُشْتَرَكِ فِي حَالَتَيْ الْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ ، وَفِي الْعَبْدِ الْمَرْهُونِ شَرَطَ الْإِعْسَارَ ؛ لِأَنَّ الثَّابِتَ لِلْمُرْتَهِنِ حَقُّ الْمِلْكِ وَأَنَّهُ أَدْنَى مِنْ حَقِيقَتِهِ الثَّابِتَةِ لِلشَّرِيكِ السَّاكِتِ فَوَجَبَ السِّعَايَةُ هُنَا فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ إِظْهَارُ النُّقْصَانِ رُتْبَتَهُ بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي قَبْلَ الْقَبْضِ إِذَا أَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِي حَيْثُ لَا يَسْعَى لِلْبَائِعِ إِلَّا رِوَايَةً عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَالْمَرْهُونُ يَسْعَى ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْبَائِعِ فِي الْحَبْسِ أَضْعَفُ ؛ لِأَنَّ الْبَائِعَ لَا يَمْلِكُهُ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُسْتَوْفَى مِنْ عَيْنِهِ ، وَكَذَلِكَ يَبْطُلُ حَقُّهُ فِي الْحَبْسِ بِالْإِعَارَةِ مِنْ الْمُشْتَرِي ، وَالْمُرْتَهِنُ يَنْقَلِبُ حَقُّهُ مِلْكًا ، وَلَا يَبْطُلُ حَقُّهُ بِالْإِعَارَةِ مِنْ الرَّاهِنِ حَتَّى يُمْكِنَهُ الِاسْتِرْدَادُ ، فَلَوْ أَوْجَبْنَا السِّعَايَةَ فِيهِمَا لَسَوَّيْنَا بَيْنَ الْحَقَّيْنِ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ

ترجمہ

اور جب آقا مالدار ہو جائے گا تو وہ غلام اپنی کمائی آقا سے واپس لے گا کیونکہ غلام نے اپنے آقا کا قرض ادا کیا ہے اور اس بارے میں شریعت کے حکم کے مطابق غلام مجبور ہے پس آقا کی جانب سے غلام نے جس ذمہ داری کو اٹھایا ہے وہ اس سے واپس لے گا۔

جبکہ یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے کہ جب غلام سے اعتاق میں کمائی کرائی جائے۔ کیونکہ یہ غلام اپنے اوپر لازم ہونے والا ضمان ادا کر رہا ہے۔ اور امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ غلام آزادی حاصل کرنے کیلئے کمائی کرنے والا ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک آزادی کو مکمل کرنے کیلئے ہے اور یہاں پر وہ اس قسم کے ضمان کیلیء کمائی کرنے والا ہے جو اس کے غیر یعنی آقا پر واجب ہے پس آزادی کے مکمل ہو جانے کے بعد یہ غلام رہن کو عاریت پر دینے کی طرح بن جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں حالتوں میں ایسے غلام پر سعایہ واجب ہے اگر چہ خوشحالی کی حالت ہو یا تنگدستی کی حالت ہو۔ کیونکہ مرہون غلام میں اعسار کی شرط ہے اس لئے کہ اس میں مرتہن کا حق ثابت ہے۔ اور یہ حق اس حقیقت میں ہونے والی ملکیت سے تھوڑا ہے۔ جو خاموش رہنے والے شریک کیلئے ثابت ہے۔ پس یہاں پر رہن ایک ہی حالت میں کمائی واجب ہے۔ کہ اس سے کم درجے کا اظہار ہو جائے۔

یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے کہ وہ خریدا ہوا غلام جو پر قبضہ ہونے سے پہلے ہی مشتری نے اس کو آزاد کر دیا ہے تو وہ غلام

بائع کیلئے کمائی نہ کرے گا۔ جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت ہے کہ وہ مرہون غلام کی کمائی کرے گا۔ کیونکہ قبضہ میں رکھنے سے متعلق بائع کا حق کمزور ہے۔ پس آخرت میں بائع اس کا مالک نہ ہوگا اور نہ ہی وہ اس سے عین کو وصول کر سکے گا اور خریدار کو عاریت پر دینے میں جس میں بائع کا حق باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ مرتہن کا حق ملکیت سے پلٹ جانے والا ہے۔ اور راہن کو عاریت پر دینے سے اس کا حق باطل نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اس کو واپسی کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ پس جب ہم دونوں صورتوں میں کمائی کو واجب قرار دیں تو ہم دونوں حقوق میں برابر ہو جائیں گے جبکہ ایسا جائز نہیں ہے۔

مشترکہ غلام سے استسعاء میں شوافع واحناف کا اختلاف

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔"

(بخاری ومشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 574 مسلم)

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

آقا کا اپنے غلام کی رہن کا اقرار کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَقَرَّ الْمَوْلَى بِرَهْنِ عَبْدِهِ) بِأَنْ قَالَ (لَهُ رَهَنْتُكَ عِنْدَ فُلَانٍ وَكَذَّبَهُ الْعَبْدُ ثُمَّ أَعْتَقَهُ تَجِبُ السِّعَايَةُ) عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ ، وَهُوَ يَعْتَبِرُ ، بِإِقْرَارِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ وَنَحْنُ نَقُولُ أَقَرَّ بِتَعَلُّقِ الْحَقِّ فِي حَالٍ يَمْلِكُ التَّعْلِيقَ فِيهِ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فَيَصِحُّ ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْعِتْقِ ؛ لِأَنَّهُ حَالُ انْقِطَاعِ الْوِلَايَةِ ،

ترجمہ

اور جب آقا نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس کا غلام رہن میں ہے اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے غلام سے کہا ہے کہ میں نے تجھے

فلاں شخص کے پاس رہن رکھا ہے۔ جبکہ غلام نے اس کو جھٹلا دیا ہے اور اس کے بعد آقا نے اس کو آزاد کر دیا ہے تو ہمارے نزدیک اس غلام پر سعایہ واجب ہو جائے گی۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور انہوں نے آزادی کے بعد آقا کے اقرار پر قیاس کیا ہے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ آقا نے اس حالت میں حق سے متعلق ہونے کا اقرار کیا ہے جس میں وہ غلام کے اندر حق متعلق کرنے کا مالک ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی ملکیت پائی جاتی ہے۔ پس اس کا اقرار درست ہو جائے گا۔ جبکہ آزادی کے بعد ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ آزادی کے بعد ولایت ختم ہو جاتی ہے۔

مرہون غلام کو مدبر بنانے کے درست ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَوْ دَبَّرَهُ الرَّاهِنُ صَحَّ تَدْبِيرُهُ بِالِاتِّفَاقِ) أَمَّا عِنْدَنَا فَظَاهِرٌ ، وَكَذَا عِنْدَهُ ؛ لِأَنَّ التَّدْبِيرَ لَا يَمْنَعُ الْبَيْعَ عَلَى أَصْلِهِ (وَلَوْ كَانَتْ أَمَةً فَاسْتَوْلَدَهَا الرَّاهِنُ صَحَّ الِاسْتِيلَادُ بِالِاتِّفَاقِ) ؛ لِأَنَّهُ يَصِحُّ بِأَدْنَى الْحَقَّيْنِ وَهُوَ مَا لِلْأَبِ فِي جَارِيَةِ الِابْنِ فَيَصِحُّ بِالْأَعْلَى (وَإِذَا صَحَّا خَرَجَا مِنْ الرَّهْنِ) لِبُطْلَانِ الْمَحَلِّيَّةِ ؛ إذْ لَا يَصِحُّ اسْتِيفَاءُ الدَّيْنِ مِنْهُمَا (فَإِنْ كَانَ الرَّاهِنُ مُوسِرًا ضَمِنَ قِيمَتَهُمَا) عَلَى التَّفْصِيلِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِي الْإِعْتَاقِ (وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا اسْتَسْعَى الْمُرْتَهِنُ الْمُدَبَّرَ وَأُمَّ الْوَلَدِ فِي جَمِيعِ الدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّ كَسْبَهُمَا مَالُ الْمَوْلَى ، بِخِلَافِ الْمُعْتَقِ حَيْثُ يَسْعَى فِي الْأَقَلِّ مِنْ الدَّيْنِ وَمِنْ الْقِيمَةِ ؛ لِأَنَّ كَسْبَهُ حَقُّهُ ، وَالْمُحْتَبَسُ عِنْدَهُ لَيْسَ إلَّا قَدْرَ الْقِيمَةِ فَلَا يُزَادُ عَلَيْهِ ، وَحَقُّ الْمُرْتَهِنِ بِقَدْرِ الدَّيْنِ فَلَا تَلْزَمُهُ الزِّيَادَةُ وَلَا يَرْجِعَانِ بِمَا يُؤَدِّيَانِ عَلَى الْمَوْلَى بَعْدَ يَسَارِهِ ؛ لِأَنَّهُمَا أَدَّيَاهُ مِنْ مَالِ الْمَوْلَى ، وَالْمُعْتَقُ يَرْجِعُ ؛ لِأَنَّهُ أَدَّى مِلْكَهُ عَنْهُ وَهُوَ مُضْطَرٌّ عَلَى مَا مَرَّ وَقِيلَ الدَّيْنُ إذَا كَانَ مُؤَجَّلًا يَسْعَى الْمُدَبَّرُ فِي قِيمَتِهِ قِنًّا ؛ لِأَنَّهُ عِوَضُ الرَّهْنِ حَتَّى تُحْبَسَ مَكَانَهُ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْعِوَضِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ حَالًّا ؛ لِأَنَّهُ يَقْضِي بِهِ الدَّيْنَ ، وَلَوْ أَعْتَقَ الرَّاهِنُ الْمُدَبَّرَ وَقَدْ قَضَى عَلَيْهِ بِالسِّعَايَةِ أَوْ لَمْ يَقْضِ لَمْ يَسْعَ إلَّا بِقَدْرِ الْقِيمَةِ ؛ لِأَنَّ كَسْبَهُ بَعْدَ الْعِتْقِ مِلْكُهُ ، وَمَا أَدَّاهُ قَبْلَ الْعِتْقِ لَا يَرْجِعُ بِهِ عَلَى مَوْلَاهُ لِأَنَّهُ أَدَّاهُ مِنْ مَالِ الْمَوْلَى ؛

ترجمہ

اور جب راہن نے مرہون غلام کو مدبر بنادیا ہے تو اس کا مدبر بنانا بہ اتفاق درست ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی دلیل ظاہر ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اس کا حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ ان کے اصول کے مطابق تدبیر بیع کو روکنے والی نہیں ہے اور جب رہن میں باندی تھی اور راہن نے اس کو ام ولد بنادیا ہے یہ تو یہ استیلاد بھی بہ اتفاق درست ہو جائے گا۔ کیونکہ استیلاد دونوں حقوق میں سے کسی ادنیٰ حق سے بھی درست ہو جاتا ہے۔ اور یہ اسی طرح کا حق ہے کہ جس طرح باپ کا حق بیٹے کی باندی میں ہوتا ہے۔ پس یہاں استیلاد اعلیٰ حق سے درست ہو جائے گا۔

اور جب استیلاد اور تدبیر یہ دونوں درست ہو جاتے ہیں تو یہ دونوں رہن سے خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کا محل بننا باطل ہو چکا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے سبب سے قرض کی وصولی درست نہ ہوئی۔ اور اس کے بعد جب راہن مالدار ہے تو وہ ان دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا اسی وضاحت کے مطابق جس کو ہم عتاق کے بارے میں بیان کر آئے ہیں۔

اور جب راہن تنگدست ہے تو مرتہن ام ولد اور مدبر سے سارے قرض کی کمائی کروائے گا۔ کیونکہ ان کی دونوں کی کمائی کا مال آقا کیلئے ہے۔ جبکہ معتق میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قرض اور قیمت سے تھوڑے کیلئے کمائی کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ معتق کی کمائی اسی کا حق ہے۔ جو چیز معتق کے پاس محبوس ہے۔ وہ قیمت کی مقدار کے مطابق ہے۔ پس قیمت پر اضافہ نہ کیا جائے گا۔ اور مرتہن کا حق قرض کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ پس معتق پر زیادتی لازم نہ آئے گی۔ اور یہ مدبر اور ام ولد یہ دونوں آقا کے مالدار ہو جانے کے بعد اس سے ادا کردہ رقم واپس لیں گے۔ کیونکہ انہوں نے آقا کیلئے قرض کو ادا کیا ہے۔ اور معتق رجوع کرے گا۔ کیونکہ اس نے اپنی ملکیت کو آقا کی جانب سے ادا کیا ہے۔ کیونکہ وہ تو اس پر مجبور ہے جس طرح اس کا بیان گزر گیا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب قرض مدت والا ہے تو مدبر اپنی قیمت میں کمائی کرے گا۔ کیونکہ قیمت مرہون کا بدلہ ہے۔ کیونکہ مرہون کی جگہ پر قیمت محبوس ہوا کرتی ہے۔ پس بدلہ معوض کی مقدار سے ہوگا۔

جبکہ یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے کہ جب قرض اسی حالت میں ادا کرنا واجب ہو کیونکہ اب کمائی سے قرض کو ادا کردیا جائے گا۔ اور جب راہن نے مدبر کو آزاد کردیا ہے اور ابھی مدبر کی کمائی کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ بھی نہ ہوا تھا تب بھی وہ قیمت کے مقدار کے مطابق سعایہ کرے گا۔ کیونکہ آزادی کے بعد اس کی کمائی اس کی اپنی ملکیت ہے۔ اور آزادی سے قبل اس نے جو قرض ادا کیا ہے۔ اس کو وہ اپنے آقا سے واپس نہ لے گا۔ کیونکہ اس نے وہ قرض آقا کے مال سے ادا کیا ہے۔

راہن کے ہلاکت رہن میں اسی پر ضمان ہونے کا بیان

قَالَ (وَكَذَلِكَ لَوْ اسْتَهْلَكَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ) ؛ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُحْتَرَمٌ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ بِالْإِتْلَافِ ، وَالضَّمَانُ رَهْنٌ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْعَيْنِ (فَإِنْ اسْتَهْلَكَهُ أَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ هُوَ

الْخَصْمُ فِي تَضْمِينِهِ فَيَأْخُذُ الْقِيمَةَ وَتَكُونُ رَهْنًا فِي يَدِهِ ؛ لِأَنَّهُ أَحَقُّ بِعَيْنِ الرَّهْنِ حَالَ قِيَامِهِ فَكَذَا فِي اسْتِرْدَادِ مَا قَامَ مَقَامَهُ ، وَالْوَاجِبُ عَلَى هَذَا الْمُسْتَهْلِكِ قِيمَتُهُ يَوْمَ هَلَكَ ، فَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ يَوْمَ اسْتَهْلَكَهُ خَمْسَمِائَةٍ وَيَوْمَ رَهَنَ أَلْفًا غَرِمَ خَمْسَمِائَةٍ وَكَانَتْ رَهْنًا وَسَقَطَ مِنْ الدَّيْنِ خَمْسُمِائَةٍ فَصَارَ الْحُكْمُ فِي الْخَمْسِمِائَةِ الزِّيَادَةَ كَأَنَّهَا هَلَكَتْ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي ضَمَانِ الرَّهْنِ الْقِيمَةُ يَوْمَ الْقَبْضِ لَا يَوْمَ الْفِكَاكِ ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ السَّابِقَ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ قَبْضُ اسْتِيفَاءٍ ، إلَّا أَنَّهُ يَتَقَرَّرُ عِنْدَ الْهَلَاكِ ؛

ترجمہ

اور جب راہن نے رہن کو ہلاک کردیا ہے تو ضمان بھی اسی پر واجب ہوگا کیونکہ وہ مرتہن کے حق محترم کو ہلاک کرنے کی وجہ سے مضمون بن گیا ہے۔ جبکہ ضمان مرتہن کے قبضہ میں رہے گا اس لئے کہ وہی عین کے قائم مقام ہے۔

اور جب کسی اجنبی شخص نے مرہون کو ہلاک کردیا ہے تو مرتہن اس کو ضامن بنانے میں خصم بن جائے گا۔ اور وہ قیمت لے گا۔ اور وہ قیمت مرتہن کے پاس رہن ہوگی۔ کیونکہ مرہون کی موجودگی میں اس کا زیادہ حقدار مرتہن ہی ہے۔ پس مرہون کے قائم مقام یعنی قیمت کو واپس لینے کا حقدار بھی وہی بنے گا۔ اور اس کی ہلاکت پر مرہونہ چیز کی وہی قیمت واجب ہوگی جو ہلاکت والے دن ہے پس اس طرح ہوگا کہ جب ہلاکت کے دن اس کی قیمت پانچ سو ہے اور رہن کے دن ہزار ہے ہے تو ہلاک کرنے والے پر پانچ سو کا ضمان ہوگا۔ اور یہ پانچ سو رہن ہوں گے۔ تو قرض میں سے پانچ سو ساقط ہو جائیں گے۔ اور ان پانچ سو میں سے جو زیادہ ہیں ان کے بارے میں یہی حکم ہوگا کہ وہ کسی مصیبت کے سبب ہلاک ہوئے ہیں۔ اور رہن کے ضمان میں قبضہ والے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے چھڑوانے والے دن کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مرتہن پر سابق قبضہ مضمون ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہی قبضہ استیفاء ہے۔ پس ہلاکت کے وقت ضمان قوی ہو جاتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی اجنبی نے مرہون کو تلف کردیا تو اُس ہلاک کرنے والے سے تاوان لینا مرتہن کا کام ہے ہلاک کرنے کے وقت جو اس کی قیمت تھی وہ قیمت تاوان میں لے اور اس میں وہی تفصیل ہے کہ میعاد پوری ہوگئی تو دَین میں وصول کرے اور میعاد باقی ہے تو یہ قیمت رہن میں رہے یہاں ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس روز چیز رہن رکھی گئی تھی اُس روز قیمت زیادہ تھی اور جس دن ہلاک ہوئی اُس کی قیمت کم ہوگئی تو اجنبی سے اگرچہ آج کی قیمت لے گا مگر مرتہن کے حق میں اُسی پہلی قیمت کا اعتبار ہوگا مثلاً فرض کرو ایک ہزار روپیہ دَین تھا اور چیز رہن رکھی گئی اُس کی قیمت بھی ایک ہزار تھی مگر جس روز اجنبی نے ہلاک کی اس کی قیمت پانسو ہے تو اجنبی سے پانسو تاوان لے گا اور پانسو روپے دَین کے ساقط ہو گئے جس طرح آفت سماویہ سے

ہلاک ہونے میں دَین ساقط ہوتا ہے۔

اور مرہون کی قیمت اس روز کی معتبر ہے جس دن رہن رکھا ہے یعنی جس دن مرتہن کا قبضہ ہوا ہے جس دن ہلاک ہوا اُس دن کی قیمت کا اعتبار نہیں یعنی رہن رکھنے کے بعد چیز کی قیمت گھٹ بڑھ گئی اس کا اعتبار نہیں مگر اگر دوسرے شخص نے مرہون کو ہلاک کر دیا تو اس سے تاوان میں وہ قیمت لی جائے گی جو ہلاک کرنے کے دن ہے اور یہ قیمت مرتہن کے پاس اُس مرہون کی جگہ رہن ہے یعنی اب یہ مرہون ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کا مرہونہ چیز کو ہلاک کر دینے کا بیان

(وَلَوْ اسْتَهْلَكَهُ الْمُرْتَهِنُ وَالدَّيْنُ مُؤَجَّلٌ غَرِمَ الْقِيمَةَ) ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ مِلْكَ الْغَيْرِ (وَكَانَتْ رَهْنًا فِي يَدِهِ حَتَّى يَحِلَّ الدَّيْنُ) ؛ لِأَنَّ الضَّمَانَ بَدَلُ الْعَيْنِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ (وَإِذَا حَلَّ الدَّيْنُ وَهُوَ عَلَى صِفَةِ الْقِيمَةِ اسْتَوْفَى الْمُرْتَهِنُ مِنْهَا قَدْرَ حَقِّهِ) ؛ لِأَنَّهُ جِنْسُ حَقِّهِ (ثُمَّ إنْ كَانَ فِيهِ فَضْلٌ يَرُدُّهُ عَلَى الرَّاهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ مِلْكِهِ وَقَدْ فَرَغَ عَنْ حَقِّ الْمُرْتَهِنِ (وَإِنْ نَقَصَتْ عَنْ الدَّيْنِ بِتَرَاجُعِ السِّعْرِ إلَى خَمْسِمِائَةٍ وَقَدْ كَانَتْ قِيمَتُهُ يَوْمَ الرَّهْنِ أَلْفًا وَجَبَ بِالِاسْتِهْلَاكِ خَمْسُمِائَةٍ وَسَقَطَ مِنْ الدَّيْنِ خَمْسُمِائَةٍ) ؛ لِأَنَّ مَا انْتَقَصَ كَالْهَالِكِ وَسَقَطَ الدَّيْنُ بِقَدْرِهِ ، وَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ فَهُوَ مَضْمُونٌ بِالْقَبْضِ السَّابِقِ لَا بِتَرَاجُعِ السِّعْرِ ، وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْبَاقِي بِالْإِتْلَافِ وَهُوَ قِيمَتُهُ يَوْمَ أُتْلِفَ ،

ترجمہ

اور جب مرہونہ چیز کو مرتہن ہلاک کر دے اور معیاد والا قرض ہو تو قیمت کا تاوان مرتہن دے گا۔ کیونکہ وہ دوسرے کی ملکیت کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اور وہ قیمت اس کے پاس رہن ہوگی۔ کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آ جائے۔ اس لئے کہ عین کا بدل ضمان ہے۔ پس اس کیلئے عین کا حکم ہوگا۔ اور جب ادائے دین کا وقت آ گیا تو وہ قیمت کی صفت پر ہوگا۔ تو مرتہن قیمت میں سے اپنے حق کی مقدار کے برابر لے گا۔ کیونکہ اس کے حق کی جنس میں سے یہی ہے۔ اور اگر وہ زیادہ ہے تو وہ راہن کو واپس کر دے گا۔ کیونکہ وہ راہن کے حق کا بدل ہے۔ اور اس کی یہ زیادتی بھی راہن کے حق سے فارغ ہے۔

اور جب ریٹ بدل جائے اور قیمت پانچ سو تک کم ہو جائے۔ جبکہ رہن کے دن مرہونہ چیز کی قیمت ایک ہزار تھی تو ہلاک ہو جانے کی وجہ سے پانچ سو واجب ہوں گے اور قرض سے پانچ سو ساقط ہو جائیں گے۔ کیونکہ جو مقدار کم ہوئی ہے وہ ہلاک شدہ کی طرح ہو جائے گی۔ پس وہ اس کی مقدار کے مطابق ساقط ہو جائے گا۔ اور قبضے والے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ مرتہن پر سابقہ قرض کی وجہ سے مرہونہ چیز مضمون ہے۔ جبکہ ریٹ بدلنے کی وجہ سے اور بقیہ پر ہلاک ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا اور

مرہون کی قیمت ہلاکت والے دن کی ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرتہن نے اگر مرہون میں کوئی ایسا فعل کیا جس کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہوگئی یا اُس میں نقصان پیدا ہوگیا تو ضامن ہے یعنی اس کا تاوان دینا ہوگا، مثلاً ایک کپڑا بیس ۲۰ روپے کی قیمت کا دس ۱۰ روپے میں رہن رکھا مرتہن نے باجازت راہن ایک مرتبہ اُسے پہنا اس کے پہننے سے چھ روپے قیمت گھٹ گئی اب وہ چودہ روپے کا ہوگیا اس کے بعد اس کو بغیر اجازت استعمال کیا اس استعمال سے چار روپے اور کم ہوگئے اب اس کی قیمت دس روپے ہوگئی اس کے بعد وہ کپڑا ضائع ہو گیا اس صورت میں مرتہن راہن سے صرف ایک روپیہ وصول کرسکتا ہے اور نو روپے ساقط ہوگئے کیونکہ رہن کے دن جب اس کی قیمت بیس ۲۰ روپے تھی اور قرض کے دس ۱۰ ہی روپے تھے تو نصف کا ضمان ہے اور نصف امانت ہے، پھر جب اس کو اجازت سے پہنا ہے تو چھ روپے کی جو کمی ہے اُس کا تاوان نہیں کہ یہ کمی باجازت مالک ہے مگر دوبارہ جو پہنا تو اس کی کمی کے چار روپے اس پر تاوان ہوئے گویا دس ۱۰ میں سے چار وصول ہوگئے چھ باقی ہیں پھر جس دن وہ کپڑا ضائع ہوا چونکہ دس ۱۰ کا تھا لہٰذا نصف قیمت کے پانچ روپے ہیں، امانت ہے اور نصف دوم کہ یہ بھی پانچ ہے اس کا ضمان ہے ہلاک ہونے سے نصف دوم بھی وصول سمجھو لہٰذا یہ پانچ اور چار پہلے کے کُل نو وصول ہوگئے، ایک باقی رہ گیا ہے وہ راہن سے لے سکتا ہے۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کا راہن کو مرہونہ چیز بطور عاریت دینے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا أَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ لِلرَّاهِنِ لِيَخْدُمَهُ أَوْ لِيَعْمَلَ لَهُ عَمَلًا فَقَبَضَهُ خَرَجَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ) لِمُنَافَاةٍ بَيْنَ يَدِ الْعَارِيَّةِ وَيَدِ الرَّهْنِ (فَإِنْ هَلَكَ فِي يَدِ الرَّاهِنِ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ) لِفَوَاتِ الْقَبْضِ الْمَضْمُونِ (وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَسْتَرْجِعَهُ إلَى يَدِهِ) ؛ لِأَنَّ عَقْدَ الرَّهْنِ بَاقٍ إلَّا فِي حُكْمِ الضَّمَانِ فِي الْحَالِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ هَلَكَ الرَّاهِنُ قَبْلَ أَنْ يَرُدَّهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ كَانَ الْمُرْتَهِنُ أَحَقَّ بِهِ مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ يَدَ الْعَارِيَّةِ لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ وَالضَّمَانُ لَيْسَ مِنْ لَوَازِمِ الرَّهْنِ عَلَى كُلِّ حَالٍ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ حُكْمَ الرَّهْنِ ثَابِتٌ فِي وَلَدِ الرَّهْنِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَضْمُونًا بِالْهَلَاكِ ، وَإِذَا بَقِيَ عَقْدُ الرَّهْنِ فَإِذَا أَخَذَهُ عَادَ الضَّمَانُ ؛ لِأَنَّهُ عَادَ الْقَبْضُ فِي عَقْدِ الرَّهْنِ فَيَعُودُ بِصِفَتِهِ ،

ترجمہ

اور جب راہن کو مرتہن نے مرہونہ چیز عاریت کے طور پر دی ہے۔ کہ وہ راہن کی خدمت کرے یا پھر اس کیلئے کوئی کام کرے

اور راہن نے اس پر قبضہ کیا ہے تو مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی۔ کیونکہ عاریت کے قبضہ اور رہن کے قبضہ کے درمیان فرق ہے۔

اور جب راہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو وہ کسی چیز کے سوا ہلاک ہوگا کیونکہ مضمون کا قبضہ فوت ہو گیا ہے۔ اور مرتہن کیلئے حق ہے کہ وہ مرہون کو واپس اپنے قبضے میں لے۔ کیونکہ رہن کا عقد باقی ہے۔ مگر جب ضمان کے حکم میں باقی نہیں ہے۔

کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے تو جب مرتہن کا مرہون واپس کرنے سے پہلے راہن فوت ہو جائے۔ تو مرتہن تمام قرض خواہوں سے زیادہ مرہونہ کا حقدار بنے گا۔ اور یہ حکم اس سبب سے ہے کہ قبضہ عاریت کو لازم نہیں ہے۔ اور ضمان ہر حالت میں رہن کے احکام میں سے نہیں ہے۔ کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ بچے میں بھی رہن کا حکم ثابت ہے۔ اگر چہ وہ بچہ مضمون بہ ہلاکت نہیں ہے۔

اور جب رہن کا عقد باقی ہے۔ تو مرتہن مرہون کو لے گا تو ضمان لوٹ کر آئے گا۔ کیونکہ رہن کے عقد میں قبضہ لوٹ کر آیا ہے۔ پس وہ قبضہ اپنی صفت کے ساتھ لوٹنے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرہون چیز سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً لونڈی غلام ہو تو اس سے خدمت لینا یا اجارہ پر دینا مکان میں سکونت کرنا یا کرایہ پر اُٹھانا یا عاریت پر دینا، کپڑے اور زیور کو پہننا یا اجارہ و عاریت پر دینا الغرض نفع کی سب صورتیں ناجائز ہیں اور جس طرح مرتہن کو نفع اُٹھانا ناجائز ہے راہن کو بھی ناجائز ہے۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

اجنبی کو مرہونہ چیز عاریت پر دینے کا بیان

(وَكَذَلِكَ لَوْ أَعَارَهُ أَحَدُهُمَا أَجْنَبِيًّا بِإِذْنِ الْآخَرِ سَقَطَ حُكْمُ الضَّمَانِ) لِمَا قُلْنَا (وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَرُدَّهُ رَهْنًا كَمَا كَانَ) ؛ لِأَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَقًّا مُحْتَرَمًا فِيهِ وَهَذَا بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ وَالْبَيْعِ وَالْهِبَةِ مِنْ أَجْنَبِيٍّ إذَا بَاشَرَهَا أَحَدُهُمَا بِإِذْنِ الْآخَرِ حَيْثُ يَخْرُجُ عَنْ الرَّهْنِ فَلَا يَعُودُ إلَّا بِعَقْدٍ مُبْتَدَإٍ،

(وَلَوْ مَاتَ الرَّاهِنُ قَبْلَ الرَّدِّ إلَى الْمُرْتَهِنِ يَكُونُ الْمُرْتَهِنُ أُسْوَةً لِلْغُرَمَاءِ) ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِالرَّهْنِ حَقٌّ لَازِمٌ بِهَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ فَيَبْطُلُ بِهِ حُكْمُ الرَّهْنِ ، أَمَّا بِالْعَارِيَّةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقٌّ لَازِمٌ فَافْتَرَقَا،

ترجمہ

اور جب راہن اور مرہونہ میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت سے کسی غیر شخص کو مرہونہ کو عاریت پر دے دیا ہے۔ تو

ضمان کا حکم ساقط ہو جائے گا۔اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔اور راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہوگا۔جبکہ سابقہ مرہون کو رہن کی جانب لوٹا دے۔کیونکہ مرہون ان میں سے ہر ایک کا حق محترم ہے۔

اور یہ اجنبی کے ہاتھ پر مرہونہ چیز کو اجارہ پر دینے فروخت کرنے اور ہبہ کرنے کے خلاف ہے۔جبکہ راہن اور مرتہن میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت سے انجام دیا ہے۔پس مرہونہ رہن سے خارج ہو جائے گا۔پس جدید عقد کے بغیر رہن لوٹ کر نہیں آئے گی۔

اور جب مرتہن کو واپس کرنے سے پہلے راہن فوت ہو گیا ہے تو مرتہن قرض خواہوں کے برابر ہوگا۔کیونکہ ان تصرفات کی وجہ سے رہن کے ساتھ لازم حق متعلق ہو گیا ہے۔پس اس وجہ سے رہن کا حکم باطل ہو جائے گا۔جبکہ عاریت سے کوئی لازم حق متعلق نہ ہوگا۔پس یہ دونوں الگ ہو جائیں گے۔

شرح

اور راہن و مرتہن میں سے ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون شے کسی اجنبی کو بطور عاریت دے دی یا اجنبی کے پاس ودیعت رکھ دی تو مرہون ضمان سے نکل گیا اور دونوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ اُسے پھر ضمان میں لائے یعنی اُسے رہن بنا دے۔

اور مرتہن نے راہن سے مرہون کو استعمال کرنے کے لیے عاریت لیا یہ عاریت صحیح ہے مگر استعمال سے پہلے یا استعمال کے بعد مرہون ہلاک ہوا تو مرتہن ضامن ہے یعنی وہی حکم ہے جو مرتہن کے پاس مرہون کے ہلاک ہونے میں ہوتا ہے اور اگر حالت استعمال میں ہوا تو مرتہن کے ذمہ کچھ ضمان نہیں۔اسی طرح اگر مرتہن کو راہن نے استعمال کی اجازت دے دی ہے تو حالت استعمال میں ہلاک ہونے میں ضمان نہیں ہے اور قبل یا بعد میں ہلاک ہوا تو ضمان ہے۔

مرتہن کا راہن سے مرہون کو عاریت پر لینے کا بیان

(وَإِذَا اسْتَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مِنْ الرَّاهِنِ لِيَعْمَلَ بِهِ فَهَلَكَ قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَ فِي الْعَمَلِ هَلَكَ عَلَى ضَمَانِ الرَّهْنِ) لِبَقَاءِ يَدِ الرَّهْنِ (وَكَذَا إذَا هَلَكَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ الْعَمَلِ) لِارْتِفَاعِ يَدِ الْعَارِيَّةِ (وَلَوْ هَلَكَ فِي حَالَةِ الْعَمَلِ هَلَكَ بِغَيْرِ ضَمَانٍ) لِثُبُوتِ يَدِ الْعَارِيَّةِ بِالِاسْتِعْمَالِ ، وَهِيَ مُخَالِفَةٌ لِيَدِ الرَّاهِنِ فَانْتَفَى الضَّمَانُ (وَكَذَا إذَا أَذِنَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ بِالِاسْتِعْمَالِ) لِمَا بَيَّنَّاهُ،

ترجمہ

اور جب مرتہن نے راہن سے مرہون کا عاریت پر لیا ہے تا کہ اس سے کام کرے۔مگر کام کرنے سے پہلے ہی مرہون ہلاک

گئی ہے۔ تو وہ ضمان رہن پر ہلاک ہوگا۔ کیونکہ رہن پر قبضہ باقی ہے۔ اور اسی طرح جب کام سے فارغ ہونے کے بعد مرہون ہلاک ہوا ہے کیونکہ عاریت کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ اور جب کام کرنے حالت میں مرہون ہلاک ہوئی ہے۔ تو وہ ضمان کے سوا ہلاک ہوگی۔ کیونکہ عاریت کا قبضہ استعمال کی وجہ سے ثابت ہے۔ اور وہ رہن کے قبضہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ضمان ختم ہوگئی ہے۔ اور اسی طرح جب راہن مرتہن کو استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب کسی شخص نے دوسرے سے کوئی چیز رہن رکھنے کے لئے عاریت مانگی اس نے دے دی اس چیز کو رہن رکھنا جائز ہے پھر اگر مالک نے کوئی قید نہیں لگائی ہے تو مستعیر کو اختیار ہے کہ جس کے پاس چاہے جتنے میں چاہے جس شہر میں چاہے رہن رکھے اس کے ذمہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور اگر مالک نے معین کردیا ہے کہ فلاں کے پاس رکھنا یا فلاں شہر میں یا اتنے میں رکھنا تو اس کو پابندی کرنی ضرور ہے خلاف کرنے کی اجازت نہیں اور اگر اُس نے مالک کے کہنے کے خلاف کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ اپنی چیز مرتہن سے لے لے اور رہن کو فسخ کردے اور چیز ہلاک ہوگئی ہے تو اس کی پوری قیمت کا تاوان لے۔ تاوان لینے میں اختیار ہے کہ راہن سے تاوان لے یا مرتہن سے اگر مستعیر سے ضمان لیا رہن صحیح ہوگیا اور مرتہن سے ضمان لیا تو مرتہن اپنا دَین اور یہ ضمان دونوں راہن سے وصول کریگا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

اور جب مالک نے جو قید لگادی ہے اس کی مخالفت اس وجہ سے نہیں کی جاسکتی کہ مالک کے نقصان کا اندیشہ ہے کیونکہ مالک کو اگر ضرورت پیش آتی اور یہ چاہتا ہے کہ رہن چھڑالوں اور جس رقم کے مقابل میں اس نے رہن رکھنے کو کہا تھا اس سے زیادہ رقم کے مقابل میں رہن ہے تو بسا اوقات مالک کو اس رقم کے فراہم کرنے میں دُشواری ہوگی اسی طرح اگر مالک کی بتائی ہوئی رقم سے کم میں رکھی اور چیز تلف ہوگئی تو قیمتی چیز تھوڑے سے داموں کے مقابل میں ہلاک ہوگئی اس میں بھی مالک کا نقصان ہے۔ اسی طرح مرتہن اور جگہ کی قید لگانے میں فوائد ہیں لہٰذا یہ قیدیں بیکار نہیں ہیں کہ ان کا لحاظ نہ کیا جائے۔

رہن رکھنے کیلئے کپڑا ادھار لینے کا بیان

(وَمَنْ اسْتَعَارَ مِنْ غَيْرِهِ ثَوْبًا لِيَرْهَنَهُ فَمَا رَهَنَهُ بِهِ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ فَهُوَ جَائِزٌ) ؛ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِإِثْبَاتِ مِلْكِ الْيَدِ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّبَرُّعِ بِإِثْبَاتِ مِلْكِ الْعَيْنِ وَالْيَدِ وَهُوَ قَضَاءُ الدَّيْنِ ، وَيَجُوزُ أَنْ يَنْفَصِلَ مِلْكُ الْيَدِ عَنْ مِلْكِ الْعَيْنِ ثُبُوتًا لِلْمُرْتَهِنِ كَمَا يَنْفَصِلُ زَوَالًا فِي حَقِّ الْبَائِعِ ، وَالْإِطْلَاقُ وَاجِبُ الِاعْتِبَارِ خُصُوصًا فِي الْإِعَارَةِ ؛ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ فِيهَا لَا تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ (وَلَوْ عَيَّنَ قَدْرًا لَا يَجُوزُ لِلْمُسْتَعِيرِ أَنْ يَرْهَنَهُ بِأَكْثَرَ مِنْهُ ، وَلَا بِأَقَلَّ مِنْهُ) ؛ لِأَنَّ التَّقْيِيدَ مُفِيدٌ ، وَهُوَ يَنْفِي الزِّيَادَةَ ؛ لِأَنَّ غَرَضَهُ الِاحْتِبَاسُ بِمَا تَيَسَّرَ أَدَاؤُهُ ، وَيَنْفِي

النُّقْصَانَ أَيْضًا ؛ لِأَنَّ غَرَضَهُ أَنْ يَصِيرَ مُسْتَوْفِيًا لِلْأَكْثَرِ بِمُقَابَلَتِهِ عِنْدَ الْهَلَاكِ لِيَرْجِعَ بِهِ عَلَيْهِ،

ترجمہ

اور جس بندے نے کسی دوسرے شخص سے ادھار پر کپڑا لیا ہے تو وہ جتنی مقدار کے بدلے میں اس کو رہن میں رکھے گا۔ اگر چہ وہ زیادہ ہو یا تھوڑا ہو کیونکہ عاریت پر دیئے قبضہ کی ملکیت کو ثابت کر کے احسان کرنے والا ہے۔ پس کو عین کی ملکیت اور قبضہ کی ملکیت پر قیاس کیا جائے گا۔ اور وہ قرض کو ادا کرنا ہے۔ اور مرتہن کیلئے ثبوت کے اعتبار سے قبضہ کی ملکیت کا عین کی ملکیت سے الگ ہونا ممکن ہے۔ جس طرح بائع کے حق میں ختم ہونے کے اعتبار سے انفصال ہو جاتا ہے۔ جبکہ اطلاق کا اعتبار واجب ہے۔ خاص طور پر عاریت میں ہے۔ کیونکہ عاریت میں جہالت کا ہونا یہ جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہے۔

اور جب عاریت پر دینے والے شخص نے کسی مقدار کو معین کر دیا ہے تو عاریت پر لینے والے کیلئے اس سے زائد یا کم کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں قید فائدے مند ہے۔ اور یہ قید زیادتی کی نفی کرنے والی ہے۔ کیونکہ عاریت پر دینے والے کا مقصد یہ ہے کہ مرتہن ہلاکت کے وقت اس کے مدمقابل زیادہ کو وصول کرنے والا ہے۔ تا کہ عاریت پر دینے والے عاریت پر لینے والے سے رجوع کرے۔

شرح

اور مرتہن نے اگر مرہون میں کوئی ایسا فعل کیا جس کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہوگئی یا اُس میں نقصان پیدا ہو گیا تو ضامن ہے یعنی اس کا تاوان دینا ہوگا، مثلاً ایک کپڑا بیس ۲۰ روپے کی قیمت کا دس ۱۰ روپے میں رہن رکھا مرتہن نے باجازت راہن ایک مرتبہ اُسے پہنا اس کے پہننے سے ۶ روپے قیمت گھٹ گئی اب وہ چودہ روپے کا ہو گیا اس کے بعد اس کو بغیر اجازت استعمال کیا اس استعمال سے چار روپے اور کم ہوئے اب اس کی قیمت دس روپے ہوگئی اس کے بعد وہ کپڑا ضائع ہو گیا اس صورت میں مرتہن راہن سے صرف ایک روپیہ وصول کر سکتا ہے اور نو روپے ساقط ہو گئے کیونکہ رہن کے دن جب اس کی قیمت بیس ۲۰ روپے تھی اور قرض کے دس ۱۰ ہی روپے تھے تو نصف کا ضمان ہے اور نصف امانت ہے، پھر جب اس کو اجازت سے پہنا ہے تو چھ روپے کی جو کمی ہے اُس کا تاوان نہیں کہ یہ کمی باجازت مالک ہے مگر دوبارہ جو پہنا تو اس کی کمی کے چار روپے اس پر تاوان ہوئے گویا دس ۱۰ میں سے چار وصول ہو گئے چھ باقی ہیں پھر جس دن وہ کپڑا ضائع ہوا چونکہ دس ۱۰ کا تھا لہٰذا نصف قیمت کے پانچ روپے ہیں، امانت ہے اور نصف دوم کہ یہ بھی پانچ ہے اس کا ضمان ہے ہلاک ہونے سے نصف دوم بھی وصول سمجھو لہٰذا یہ پانچ اور چار پہلے کے کُل نو وصول ہو گئے، ایک باقی رہ گیا ہے وہ راہن سے لے سکتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب رہن، بیروت)

مرہونہ کو جنس، مرتہن اور شہر کے ساتھ مقید کرنے کا بیان

(وَكَذَلِكَ التَّقْيِيدُ بِالْجِنْسِ وَبِالْمُرْتَهِنِ وَبِالْبَلَدِ) ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مُفِيدٌ لِتَيَسُّرِ الْبَعْضِ

بِـالْإِضَافَةِ إلَى الْبَعْضِ وَتَفَاوُتِ الْأَشْخَاصِ فِي الْأَمَانَةِ وَالْحِفْظِ (فَإِذَا خَالَفَ كَانَ ضَامِنًا ، ثُـمَّ إنْ شَاءَ الْمُعِيرُ ضَمَّنَ الْمُسْتَعِيرَ وَيَتِمُّ عَقْدُ الرَّهْنِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُرْتَهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَـهُ بِـأَدَاءِ الضَّمَانِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ رَهَنَ مِلْكَ نَفْسِهِ (وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ ، وَيَرْجِعُ الْـمُرْتَهِـنُ بِمَا ضَمِنَ وَبِالدَّيْنِ عَلَى الرَّاهِنِ) وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الِاسْتِحْقَاقِ (وَإِنْ وَافَقَ) بِأَنْ رَهَنَـهُ بِمِقْدَارِ مَا أَمَرَهُ بِهِ ،(إنْ كَـانَـتْ قِيـمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَكْثَرَ فَهَلَكَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ يَبْطُلُ الْـمَـالُ عَـنْ الرَّاهِنِ) لِتَمَامِ الِاسْتِيفَاءِ بِالْهَلَاكِ (وَوَجَبَ مِثْلُهُ لِرَبِّ الثَّوْبِ عَلَى الـرَّاهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ صَارَ قَاضِيًا دَيْنَهُ بِمَالِهِ بِهَذَا الْقَدْرِ وَهُوَ الْمُوجِبُ لِلرُّجُوعِ دُونَ الْقَبْضِ بِذَاتِهِ ؛ لِأَنَّهُ بِرِضَاهُ ،

ترجمہ

اوراسی طرح جنس ،مرتہن اور شہر کے ساتھ مقید کرنے کا حکم بھی ہے کہ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ ہے۔بعض جنس کا دوسرے بعض کی بہ نسبت آسانی ہونے اور امانت داری اور حفاظت میں لوگوں کے مال میں فرق ہونے کی وجہ سے ہوگا۔اور جب مستعیر نے معیر کی مخالفت کی ہے تو وہ ضامن بن جائے گا۔اوراس کے بعد معیر جب چاہے گا وہ مستعیر سے ضمان لے گا۔اوراس طرح راہن اور مرتہن کے درمیان رہن کا عقد مکمل ہو جائے گا۔کیونکہ مستعیر سے راہن ضمان ادا کروا کے مرہونہ کا مالک بن چکا ہے۔پس یہ مسئلہ واضح ہوگیا ہے کہ مستعیر اپنی ملکیت میں رہن رکھنے والا ہے۔

اور جب معیر چاہے گا وہ مرتہن سے ضمان لے گا۔اور مرتہن مضمون کی مقدار کو اور قرض کو واپس لے گا۔اوراس کے استحقاق کے احکام میں ہم اس کو بیان کر آئے ہیں۔

اور جب مستعیر نے معیر کی موافقت کی ہے اور وہ اس طرح کہ معیر نے جس مقدار کا حکم دیا تھا۔اسی کے بدلے میں مستعار کو رہن میں رکھ دیا ہے تو اب اگر اس کی قیمت قرض کے برابر ہے یا اس سے زیادہ ہے اور وہ مستعار چیز مرتہن کے ہاں سے ہلاک ہوگئی ہے۔تو راہن سے قرض ساقط ہو جائے گا۔کیونکہ ہلاکت کے سبب قرض کی وصولی مکمل ہو چکی ہے۔جبکہ کپڑے والے پر اسی کی مثل واجب ہوگا۔اس لئے کہ مستعیر مال معیر میں اتنی ہی مقدار کے مطابق قرض کو ادا کرنے والا ہے۔اور موجب رجوع یہی چیز ہے جبکہ نفس قبضہ موجب رجوع نہیں ہے۔اس لئے کہ قبضہ معیر کی مرضی سے ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دوسرے سے کوئی چیز رہن رکھنے کے لئے عاریت مانگی اس نے دے دی اس چیز کو رہن رکھنا جائز ہے پھر اگر مالک نے کوئی قید نہیں لگائی ہے تو مستعیر کو اختیار ہے کہ جس کے پاس چاہے جتنے میں چاہے جس شہر میں

چاہے رہن رکھے اس کے ذمہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور اگر مالک نے معین کردیا ہے کہ فلاں کے پاس رکھنا یا فلاں شہر میں یا اتنے میں رکھنا تو اس کو پابندی کرنی ضرور ہے خلاف کرنے کی اجازت نہیں اور اگر اُس نے مالک کے کہنے کے خلاف کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ اپنی چیز مرتہن سے لے لے اور رہن کو فسخ کردے اور چیز ہلاک ہوگئی ہے تو اس کی پوری قیمت کا تاوان لے۔ تاوان لینے میں اختیار ہے کہ راہن سے تاوان لے یا مرتہن سے اگر مستعیر سے ضمان لیا رہن صحیح ہوگیا اور مرتہن سے ضمان لیا تو مرتہن اپنا دین اور یہ ضمان دونوں راہن سے وصول کریگا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مالک نے جو قید لگا دی ہے اس کی مخالفت اس وجہ سے نہیں کی جاسکتی کہ مالک کے نقصان کا اندیشہ ہے کیونکہ مالک کو اگر ضرورت پیش آتی اور یہ چاہتا ہے کہ رہن چھڑالوں اور جس رقم کے مقابل میں اس نے رہن رکھنے کو کہا تھا اس سے زیادہ رقم کے مقابل میں رہن ہے تو بسا اوقات مالک کو اس رقم کے فراہم کرنے میں دشواری ہوگی اسی طرح اگر مالک کی بتائی ہوئی رقم سے کم میں رکھی اور چیز تلف ہوگئی تو قیمتی چیز تھوڑے سے داموں کے مقابل میں ہلاک ہوگئی اس میں بھی مالک کا نقصان ہے۔ اسی طرح مرتہن اور جگہ کی قید لگانے میں فوائد ہیں لہٰذا یہ قیدیں بیکار نہیں ہیں کہ ان کا لحاظ نہ کیا جائے۔

مرہونہ کے عیب کی مثل اسقاط دین کا بیان

وَكَذَلِكَ إنْ أَصَابَهُ عَيْبٌ ذَهَبَ مِنْ الدَّيْنِ بِحِسَابِهِ وَوَجَبَ مِثْلُهُ لِرَبِّ الثَّوْبِ عَلَى الرَّاهِنِ عَلَى مَا بَيَّنَّا.

(وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ الدَّيْنِ ذَهَبَ بِقَدْرِ الْقِيمَةِ وَعَلَى الرَّاهِنِ بَقِيَّةُ دَيْنِهِ لِلْمُرْتَهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ الِاسْتِيفَاءُ بِالزِّيَادَةِ عَلَى قِيمَتِهِ وَعَلَى الرَّاهِنِ لِصَاحِبِ الثَّوْبِ مَا صَارَ بِهِ مُوفِيًا لِمَا بَيَّنَّاهُ (وَلَوْ كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ فَأَرَادَ الْمُعِيرُ أَنْ يَفْتَكَّهُ جَبْرًا عَنْ الرَّاهِنِ لَمْ يَكُنْ لِلْمُرْتَهِنِ إذَا قَضَى دَيْنَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ) ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَبَرِّعٍ حَيْثُ يُخَلِّصُ مِلْكَهُ وَلِهَذَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِمَا أَدَّى الْمُعِيرُ فَأُجْبِرَ الْمُرْتَهِنُ عَلَى الدَّفْعِ (بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ إذَا قَضَى الدَّيْنَ) ؛ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ ؛ إذْ هُوَ لَا يَسْعَى فِي تَخْلِيصِ مِلْكِهِ وَلَا فِي تَفْرِيغِ ذِمَّتِهِ فَكَانَ لِلطَّالِبِ أَنْ لَا يَقْبَلَهُ،

ترجمہ

اور اسی جب مرہونہ چیز میں کوئی عیب پیدا ہوگیا ہے تو قرض اسی کے حساب سے ساقط ہو جائے گا۔ اور راہن پر کپڑے والے مسئلہ کی طرح کی اسی کے مثل لازم ہوگا اسی وضاحت کے مطابق جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔

اور جب مرہونہ چیز کی قیمت قرض سے بھی تھوڑی ہے تو اس قیمت کی مقدار کے برابر قرض ختم ہو جائے گا۔ اور راہن پر بقیہ قرض لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ قیمت سے زائد تو وصولی ہوئی نہیں ہے۔ اور راہن پر کپڑے والے مسئلہ میں وہ مقدار لازم ہوگی جس کے سبب سے وہ قرض کو ادا کرنے والا بنا ہے۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور جب مرہونہ چیز کی قیمت قرض کے برابر ہے اور راہن کی تنگدستی کے سبب معیر نے مرہونہ کو چھڑوانے کا قصد کیا ہے تو اب جب معیر نے مرتہن کا قرض ادا کر دیا ہے تو اس کو روکنے کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ معیر احسان کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ملکیت کو چھڑوا رہا ہے۔ لہذا معیر ادا کردہ مقدار کو راہن سے واپس لے گا۔ کیونکہ مرتہن کو مرہونہ چیز دینے پر مجبور کیا گیا ہے۔ جبکہ اجنبی میں ایسا نہیں ہے یہ کہ جب وہ قرض کو ادا کر دیتا ہے۔ تو وہ اجنبی احسان کرنے والا ہے۔ کیونکہ اجنبی اپنی ملکیت سے اس کو چھڑوانے میں کوشش کرنے والا نہیں ہے۔ اور وہ نہ ہی اپنی ذمہ داری سے فارغ ہونے والا ہے۔ پس مرتہن کیلئے یہ حق ہوگا کہ وہ اس کے ادا کردہ کو قبول نہ کرے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ راہن یہ کہتا ہے کہ مرہون چیز مجھے دے دو میں اسے بیچ کر تمہارا دَین ادا کروں گا مرتہن کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ مرہون کو دیدے۔ یوہیں اگر کچھ حصہ دَین کا ادا کر دیا ہے کچھ باقی ہے یا مرتہن نے کچھ دَین معاف کر دیا ہے کچھ باقی ہے راہن یہ کہتا ہے کہ مرہون کا ایک جز مجھے دے دیا جائے کیونکہ میرے ذمہ کل دَین باقی نہ رہا اس صورت میں بھی مرتہن پر یہ ضرور نہیں کہ مرہون کا جز واپس کرے جب تک پورا دَین ادا نہ ہو جائے یا مرتہن معاف نہ کر دے واپس کرنے پر مجبور نہیں ہاں اگر دو چیزیں رہن رکھی ہیں اور ہر ایک کے مقابل میں دَین کا حصہ مقرر کر دیا ہے مثلاً سو۱۰۰ روپے قرض لئے اور دو چیزیں رہن کیں کہہ دیا کہ ساٹھ روپے کے مقابل میں یہ ہے اور چالیس کے مقابل میں وہ تو اس صورت میں جس کے مقابل کا دَین ادا کیا اُسے چھوڑا سکتا ہے کہ یہاں حقیقۃً دو عقد ہیں۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

رہن سے چھڑوانے کے بعد مستعار کپڑے کے ہلاک ہو جانے کا بیان

(وَلَوْ هَلَكَ الثَّوْبُ الْعَارِيَّةُ عِنْدَ الرَّاهِنِ قَبْلَ أَنْ يَرْهَنَهُ أَوْ بَعْدَ مَا افْتَكَّهُ فَلا ضَمَانَ عَلَيْهِ) ؛لِأَنَّهُ لا يَصِيرُ قَاضِيًا بِهَذَا ، وَهُوَ الْمُوجِبُ عَلَى مَا بَيَّنَّا (وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي ذَلِكَ فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ) لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الْإِيفَاءَ بِدَعْوَاهُ الْهَلَاكَ فِي هَاتَيْنِ الْحَالَتَيْنِ .

(كَمَا لَوْ اخْتَلَفَا فِي مِقْدَارِ مَا أَمَرَهُ بِالرَّهْنِ بِهِ فَالْقَوْلُ لِلْمُعِيرِ) ؛لِأَنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهُ فِي إنْكَارِ أَصْلِهِ فَكَذَا فِي إنْكَارِ وَصْفِهِ (وَلَوْ رَهَنَهُ الْمُسْتَعِيرُ بِدَيْنٍ مَوْعُودٍ وَهُوَ أَنْ يَرْهَنَهُ بِهِ لِيُقْرِضَهُ كَذَا فَهَلَكَ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ قَبْلَ الْإِقْرَاضِ وَالْمُسَمَّى وَالْقِيمَةُ سَوَاءٌ يَضْمَنُ

قَدْرَ الْمَوْعُودِ الْمُسَمَّى) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ كَالْمَوْجُودِ وَيَرْجِعُ الْمُعِيرُ عَلَى الرَّاهِنِ بِمِثْلِهِ ؛ لِأَنَّ سَلَامَةَ مَالِيَّةِ الرَّهْنِ بِاسْتِيفَائِهِ مِنَ الْمُرْتَهِنِ كَسَلَامَتِهِ بِبَرَاءَةِ ذِمَّتِهِ عَنْهُ

ترجمہ

اور راہن کا کپڑا رہن میں رکھنے سے پہلے یا اس کو چھڑوانے کے بعد راہن کے پاس سے ہلاک ہوگیا ہے۔ تو اس پر ضمان نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کے سبب سے وہ اپنا قرض ادا کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ ضمان کو واجب کرنے والا یہی تھا۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور جب اس کے بارے میں مستعیر و معیر نے اختلاف کیا ہے۔ تو راہن کا کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ دونوں احوال میں اپنے دعویٰ ہلاکت کے سبب سے ادا کرنے کا انکاری ہے۔ جس طرح وہ دونوں اس کی مقدار میں اختلاف کریں جس کے بدلے میں معیر نے مستعیر کو رہن رکھنے کا حکم دیا ہے تو معیر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ جب اصل کے انکار پر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا تو اس کے وصف کے انکار کرنے میں بھی اسی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور مستعیر نے مستعار شدہ چیز کو وعدہ کیے ہوئے قرض کے بدلے میں رہن رکھ دیا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ مستعیر رہن میں رکھ دے کہ مرتہن اس کو اتنی مقدار میں قرض دیدے۔ اس کے بعد قرض دینے سے قبل مرتہن کے قبضہ سے وہ مرہونہ چیز ہلاک ہوگئی ہے اور ذکر کردہ مرہونہ چیز اور اس کی قیمت برابر ہیں تو مرتہن وعدہ کیے گئے قرض کا ضامن بن جائے گا اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں کہ وہ موجود کی طرح ہے۔ اور معیر راہن سے اسی کے مثل واپس لے گا۔ کیونکہ راہن کے مرتہن سے وصولی کے سبب مالیت رہن کی سلامتی ایسی ہے جس طرح راہن کے ذہن سے بری ہونے کی صورت میں اس کی سلامتی بھی ہوگی۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک شخص نے اسباب رہن رکھا وہ مرتہن کے پاس تلف ہوگیا لیکن راہن اور مرتہن کو زر رہن کی مقدار میں اختلاف نہیں ہے البتہ شئے مرہوں کی قیمت میں اختلاف ہے راہن کہتا ہے اس کی قیمت بیس دینار ہے۔ اور مرتہن کہتا ہے اس کی قیمت دس دینار تھی اور رہن بیس دینار ہے اور مرہن سے کہا جائے گا کہ شئے مرہوں کے اوصاف بیان کر جب وہ بیان کرے تو اس سے حلف لے کر نگاہ والوں سے ایسی شئے کی قیمت دریافت کریں اگر وہ قیمت زر رہن سے زیادہ ہو تو مرتہن سے کہا جائے گا جس قدر زیادہ ہے وہ راہن کو دے اگر قیمت کم ہے تو مرتہن جس قدر کم ہے راہن سے لے لے اگر برابر ہے تو خیر قصہ چکا نہ یہ کچھ دے نہ وہ کچھ دے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1321)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر شئے مرہوں موجود ہو لیکن راہن زر رہن دس دینار بیان کرے اور مرتہن بیس دینار تو مرتہن حلف اٹھائے اگر شئے مرہوں کی بیس دینار قیمت ہو تو اسی شئے مرہوں کو اپنے دین کے بدلے میں لے لے البتہ اگر

راہن بیس دینار ادا کر کے اپنی شئے لینا چاہے تو لے سکتا ہے اگر اس شئے مرہوں کی قیمت بیس دینار سے کم ہو تو مرتہن سے حلف لے پھر راہن کو اختیار ہے یا بیس دینار دے کر اپنی شئے لے لے یا خود بھی حلف اٹھائے کہ میں نے اتنے پر رہن کی تھی اگر حلف اٹھائے تو جس قدر شئے مرہوں کی قیمت سے مرتہن نے دین زیادہ بیان کیا ہے وہ اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا ورنہ دینار پڑے گا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1322)

عاریت والے غلام کو معیر کے آزاد کرنے کا بیان

(وَلَوْ كَانَتْ الْعَارِيَّةُ عَبْدًا فَأَعْتَقَهُ الْمُعِيرُ جَازَ) لِقِيَامِ مِلْكِ الرَّقَبَةِ (ثُمَّ الْمُرْتَهِنُ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ رَجَعَ بِالدَّيْنِ عَلَى الرَّاهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَسْتَوْفِهِ (وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْمُعِيرُ قِيمَتَهُ) ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ قَدْ تَعَلَّقَ بِرَقَبَتِهِ بِرِضَاهُ وَقَدْ أَتْلَفَهُ بِالْإِعْتَاقِ (وَتَكُونُ رَهْنًا عِنْدَهُ إلَى أَنْ يَقْبِضَ دَيْنَهُ فَيَرُدَّهَا إلَى الْمُعِيرِ) ؛ لِأَنَّ اسْتِرْدَادَ الْقِيمَةِ كَاسْتِرْدَادِ الْعَيْنِ

(وَلَوْ اسْتَعَارَ عَبْدًا أَوْ دَابَّةً لِيَرْهَنَهُ فَاسْتَخْدَمَ الْعَبْدَ أَوْ رَكِبَ الدَّابَّةَ قَبْلَ أَنْ يَرْهَنَهُمَا ثُمَّ رَهَنَهُمَا بِمَالٍ مِثْلِ قِيمَتِهِمَا ثُمَّ قَضَى الْمَالَ فَلَمْ يَقْبِضْهُمَا حَتَّى هَلَكَا عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ فَلَا ضَمَانَ عَلَى الرَّاهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ قَدْ بَرِءَ مِنْ الضَّمَانِ حِينَ رَهَنَهُمَا ، فَإِنَّهُ كَانَ أَمِينًا خَالَفَ ثُمَّ عَادَ إلَى الْوِفَاقِ (وَكَذَا إذَا افْتَكَّ الرَّهْنَ ثُمَّ رَكِبَ الدَّابَّةَ أَوْ اسْتَخْدَمَ الْعَبْدَ فَلَمْ يَعْطَبْ ثُمَّ عَطِبَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ صُنْعِهِ لَا يَضْمَنُ) ؛ لِأَنَّهُ بَعْدَ الْفِكَاكِ بِمَنْزِلَةِ الْمُودَعِ لَا بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَعِيرِ لِانْتِهَاءِ حُكْمِ الِاسْتِعَارَةِ بِالْفِكَاكِ وَقَدْ عَادَ إلَى الْوِفَاقِ فَيَبْرَأُ عَنْ الضَّمَانِ ، وَهَذَا بِخِلَافِ الْمُسْتَعِيرِ ؛ لِأَنَّ يَدَهُ يَدُ نَفْسِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ الْوُصُولِ إلَى يَدِ الْمَالِكِ ، أَمَّا الْمُسْتَعِيرُ فِي الرَّهْنِ فَيَحْصُلُ مَقْصُودُ الْآمِرِ وَهُوَ الرُّجُوعُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْهَلَاكِ وَتَحَقُّقِ الِاسْتِيفَاءِ

ترجمہ

اور جب عاریت پر غلام تھا کہ معیر نے اس کو آزاد کر دیا ہے تو ایسا جائز ہے کیونکہ رقبہ کی ملکیت قائم ہے اس کے بعد مرتہن کیلئے اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو راہن سے قرض وصول کرے اس لئے کہ اس نے قرض وصول نہیں کیا ہے۔اور اگر وہ چاہے تو معیر کو غلام کی قیمت کا ضامن بنا دے۔ کیونکہ معیر کی مرضی سے ہی غلام کی ملکیت میں اس کا حق متعلق ہوا تھا۔ جبکہ معیر آزاد کر کے اس کے حق کو ضائع کرنے والا ہے۔ جبکہ وہ قیمت مرتہن کے پاس بطور رہن ہوگی۔ حتیٰ کہ مرتہن اپنے قرض پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد اس قیمت

کو مرتہن راہن کو واپس کرے دگا۔ کیونکہ قیمت کا واپس لینا یہ عین کی واپسی کی طرح ہے۔

اور جب کسی شخص نے جانور یا غلام کو ادھار پر لیا ہے کہ وہ اس کو رہن میں رکھے گا۔ اس کے بعد ادھار لینے والے نے ان کو رہن میں رکھنے قبل ہی غلام سے خدمت کروائی یا اس نے سواری پر سواری کرلی ہے اس کے بعد اس نے ان کی قیمت کے برابر مال کے بدلے میں رہن رکھا ہے اور اس کے اس نے قرض ادا کردیا ہے مگر ان پر قبضہ نہیں کیا ہے حتیٰ کہ وہ دونوں ہی مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئے ہیں۔ تب بھی وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے ان کو رہن میں رکھا ہے تو وہ ان کے ضمان سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسا امین ہے جس نے مخالفت کی ہے اور اس کے بعد موافقت کرلی ہے۔

اور اسی طرح جب راہن نے رہن کو چھڑوایا ہے۔ اس کے بعد اس نے سواری پر سواری کی ہے یا غلام سے خدمت لی ہے جس وہ ہلاک نہیں ہوئے۔ اور اس کے بعد وہ عمل مستعیر کے بغیر ہی ہلاک ہو گئے ہیں تب بھی وہ ان کا ضامن نہ بنے گا۔ کیونکہ رہن کو چھڑوا لینے کے بعد مستعیر مودع کے حکم میں ہے جبکہ مستعیر کے حکم میں نہ ہوگا۔ کیونکہ رہن کو چھڑوا لینے کے مستعار کا حکم ختم ہو چکا ہے اور وہ موافقت کی جانب لوٹ کر آ چکا ہے۔ کیونکہ اب وہ ضمان سے بری ہو جائے گا۔

اور یہ مسئلہ اس مستعیر کے خلاف ہے اس لئے کہ مستعیر کا قبضہ اس کا ذاتی قبضہ ہے۔ پس اس کا مالک کی جانب پہنچ جانا لازم ہے۔ جبکہ رہن کا مستعیر حکم دینے والے کی جانب سے مقصد کو حاصل کرنے والا ہے۔ اور وہ ہلاکت اور استیفاء کے وقت اس کا اس معیر کی جانب لوٹ کر آتا ہے۔

شرح

اور درزی کو سینے کے لیے کپڑا دیا اور سینے کے مقابل میں اُس سے کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھوائی یہ جائز اور اگر اس کے مقابل میں رہن ہے کہ تم کو خود سینا ہوگا یہ رہن ناجائز ہے۔ یوہیں کوئی چیز عاریت دی اور اس چیز کی واپسی میں بار برداری صرف ہو گی لہٰذا معیر نے مستعیر سے کوئی چیز واپسی کے مقابل میں رہن رکھوائی یہ جائز ہے اور اگر یوں رہن رکھوائی کہ تم کو خود پہنچانی ہوگی تو ناجائز ہے۔ (عالمگیری، کتاب رہن، بیروت)

جنایت راہن کا مرہونہ چیز پر مضمون ہونے کا بیان

قَالَ (وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُونَةٌ) ؛ لِأَنَّهُ تَفْوِيتُ حَقٍّ لَازِمٍ مُحْتَرَمٍ ، وَتَعَلُّقُ مِثْلِهِ بِالْمَالِ يَجْعَلُ الْمَالِكَ كَالْأَجْنَبِيِّ فِي حَقِّ الضَّمَانِ كَتَعَلُّقِ حَقِّ الْوَرَثَةِ بِمَالِ الْمَرِيضِ مَرَضَ الْمَوْتِ يَمْنَعُ نَفَاذَ تَبَرُّعِهِ فِيمَا وَرَاءَ الثُّلُثِ ، وَالْعَبْدُ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ إذَا أَتْلَفَهُ الْوَرَثَةُ ضَمِنُوا قِيمَتَهُ لِيُشْتَرَى بِهَا عَبْدٌ يَقُومُ مَقَامَهُ

قَالَ (وَجِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ تَسْقُطُ مِنْ دَيْنِهِ بِقَدْرِهَا) وَمَعْنَاهُ أَنْ يَكُونَ الضَّمَانُ عَلَى

صِفَةِ الدَّيْنِ ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْعَيْنَ مِلْكُ الْمَالِكِ ، وَقَدْ تَعَدَّى عَلَيْهِ الْمُرْتَهِنُ فَيَضْمَنُهُ لِمَالِكِهِ

ترجمہ

فرمایا کہ جب راہن کی مرہونہ چیز پر جنایت ہو تو وہ مضمون ہوگی۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ایک محترم اور لازم شدہ حق کو فوت کرنا لازم آرہا ہے۔ اور اس طرح کے حق کا مال کے ساتھ متعلق ہونا ایسے ہے جیسے حق ضمان میں اجنبی ہے۔ جس طرح مرض موت میں حق ورثاء یہ تہائی کے سوا میں احسان کرنے کو روکنے والا ہے۔ اور وہ غلام جس کی خدمت کی وصیت کی گئی ہے اور جب وارثوں نے اس کو ہلاک کردیا ہے تو وہ اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔ کہ اس سے کوئی دوسرا غلام خریدا جاسکے۔ پس وہ پہلے کے قائم مقام بن جائے گا۔

اور جب مرہونہ چیز پر مرتہن کی جنایت ہو تو جنایت اپنی مقدار کے برابر اس سے قرض کو ساقط کردے گی۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ ضمان قرض کے وصف پر ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ مرہونہ چیز کا عین مالک کی ملکیت میں ہے۔ جبکہ مرتہن اس پر ظلم کرنے والا ہے۔ کیونکہ مرتہن اس کے عین کے مالک کیلئے ضامن بنا تھا۔

شرح

اور راہن نے مرہون پر جنایت کی یعنی اُس کو تلف کردیا یا اُس میں نقصان پہنچایا اس کا وہی حکم ہے جو اجنبی کی جنایت کا ہے یعنی اس کو تاوان دینا ہوگا یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ تو خود ہی مرہون کا مالک ہے اُس پر تاوان کیسا، کیونکہ مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اور یہ تاوان مرتہن کے پاس مرہون رہے گا اور اگر اسی جنس کا ہے جس جنس کا دَین ہے اور دَین کی میعاد نہ ہو تو اپنا دَین اس سے وصول کریگا۔

اور مرتہن نے رہن پر جنایت کی اس کا بھی ضمان ہے اور یہ ضمان اگر جنس دَین سے ہے اور میعاد پوری ہوچکی ہے تو بقدر ضمان دَین ساقط ہوجائے گا اور اس میں سے کچھ بچا تو راہن کو واپس کرے کہ اس کی مِلک کا معاوضہ ہے۔

جنایت مرہونہ کا راہن ومرتہن پر ضائع ہوجانے کا بیان

قَالَ (وَجِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنِ وَعَلَى مَالِهِمَا هَدْرٌ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا : جِنَايَتُهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ مُعْتَبَرَةٌ ، وَالْمُرَادُ بِالْجِنَايَةِ عَلَى النَّفْسِ مَا يُوجِبُ الْمَالَ ، أَمَّا الْوِفَاقِيَّةُ فَلِأَنَّهَا جِنَايَةُ الْمَمْلُوكِ عَلَى الْمَالِكِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ مَاتَ كَانَ الْكَفَنُ عَلَيْهِ ، بِخِلَافِ جِنَايَةِ الْمَغْصُوبِ عَلَى الْمَغْصُوبِ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ عِنْدَ أَدَاءِ الضَّمَانِ يَثْبُتُ لِلْغَاصِبِ مُسْتَنِدًا حَتَّى يَكُونَ الْكَفَنُ عَلَيْهِ ، فَكَانَتْ جِنَايَةً عَلَى غَيْرِ الْمَالِكِ فَاعْتُبِرَتْ

وَلَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْجِنَايَةَ حَصَلَتْ عَلَى غَيْرِ مَالِكِهِ وَفِي الِاعْتِبَارِ فَائِدَةٌ وَهُوَ دَفْعُ الْعَبْدِ إلَيْهِ بِالْجِنَايَةِ فَتُعْتَبَرُ ثُمَّ إنْ شَاءَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ أَبْطَلَا الرَّهْنَ وَدَفَعَاهُ بِالْجِنَايَةِ إلَى الْمُرْتَهِنِ ، وَإِنْ قَالَ الْمُرْتَهِنُ لَا أَطْلُبُ الْجِنَايَةَ فَهُوَ رَهْنٌ عَلَى حَالِهِ وَلَهُ أَنَّ هَذِهِ الْجِنَايَةَ لَوْ اعْتَبَرْنَا لِلْمُرْتَهِنِ كَانَ عَلَيْهِ التَّطْهِيرُ مِنْ الْجِنَايَةِ ؛ لِأَنَّهَا حَصَلَتْ فِي ضَمَانِهِ فَلَا يُفِيدُ وُجُوبُ الضَّمَانِ لَهُ مَعَ وُجُوبِ التَّخْلِيصِ عَلَيْهِ ، وَجِنَايَتُهُ عَلَى مَالِ الْمُرْتَهِنِ لَا تُعْتَبَرُ بِالِاتِّفَاقِ إذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ وَالدَّيْنُ سَوَاءً ؛ لِأَنَّهُ لَا فَائِدَةَ فِي اعْتِبَارِهَا ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَلَّكُ الْعَبْدَ وَهُوَ الْفَائِدَةُ ، وَإِنْ كَانَتْ الْقِيمَةُ أَكْثَرَ مِنْ الدَّيْنِ ؛ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ بِقَدْرِ الْأَمَانَةِ ؛ لِأَنَّ الْفَضْلَ لَيْسَ فِي ضَمَانِهِ فَأَشْبَهَ جِنَايَةَ الْعَبْدِ الْوَدِيعَةِ عَلَى الْمُسْتَوْدَعِ وَعَنْهُ أَنَّهَا لَا تُعْتَبَرُ ؛ لِأَنَّ حُكْمَ الرَّهْنِ وَهُوَ الْحَبْسُ فِيهِ ثَابِتٌ فَصَارَ كَالْمَضْمُونِ ، وَهَذَا بِخِلَافِ جِنَايَةِ الرَّهْنِ عَلَى ابْنِ الرَّاهِنِ أَوْ ابْنِ الْمُرْتَهِنِ ؛ لِأَنَّ الْأَمْلَاكَ حَقِيقَةٌ مُتَبَايِنَةٌ فَصَارَ كَالْجِنَايَةِ عَلَى الْأَجْنَبِيِّ

ترجمہ

فرمایا کہ مرہونہ چیز کی جنایت راہن ومرتہن اوران کے مال پر ضائع ہوگی۔اور یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے مرہونہ چیز کی جنایت کا اعتبار مرتہن پر کیا ہے۔اور یہاں نفس جنایت سے مرادوہ جنایت ہے۔ جو مال کو واجب کرتی ہے۔جبکہ بہ اتفاق مسئلہ یہ ہے کہ یہ مالک پراس کے مملوک کی جنایت ہے۔کیا آپ غوروفکرنہیں کرتے ہیں کہ جب مرہون غلام فوت ہوجائے تو اس کا کفن راہن پر ہوگا۔جبکہ مغصوب منہ پر مغصوبہ چیز کی جنایت میں ایسانہیں ہے۔کیونکہ یہاں ادا کرنا یہ وقت ضمان غاصب کیلئے ملکیت کو ثابت کرنے کیلئے ہے پس یہاں کفن غاصب پرلازم ہوگا۔کیونکہ یہ غیر مالک کی جنایت ہے لہذا اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

اوراس اختلاف کردہ مسئلہ میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ جنایت اپنے سے علاوہ غیر سے حاصل ہونے والی ہے۔اور یہاں جنایت کا اعتبار کرنے میں فائدہ ہے۔وہ جنایت کے سبب سے غلام کو مالک کے سپرد کرنا ہے۔کیونکہ جنایت کا اعتبار کیا گیا ہے۔اوراس کے بعد جب راہن ومرتہن پسند کریں تو وہ رہن کو باطل کردیں اور جنایت کے سبب غلام مرتہن کو دے دیا جائے۔اور جب مرتہن نے یہ کہہ دیا ہے کہ میں غلام کو نہیں لوں گا تو بھی وہ اپنی حالت میں بطور رہن رہے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ ہم جنایت کو مرتہن کیلئے اعتبار کرلیتے ہیں پس جنایت کو پاک کرنا اسی کی ذمہ

داری ہے۔ کیونکہ یہ جنایت مرتہن کی ضمان میں حاصل ہونے والی ہے۔پس مرتہن کیلئے وجوب ضمان نجات پانے کیلئے فائدے مند نہ ہوگا۔اور مرتہن کے مال پر اتفاق جنایت کا اعتبار کرلیا جائے گا۔جبکہ مرہونہ چیز کی قیمت اور قرض برابر ہوں۔کیونکہ جنایت کا اعتبار محض کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔اس لئے کہ مرتہن غلام کا مالک نہیں ہے۔جبکہ فائدہ تو اسی میں تھا۔

اور جب مرہونہ چیز کی قیمت قرض سے زیادہ ہے تو امام صاحب سے روایت ہے کہ امانت کی مقدار کے برابر جنایت کا اعتبار کریں گے۔اس لئے کہ زیادتی مرتہن کے ضمان میں نہیں ہے پس یہ مستودع پر غلام ودیعت والے مسئلہ میں جنایت کے مشابہ ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس کا جنایت کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔کیونکہ رہن کا حکم جس میں یعنی زیادتی میں ثابت ہوتا ہے اور وہ زیادتی ضمان کی طرح ہے۔اور یہ مسئلہ مرہون کی راہن یا مرتہن کے بیٹوں پر ہونے والی جنایت کے خلاف ہے۔کیونکہ ملکیتوں کی حقیقت مختلف ہے۔پس یہ اجنبی پر جنایت کی طرح ہو جائے گا۔

شرح

اور جب راہن نے مرہون پر جنایت کی یعنی اُس کو تلف کر دیا یا اُس میں نقصان پہنچایا اس کا وہی حکم ہے جو اجنبی کی جنایت کا ہے یعنی اس کو تاوان دینا ہوگا یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ تو خود ہی مرہون کا مالک ہے اُس پر تاوان کیسا، کیونکہ مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اور یہ تاوان مرتہن کے پاس مرہون رہے گا اور اگر اسی جنس کا ہے جس جنس کا دَین ہے اور دَین کی میعاد نہ ہو تو اپنا دَین اس سے وصول کریگا۔

ایک ہزار کے برابر غلام کو ہزار کے بدلے رہن رکھنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ رَهَنَ عَبْدًا يُسَاوِي أَلْفًا بِأَلْفٍ إلَى أَجَلٍ فَنَقَصَ فِي السِّعْرِ فَرَجَعَتْ قِيمَتُهُ إلَى مِائَةٍ ثُمَّ قَتَلَهُ رَجُلٌ وَغَرِمَ قِيمَتَهُ مِائَةً ثُمَّ حَلَّ الْأَجَلُ فَإِنَّ الْمُرْتَهِنَ يَقْبِضُ الْمِائَةَ قَضَاءً عَنْ حَقِّهِ وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ) وَأَصْلُهُ أَنَّ النُّقْصَانَ مِنْ حَيْثُ السِّعْرُ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الدَّيْنِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ ، وَهُوَ يَقُولُ : إنَّ الْمَالِيَّةَ قَدْ انْتَقَصَتْ فَأَشْبَهَ انْتِقَاصَ الْعَيْنِ وَلَنَا أَنَّ نُقْصَانَ السِّعْرِ عِبَارَةٌ عَنْ فُتُورِ رَغَبَاتِ النَّاسِ وَذَلِكَ لَا يُعْتَبَرُ فِي الْبَيْعِ حَتَّى لَا يَثْبُتَ بِهِ الْخِيَارُ وَلَا فِي الْغَصْبِ حَتَّى لَا يَجِبَ الضَّمَانُ ، بِخِلَافِ نُقْصَانِ الْعَيْنِ ؛ لِأَنَّ بِفَوَاتِ جُزْءٍ مِنْهُ يَتَقَرَّرُ الِاسْتِيفَاءُ فِيهِ ؛ إذْ الْيَدُ يَدُ الِاسْتِيفَاءِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی بندے نے ایک ہزار کی قیمت والے غلام کو ایک ہزار کے بدلے میں ایک مدت تک کیلئے رہن میں رکھا ہے

اوراس کے بعداس کا ریٹ کم ہوگیا ہے۔اوراس کی قیمت ایک سورہ گئی ہے۔اس کے بعداس کوایک بندے نے قتل کردیا ہے تو وہ اس کی قیمت یعنی سو کا ضامن بنے اوراس کے بعد جب مدت کوادا کرنے کا وقت آ گیا ہے مرتہن اپنے حق کی وصولی کیلئے سو پر قبضہ کرنے والا ہوگا۔اور وہ راہن سے کچھ واپس نہ لے گا۔اوراس کی دلیل یہ ہے کہ ریٹ کم ہونے کی وجہ سے نقصان ہوا ہے۔جبکہ ہمارے نزدیک وہ قرض کے اسقاط کوواجب کرنے والانہیں ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کہ ریٹ کم ہو چکا ہے پس یہ عین کے کم ہوجانے کے مشابہ ہوگا۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ ریٹ کم ہونے کا سبب لوگوں کی عدم دلچسپی کی نشانی ہے۔اوراس کا اعتبار بیع میں نہیں ہوا کرتا۔کیونکہ اس کی وجہ سے اختیار بھی ثابت نہیں ہوا کرتا۔اورغصب میں بھی اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔پس ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔جبکہ عین میں نقصان ہونے والا مسئلہ ایسانہیں ہے۔کیونکہ عین کے ایک جز کے فوت ہوجانے کے سبب اس جز میں استیفاء ثابت ہوجاتا ہے۔کیونکہ مرتہن کا قبضہ بھی استیفاء ہے۔

شرح

اور جب مرہون چیز میں اگر نرخ کم ہو جانے سے نقصان پیدا ہوتو ہلاک ہونے کی صورت میں اس کمی کا لحاظ نہیں ہوگا اور اس کے اجزا میں کمی ہوئی تو اس کا اعتبار ہوگا لہٰذا ایک چیز جس کی قیمت سو۱۰۰ روپے تھی سو۱۰۰ روپے میں رہن رکھی اور اب اس کی قیمت پچاس روپے رہ گئی کہ نرخ سستا ہوگیا اور فرض کرو کسی نے اس کو ہلاک کردیا تو پچاس روپے تاوان لیا جائے گا کہ اس وقت یہی اُس کی قیمت ہے تو مرتہن کوصرف یہی پچاس روپے ملیں گے اور راہن سے بقیہ رقم وصول نہیں کرسکتا اور اگر راہن کے کہنے سے مرتہن اس کو پچاس میں بیچے تو بقیہ پچاس روپے راہن سے وصول کریگا۔

مرہونہ چیز کے ریٹ کم ہونے سے قرض کے ساقط نہ ہونے کا بیان

وَإِذَا لَمْ يَسْقُطْ شَيْءٌ مِنْ الدَّيْنِ بِنُقْصَانِ السِّعْرِ بَقِيَ مَرْهُونًا بِكُلِّ الدَّيْنِ ، فَإِذَا قَتَلَهُ حُرٌّ غَرِمَ قِيمَتَهُ مِائَةً ؛ لِأَنَّهُ تُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْإِتْلَافِ فِي ضَمَانِ الْإِتْلَافِ ؛ لِأَنَّ الْجَابِرَ بِقَدْرِ الْفَائِتِ ، وَأَخَذَهُ الْمُرْتَهِنُ ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَالِيَّةِ فِي حَقِّ الْمُسْتَحِقِّ وَإِنْ كَانَ مُقَابَلًا بِالدَّمِ عَلَى أَصْلِنَا حَتَّى لَا يُزَادَ عَلَى دِيَةِ الْحُرِّ ؛ لِأَنَّ الْمَوْلَى اسْتَحَقَّهُ بِسَبَبِ الْمَالِيَّةِ وَحَقُّ الْمُرْتَهِنِ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَالِيَّةِ فَكَذَا فِيمَا قَامَ مَقَامَهُ ، ثُمَّ لَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ ؛ لِأَنَّ يَدَ الرَّهْنِ يَدُ الِاسْتِيفَاءِ مِنْ الِابْتِدَاءِ وَبِالْهَلَاكِ يَتَقَرَّرُ ، وَقِيمَتُهُ كَانَتْ فِي الِابْتِدَاءِ أَلْفًا فَيَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا لِلْكُلِّ مِنْ الِابْتِدَاءِ أَوْ نَقُولُ : لَا يُمْكِنُ أَنْ يُجْعَلَ مُسْتَوْفِيًا الْأَلْفَ بِمِائَةٍ ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا فَيَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا الْمِائَةَ وَبَقِيَ تِسْعُمِائَةٍ فِي الْعَيْنِ ، فَإِذَا هَلَكَ

يَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا تِسْعَمِائَةٍ بِالْهَلَاكِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا مَاتَ مِنْ غَيْرِ قَتْلِ أَحَدٍ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا الْكُلَّ بِالْعَبْدِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُؤَدِّي إِلَى الرِّبَا ،

ترجمہ

اور جب ریٹ کم ہو جانے کے سبب قرض ساقط نہ ہو تو وہ مرہونہ چیز سارے قرض کے بدلے میں مرہونہ باقی رہے گی۔ اور اس کے بعد جب کسی آزاد نے اس کو قتل کر دیا ہے تو وہ اس کے انہی سو والی قیمت کا ضامن بنے گا۔ کیونکہ ضمان اتلاف کے یوم تلف والی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اس لئے کہ نقصان کو پورا کرنے والی چیز فوت شدہ چیز کے برابر واجب ہونے والی ہے۔ اور وہ قیمت مرتہن لے گا۔ کیونکہ یہ حق مالیت اس کے بدلے میں ہے۔ جبکہ ہماری دلیل کے مطابق یہ خون کا بدلہ ہے۔ حتیٰ کہ قیمت آزاد کی دیت سے زیادہ نہ ہوگی کیونکہ آقا مالیت کے سبب اس کا حقدار بنا ہے۔ جبکہ مرتہن حق مالیت سے متعلق ہے۔ پس وہ حق اس چیز میں بھی ہوگا جو عین کے قائم مقام ہے۔ اور اس کے بعد راہن مرتہن سے کچھ واپس نہ لے گا۔ کیونکہ ابتداء سے ہی مرتہن کا قبضہ استیفاء ہے۔ جبکہ ہلاکت کے سبب استیفاء اور مضبوط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی قیمت ابتدائی وقت میں ایک ہزار تھی پس مرتہن ایک ہزار کو وصول کرنے والا ہوگا اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ وہ سو کے بدلے میں ہزار کو وصول کرنے والا بن جائے۔ کیونکہ یہ سود کی جانب لے جانے والا ہے۔ پس مرتہن سو کو وصول کرنے والا ہوگا۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب غلام قتل کیے بغیر فوت ہو جائے۔ کیونکہ اب مرتہن غلام کے سبب سے سارے قرض کو وصول کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ یہ سود کی جانب لے جانے والا معاملہ نہیں ہے۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ شئے مرہوں اگر ایسی ہو جس کا تلف ہونا معلوم ہو جائے جیسے زمین اور گھر اور جانور تو اس صورت میں شئے مرہوں کے تلف ہونے سے مرتہن کا کچھ حق کم نہ ہوگا بلکہ راہن کا نقصان ہوگا اور جو شئے مرہوں ایسی ہو جس کا تلف ہونا صرف مرتہن کے کہنے سے معلوم ہو (جیسے سونا چاندی وغیرہ) تو مرتہن اس کی قیمت کا ضامن ہوگا (جس صورت میں گواہ نہ رکھتا ہو اس کے تلف ہونے کا) اب اگر راہن اور مرتہن زر رہن میں اختلاف کریں تو مرتہن سے کہا جائے گا تو حلفاً شئے مرہوں کے اوصاف اور زر رہن کو بیان کر جب وہ بیان کرے گا تو نگاہ والے لوگ اس شئے کی قیمت مرتہن نے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کے لحاظ سے لگائیں گے اگر قیمت زر رہن سے زیادہ ہو تو راہن جس قدر زیادہ ہے مرتہن سے وصول کر لے گا اگر قیمت زر رہن سے کم ہو تو راہن سے حلف لیں گے اگر وہ حلف کر لے گا تو جس قدر مرتہن نے زر رہن قیمت سے زیادہ بیان کیا ہے وہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور جو حلف سے انکار کرے تو اس قدر مرتہن کو ادا کرے گا اگر مرتہن نے کہا میں شئے مرہوں کی قیمت نہیں جانتا تو راہن سے شئے مرہوں کے اوصاف پر حلف لے کر اس کے بیان پر فیصلہ کریں گے جب کہ وہ کوئی امر خلاف واقعہ بیان نہ کرے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شئے دو آدمیوں کے پاس رہن ہو تو ایک مرتہن اپنے دین کا تقاضا کرے اور شئے مرہوں کو بیچنا چاہے اور ایک مرتہن راہن کو مہلت دے اگر شئے مرہوں ایسی ہے کہ اس کے نصف بیچ ڈالنے سے دوسرے مرتہن کا نقصان نہیں ہوتا تو آدھی بیچ کر ایک مرتہن کا دین ادا کر دیں گے اور جو نقصان ہوتا ہے تو کل شئے مرہوں کو بیچ کر جو مرتہن تقاضا کرتا ہے اس کو نصف دے دیں گے اور جس مرتہن نے مہلت دی ہے وہ اگر خوشی ہے چاہے تو نصف ثمن کو راہن کے حوالہ کر دے نہیں تو حلف کرے میں نے اس واسطے مہلت دی تھی کہ شئے مرہوں اپنے حال پر میرے پاس رہے پھر اس کا حق اسی وقت ادا کر دیا جائے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر غلام کو رہن رکھے تو غلام کا مال راہن لے لے گا مگر جب مرتہن شرط کر لے کہ اس کا مال بھی اس کے ساتھ رہن رہے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1320)

راہن کو مرتہن کو مرہونہ چیز کو بیچ دینے کا حکم دینے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ كَانَ أَمَرَهُ الرَّاهِنُ أَنْ يَبِيعَهُ فَبَاعَهُ بِمِائَةٍ وَقَبَضَ الْمِائَةَ قَضَاءً مِنْ حَقِّهِ فَيَرْجِعُ بِتِسْعِمِائَةٍ) ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا بَاعَهُ بِإِذْنِ الرَّاهِنِ صَارَ كَأَنَّ الرَّاهِنَ اسْتَرَدَّهُ وَبَاعَهُ بِنَفْسِهِ ، وَلَوْ كَانَ كَذَلِكَ يَبْطُلُ الرَّهْنُ وَيَبْقَى الدَّيْنُ إلَّا بِقَدْرِ مَا اسْتَوْفَى ، وَكَذَا هَذَا قَالَ (وَإِنْ قَتَلَهُ عَبْدٌ قِيمَتُهُ مِائَةٌ فَدُفِعَ مَكَانَهُ افْتَكَّهُ بِجَمِيعِ الدَّيْنِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ : هُوَ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ افْتَكَّهُ بِجَمِيعِ الدَّيْنِ ، وَإِنْ شَاءَ سَلَّمَ الْعَبْدَ الْمَدْفُوعَ إلَى الْمُرْتَهِنِ بِمَالِهِ وَقَالَ زُفَرُ : يَصِيرُ رَهْنًا بِمِائَةٍ لَهُ أَنَّ يَدَ الرَّهْنِ يَدُ اسْتِيفَاءٍ وَقَدْ تَقَرَّرَ بِالْهَلَاكِ ، إلَّا أَنَّهُ أَخْلَفَ بَدَلًا بِقَدْرِ الْعُشْرِ فَيَبْقَى الدَّيْنُ بِقَدْرِهِ وَلِأَصْحَابِنَا عَلَى زُفَرَ أَنَّ الْعَبْدَ الثَّانِيَ قَائِمٌ مَقَامَ الْأَوَّلِ لَحْمًا وَدَمًا ، وَلَوْ كَانَ الْأَوَّلُ قَائِمًا وَانْتَقَصَ السِّعْرُ لَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنْ الدَّيْنِ عِنْدَنَا لِمَا ذَكَرْنَا ، فَكَذَلِكَ إذَا قَامَ الْمَدْفُوعُ مَكَانَهُ وَلِمُحَمَّدٍ فِي الْخِيَارِ أَنَّ الْمَرْهُونَ تَغَيَّرَ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَيُخَيَّرُ الرَّاهِنُ كَالْمَبِيعِ إذَا قُتِلَ قَبْلَ الْقَبْضِ وَالْمَغْصُوبِ إذَا قُتِلَ فِي يَدِ الْغَاصِبِ يُخَيَّرُ الْمُشْتَرِي ، وَالْمَغْصُوبُ مِنْهُ كَذَا هَذَا وَلَهُمَا أَنَّ التَّغَيُّرَ لَمْ يَظْهَرْ فِي نَفْسِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الثَّانِي مَقَامَ الْأَوَّلِ لَحْمًا وَدَمًا كَمَا ذَكَرْنَاهُ مَعَ زُفَرَ ، وَعَيْنُ الرَّهْنِ أَمَانَةٌ عِنْدَنَا فَلَا يَجُوزُ تَمْلِيكُهُ مِنْهُ بِغَيْرِ رِضَاهُ ، وَلِأَنَّ جَعْلَ الرَّهْنِ بِالدَّيْنِ حُكْمٌ جَاهِلِيٌّ ، وَأَنَّهُ مَنْسُوخٌ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ الْخِيَارَ فِيهِ

حُكْمُهُ الْفَسْخُ وَهُوَ مَشْرُوعٌ وَبِخِلَافِ الْغَصْبِ ؛ لِأَنَّ تَمَلُّكَهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ مَشْرُوعٌ ، وَلَوْ كَانَ الْعَبْدُ تَرَاجَعَ سِعْرُهُ حَتَّى صَارَ يُسَاوِي مِائَةً ثُمَّ قَتَلَهُ عَبْدٌ يُسَاوِي مِائَةً فَدُفِعَ بِهِ فَهُوَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ،

ترجمہ

اور جب راہن نے مرتہن کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مرہونہ چیز کو بیچ دے۔ اور اس نے اس کو سو روپے میں بیچ کر تو اپنے حق وصولی کیلئے قبضہ میں رکھ لیا ہے۔ تو اب مرتہن راہن سے نو سو روپے واپس لے گا۔ کیونکہ جب مرتہن نے راہن کی اجازت سے اس کو فروخت کیا ہے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح راہن نے اس کو واپس لے کر خود بیچ دیا ہے۔ اور جب اس طرح ہے تو رہن باطل ہو جائے گی۔ اور قرض باقی ہے تو یہ اسی مقدار کے برابر ہوگا جو مرتہن نے وصول کر لی ہے۔ پس یہ بھی اسی طرح ہو جائے گا۔

اور جب مرہون کو کسی ایسے غلام نے قتل کیا ہے جس کی قیمت سو روپے ہے اس کے بعد قتل کو مقتول کی جگہ پر دے دیا گیا ہے تو راہن اس کو سارے قرض کے بدلے میں چھڑوائے گا۔ اور یہ حکم شیخین کے مطابق ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ راہن کو اختیار ہوگا۔ اگر وہ چاہے تو سارے قرض کے بدلے میں چھڑوائے اور اگر وہ چاہے تو مرتہن کو دیئے گئے غلام کو سارے مال کے بدلے میں دیدے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ غلام سو روپے کے بدلے میں بطور رہن ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رہن کا قبضہ یہ استیفاء ہے۔ اور ہلاکت کے سبب یہ استیفاء پختہ ہو جاتا ہے۔ مگر جب مرتہن نے دس کی مقدار کے برابر وصول کر لیا ہے تو قرض دس کی مقدار کے برابر باقی رہ جائے گا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کے خلاف ہمارے فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ دوسرا غلام یہ گوشت اور خون دونوں کے اعتبار سے پہلے غلام کے قائم مقام ہے۔ اور جب پہلا غلام موجود ہوتا اور ریٹ کم ہو جاتا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک قرض میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوتا۔ اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور اس صورت میں بھی حکم اسی طرح ہوگا جب دیا گیا غلام پہلے کے قائم مقام ہو۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل اختیار دینے میں یہ ہے کہ مرہون ضمان مرتہن میں تبدیل ہونے والا ہے۔ پس راہن کو اختیار دیا جائے گا۔ جس طرح مبیع ہے کہ جب قبضہ سے پہلے اس کو قتل کر دیا جائے اور مغصوب کو جب غاصب کے قبضہ سے پہلے قتل کر دیا جائے۔ تو اب خریدار اور مغصوب منہ کو اختیار ہوگا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نفس غلام میں تبدیلی ظاہر ہونے والی نہیں ہے کیونکہ دوسرا غلام گوشت اور خون دونوں کے اعتبار سے پہلے غلام کے قائم مقام ہے۔ جس طرح امام زفر علیہ الرحمہ کے مؤقف کے ساتھ ہم بیان کر آئے ہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک مرہونہ کا

عین امانت ہے۔ پس راہن کیلئے مرتہن کو اس مرضی کے سوا مالک بنا دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رہن کو قرض کا بدلہ قرار دینا یہ جہالت کا حکم ہے۔ اور وہ منسوخ ہے۔ جبکہ بیع میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں خیار کا حکم فسخ ہے جو شروع ہے۔ جبکہ غصب میں ایسا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ضمان کو ادا کر کے مغصوب کا مالک بن جانا مشروع ہے۔

اور جب غلام کو ریٹ کم ہو گیا ہے اور وہ سو روپے کے برابر آ پہنچا ہے۔ اس کے بعد غلام کو قتل کر دیا گیا ہے جو سو روپے کے برابر ہے۔ تو قاتل کو مقتول غلام کے بدلے میں دے دیا جائے گا۔ اور یہ بھی اسی اختلاف کے مطابق ہے۔

شرح

اور جب معیر نے جو قید لگائی تھی مستعیر نے اُس کی مخالفت کی مگر یہ مخالفت معیر کے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ مفید ہے تو اس صورت میں نہ مرتہن پر ضمان ہے نہ راہن پر مثلاً اس نے جتنے پر رہن رکھنے کو کہا تھا اُس سے کم کے مقابل میں رکھ دیا مگر یہ کمی چیز کی واجبی قیمت کے برابر یا واجبی قیمت سے زائد ہے مثلاً اس نے ایک ہزار میں رہن رکھنے کو کہا تھا اور یہ چیز پانسو کی ہی ہے مستعیر نے پانسو یا چھ سو غرض ہزار سے کم میں رہن رکھ دی یہ مخالفت جائز ہے کہ اس میں معیر کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ ہلاک ہونے کی صورت میں واجبی قیمت ملے گی یعنی وہی پانسو۔ ہزار تو ملیں گے نہیں پھر کیا نقصان ہوا بلکہ فائدہ یہ ہے کہ اگر اپنی چیز چھوڑانا چاہے گا تو ہزار روپے فراہم کرنے نہیں پڑیں گے جتنے میں رہن ہے اُتنے ہی دے کر چھوڑا سکے گا۔ (زیلعی)

مرہون غلام کے قتل کرنے کی وجہ سے ضمان جنایت مرتہن پر ہونے کا بیان

(وَإِذَا قَتَلَ الْعَبْدُ الرَّهْنُ قَتِيلًا خَطَأً فَضَمَانُ الْجِنَايَةِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَدْفَعَ) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ التَّمْلِيكَ (وَلَوْ فَدَى طَهُرَ الْمَحَلُّ فَبَقِيَ الدَّيْنُ عَلَى حَالِهِ وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ مِنْ الْفِدَاءِ) ؛ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ حَصَلَتْ فِي ضَمَانِهِ فَكَانَ عَلَيْهِ إصْلَاحُهَا (وَلَوْ أَبَى الْمُرْتَهِنُ أَنْ يَفْدِيَ قِيلَ لِلرَّاهِنِ ادْفَعْ الْعَبْدَ أَوْ افْدِهِ بِالدِّيَةِ) ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِي الرَّقَبَةِ قَائِمٌ لَهُ ، وَإِنَّمَا إلَى الْمُرْتَهِنِ الْفِدَاءُ لِقِيَامِ حَقِّهِ (فَإِذَا امْتَنَعَ عَنْ الْفِدَاءِ يُطَالَبُ الرَّاهِنُ بِحُكْمِ الْجِنَايَةِ وَمِنْ حُكْمِهَا التَّخْيِيرُ) بَيْنَ الدَّفْعِ وَالْفِدَاءِ (فَإِنْ اخْتَارَ الدَّفْعَ سَقَطَ الدَّيْنُ) ؛ لِأَنَّهُ اُسْتُحِقَّ لِمَعْنًى فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَصَارَ كَالْهَلَاكِ (وَكَذَلِكَ إنْ فَدَى) ؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ كَالْحَاصِلِ لَهُ بِعِوَضٍ كَانَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ، وَهُوَ الْفِدَاءُ ، بِخِلَافِ وَلَدِ الرَّهْنِ إذَا قَتَلَ إنْسَانًا أَوْ اسْتَهْلَكَ مَالًا حَيْثُ يُخَاطَبُ الرَّاهِنُ بِالدَّفْعِ أَوْ الْفِدَاءِ فِي الِابْتِدَاءِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ، فَإِنْ دَفَعَ خَرَجَ مِنْ الرَّهْنِ وَلَمْ يَسْقُطْ شَيْءٌ مِنْ الدَّيْنِ كَمَا لَوْ هَلَكَ فِي الِابْتِدَاءِ ، وَإِنْ فَدَى فَهُوَ رَهْنٌ مَعَ أُمِّهِ عَلَى حَالِهِمَا

ترجمہ

اور جب مرہون غلام نے کسی شخص کو خطا کے طور پر قتل کر دیا ہے تو جنایت کا ضمان مرتہن کی ذمہ داری ہے۔ اور مرتہن کیلئے یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ غلام کو جنایت میں دیدے۔ کیونکہ مرتہن مالک بنانے کا مالک نہیں ہے۔ اور جب مرتہن نے فدیہ ادا کر دیا ہے تو وہ بطور محل وہاں سے پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ قرض اپنی حالت میں باقی ہے۔ اور مرتہن فدیے میں راہن سے کچھ بھی واپس نہ لے گا۔ کیونکہ جنایت اس کی ملکیت میں ہوئی ہے۔ پس جنایت کو درست کرنا بھی اس پر ہوگا۔

اور جب مرتہن نے فدیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تو راہن سے کہا جائے گا۔ غلام دے دیدو یا دیت دیدو جو اس کا فدیہ ہے۔ کیونکہ رقبہ غلام کے اندر راہن کی ملکیت موجود ہے۔ جبکہ مرتہن کی جانب سے اس کو فدیہ دینے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا حق پایا جا رہا ہے۔ پس جب وہ فدیہ دینے سے رک جائیں تو راہن سے جنایت کے حکم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور جنایت کے حکم میں سے غلام کو دینے اور فدیہ دینے کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ پس جب اس نے غلام کو دینا اختیار کیا ہے۔ تو اب مرتہن کا قرض ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ مرہون غلام ایسے سبب سے حقدار بننے والا ہے۔ جو مرتہن کے ضامن ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ پس یہ ہلاکت کی طرح ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب راہن فدیہ دے دیتا ہے تب بھی غلام اس کو ایسے بدلے کے عوض میں ملنے والا ہے جو مرتہن پر ہے اور وہ بدلہ فدیہ دینا ہے۔

جبکہ مرہون غلام میں ایسا نہیں ہے۔ کہ جب اس نے کسی شخص کو قتل کر دیا ہے یا اس نے کسی مال کو ہلاک کر دیا ہے تو ابتداء ہی سے راہن اس لڑکے کو دینے یا فدیہ دینے کا مخاطب نہ ہوگا کیونکہ وہ لڑکا مرتہن پر مضمون نہ ہوگا۔ اس کے بعد جب راہن نے لڑکا دے دیا ہے۔ تو وہ رہن سے خارج ہو جائے گا۔ اور قرض میں سے کچھ سامان بھی ساقط نہ ہوگا۔ جس طرح وہ شروع میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور جب راہن نے فدیہ دے دیا ہے تو وہ لڑکا اپنی ماں کے ساتھ اسی حالت میں رہن ہوگا۔

شرح

اور جس صورت میں قصاص واجب ہے وہاں رہن صحیح نہیں اور خطا کے طور پر جنایت ہوئی کہ اس میں دیت واجب ہوگی یہاں رہن صحیح ہے کہ مرہون سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرہون غلام کا محیط رقبہ کے برابر مال کو ہلاک کر دینے کا بیان

(وَلَوْ اسْتَهْلَكَ الْعَبْدُ الْمَرْهُونُ مَالًا يَسْتَغْرِقُ رَقَبَتَهُ ، فَإِنْ أَدَّى الْمُرْتَهِنُ الدَّيْنَ الَّذِي لَزِمَ الْعَبْدَ فَدَيْنُهُ عَلَى حَالِهِ كَمَا فِي الْفِدَاءِ ، وَإِنْ أَبَى قِيلَ لِلرَّاهِنِ بِعْهُ فِي الدَّيْنِ إِلَّا أَنْ يَخْتَارَ أَنْ يُؤَدِّيَ عَنْهُ ، فَإِنْ أَدَّى بَطَلَ دَيْنُ الْمُرْتَهِنِ) كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْفِدَاءِ (وَإِنْ لَمْ يُؤَدِّ وَبِيعَ الْعَبْدُ فِيهِ يَأْخُذُ صَاحِبُ دَيْنِ الْعَبْدِ دَيْنَهُ) ؛ لِأَنَّ دَيْنَ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ عَلَى دَيْنِ الْمُرْتَهِنِ وَحَقِّ

وَلِيّ الْجِنَايَةِ لِتَقَدُّمِهِ عَلَى حَقِّ الْمَوْلَى ، (فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ وَدَيْنُ غَرِيمِ الْعَبْدِ مِثْلُ دَيْنِ الْمُرْتَهِنِ أَوْ أَكْثَرُ فَالْفَضْلُ لِلرَّاهِنِ وَبَطَلَ دَيْنُ الْمُرْتَهِنِ) ؛ لِأَنَّ الرَّقَبَةَ اُسْتُحِقَّتْ لِمَعْنًى هُوَ فِي ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَأَشْبَهَ الْهَلَاكَ ،

ترجمہ

اور جب مرہون غلام نے اتنی مقدار میں مال کو ہلاک کردیا ہے جو اس کی گردن کے برابر ہے۔ تو اب اگر مرتہن نے غلام پر لازم ہونے والا قرض ادا کردیا ہے تو اس کا قرض اسی حالت میں برقرار رہے گا۔ جس طرح اس کے فدیہ دینے کی حالت میں ہے۔ اور جب مرتہن انکار کردیتا ہے تو راہن سے کہا جائے گا۔ اس غلام کو راہن میں بیچ دو۔ ہاں البتہ جب راہن فدیہ ادا کرنے کو اختیار کرے اور وہ فدیہ ادا کردے تو مرتہن کا قرض باطل ہوجائے گا۔ جس طرح فدیہ دینے میں ہم اس کو بیان کرآئے ہیں۔

اور جب راہن نے فدیہ ادا نہ کیا اور اس نے اس ضمان میں غلام کو بیچ دیا ہے تو غلام پر قرض والا اپنا قرض لینے والا ہوگا۔ کیونکہ غلام کا قرض مرتہن کے قرض سے اور جنایت کی ولایت میں مقدم ہے۔ کیونکہ غلام کا قرض آقا کے حق میں مقدم ہے۔ اور اسکے بعد جب کچھ بچ نکلا اور غلام کے قرض خواہ کا قرض کے برابر ہے یا اس سے زیادہ ہے تو وہ زیادتی راہن کیلئے ہوگی۔ اور مرتہن کا قرض باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ رقبہ غلام ایسے سبب سے حقدار بنا ہے جو ضمان مرتہن میں ہے۔ پس یہ ہلاکت کے مشابہ ہوجائے گا۔

شرح

دین غلام کا مرتہن کے قرض سے کم ہونے کا بیان

(وَإِنْ كَانَ دَيْنُ الْعَبْدِ أَقَلَّ سَقَطَ مِنْ دَيْنِ الْمُرْتَهِنِ بِقَدْرِ دَيْنِ الْعَبْدِ وَمَا فَضَلَ مِنْ دَيْنِ الْعَبْدِ يَبْقَى رَهْنًا كَمَا كَانَ ، ثُمَّ إِنْ كَانَ دَيْنُ الْمُرْتَهِنِ قَدْ حَلَّ أَخَذَهُ بِهِ) ؛ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهِ (وَإِنْ كَانَ لَمْ يَحِلَّ أَمْسَكَهُ حَتَّى يَحِلَّ ، وَإِنْ كَانَ ثَمَنُ الْعَبْدِ لَا يَفِي بِدَيْنِ الْغَرِيمِ أَخَذَ الثَّمَنَ وَلَمْ يَرْجِعْ بِمَا بَقِيَ عَلَى أَحَدٍ حَتَّى يُعْتَقَ الْعَبْدُ) ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ فِي دَيْنِ الِاسْتِهْلَاكِ يَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ وَقَدْ اُسْتُوفِيَتْ فَيَتَأَخَّرُ إِلَى مَا بَعْدَ الْعِتْقِ (ثُمَّ إِذَا أَدَّى بَعْدَهُ لَا يَرْجِعُ عَلَى أَحَدٍ) ؛ لِأَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ بِفِعْلِهِ

ترجمہ

اور جب غلام کا قرض مرتہن کے دین سے تھوڑا ہے۔ تو مرتہن کے قرض سے غلام کا قرض اتنی مقدار میں ساقط ہوجائے گا۔ اور غلام کے قرض سے جو بچ جائے گا۔ وہ اپنی حالت رہن پر باقی رہ جائے گا۔ اور اس کے بعد جب قرض کی ادائیگی کا وقت آگیا ہے تو

مرتہن اس سے لینے والا ہوگا۔ کیونکہ یہ اسی کے حق کی جنس سے ہے۔ اور جب ادائیگی کا وقت نہ آیا تو وہ وقت آنے تک اس کو روک لے۔

اور جب غلام کی قیمت قرض خواہ کے قرض کو پورا کرنے والی نہیں ہے۔ تو قرض خواہ قیمت لینے والا ہوگا۔ جو باقی بچ جائے گا اس کے بارے میں رجوع نہ کرے گا۔ حتیٰ کہ غلام آزاد ہو جائے۔ کیونکہ ہلاک ہونے والا قرض غلام کی گردن سے متعلق ہوتا ہے۔ جبکہ گردن وصول ہو چکی ہے۔ پس یہ بعد والے حق تک مؤخر ہوگا۔ اس کے بعد جب آزادی کے بعد غلام نے ادا کر دیا ہے تو وہ کسی پر رجوع نہ کر سکے گا۔ کیونکہ اسی کے عمل کے سبب سے وہ حق واجب ہونے والا ہے۔

شرح

راہن ومرتہن دونوں پر فدیہ ادا کرنے کے حکم کا بیان

(وَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الْعَبْدِ أَلْفَيْنِ وَهُوَ رَهْنٌ بِأَلْفٍ وَقَدْ جَنَى الْعَبْدُ يُقَالُ لَهُمَا افْدِيَاهُ) ؛ لِأَنَّ النِّصْفَ مِنْهُ مَضْمُونٌ ، وَالنِّصْفُ أَمَانَةٌ ، وَالْفِدَاءُ فِي الْمَضْمُونِ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ، وَفِي الْأَمَانَةِ عَلَى الرَّاهِنِ ، فَإِنْ أَجْمَعَا عَلَى الدَّفْعِ دَفَعَاهُ وَبَطَلَ دَيْنُ الْمُرْتَهِنِ ، وَالدَّفْعُ لَا يَجُوزُ فِي الْحَقِيقَةِ مِنْ الْمُرْتَهِنِ لِمَا بَيَّنَّا ، وَإِنَّمَا مِنْهُ الرِّضَا بِهِ ،

(فَإِنْ تَشَاحَّا فَالْقَوْلُ لِمَنْ قَالَ أَنَا أَفْدِي رَاهِنًا كَانَ أَوْ مُرْتَهِنًا) أَمَّا الْمُرْتَهِنُ فَلِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الْفِدَاءِ إبْطَالُ حَقِّ الرَّاهِنِ ، وَفِي الدَّفْعِ الَّذِي يَخْتَارُهُ الرَّاهِنُ إبْطَالُ الْمُرْتَهِنِ ، وَكَذَا فِي جِنَايَةِ الرَّهْنِ إذَا قَالَ الْمُرْتَهِنُ أَنَا أَفْدِي لَهُ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ الْمَالِكُ يَخْتَارُ الدَّفْعَ ؛ لِأَنَّهُ إنْ لَمْ يَكُنْ مَضْمُونًا فَهُوَ مَحْبُوسٌ بِدَيْنِهِ وَلَهُ فِي الْفِدَاءِ غَرَضٌ صَحِيحٌ ، وَلَا ضَرَرَ عَلَى الرَّاهِنِ ، فَكَانَ لَهُ أَنْ يَفْدِيَ ، وَأَمَّا الرَّاهِنُ فَلِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ وِلَايَةُ الدَّفْعِ لِمَا بَيَّنَّا فَكَيْفَ يَخْتَارُهُ (وَيَكُونُ الْمُرْتَهِنُ فِي الْفِدَاءِ مُتَطَوِّعًا فِي حِصَّةِ الْأَمَانَةِ حَتَّى لَا يَرْجِعَ عَلَى الرَّاهِنِ) ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ لَا يَخْتَارَهُ فَيُخَاطِبُ الرَّاهِنُ ، فَلَمَّا الْتَزَمَهُ ، وَالْحَالَةُ هَذِهِ كَانَ مُتَبَرِّعًا ، وَهَذَا عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ مَعَ الْحُضُورِ ، وَسَنُبَيِّنُ الْقَوْلَيْنِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ،

ترجمہ

اور جب غلام کی قیمت دو ہزار روپے ہے اور وہ ایک ہزار روپے کے بدلے میں رہن ہے۔ اور اس نے کوئی جنایت بھی کی

ہوئی ہے۔تو اب راہن ومرتہن دونوں سے کہا جائے گا۔فدیہ ادا کرو۔کیونکہ غلام کا نصف مضمون ہے۔اور آدھا امانت ہے۔اور مضمون کا فدیہ مرتہن پر ہے۔اور امانت کا فدیہ راہن پر ہے۔اور اس کے بعد جب دونوں نے غلام کو دینے پر اتفاق کیا ہے اور اس کو دے دیا ہے تو مرتہن کا قرض ختم ہو جائے گا۔اور حقیقت کے اعتبار سے غلام کی جانب سے غلام کو دینا جائز نہ ہوگا۔اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔اور مرتہن کی جانب سے دینے کی رضا مندی ہے۔

اور جب ان دونوں نے اختلاف کیا تو اس بندے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کہ جس نے کہا کہ میں فدیہ دوں گا۔اگر چہ وہ راہن ہے یا مرتہن ہے۔البتہ مرتہن اس لئے فدیہ دے گا کہ حق راہن کا باطل ہونا ہوگا اور جس کو راہن اپنائے گا اس سے مرتہن کا حق باطل ہوگا۔

اور اسی طرح جب مرہون بچے کی جنایت میں مرتہن نے کہا کہ فدیہ میں دوں گا۔تو اس کیلئے اختیار ہوگا۔اگر چہ مالک غلام دینے کو اختیار کرتا ہے۔اس لئے کہ بچہ اگر چہ مضمون نہیں ہے۔مگر وہ مرتہن کے قرض کے بدلے میں محبوس تو ہے۔اور فدیہ دینے میں مرتہن کا مقصد درست ہے اور راہن کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔پس اس کو فدیہ دینے میں اختیار ہوگا۔اور جو راہن ہے تو چونکہ مرتہن کو غلام دینے کی ولایت نہیں ہے۔اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔پس مرتہن کس طرح دینے کو اختیار کرے گا

اور امانت کے حصے کو فدیہ میں دینے میں مرتہن کا احسان ہوگا۔حتیٰ کہ راہن پر رجوع نہ ہوگا۔کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ مرتہن فدیہ دینے کو اختیار نہ کرے کہ کہیں راہن اس کا مخاطب بنتا۔

اور جب اس نے فدیہ دینے کو اختیار کر لیا ہے تو اس حالت میں وہ احسان کرنے والا ہوگا۔اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اس طرح بیان کی گئی ہے۔کہ احسان کرنے والا راہن کے موجود ہونے کی حالت میں رجوع نہ کرے گا۔اور اس کو ہم ان شاءاللہ ۔ ۔ ۔ کر دیں گے۔

شرح

مرتہن کا فدیہ دینے انکار پر راہن کو فدیہ ادا کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَبَى الْمُرْتَهِنُ أَنْ يَفْدِيَ وَفَدَاهُ الرَّاهِنُ فَإِنَّهُ يَحْتَسِبُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ نِصْفَ الْفِدَاءِ مِنْ دَيْنِهِ) ؛ لِأَنَّ سُقُوطَ الدَّيْنِ أَمْرٌ لَازِمٌ فَدَى أَوْ دَفَعَ فَلَمْ يُجْعَلْ الرَّاهِنُ فِي الْفِدَاءِ مُتَطَوِّعًا ، ثُمَّ يُنْظَرُ إنْ كَانَ نِصْفُ الْفِدَاءِ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَكْثَرَ بَطَلَ الدَّيْنُ ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ سَقَطَ مِنْ الدَّيْنِ بِقَدْرِ نِصْفِ الْفِدَاءِ ، وَكَانَ الْعَبْدُ رَهْنًا بِمَا بَقِيَ ؛ لِأَنَّ الْفِدَاءَ فِي نِصْفٍ كَانَ عَلَيْهِ ، فَإِذَا أَدَّاهُ الرَّاهِنُ ، وَهُوَ لَيْسَ بِمُتَطَوِّعٍ كَانَ لَهُ الرُّجُوعُ عَلَيْهِ فَيَصِيرُ قِصَاصًا بِدَيْنِهِ كَأَنَّهُ أَوْفَى نِصْفَهُ فَيَبْقَى الْعَبْدُ رَهْنًا بِمَا بَقِيَ

(وَلَوْ كَانَ الْمُرْتَهِنُ فَدَى ، وَالرَّاهِنُ حَاضِرٌ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ ، وَإِنْ كَانَ غَائِبًا لَمْ يَكُنْ مُتَطَوِّعًا) وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالْحَسَنُ وَزُفَرُ رَحِمَهُمُ اللَّهُ : الْمُرْتَهِنُ مُتَطَوِّعٌ فِي الْوَجْهَيْنِ ؛ لِأَنَّهُ فَدَى مِلْكَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَأَشْبَهَ الْأَجْنَبِيَّ وَلَهُ أَنَّهُ إذَا كَانَ الرَّاهِنُ حَاضِرًا أَمْكَنَهُ مُخَاطَبَتُهُ ، فَإِذَا فَدَاهُ الْمُرْتَهِنُ فَقَدْ تَبَرَّعَ كَالْأَجْنَبِيِّ ، فَأَمَّا إذَا كَانَ الرَّاهِنُ غَائِبًا تَعَذَّرَ مُخَاطَبَتُهُ ، وَالْمُرْتَهِنُ يَحْتَاجُ إلَى إصْلَاحِ الْمَضْمُونِ ، وَلَا يُمْكِنُهُ ذَلِكَ إلَّا بِإِصْلَاحِ الْأَمَانَةِ فَلَا يَكُونُ مُتَبَرِّعًا

ترجمہ

اور جب مرتہن نے فدیہ دینے سے انکار کر دیا ہے اور راہن نے فدیہ ادا کر دیا ہے تو مرتہن پر اس کے قرض میں سے نصف فدیہ کو روک لیا جائے گا۔ کیونکہ اتنی مقدار میں قرض کا ساقط ہونا ایک ضروری امر ہے۔ اگر چہ راہن فدیہ ادا کرے یا غلام جانی کو دیدے۔ پس راہن کو فدیہ ادا کرنے میں احسان کرنے والا سمجھ لیا جائے گا۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ جب نصف فدیہ دین کے برابر ہے یا اس سے زیادہ ہے تو وہ قرض باطل ہو جائے گا۔ اور جب وہ قرض سے کم ہے تو دین سے نصف کی مقدار کے برابر وہ ساقط ہو جائے گا۔ اور بقیہ غلام کے بدلے میں رہن کے طور پر رہے گا۔ کیونکہ آدھا فدیہ دینا مرتہن پر لازم تھا۔ لیکن جب اس کو راہن نے ادا کر دیا ہے تو وہ احسان کرنے والا نہ ہوگا۔ تو اس کو مرتہن پر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ پس یہ مرتہن کے قرض کے بدلے میں مقاصہ بن جائے گا۔ جس طرح کہ راہن نے مرتہن کا آدھا قرض ادا کر دیا ہے پس غلام بقیہ کے بدلے میں رہن رہے گا۔

اور جب مرتہن نے فدیہ ادا کر دیا ہے اور راہن بھی موجود ہے تو وہ احسان کرنے والا ہے۔ مگر جب راہن غائب ہے تو مرتہن احسان کرنے والا نہ ہوگا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام حسن اور امام زفر علیہم الرحمہ نے کہا ہے مرتہن دونوں صورتوں میں احسان کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ اس نے دوسرے کی ملکیت میں اس کے حکم کے بغیر فدیہ دیا ہے پس یہ اجنبی کے مشابہ ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جب راہن موجود ہے۔ تو اس کو فدیے کا مکلف کرنا ممکن ہے۔ مگر جب مرتہن نے ادا کر دیا ہے تو اس نے اجنبی کی طرح احسان کیا ہے۔ مگر جب راہن غائب ہے تو اسکو مکلف بنانا ممکن نہیں ہے۔ اور مرتہن مضمون کی مقدار کے برابر اصلاح کا ضرورت مند ہے۔ اور امانت کی اصلاح کے بغیر مرتہن کی اصلاح مضمون ممکن نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ احسان کرنے والا نہیں ہے۔

شرح

وفات راہن سے وصی کا مرہونہ کو بیچ کر قرض ادا کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَقَضَى الدَّيْنَ) ؛ لِأَنَّ الْوَصِيَّ قَائِمٌ مَقَامَهُ ، وَلَوْ تَوَلَّى الْمُوصَى حَيًّا بِنَفْسِهِ كَانَ لَهُ وِلَايَةُ الْبَيْعِ بِإِذْنِ الْمُرْتَهِنِ فَكَذَا لِوَصِيِّهِ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ نَصَّبَ الْقَاضِي لَهُ وَصِيًّا وَأَمَرَهُ بِبَيْعِهِ) ؛ لِأَنَّ الْقَاضِيَ نُصِّبَ نَاظِرًا لِحُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ إذَا عَجَزُوا عَنْ النَّظَرِ لِأَنْفُسِهِمْ ، وَالنَّظَرُ فِي نَصْبِ الْوَصِيِّ لِيُؤَدِّيَ مَا عَلَيْهِ لِغَيْرِهِ وَيَسْتَوْفِيَ مَالَهُ مِنْ غَيْرِهِ ،

ترجمہ

فرمایا کہ جب راہن فوت ہو جائے تو اس شخص کا وصی مرہونہ چیز کو بیچ کر قرض کو ادا کرے۔ کیونکہ اب وصی راہن کے قائم مقام ہے۔ اور جب موصی خود راہن کی زندگی میں متولی بنا ہوا ہے تو مرتہن کی اجازت سے اس کو بیچنے کی ولایت حاصل ہوتی ہے تو اسی طرح اس کے وصی کیلئے بھی ولایت ہوگی۔

اور جب راہن کا کوئی وصی نہیں ہے تو قاضی اس کا کوئی وصی مقرر کرے گا۔ اور اس کو مرہونہ چیز کی بیع کا حکم دے گا۔ کیونکہ قاضی مسلمانوں کے حقوق کا نگران ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ اپنی مہربانی سے بے بس رہے۔ اور وصی کو مقرر کرنے میں مہربانی یہ ہے کہ اس موصی پر غیر کا جو حق ہے وہ اس کو ادا کر دے۔ اور اس کے علاوہ سے بھی مال لے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باپ کے ذمہ دَین ہے وہ اپنے نابالغ لڑکے کی چیز دائن کے پاس رہن رکھ سکتا ہے اسی طرح وصی بھی نابالغ کی چیز کو اپنے دَین کے مقابل میں رہن رکھ سکتا ہے پھر اگر یہ چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو یہ دونوں بقدر دَین نابالغ کو تاوان دیں اور مقدار دَین سے مرہون کی قیمت زائد ہو تو زیادتی کا تاوان نہیں کہ یہ امانت تھی جو ہلاک ہوگئی۔

(درمختار، کتاب رہن، بیروت)

اور جب باپ یا وصی نے نابالغ کی چیز اپنے دائن کے پاس رکھی تھی پھر اُس دائن کو انہوں نے چیز بیچ ڈالنے کے لیے کہہ دیا اُس نے بیچ کر اپنا دَین وصول کر لیا یہ بھی جائز ہے مگر بقدر ثمن نابالغ کو دینا ہوگا اسی طرح اگر ان دونوں نے نابالغ کی چیز اپنے دَین کے بدلے میں خود بیع کر دی یہ بھی جائز ہے اور اس ثمن اور دَین میں مقاصہ (ادلا بدلا) ہو جائے گا پھر نابالغ کو اپنے پاس سے بقدر ثمن ادا کریں۔

وصی کا مال ترکہ سے قرض کے بدلے میں رہن نہ رکھنے کا بیان

(وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ فَرَهَنَ الْوَصِيُّ بَعْضَ التَّرِكَةِ عِنْدَ غَرِيمٍ مِنْ غُرَمَائِهِ لَمْ يَجُزْ وَلِلْآخَرِينَ أَنْ يَرُدُّوهُ) ؛ لِأَنَّهُ آثَرَ بَعْضَ الْغُرَمَاءِ بِالْإِيفَاءِ الْحُكْمِيِّ فَأَشْبَهَ الْإِيثَارَ بِالْإِيفَاءِ

الْحَقِيقِيُّ (فَإِنْ قَضَى دَيْنَهُمْ قَبْلَ أَنْ يَرُدُّوهُ جَازَ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ بِوُصُولِ حَقِّهِمْ إلَيْهِمْ (وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ غَرِيمٌ آخَرُ جَازَ الرَّهْنُ) اعْتِبَارًا بِالْإِيفَاءِ الْحَقِيقِيِّ (وَبِيعَ فِي دَيْنِهِ) ؛ لِأَنَّهُ يُبَاعُ فِيهِ قَبْلَ الرَّهْنِ فَكَذَا بَعْدَهُ (وَإِذَا ارْتَهَنَ الْوَصِيُّ بِدَيْنٍ لِلْمَيِّتِ عَلَى رَجُلٍ جَازَ) ؛ لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءٌ وَهُوَ يَمْلِكُهُ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَفِي رَهْنِ الْوَصِيِّ تَفْصِيلَاتٌ نَذْكُرُهَا فِي كِتَابِ الْوَصَايَا إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

اور جب میت پر قرض تھا اور وصی نے ترکہ میں کچھ حصے کو قرض خواہوں میں سے کسی قرض خواہ کے پاس رہن میں رکھ دیا ہے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ دوسرے غرماء کا اس سے واپس لینے کا حق ہوگا۔ کیونکہ وصی حکم کو پورا کرنے کیلئے بعض غرماء کو ترجیح دے دی ہے تو اس کی یہ ترجیح ایفائے حقیقی کے مشابہ بن جائے گی۔

اور اس کے بعد جب غرماء کے رہن واپس لینے سے قبل وصی نے ان کا حق ادا کر دیا ہے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کو ان کا حق ملنے کے سبب مانع ختم ہو چکا ہے۔ اور جب میت کا دوسرا قرض خواہ نہ ہو تو رہن جائز ہے۔ اس کو ایفائے حقیقی پر قیاس کیا جائے گا۔ اور مرہونہ کو اس کے قرض میں بیچ دیا جائے گا۔ کیونکہ رہن سے پہلے بھی اس کو اسی قرض کے بدلے میں بیچا جا سکتا تھا۔ پس رہن کے بعد بھی اس کو بیچ دیا جائے گا۔

اور جب کسی آدمی پر میت کے قرض کے بدلے اس وصی نے رہن لی ہے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس میں استیفاء ہے۔ اور اس کا مالک وصی ہے۔ مصنف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ وصی کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ مسائل کو ہم کتاب وصایا میں ان شاء اللہ بیان کر دیں گے۔

شرح

اور جب باپ پر دَین ہے وہ بالغ لڑکے کی چیز اُس دَین کے مقابل میں رہن نہیں رکھ سکتا کہ بالغ پر اس کی ولایت نہیں اسی طرح نابالغ کے دَین میں بالغ کی چیز گروی نہیں رکھ سکتا، اور اگر بالغ و نابالغ دونوں کی مشترک چیز ہے اس کو بھی رہن نہیں رکھ سکتا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

باپ پر دَین ہے اس نے بالغ و نابالغ لڑکوں کی مشترک چیز کو رہن رکھ دیا یہ ناجائز ہے جب تک بالغ سے اجازت حاصل نہ کر لے اور مرہون ہلاک ہو جائے تو بالغ کے حصہ کا ضامن ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

باپ نے نابالغ لڑکے کی چیز رہن رکھ دی تھی پھر باپ مر گیا اور وہ بالغ ہو کر یہ چاہتا ہے کہ میں اپنی چیز مرتہن سے لے لوں تو جب تک دَین ادا نہ کر دے چیز نہیں لے سکتا پھر اگر خود باپ پر دَین تھا جس کے مقابل میں گروی رکھی تھی اور لڑکے نے اپنے مال

سے دَین ادا کر کے چیز لے لی تو بقدرِ دَین باپ کے ترکہ سے وصول کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

ماں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے نابالغ لڑکے کی چیز رہن رکھ دے ہاں اگر وہ وصیہ ہے یا جو شخص نابالغ کے مال کا ولی ہے اس کی طرف سے اجازت حاصل ہے تو رکھ سکتی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

وصی نے یتیم کے کھانے اور لباس کے لیے اُدھار خریدا اور اس کے مقابل میں یتیم کی چیز رہن رکھ دی یہ جائز ہے اسی طرح اگر یتیم کے مال کو تجارت میں لگایا اور اُس کی چیز دوسرے کے پاس رکھ دی یا دوسرے کی چیز اس کے لیے رہن میں لی یہ بھی جائز ہے۔

وصی نے بچہ کے لئے کوئی چیز اُدھار لی تھی اور اس کی چیز رہن رکھ دی تھی پھر مرتہن کے پاس سے بچہ ہی کی ضرورت کے لئے مانگ لایا اور چیز ضائع ہوگئی تو چیز رہن سے نکل گئی اور بچہ ہی کا نقصان ہوا اس صورت میں دَین کا کوئی جز اس کے مقابل میں ساقط نہیں ہوگا اور اگر اپنے کام کے لئے وصی مرتہن سے مانگ لایا ہے اور چیز ہلاک ہوگئی تو وصی کے ذمہ تاوان ہے کہ یتیم کی چیز کو اپنے لئے استعمال کرنے کا حق نہ تھا۔

اور جب وصی نے یتیم کی چیز رہن رکھ دی پھر مرتہن کے پاس سے غصب کر لایا اور اپنے کام میں استعمال کی اور چیز ہلاک ہوگئی اگر اس چیز کی قیمت بقدرِ دَین ہے تو اپنے پاس سے دَین ادا کرے اور یتیم کے مال سے وصول نہیں کر سکتا اور اگر دَین سے اس کی قیمت کم ہے تو بقدرِ قیمت اپنے پاس سے مرتہن کو دے اور باقی یتیم کے مال سے ادا کرے اور اگر قیمت دَین سے زیادہ ہے تو دَین اپنے پاس سے ادا کرے اور جو کچھ چیز کی قیمت دَین سے زائد ہے یہ زیادتی یتیم کو دے کیونکہ اس نے دونوں کے حق میں تعدی زیادتی کی اور اگر غصب کر کے یتیم کے استعمال میں لایا اور ہلاک ہوئی تو مرتہن کے مقابل میں ضامن ہے یتیم کے مقابل میں نہیں یعنی اگر چیز کی قیمت دَین سے زائد ہے تو اس زیادتی کا تاوان اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

اور جب وصی نے یتیم کی چیز اپنے نابالغ لڑکے کے پاس رہن رکھ دی یہ ناجائز ہے اور بالغ لڑکے یا اپنے باپ کے پاس رکھ دی یہ جائز ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

اور جب وصی نے ورثہ کے خرچ اور حاجت کے لیے چیز اُدھار لی اور ان کی چیز رہن رکھ دی اگر یہ سب ورثہ بالغ ہیں تو ناجائز ہے اور سب نابالغ ہیں تو جائز ہے اور بعض بالغ بعض نابالغ ہیں تو بالغ کے حق میں ناجائز اور نابالغ کے بارے میں جائز۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

اور جب میت پر دَین ہے وصی نے ترکہ کو ایک دائن کے پاس رہن رکھ دیا یہ ناجائز ہے۔ دوسرے دائن اس رہن کو واپس لے سکتے ہیں اور اگر صرف ایک ہی شخص کا دَین ہے تو اس کے پاس رہن رکھ سکتا ہے اور میت کا دوسرے پر دَین ہے تو وصی مدیون کی چیز اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

اور جب راہن مر گیا تو اس کا وصی رہن کو بیچ کر دَین ادا کر سکتا ہے۔ اور راہن کا وصی کوئی نہیں ہے تو قاضی کسی کو اس کا وصی مقرر کرے اور اُسے حکم دے گا کہ چیز بیچ کر دَین ادا کرے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب رہن، بیروت)

فصل

﴿یہ فصل مسائل متفرقہ کے بیان میں ہے﴾

مسائل منثورہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسائل منثورہ ہیں یا شتیٰ ہیں یا متفرقہ ہیں۔ علامہ کاکی نے کہا ہے کہ ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ علامہ اکمل نے کہا ہے مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے مسائل کو کتابوں کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شاذ ونادر ہونے کی وجہ سے یہ مسائل ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ ان کے فوائد کثیر ہوتے ہیں۔ اوران مسائل کو منثورہ ،متفرقہ یا شتیٰ کہا جاتا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ،۵،ص،۴۲۸،حقانیہ ملتان)

دس دراہم کی قیمت والا شیرہ رہن میں رکھنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ رَهَنَ عَصِيرًا بِعَشَرَةٍ قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ فَتَخَمَّرَ ثُمَّ صَارَ خَلًّا يُسَاوِي عَشَرَةً فَهُوَ رَهْنٌ بِعَشَرَةٍ) ؛ لِأَنَّ مَا يَكُونُ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ يَكُونُ مَحَلًّا لِلرَّهْنِ ، إذْ الْمَحَلِّيَّةُ بِالْمَالِيَّةِ فِيهِمَا ، وَالْخَمْرُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ ابْتِدَاءً فَهُوَ مَحَلٌّ لَهُ بَقَاءً حَتَّى إنَّ مَنْ اشْتَرَى عَصِيرًا فَتَخَمَّرَ قَبْلَ الْقَبْضِ يَبْقَى الْعَقْدُ إلَّا أَنَّهُ يَتَخَيَّرُ فِي الْبَيْعِ لِتَغَيُّرِ وَصْفِ الْمَبِيعِ بِمَنْزِلَةِ مَا إذَا تَعَيَّبَ

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی بندے نے دس دراہم کے بدلے میں انگور کا وہ شیرہ رہن میں رکھا ہے جس کی قیمت درہم ہے۔اس کے بعدوہ خمر بن گیا ہے۔ اوراس کے بعدوہ سرکہ بن گیا ہے جودس دراہم کے برابر ہے۔تو وہ انہی دس کے بدلے میں ہوگا۔کیونکہ جو چیز بیع کا محل بن سکتی ہے وہ چیز رہن کا محل بھی بن سکتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ دونوں مالیت کے اعتبار سے محل ہیں۔اور خمر اگر چہ ابتدائی طور پر محل نہیں ہے۔لیکن وہ بقاء کے اعتبار سے محل بیع ہے۔حتیٰ کہ جب کسی بندے نے انگور کا شیرہ خریدا ہے اور وہ قبضہ کرنے سے پہلے ہی خمر بن گیا ہے۔تب بھی عقد باقی رہے گا۔جبکہ وصف مبیع کے تبدیل ہوجانے کے سبب سے خریدار کو اختیار ہوگا۔اور یہ اسی طرح کی حالت کی ہوجائے گا کہ جب کوئی مبیع عیب دار بن جائے۔

دس دراہم والی بکری کو دس دراہم کے عوض رہن رکھنے کا بیان

(وَلَوْ رَهَنَ شَاةً قِيمَتُهَا عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ فَمَاتَتْ فَدُبِغَ جِلْدُهَا فَصَارَ يُسَاوِي دِرْهَمًا فَهُوَ رَهْنٌ بِدِرْهَمٍ) ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ يَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ ، فَإِذَا حَيِيَ بَعْضُ الْمَحَلِّ يَعُودُ حُكْمُهُ بِقَدْرِهِ ، بِخِلَافِ مَا إذَا مَاتَتْ الشَّاةُ الْمَبِيعَةُ قَبْلَ الْقَبْضِ فَدُبِغَ جِلْدُهَا حَيْثُ لَا يَعُودُ الْبَيْعُ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ يُنْتَقَضُ بِالْهَلَاكِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَالْمُنْتَقَضُ لَا يَعُودُ ، أَمَّا الرَّهْنُ يَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ وَمِنْ مَشَايِخِنَا مَنْ يَمْنَعُ مَسْأَلَةَ الْبَيْعِ وَيَقُولُ : يَعُودُ الْبَيْعُ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے دس دراہم کے بدلے میں کسی بکری کو رہن میں رکھ دیا ہے اور یہ بکری بھی دس دراہم کی ہے۔ اور اس کے بعد وہ بکری فوت ہوگئی ہے اور اس کی کھال کو دباغت دی گئی ہے تو وہ کھال ایک درہم کی ہوئی۔ تو وہ ایک درہم کے بدلے میں رہن ہوگی۔ کیونکہ ہلاک ہونے کی وجہ سے رہن پکی ہو چکی ہے۔ مگر جب مرہونہ کا بعض حصہ موجود ہے۔ تو اس کی مقدار کے مطابق رہن کا حکم لوٹ کر آ جائے گا۔ اور یہ اس صورت کے خلاف ہے کہ جب بیچی گئی بکری قبضہ کرنے سے پہلے فوت ہوگئی ہے۔ اور اس کی کھال کو دباغت دی گئی ہے تو وہ بیع لوٹ کر نہ آئے گی۔ کیونکہ قبضہ سے پہلے ہلاکت کے سبب بیع ختم ہو چکی ہے۔ اور ٹوٹی ہوئی چیز لوٹ کر نہیں آیا کرتی۔ جبکہ رہن ہلاکت کے سبب پکی ہو جاتی ہے۔ اسی وضاحت کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ جبکہ ہمارے بعض مشائخ منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیع لوٹ آتی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب دس ۱۰ روپے میں بکری رہن رکھی اور یہ بکری بھی دس ۱۰ روپے قیمت کی ہے پھر یہ بکری بلا ذبح کئے مرگئی اور اُس کی کھال ایسی چیز سے دباغت کی جس کی کوئی قیمت نہیں اور رہن کے دن کھال کی ایک روپیہ قیمت تھی تو ایک روپیہ میں رہن ہے اور دو روپے تھی تو دو میں رہن ہے اور بیع میں یہ بات نہیں یعنی بکری مبیع ہوتی اور قبل قبضہ مرجاتی تو کھال پکا لینے کے بعد بھی اس کی بیع صحیح نہیں رہتی۔

اور اگر بکری کی قیمت دین سے زیادہ ہے مثلاً بیس ۲۰ روپے قیمت کی ہے تو کھال آٹھ آنے میں رہن ہے اور اگر قیمت کم ہے مثلاً دین دس ۱۰ روپے ہے اور بکری پانچ ہی کی ہے تو کھال چھ روپے میں رہن ہے مگر کھال تلف ہو جائے تو چونکہ وہ ایک روپیہ کی ہے ایک ساقط ہوگا اور پانچ روپے راہن سے وصول کریگا اور اگر کھال کو ایسی چیز سے پکایا ہے جس کی کوئی قیمت ہے تو مرتہن کو اس کھال کے روکنے کا حق حاصل ہے کہ جو کچھ دباغت سے زیادتی ہوئی ہے اُسے جب تک وصول نہ کر لے راہن کو دینے سے انکار کر سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب رہن، بیروت)

مرہونہ چیز میں اضافے کا راہن کیلئے ہونا کا بیان

قَالَ (وَنَمَاءُ الرَّهْنِ لِلرَّاهِنِ وَهُوَ مِثْلُ الْوَلَدِ وَالثَّمَرِ وَاللَّبَنِ وَالصُّوفِ) ؛ لِأَنَّهُ مُتَوَلِّدٌ مِنْ مِلْكِهِ وَيَكُونُ رَهْنًا مَعَ الْأَصْلِ ؛ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لَهُ ، وَالرَّهْنُ حَقٌّ لَازِمٌ فَيَسْرِي إلَيْهِ (فَإِنْ هَلَكَ يَهْلَكُ بِغَيْرِ شَيْءٍ) ؛ لِأَنَّ الْأَتْبَاعَ لَا قِسْطَ لَهَا مِمَّا يُقَابَلُ بِالْأَصْلِ ؛ لِأَنَّهَا لَمْ تَدْخُلْ تَحْتَ الْعَقْدِ مَقْصُودًا ؛ إذْ اللَّفْظُ لَا يَتَنَاوَلُهَا (وَإِنْ هَلَكَ الْأَصْلُ وَبَقِيَ النَّمَاءُ افْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِحِصَّتِهِ يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَةِ الرَّهْنِ يَوْمَ الْقَبْضِ وَقِيمَةِ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفِكَاكِ) ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ يَصِيرُ مَضْمُونًا بِالْقَبْضِ ، وَالزِّيَادَةُ تَصِيرُ مَقْصُودَةً بِالْفِكَاكِ إذَا بَقِيَ إلَى وَقْتِهِ ، وَالتَّبَعُ يُقَابِلُهُ شَيْءٌ إذَا صَارَ مَقْصُودًا كَوَلَدِ الْمَبِيعِ ، فَمَا أَصَابَ الْأَصْلَ يَسْقُطُ مِنْ الدَّيْنِ ؛ لِأَنَّهُ يُقَابِلُهُ الْأَصْلُ مَقْصُودًا ، وَمَا أَصَابَ النَّمَاءَ افْتَكَّهُ الرَّاهِنُ لِمَا ذَكَرْنَا وَصُوَرُ الْمَسَائِلِ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ تُخَرَّجُ ، وَقَدْ ذَكَرْنَا بَعْضَهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى ، وَتَمَامُهُ فِي الْجَامِعِ وَالزِّيَادَاتِ

ترجمہ

اور جب مرہونہ چیز میں اضافہ ہوا تو وہ راہن کیلئے ہوگا جس طرح بچہ، دودھ، پھل اور اون ہے۔ کیونکہ یہ راہن کی ملکیت کی پیداوار ہے۔ اور نماء یعنی بڑھنا اصل رہن کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ یہ اصل کے تابع ہے۔ اور رہن ایک لازم شدہ حق ہے۔ اس لئے کہ وہ تابع کی جانب سرایت کرنے والا ہے۔ اور جب تابع ہلاک ہو جائے تو وہ کسی بدلے بغیر ہلاک ہونے والا ہے۔ کیونکہ جو چیز اصل دین کے مدمقابل ہوتی ہے۔ اس میں تابع ہونے والوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ عقد بن کر مقصود کے تحت داخل ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ عقد کا لفظ ان کو شامل نہیں ہے۔

اور جب اصل ہلاک ہو جائے اور بڑھنے والی چیز باقی ہے تو راہن اس اضافے کو اس کے حصے کے بدلے میں چھڑوائے گا۔ اور قرض کو مرہونہ کے قبضہ کے دن والی قیمت اور اضافے کو چھڑوانے والی قیمت پر تقسیم کردیں گے۔ کیونکہ مضمون قبضہ سے قابل ضمان بنا ہے۔ اور زیادتی چھڑوانے کے سبب مقصود بن چکی ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ نجات کے وقت تک باقی رہے۔ اور جبکہ تابع مقصود ہوتا ہے۔ تو اس کے مدمقابل مال ہوتا ہے۔ جس طرح مبیع کا لڑکا ہے۔ پس جو مقدار اصل کو پہنچ جائے گی وہی قرض سے ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ مقدار مقصود بن کر اصل کے مقابل ہے اور وہ مقدار جو اضافے کو پہنچے جائے گی اس کو راہن چھڑوائے گا اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔ اور اسی مسئلہ کے مطابق کئی مسائل کی تخریج کی گئی ہے جن میں بعض کو ہم نے

کتاب کفایہ منتہی میں بیان کیا ہے اور اس کی مکمل وضاحت جامع اور زیادات میں ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرہون سے جو چیزیں پیدا ہوئیں مثلاً بچہ، دودھ، پھل وغیرہ یہ اگرچہ رہن میں داخل ہیں مگر فک رہن سے قبل ہلاک ہو جائیں تو دَین کا کوئی حصہ اس کے مقابل میں ساقط نہیں ہوگا۔ اور اگر خود رہن ہلاک ہو گیا مگر یہ پیداوار باقی ہے تو اس کے مقابل جتنا حصہ دَین پڑے اس کو ادا کر کے راہن اس کو حاصل کر سکتا ہے مفت نہیں لے سکتا یعنی اصل رہن کی جو کچھ قیمت رہن رکھنے کے دن تھی اور اس کی جو قیمت فک رہن کے دن ہے دونوں پر دَین کو تقسیم کیا جائے اصل کے مقابل میں جو حصہ آئے وہ ساقط اور اس کے مقابل میں جتنا حصہ ہو ادا کر کے فک رہن کرا لے مثلاً دس ۱۰ روپے دَین ہیں اور مرہون بھی دس ۱۰ روپے کی چیز ہے اور اُس کا بچہ پانچ روپے کا ہے اور مرہون ہلاک ہو گیا تو دو تہائی دَین ساقط ہو گیا ایک تہائی باقی ہے۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

گروی چیز کے نفع کا راہن کیلئے ہونے کا بیان

حضرت سعید بن میتب (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی چیز کو گروی رکھنا مالک کو کہ جس نے وہ گروی رکھی ہے (ملکیت سے) نہیں روکتا (یعنی کسی چیز کو گروی رکھ دینے سے راہن کی ملکیت ختم نہیں ہوتی) اس لئے اس گروی رکھی ہوئی چیز کے ہر نفع و بڑھوتری کا حقدار راہن ہے اور وہی اس کے نقصان کا ذمہ دار ہے اس روایت کو امام شافعی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور اس قسم کی ایک اور حدیث (یعنی ہم معنی بھی اور ہم لفظ بھی (حضرت سعید بن میتب سے روایت کی گئی ہے جسے سعید بن میتب نے حضرت ابو ہریرہ بطریق اتصال نقل کیا ہے یا وہ روایت ہم معنی ہے اور اس کے الفاظ مختلف ہیں مگر الفاظ کا یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جو اس کے ہم معنی ہونے کے منافی ہو۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 112)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے پاس رہن رکھ دے تو اسکا یہ رہن رکھنا اس چیز کی ملکیت کو ختم نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جوں کی توں راہن کی ملکیت میں رہتی ہے اس لئے حدیث نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس رہن رکھی ہوئی چیز سے اگر کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا اس میں کوئی بڑھوتری ہوتی ہے تو وہ راہن کا حق ہے بایں طور کہ اگر اس چیز کا کرایہ آتا ہے تو راہن وہ کرایہ وصول کر سکتا ہے اگر وہ کوئی جانور ہے تو اس پر سوار ہو سکتا ہے یا اسے اپنی بار برداری میں استعمال کر سکتا ہے ایسے ہی اگر اس جانور کے بچے ہوں تو وہ بچے بھی راہن ہی کا حق ہوتے ہیں۔ پھر جس طرح راہن رہن رکھی ہوئی چیز کے منافع کا حقدار ہوتا ہے اسی طرح اس کے نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور کہ اگر وہ چیز مرتہن کے ہاں ہلاک و ضائع ہو جاتی ہے تو اسکا نقصان راہن ہی برداشت کرتا ہے اس کی وجہ سے مرتہن کے حق (یعنی جو قرض وغیرہ اس نے راہن کو دیا ہے) میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا بلکہ راہن کو پورا پورا قرض واپس کرنا ہوتا ہے۔

لفظ روی مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں معروف کے ساتھ یعنی وری منقول ہے اس صورت میں اس کے فاعل امام شافعی ہوں گے

اور لفظ مثلہ اور مثل منصوب ہی رہیں گے۔

مرتہن کیلئے مرہونہ بکری کا دودھ پینے کا بیان

(وَلَوْ رَهَنَ شَاةً بِعَشَرَةٍ وَقِيمَتُهَا عَشَرَةٌ وَقَالَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ : احْلِبْ الشَّاةَ فَمَا حَلَبْتَ فَهُوَ لَكَ حَلَالٌ فَحَلَبَ وَشَرِبَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ) أَمَّا الْإِبَاحَةُ فَيَصِحُّ تَعْلِيقُهَا بِالشَّرْطِ وَالْخَطَرِ ؛ لِأَنَّهَا إطْلَاقٌ وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ فَتَصِحُّ مَعَ الْخَطَرِ (وَلَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنْ الدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَهُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ (فَإِنْ لَمْ يَفْتَكَّ الشَّاةَ حَتَّى مَاتَتْ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ قُسِّمَ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَةِ اللَّبَنِ الَّذِي شَرِبَ وَعَلَى قِيمَةِ الشَّاةِ ، فَمَا أَصَابَ الشَّاةَ سَقَطَ ، وَمَا أَصَابَ اللَّبَنَ أَخَذَهُ الْمُرْتَهِنُ مِنْ الرَّاهِنِ) ؛ لِأَنَّ اللَّبَنَ تَلِفَ عَلَى مِلْكِ الرَّاهِنِ بِفِعْلِ الْمُرْتَهِنِ وَالْفِعْلُ حَصَلَ بِتَسْلِيطٍ مِنْ قِبَلِهِ فَصَارَ كَأَنَّ الرَّاهِنَ أَخَذَهُ وَأَتْلَفَهُ فَكَانَ مَضْمُونًا عَلَيْهِ فَيَكُونُ لَهُ حِصَّتُهُ مِنْ الدَّيْنِ فَبَقِيَ بِحِصَّتِهِ ، وَكَذَلِكَ وَلَدُ الشَّاةِ إذَا أَذِنَ لَهُ الرَّاهِنُ فِي أَكْلِهِ ، وَكَذَلِكَ جَمِيعُ النَّمَاءِ الَّذِي يَحْدُثُ عَلَى هَذَا الْقِيَاسِ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے دس دراہم کے عوض میں ایک بکری کو رہن میں رکھ دیا ہے اور اس کی قیمت دس دراہم ہے اور راہن نے مرتہن سے کہا ہے کہ بکری کا دودھ دوہ لے جو بھی دودھ تو دوہ لے گا وہ تیرے لئے حلال ہے۔ اور اس مرتہن نے دودھ کو دوہ کر پی لیا ہے۔ تو اس پر کچھ بھی ضمان نہ ہوگا۔ البتہ اباحت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا درست ہوگا۔ کیونکہ اباحت مطلق ہے تملیک نہیں ہے۔ پس یہ شرط کے ساتھ بھی درست ہوگی۔ اور قرض میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ مالک کی اجازت سے مرتہن اس کو ہلاک کرنے والا ہے۔

اور جب راہن نے بکری چھڑوائی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ مرتہن کے قبضہ میں فوت ہوگئی ہے تو قرض کو پی لئے گئے دودھ کی قیمت پر اور بکری کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور جتنی مقدار بکری کے حصے میں آئے گی۔ وہ ساقط ہو جائے گی۔ اور جتنی مقدار دودھ کے حصے میں آئے گی اس کو راہن مرتہن سے لینے والا ہوگا۔ کیونکہ دودھ راہن کی ملکیت سے مرتہن کے عمل سے تلف ہونے والا ہے۔ اور عمل راہن کی جانب سے اختیار دینے کے سبب سے ہوا ہے۔ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح خود راہن نے اس کو ہلاک کیا ہے۔ پس وہ راہن پر مضمون ہوگا۔ اور مرتہن کیلئے قرض میں سے دودھ کا حصہ ہوگا۔ اور دودھ کے حصے کی مقدار کے مطابق قرض باقی رہے گا۔ اور اسی طرح بکری کا بچہ ہے۔ جب راہن نے اس کو کھانے کی اجازت دیدی ہے۔ اور اسی طرح وہ ہر قسم کا اضافہ ہوگا۔ جو پیدا ہوا ہے اس کا حکم بھی اسی قیاس کے مطابق ہوگا۔

شرح

جب راہن نے مرتہن کو زوائد کے کھا لینے کی اجازت دے دی مثلاً کہہ دیا کہ بکری کا دودھ دوہ کر پی لینا تمہارے لئے حلال ہے یا درخت کے پھل کھالینا مرتہن نے کھالئے اس صورت میں مرتہن پر ضمان نہیں کہ مالک کی اجازت سے چیز کھائی ہے اور دَین بھی اس کے مقابل میں کچھ ساقط نہیں اور اس صورت میں کہ مرتہن نے زوائد کو کھالیا اور راہن نے فک رہن نہیں کرایا اور یہ رہن ہلاک ہوگیا تو دَین کو اصل رہن اور ان زوائد پر تقسیم کیا جائے گا جو کچھ اصل کے مقابل ہے وہ ساقط اور جو کچھ زوائد کے مقابل ہے راہن سے وصول کرے کہ اس کے حکم سے اس کا کھانا گویا خود اُسی کا کھالینا ہے لہٰذا راہن معاوضہ دے۔

رہن میں زیادتی کے جواز اور قرض میں زیادتی کے عدم جواز فقہی اختلاف

قَالَ (وَتَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ وَلَا تَجُوزُ فِي الدَّيْنِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَلَا يَصِيرُ الرَّهْنُ رَهْنًا بِهَا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : تَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ : لَا تَجُوزُ فِيهِمَا ، وَالْخِلَافُ مَعَهُمَا فِي الرَّهْنِ ، وَالثَّمَنُ وَالْمُثَمَّنُ وَالْمَهْرُ وَالْمَنْكُوحَةُ سَوَاءٌ ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْبُيُوعِ وَلِأَبِي يُوسُفَ فِي الْخِلَافِيَّةِ الْأُخْرَى أَنَّ الدَّيْنَ فِي بَابِ الرَّهْنِ كَالثَّمَنِ فِي الْبَيْعِ ، وَالرَّهْنُ كَالْمُثَمَّنِ فَتَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِيهِمَا كَمَا فِي الْبَيْعِ ، وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا الِالْتِحَاقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ لِلْحَاجَةِ وَالْإِمْكَانِ وَلَهُمَا وَهُوَ الْقِيَاسُ أَنَّ الزِّيَادَةَ فِي الدَّيْنِ تُوجِبُ الشُّيُوعَ فِي الرَّهْنِ ، وَهُوَ غَيْرُ مَشْرُوعٍ عِنْدَنَا ، وَالزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ تُوجِبُ الشُّيُوعَ فِي الدَّيْنِ ، وَهُوَ غَيْرُ مَانِعٍ مِنْ صِحَّةِ الرَّهْنِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ رَهَنَ عَبْدًا بِخَمْسِمِائَةٍ مِنْ الدَّيْنِ جَازَ ، وَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ أَلْفًا وَهَذَا شُيُوعٌ فِي الدَّيْنِ ، وَالِالْتِحَاقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ غَيْرُ مُمْكِنٍ فِي طَرَفِ الدَّيْنِ ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَعْقُودٍ عَلَيْهِ وَلَا مَعْقُودٍ بِهِ بَلْ وُجُوبُهُ سَابِقٌ عَلَى الرَّهْنِ ، وَكَذَا يَبْقَى بَعْدَ انْفِسَاخِهِ ، وَالِالْتِحَاقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ فِي بَدَلَيْ الْعَقْدِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ بَدَلٌ يَجِبُ بِالْعَقْدِ ،

ثُمَّ إذَا صَحَّتْ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ وَتُسَمَّى هَذِهِ زِيَادَةً قَصْدِيَّةً يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَةِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْقَبْضِ ، وَعَلَى قِيمَةِ الزِّيَادَةِ يَوْمَ قُبِضَتْ ، حَتَّى لَوْ كَانَتْ قِيمَةُ الزِّيَادَةِ يَوْمَ قَبْضِهَا خَمْسَمِائَةٍ ، وَقِيمَةُ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْقَبْضِ أَلْفًا وَالدَّيْنُ أَلْفًا يُقَسَّمُ الدَّيْنُ أَثْلَاثًا ، فِي الزِّيَادَةِ ثُلُثُ الدَّيْنِ ، وَفِي الْأَصْلِ ثُلُثَا الدَّيْنِ اعْتِبَارًا بِقِيمَتِهِمَا فِي وَقْتَيْ الِاعْتِبَارِ ، وَهَذَا

لِأَنَّ الضَّمَانَ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَثْبُتُ بِالْقَبْضِ فَتُعْتَبَرُ قِيمَةُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَقْتَ الْقَبْضِ

ترجمہ

فرمایا کہ طرفین کے نزدیک رہن میں زیادتی جائز ہے جبکہ دین میں زیادتی جائز نہیں ہے۔اور زیادتی کے بدلے میں مرہونہ چیز رہن میں نہ ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دین میں بھی زیادتی جائز ہے۔جبکہ امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں میں زیادتی جائز نہ ہوگی۔ان دونوں ائمہ کا ثمن میں ،مبیع میں ،مہر اور منکوحہ میں اسی طرح کا اختلاف ہے۔جس کو کتاب بیوع میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے دوسری اختلافی مسئلہ کے بارے میں بطور دلیل فرمایا ہے کہ رہن کے احکام میں قرض بیع میں ثمن کی طرح ہے۔جبکہ مرہونہ چیز مبیع کی طرح ہے۔پس ان دونوں میں زیادتی جائز ہے۔جس طرح بیع میں جائز ہے اور ان دونوں میں ایک جامع علت اصل کے ساتھ ملنے والی ہے اور وہ ضرورت اور ممکن ہونا ہے۔

طرفین کی دلیل اور قیاس بھی یہی ہے کہ دین میں زیادتی یہ شیوع کو واجب کرنے والی ہے پس یہ ہمارے نزدیک مشروع نہ ہو گی۔اور رہن میں زیادتی کا ہونا یہ دین میں شیوع کو واجب کرنے والی ہے رہن کے درست ہونے سے روکنے والی نہیں ہے۔کیا آپ غور وفکر نہیں کرتے کہ جب راہن نے قرض والے پانچ سو روپے کے بدلے میں غلام کو رہن میں رکھ دیا ہے تو یہ جائز ہے۔خواہ قرض ایک ہزار روپے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ ایسا دین شیوع ہے۔اور قرض کی جانب میں اصل عقد کے ساتھ زیادتی کو ملانا ممکن نہ ہو گا۔کیونکہ دین یہ معقود علیہ اور معقود بہ بھی نہیں ہے بلکہ اس کا وجوب رہن سے مقدم ہے۔اور یہ رہن کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔اور اصل عقد میں کسی ملانا عقد کے دونوں اعواض میں ہوتا ہے۔جبکہ بیع میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ ثمن ایسا بدل ہے جو عقد کے سبب واجب ہوا ہے۔

اور جب مرہونہ چیز میں زیادتی درست ہوئی تو اس زیادتی نام بطور ارادہ والی زیادتی ہے۔اور اس کو قبضہ کے دن والی پہلی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا۔حتیٰ کہ جب قبضے کے دن زیادتی کی قیمت پانچ سو روپے ہے اور پہلے قبضہ والے دن کی قیمت ایک ہزار ہے اور قرض بھی ایک ہزار کا ہے۔اس قرض کو تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔پس زیادتی میں قرض کا تہائی جبکہ اصل میں قرض کے دو تہائی ہیں کیونکہ ان کی قیمت کے وقت کا اعتبار کیا گیا ہے۔اور یہ اس دلیل کی وجہ سے ہے کہ ضمان ان میں سے ہر ایک میں قبضہ کے سبب سے ثابت ہوا ہے۔پس ان میں سے ہر ایک کیلئے قبضہ کے وقت قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرح

اور رہن میں زیادتی جائز ہے یعنی مثلاً کسی نے قرض لیا اور اس کے پاس ایک چیز رہن رکھ دی اس کے بعد راہن نے دوسری

چیز بھی اسی قرض کے مقابل میں رہن رکھی یہ دونوں چیزیں رہن ہوگئیں یعنی جب تک قرض ادا نہ کرے دونوں میں سے کسی کو نہیں لے سکتا۔ اوران میں سے ایک ہلاک ہوگئی تو اگرچہ اس کی قیمت دَین کے برابر ہو پورا دَین ساقط نہیں ہوگا بلکہ دَین کو دونوں پر تقسیم کیا جائے جتنا اس کے مقابل ہو صرف وہی ساقط ہوگا اور یہ دوسری چیز جو بعد میں رہن رکھی قبضہ کے دن جو اس کی قیمت تھی اس کا اعتبار ہوگا جس طرح پہلی کی قیمت میں بھی قبضہ ہی کے دن کا اعتبار تھا یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں انہیں قیمتوں پر دَین کی تقسیم ہوگی مثلاً ہزار روپے قرض لئے اور ایک چیز رہن رکھی جس کی قیمت ہزار روپے ہے پھر دوسری چیز رہن رکھی جس کی قیمت پانسو روپے ہے اور ایک ہلاک ہوگئی تو دَین کے تین حصے کیے جائیں دو حصے پہلی کے مقابل میں اور ایک حصہ دوسری کے مقابل میں۔

مرہونہ باندی کا بچہ جننے کا بیان

(وَإِذَا وَلَدَتْ الْمَرْهُونَةُ وَلَدًا ثُمَّ إِنَّ الرَّاهِنَ زَادَ مَعَ الْوَلَدِ عَبْدًا ، وَقِيمَةُ كُلِّ وَاحِدٍ أَلْفٌ فَالْعَبْدُ رَهْنٌ مَعَ الْوَلَدِ خَاصَّةً يُقَسَّمُ مَا فِي الْوَلَدِ عَلَيْهِ وَعَلَى الْعَبْدِ الزِّيَادَةُ) ؛ لِأَنَّهُ جَعَلَهُ زِيَادَةً مَعَ الْوَلَدِ دُونَ الْأُمِّ (وَلَوْ كَانَتْ الزِّيَادَةُ مَعَ الْأُمِّ يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَةِ الْأُمِّ يَوْمَ الْعَقْدِ وَعَلَى قِيمَةِ الزِّيَادَةِ يَوْمَ الْقَبْضِ ، فَمَا أَصَابَ الْأُمَّ قُسِّمَ عَلَيْهَا وَعَلَى وَلَدِهَا) ؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ دَخَلَتْ عَلَى الْأُمِّ

ترجمہ

اور جب مرہونہ باندی نے ایک بچے کو جنم دیا ہے اور اس کے بعد راہن نے غلام کا اضافہ بچے کے ساتھ کر دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار روپے ہے۔ تو وہ غلام یقیناً بچے کے ساتھ رہن میں رہے گا۔ اور قرض کی جتنی مقدار بچے پر ہے اور سے غلام سے زیادہ ہے اس کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ راہن بچے کے ساتھ غلام کو زیادہ کرنے والا ہے ماں کے ساتھ نہیں۔ اور جب یہ اضافہ ماں کے ساتھ ہو تو قرض کی یوم عقد والی ماں کی قیمت اور زیادتی کے دن والی پر زیادتی کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا۔ پس جو مقدار ماں کے حصے میں آئے گی اس کو ماں اور بچے پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ زیادتی ماں کو شامل ہونے والی ہے۔

پہلے غلام کی جگہ پر مرتہن کے ہاں دوسرا غلام رہن میں رکھنے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ رَهَنَ عَبْدًا يُسَاوِي أَلْفًا بِأَلْفٍ ثُمَّ أَعْطَاهُ عَبْدًا آخَرَ قِيمَتُهُ أَلْفٌ رَهْنًا مَكَانَ الْأَوَّلِ ، فَالْأَوَّلُ رَهْنٌ حَتَّى يَرُدَّهُ إِلَى الرَّاهِنِ ، وَالْمُرْتَهِنُ فِي الْآخَرِ أَمِينٌ حَتَّى يَجْعَلَهُ مَكَانَ الْأَوَّلِ) ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ إِنَّمَا دَخَلَ فِي ضَمَانِهِ بِالْقَبْضِ وَالدَّيْنِ وَهُمَا بَاقِيَانِ فَلَا يَخْرُجُ عَنْ الضَّمَانِ إِلَّا بِنَقْضِ الْقَبْضِ مَا دَامَ الدَّيْنُ بَاقِيًا ، وَإِذَا بَقِيَ الْأَوَّلُ فِي ضَمَانِهِ لَا

يَدْخُلُ الثَّانِي فِي ضَمَانِهِ ؛ لِأَنَّهُمَا رَضِيَا بِدُخُولِ أَحَدِهِمَا فِيهِ لَا بِدُخُولِهِمَا فَإِذَا رُدَّ الْأَوَّلُ دَخَلَ الثَّانِي فِي ضَمَانِهِ ثُمَّ قِيلَ : يُشْتَرَطُ تَجْدِيدُ الْقَبْضِ ؛ لِأَنَّ يَدَ الْمُرْتَهِنِ عَلَى الثَّانِي يَدُ أَمَانَةٍ وَيَدُ الرَّهْنِ بَعْدَ اسْتِيفَاءٍ وَضَمَانٍ فَلَا يَنُوبُ عَنْهُ ، كَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ جِيَادٌ فَاسْتَوْفَى زُيُوفًا ظَنَّهَا جِيَادًا ثُمَّ عَلِمَ بِالزِّيَافَةِ وَطَالَبَهُ بِالْجِيَادِ وَأَخَذَهَا فَإِنَّ الْجِيَادَ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ مَا لَمْ يَرُدَّ الزُّيُوفَ وَيُجَدِّدَ الْقَبْضَ وَقِيلَ لَا يُشْتَرَطُ ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ تَبَرُّعٌ كَالْهِبَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ وَقَبْضُ الْأَمَانَةِ يَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الْهِبَةِ ، وَلِأَنَّ الرَّهْنَ عَيْنَهُ أَمَانَةٌ ، وَالْقَبْضُ يَرِدُ عَلَى الْعَيْنِ فَيَنُوبُ قَبْضُ الْأَمَانَةِ عَنْ قَبْضِ الْعَيْنِ

ترجمہ

اور جب مقروض شخص نے ایک ہزار روپے کے بدلے میں ایسا غلام رہن میں رکھا ہے جو ایک ہزار کے برابر ہے۔اس کے بعد راہن نے پہلے غلام کی جگہ پر دوسرا غلام دے دیا ہے۔جس کی قیمت بھی ایک ہزار روپے ہے۔تو پہلا غلام رہن میں رہے گا۔حتیٰ کہ مرتہن اس غلام کو لوٹا دے۔جبکہ دوسرے غلام کے بارے میں مرتہن امین ہے۔حتیٰ کہ اس کو پہلے غلام کی جگہ پر لے جائے۔کیونکہ پہلا غلام قبضے اور قرض دونوں اجانب سے مرتہن کے ضمان میں شامل ہو چکا ہے۔اور یہ دونوں اشیاء باقی بھی ہیں۔پس جب تک قرض باقی رہے گا۔قبضے کو توڑے بغیر وہ غلام مرتہن کے ضمان سے خارج نہ ہوگا اور جب پہلا غلام مرتہن کے ضمان میں موجود ہے تو دوسرا اس کے ضمان میں داخل نہ ہوگا کیونکہ راہن و مرتہن ان میں سے ایک غلام کے ضمان پر راضی نہیں ہوئے اور نہ دونوں کے ضمان پر رضا مند ہوئے ہیں۔پس جب پہلے کو مرتہن کو واپس کر دے گا تو دوسرا غلام اس کی ضمان میں شامل ہو جائے گا۔

اس کے بعد یہ بھی کہا گیا کہ جدید قبضہ شرط ہے کیونکہ دوسرے غلام پر مرتہن کا قبضہ بطور امانت ہے۔جبکہ رہن کا قبضہ یہ استیفاء کا قبضہ ہوتا ہے۔اور ضمان ہے۔پس امانت والا قبضہ اس کے قائم مقام نہ ہوگا۔جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی شخص کے دوسرے پر کھرے دراہم ہیں مگر اس نے کھوٹے دراہم کو کھرے سمجھ کر وصول کرلیا ہے۔اس کے بعد اس کو کھوٹے ہونے کا پتہ چلا اور اس نے مقروض سے اچھے دراہم طلب کر کے لے لیے ہیں۔تو جب تک یہ بندہ کھوٹے دراہم واپس نہ کرے گا۔نیا قبضہ ثابت نہ ہوگا۔اور اتنی دیر تک اچھے دراہم اس کے پاس بطور امانت ہوں گے۔

اور دوسرے قول کے مطابق نیا قبضہ شرط نہیں ہے۔کیونکہ ہبہ کی طرح رہن بھی احسان ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔اور امانت کا قبضہ یہ ہبہ کے قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔کیونکہ رہن کا عین امانت ہے۔اور قبضہ عین پر ہوتا ہے پس امانت کا قبضہ کا عین کے قبضے کے قائم مقام ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی شخص نے ایک ہزار روپے کے مقابل میں غلام کو رہن رکھا اس کے بعد راہن نے مرتہن کو ایک دوسرا غلام دیا کہ اُس کی جگہ پر اسے رہن رکھ لو جب تک مرتہن پہلے غلام کو واپس نہ دے دے وہ رہن سے خارج نہیں ہوگا اور دوسرا غلام مرتہن کے پاس بطور امانت ہے جب پہلا غلام واپس کر دے اب یہ دوسرا غلام رہن ہو جائے گا اور مرتہن کے ضمان میں آ جائے گا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

مرتہن کا راہن کو قرض سے بری کر دینے کا بیان

(وَلَوْ أَبْرَأَ الْمُرْتَهِنُ الرَّاهِنَ عَنْ الدَّيْنِ أَوْ وَهَبَهُ مِنْهُ ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ يَهْلَكُ بِغَيْرِ شَيْءٍ اسْتِحْسَانًا) خِلَافًا لِزُفَرَ ؛ لِأَنَّ الرَّهْنَ مَضْمُونٌ بِالدَّيْنِ أَوْ بِجِهَتِهِ عِنْدَ تَوَهُّمِ الْوُجُودِ كَمَا فِي الدَّيْنِ الْمَوْعُودِ وَلَمْ يَبْقَ الدَّيْنُ بِالْإِبْرَاءِ أَوْ الْهِبَةِ وَلَا جِهَتِهِ لِسُقُوطِهِ ، إلَّا إذَا أَحْدَثَ مَنْعًا ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ بِهِ غَاصِبًا إذَا لَمْ تَبْقَ لَهُ وِلَايَةُ الْمَنْعِ

ترجمہ

اور جب مرتہن نے قرض سے راہن کو بری کر دیا ہے یا پھر اس نے راہن کو قرض ہبہ کر دیا ہے یا پھر وہ مرہونہ چیز مرتہن کے قبضہ سے ہلاک ہو گئی ہے۔ تو وہ استحسان کے طور پر بغیر بدلے کے ہلاک ہوئی ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ رہن دین کے سبب مضمون ہے۔ یا پھر دین پائے جانے کے خیال ہونے کی [illegible] رت میں دین کی وجہ سے رہن مضمون ہوتی ہے۔ جس طرح لوٹ کر آنے والے دین میں ہوتا ہے۔ اور بری کر دینے اور ہبہ کر دینے کے سبب قرض باقی نہ رہا اور نہ ہی قرض ساقط ہونے کے سبب اس کی کوئی صورت باقی رہی۔ ہاں البتہ جب مرتہن نے دینے انکار کر دیا ہے پس اس انکار کے سبب وہ غاصب بن جائے گا۔ کیونکہ اس کے پاس انکار کی ولایت باقی نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرتہن نے راہن سے دَین معاف کر دیا، یا ہبہ کر دیا اور ابھی مرہون کو واپس نہیں کیا ہے اور مرہون ہلاک ہو گیا تو مرتہن سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا ہاں اگر راہن نے مرتہن سے معافی یا ہبہ کے بعد مرہون کو مانگا اور اس نے نہیں دیا اس کے بعد ہلاک ہوا تو مرتہن کے ذمہ تاوان ہے کہ روکنے سے غاصب ہو گیا اور اگر مرتہن نے دَین وصول پایا راہن نے اُسے دیا ہو یا کسی دوسرے نے بطور تبرع دَین ادا کر دیا یا مرتہن نے راہن سے دَین کے عوض میں کوئی چیز خرید لی یا راہن سے کسی چیز پر مصالحت کی یا راہن نے دَین کا کسی دوسرے شخص پر حوالہ کر دیا اور ان صورتوں میں مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا تو دَین کے مقابل میں ہلاک ہوگا یعنی دَین ساقط ہو جائے گا اور جو کچھ راہن نے متبرع سے وصول پایا ہے اُسے واپس کرے

اور حوالہ والی صورت میں حوالہ باطل ہوگیا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

عورت کا مہر کے بدلے میں رہن لینے کا بیان

(وَكَذَا إِذَا ارْتَهَنَتِ الْمَرْأَةُ رَهْنًا بِالصَّدَاقِ فَأَبْرَأَتْهُ أَوْ وَهَبَتْهُ أَوْ ارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ قَبْلَ الدُّخُولِ أَوْ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ عَلَى صَدَاقِهَا ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ فِي يَدِهَا يَهْلَكُ بِغَيْرِ شَيْءٍ فِي هَذَا كُلِّهِ وَلَمْ تَضْمَنْ شَيْئًا لِسُقُوطِ الدَّيْنِ كَمَا فِي الْإِبْرَاءِ ، وَلَوْ اسْتَوْفَى الْمُرْتَهِنُ الدَّيْنَ بِإِيفَاءِ الرَّاهِنِ أَوْ بِإِيفَاءِ مُتَطَوِّعٍ ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ فِي يَدِهِ يَهْلَكُ بِالدَّيْنِ وَيَجِبُ عَلَيْهِ رَدُّ مَا اسْتَوْفَى إِلَى مَا اسْتَوْفَى مِنْهُ وَهُوَ مَنْ عَلَيْهِ أَوْ الْمُتَطَوِّعُ بِخِلَافِ الْإِبْرَاءِ) وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ بِالْإِبْرَاءِ يَسْقُطُ الدَّيْنُ أَصْلًا كَمَا ذَكَرْنَا ، وَبِالِاسْتِيفَاءِ لَا يَسْقُطُ لِقِيَامِ الْمُوجِبِ ، إِلَّا أَنَّهُ يَتَعَذَّرُ الِاسْتِيفَاءُ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ ؛ لِأَنَّهُ يَعْقُبُ مُطَالَبَةَ مِثْلِهِ ، فَأَمَّا هُوَ فِي نَفْسِهِ فَقَائِمٌ ، فَإِذَا هَلَكَ يَتَقَرَّرُ الِاسْتِيفَاءُ الْأَوَّلُ فَانْتَقَضَ الِاسْتِيفَاءُ الثَّانِي .

ترجمہ

اور اسی طرح جب کسی عورت نے مہر کے بدلے میں کوئی چیز رہن کے طور پر لی ہے۔اس کے بعد اس نے خاوند کو بری کر دیا ہے یا مہر اس کو ہبہ کر دیا ہے یا نعوذ باللہ قبل دخول وہ مرتد ہوگئی ہے۔یا اس نے مہر کے بدلے میں خاوند سے خلع کر لیا ہے۔اس کے بعد وہ مرہونہ چیز اس کے ہاں سے ہلاک ہوگئی ہے۔تو ان تمام صورتوں میں وہ کسی عوض کے بغیر ہلاک ہونے والی ہے۔اور قرض ساقط ہوجانے کے سبب وہ عورت کسی بھی چیز کی ضامن نہ بن سکے گی۔جس طرح بری کرنے میں ہوتا ہے۔

اور جب مرتہن نے دین کو وصول کر لیا ہے خواہ یہ راہن کے دینے سے ہوا ہے یا کسی احسان کرنے والے کے دیئے ادا ہوا ہے اس کے بعد وہ مرہونہ چیز اس کے قبضے سے ہلاک ہوگئی ہے۔تو وہ دین کے بدلے میں ہلاک ہونے والی ہے۔اور اس پر وصول کردہ رقم وصول کرنے والے آدمی کو دینے لازم ہے۔اگر چہ وہ قرض والا ہے یا احسان کرنے والا ہے۔جبکہ بری کرنے میں ایسا نہیں ہے۔

اور فرق کی دلیل یہ ہے کہ بری کرنے سے قرض بالکل ساقط ہوجاتا ہے۔جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔جبکہ استیفاء سے قرض ساقط ہونے والا نہیں ہے کیونکہ اس کو واجب کرنے والا باقی ہے۔پس فائدہ نہ ہونے کے سبب سے استیفاء ناممکن ہے۔کیونکہ یہ اپنی طرح کا مطالبہ لانے والا ہے۔جبکہ نفس استیفاء پایا جا رہا ہے۔پس جب مرہونہ چیز ہلاک ہوگئی ہے تو پہلا استیفاء مضبوط ہوجائے گا اور دوسرا استیفاء ختم ہوجائے گا۔

شرح

اور جب عورت کے پاس شوہر نے مہر کے مقابل میں کوئی چیز رہن رکھ دی پھر عورت نے مہر معاف کر دیا، یا شوہر کو ہبہ کر دیا یا

مہر کے مقابل میں شوہر سے خلع کرایا، ان سب کے بعد وہ مرہون چیز عورت کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کے مقابل میں عورت سے کوئی معاوضہ نہیں لے سکتا۔

اور جب ایک شخص نے دوسرے کا مہر بطور تبرع ادا کر دیا پھر شوہر نے عورت کو قبل دخول طلاق دے دی تو وہ شخص عورت سے نصف مہر واپس لے سکتا ہے کیونکہ دخول سے قبل طلاق ہونے میں عورت آدھے مہر کی مستحق ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے کوئی چیز خریدی دوسرے نے بطور تبرع اُس کا ثمن بائع کو دے دیا پھر مشتری نے عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کر دیا تو ثمن اس کو ملے گا جس نے دیا ہے مشتری کو نہیں ملے گا۔ (زیلعی)

دین کا عین خریدے یا عین پر صلح کرنے کا بیان

(وَكَذَا إذَا اشْتَرَى بِالدَّيْنِ عَيْنًا أَوْ صَالَحَ عَنْهُ عَلَى عَيْنٍ) ؛ لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءٌ (وَكَذَلِكَ إذَا أَحَالَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ بِالدَّيْنِ عَلَى غَيْرِهِ ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ بَطَلَتْ الْحَوَالَةُ وَيَهْلَكُ بِالدَّيْنِ) ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَرَاءَةِ بِطَرِيقِ الْأَدَاءِ ؛ لِأَنَّهُ يَزُولُ بِهِ عَنْ مِلْكِ الْمُحِيلِ مِثْلَ مَا كَانَ لَهُ عَلَى الْمُحْتَالِ عَلَيْهِ ، أَوْ مَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِهِ إنْ لَمْ يَكُنْ لِلْمُحِيلِ عَلَى الْمُحْتَالِ عَلَيْهِ دَيْنٌ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيلِ (وَكَذَا لَوْ تَصَادَقَا عَلَى أَنْ لَا دَيْنَ ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ يَهْلَكُ بِالدَّيْنِ) لِتَوَهُّمِ وُجُوبِ الدَّيْنِ بِالتَّصَادُقِ عَلَى قِيَامِهِ فَتَكُونُ الْجِهَةُ بَاقِيَةً بِخِلَافِ الْإِبْرَاءِ ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور اسی طرح جب دین کے بدلے میں مرتہن نے کوئی چیز خریدی ہے یا اس نے راہن سے کسی عین پر مصالحت کر ڈالی ہے کیونکہ یہ بھی استیفاء ہے۔

اور اسی طرح جب راہن مرتہن کو قرض کے بارے میں اپنے کے سوا کی جانب پھیر دے۔ اور اس کے بعد مرہونہ چیز ہلاک ہوجائے تو وہ حوالہ باطل ہو جائے گا۔ اور وہ مرہونہ چیز قرض کے بدلے میں ہلاک ہونے والی بنے گی۔ کیونکہ حوالہ ادائیگی کے مطابق بری کرنے کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ حوالہ کے سبب سے محیل کی ملکیت سے اسی کی مثل سے ختم ہو جانے والی ہے۔ جو محیل کیلئے محتال علیہ پر ہوتی ہے۔ یا پھر جتنی مقدار کو محتال علیہ محیل سے واپس لینے والا ہے۔ جب محیل کا محتال علیہ پر قرض نہ ہو۔ کیونکہ محتال علیہ جو ہے یہ وکیل کے حکم میں ہوتا ہے۔

اور اسی طرح جب مرتہن اور راہن دونوں نے قرض نہ ہونے پر اتفاق کیا ہے اس کے بعد مرہونہ چیز ہلاک ہوگئی تو وہ قرض کے بدلے میں ہلاک ہونے والی شمار کی جائے گی۔ کیونکہ قرض کے قیام پر اتفاق کرنے کے سبب دین کا وجوب کے خیال ہے۔ پس

جانب قرض باقی رہ جائے گی۔ جبکہ بری کرنے میں ایسا نہیں ہے۔اور اللہ ہی سب سے زیادہ حق کو جاننے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب مرتہن نے راہن سے دَین معاف کردیا، یا ہبہ کردیا اور ابھی مرہون واپس نہیں کیا ہے اور مرہون ہلاک ہوگیا تو مرتہن سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا ہاں اگر راہن نے مرتہن سے معافی یا ہبہ کے بعد مرہون کو مانگا اور اس نے نہیں دیا اس کے بعد ہلاک ہوا تو مرتہن کے ذمہ تاوان ہے کہ روکنے سے غاصب ہوگیا اور اگر مرتہن نے دَین وصول پایا راہن نے اُسے دیا ہو یا کسی دوسرے نے بطور تبرع دَین ادا کردیا یا مرتہن نے راہن سے دَین کے عوض میں کوئی چیز خرید لی یا راہن سے کسی چیز پر مصالحت کی یا راہن نے دَین کا کسی دوسرے شخص پر حوالہ کردیا اور ان صورتوں میں مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہوگیا تو دَین کے مقابل میں ہلاک ہوگا یعنی دَین ساقط ہو جائے گا اور جو کچھ راہن نے متبرع سے وصول پایا ہے اُسے واپس کرے اور حوالہ والی صورت میں حوالہ باطل ہوگیا۔ (درمختار، کتاب رہن، بیروت)

اور یہ سمجھ کر کہ فلاں کا میرے ذمہ دَین ہے ایک چیز رہن رکھ دی اس کے بعد راہن و مرتہن نے اس پر اتفاق کیا کہ دین تھا ہی نہیں اور مرہون ہلاک ہوگیا تو دَین کے مقابل میں ہلاک ہوا یعنی مرتہن راہن کو اتنی رقم ادا کرے جس کے مقابل ہلاک ہوا یعنی مرتہن راہن کو اتنی رقم ادا کرے جس کے مقابل میں رہن رکھا گیا۔

اور بعض آئمہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ اُس صورت میں ہے کہ مرہون کے ہلاک ہونے کے بعد دونوں نے دَین نہ ہونے پر اتفاق کیا ہو اور اگر اتفاق کرنے کے بعد ہلاک ہو تو ضمان نہیں کہ اب وہ چیز مرتہن کے پاس امانت ہے مگر صاحب ہدایہ کے نزدیک دونوں صورتوں کا ایک حکم ہے۔

شرح ہدایہ جلد چہاردہم کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! آج بروز بدھ ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ بمطابق یکم مئی ۲۰۱۳ء کو شرح ہدایہ کی چودھویں جلد پایہ تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالی اسی طرح بقیہ شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطائے فرمائے۔اللہ تعالی اس کتاب کو میرے لئے بخشش کا سبب بنائے۔اللہ تعالی ہمیں صراط مستقیم پر چلائے۔اس کتاب کے قارئین، ناشر، اور اس کو امت مسلمہ کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین بجاہ النبی ﷺ

محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق

چک سنتیکا بہاولنگر

ترجمہ

شارح بخاری

استاذ زمن واقف اسرار آیات وسنن

ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شبیر برادرز

فون: 042-37246006